یزید بن معاویہ

کے دور حکومت میں مخالف تحریکیں

(کربلا، واقعہ حرہ اور محاصرہ مکہ کے واقعات وحقائق)

تالیف

دکتور محمد بن عبد الہادی بن رزاق الشیبانی

مواقف المعارضة

في عهد يزيد بن معاوية (٦٠-٦٤هـ)

البيعة - معارضة الحسين بن علي - معركة كربلاء
معركة الحرة - معارضة عبد الله بن الزبير - حريق الكعبة

تأليف

د. محمد بن عبد الهادي بن رزّان الشيباني

عناوین

یزید بن معاویہ

یزید بن معاویہ

اہل مدینہ کی مخالفت اور معرکہ حرہ

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی مخالفت

خاتمہ



اسلامی تاریخ کے مطالعہ کا منہج

تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں پہلی صدی ہجری کی ایک خاص حیثیت ہے، کیوں کہ اس میں جزیرہ عرب سے نمودار ہونے والے جدید اسلامی اصول ومبادیات اور وہاں صدیوں سے قائم جاہلی وعجمی روایات کے درمیان باہمی تصادم اور کشاکشی کا ایک طویل سلسلہ ہے، جس کے نتیجہ میں دنیا میں متعدد مشکلات، مسائل اور نظریات نے جنم لیئے، اور تاہنوز اس کی خطرناکیاں ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ یہ مقام افسوس ہی ہے کہ تدوین تاریخ اسلام کے آغاز سے لے کر آج تک قدیم سیاسی پارٹیوں اور مذہبی عصبتیوں نے ہماری خوبصورت تاریخ کے حسن و جمال کو مسخ کر دیا، اس کے حقائق سے کھلواڑ کیا، اس کے فضائل، خصوصیات اور تابناک عادات و روایات کو دفن کر دیا، نئے نئے اکاذیب کو اس میں شامل کر دیا اور عذر ومعذرت کے حوالے سے واقعات کے رخ کو تبدیل کر دیا۔ [1] یہیں سے ہر ذی شعور کے لیے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ تاریخ سے کھلواڑ کرنے والوں نے اپنے ان سیاہ کرتوتوں اور مفسدانہ کاوشوں کے ذریعہ دنیا کے مختلف خطوں میں بسنے والے مختلف اقوام وملل کے باشعور اور تہذیب آشنا طبقوں میں یہ باور کرانا چاہا ہے کہ اسلام کوئی قابل احترام مذہب نہیں ہے، نہ وہ خود محترم ہے اور نہ اس کی عقلی ترشید اور شعوری رہنمائیاں قابل توجہ ہیں، انھوں نے یہ پیغام دینے کی کوشش کی ہے کہ جس مذہب کی تاریخ اس قدر اعتقادی الجھنوں، سیادت و قیادت کے تغیرات وانقلابات اور جھگڑوں سے بھری ہو، تہذیب وتمدن کی اصول پذیریوں سے ناآشنا اور کشت وخون کی دلداہ ہو بھلا وہ ایک مذہب اور محترم مذہب کیوں کر ہوسکتا ہے، خواہ وہ اپنی زمین اور اپنے ملک ہی میں کیوں نہ ہو۔ [2]

دراصل آج جس انداز میں ہم اپنی تاریخ دیکھ رہے ہیں انھیں تاریخی اسناد وروایات کا جامہ پہنانے میں راست طور پر کچھ اسباب وعوامل کی زبردست دخل اندازی رہی ہے، مثلاً تاریخ کا ایک ہی حادثہ مختلف کتب تواریخ میں معین اور مخصوص نظریات کے مطابق الگ الگ ڈھنگ سے پیش کیا جاتا ہے، اور یہ نظریات و رجحانات اصلا ان عوامل واسباب کے ماتحت ہوتے ہیں جو ان نظریات پر اثر انداز ہوتے ہیں، اس لیے میں یہ بتانا مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلی صدی ہجری میں خاص طور پر جو تاریخی حوادث پیش آئے اور انھیں نقل کرنے

[1] ، [2] لعبة اليمين واليسار/ عماد الدين ص ٤٦ تا ٤٨

میں تاریخی رویات جن اسباب وعوامل سے متاثر ہوئیں، وہ مختصراً تین طرح کے تھے:

ا۔ سیاسی سبب:

یہ بات معروف ومشہور ہے کہ کتب تواریخ کی تالیف وتدوین کا آغاز پہلی صدی ہجری کے آخری ایام میں ہوا، اور اس نے صحیح معنوں میں اس کی وسعتوں کو عباسی دور میں سمیٹا، لیکن مقام افسوس یہ رہا کہ تاریخ نویسی کا یہ مرحلہ عصبیت وعداوت سے متاثر رہا، یعنی امویوں کی تاریخ ان کے اپنے حریف عباسیوں کی سرپرستی میں اس انداز میں مرتب ہوئی کہ اس میں صحیح اور مطلوبہ علمی معنویت وتقاضوں کا فقدان رہا۔

اسی لیے امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہر حکومت میں یہ چیز پائی جاتی رہی ہے، مورخ اس حکومت کی خوبیوں کو سراہتا ہے اور خامیوں کو نظر انداز کرتا ہے کیوں کہ اسے تلوار اور سزا کا خوف لاحق رہتا ہے۔''[1]

تاریخ وادب کی کتابوں میں ایسی بے شمار روایتیں موجود ہیں جو امویوں کے تئیں عباسیوں کی سخت عداوت اور نفرت کو نمایاں کرتی ہیں، دریں صورتحال کہ جو ماحول خوف ودہشت سے سہما ہوا ہو اور وہاں راست گوئی کا فقدان ہو ایک مورخ کیوں کر حقیقت واقعہ کو منظر عام پر لانے پر جرات کرسکتا ہے؟؟ محمد بن معافی طاؤس رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے دادا موصل کے گورنر حرثمہ بن اعین کے پاس ملاقات کے لیے گئے، انھوں نے میرے دادا سے پوچھا: محترم! آپ کی عمر کتنی ہوگی؟ میرے دادا کہنے لگے:

((ادرکت خمسة ائمة من بنی امیة))

''میں نے امویوں کے پانچ ائمہ (حکمرانوں) کا دور پایا ہے۔''

یہ سنتے ہی گورنر کہنے لگا:

((یا شیخ! و بنو امیة عندك ائمة؟.))

''محترم! بنوامیہ تمھارے نزدیک ائمہ ہیں؟؟''

اس وقت گورنر کے ہاتھ میں لوہے کی ایک چھڑی تھی، وہ اسے الٹنے پلٹنے لگا، میرے دادا کا بیان ہے کہ مجھے خوف لاحق ہوا یہ مجھے مار ڈالے گا، اس لیے میں نے تاویلاً اس کے سامنے فوراً یہ آیت کریمہ پڑھا:

﴿أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ ۝﴾ (القصص: ٤١)

''وہ ائمہ جو جہنم کی طرف بلاتے ہیں، اور روز قیامت وہ مدد نہیں کئے جائیں گے۔''

سخاوی فرماتے ہیں: ''یہ سن کر وہ خوش ہوگیا، جب کہ امویوں کو ائمہ کہنے پر اس کا چہرہ پہلے غصہ سے

[1] الإعلان بالتوبیخ/ السخاوی ۱۲۱

لال پیلا ہو گیا تھا۔'' ❶

اس واقعہ سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ عباسیوں کے دل میں ان کے حریف امویوں کے خلاف کس قدر بغض اور کینہ بھرا ہوا تھا، ظاہر ہے کہ یہ ماحول یقیناً صحیح تاریخی روایات کو بہت حد تک متاثر کرنے والا ہے۔

۲۔ مذہبی سبب:

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد صحابہ کرام کے درمیان رونما ہونے والے اختلافات کے نتیجہ میں مسلمانوں کے دو بڑے فرقے معرض وجود میں آ گئے، اور ہر فرقہ کا نظریہ، طرز فکر اور طریقہ کار دوسرے سے یکسر مختلف رہا، دونوں ہی اپنے افکار و نظریات کی تاسیس و فروغ میں ان اہل سنت و جماعت کے منہج سے الگ رہے، جن میں اکثریت امویوں کی تھی۔

چناں چہ شیعہ حضرات علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حامی و ناصرین بن کر اٹھ کھڑے ہوئے، اور رفتہ رفتہ ان کے عقائد اس حد تک پہنچ گئے کہ وہ بیشتر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خاص کر شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تکفیر کرنے لگے، مزید برآں انھوں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی پر خیانت کی تہمت لگائی، علاوہ ازیں ان کے بہت سے واضح اعتقادی اختلافات ہیں جو عقائد اہل سنت و جماعت سے یکسر متصادم ہیں۔ پر مقام افسوس یہ ہے کہ انھیں اہل تشیع میں کلبی، نصر بن مزاحم، اور ابو مخنف جیسے بڑے بڑے مورخین ابھر کر سامنے آئے جن پر بعد کے مورخین کو اعتماد کرنا پڑا۔ چوں کہ ''تقیہ'' شیعہ کا دین اور ان کے مذہب کا بنیادی عقیدہ ہے، جس کے مطابق کوئی بھی شیعہ اپنے عقیدہ و مذہب کی تائید میں جھوٹ بولنے کا حق رکھتا ہے۔اس لئے ان مورخین پر بھی کلی اعتماد شک کے دائرے میں ہوتا ہے۔ اس باب میں بطور مثال کلبی کا نام لیا جا سکتا ہے جو کہ ایک معروف مورخ اور علم الانساب میں سند کا درجہ رکھتا ہے، ساتھ ہی وہ مفسر قرآن بھی ہے۔ چناں چہ جب تفسیر قرآن کے باب میں اس کی سند کو لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ عن ابی صالح عن ابن عباس روایت کرتا ہے جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بسند صحیح سفیان سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے کہا: مجھ سے کلبی نے کہا، کہ مجھ سے ابو صالح نے کہا، جو کچھ بھی میں تم سے بیان کروں وہ جھوٹ ہے۔ ❷

کلبی کی تفسیر کے بارے میں احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وہ جھوٹ ہے اس پر توجہ دینا حلال نہیں ہے۔'' ❸

---

❶ التاریخ الکبیر ۱/ ۱/ ۱۰۱ ❷ تاریخ الموصل/ الازدی ۲۵۲

❸ میزان الاعتدال/ الذہبی ۳/ ۵۵۸

اس کے بارے میں ابن حبان فرماتے ہیں:

''جسے کلبی روایت کرے کتاب میں اس کا ذکر کرنا حلال نہیں ہے، اس سے دلیل پکڑنا کیسے جائز ہوگا۔'' ❶

واضح رہے کہ خود کلبی کا عقیدہ اس وقت زیادہ واضح ہوا جب اس نے ابوعوانہ سے بیان کیا کہ جبریل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ پر وحی کا املاء کراتے تھے، ایک مرتبہ جب آپ ﷺ بیت الخلاء چلے گئے تو علی رضی اللہ عنہ پر املاء کرانا شروع کر دیا۔ ❷

۳۔ قصہ گوئی و داستان سرائی کا سبب:

تاریخی روایات کی مضمون نویسی و ترتیب میں قصہ گو حضرات کی افسانہ طرازیوں کا بھی اہم کردار ہے، اس لیے ان کے نقل کردہ واقعات سے تاریخی حقائق کشید کرنا انتہائی بیدار مغزی اور خبردار رہنے کا طالب ہے، کیوں کہ قصہ گو راویوں کی طرف سے حادثات کی جو تفصیلات آئی ہیں وہ شروع دور میں صرف زبانی روایات تک محدود تھیں، انھیں کافی بعد کے ادوار میں صفحہ قرطاس پر لایا گیا ہے، مزید برآں باہمی تفاخر و مقابلہ آرائی، بڑے بڑے بہادروں کے مواقف، اور جذبات کو بھڑکانے والے واقعات کے حوالے سے سامعین کو تسلی دینا اور انھیں خوش کرنا ان کا مقصد ہوا کرتا تھا، لہٰذا یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہوسکتی کہ اس طرح کے مواقف کا اختراع کرنے اور مشاہیر کے حوالے سے بہت سارے واقعات کو گھڑنے میں ان قصہ گو روایوں نے تصنع اور دروغ گوئی کا سہارا نہ لیا ہو۔ ❸ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قصہ گوئی سے منع کرتے اور ایسا کرنے والے کو مارتے تھے۔ ❹ شاید یہی وجہ تھی کہ عہد نبوی، عہد صدیقی، اور دور فاروقی میں کسی قصہ گو کی قصہ گوئی سامنے نہیں آئی۔ ❺ اس سے ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگ خلافت راشدہ کے بعد عالم اسلام میں پھیلے اور عہد اموی میں ان کی ایک خاطر خواہ تعداد ہوگئی۔ ❻

اصحاب رسول ﷺ نے قصہ گو حضرات کی روایات میں جب تیزی سے اضافہ ہوتے دیکھا تبھی ان کی خطرناکیوں اور ہلاکت خیزیوں کو محسوس کر لیا تھا، مزید برآں جب وہ اصحاب رسول کے درمیان ہونے والے

---

❶ میزان الاعتدال / الذهبی ۳/ ۵۵۸

❷ المجروحین ۲/ ۲۵۳

❸ مصادر التاریخ الاسلامی / اسید کاشف ص ۹۷

❹ اخبار المدینه/ ابن شبّه ۱/ ۹-۱۰

❺ اخبار المدینه/ ابن شبّه ۱/ ۹-۱۰

❻ اخبار المدینه/ ابن شبّه ۱/ ۱٤-۱۵

اختلافات کو پیش کرنے لگے تو صحابہ کرام ان سے اور بھی خبردار ہوگئے، چناں چہ ایک مرتبہ صحابی رسول صلۃ بن حارث غفاری رضی اللہ عنہ نے ابوصالح سعید بن عبدالرحمٰن التجیبی کو کھڑے ہوکر لوگوں کو قصہ سناتے دیکھا تو اس سے کہا: ابھی ہم عہد نبوت میں ہیں، ان میں ہماری رشتہ داریاں موجود ہیں اور تم اور تمھارے ساتھی جیسے لوگ ہمارے ہی درمیان کھڑے ہوکر قصہ گوئی کرنے لگے؟؟ [1]

پھر شب و روز گزرنے کے ساتھ ہی لوگوں کے درمیان قصہ گو حضرات کے اثر و رسوخ بڑھنے لگے، خاص طور سے عوام الناس میں، کیوں کہ وہ ایسے عجیب وغریب واقعات سنانے کے خوب حریص ہوتے جن سے لوگوں میں ان کی پذیرائی ہو، اور وہ ان سے خوش رہیں۔ [2]

قابل تعریف ہیں ابن الجوزی جنھوں نے اپنے دور میں ان کا قافیہ تنگ کردیا، اور ان کے بارے میں مستقل ایک کتاب لکھی، جس میں ان کی غلطیوں اور خامیوں کا پردہ چاک کردیا۔ فرمایا: بیشتر قصہ گو اپنی قلت ورع اور کم علمی کی وجہ سے سچائی کو نہیں تلاش کرتے، اور نہ غلطیوں سے احتراز کرتے ہیں۔ [3]

بے شک پہلی صدی ہجری میں نظریات و رجحانات کے فرق، مصلحتوں کے باہمی تصادم اور آراؤ افکار کے اختلافات نے لوگوں کے ذہنوں میں اس دور کی متنوع تصویر کشی کیا جس کے نتیجہ میں قصداً یا بلا قصد وارادہ ان میں اس صدی کو لے کر اختلافات ظاہر ہوئے، اور ان کے فیصلوں میں بھی تضاد رہا، جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ آج تک ہم حقائق کی معرفت تک پہنچنے اور اس کی مناسب تشریح و تاویل کرنے میں ان فروق، تنوعات اور تضادات کے مظاہر کو برداشت کررہے ہیں، جب کہ انھیں چیزوں کو دیکھ کر بہت سارے لوگ گھبرا گئے، اور تاریخ کے مطالعہ سے ہی پیچھے ہٹ گئے۔ مبادا ایسا نہ ہو کہ تاریخ کا کوئی ایسا جدید منظر سامنے آجائے جو ایک زمانے سے عوام الناس کے ذہنوں میں راسخ عقیدہ اور مزاج کے خلاف ہو، یہی وجہ رہی کہ منظر عام پر آنے والے مقالوں اور بحوث ومضامین میں اکثر ناقص ترین مطالعہ ہی کو پیش کرنے پر اکتفا کیا گیا۔ [4]

اسی طرح تاریخی روایات میں بکثرت زیادتی نے ان روایات کی صحت میں شک وشبہہ کو بھی جنم دے دیا کیوں کہ ایسی روایات میں علمی گہرائی اور اس کے راویوں میں ثقاہت ملحوظ نہیں رکھی گئی تھی، انھیں حالات نے

---

[1] مجمع الزوائد/ الهيثمى ١/ ١٨٩ ، ہیثمی فرماتے ہیں، اس کو طبرانی نے اپنی "الکبیر" میں بسند حسن روایت کیا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابوصالح سعید بن عبدالرحمٰن الغفاری نے ان کو خبر دیا کہ سُلیم بن عنز التجیبی لوگوں کو کھڑے ہوکر قصہ سناتا تھا، تو صلہ بن حارث الغفاری صحابی رسول نے ان سے کہا............" التاريخ الكبير ٤/ ٣٢١ ، (الاصابة٣/ ٤٤٧)

[2] الاسرار المرفوعة/ الملا على قارى ص ٣٩

[3] القصاص والمذكرين / ابن الجوزى (١٠) تاريخ القصاص واثرهم فى الحديث النبوى / محمد نطفى الصباغ

[4] التنظيمات الاجتماعية و الادارية فى البصرة / صالح العلى ٨، ٩

امام احمد رحمہ اللہ کو یہاں تک کہنے پر مجبور کر دیا تھا کہ ”ثلاثة کتب لیس لها اصول، المغازی، الملاحم، والتفسیر“ ❶ تین کتابوں کے کوئی اصول نہیں ہیں، کتاب المغازی، کتاب الملاحم، کتاب التفسیر۔ امام احمد یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مذکورہ کتابوں کی صحیح تاریخی اسناد نہیں ہیں یعنی ان کی اکثر روایات مرسل اور منقطع ہیں۔ پس جب کوئی چیز اپنے تعدد اسناد کی بنا پر اہل فن کے نزدیک شہرت پا جاتی ہے تو اہل علم اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ دوسرے کی طرف نہیں۔ ❷

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ امام احمد کے اس قول پر لکھتے ہیں:

”مناسب یہ تھا کہ مذکورہ کتب کے ساتھ کتاب الفضائل کو بھی شامل کر دیا جاتا، کہ یہی سب موضوع اور ضعیف احادیث کی وادیاں ہیں، کتب مغازی کا انحصار واقدی پر، اور تفسیر کا مقاتل و کلبی جیسوں پر، جب کہ ملاحم کا انحصار اسرائیلی روایات پر ہے، اور جہاں تک فضائل کی بات ہے تو روافض نے اس بات میں آل بیت کے بارے میں جو کچھ گھڑا ہے، وہ شمار کے قابل نہیں، مزید افسوس یہ ہے کہ اہل سنت کے جاہلوں نے فضائل معاویہ بلکہ فضائل شیخین کو لے کر روافض سے ٹکر لیا، حالاں کہ اللہ نے ان دونوں (شیخین) کو اور ان کے مقام و مرتبہ کو اس مناظر میں لانے سے بے نیاز کیا تھا۔“ ❸

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”کتب سیرت و تواریخ کے بیشتر مصنفین اور فضائل انبیاء کے اغلب ناقلین صحیح اور ضعیف روایوں میں تمیز نہیں کرتے، اور نہ انھیں ان منقول روایتوں کی چھان بین میں کوئی مہارت اور صلاحیت ہی ہے۔ نہ ہی انھیں ان روایوں اور ناقلین کی تعدیل و تضعیف کے بارے میں کوئی تجربہ ہے۔ جہاں تک فضائل اعمال، فضائل اشخاص، فضائل زمان و مکان اور فضائل قبر کا تعلق ہے تو یہ ایسے ابواب ہیں جس میں کذب و بہتان کا دائرہ بہت ہی وسیع ہے۔“ ❹

چناں چہ علماء محدثین نے روایات کے لینے اور قبول کرنے کے کچھ اصول وضوابط وضع کے ہیں، انھیں میں سے ایک وہ قاعدہ ہے جس کی صراحت مالک بن انس رحمہ اللہ نے کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: چار قسم کے

---

❶ شرح الکوکب المنیر/ ابن النجار الحنبلی ۲/ ۱۵۸)

❷ الرد علی البکری/ ابن تیمیه ص ۱۷

❸ لسان المیزان/ ابن حجر ۱۳

❹ الرد علی البکری/ ابن تیمیه ص ۱٤

لوگوں سے علم نہیں لیا جائے گا، ان کے علاوہ جو بھی ہیں ان سے علم لے لو۔

۱۔ ایسے بے وقوف و نادان سے نہیں لیا جائے گا جس کی کم عقلی واضح ہو، اگرچہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ روایت کرنے والا ہو۔

۲۔ ایسے نفس پرست سے نہیں لیا جائے گا جو اپنی نفس پرستی کی طرف دوسروں کو دعوت دیتا ہو۔

۳۔ ایسے کذاب سے نہیں لیا جائے گا جو لوگوں کی گفتگو میں دروغ گو ہو۔

۴۔ نہ ہی ایسے شیخ سے لیا جائے گا جو اپنی عبادت اور فضل و شرف میں گرچہ شہرت یافتہ ہو لیکن اسے یہ نہ معلوم ہو کہ کیا وہ کہہ رہا ہے۔ ❶

عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں: تین قسم کے لوگوں کی روایتیں ناقابل قبول ہیں:

۱۔ وہ شخص جو جھوٹ سے متہم ہو

۲۔ وہ شخص جو کثیر الوہم اور صحیح غلط کو خلط ملط کر دینے والا ہو۔

۳۔ وہ شخص جو نفس پرست ہو اور اپنی بدعت کی طرف دعوت دیتا ہو۔ ❷

انھیں اصول و ضوابط کو سامنے رکھتے ہوئے علماء اسلام نے ایک مورخ کے لیے انتہائی اہم اور رکڑی شرطیں لگائی ہیں، مثلاً یہ کہ:

۱۔ مورخ صدق گو ہو۔

۲۔ جب کسی واقعہ یا روایت کا ناقل ہو تو لفظ پر اعتماد کرے نہ کہ معنی پر۔

۳۔ جو واقعہ یا روایت نقل کر رہا ہے اسے مذاکرہ اور یادداشت سے اخذ کر کے نہ لکھا ہو۔

۴۔ بلکہ جس سے نقل کر رہا ہے اس کا نام بتا دے۔

اسی طرح جو مورخ کسی راوی کی سیرت وسوانح تحریر کر رہا ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ:

- جس کی سیرت وسوانح لکھ رہا ہے اس کے علم و دین جیسے دیگر اعلیٰ اوصاف حمیدہ سے بخوبی واقف ہو۔ یہ بہت ہی اہم بات ہے۔
- سیرت کے لیے استعمال کئے جانے والے الفاظ اور طرز تعبیر میں حسن و جمال ہو، وہ الفاظ کے مدلول کو اچھی طرح جانتا ہو۔
- سیرت و کردار کی ایسی عمدہ منظر کشی ہو جو اعتدال پر مبنی ہو، اس کی عبارتوں میں نہ مبالغہ پایا جائے اور

❶ الکامل فی الضعفاء/ ابن عدی ۱/ ۱۰۳

❷ العلل و معرفة الرجال / احمد بن حنبل ۲/ ۲۱٤)

نہ تنقیص۔

- سوانح نگار پر نفس پرستی کا غلبہ نہ ہو، کہ وہ جسے پسند کرے اس کی تعریف میں حد سے تجاوز کر جائے اور دوسروں کے حق میں تقصیر و تنقیص سے کام لے۔ ❶

ایک مورخ کے اندر انھیں معتبر ترین اصول وضوابط کی موجودگی کے پیش نظر علم تاریخ کو حدیث نبوی کے فنون میں سے ایک فن شمار کیا گیا ہے۔ ❷

چوں کہ کتب تواریخ میں عموماً رطب و یابس ہر طرح کی روایتیں پائی گئیں اور تاریخ کے میدان میں کوئی ایسا اہم نام ابھر کر سامنے نہیں آیا جس نے ان روایتوں میں نقد و تمحیص اور تحقیق و تثبت سے کام لیا ہو، اس لیے لوگوں کی نگاہوں میں تاریخ کی اہمیت کمتر رہی اور اسے اس نظریہ سے دیکھا اور پڑھا گیا جیسے کہ واقعات اور قصوں کا یہ ایک مصدر ہو اور بس، پھر ہر کس و ناکس تاریخ پر گفتگو کرنا اپنا حق اور اختیار سمجھنے لگا۔ ابن خلدون رحمہ اللہ نے اس چیز کو اچھی طرح محسوس کیا، اور یوں گویا ہوئے:

> ''اس طرح کی آثار و روایات، احادیث اور آراء و خیالات کو سمجھنے میں بہت سارے ثقہ اور حفاظ مورخین سے لغزشیں ہوگئیں، پھر انھیں ضعیف النظر اور تطبیق و قیاس کی صلاحیتوں سے عاری لوگوں نے من وعن نقل کر دیا، وہ خود بلا بحث و تحقیق کے اس کے قائل ہوئے، اور یہ لغزشیں ان کے نوشتوں میں بھی محفوظ ہوگئیں، پھر آگے چل کر فن تاریخ ایک بے وقعت ملغوبہ بن کر رہ گیا، اس کے پڑھنے والے پیچیدگیوں میں الجھ گئے، اور عوام الناس کے لیے یہ ایک بے قیمت ہدیہ ہوگیا۔'' ❸

ہمارے اوائل دور کے علماء جن میں اکثریت محدثین کی تھی، نے تاریخی روایتوں کو یکجا کرنے میں بڑی ہی قابل قدر کاوشیں کی ہیں، تاکہ اہل علم و دانش لوگوں کو ان سے واقفیت ہو سکے، اور عادل و مجروح کے درمیان وہ تمیز کر سکیں۔ ❹

تاہم ان سب کے باوجود ایک بات جو ذہن میں کھٹکتی ہے اور بار بار یہ سوال سامنے آتا ہے کہ بیشتر تاریخی روایتیں ان مورخین اور اخباریین کی سند ہی سے کیوں آئی ہیں، جن کی ثقاہت اور عدالت شک کے دائرہ میں ہے؟؟ شاذ و نادر ہی خبریں اور روایتیں ملیں گی جو معتبر ترین ثقات کی سندوں سے آئی ہوں؟؟

---

❶ قاعدة فی المورخین / تاج الدین سبکی ٦٩ ، ٧٠ ، طبقات الشافعیة الکبری ٢/ ٢٢ ، ٢٣

❷ الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ ص ٨٢

❸ مقدمه ابن خلدون ١ / ٥٨ ❹ الاعلان بالتوبیخ / السخاوی ص ٩٩

اس کا جواب شاید آپ کو اس دور کے اسلامی معاشرے کا مزاج سمجھنے سے مل جائے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس وقت کا معاشرہ احادیث نبویہ کے جمع و تدوین اور ان میں صحیح و غلط کی توضیح پر اپنی توجہ مرکوز کئے ہوئے تھا، اوریہی مزاج تاریخ اسلام کے ابتدائی مراحل کے تمام علوم پر غالب تھا، اس لیے ثقات کی توجہ تاریخی روایات کے مقابلے احادیث پر زیادہ رہی۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ اس معاشرہ میں ایک محدث، اور حدیث سے شغف رکھنے والوں کی عوام الناس میں پذیرائی اور مقام ومرتبہ اکثر طلبہ کے نزدیک اس بات کا بڑا محرک تھا کہ ''فن حدیث اور اس سے متعلقہ علوم کو پڑھنے پڑھانے کے طرف زیادہ راغب ہوئے، نیز علماء اسی بات کو ترجیح دیتے تھے کہ ایک طالب علم جب تک فن حدیث کی پڑھائی سے فارغ نہ ہوجائے، علم تاریخ اورفن تاریخ کی طرف رخ نہ کرے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''اور وہ لوگ یعنی اہل الحدیث اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کے اسلاف سے گذشتہ قوموں کے بارے میں جو تاریخ منقول ہے اور انبیاء کے جو قصص و واقعات ان سے مروی ہیں اس کے بارے میں ہم بہتر یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک طالب علم احادیث رسول ﷺ کی پڑھائی سے فارغ نہ ہوجائے ان اخبار (تاریخ) کو جمع کرنے کی کوشش نہ کرے۔'' [1]

اور ابن عیاش القطان فرماتے ہیں:

> ''میں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کہا کہ میں انبیاء کی (احادیث) تاریخ جمع کرنا چاہتا ہوں، توانھوں نے مجھ سے کہا: جب تک کہ ہمارے نبی ﷺ کی تاریخ سے فارغ نہ ہوجاؤ۔'' [2]

مذکورہ احتیاطی اقدامات کے باوجود ہمیں بعض ایسے محدثین نظر آتے ہیں جو تاریخ کے راوی ہیں، لیکن ان کی بہت ساری روایتیوں کی اسناد میں "ارسال" اور "انقطاع" بکثرت موجود ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ اس دور میں تاریخ کے بالمقابل حدیث کی روایت میں متصل سندوں کے التزام کی دو اہم وجوہات تھیں:

۱۔ ایک تو روای حدیث کا ذاتی ورع وتقوی، یعنی اس کے دماغ میں دینی مزاج کا یہ احساس کی بلاتحقیق و تثبت نبی اکرم ﷺ کی طرف کسی بات کی نسبت جائز نہیں۔ خاص طور سے جب کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے:

---

[1] الاعلان بالتوبیخ / السخاوی ص ١١٤

[2] الاعلان بالتوبیخ / السخاوی ص ١١٤

((من كذب علی متعمدا فليتبوا مقعده من النار .)) [1]

''جو شخص میرے اوپر قصداً جھوٹ گھڑے چاہئے کہ وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے۔''

چناں چہ متصل اسناد میں ایک محدث کو یہ بات لے کر یک گونہ اطمینا رہتا ہے کہ اس کے پیشرو جو شیوخ یا شیوخ الشیوخ پھر تابعین اور صحابہ ہیں سب کے اس حدیث کے نقل کرنے اور اس کے نتیجہ وانجام کو سمجھنے میں اس کے ساتھ شریک ہیں، اس کی ذمہ داری تنہا اس محدث کے سر نہیں جاتی، اس کی ذمہ داری تو بس اتنی رہی کہ اس نے اپنے ثقہ اور ثبت شیخ سے حدیث کا سماع کیا اور نقل کر دیا۔

۲۔ دوسری وجہ محدث سے حدیث کے سامعین کی حالت پر موقوف ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ حدیث کا مفہوم سنت کو بھی شامل ہے، اسی لیے اسے اسلام کا دوسرا مصدر قرار دیا گیا ہے، قرآن مجید کے بعد اس کا درجہ ہے، اس لیے اس میں تدقیق وتحقیق کا مکمل التزام کیا گیا، ایک محدث کی بیان کردہ حدیث پر سامعین کو اس لیے بھی اعتماد کامل ہوتا ہے اور ان کے دلوں کو سرور واطمینان حاصل ہوتا ہے کہ اس کی روایت ایسے روایان حدیث کے اسناد متصل کے ذریعہ اس کے زمانے کو عصر رسول سے جوڑتی ہے، جس میں ہر راوی یہ گواہی دیتا نظر آتا ہے کہ اس نے اپنے شیخ (استاذ) سے حدیث کو سنا ہے، یہاں تک کہ وہ روایت بسند متصل صحابی رسول اور پھر رسول اکرم ﷺ تک پہنچتی ہے۔ [2]

بظاہر یہ دو وجہیں تھیں جن کی بنا پر احادیث نبویہ کی سندوں کی تحقیق میں جس قدر اہتمام کیا گیا تاریخی روایتوں میں اتنا اہتمام نہیں ہوا۔ نیز پہلی صدی ہجری میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے درمیان جو بعض حوادث پیش آئے ان کے تعلق سے چند اہم سوالات، اور بعینہ انھیں حوادث کے بارے میں تاریخی روایات کے تضادات ہی کو دیکھتے ہوئے شاید مالکی فقیہ ابن العربی مجبور ہوئے تھے کہ "العواصم من القواصم" نامی کتاب تالیف کریں۔ [3]

جس میں آپ نے صحابی کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی انتہائی روشن اور بے داغ تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اور جن تہمتوں سے متہم کیا گیا اور ان کے خلاف جو شکوک وشبہات پیدا کئے گئے ہیں سب کا مدلل اور مسکت جواب دیا ہے۔ ابن العربی رحمہ اللہ کی وہ پہلی شخصیت ہے جس نے اسلامی تاریخ کے انتہائی حساس اور پر پیچ مسائل وموضوعات کا حل پیش کرنے کی کوشش کی ہے، پھر ان کے بعد ہم دیگر بڑے بڑے علماء کو دیکھتے

[1] امام کتانی کی نظم المتناثر من الحديث المتواتر ص ۲۸ ، ۳۳ میں اس حدیث کی مفصل تخریج موجود ہے۔

[2] مصادر الشعر لجاهلي/ ناصر الدين اسد ص ۲۵۸ ، ۲۵۹

[3] یہ کتاب اردو زبان میں ادارہ ندوۃ السنہ ہی کی طرف سے ہندوستان میں اسی سال طبع ہو چکی ہے۔

ہیں جنھوں نے بیشتر علوم میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اور تالیفات میں ان کا زبردست نصیبہ رہا ہے، خاص طور پر بعض تاریخی حوادث کے تحلیل و تجزیہ، اور اس باب کی مرویات کے سند و متن کی توجیہ و تحقیق میں ان کا بڑا کارنامہ رہا ہے۔ ان میں امام ذہبی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، اور ابن کثیر کا نام سرفہرست لیا جا سکتا ہے۔

پھر ابن خلدون آئے جنھوں نے اپنے مقدمہ میں انسانیت کے مظاہر اور اس کی تعمیر و ترقی کے اسرار و رموز کی عقدہ کشائی کرنے کے ساتھ ایک کامل فلسفہ تاریخ سے دنیا کو روشناس کرانا چاہا، انھوں نے فلسفہ تاریخ کے حوالے سے ایسے قوانین عامہ کا استنباط کرنا چاہا ہے جس پر پوری انسانیت اپنی تعمیر و ترقی کے مدارج طے کر سکے، باوجودیکہ ابن خلدون اپنے نظریات و قوانین کی تطبیق میں مکمل طور سے کامیاب نہ ہو سکے، لیکن تاریخ اور فلسفہ تاریخ کے رمز شناسوں میں ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح نمایاں ہوئے جس کا اعتراف خود مستشرقین اور اقوام یورپ کو بھی ہے۔ [1]

بتاتے چلیں کہ دور حاضر میں جب سے مغربی ممالک کی عالمی سیادت و قیادت کی بالادستی ہوئی ہے تاریخ کی تفسیر و توضیح کے تئیں ایسے مختلف مکاتب فکر ابھر کر سامنے آئے ہیں جن پر دین و دنیا میں تفریق کے قائل سیکولرازم کی مکمل چھاپ رہی ہے، مثلاً تاریخ کی مادی تفسیر یعنی مارکسی نظریہ فکر، ہیگل کی مثالی تفسیر، تہذیبی و ثقافتی اور قومی تفسیر، اسی طرح انسانی حرکت و نشاط کے لیے تاریخ کے حوالے سے جنسی خواہشات کو فرائڈ کے نظریات کے مطابق محرک اصلی کی تفسیر، تاریخ اور فلسفہ تاریخ کی یہ تمام تر توجیہات و تفسیرات غلط، اور مسلمانوں کے اسلامی عقیدہ کے یکسر منافی ہیں۔ مسلمان کا تو یہ عقیدہ و ایمان ہے کہ انسان اس دنیا میں کہ جس کا ہر ذرہ اللہ کی وحدانیت کا قائل ہے، اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عبادت کا مکلّف ہے۔

مذکورہ مکاتب فکر نے تاریخ کی جو تفسیر و توجیہہ کیا ہے اس کے پس پردہ بڑی ہلاکت خیزی یہ رہی ہے کہ انھیں تفسیرات کو ہماری اسلامی تاریخ پر بھی نافذ کیا گیا، اور تاریخ کے مسلم جیالوں اور عظیم حکمرانوں کی تمام تر حرکتوں اور تصرفات کو اپنی انھیں تفسیرات کے آئینہ سے دیکھا۔

- مثال کے طور پر نبی محترم جناب محمد ﷺ کے بارے میں وہ کہتے ہیں: محمد ﷺ مکہ کے محنت کش او رادنیٰ طبقات کی انقلابی روش کے مقابلہ میں وہاں کے حکمراں اور بااثر طبقہ کی آخری کڑی کی نمائندہ تھے۔ چناں چہ آپ نے مکہ کے مالداروں کے مفاد و مصلحت کی خاطر یہ کوشش کیا کہ وہاں کے ادنیٰ طبقہ

---

[1] تفسیر التاریخ / صالح العلی ۱۹، ابن خلدون و زیادته لعلم تفسیر التاریخ/ عبدالحلیم عویس مجلة البحوث الاسلامية شمارہ نمبر ۲۴، عدد ۱۵، ص ۲۴۹، تتبع تاریخی لمحاولة ابن خلدون اعادة کتابة التاریخ العربی/ ڈاکٹر عبدالجبار ناجی، مجلة المورخ العربی شمارہ ۲۲ ص ۱۳۹

کے لوگوں کے ہاتھوں مبادا اعلیٰ طبقہ کے خلاف کوئی انقلاب نہ برپا ہو جائے، ایسے متوقع انقلاب کے سدِ باب کے لیے انھیں اسلام کی طرف دعوت دیا تاکہ ادنی طبقہ کی تمام ناراض اور بے قابو طاقتوں کو اپنے حق میں کرلیں۔

- پھر وہ کہتے ہیں کہ عمر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما نے دائیں بازو کے لیڈر ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ساتھ جانبداری کی وجہ سے دیا، جب کہ انھیں معلوم تھا کہ اس معاملہ میں (خلافت) بائیں بازو کی خاموش مخالفت موجود تھی جس کی قیادت علی رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔
- وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب اپنی زندگی کے آخری یام میں عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ طلحہ، زبیر، عثمان اور امویوں کی اکثریت دائیں بازو کی شکل میں امت کے بیشتر مصالح پر قابض ہے تو دائیں و بائیں دونوں بازووں میں توازن پیدا کرنے کے لیے ان پر پلٹ وار کیا اور آخری ایام حکومت میں اس طرح بائیں بازو کی طرفدار ہوگئے جیسے شروع میں دائیں بازو کے تھے۔
- وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ آئے، ان کے متعلق اس بات کے دلائل وشواہد بے شمار ہیں کہ شروع سے لے کر آخر تک ان کی خلافت یمین ویسار کی جنگ تھی، کیوں کہ عثمان رضی اللہ عنہ دائیں بازو کے اعلیٰ ترین فرد کی حیثیت سے نمائندگی کر رہے تھے، اور انھوں نے بنومروان کو اپنے قریب کرکے بائیں بازو کی نمائندوں یعنی ابوذر، علی، عمار بن یاسر اور دیگر بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف دائیں بازو کو مضبوط کیا۔[1]

عقاد کو دیکھیں ابوذر کے بارے میں اس کا تبصرہ ہے کہ ''یہ شخص اپنے دور کے سوسلشٹوں کا امام تھا۔''[2]

صرف اتنے پر بس نہیں بلکہ یہ لوگ عہد خلافت راشدہ میں صحابہ کے درمیان ہونے والے اختلافات کو یمین ویسار کی جنگ مانتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ بنوعبدشمس اور بنوہاشم کے درمیان قبائلی تفوق کی لڑائی تھی، دایاں بازو بنوعبدشمس کا اور بایاں بازو بنو ہاشم کے خاندان کا تھا، مزید یہ کہ اسلامی جنگوں کی وہ روداد جو تاریخ کے ایک وسیع باب کا احاطہ کئے ہوئے ہے اس کا آغاز عہد رسول ﷺ سے ہوا، اور پھر اس کا سلسلہ دراز ہوتے ہوتے عباسیوں کے عہد تک جا پہنچا، اس طویل ترین مدت میں دایاں بازو اقتدار پر قابض تھا، اور ادنی طبقہ کے محنت کشوں و دبے کچلے لوگوں پر حکوت کر رہا تھا، اس دور میں بھی اس کے خلاف کبھی ابوذر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بائیں بازو کی انقلابی تحریکیں اٹھتی رہیں تو کبھی سیاہ فام حبشیوں اور قرامطہ کی، آخر الذکر تو

---

[1] لعبة اليمين واليسار/ عمادالدين خليل، ۵۱-۵۳

[2] شخصيات اسلامية/ العقاد، ۳/ ۲۶۲

یساریت میں انتہائی متشدد اور ہوشیار ثابت ہوئے، کیوں کہ انھوں نے خواتین و اموال میں اشتراکیت کا نعرہ لگایا اور اسے اپنی خفیہ تنظیم وسماج میں نافذ بھی کیا۔

بہر حال انتہائی دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ ہماری اسلامی تاریخ کے حقائق کو آج بحث و تحقیق کی دنیا میں علمی وفنی تحقیق اور اکیڈمک عصری اسلوب کے نام پر انھیں خطرناک تفسیرات کا جامہ پہنایا جا رہا ہے، حالاں کہ نہ وہ کوئی علمی وفنی تحقیق ہے اور نہ بحث و تمحیص کا جدید عصری اسلوب، بلکہ یہ سب ان منظّم سازشوں کا حصہ ہے جو اس امت کے وجود سے لے کر اس کی تاریخ مرتب کئے جانے تک اس کے پیچھے لگی ہوئی ہیں، تاکہ اس امت کی نئی نسل کا علمی و تاریخی اعتبار سے گلا گھونٹ دیا جائے اور اس کے تابناک ماضی سے اس کی آئندہ آنے والی نسلوں کے فکری و اعتقادی رشتہ کو کاٹ دیا جائے، پھر اس امت کے مجد و عظمت کا چراغ گل ہو جائے، اور سطح سمندر پر ایک جھاگ کے مانند یہ قوم بے وقعت ہو کر رہ جائے۔ زہریلی ہوائیں اسے لے کر اڑتی پھریں اور نوزائیدہ ومہلک رجحانات وافکار اسے دائیں و بائیں سے پتھر مارتے رہیں۔ ❶

اسلامی تاریخ کے تئیں مذکورہ مکاتب فکر کی تفسیرات وتوجیہات اپنی خیانت و مکاری کے باوصف یہ ہدف رکھتی ہیں کہ ہمارے مسلمان طلباء اپنی تاریخ کو مستشرقین اور اہل مغرب کے پیش کردہ منہج فکر و تحقیق کی روشنی میں پڑھیں، حالاں کہ ان کا یہ طرز فکر ہماری اسلامی تاریخ کی جامع و کامل تفسیر کبھی نہیں پیش کر سکتی۔ پس ہمیں یقین ہے کہ مذکورہ اہداف کے حامل یہ مناہج فکر اگر تاریخ یورپ کی تفسیر و تقییم میں کامیاب بھی ہو جائیں تو اسلامی تاریخ کی تفسیر و تحلیل میں یقیناً انھیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا، کیوں کہ ان کے مناہج کسی ایسے متوازن اساس پر قائم نہیں ہیں، جو مادی و روحانی اقدار وروایات کو تاریخ کا الگ روپ نکھارنے میں ایک موثر ومشترک محرک کا درجہ دیتے ہوں، بلکہ اس کے برعکس یہ اپنی لامذہبی روح کے باعث ہمیشہ تاریخ کی تحریکات میں مادی محرک کو ترجیح دینے اور روحانی محرکات کی وسعتوں کو سمیٹنے میں ہی کوشاں رہتے ہیں، بلکہ یوں کہئے کہ کبھی کبھار انسانی تاریخ میں موثر عوامل کی حیثیت سے انھیں یکسر مٹا دینا چاہتے ہیں، اور سرے سے اس کا انکار ہی کر دیتے ہیں۔ ❷

یہ بات معلوم ہے کہ تاریخی روایات کو صرف نقل کر دینا تاریخ نہیں کہلاتی، بلکہ اس کے ساتھ ان حوادث و واقعات کی تفسیر اور اس کے مثبت نتائج کو احاطہ کرنے کا نام تاریخ ہے۔ درحقیقت مطالعہ تاریخ کا سب سے اہم گوشہ یہی ہے کہ حوادث و واقعات کی توضیحی وتفسیری نوعیت اور اس کے احاطہ نتائج پر غور کیا جائے کیوں کہ

---

❶ لعبة اليمين واليسار/ عماد الدين خليل ص ٥١

❷ فن التاريخ الاسلامى ، فصول فى المنهج و التحليل / عماد الدين خليل ص ١٩٤

اس کے بغیر تاریخ فقط واقعات وحوادث کا ایک مجموعہ بن کر رہ جاتی ہے جس کا کوئی ہدف نہیں ہوتا۔

بتاتے چلیں کہ اگر حوادث کو بیان کرنے میں مورخین کے مصادر متحد ہوں اور بعض امور کے اثبات اور بعض کے اسقاط میں جانبداری، نیز ہویٰ و ہوس سے ان کے دل پاک ہوں تو بہت ممکن ہے کہ ان میں تضاد بیانیاں اور اختلافات نہ پائے جائیں، لیکن چوں کہ ایک مورخ انسانی معاملات کے بارے میں اپنے موقف و رجحان کے اعتبار سے تاریخی وقائع کی تفسیر وتوجیہات اوران کے نتائج کا احاطہ کرنے میں یقینی طور پر دوسرے مورخ سے مختلف ہوتا ہے، اس لیے تاریخ میں متضاد تشریحات وتفسیرات کا ظہور ہوتا ہے، ایک مورخ اپنے تصورات و رجحانات کے اعتبار سے ایک انسانی وجود کا مختلف زاویوں سے مطالعہ کرتا ہے، مثلاً یہ کہ کسی واقعہ میں جس شخصیت کا مرکزی کردار ہے اس کا مزاج کیسا تھا؟ اس کے تکوینی عناصر کیا رہے؟ اس میں کون سی صلاحیتیں پوشیدہ تھیں، اس واقعہ اور سماج میں اس کا کیا کردار رہا؟ اس کی زندگی میں کون سی عادات واطوار غالب رہیں؟ معاملات کی انجام دہی میں وہ کس معیار عمل کا حامل رہا؟ مادی، اقتصادی، سیاسی اورنفسیاتی دباؤ و الجھنوں کے وقت اس کے کیا مواقف رہے؟ اس وقت کی سماجی جنگ کس مزاج کی حامل تھی؟ اس طرح کے بے شمار تصورات مورخ کے دل ودماغ کو دستک دیتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل کردہ تعلیمات کے مطابق ایک مسلمان مورخ کے لیے توجیہی وتفسیری منہج متعین کیا ہے، یعنی اللہ کی قدرت، تاریخی واقعات کے ماضی حال اور مستقبل کے نشیب وفراز کے احاطہ، اورسب سے اہم ترین چوتھے پہلو یعنی اس کی قدرت کاملہ کا تاریخی وقائع کی ایجاد و بناوٹ پھر اسے انسانی اور دنیاوی تاریخ کے نقشہ پر یکساں طور پر رکھنے کا بہت اہم کردار ہے۔ [1]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تاریخ کی اسلامی تفسیر وتوضیح جب دنیا میں وجود پذیر ہونے والے انسانی اعمال وحرکات پر حکم لگاتی ہے تو اس میں ربانی منہج کا التزام ہوتا ہے، اس میں تمام چیزوں کو حقیقت حال کے بموجب زیادہ نمایاں کرنے کی کوشش نہیں ہوتی، جس طرح کہ لیبرل افکار کی توضیحات وتفسیرات ایک اعتبار سے انسان کی حیوانیت تو دوسرے اعتبار سے اس کی الوہیت پر گفتگو کرتی ہیں یا جس طرح جدلی تفسیرات کا نظریہ ہوتا ہے کہ جو چیز ایک بار جس صورت میں زمین پر واقع ہوگئی، ان میں انسانی زندگی پر تحکم اور حتمیات کے بموجب تبدیلی ممکن ہی نہیں ہے۔

اس طرح تاریخ کے تئیں اسلامی نظریہ تفسیر اس اصول پر قائم ہے کہ وہ تاریخ کو ایسے کسی میزان اور پیمانہ کے بغیر پیش نہیں کرتا جو انسانی زندگی کے حرکت وعمل میں غلط اور صحیح، اور استقامت وانحراف کے درمیان تمیز

[1] حول التفسیر الاسلامی للتاریخ / عماد الدین خلال ۱۰، ۱۱، دراسة فی السیرة (۱۴۰، ۱۴۱)

نہ کرتا ہو، کیوں کہ اس طریقہ عرض وتوضیح سے تاریخ کا اپنا حقیقی مضمون غائب ہو جاتا ہے، اس کے شب و روز میں پوشیدہ وہ دروس وعبر گم ہو جاتے ہیں، جنھیں دیکھنے اور عبرت حاصل کرنے کے لیے اللہ رب العالمین نے روئے زمین پر سیر کرنے والوں اور گذشتہ قوموں کے احوال کو دیکھنے کا حکم دیا ہے۔ ❶ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ﴾ (آل عمران: ۱۳۷)

اس لیے ضروری ہے کہ ایک مسلمان مورخ کے نزدیک ثقافتی اور اعتقادی اصول و ضابطے مرتب اور مربوط ہوں۔ ❷ پس اگر درست نظریہ وتصورات کا حامل، اور حوادث و وقائع کی اسلامی نقطہ نظر سے توضیح کرنے والا کوئی مورخ مل جائے تو ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کسی ایک متنازع اور مختلف الاحتمالات حادثہ پر صحیح حکم کیسے لگائے اور اس سے مسائل استنباط کرنے کی صلاحیت، اس میں کیسے پیدا ہو؟ دریں صورتحال ضروری ہے کہ ایسے مواقع پر روایت کو قبول کرنے یا رد کر دینے کے لیے وہاں کوئی صحیح اور مبنی برحقیقت معیار موجود ہو جو معتبر ترین منہجی وتنقیدی بنیادوں پر قائم ہو، کیوں کہ اسلامی تاریخ نویسی کے لیے محض اسلامی جذبہ ہی ل صاف ستھری علمی اساسیات پر مبنی تاریخی حقیقت نہیں دے سکتا۔ بنابریں تاریخی روایات کے تنقیدی منہج کا تعین ضروری ٹھہرتا ہے تاکہ اسی کی روشنی میں تاریخی مطالعہ کے لیے اہم قواعد وضع کیے جا سکیں۔ یورپی قوموں نے اپنے تجربی و استردادی منہج کے دائرہ میں تاریخی روایات کو خارجی ومعنوی تنقید کے تابع بنا کر ان روایات کی تنقیدی منہج کو تطور بخشا اور اس میں کسی حد تک وہ کامیاب بھی رہے۔ ❸

جب کہ ہم مسلمان تاریخ جیسے دیگر علوم کی تنقید وتمحیص کے لیے ایسے منفرد و بے مثال منہج کے مالک رہے جو باریک بینی اور تحقیق کی اس منزل تک پرواز کرتی ہے، جو انسانی قوت وفہم کی آخری حد ہوا کرتی ہے۔ اس منہج کو "منهج النقد عند المحدثين" یعنی محدثین کا تنقیدی منہج کہا جاتا ہے۔ یہ منبع روایت کے نقل و قبولیت میں اسناد کے التزام و اعتماد پر قائم ہے۔ اس میں جرح وتعدیل کا ایک خاص پیمانہ ہے، جس سے "رجال" سند کی زندگی کے مکمل احوال وکوائف کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ وہاں نقد وجرح کا استعمال، اسناد ومتون دونوں کے لیے یکساں طور پر کیا جاتا ہے۔ ❹

---

❶ حول التفسير الاسلامی للتاريخ/ محمد قطب، ٦٢، ٦٣

❷ كتابات الاسلامية/ عماد الدين خليل، (٩٤)

❸ اہل مغرب کے نزدیک تاریخی تنقید کا تفصیلی منہج دیکھنے کیلئے عبدالرحمٰن بدوی کی عربی کتاب "مناهج البحث العلمی" اور النقد التاریخی کا مطالعہ مفید ہوگا۔

❹ العلل/ ابن رجب ۲۰۵، دفاع عن السنة / محمد ابوشهبه ص ۳۴۰۳۳)

ضبط حدیث کے باب میں اس دقیق رس اصول سے تفسیر، فقہ، تاریخ، اور علم ادب و علم لغت جیسے بیشتر علوم نقلیہ نے استفادہ کیا، پھر ان علوم میں التزام اسناد کا چلن اس قدر عام ہوا کہ اسلام کی ابتدائی پانچ صدیوں میں تالیفی و تصنیفی مناہج کی خوبیوں کی پہچان بن گیا، گرچہ جس باریک بینی اور عرق ریزی سے علماء حدیث نے اس کا استعمال کیا تھا وہ چیز دیگر علوم کے تصنیفات میں نہ تھی۔ تاہم بشمول علم تاریخ دیگر علوم پر اس منہج کی تطبیق کا اثر مسلمانوں کے یہاں بالکل واضح رہا، بالفاظ دیگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی تحقیق و تثبت کا منہج مغربی طرز تحقیق سے دسیوں صدی پیشتر موجود اور ثابت تھا، جس کی مثالیں علم مصطلح حدیث، اور علم اصول فقہ کی قدیم تالیفات ہیں، جب ہم مغربی طرز تحقیق و تمحیص کا محدثین کے منہج تحقیق و نقد سے موازنہ کرتے ہیں تو روایات کے لیے منہج نقد و تحقیق کے قواعد وضع کرنے میں مسلمان نقادوں کو صف اول میں پاتے ہیں۔ ❶

بلاشبہ پوری دنیا میں مناہج تاریخ نویسی میں کافی تطور اور پیش رفت ہوئی ہے، جس میں دیگر انواع تواریخ کی طرح اسلامی تاریخ بھی اپنی تدوین و کتابت میں ان جدید مناہج سے متاثر ہوئی، خواہ وہ معاصر مسلم مورخین کے ہاتھوں ہوا ہو یا ان غیر مسلم مورخین سے جنھوں نے اسلامی تاریخ کو اپنا موضوع بحث بنایا، بہرحال تاریخ نویسی کے طریقہ کار کے تطور پر بحث کرنے سے ہم مسلمانوں کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کو کتابوں کے صفحات میں جگہ دیتے ہوئے اس درجہ کو پہنچ جائیں جہاں تاریخ کی صحیح موضوعیت اور مناسب طریقہ کار ہمارے ہاتھوں میں ہو، خواہ ہمارا یہ طریقہ یورپین طرز تحقیق اور مناہج بحث کے موافق ہو یا نہ ہو۔ ❷

شروع اسلام میں مورخین نے عربی زبان میں ان متفرق و منفرد روایات کو اکٹھا کرنے میں پوری کوشش کیا، اور اپنے اپنے رجحان و مواقف کے اعتبار سے انھیں ایک محدود زمانے تک محصور کردیا، اس طرح گویا وہ ان روایات کو ایک دوسرے سے جوڑنے اور انہیں تطبیق دینے سے پیچھے رہے، لیکن دوسرے طرف اس کا فائدہ یہ ہوا کہ علم حدیث کی ایک ایک روایت کے مراجعہ اور اس میں تدقیق نظر کے امکانیات کو آسان کردیا، تاکہ تاریخی روایات کے تئیں اساسی اور ثانوی رجحانات و نظریات کا استقصاء کرنے کے ساتھ خود مورخ کے ذاتی میلانات کو جانچا اور پرکھا جاسکے۔ کیوں کہ انھیں رجحانات پر وہ مورخ ہر چیز سے پہلے اپنے تاریخی مصادر کا انتخاب کرتا ہے۔ ❸

---

❶ منہج النقد عن المحدثین/ محمد مصطفی اعظمی (۹۱-۱۰۰) منهج النقد عن المحدثين مقارنا بالميثودولوجيا الغربية / اکرم ضیاء العمری، مجله مرکز بحوث السنة والسيرة قطر، شماره ۳ ص ۱۰۹، ۱۳۳

❷ مصلح التاريخ / اسد رستم، منهج النقد التاريخی / حسن عثمان، المنهج الاسلامی و المنهج الادری/ عثمان قوافی، مظاهر علم الحديث فی علم التاريخ/ بشار عواد معروف

❸ فتنة عبدالله بن زبير/ روڈولو زلهايم، مجلة المجمع العلمی الدمشقی ج ۴۹/ ۴/ ۸۲۹

یہی وجہ تھی کہ ہمارے اولین علماء مورخین، تاریخی روایات کے تئیں انتہائی حساس تھے، اور نقد وتحقیق کے اسلوب پر اسے پرکھنا واجب سمجھتے تھے تاکہ ان روایتوں کی صحت کے تئیں انھیں کسی حد تک اطمینان ہو جائے۔ چناں چہ خلیفہ بن خیاط متوفی ۲۴۰ھ کے نزدیک یہ احساس بدرجہ اتم پایا جاتا تھا، اسی لیے جب انھوں نے طریقہ محدثین پر اپنی تاریخ کی تالیف کیا تو واقعات کونقل کرتے ہوئے ان کے اسناد کا بھی التزام کیا، ایسا لگتا ہے کہ شاید تاریخی روایت اور حدیثی روایت کے درمیان شرعی و اصولی فروق کا آپ کو بخوبی ادراک تھا، جس کی وجہ سے فن تاریخ میں ابن الکلبی اور واقدی جیسے راویوں کی روایت قبول تھے جب کہ وہ لوگ محدثین کے یہاں متہم اور مجروح تھے۔ آپ کا یہ منہج آپ کی کتاب "الـطـبـقـات" میں واضح طور پر دیکھا اور محسوس کیا جاسکتا ہے، جہاں آپ نے اسناد میں تساہل سے کام لیا ہے، اور "بـدایة الطبقات" میں صرف اپنے مصادر کی فہرست ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ طبقات کے باب میں ''انساب'' کی کثرت سندوں میں تساہل کو کسی حد تک مقبول بنا دیتی ہے، کیوں کہ انساب، اور سن وفات کے باب میں اسناد کے ساتھ تلاعب کا میدان اور نفس پرستوں کی دخل اندازی کے اثرات بہت حد تک سمٹ جاتے ہیں، جب کہ دینی عقائد اور سیاسی رجحانات کے باب میں وارد ہونے والی حساس روایتوں میں یہ چیزیں کافی قوی اور موثر ہو جاتی ہیں، اسی لیے ہم پاتے ہیں کہ خلیفہ بن خیاط ''طبقات'' کے مقابلہ اپنی ''تاریخ'' میں اسانید کے ذکر کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ خاص طور سے جب وہ سیرت نبوی کے واقعات کا ذکر کرتے ہیں یا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے وقائع فتن، جمل، صفین، بیعت یزید، معرکہ حرہ، اور ابن الاشعث وغیرہ کے انقلابات کا تذکرہ کرتے ہیں تو اسناد کی طرف خوب توجہ دیتے ہیں۔

بہر حال اس اہتمام وتوجہ کی بھرکوشش کے باوجود خلیفہ نے اپنی تمام تر روایتوں کی سند نہیں لکھی، بلکہ تاریخ کا ایک وسیع حصہ بغیر سند کے ذکر کر دیا ہے۔ خاص طور سے شہداء ومقتولین کی فہرست، موظفین ادارہ کی فہرست، اور خلفاء وعلماء کی سن وفات کا ذکر اسناد سے خالی ہے۔ [1]

خلیفہ ہی کی طرح ابن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے بھی "اسناد جمعی" [2] کے بارے میں اپنے چند معمولی اختلاف کے ساتھ اپنی کتاب "الـطبقات الکبری" میں کئی جگہ یہی منہج اختیار کیا ہے۔ [3] جب کہ بلاذری نے اپنی دو کتابوں "فتوح البلدان" اور "انساب الاشراف" میں تاریخی منہج کا ایک انوکھا اور تطور پذیر

[1] مقدمه اکرم العمری لتاریخ خلیفه ص ۱۵/ ۱٦

[2] اسناد جمعی سے وہ روایت مراد ہے جس میں رجال واسانید کو ایک ہی متن میں جمع کر دیا گیا ہو۔

[3] دراسة تـحـلیلیة لطبقات ابن سعد/ ابراهیم طرخان، مصادر تاریخ الجزیرۃ العربیة کے موضوع پر منعقدہ کانفرنس میں پڑھا گیا ایک مقالہ۔

اسلوب پیش کیا، چناں چہ بلاذری نے ابومخنف اور عوانہ جیسے واقعہ نگاروں کی کتابوں سے اور خاص کر مدائنی سے بڑے وسیع پیمانہ پر تاریخی رویات کو راست طور سے اخذ کیا، یا ان کی کتابوں سے نقل کیا، ان کی تاریخ نویسی ہمیں یہ احساس بھی دلاتی ہے کہ سیرت کے جن پہلوؤں کا تعلق نبی اکرم ﷺ یا امور شرعیہ سے تھا اس کو انہوں نے اپنی توجہ کا خاص مرکز بنایا ہے، وہ ایک ہی روایت کے مصادر میں تنوع پیدا کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں، آپ کی کتاب ''انساب الاشراف'' میں یہ چیز واضح طور پر نظر آتی ہے۔

اسی طرح جن روایتوں کا تعلق خلفاء راشدین کی سیاست سے ہے، ان کا بھی آپ واضح اہتمام کرتے ہیں، بالخصوص زمینوں کی تقسیم اور عطایا کے نظام تقسیم کے واقعات جو کہ تشریع نبوی سے ماخوذ خلفاء راشدین کی سیاست کا حصہ تھا، ان پر بھی خاص توجہ دیتے ہیں۔

جب آپ اسلامی تاریخ کے اہم ترین حوادث و وقائع پر گفتگو کرتے ہیں تو ان کے تعلق سے متعدد مختلف روایات کا ایک ذخیرہ جمع کر دینا چاہتے ہیں گرچہ ان میں بسا اوقات روایتیں متضاد ہوا کرتی ہیں، ایسا صرف اس عقیدہ و منہج کے پیش نظر کہ ہم تک جو روایت پہنچی ہے اس کو بعینہٖ اسی شکل وصورت میں اس کے مصادر کے ساتھ ذکر کر کے عہد برآ ہو جائیں۔ تاہم کہیں کہیں آپ مصادر روایت کی تحقیق بھی کر گزرتے ہیں۔ روایتوں میں راجح و مرجوع کی نوعیت بھی واضح کرتے ہیں اور کہیں کسی روایت کی توثیق و تائید میں اپنی رائے بھی ظاہر کر دیتے ہیں۔ [1] جب کہ بعض ایسی روایتیں جن کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی انھیں صیغہ جمع یعنی "قالوا" سے تعبیر کرتے ہیں۔

ان لوگوں کے بعد ہم شیخ المورخین محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کو دیکھتے ہیں کہ وہ تنقید روایات میں محدثین کا منہج اپناتے ہیں، اپنی ساری بحث وتمحیص اور تحقیق و تاکید کا مرکز ''اسناد'' یعنی سلسلہ راوۃ کو ٹھہراتے ہیں۔ اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ہماری اس کتاب کے مطالعہ کرنے والے کو معلوم ہونا چاہئے میں نے کہ جو کچھ اس کتاب میں تحریر کیا ہے اس کے متعلق میرا سارا اعتماد اسی مقدار کے اخبار و آثار پر رہا، جن کو ان کے راویوں کی طرف منسوب کیا اور اپنی کتاب میں لکھا، عقلی فلسفہ اور استنباطی دلائل و مسائل کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے، اگر کہیں ہے تو انتہائی کم ہے، ہماری اس کتاب میں اگر گذرے ہوئے لوگوں کے بارے میں میری طرف سے کوئی ایسی خبر یا واقعہ ملتا ہے جس کو پڑھنے والا پسند نہیں کرتا، یا سننے والا اس کو قبیح و شنیع کہتا ہے تو جان لینا چاہئے کہ وہ میری طرف سے نہیں ہے، بلکہ بعض ناقلین نے اسے ہماری طرف منسوب کر دیا ہے۔ میں نے تو صرف اتنا کیا ہے کہ جو روایت مجھ تک جس طرح پہنچی میں نے من وعن اس کو اسی طرح لکھ دیا۔ [2]

---

[1] موارد البلاذری، المشهدانی، کتب الانساب و تاریخ الجزیرة/ عبدالعزیز الدوری، مقاله بعنوان مصادر تاریخ الجزیره ۱/ ۱۳۷، ۱۳۸

[2] مقدمه تاریخ الطبری ۱/ ۷، ۸

شیخ المورخین کے اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے روایتوں کے متون پر اتنی خاص توجہ نہیں دیا جتنی اسناد اور راویوں پر دیا۔ [1]

واضح رہے کہ روایات کے بحث وتحقیق کے لیے یہ منہج نقد وتمحیص صرف امام طبری رحمہ اللہ تک محدود نہ تھا بلکہ موضوع اور باطل احادیث کو بیان کرنے میں محدثین نے بھی اسی طریقہ کو اختیار کیا، حلیہ الاولیاء، تاریخ بغداد اور تاریخ دمشق جیسی کتابوں میں یہ چیز بالکل واضح انداز میں ملتی ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ طبری وغیرہ کے اس منہج نقد وتمحیص کے پیچھے جو اسباب ومحرکات تھے وہ یہ کہ علمی موضوعات ومضامین میں وسعت ہو چکی تھی، اور ڈر تھا کہ کہیں یہ روایتیں یوں ہی ضائع نہ ہو جائیں، مزید یہ کہ جن سندوں پر اعتماد کرتے ہوئے واقعہ نقل کیا گیا ہے مستقبل میں ان کو دیکھ کر صحیح اور ضعیف میں تمیز کرنا لوگوں کے لیے آسان ہو جائے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''روایتوں کی ایک قسم وہ ہے جس کا راوی سوء حفظ، کثرۃ الغلط، یا ایسا مجہول ہونے کے باوجود جس کی عدالت ثابت نہیں ہے اور اس کی روایت شرائط قبولیت سے خالی ہے وہ متہم بالوضع نہیں ہوتا، سو ایسی حدیثیں احکام کے باب میں مستعمل نہیں ہوتیں، اور نہ ہی ایسے راویوں کی شہادت حکام کے نزدیک مقبول ہوتی ہے، ہاں ترغیب وترہیب تفسیر ومغازی اور دعاؤں کے وہ ابواب کہ جن کا تعلق حکم سے نہیں ہوتا کبھی کبھار وہاں یہ مستعمل ہو جاتی ہیں۔'' [2]

ہمارے اسلاف رحمہم اللہ خوب جانتے تھے کہ تاریخی روایات کی بحث وتحقیق اور چھان پھٹک نہیں ہوئی ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ابن العربی کو تاریخی کتابوں اور ان میں موجود ضعیف ومنگھڑت روایتوں نے حیرانی والجھن میں ڈال دیا تھا۔'' [3] اور وہ العواصم من القواصم لکھنے کیلئے مجبور ہوئے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اخبار، تواریخ اور کتب سیر، ابواب فتن و ملاحم کے جمہور مصنفین جیسے ابومخنف، لوط بن یحییٰ، ہشام بن محمد بن السائب الکلبی، اسحاق بن بشیر اور ان جیسے دیگر کذابین سب کے سب فی نفسہٖ متہم اور غیر حافظ ہیں۔ ان کے مقابلے میں واقدی تو کہیں زیادہ بہتر اور اچھا ہے حالاں کہ اس

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: موارد تاریخ الطبری / جواد علی، فی التاریخ الاسلامی عماد الدین خلیل ص ١١٦٨، بحث فی نشأة علم التاریخ/ الدوری ٤٠٧، ٤٢٥

[2] دلائل النبوة ١/ ٣٤

[3] العواصم من القواصم ٢٦٠، ٢٦١

پر بہت کچھ کلام ہے۔ اور محمد بن سعد کا کاتب ثقہ ہے، لیکن وہ اس بات کا ضرور خیال رکھتا ہے کہ اس نے کس سے روایت نقل کیا ہے، اسی طرح اس باب میں ابوالحسن المدائنی اور ان جیسے دوسرے مورخین بھی پائے جاتے ہیں۔'' [1]

ہمارے اسلاف کے یہاں تخصصات کا بہت احترام تھا، ایسا ہوتا تھا کہ ایک شخص ان کے نزدیک حدیث میں ضعیف ہوتا لیکن آثار اور بعض حوادث و وقائع کی معرفت میں وہ سند اور حجت ہوا کرتا تھا، اس لیے اس تخصص اور اتفاق کے باب میں اس کی رائے معتبر مانی جاتی تھی، مثلاً دیکھتے ہیں کہ واقدی کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''واقدی اور ان جیسے مورخین جو واقعہ ذکر کریں اس سے استئناس کرتے ہوئے تقویت حاصل کی جاسکتی ہے، ہاں اگر صرف اس کا علم انھیں کے پاس ہے تو اس پر اعتماد کر لینا صحیح نہیں ہے۔'' [2]

امام ذہبی فرماتے ہیں:

''یہ ثابت اور معلوم ہے کہ واقدی ضعیف ہیں، تاہم تاریخ اور غزوات کے باب میں ان کی حاجت پڑتی ہے، ہم ان کے آثار کو ذکر کرتے ہیں، لیکن ان سے استدلال نہیں کرتے، البتہ فرائض واحکام کے باب میں ان کا ذکر مناسب نہیں ہے۔'' [3]

ابن حجر فرماتے ہیں:

''اگر واقدی اخبار صحیحہ کی مخالفت نہ کریں اور اہل مغازی میں سے کسی کی مخالفت نہ کریں تو وہ ہمارے اصحاب کے یہاں مقبول ہیں۔'' [4]

اس موضوع پر ابن حجر رحمہ اللہ کا منہج معلوم کرنے کے لیے آپ کی کتاب ''الاصابہ'' کا مطالعہ ہمارے لیے مفید ہے، جس میں آپ سیف اور واقدی جیسے لوگوں سے وارد اخبار پر اس وقت تک اعتماد نہیں کرتے جب تک آپ کے نزدیک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ واقعہ یا روایت دیگر صحیح سندوں اور ثقہ راویوں سے ثابت نہیں ہے۔ اگر حقیقت بیں نگاہ سے دیکھا جائے تو یہی سب سے صاف ستھرا اور معتدل علمی منہج ہے جس پر نقد و تحلیل کی عمارت قائم ہے، اور اسی کا نام موضوعیت ہے، جہاں ضعیف راوی سے وارد شدہ تمام ہی روایتوں کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ [5]

---

[1] الرد علی البکری ۱۷/ ۱۸ [2] راس الحسین ص ۱۸۰ [3] سیر اعلام النبلاء ۹/ ٤٦٩
[4] التلخیص الحبیر ۲/ ۲۹۱ [5] موارد الاصابة/ شاکر محمود عبدالمنعم ص ۷۱۷، ۷۱۸

یزید بن معاویہ

ا......ولادت، نشو ونما، حلیہ، اوصاف و عادات

ولادت:

یزید بن معاویہ کی ولادت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت [1] ۲۶ھ میں ہوئی۔ [2] اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یزید اور عبدالملک بن مروان کی ولادت ایک ہی سال ۲۶ھ میں ہوئی۔ [3]

نام ونسب:

آپ کا نام ونسب یزید بن معاویہ بن ابوسفیان بن صخر بن حرب بن امیہ بن عبدشمس القرشی ہے۔ اور کنیت ابوخالد ہے۔ اس طرح آپ کے باپ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما ہیں جو کہ محتاج تعارف نہیں ہیں۔ [4] وہ بیس سالوں تک خلفائے راشدین کے عہد میں بلاد شام کے مستقل گورنر رہے اور پھر ان کے بعد بیس سال تک مسلمانوں کے خلیفہ رہے۔

---

[1] تهذيب التهذيب/ ابن حجر (١١/ ٣١٦-٣١٧)
شیعہ عالم ابن مطہر کہتا ہے: کہ ابن عمر سے مروی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ کو فرماتے ہوئے سنا: کہ ابھی تمھارے پاس ایک شخص آنے والا ہے جس کی موت میری سنت کے علاوہ پر ہوگی، اتنے میں معاویہ آگئے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کھڑے ہوئے، معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کا ہاتھ پکڑا اور نکل گئے، خطبہ نبوی نہیں سنا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لعن الله القائد و المقود......" لے جانے اور پیچھے جانے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔ منهاج السنة النبوية (٤/ ٤٣٣) یہ بالکل واضح جھوٹ ہے اس لیے کہ باتفاق مورخین یزید کی ولادت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوئی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: حافظ ابن ناصر کے بقول عہد نبوی میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے شادی کا پیغام دیا لیکن فقر ومحتاجی کی وجہ سے ان کی شادی نہیں ہوئی۔ انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شادی کیا، اور باتفاق اہل علم عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۲۷ھ میں یزید کی ولادت ہوئی۔ منهاج السنة النبوية (٤/ ٤٤٦) حدیث کے لیے دیکھیں: صحيح مسلم، حديث نمبر (١٤٨٠) المؤطا حديث نمبر (٦٧)، سنن ابی داؤد، حديث نمبر (٢٢٨٤) المجروحين / ابن ابی حاتم (١/ ١٦٠)

[2] تاريخ دمشق / ابن عساكر (١٨/ ق ٢٩٠) یعقوب الفسوی نے لکھا: کہ ان کی ولادت ۲۵ھ میں ہوئی۔ دیکھئے: تاريخ دمشق (١٨/ ق ٣٩٠) اور فوات الوفيات / ابن شاكر الكتبی (٤/ ٣٢٨)

[3] تاريخ ابوزرعة (١/ ١٩١)، تاريخ دمشق / ابن عساكر (١٨/ ق ٣٩١)

[4] تاريخ الخلفاء/ محمد بن يزيد ص (٢٧) الاستيعاب / ابن عبدالبر (٣/ ١٤١٦) ذيل مرأة الزمان / اليونينی (٢/ ٧) سير اعلام النبلاء / الذهبی (٣/ ١١٩) الاصابة / ابن حجر (٦/ ١٥١)

ان کے دادا ابوسفیان صخر بن حرب [1] زمانۂ جاہلیت میں سرداران قریش کے ایک اہم فرد اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں چلنے والی تحریک کے ایک اہم قائد تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور اچھے اسلام کا مظاہرہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حنین و طائف کی مہمات میں شریک رہے۔ طائف کے محاصرہ کے دوران آپ کی ایک آنکھ شہید ہوگئی تھی، پھر اپنے بیٹے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے جھنڈے تلے یرموک میں شریک ہوئے اور اس موقع پر دوسری آنکھ بھی گنوا دی۔ [2]

ان کی دادی ہند بنت عتبہ بن ربیعہ تھیں، فتح مکہ کے دن اسلام لائیں، انتہائی زیرک وفطین خواتین میں سے تھیں، شاعرہ تھیں، بڑی غیرت مند اور خوددار تھیں۔ [3] ان کی ماں میسون بنت بحدل الکلبیہ تھیں، عرب کی شاعرہ خواتین میں سے تھیں۔ ممتاز فہم وفراست کی مالک تھیں، ان کے باپ قبیلہ کلب کے شرفاء میں سے تھے۔ [4]

پرورش و پرداخت:

یزید بن معاویہ کی نشو ونما کے بارے میں تاریخی مصادر میں ہمیں کوئی تفصیلی معلومات نہیں ملتیں، جس کی بنیادی وجہ یہ رہی ہے کہ ان کی زندگی اور سیرت و کردار کی خبریں یزید دشمنی میں طاق نسیاں کی نذر ہوگئیں۔ [5] تاہم جو کچھ مواد اور اشارے تاریخی مصادر میں ملتے ہیں وہ گرچہ مختصر اور جزئی ہی سہی لیکن ہم اس سے یزید بن معاویہ کی قبل از خلافت زندگی کا ایک خاکہ اخذ کر سکتے ہیں۔ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے میسون بنت بحدل الکلبیہ سے شادی کیا۔ [6] اور بلاد شام کے جنوب میں واقع بادیہ بنوکلب سے انھیں دمشق منتقل کر دیا، وہاں انھیں قصر امارت میں ٹھہرایا، لیکن اس بادیہ نشین خاتون کو شاہانہ طرز زندگی راس نہ آئی، اور اپنے آبائی مولد و

---

[1] الطبقات/ خليفة ص (١٠) الاستيعاب/ ابن عبدالبر (٢/ ٧١٤) الاصابة/ ابن حجر (٣/ ٤١٢)

[2] تجريد اسماء الصحابة / الذهبی (٢/ ١٧٤) نكت الهميان / الصفدی(١٧٣)

[3] الطبقات الكبرى/ ابن سعد (٨/ ١٧٠) اسد الغابة / ابن الاثير (٦/ ٢٩٢، ٢٩٣) التبيين فی انساب القرشيين/ ابن قدامة (٢١٨) الاصابة/ ابن حجر (٨/ ١٥٥-١٥٦)

[4] الطبقةالرابعة/ ابن سعد (١/ ١٢٩) نسب قريش، مصعب الزبيری ص (١٢٧) الاشتقاق/ ابن دريد (٥٤١، ٥٥٧) تاريخ مدينة دمشق/ تراجم النساء، ابن عساكر ص (٣٩٧)

[5] يزيد بن معاويه حياته و عصره/ عمر العقيلی ص (١٠)

[6] المحبر، ابن حبيب ص (٢١) تاريخ الامم والمملوك الطبری(٥/ ٣٢٩) تاريخ دمشق، تراجم النساء ص (٢٩٧) الاكمال/ ابن ماكولا (٧/ ٢٥١) تاريخ الاسلام/ الذهبی حوادث ٦١-٨٠ھ (٣/ ٩١) الحدائق الغناء فی اخبار النساء/ ابوالحسن المعافری ص (٣٣-٣٥) البداية والنهاية (٨/ ٢٢٩) اعلام النساء، عمر رضا كحالة (٥/ ١٣٦-١٣٧) شاعرات العرب/ عبدالبديع صقر (٣٩٦-٣٩٧)

مسکن کو یاد کر کے سسکیاں لیتی رہی، ایک دن چپکے سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ شعر پڑھتے سنا:

و لبس عباءة و تقر عيني

احب الي من لبس الشفوف

''موٹا بدوی لباس جس سے مجھے قرار وسکون ملے میرے نزدیک باریک ریشمی کپڑوں سے زیادہ محبوب ہے۔''

وہ اشعار پڑھتی رہی، جس میں بدوی زندگی کی خوبیوں کو بیان کرتی اور محلات کی پرتعیش ومہذب زندگی سے اس کا موازنہ کرتی ہوئی اس پر بدوی زندگی کو ترجیح دیتی رہی، اور بالآخر یہاں تک کہہ گئی:

و خرقٌ من بني عمٍ ثقيف

أَحَبُّ إليَّ من عِلجٍ عنيف [1]

''قبیلہ ثقیف کے میرے ابناء عم کا ایک کمتر فرد میرے نزدیک ایک سخت مزاج اور اکھڑ شخص سے بہتر تھا۔''

جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے میسون کو یہ اشعار پڑھتے سنا تو کہا کہ بحدل کی بیٹی مجھ سے خوش نہ ہوئی یہاں تک کہ مجھے سخت مزاج اور اکھڑ بنا دیا۔ جا تو اپنی گھر چلی جا، چناں چہ وہ اپنے بیٹے یزید کو اپنے ساتھ لے کر اپنے خاندان بنوکلب میں چلی گئی۔ [2] ہمیں نہیں معلوم کہ جس وقت معاویہ نے اسے طلاق دیا اس وقت یزید کی عمر کتنی تھی۔ البتہ بلاذری اور طبری نے اتنا لکھا ہے کہ یزید کے ساتھ ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی تھی، لیکن وہ بچپن ہی میں مرگئی۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ ابن عساکر اپنی سند سے نقل کرتے ہیں کہ میسون اپنے لڑکے یزید کو کنگھیاں کرتی تھیں اور اس وقت وہ مطلقہ تھیں۔ [3] اس کے بعد انھوں نے تفصیل سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے جس میں یہ وضاحت ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو ان کے چھوٹے بھائی عبداللہ پر ترجیح دیتے تھے، لیکن ایسا معلوم

---

[1] ہمیں نہیں معلوم کہ ان ابیات کی نسبت میسون بنت بجدل کی طرف کہاں تک درست ہے، لیکن چوں کہ اس کے ناقلین اور میسون کی طرف نسبت کرنے والے لاتعداد ہیں اور ادب عربی میں اسے بے پناہ شہرت حاصل ہے لہٰذا کسی حد تک یہ اطمینان ہوتا ہے کہ یہ نسبت درست ہو سکتی ہے۔ دیکھئے: مغني اللبيب ص (٢٦١) سيبويه (١/ ٤٢٦) خزانة الادب (٣/ ٥٩٣) اعلام النساء، عمر كحالة (٥/ ١٣٦-١٣٧)

[2] تاريخ مدينة دمشق/ ابن عساكر ص (٣٩٧) البداية والنهاية (٨/ ٢٣٠) انساب الاشراف / البلاذري (٤/ ١٥٠) بلاذری نے مدائنی کے حوالے سے لکھا ہے کہ جس وقت معاویہ رضی اللہ عنہ نے میسون کو طلاق دیا تھا اس وقت وہ حمل سے تھیں۔ ان کی ماں نے انھیں اس کے ماموؤں کے یہاں جنم دیا تھا۔ شاعرات العرب/ عبدالبديع صقر (٣٩٦-٣٩٧)

[3] تاريخ دمشق، تراجم النساء/ ابن عساكر ص (٣٩١)

ہوتا ہے کہ یہ ناقلین کی غلطی ہے دراصل کنگھیاں میسون نہیں بلکہ یزید کی مربیہ کرتی تھیں کیوں کہ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یزید اس وقت قدر بڑے ہو چکے تھے جیسا کہ ان کے والد کے مطالبات سے اندازہ ہوتا ہے۔

پھر یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ قبیلہ کلب کی سیادت و قیادت کرنے والے خاندان کی ایک مطلقہ عورت اس بات پر کیوں کر راضی ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے طلاق دہندہ شوہر کے ساتھ گزارا کرے گی، جب کہ اسلامی حکم بھی اس کی اجازت نہیں دیتا، ہاں اس بات کا ضرور امکان ہے کہ معاویہ نے میسون اور اس کے بچے یزید کے لیے کسی ایک محل کو خاص کر دیا ہو، پھر وہ بچہ بڑا ہوا ہو، اور بادیہ کی آب و ہوا لے کر وہاں سے واپس آیا ہو اور میسون نے اس کے ساتھ معاویہ کے دیئے ہوئے محل میں زندگی گزاری ہو۔ واضح رہے کہ میسون بنت بحدل کے بارے میں تاریخی مصادر اس بات پر شاہد ہیں کہ وہ ایک باعفت اور پردہ نشین خاتون تھیں۔ انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بعض حدیثیں بھی روایت کی ہیں، اور ان سے محمد بن علی کی روایت ثابت ہے۔ [1]

وہ ایک عقل مند اور زیرک خاتون تھیں چناں چہ ایک مرتبہ معاویہ رضی اللہ عنہ حدیج الخصي (جو کہ خصی کرائے ہوئے تھے) کو ساتھ لے کر میسون کے پاس گئے، میسون حدیج سے پردہ کرنے لگیں، معاویہ نے کہا یہ تو عورت جیسے ہیں ان سے پردہ کی کیا ضرورت؟ میسون نے جواب دیا: گویا تمھارے خیال میں مثلہ (خصی کرا لینا) نے اس کے لیے میری وہ چیز حلال کر دیا جسے اللہ نے حرام کیا ہے۔ [2]

بہر حال جب یزید اپنی ماں کے ساتھ اپنے ننہال یہاں چلے گئے، اس کے بعد ان کے اور ان کی ماں کے کیا احوال رہے اس کے بارے میں تاریخی مصادر میں کچھ نہیں ملتا۔ [3] اس طرح یزید نے اپنی زندگی کا ایک حصہ بادیہ میں گزارا، اور اپنے ماموؤں کے یہاں جو کہ قبیلہ کلب کے سردار ہوا کرتے تھے، پرورش پائی۔ نتیجتاً ان کی طبیعت و مزاج اس پرورش سے متاثر ہوئی۔ اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ فصاحت، بلاغت، خطابت اور جود وسخا میں وہ ایک ممتاز مقام پر فائز تھے۔ [4]

---

[1] تاریخ دمشق، تراجم النساء/ ابن عساکر ص (۳۹۷) محمد بن علی یہ محمد بن حنیفہ کے نام سے مشہور ہیں۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ یزید کے مداح رہے ہیں۔ (شمیم)

[2] تاریخ دمشق، تراجم النساء / ابن عساکر ص (۳۹۷) الحدائق الغناء ص (۳٤) احمد تلمسانی نے حدیج کے واقعہ کو فاختہ سے منسوب کیا ہے۔ الجمان في مختصر اخبار الزمان/ المقری ص (۱٤۲) واضح رہے کہ جمیل مصری نے قبیلہ کلب کی شرف و عظمت کو مشکوک ٹھہرانے کی کوشش کی ہے، حتی کہ قبیلہ کلب کی دونوں خواتین نائلہ بنت فرافصہ اور میسون بنت بحدل کے اسلام ہی کو مشکوک ٹھہرایا ہے اور قبیلہ کلب کو ایک نصرانی قبیلہ ثابت کیا ہے، اور پھر اسے علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان بنیادی اختلاف کی ایک وجہ قرار دیا ہے۔ (اهل الكتاب في الفتن والحروب والاهلية في القرن الاول الهجري ص (٤۲۱)

[3] یزید بن معاویہ ص (۱۱) عقیلی کے بقول میسون کی وفات ۸۰ھ میں ہوئی۔

[4] مآثر الاناقه/ القلقشندی (۱/ ۱۱۵، ۱۱٦)

ہم یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ معاویہ اپنے بیٹے کے تئیں اس بات کے حریص رہے ہوں گے کہ ان کا لڑکا مستقل بادیہ میں رہے، کیوں کہ بداوت کی زندگی اسے فن سیاست نہیں سکھا سکتی تھی۔ نہ اسے یہ ہنر آتا کہ قوموں اور قبائل کے ساتھ کس طرح پیش آیا جائے، اسی طرح اہل بادیہ میں تند مزاجی، وسخت دلی اور کم علمی کا غلبہ ہوتا ہے جو خانوادہ معاویہ کی طبیعت کے منافی تھا، لیکن یزید کا تعلق بادیہ سے قائم رہا اور ان کے لباس و پوشاک نیز بے تکلف زندگی گزارنے میں اس کی تاثیر نمایاں رہی، جس کی دلیل یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب اہل شام نے یزید کا استقبال کیا جو اپنے ننہال سے آرہے تھے اس وقت تو ان کے سر پر نہ پگڑی تھی اور نہ ہی وہ تلوار حمائل کیے ہوئے تھے۔ لوگوں نے یزید کو اس کیفیت میں دیکھا تو کہنے لگے:

''یہی وہ اعرابی ہے جو اس امت کا والی ہوا ہے۔'' [1]

بہرحال قطعیت کے ساتھ نہیں معلوم کہ یزید کی بادیہ سے واپسی کب اور کس تاریخ میں ہوئی تھی۔ تاہم اتنا ضرور ہے کہ وہ باشعور ہونے کے بعد اپنے والد کے ساتھ اقامت گزیں رہے، ان کی مجلسوں میں شریک ہوتے، اور ان کی سیاست اور تدابیر حکمرانی سے استفادہ کرتے، اور معاویہ بھی اس بات کے خواہاں تھے کہ اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ زادہ ہونے کی مناسب تعلیم دیں۔ اسی لیے انھوں نے دغفل بن حنظلہ السدوسی الشیبانی متوفی ۸۵ھ جیسے عالم کو اپنے لڑکے یزید کے لیے بحیثیت معلم و مربی منتخب کیا تھا۔ [2] ابن سیرین کہتے ہیں: دغفل ایک عالم آدمی تھے، انھیں علم نسب میں مہارت حاصل تھی۔ [3] دغفل کی علمی شہرت کا یہ عالم تھا کہ وہ ضرب المثل کے طور پر بولے جاتے تھے، اور کہا جاتا تھا کہ فلاں تو دغفل سے بھی زیادہ جانکار ہے۔ [4]

اسی طرح معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی تعلیم و تربیت کے لیے کتاب الامثال، اور کتاب الملوك و اخبار الماضین [5] کے مصنف عبید بن شریہ الجرہمی کی بھی خدمات لیں، انھیں یمن کے شہر صنعاء سے اپنے یہاں بلایا، وہ عرب کی تاریخ اور اس کی حوادث و واقعات پر گہرا علم رکھتے تھے۔ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ یزید نے اس ماہر و مجرب اور صاحب علم و حکمت معلم سے استفادہ کیا۔ عبید بن شریہ کی وفات ۷۰ھ میں

---

[1] سیر اعلام النبلاء/ الذهبی (٤/ ٣٦-٣٧)

[2] المعجم الکبیر/ الطبرانی (٤/ ٢٢٦) جامع بیان فضل العلم/ ابن عبدالبر (١/ ١٠٦) الاصابة (٢/ ٣٨٩)

[3] میزان الاعتدال/ الذهبی (٢/ ٢٧) الاصابة (٢/ ٣٨٨) بلوغ الارب/ محمد شکری آلوسی (٣/ ١٩٨، ١٩٩)

[4] الجاحظ، العمیان ص (٦٥)، الاغانی (٦/ ١٤٥-١٤٧) مجمع الامثال/ المیدانی (٢/ ٥٤-١٤٦) طبقات النسابین/ بکر ابوزید ص (١٦، ١٧)

[5] الفهرست/ ابن الندیم (١٣٢) الحیاة العلمیة فی الشام فی القرآن الاول و الثانی الهجری ص (١٩٧)

ہوئی۔ [1] تاریخ و انساب کے اس تعلیم و تعلم کا یزید پر ایسا اثر رہا کہ وہ برمحل اور ماہر نسب شخص کی طرح اس موضوع پر گفتگو کرتے تھے۔ [2]

علم اور تعلیم کے باب میں معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ اہتمام کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ خاص طور سے اگر یہ پس منظر ہمارے سامنے ہو کہ ان کے باپ ابوسفیان اور دادا حرب ہی نے خط عربی کو حجاز میں منتقل کیا۔ [3] جو کہ عربوں پر بنوامیہ کے شاندار کارناموں کا ایک حصہ ہے۔ بلکہ پہلی صدی ہجری کے آخر میں احادیث رسول کی تدوین جس کے حکم و اشارہ پر ہوئی وہ اموی خاندان ہی کے سپوت امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تھے۔ [4] مختصر یہ کہ تعلیم و تربیت کے لیے معلم کے حسن انتخاب کا اس نوجوان کی شخصیت سازی میں بڑا گہرا اثر تھا، اور یزید کو وہ اسباب و مواقع میسر ہوئے جو دوسروں کو نہیں ملے، مزید برآں ان کے والد جلیل القدر صحابہ میں سے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے۔ اپنے باپ سے کئی حدیثیں روایت کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے: من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين۔ [5] ''اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔'' امام ابوزرعہ الدمشقی نے یزید کو صحابہ سے متصل طبقہ میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ''له احاديث'' [6] ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں:

''کتاب صحیح اور سنن میں بھی یزید بن معاویہ کا ذکر آیا ہے، نیز مراسیل ابوداؤد میں مجھے ان کی ایک روایت ملی ہے جس کے وجہ سے میں نے تہذیب التہذیب میں ان کی سوانح تحریر کیا ہے۔'' [7]

---

[1] ارشاد الاريب/ ياقوت الحموی (١٢/ ٧٢-٧٨) مستشرق نیکلسون لکھتا ہے: کہ عبید بن شریۃ اور وہب بن منبہ کو تاریخی مواد کی بحث و تحقیق پر دمشق میں اموی خانوادۂ حکومت کی جانب سے ہمت و حوصلہ سے نوازا گیا۔ دیکھئے .Nicholoson, R.A Alitcraty of the Grabic P:246 بحواله دراسات فی الحديث النبوی/ مصطفی الاعظمی (١/ ٦٠) تاريخ الادب العربی (١/ ٢٦١)

[2] انساب الاشراف/ البلاذری (٤/ ٢٩٥-٢٩٦) بکر ابوزید نے یزید کو ماہرین نسب کے تیسرے طبقہ میں شمار کیا ہے۔ طبقات النسابین ص (٢٩) البتہ اس کتاب میں یزید کی تاریخ وفات غلط درج ہوگئی ہے۔ اس کے تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہے۔ ذہبی نے عبدالصمد الہاشمی کے سوانح میں لکھا ہے: ''وہ کافی حد تک علم نسب میں یزید خلیفہ کے ہم پایہ تھے۔'' سير اعلام النبلاء (٩/ ١٣٠) نیز دیکھئے: المحبر / ابن حبيب ص (٢٥)

[3] طبقات بن سعد ، القسم الرابع (١/ ٩٩) القصد والامم/ ابن عبدالبر ص (٣٢) الوسائل فی مسامرة الاوائل / السيوطی ص (١١٣)

[4] الاسلام و الحضارة العربية/ محمد كرد علی (١/ ١٧٢)

[5] اس حدیث کی اصل دیکھئے: صحيح البخاری مع الفتح (١/ ١٩٧)، (٧١، ٣١١٦، ٧٣١٢)، صحيح مسلم، حديث نمبر (١٠٣٧)

[6] البداية والنهاية/ ابن كثير (٨/ ٢٢٩) [7] تعجيل المنفعة/ ابن حجر (٤٥١-٤٥٣)

معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ آنے والے وفود کی مجلسوں میں یزید کی شرکت ہو، تاکہ وہ ان سے آداب وعلوم کے سبق لیں، چناں چہ ابن المبارک کہتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ وفد کے کچھ لوگوں سے کہا: آپ لوگوں کی نگاہ میں مروت کسے کہتے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا: دینی پاکیزگی اور معاشی خودداری۔ تو معاویہ نے کہا: اسمع یا یزید۔ ❶ یزید اچھی طرح سن لو۔ ابن درید کی ''الأ مالی'' کے حوالے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یزید کی مجلس میں عربی زبان وادب کے علماء بھی شریک ہوتے تھے اور جس مسئلہ کی طرف ان کا رجحان ہوتا تھا یزید کی بات اس میں قول فیصل ہوا کرتی تھی۔ ❷ یوں سمجھئے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب سے شام میں سکون واستحکام ملا اسی وقت سے اپنے لڑکے کی تربیت کا کافی اہتمام کیا، اور شروع ہی سے صبر آزما معاملات اور بڑی بڑی ذمہ داریوں کے نبھانے میں انھیں شریک کار رکھا۔ ❸

حلیہ اوصاف وعادات:

مورخین نے یزید کے جو جسمانی اوصاف بیان کیے ہیں ان سے ظاہر ہوتا وہ بھاری بھرکم اور طویل قد و قامت کے مالک تھے۔ انگلیاں موٹی موٹی، بال گٹھے ہوئے اور گھنے تھے، رنگ گندمی تھا، اور چہرے پر چیچک کے نشانات تھے، آنکھیں خوبصورت اور داڑھی ہلکی وحسین تھی۔ خلاصہ کلام یہ کہ مجموعی حیثیت سے وہ خوبصورت تھے۔ ❹ یہ تو تھے یزید کے جسمانی اوصاف، لیکن جہاں تک اخلاقی اوصاف وعادات کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں تاریخی مصادر ہوں یا ادبی دونوں ہی یزید کے کسبی اور موروثی عادات وخصائل کے بارے میں ہمیں کم ہی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ تاہم انھیں مختصر معلومات کی روشنی میں یزید کی شخصیت کے کچھ خدوخال ضرور متعین ہوتے ہیں۔ مثلاً:

قوت وشجاعت:

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ بادیہ میں یزید کی اپنے ماموں کے ساتھ کی جزئی زندگی نے یزید کو بدوی طبیعت و مزاج کا حامل بنا دیا تھا، جس میں ایک ہی وقت میں تحمل وشجاعت کی خو ہوا کرتی ہے، علاوہ ازیں وہ ایسے خاندان

---

❶ تاریخ دمشق/ ابن عساکر (۱۸/ ق ۳۹۴)

❷ المزهر/ السيوطی (۱/ ۱۲۵)

❸ تاريخ الدولة الاسلامية/ سهيل زكار ص (۱۳۱) کئی بار اَمیر الحج بنا کر روانہ کیا اور ان کی امارت وامامت میں ملت اسلامیہ نے فریضۂ حج ادا کیا۔ (ش)

❹ انساب الاشراف/ البلاذری (٤/ ۲۸۹) العقد الفريد، ابن عبدربه (٤/ ۳۷٥) سير اعلام النبلاء (۳۷٤) البداية والنهاية/ ابن كثير (۸/ ۲۳۰) وفيات الوفيات/ ابن شاكر الكتبی (٤/ ۳۲۸) مآثر الانافة/ القلقشندی (۱/ ۱۱٥-۱۱٦) الجوهر الثمين/ ابن دقماق ص (٦۱)

کی نسل سے تھے جو اپنی قوت، شجاعت اور عزم و ہمت میں مشہور تھا۔ ان کے بارے میں ذہبی لکھتے ہیں:

''طاقتور، بہادر صاحب رائے، عزم و حوصلہ کے مالک، ذہین وفطین، اور فصیح و بلیغ انسان تھے۔'' ❶

یزید کی تمنا ہوتی تھی کہ ان کے باپ انھیں موسم گرما میں محاذ پر نکلنے والی فوج کی ذمہ داری دیا کریں، گھوڑوں میں مقابلہ کی دوڑ کرانا محبوب مشغلہ تھا، مسلمانوں میں فروسیہ (شہسواری کی مہارت) کا معیار بلند کرنے کے لیے انعامات مقرر کرتے تھے۔ ❷ مزید برآں قسطنطنیہ کا محاصرہ کرنے والی اسلامی فوج کی قیادت کرنے کے ساتھ ساتھ جنگی نشیب و فراز پر انھیں عبور حاصل تھا۔ صفوان بن عمرو کا بیان ہے: کہ جب مسلمانوں نے قیدیوں کو رومی سرحد سے باہر کرلیا تو یزید بن معاویہ نے رومیوں کی آنکھوں کے سامنے ان قیدیوں کی گردن ماری۔ ❸

یزید کی عزم و ہمت ہی تھی کہ بقول عتبی کے غزوہ قسطنطنیہ میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو یزید ان کی عیادت کے لیے گئے، اور پوچھا: اے ابوایوب! آپ کو کیا ضرورت ہے؟ انھوں نے کہا: مجھے قسطنطنیہ کی فصیل (چہار دیواری) کے نیچے دفن کر دینا، کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((يدفن عند أَسْوارِ القُسطُنطنية رجل صالح .))

''قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس ایک نیک آدمی دفن کیا جائے گا۔''

میں امید کرتا ہوں کہ میں ہی وہ شخص ہوں گا۔ چناں چہ جب ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو یزید نے ان کی تکفین کا حکم دیا، اور وہ اپنی چارپائی پر اٹھائے گئے، پھر فوجوں کو جنازے کے لیے نکالا گیا۔ شاہ روم قیصر نے جب اس جنازے پر نگاہ ڈالی اور مجاہدین کی پیہم جنگ آزمائی دیکھی تو گھبرا گیا، اور یزید کے پاس یہ پوچھنے کے لیے ایک آدمی بھیجا کہ یہ کس کا جنازہ ہے جسے میں دیکھا رہا ہوں؟ یزید نے کہا: یہ ہمارے نبی کے ساتھی (صحابی) ہیں، انھوں نے ہم سے مطالبہ کیا تھا کہ ہم انھیں تمھارے ملک میں دفن کریں گے۔ ہم ان کی وصیت کو ہر حال میں نافذ کریں گے خواہ ہمیں اس راستے میں جان کی قربانیاں دینی پڑیں۔ قیصر نے کہا: مجھے ان لوگوں پر حیرت ہے جو تمھارے باپ کو بہت ہوشیار اور معاملہ فہم کہتے ہیں، تعجب ہے کہ وہ تمھیں بھیجتا ہے، اور تم اپنے نبی کے ساتھی کو لاکر ہمارے ملک میں دفن کرتے ہو، ابھی جب تم لوگ واپس جاؤ گے تو ہم

---

❶ سير اعلام النبلاء (٤/ ٣٧)

❷ الاقوال الكافية فى الفصول الشافية فى الخيل / المجاهد على بن داؤد الرسولى ص (٣١٢)

❸ تاريخ مدينة دمشق/ ابن عساكر، تراجم حرف عين (عبدالله بن مسعده) ص (٧)

اسے کتوں کے حوالے کردیں گے۔

یزید نے کہا: اللہ کی قسم! میں ان کی لاش کو تمھارے ملک میں چھوڑ کر جانے والا نہیں ہوں، تاوقتیکہ تمھارے کانوں میں اپنی بات بیٹھا نہ دوں۔ سن لو! تم اس ہستی کے کافر ہو جس کے حوالے سے اس صحابی کی لاش کو اعزاز ملا ہے، اگر مجھے یہ خبر ملی کہ ان کی قبر سے انھیں نکالا گیا ہے یا ان کا مثلہ کیا گیا ہے تو پورے عرب کی سرزمین سے ایک ایک نصرانی کو قتل کردوں گا۔ اور جتنے کنیسے ہیں سب کو منہدم کردوں گا۔ یہ سن کر قیصر نے یزید کو پیغام بھیجا کہ یقیناً تمھارے باپ تمھارے بارے میں زیادہ جانتے ہیں۔ مسیح کی قسم! میں اپنے دونوں ہاتھوں سے ان کی قبر کی حفاظت کروں گا۔ ❶

قسطنطنیہ کے محاصرہ میں یزید نے بہادری کے جو جوہر دکھائے وہ ادباء کے یہاں باعث حیرت واستعجاب رہا، اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ وہ اپنی ادیبانہ تحریر و گفتگو میں یزید کی شجاعت و بسالت کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں۔ ❷ اور مورخین نے بھی محاصرہ قسطنطنیہ کے دوران یزید کی شجاعت وحوصلہ مندی کی داد دیا ہے۔ ❸

فصاحت و بلاغت اور شعر گوئی:

یزید کی سوانح حیات پر گفتگو کرنے والے تمام ہی سیرت نگاروں نے فصاحت و بلاغت اور شعر گوئی میں ان کی شہرت کا تذکرہ کیا ہے، اور اس کا سہرہ قلقشندی نے ان کی ماں میسون بنت بحدل الکلبیہ کے سر باندھا ہے۔ ❹ ذہبی نے بصراحت لکھا ہے: کہ یزید فصاحت و بلاغت کے مالک تھے۔ ❺ یزید کی اسی فصاحت کلامی نے انھیں باپ کی نگاہوں میں کافی محبوب بنا دیا تھا، چناں چہ عتبی نے ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ زیاد بہت سارا مال، اور جواہرات سے بھری ہوئی تھیلی لے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جس سے معاویہ رضی اللہ عنہ خوش ہوگئے، پھر زیاد آگے بڑھے اور منبر پر چڑھ کر معاویہ کی حکمرانی میں توسیع کے تعلق سے عراق میں اپنے کارناموں کو فخریہ انداز میں ذکر کیا، یہ سن کر یزید اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: اے زیاد! اگر تم نے یہ کیا ہے تو ہم نے بھی تمھارے ساتھ کچھ کیا ہے، ہم نے تمھیں ثقیف کی ولایت سے قریش کی ولایت تک پہنچایا، قلم سے اٹھا کر منبر و محراب تک لائے، زیاد بن عبید سے نکال کر حرب بن امیہ کا فرد بنایا، اتنا سننا تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

---

❶ العقد الفريد (٤/ ٣٦٧) الاستبصار في نسب الصحابة في الانصار / ابن قدامة المقدسي (٧٠-٧١)

❷ الاغـانـي (١٦/ ٢٢) ابن غرسیہ کی تردید میں ابوالطیب بن من اللہ القردی کا ایک رسالہ جو نوادر المخطوطات (۳/۱) کے ضمن میں مطبوع ہے۔ الذخيرة بمحاسن اهل الجزيرة/ ابن بسام (٦/ ٢٧٦)

❸ تاريخ خليفه بن خياط ص (١٥٩) تاريخ ابوزرعه (١/ ١٨٨) الكامل (٣/ ٤٥٨-٤٥٩)

❹ مآثر الاناقة/ القلقشندي (١/ ١١٥-١١٦) معجم ابن امية/ صلاح الدين المنجد ص (٢٠٤)

❺ سير اعلام النبلاء / الذهبي (٤/ ٣٧)

میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔ ❶

اور جب ایک موقع پر مختلف خُطباء نے اپنے اپنے کلام پیش کیے تو معاویہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں ابھی ان کے درمیان خطیب اَشدق لاؤں گا۔ اے یزید اٹھو! اور خطاب کرو۔ ❷ واضح رہے کہ یزید نے زمام خلافت سنبھالتے ہی جو شاندار خطبے دیئے ہیں وہ ان کی فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی کی واضح دلیل ہیں۔ ❸

مدائنی نے اپنی سند کے حوالے سے لکھا ہے: کہ ایک آدمی نے سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے خطباء قریش کے بارے میں جانکاری چاہی، تو سعید بن المسیب نے کہا: معاویہ، ان کے لڑکے یزید، مروان بن حکم اور ان کے لڑکے عبدالملک، سعید بن العاص اور ان کے صاحبزادے اور ابن الزبیر بھی ان سے کچھ کم نہیں ہیں۔ ❹

بہر حال یزید بن معاویہ ایک ذی علم اور علم وعلماء کے قدر داں تھے، یہی وجہ تھی کہ بہت سارے مورخین اور واقعہ نگاروں کو اپنا مصاحب بنا رکھا تھا، پھر ان میں بھی کچھ کو ترجیحی مقام دے رکھا تھا، مثلاً علاقہ بن کرشم الکلابی جو کہ اس دور کے مشہور مورخ تھے انھیں اپنے خواص میں رکھا تھا۔

علاقہ بن کرشم کے بارے میں ابن الندیم لکھتے ہیں:

''انھیں تاریخ عرب کی معرفت تھی، آپ ان چند لوگوں میں سے ایک تھے جن سے واقعات اور تاریخ عرب کی روایات منقول ہیں، یزید بن معاویہ نے انھیں رات کے مصاحبین میں سے بنا رکھا تھا۔'' ❺

یاقوت الحموی کا قول ہے:

''انھیں، انساب، اخبار وحوادث اور عرب کی قدیم تاریخ کا علم تھا، مذکورہ فنون کے بارے میں ان سے بہت کچھ اخذ کیا گیا ہے۔'' ❻

---

❶ ابناء نخباء الانباء/ محمد ظفر الصقلی ص (١٣٣-١٣٤) البداية والنهاية (٨/ ٢٣١)

❷ البيـان والسيـن / الجاحظ (١/ ١٢٢) خطیب اشدق یزید کا لقب ہے خطابت میں قادر الکلامی اور برجستگی اس قدر تھی کہ لوگ خطیب اشدق کے نام سے یاد کرتے تھے۔ (ش)

❸ طبقـات بـن سـعـد، الـقسـم الـرابـع (١/ ٢٧٤) عيون الاخبار، ابن قتيبه الدنيوری (٢/ ٢٦٠) العقد الفريد (٤/ ٣٧٤- ٣٧٥)

❹ انساب الاشراف/ البلاذری (٤/ ٢٨٩) البيان والتبين/ الجاحظ (١/ ٣١٤)

❺ الفهرست/ ابن النديم ص (١٣٢)

❻ معـجـم الادبـاء (٥/ ٦٦)، تـاريـخ الادب الـعـربـی/ بروكلمان (١/ ٢٦١) تاريخ التراث العربی، سنركين (١/ ٢/ ٤١) الرواية التاريخيةفی بلاد الشام فی العصر الأموی / حسين عطوان ص (٢٨)

شعر گوئی:

یزید ایک اچھے شاعر تھے۔ ❶ ان کی شاعری دیکھ کر لوگ کہنے لگے تھے کہ ایک بادشاہ سے شعر کا آغاز ہوا اور بادشاہ ہی پر ختم ہوا، ان کا اشارہ امرئ القیس اور یزید کی طرف ہوتا تھا۔ ❷ یزید اور عبدالرحمٰن بن حسان شعر گوئی میں ایک دوسرے سے بڑھ نکلنا چاہتے تھے۔ ❸ ان کی شاعری کی شاہکار وہ بے مثال قصیدہ جس کے ذریعہ انھوں نے اہل مدینہ اور مکہ میں قریش کو فتنوں اور شورش زدہ علاقوں میں شرکت کرنے سے روکا تھا۔ ❹ ابن طباطبا کہتے ہیں: یزید خوش کلام اور فصیح و بلیغ شاعر تھے۔ ❺ جب کہ خلیل مردم ان کے بارے میں کہتے ہیں: اور وہ فصیح و بلیغ اور ادیب شاعر تھے۔ ❻ ابن خلکان نے مرزبانی کی سوانح میں لکھا ہے: کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے یزید بن معاویہ کے شعری دیوان پر توجہ دی اور اسے یکجا کیا، یہ دیوان چھوٹی حجامت میں تین کاپیوں کی مقدار میں ہے۔ مرزبانی کے بعد ایک اور جماعت نے اسے یکجا کیا لیکن اس میں ایسی چیزیں داخل کر دیں جن کا تعلق یزید سے نہیں ہے۔ ❼

ابن خلکان یزید کی شعری خوبیوں سے اتنے متاثر تھے کہ ان کا دیوان ازبر کر لیا تھا ❽ اور کہا کہ میں نے یزید کی طرف منسوب کیے جانے والے صحیح اور غیر صحیح اشعار کو پہچان لیا، اور ایک ایک شعر کے بارے میں تحقیق کر لیا یہاں تک کہ ہر شعر کے ناقل تک میری رسائی ہوگئی۔ ❾

یزید کی طرف بعض اشعار کی غلط نسبت کے بارے میں ابن شاکر الکتبی بھی خبردار رہے ❿ اور انھوں نے کہا:

---

❶ طبقات فحول الشعرائلابن سلام ، الشعر والشعراء لابن قتیبه اور طبقات الشعر لابن المعتز و مرزبانی کی طبقات الشعراء جیسی کتابوں میں شعراء کے ضمن میں یزید کا نام نہیں ملتا ہے، جس کی اصل وجہ میری نگاہ میں یہ ہے کہ ان کے اشعار کم تھے۔ مزید برآں کچھ اشعار کو زبردستی ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے، اس وجہ سے سوانح نگاروں نے ان کا تذکرہ نہ کیا۔ جب کہ فواد سزکین کے بقول یزید کو شاعرانہ شہرت نہ تھی اس وجہ سے انھیں نظر انداز کیا گیا۔ تاریخ التراث العربی (٢/ ٣/ ٤)

❷ الفخری فی الآداب السلطانیة/ ابن طبا طبا (١١٣)

❸ طبقات فحول الشعراء/ ابن سلام (١/ ٤٦١) ❹ تهذیب الکمال/ المزی (٦/ ٤١٨-٤١٩)

❺ الفخری فی الآداب السلطانیة، ابن طبا طبا ص (١١٣)

❻ جمهرة المغنین، خلیل مردم ص (٦٦) ❼ وفیات الاعیان، ابن خلکان (٤/ ٣٥٤)

❽ وفیات الاعیان/ ابن خلکان (٤/ ٣٥٤)

❾ وفیات الاعیان (٤/ ٣٥٤) یزید کی طرف منسوب اشعار کے نمونے صدرالدین البصری کی تالیف الحماسة البصریة (٢/ ٣٩١) میں دیکھنے کو مل سکتے ہیں۔

❿ فوات الوفیات/ ابن شاکر الکتبی (٤/ ٣٢٨)

''یزید کا ایک ایسا بھی دیوان ہے جس میں کچھ اشعار ہی کی نسبت ان کی طرف صحیح ہے۔ جمال الدین علی بن یوسف القفطی نے ان کا دیوان جمع کیا ہے اور ہر اس شخص کا کلام اس میں شامل کر دیا ہے جس کا نام یزید تھا۔'' ❶

صلاح الدین المنجد لکھتے ہیں:

''۱۹۲۲ء میں جرمن مستشرق بول چوارٹس نے یزید کے کچھ ایسے قصیدے نشر کیے جن کے بارے میں نہیں معلوم کہ انھیں کس نے یکجا کیا، یہ قصیدے اسے اسکوریل لائبریری میں ملے تھے جن کی تعداد بارہ تھی، جب ہم نے ان قصیدوں کا تحقیقی مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ انھیں یزید کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ہنری لامانس نے تنقیدی مطالعہ کے بعد اس کی غلط نسبتی کو واضح کر دیا ہے۔ اسی طرح اٹالوی مستشرق گورگ ڈیفیڈ نے بھی یزید کے کچھ دوسرے اشعار نشر کیے ہیں۔'' ❷

بہر حال ابن خلکان کی تعبیر میں یزید نہایت عمدہ اشعار کہتے تھے اگر چہ ان کا شعری کلام مختصر ہی ہے۔ ❸ یزید کی خوش کلامی اور شعری بلاغت ہی کہی جائے گی کہ امام شافعی رحمہ اللہ ان کے اشعار کے استشہاد کیا کرتے تھے۔ ❹ جب کہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ یزید بہادر، سخی اور بلند پایہ شاعر تھے۔ ❺

فیاضی و بردباری:

یزید کا بردبار ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے کیوں کہ وہ بردباری میں شہرت یافتہ خاندان کے فرد تھے۔ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بردباری میں ہم میں سب سے زیادہ باوقار ہمارے اموی برادران ہیں۔ ❻ جب کہ یزید کے باپ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بردباری کا کہنا ہی کیا، وہ تو اس سلسلے میں ضرب المثل تھے۔ قبیصہ بن جابر کا بیان ہے کہ مجھے معاویہ کی مصاحبت ملی ہے، میں نے ان سے زیادہ بردبار، جہالت پر صبر کرنے والا، اور تکبر و خودغرضی سے دور رہنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ ❼ چناں چہ ہمیں بھی یقین ہے کہ یزید ایسے ہی تھے، کیوں کہ سن شعور تک پہنچتے پہنچتے والد محترم کی صحبت نے ان کی طبیعت و مزاج اور سلوک کردار پر گہرا اثر ڈالا تھا۔

---

❶ مقدمة ابوالفضل ابراهيم بر کتاب "انباه لرواة مولف القفطی (۱۱/ ۲۲) ابوالفضل نے لکھا ہے کہ قفطی کی دیگر تالیفات کے ساتھ یہ بھی مفقود ہے۔

❷ شعر يزيد بن معاويه/ د۔ صلاح الدين المنجد ص / ۲۰

❸ وفيات الاعيان (٤/ ٣٥٤) ❹ الاستيعاب/ ابن عبدالبر (٣/ ١٤١٩)

❺ تعجيل المنفعة ص (٤٥٣) ❻ المصنف/ عبدالرزاق (٥/ ٤٥١)

❼ سیر اعلام النبلاء/ الذهبی (٣/ ١٥٣) یزید کی بردباری کے بارے میں مزید جانکاری کے لیے عباس بن بکر الضبی کی کتاب "الوافدين من الرجال على معاوية" کا مطالعہ کیا جائے۔

حبر الامۃ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی یزید کی بردباری پر گواہ ہیں، چناں چہ حسن رضی اللہ عنہ کی وفات پر جب یزید ان کی تعزیت میں گئے اور پھر واپس لوٹنے لگے تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بنوحرب کے خاتمہ سے بردباروں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ [1] نیز اپنے ہجو میں عبدالرحمٰن بن حسان کے اشعار پر انھوں نے جو موقف اختیار کیا وہ ان کی بردباری کی اعلیٰ مثال ہے، حالاں کہ حصن بن نمیر اور مسلم بن عقبہ نے انھیں مشورہ دیا تھا کہ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کی بردباری نے لوگوں کو تمھارے خلاف جری کر دیا ہے، لہٰذا اسے قتل کر دو، لیکن یزید نے کہا ہم نے اسے نظر انداز کیا، اور اسے اپنی حفاظت و پناہ سے نوازا، تبھی ہم اس وصف کے مستحق ہوئے اور پھر عبدالرحمٰن کے پاس تیس ہزار درہم کا عطیہ بھیجا۔ [2]

فیاضی:

یزید کی فیاضی مشہور ہے چناں چہ وہ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کو بے پناہ عطیات سے نوازتے تھے۔ [3] اور ان کے بارے میں یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے کیوں کہ اس خصلت حمیدہ کے بارے میں ان سے منقول ہے کہ وہ کہتے تھے۔ ''ہم نشیں اور مصاحب ساتھی کی حفاظت کرنا اور انھیں اعزاز عطا کرنا خلیفہ کی نوازش و فیاضی کا حصہ اور حق نعمت کی ادائیگی ہے۔ [4] عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما یزید کی اس فیاضی سے بہت متاثر ہوئے اور ان کے بارے میں ایک بار کہا کہ ''فداك ابی وامی فوالله ما قلتها لاحد قبلك'' [5] تم پر میرے ماں باپ قربان جائیں میں نے تم سے پہلے کسی کے لیے ایسا نہیں کہا۔

---

[1] ابن عساکر (۱۸/ ق ۳۹۵) رہی وہ روایت جس میں ''ذهب علماء الناس'' ہے تو حقیقت میں وہ اصل کلمہ یعنی ''حلماء الناس'' سے محرف ہے اس کی دلیل ابن عباس کا یہ شعر ہے:

مغاضی عن العوراء لا ینطقوا بها
واصل وارثات الحلوم الاوائل

نیز سیاق گفتگو بنوحرب کی بردباری پر مشتمل ہے نہ کہ ان کی علمی برتری کے اظہار پر ڈاکٹر عقیلی نے اپنی کتاب ''یزید بن معاویہ ص (۱۳) میں اسی مقولہ پر اعتماد کرتے ہوئے ''ذهب علماء الناس'' کو راجح ٹھہرایا ہے جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انھوں نے ابن کثیر (۲۳۱/۸) پر اعتماد کیا ہے جب کہ ابن طولون ابن کثیر ہی سے نقل کرتے ہوئے القید الشرید میں ''علم'' کی بجائے ''حلم'' لکھا ہے۔ دیکھئے: ابن طولون ق ۳-۴۔

[2] انساب الاشراف/ البلاذری (۴/ ۲۹۹)

[3] انساب الاشراف (۴/ ۱۸۹) تلخیص معجم الادب فی معجم الالقاب / ابن الفوطی (۴/ ۱/ ۴۰۶) تهذیب الرياسة و تربية السياسة / محمد القلعی ص (۲۷۳) العقد الفريد (۲/ ۷۰)، تاریخ دمشق/ ابن عساکر (ترجمة عبدالله بن جابر / محمد القلعی عبدالله بن زید) ص (۱۹)

[4] انساب الاشراف (۴/ ۲۹۷)

[5] انساب الاشراف (۴/ ۲۸۹) المنمق ص (۳۷۷) القيد الشريد / ابن طولون ق (۳)

نیز لوگوں سے کہتے تھے: کیا یزید کے بارے میں میرے اچھے خیالات پر تم لوگ مجھے ملامت کرتے ہو۔[1] یہ یزید کی فیاضی ہی تھی کہ جب عبداللہ بن حنظلہ اپنے بیٹوں کے ساتھ مدینہ سے ان کے پاس آئے تو انھیں کپڑوں اور سواریوں کے علاوہ عبداللہ کو ایک لاکھ اور بقیہ ہر ایک کو دس دس ہزار درہم کا عطیہ دیا۔[2]

نیز ان کی سخاوت کا یہ واقعہ کافی مشہور ہے کہ ایک دن معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما یزید پر غصہ تھے اسی دوران احنف بن قیس آگئے، معاویہ نے احنف سے اپنے لڑکے کے اخلاق و عادات کے بارے میں دریافت کیا، احنف نے ایسی خوش اسلوبی اور عمدگی سے جواب دیا جس کے ضمن میں یہ حکمت پوشیدہ تھی کہ بیٹوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے۔ احنف کی بات سن کر معاویہ کا سینہ خوشیوں سے کشادہ ہوگیا، یزید کو بلا بھیجا، انھیں خوش کیا اور منایا، اور دو لاکھ درہم اور دو سو جوڑے دیے، لیکن یزید نے اپنے والد کے اس عطیہ کو اپنے اور احنف کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیا۔[3]

۲......سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں یزید کے کارنامے

غزوہ قسطنطنیہ:

معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بیٹے یزید میں فصاحت و بلاغت، اور قوت و شجاعت کے جواہر دیکھے، اور ان کی بہترین تعلیم و تربیت کے لیے اپنے زمانے کے ماہرین نسب علماء کا انتخاب کیا، تو ان میں خاندانی شرافت و ذکاوت کے اثرات کا امتحان لینا چاہا جس کے لیے انھیں بعض ذمہ داریاں سونپیں۔ چناں چہ انھیں سب سے پہلے اس بات کے لیے مکلّف کیا کہ مسلمانوں کی زندگی میں سب سے قیمتی اور گراں قیمت جھنڈے کو ہاتھ میں لیں یعنی اللہ کے راستے میں جہاد کا علم اٹھائیں۔ اور عنقریب روم کی طرف متوجہ ہونے والی جہادی قوت کی قیادت کریں، کیوں کہ اس وقت مسلمانوں کے لیے وہی محاذ سر کرنا سب سے اہم تھا، اور اس کے خطرات بالکل واضح تھے۔ حالات کی صحیح عکاسی کے لیے اس پس منظر کا علم ضروری ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے

---

[1] تاریخ ابن کثیر (۸/ ۲۲۳)

[2] تاریخ خلیفة / خلیفہ بن خیاط ص (۲٤۳۷) تاریخ دمشق / ابن عساکر، تراجم حرف عین، عبداللہ بن حنظلہ ص (۲۰۹، ۲۱۰) اس اعتبار سے کہ یہ عطیہ یزید نے اپنے ذاتی مال سے دیا تھا نہ کہ حکومت کی دولت سے، کیوں کہ اس میں ان کا کوئی حق نہیں۔ ابن حزم نے فیاضی کو چار عادات فضائل میں سے ایک رکن شمار کیا ہے۔ الاخلاق والسیر / ابن حزم (٦۰) روضة العقلاء / ابن حبان (۲٤۱-۲٤۲)

[3] العیال/ ابن ابی الدنیا (۱/ ۳۰۸-۳۰۹) الامالی/ ابوعلی بقالی (۲/ ٤۱) تاریخ دمشق/ ابن عساکر (۱۸/ ۱ق ۳۹٤) البدایة والنہایة (۸/ ۲۳۱) الدراری فی ذکر الذراری/ ابن العدیم ص (۳۲)

دورِ حکومت میں یرموک و اجنادین وغیرہ کے معرکوں اور دمشق و بیت المقدس نیز شام کے دیگر بقیہ شہروں کی آزادی کے بعد رومی حکومت اسلامی فتوحات کے سامنے گھٹنے ٹیک چکی تھی، یہ سلسلہ بند نہ ہوا اور مغرب کی سمت میں رومی حکومت کے خلاف فوجی پیش قدمی پیہم جاری رہی، یکے بعد دیگرے مصر، برقہ، اور مغربی طرابلس پر فتح اسلامی کا علم بلند ہوا۔ جبکہ شمالی سمت میں جب رومی فوجیں بلاد شام سے پیچھے ہٹ گئیں تو ارمینیا کا علاقہ اور بشمول ایشیاء کوچک، سوریا کے شمالی خطے سلطنت اسلامیہ کے ملکی سرحد قرار پائے، جہاں رومیوں نے وقتاً فوقتاً حملہ کرنا شروع کردیا، خاص طور سے شام کے ساحلی علاقوں پر اس کی خاص نگاہ ہوتی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رومیوں کا بحری بیڑا کافی ترقی یافتہ تھا، جب کہ مسلمانوں کے پاس ایسا کوئی مضبوط بحری بیڑا نہیں تھا جو دشمن سے ان کی حفاظت کرسکتا۔ ❶ چناں چہ مسلمان اس بات کے لیے فکر مند ہوئے کہ انھیں بھی ایسا جنگی بحری بیڑا تیار کرنا چاہئے جو رومی بیڑے کے برابر یا اس سے بھی بڑا ہو۔ اور غالباً اس مسئلہ کے تئیں مسلمانوں کی خاص فکرمندی کا اصل محرک یہ تھا کہ تقریباً ۲۴ھ میں رومی حکومت اسکندریہ پر قابض ہوچکی تھی۔ ❷ اس کے بعد وہاں کشتیوں کے کارخانے قائم ہو چکے تھے، اور ان کی وسعت شام کے ساحلی علاقوں کو چھونے لگی تھی، بلکہ یوں کہئے کہ جہاز سازی میں اسکندریہ کے بعد صور دوسرا اہم مرکز شمار کیا جانے لگا تھا۔ ❸

بہر حال یہ پیش منظر غمازی کرتا ہے کہ جنگی محاذ سر کرنے کے لیے بحری راستے سے فوج کشی اس دور کا ایک کامیاب ہتھیار ہوا کرتا تھا، یہی وجہ تھی کہ ۲۸ھ میں فتح قبرص کے وقت سب سے پہلے معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری راستے سے جہاد کا قافلہ آگے بڑھایا۔ ❹ اسی طرح کتب تواریخ میں ۳۵ھ میں غزوہ ''ذات الصواری'' کے نام سے شہرت یافتہ معرکہ میں معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کی قیادت میں شام کے بحری بیڑے نے اور سعد بن ابوالسرح کی قیادت میں اسکندریہ کے بحری بیڑے نے مشترکہ جنگی کارروائی کی تھی۔ ❺ اور روم کو شکست دے دیا تھا۔ یورپی کتب مصادر میں یہ غزوہ جنگ ''فونیکہ'' کے نام سے مشہور ہے کیوں کہ اسکندریہ کے مغربی علاقہ فونیکہ کی سرحد سے یہ بالکل متصل واقع ہوا تھا۔ ❻ مختصر یہ کہ سمندری جنگ میں

---

❶ مجله المجمع العراقی، امتداد العرب فی صدر الاسلام/ صالح العلی ج (۳۲/ ۱۰-۱۱)

❷ فتوح مصر/ ابن عبدالحکم، ص (۳۷) فتوح البلدان / البلاذری ص (١٦) حسن المحاضرة/ السيوطی (١/ ١٦٠)

❸ سيوف امية فی الحرب و الادارة/ عمر ابوالنصر ص (١٣٦)

❹ فتوح البلدان/ البلاذری ص (١٨١-١٨٢) فتح الباری (١١/ ٧٣)

❺ مزید تفصیلات کے لیے: مقریزی کی السلوك (١/ ٢٧٣) اور شوقی ابوخلیل کی کتاب ذات الصواری کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

❻ البحرية فی مصر الاسلامية ص (٨٤) اس وقت فونیکہ شہر مرسی مطروح کے قریب میں واقع ہے۔

رومیوں کی پسپائی ضرور ہوئی لیکن وہ اپنے ہدف کو سامنے رکھتے ہوئے شام کے شہروں کو چیلنج کرنے سے باز نہ آئے، بحری راستے سے دھمکائیں یا بری راستہ سے، یا دونوں ہی سے۔ اور پھر ان کی اسی سلسلہ جنبانی نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو انھیں کے تئیں کافی بیدار اور چوکنا کر دیا تھا، لہٰذا اگر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی حق بات کہنی ہے تو ہم برملا طور سے کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے بلاد شام کا اسی طرح دفاع کیا جس طرح اس کا حق تھا۔ اور سرحدی علاقوں پر پیہم ایسی فوجی کارروائی کرتے رہے کہ سلطنت روم مسلمانوں کی جانب سے لرزاں و ترساں رہنے لگی۔ ❶

پھر جب سبائی یہودی حقد وحسد کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان فتنۂ جنگ و جدال نے سرابھارا تو معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفۂ مظلوم عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے بدلہ لینے کے مطالبہ میں مشغول ہوگئے اور رومی محاذ پر جہاد کی پیش قدمی ٹھہر سی گئی۔

سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں: جب عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے اور لوگوں میں اختلاف کی چنگاری پھوٹ گئی تو ان میں کوئی نہ موسم گرما میں جہاد کرنے والا لشکر تھا نہ موسم سرما میں، یہاں تک کہ ۴۰ھ میں پوری امت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر متفق ہوگئی، اور اس سال کا انھوں نے ''عام الجماعۃ'' نام رکھا۔ ❷ یعقوبی کا بیان ہے کہ مسلمانوں کے درمیان سر اٹھانے والے اس فتنہ کے دوران طاغوت روم بلاد شام میں گھس آیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے مصالحت کیا۔ ❸ لیکن جب معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں ملکی قیادت آئی اور آپ کو استحکام ملا تو آپ نے موسم گرما کی فوج کو گرمی میں، اور سرما کی فوج کو سردی میں روم کی سرزمین میں سولہ (۱۶) مرتبہ پابند جہاد کیا، اور آخر میں اس حکومت کی تابوت میں فتح کی کیل ٹھونک دیا۔ ❹ اور آپ رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے ساتھ کوئی مصالحت نہیں کیا۔ یعقوبی کی نقل کردہ موسم گرما کے امراء لشکر کی فہرست ❺ کو بغور پڑھنے والا یہ بات اچھی طرح محسوس کرسکتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس رومی محاذ کی حفاظت کا خاص اہتمام کیا کیوں کہ مسلمانوں کو اسی سمت سے زیادہ خطرہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس محاذ پر بسر بن ارطاۃ ❻ عبدالرحمٰن بن

---

❶ السیر/ ابو اسحاق الفزاری ص (۳۲)
❷ تاریخ ابوزرعۃ (۱/ ۱۸۸)
❸ تاریخ الیعقوبی/ الیعقوبی (۲/ ۲۱۷)
❹ تاریخ ابوزرعۃ (۱/ ۱۸۸)
❺ تاریخ الیعقوبی (۲/ ۲۱۷، ۲۳۹، ۲۴۹)
❻ بسر بن ارطاۃ معاویہ رضی اللہ عنہ کے امیر لشکر ہوا کرتے تھے، ان کی کنیت ابوعبداللہ القرشی الغامدی ہے، صحابی رسول ہیں۔ دمشق میں آکر توطن پذیر ہوگئے تھے، انتہائی بہادر اور کامیاب شہسوار تھے، رومیوں کو زبردست جھٹکا دیا تھا، ۷۰ھ تک باحیات تھے، مختصر تاریخ دمشق، ابن بدران (۳/ ۲۲۳)

خالد، ❶ فضالہ بن عبید ❷ اور سفیان بن عوف جیسے چیدہ و چنندہ اور لائق وفائق قائدین کو مقرر کیا تھا۔ ۴۹ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے روم کی انتہائی مضبوط و محفوظ دار السلطنت قسطنطنیہ پر فوجی دستک دیا، اور اپنے بیٹے یزید کی قیادت میں ایک بھاری بھرکم لشکر قسطنطنیہ کے محاصرہ کے لیے روانہ کیا، اور ان کے ساتھ مشہور قائدین اسلام مثلاً بحری بیڑے کے قائد بسر بن ارطاۃ کو اور خشکی بیڑے کے قائد فضالہ بن عبید انصاری ❸ کو کر دیا۔

ایسا لگتا ہے کہ اس زبردست فوج کی جنگی تیاریوں کی خبریں پھیل چکی تھیں اس کی دلیل یہ ہے کہ بہت سارے اکابرین صحابہ اور سرکردہ مسلم شخصیات اور ان کے بیٹوں نے اس غزوہ میں شرکت کی تھی، اور یہ بالکل ممکن ہے کہ صحابہ کرام اور ان کے بیٹوں میں شرکت کا یہ جذبہ اس مغفرت طلبی کی خاطر رہا ہو جو غزوہ قسطنطنیہ میں شرکت کرنے والوں کے لیے حدیث میں ثابت ہے۔ یہ غزوہ ۴۹ھ ❹ یا ایک قول کے مطابق ۵۰ھ ❺ یا بقول دیگر ۵۲ھ ❻ میں پیش آیا۔ اور اس میں ابوایوب انصاری عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر، حسین بن علی ❼ اور ابوثعلبہ خشنی ❽ جیسی سرکردہ مسلم شخصیات نے شرکت فرمائی۔

غزوہ قسطنطنیہ کا آغاز:

خشکی و بحری دونوں راستوں سے اسلامی لشکر آگے بڑھا، اس وقت بیزنطینی تخت سلطنت پر امپائر قسطنطنین چہارم فرمانروا تھا، اس غزوہ کی تیاری کے شروع ایام ہی سے اسے اس کی اطلاع تھی، اس لیے وہ اس غزوہ کو ناکام بنانے کے لیے ہر ممکن دفاعی وسائل مہیا کرنے میں پوری طاقت صرف کیا تھا۔ ❾

---

❶ آپ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید بن مغیرہ القرشی المخزومی ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ثابت ہے، لیکن آپ سے کوئی روایت اخذ نہیں کیا ہے۔ قریش کے نامور شہسواروں اور بہادروں میں سے تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شرکت فرمائی اور ۵۰ھ سے قبل ہی وفات ہوگئی۔ الاستیعاب/ ابن عبدالبر (۲/ ۸۲۹-۸۳۰)

❷ آپ فضالہ بن عبید بن نافذ بن قیس انصاری اوسی ہیں۔ سب سے پہلے آپ غزوہ احد میں شریک ہوئے۔ پھر دمشق میں توطن پذیر ہوئے اور وہاں کے قاضی مقرر کیے گئے۔ ۵۸ھ میں اور بقول ثانی اس سے قبل ہی آپ کی وفات ہوگئی۔ (التقریب: ٤٤٥)

❸ اتابکی نے لکھا ہے: کہ سفیان بن عوف امیر اور یزید ان کے تابع تھے، لیکن یہ ان کی بھول ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سفیان بن عوف کی قیادت میں خشکی کی فوج اور بسر بن ارطاۃ کی قیادت میں بحری فوج ہونے سے یہ سمجھ لیا کہ یزید بن عوف کے تابع تھے، یا غالباً اتابکی کا خیال غزوہ طوانہ کی طرف چلا گیا جس میں یزید نے رومیوں کے خلاف جنگ میں شرکت کی تھی۔ النجوم الظاهرة/ الاتابکی (١/ ١٣٤-١٣٥)

❹ ابن عساکر (١٨/ ق ٣٩٥)، ابن کثیر (٨/ ٢٣٨) القید الشدید/ ابن طولون ق (٤)

❺ تاریخ خلیفه/ خلیفه بن خیاط ص (٢١١)

❻ المستدرك/ الحاكم (٣/ ٤٥٨) دول الاسلام/ الذهبی ص (٣٦)، فتح الباری (٦/ ١٢٠)

❼ مصنف عبدالرزاق (٥/ ٢٧٨) العلل/ احمد بن حنبل (٦/ ١٣٩) تاریخ بغداد (١/ ١٥٤)

❽ تاریخ داریا/ عبدالجبار خوالانی ص (٥٨)

❾ مواقف حاسمة فی تاریخ الاسلام/ محمد عبدالله عنان ص (٣٧)

اس طرح قسطنطنیہ کے محاصرہ کے آغاز کے ساتھ مسلمانوں نے ایک جانگسل بحری معرکے کا آغاز کردیا تھا، خشکی وبحری ہر دونوں جانب سے فوجوں اور کشتیوں کے انبوہی صفوں کے ذریعہ قسطنطنیہ کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا اور کئی دنوں تک فجر سے لے کر دن غروب ہوجانے تک وہ اپنا پڑاؤ ڈالے رہتے، موقع بہ موقع اس کے مشرقی سمت میں آخری حد تک حملے کرتے لیکن اس کی فصیلوں اور محفوظ ترین برجوں تک پہنچنے میں انھیں کوئی کامیابی نہیں ملتی۔ ❶

اس جنگی کشاکش میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ کی فصیل کے ایک دروازے کو فتح کرنے کی بڑی زبردست کوششیں کیں لیکن دفاعی محاذ پر متعین جانباز سپاہیوں کی بہادری آڑے آئی اور فتح سے محرومی رہی، واضح رہے کہ یہ جنگ صرف فصیل تک رسائی پانے تک محدود نہ تھی، بلکہ سمندر کی لامحدود وسعتوں تک اس کے نشانے دراز ہو چکے تھے، لیکن عبداللہ بن قیس نے رومیوں کے گولہ بار کشتیوں پر کمر توڑ ضرب لگائی اور رومیوں کو قید کر کے یزید کے سامنے پیش کیا۔ ❷

یزید نے شہر کی دفاعی پوزیشن سنبھالنے والوں کی قوت وحوصلہ توڑنے کے لیے رومیوں کی آنکھوں کے سامنے قیدیوں کی گردن زدنی شروع کردیا۔ ❸ بایں ہمہ مسلمان قسطنطنیہ کے محاصرہ میں مزید کوئی اقدام نہ کرسکے۔ جس کا سبب بقول محمد عبداللہ عنان یہ تھا کہ قسطنطنیہ کی طاقت کا اندازہ کرنے میں مسلمانوں سے غلطی ہوگئی تھی، اور یہ اندازہ نہیں کرسکے تھے کہ روم کس قدر دفاعی وسائل واسباب سے مسلح ہے، وہ نہیں جان سکے کہ ہماری طرف سے رومیوں کے سروں پر منڈلانے والے بھیانک خطرے نے ان کے دلوں میں بہادری کی کیسی حرارت پیدا کردی ہے، اور وہ اپنی تہذیب وثقافت، دین ومذہب اور ملک ووطن کی دفاع میں بے لوث جان سوزی کا مظاہرہ کریں گے۔ اب وہ اپنے دشمن کی ہمت وبہادری اور صبر وثبات دیکھ کر سہم سے گئے تھے، اور خاص طور سے ان کی کشتیوں کو خاکستر، صفوں کو منتشر، اور سامان جنگ کو برباد کردینے والی یونانی آتشیں بمنے انھیں بے حد مرعوب کردیا تھا، اور یونانی آتشیں بم کے اس راز سے جلد ہی واقف ہوئے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ ان کے پاس انتہائی کامیاب وسیلہ تھا۔ ❹

سید باز العرینی لکھتے ہیں:

---

❶ مواقف حاسمة فی تاریخ الاسلام/ محمد عبدالله عنان ص (٣٧)

❷ مواقف حاسمة فی تاریخ الاسلام/ محمد عبدالله عنان ص (٣٧)

❸ تاریخ مدینة دمشق/ ابن عساکر، ترجمة عبدالله بن مسعدة...... تراجم حرف عین ص ص (٧)

❹ مواقف حاسمة فی تاریخ الاسلام/ محمد عبدالله عنان ص (٣٧)

''یونانی آتشیں بم جیسے جنگی سامان کے استعمال سے ہی قسطنطنیہ کی حفاظت ہوسکی، اور تبھی وہ دشمن کی زد سے بچ سکا، شہر قسطنطنیہ کا محاصرہ کرنے والے جنگی بیڑے کے خلاف اس اسلحہ کا استعمال ہوا۔ یونانی آتشیں بم دراصل ایک آتشیں مادہ تھا جو کیمیاوی مخلط سے تیار کیا جاتا تھا اور خود کار طریقے سے پھٹ جانے کی اس میں صلاحیت ہوتی تھی۔ مخصوص پائپ کے ذریعہ اسے اصلی ہدف پر پھینکا جاتا تھا اور جب دشمن کی کشتی سے بم کی شکل میں یہ آتشیں مادہ ٹکراتا تھا تو آگ لگ جاتی تھی اور شعلے پھوٹ پڑتے تھے۔ اس آتشیں مادہ کی خصوصیت یہ تھی کہ پانی لگنے سے اس کی شعلہ زنی میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ ایک طویل عرصے تک اس آتشیں بم سازی کا راز پردۂ خفا میں رہا کیوں کہ اس کے بہت سے اچھے جنگی فوائد سامنے آئے تھے اور متعدد بحری جنگوں میں اس نے اپنے فریق کو کامیابیوں سے ہمکنار کیا تھا۔'' [1]

اس غزوہ میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ مرض میں مبتلا ہوئے اور عین لڑائی کے دوران جب یزید بن معاویہ نے آپ کی عیادت کیا تو آپ نے یزید سے خواہش ظاہر کیا کہ اگر میں مرجاتا ہوں تو دشمن کی زمین میں جتنا اندر لے جانا ممکن ہو مجھے لے جانا اور وہاں مجھے دفن کر دینا۔ چناں چہ ان کی وصیت کے مطابق ان کی وفات کے بعد یزید ان کی نعش کو لے کر دشمن کی زمین میں ایک دن کے فاصلہ پر گئے اور وہاں دفن کیا۔ [2]

اس لشکر یزید کے بارے میں ابن کثیر لکھتے ہیں: ''قسطنطنیہ سے غزوہ کرنے والا یہ پہلا اسلامی لشکر تھا اور کافی محنت ومشقت کے بعد ہی انھیں وہاں تک رسائی پانے میں کامیابی ملی۔ [3] اپریل سے لے کر ماہ ستمبر تک مسلمانوں نے شہر قسطنطنیہ کا مسلسل محاصرہ جاری رکھا اور موسم سرما قریب آتے آتے وہ جزیرہ کیوکوس کی طرف

---

[1] الدولة البيرنطية/ السيد باز العرينى (١٥٠-١٥١) سيوف امية، عمر ابونصر ص (١٣٦) کلینکیوس نام کا ایک یونانی سائنس داں تھا جو ہیلو پولس شہر کا باشندہ تھا، اس نے پٹرول، تارکول اور دیا سلائی کے مخلط سے آتشیں بم تیار کیے تھے، ان کی خصوصیت یہ تھی کہ جب وہ پھٹ جاتے تو ان کی آگ بجھانے سے بھی نہیں بجھتی تھی، وہی اس ایجاد کو قسطنطنیہ لے کر آیا تھا۔ خلفاء محمد صلى الله عليه وسلم/ سليمان المسير على ص (٤٤٧)

[2] مصنف عبدالرزاق (٥/ ٢٧٩)، طبقات ابن سعد (٣/ ٤٩)، مسند احمد (٥/ ٤١٩) التاريخ الصغير/ البخارى (١/ ١٢٥)فتوح مصر واخبارها/ ابن عبدالحكم ص (٢٧٠) معجم طبرانى كبير (٤/ ١٧٠) الاستيعاب (٢/ ٤٢٥-٤٢٦) رجال صحيح البخارى/ كلاباذى (١/ ٢٢٢) رجال صحيح مسلم/ احمد بن منجوية (١/ ١٨١) الجمع بين رجال الصحيحين ابن القيسرانى (١/ ١٢١) الوفيات/ ابن القنفذ ص (٦)، الاصابة (٢/ ٣٥) الرباض المستطابة/ يحيىٰ بن ابوبكر العامرى ص (٦١) ڈاکٹر صلاح الدين المنجد کی كتاب المنتقى من دراسات المستشرقين ص (١٣٥) کے ضمن میں فونس ماریا شنیدر کی کتاب قبور الصحابة فى القسطنطنية۔

[3] البداية والنهاية (٩/ ٣٤)

واپس لوٹ گئے، جو کہ قسطنطنیہ سے اسّی میل کے فاصلے پر واقع ہے وہاں انھوں نے اپنے وقتی مراکز قائم کیے اور ٹھنڈی کا موسم پورا کیا، پھر آنے والے سال میں موسم گرما سے محاصرہ کیا اور ٹھنڈی میں کیوکوس واپس لوٹ آئے، اس طرح پیہم چھ یا سات سالوں تک وہ موسم گرما میں محاصرہ کرنے اور موسم سرما میں واپس لوٹ آتے اور کبھی اس بات کو تصور میں بھی نہیں لائے کہ انھیں اتنے بڑے اور عظیم الشان منصوبے کو مکمل کیے بغیر واپس جانا ہے۔ ❶

یہ صورت حال اس لشکر کی تھی جس کی قیادت یزید کر رہے تھے۔ اور جہاں تک خود یزید کی بات ہے تو ایسا لگتا ہے کہ پہلے محاصرہ کے بعد وہ واپس لوٹ آئے تھے کیوں کہ انھوں نے اسی سال میں حج بھی کیا جس میں قسطنطنیہ میں غزوہ ہو رہا تھا۔ ❷

اس غزوہ کی عظمت و اہمیت کا راز یہ ہے کہ حدیث نبوی ﷺ میں اس کا ذکر ہوا اور اس کی فضیلت نیز اس کے مجاہدین شرکاء کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ چناں چہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ام حرام کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے (یہ انس کی خالہ تھیں) ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے تو انھوں نے آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا اور آپ کے سر سے جوئیں نکالنے لگیں، اس عرصے میں آپ ﷺ سو گئے، جب بیدار ہوئے تو آپ مسکرا رہے تھے، ام حرام نے پوچھا: یا رسول اللہ! کس بات پر آپ ہنس رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((ناس من أمتی عرضوا علی غزاة فی سبیل الله یرکبون ثبج هذا البحر ملوکا علی الاسرة او مثل الملوك علی الأسرة .))

''میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے اس طرح پیش کیے گئے کہ وہ اللہ کے راستہ میں غزوہ کرنے کے لیے دریا کے بیچ میں سوار اس طرح جا رہے ہیں جس طرح بادشاہ تخت پر ہوتے ہیں یا جیسے بادشاہ تخت رواں پر سوار ہوتے ہیں۔''

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ دعا فرمایئے کہ اللہ مجھے بھی ان میں سے کر دے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی، پھر آپ اپنا سر رکھ کر سو گئے۔ اس مرتبہ بھی آپ جب بیدار ہوئے تو مسکرا رہے تھے، میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کس بات پر آپ ہنس رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((ناس من أمتی عرضوا علي غزاة فی سبیل الله ......الخ .))

---

❶ مواقف حاسمة فی تاریخ الاسلام/ محمد عبدالله عنان ص (٣٧)

❷ ابن کثیر (٩/ ٣٩) ، القید الشدید/ ابن طولون ورقة (٤)

''میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے اس طرح پیش کیے گئے کہ وہ اللہ کی راہ میں غزوہ کے لیے دریا کے بیچ میں سوار اس طرح جا رہے ہیں جس طرح بادشاہ تخت پر ہوتے ہیں۔''

تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ سے میرے لیے دعا کیجیے کہ مجھے بھی انھیں میں سے کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((انت من الاولین .))

تو سب سے پہلے فوج میں شامل ہونے والوں میں سے ہوگی۔ چناں چہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ام حرام نے بحری سفر کیا، پھر جب سمندر سے باہر آئیں تو ان کی سواری نے انھیں نیچے گرا دیا اور اسی حادثہ میں ان کی وفات ہوگئی۔ [1]

اور صحیح بخاری ہی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لھم .)) [2]

''میری امت کا پہلا لشکر جو ملکِ قیصر (روم) سے غزوہ کرے گا وہ بخش دیا جائے گا۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''یہ بشارت ۲۷ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پوری ہوئی، انھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے غزوہ قبرص کی اجازت مانگی اور آپ نے ان کو اجازت دے دیا۔ چناں چہ جب آپ وہاں داخل ہوئے تو مسلمان مجاہدین سواری پر سوار ہوئے اور اسے بزور قوت فتح کیا۔ ام حرام رضی اللہ عنہا نے اسی بحری میں غزوہ میں وفات پائی، اس غزوہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی بیوی فاختہ بنت قرظہ بھی تھیں۔ جب کہ قیصر روم کے خلاف دوسری جنگی مہم ۵۲ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شروع ہوئی، جس میں آپ نے اپنے بیٹے یزید کے ساتھ مسلم فوج کو قسطنطنیہ روانہ کیا، اس لشکر میں یزید کے ساتھ ابوایوب انصاری اور خالد بن زید جیسے سادات صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے، اس جنگی مہم میں ابوایوب انصاری نے یزید بن معاویہ کو وصیت کی تھی کہ انھیں دشمن کی سرزمین میں جس قدر ممکن ہو سکے گا اندر لے جا کر گھوڑے کے کھر کے نیچے دفن کر دینا چناں چہ یزید نے ان کے ساتھ ایسا ہی کیا۔'' [3]

---

[1] صحیح البخاری مع الفتح (٦/ ١٢٠) (٢٧٨٩) البداية والنهاية (١/ ٦)

[2] البداية والنهاية/ ابن كثير (١/ ٦)، صحيح البخاري (٢٩٢٤)

[3] البداية والنهاية / ابن كثير (١/ ٦)

بدرالرمانی مصابیح الجامع میں حدیث نبوی "اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم" کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ "مہلب نے کہا کہ اس حدیث سے یزید کی خلافت ثابت ہوتی ہے۔" ❶

نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنتیوں میں سے ہیں، معاً اس حدیث سے معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت بھی ثابت ہوتی ہے کیوں کہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے بحری جنگ کی اور اس سے ان کے بیٹے یزید کی فضیلت ومنقبت ثابت ہوتی ہے جنھوں نے قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر پہلے چڑھائی کی۔ ❷

حقیقت یہ ہے کہ یزید کی اس فضل ومنقبت نے ان کی تئیں سخت موقف کے حامل یعنی ذہبی جیسے فاضل دوراں کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا:

"ان کا ایک نیک کارنامہ ہے یعنی غزوہ قسطنطنیہ جس کے وہ امیر تھے اوراس میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔"

اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کیا ہی عمدہ بات کہی ہے، فرماتے ہیں:

"معلوم ہونا چاہئے کہ ایک آدمی کی نیکیاں ہوتی ہیں اور برائیاں بھی، پس وہ قابل مدح ہوتا ہے اور قابل ذم بھی، مستحق ثواب ہوتا ہے اور مستحق سزا بھی، ایک اعتبار سے محبوب ہوتا ہے اور دوسرے اعتبار سے ناپسندیدہ، خوارج معتزلہ اوران کے ہم عقیدہ لوگوں کے برخلاف اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے۔" ❸

ایسا لگتا ہے کہ یزید نے قسطنطنیہ کے خلاف چندفوجی حملے کیے تھے جس کے نتیجے میں وہ خلیج قسطنطنیہ تک پہنچ گئے تھے اوران کے ساتھ ان کی بیوی ام کلثوم بھی تھیں۔ ❹

یزید کی رومیوں کے ساتھ جنگی داؤ پیچ کی معرفت اوران کے خطرناک منصوبوں سے واقفیت نیز یزید کے

---

❶ القید الشرید/ ابن طولون: ق (١٩، ٢٠)

❷ القید الشرید/ ابن طولون: ق (١٩، ٢٠)، فتح الباری / ابن حجر (٦/ ١٢٠) واضح رہے کہ ابن المنیر اور ابن التین نے مہلب کے قول پر نوٹ لگاتے ہوئے لکھا ہے: کہ حدیث کی دلالت یہ ہے کہ بخشش سے وہ نوازا جائے گا جس میں بخشش کی شرائط پائی جائے گی۔ فتح الباری (٦/ ١٢٠)

ابن التین اور ابن المنیر کا یہ نوٹ صحیح نہیں ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے "وما ینطق عن الھوی إن ھو إلا وحی یوحیٰ" (النجم) اللہ کو خوب معلوم تھا کہ ان کے اندر مغفرت کی شرائط پائے جائیں گے اسی لیے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عام بات کہلوائی جس کا واضح مطلب ہے کہ اس لشکر میں شریک تمام افراد مغفرت کی شرائط کے حامل ہوں گے۔ (ش)

❸ منهاج السنة (٤/ ٥٤٤)

❹ انساب الاشراف (٤/ ٢٨٩) ابن عساکر (١٨/ ق ٣٩٦) الحدائق/ ابوالحسن معافری (٨٥)

جذبہ اطاعت شعاری کو دیکھتے ہوئے ان کے والد معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں یہ آخری وصیت کی تھی: ''کہ رومیوں کے گلے گھونٹ دو۔'' ❶

چناں چہ منصب خلافت سنبھالنے کے بعد یزید رومیوں سے جہاد کے اپنے پرانے موقف و منصوبے پر قائم رہے اور ابن زبیر، و شیعان عراق کا فتنہ اس راستے میں حائل نہیں ہوا۔ ❷ یہی وجہ تھی کہ جب یزید کی وفات ہوگئی تو رومیوں نے اطمینان کی سانس لی، صرف یوں نہیں کہ مسلمانوں کی طرف سے ان پر ہونے والے حملے بند ہوگئے بلکہ شرارت آمیز جرأت عود کر آئی، اور سلطنت اسلامیہ کے سرحدی علاقوں اور شام کے شہروں پر کثرت سے چھاپے مارنے لگے۔ ❸ اور جب غزوہ قسطنطنیہ سے یزید واپس لوٹے تو اسی سال ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں لوگوں کو لے کر حج پر گئے۔ ❹ ابوبکر بن عیاش کے بقول انھوں نے ۵۱ھ، ۵۲ھ اور ۵۳ھ میں لوگوں کو لے کر حج پر گئے۔ ❺

بہر حال تاریخی کتب مصادر میں اپنے والد کے دور میں یزید کے ہمیں یہی کارنامے معلوم ہو سکے ہیں جو اس دور کے اعتبار سے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں، چناں چہ یزید کا اپنے دور کے سب سے بڑے اسلامی لشکر کی قیادت کرنا اور اس میں اکابرین صحابہ سرکردہ شخصیات نیز ان کے بیٹوں کی شرکت اور پھر یزید کی قیادت میں اس لشکر کا سلطنت اسلامیہ کے سب سے اہم محاذ کی طرف رخ کرنا، یہ ساری چیزیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ یزید جو اس لشکر کی قیادت کے وقت اکیس سے تیئیس سال کے تھے روحانی قیادت اور معتبر جنگی صلاحیت کے اہل تھے۔

اسی طرح معاویہ رضی اللہ عنہ کا اکابرین صحابہ، سرکردہ مسلم شخصیات اور فقہاء اسلام پر مشتمل اسلامی لشکر کی قیادت یزید کو سونپنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے بیٹے یزید میں نجابت و شرافت کے تابندہ نقوش اور اقتدار و اختیار کی ایسی مکمل اہلیت پاتے تھے جو یزید کو اس لشکر کی قیادت کرنے کے قابل بناتی تھی۔ ورنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا

---

❶ البداية والنهاية (٨/ ١٣٦)

❷ خطط الشام/ محمد كرد علی (١/ ١١٢)

❸ فتوح البلدان / البلاذری (٢٢٤)

❹ طبقات ابن سعد (١/ ١٦٣) تاريخ خليفة بن خياط (٢١١) تاريخ ابن عساكر (١٨/ ٣٩٦) ابن كثير (٨/ ٢٣٢) القيد الشديد/ ابن طولون ق (٤)

❺ القيد الشريد/ ابن طولون ق (٤)، اس قول کے ناقل تنہا ابن عیاش ہیں ان کا کوئی متابع نہیں ہے۔ ان کے علاوہ مورخین کا خیال ہے کہ یزید نے ایک ہی مرتبہ حج کیا ہے۔ دیکھئے: الذهب المسبوك / المقريزی ص (٢٤) التنبيه على اوهام ابی علی القالی فی الامالی / ابوعبيد البكری ص (٢١٧)

یہ عمل رعایا وفوج کے ساتھ ایک دھوکا اور ظلم تھا جو معاذ اللہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی شرف صحابیت کے یکسر خلاف ہے۔
نیز معلوم ہونا چاہیے کہ اگر یزید میں وہ خبیث اور گندے اوصاف و عادات ہوتے جن سے انھیں متہم کیا جاتا ہے تو ان کے والد معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات ہرگز نہ آتی کہ انھیں ایسی مسلم فوج کی قیادت سونپ دیں جس میں جلیل القدر فقہاء صحابہ اور ان کے صاحبزدگان کی شرکت ہو رہی ہو کیوں کہ ایسی صورت میں یزید پر جو تہمتیں عائد کی گئیں وہ عادات و اطوار کھل کر صحابہ کے سامنے آجانے کا خطرہ تھا، بلکہ بعد کے ایام میں جب وہ امیر الحج بنائے گئے تب بھی لیکن ایسی کوئی بات سامنے نہیں آئی اور کسی صحابی نے یزید سے متعلق ایسی کوئی بات نہیں بیان کی اگر ایسی کوئی بات یزید کے اندر ہوتی تو کھل کر سامنے آجاتی۔

یزید بن معاویہ کی ولی عہدی

اصل مسئلہ پر گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان مصادر کا ایک سرسری جائزہ لے لیا جائے جن میں یزید بن معاویہ کی بیعت پر بحث کی گئی ہے۔ چناں چہ ابن ابی الدنیا المتوفی (۲۸۱ھ) وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یزید بن معاویہ کی ولی عہدی کا مشورہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ اس سلسلے میں اپنی کتاب "الإشراف فی منازل الأشراف"[1] میں انھوں نے دو روایتیں نقل کی ہیں۔
اسی طرح اس سلسلہ میں طبری نے بھی بسند علی بن مجاہد الکلبی [2] متوفی ۱۸۲ھ ایک روایت نقل کی ہے۔ واضح رہے کہ علی بن مجاہد الکلبی نے مغازی پر ایک کتاب تصنیف کی ہے۔[3] مجموعی طور پر طبری نے ان سے جو روایتیں اخذ کی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اموی تاریخ کا بھی انھوں نے اہتمام کیا ہے۔[4] جب کہ مدائنی ایسی روایات نقل کرنے کی ہیں جس میں وہ منفرد ہیں جو یزید کی بیعت ولی عہدی پر گفتگو کرتی ہیں۔ چناں چہ آپ نے ایسی ہی ایک روایت یوں نقل کی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی ولی عہدی کے لیے اپنے دور کے زعماء اور سرکردہ شخصیات مثلاً احنف بن قیس، زیاد بن ابوسفیان اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا تھا۔ مدائنی کی یہ روایت ہم تک بسند طبری[5] اور ابن عبد ربہ [6] پہنچی ہے۔ نیز مدائنی ہی تنہا ایسے مورخ ہیں جنھوں

---

[1] الإشراف فی منازل الأشراف ص (۱۲۲-۱۲۱)
[2] تاریخ بغداد (۱۲/ ۱۰۶، ۱۰۷) تهذیب التهذیب (۷/ ۳۷۷، ۳۷۸)
[3] تاریخ بغداد (۱۲/ ۱۰۷)
[4] فهارس تاریخ الطبری (۱۰/ ۳۴۳)
[5] تاریخ الامم و الملوك (۵/ ۳۰۲، ۳۰۳)
[6] العقد الفرید (٤/ ۲٦۸، ۲٦۹)

نے مفصل انداز میں وفود سے بیعت لینے کی کیفیت بھی لکھی ہے۔ اور پھر مدائنی کے حوالے سے صرف ابن عبد ربہ اس کیفیت کو نقل کی ہے۔ ❶ مدائنی کی علمی شخصیت محتاج تعارف نہیں، وہ بہت ساری تصنیفات کے مالک ہیں۔ واضح رہے کہ یزید بن معاویہ کی بیعت کے تعلق سے جن لوگوں نے مدائنی پر اعتبار کیا ہے غالبًا ان کے سامنے مدائنی کی کتاب "اخبار الخلفاء الکبیر" رہی ہے۔ جس کا آغاز خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اور اختتام ''معتصم'' کے دور خلافت پر ہوتا ہے۔ ❷

رہیں کتب حدیث، تو ان میں اس موضوع کے تعلق سے دو روایتیں وارد ہیں۔ پہلی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل مدینہ کی جانب سے عمرو بن حزم کی قیادت میں ایک وفد گیا اور وہ یزید کی بیعت ولی عہدی کے خلاف رہا۔ اس روایت کے ناقل تنہا ابویعلی ہیں۔ ❸ جب کہ دوسری روایت کا ماحصل یہ ہے کہ مروان بن حکم نے اہل مدینہ سے یزید کے لیے بیعت لینے کی پوری کوشش کیا۔ اس روایت کے ناقل امام بخاری ❹، ابن ابی شیبہ ❺، نسائی ❻، بزار ❼، اور حاکم ❽ ہیں۔ البتہ امام بخاری اپنی کتاب ''التاریخ الصغیر'' میں اس اہم روایت کو ظاہر کرنے میں دوسروں کے شریک ہیں جس میں بیعت کے وقت مدینہ سے بعض ابنائے صحابہ کے نکل جانے اور مکہ کی طرف چلے جانے کی کوشش کا ذکر ہے۔ تاکہ یزید کی بیعت نہ کرنی پڑے اور معاً معاویہ بن ابوسفیان سے روبرو بھی نہ ہونا پڑے۔ ❾

اس طرح ابن سعد نے بھی اس تعلق سے بعض ایسی روایتیں نقل کی ہیں کہ جب آپ یزید کے لیے اہل حجاز سے بیعت لے کر فارغ ہو گئے تو آپ نے مدینہ کا سفر کیا۔ ❿ بہرحال ان تمام تفصیلات کے باوجود میری نگاہ میں خلیفہ بن خیاط تنہا ایسے مورخ ہیں جنھوں نے انتہائی واضح اور اطمینان بخش تفصیلات اس سلسلے میں پیش کی ہیں کہ معاویہ بن ابوسفیان نے ابن عمر، ابن ابوبکر صدیق اور ابن زبیر جیسے جلیل القدر ابنائے صحابہ سے یزید کی بیعت کے سلسلہ میں گفتگو و مشورہ کیا تھا۔ ⓫

---

❶ العقد الفرید (٤/ ٣٦٩)
❷ معجم الادباء / یاقوت الحموی (١٤/ ١٣٣)
❸ المسند (٦/ ٢٥٣-٢٥٤)
❹ صحیح البخاری مع الفتح (٨/ ٤٣٩)
❺ المصنف (١١/ ٩٧)
❻ السنن الکبری (٦/ ٤٦٨، ٤٥٩)
❼ المسند (٢/ ٢٤٧)
❽ المستدرك (٤/ ٧٨١)
❾ التاریخ الصغیر (١/ ١٠٣)
❿ الطبقات الکبری (٤/ ١٨٣)
⓫ التاریخ (٢١٣-٢١٥)

۱...... یزید کی ولی عہدی کا خیال اور لائحۂ عمل کی تیاری

۱......معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کی ولی عہدی کا خیال

بہت سارے مقالہ نگاران و محققین مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ [1] کو یزید بن معاویہ کی بیعت کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ کیوں کہ وہ ایک منجھے ہوئے اور ماہر سیاست داں تھے، اور انھوں نے ہی معاویہ رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے یہ رائے دی تھی کہ اپنے بعد یزید کو خلافت کی باگ ڈور سونپ دیں، انھوں نے ہی لوگوں کو یزید پر بیعت لینے کے لیے رغبت دلانے کی ذمہ داری سنبھالی تھی اور کہا تھا کہ یزید کی بیعت ولی عہدی کے لیے وہ اہل کوفہ کو تیار کریں گے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کے تئیں مذکورہ نوعیت کی جو بھی تہمتیں لگائی جاتی ہیں ان کا دار و مدار بعض قدیم مصادر میں وارد ایک انتہائی ضعیف روایت پر ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کوفہ کی گورنری سے استعفیٰ کی پیش کش کیا، معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کا استعفیٰ قبول کرلیا، اور ان کی جگہ پر سعد بن العاص رضی اللہ عنہ کو گورنر بنانا چاہا، لیکن دریں اثناء مغیرہ کے چند بہی خواہوں کو جب ان کے استعفیٰ کی خبر ملی تو انھوں نے مغیرہ کو اس سے روکا، جس سے آپ رضی اللہ عنہ کسی حد تک متاثر ہوئے، اور دوبارہ گورنری کا منصب پانے کے خواہاں ہوئے، جس کے لیے بطور تدبیر یزید کو اختیار کیا، ان کے پاس گئے اور انھیں بیعت ولی عہدی کی پیش کش کیا، یزید نے اس واقعہ کی اطلاع اپنے باپ معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیا، تب معاویہ رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ کو بلایا اور انھیں دوبارہ کوفہ کا گورنر اس شرط پر بنایا کہ یزید کی بیعت کے لیے وہاں کا ماحول سازگار کریں گے۔ [2]

مذکورہ روایت کو آپ سامنے رکھیں اور مغیرہ بن شعبہ کی زندگی پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں۔ مغیرہ بن شعبہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ ان جلیل القدر صحابہ کرام میں سے ایک ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی اور آپ نے انھیں بعض سرایا کا امیر بنایا۔ عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ چند اہم اور بڑے امراء و قائدین اسلام میں سے رہے۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک عرصے تک منصب ولایت

---

[1] آپ مغیرہ بن شعبہ بن مسعود بن معتب الثقفی ہیں، مشہور صحابی رسول ہیں، صلح حدیبیہ سے قبل اسلام لائے اولاً بصرہ پھر کوفہ کے گورنر رہے، راجح قول کے مطابق ۵۰ھ میں وفات ہوئی۔ الاستیعاب/ ابن عبدالبر (۱/ ۱٤٤٥)، التقریب/ ابن حجر (٥٤٣)

[2] الإشراف فی منازل الأشراف/ ابن ابی الدنیا ص (۱۲۱) بسند ضعیف۔ تاریخ الامم والملوك (٥/ ۳۰۱، ۳۰۲) انتہائی ضعیف سند سے، اسی سے قریب ترین روایت ابوالحسن بصری کی ہے جو تاریخ الاسلام، حوادث ٦١-٨٠ میں ص ۲۲ انتہائی ضعیف سند سے منقول ہے۔

پر فائز رہے، اس کے بعد مسلمانوں کی نہروان اور صفین جیسی جو باہمی جنگیں ہوئیں ان سے دور رہے۔ بعدازاں ۴۱ھ میں جب عالم اسلام کے حالات پرسکون ہوگئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت پر سب کا اتفاق ہوگیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے کوفہ کی گورنری سنبھالنے کا مطالبہ کیا، آپ نے مکمل اوراحسن طریقے پر یہ ذمہ داری نبھائی۔ آپ ایسے شریف الطبع انسان تھے کہ اپنے ساتھ دوسروں کے لیے بھی عافیت پسندی کو ترجیح دیتے تھے۔ کوفہ کی گورنری کے دوران شیعان علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کا برتاؤ کافی حکیمانہ اور انتہائی عقل مندی و دوراندیشی پر مبنی ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کوفہ کی طویل مدت گورنری کے دوران کسی بھی طرح کی رکاوٹ اور فتنے و مشاکل نے سرنہیں اٹھائے۔ یہ ہے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی صاف ستھری زندگی کا ایک مختصر خاکہ جس سے مغیرہ رضی اللہ عنہ کی سیاسی زندگی کا رخ و رجحان کسی تک حد نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ چناں چہ مذکورہ روایت کے حوالے سے جو بات قابل ذکر ہے وہ یہ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ کو معزول کرکے سعید بن العاص کو نہیں بلکہ زیاد بن ابوسفیان کو گورنر بنایا تھا۔ اس کا ثبوت بسند صحیح عمیر بن سعید النخعی الاصبہانی کی روایت سے یوں ملتا ہے کہ جب انھوں نے مُطرِّف سے کہا:

''کیا میں تمھیں ان تمام امراء (گورنران) کا نام نہ بتادوں جو معاویہ کی موت تک آتے رہے، پہلے سعد آئے، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول کردیا...... پھر معاویہ نے ہم پر مغیرہ بن شعبہ کو امیر مقرر کیا، پھر مغیرہ معزول کردیئے گئے اور زیاد بن ابوسفیان ہم پر گورنر بنائے گئے۔'' [1]

طبری نے دوسری سند سے ایک اور روایت نقل کی ہے جس سے عمیر بن سعید النخعی کی روایت کی تائید و تاکید ہوتی ہے، چناں چہ اس روایت میں ہے کہ مغیرہ نے معاویہ کو اپنا استعفیٰ نامہ اس طرح لکھا: ''اما بعد! اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں، میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں، اور قریش کی نگاہوں میں مبغوض ہو گیا ہوں، اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے میرے منصب سے معزول کردیں۔'' معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں تحریر کیا: ''مجھے تمھارا نامہ موصول ہوا، اس میں تم نے اپنی پیرسالی کا ذکر کیا ہے، تو یقین جانو تمھارے علاوہ کسی دوسرے نے تمھاری عمر نہیں کھائی ہے، اور تم نے لکھا کہ ''قریش کی نگاہوں میں مبغوض ہوگیا ہوں'' تو یقین کرو کہ تمھیں خیر وبھلائی انھیں سے ملی ہے، نیز تم نے منصب سے معزولیت کا مطالبہ کیا ہے، تو ٹھیک ہے، میں اسے منظور کرتا ہوں۔ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو میں بھی تمھارے ساتھ ہوں، اور اگر حقیقت مجھ سے چھپا رہے ہو تو میں بھی تم سے حقیقت چھپاؤں گا۔ [2] اس روایت سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کوفہ

---

[1] العلل و معرفة الرجال، احمد (۲/ ۲۵) بسند صحیح۔

[2] تاریخ الامم والملوك (۵/ ۳۳۱)، جعفر بن برقان تک تمام رجال سند ثقہ ہیں۔

کی گورنری سے حقیقتاً معزول کیے گئے اور پھر کبھی دوبارہ منصب ولایت پر فائز نہ ہوئے، یہاں تک کہ ۵۰ھ میں آپ کی وفات ہوگئی۔ ❶

پھر اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ یہ واقعہ ۴۵ھ یا ۴۶ھ کے اردگرد کا ہے تو ایسی صورت میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت یزید کی عمر اٹھارہ (۱۸) سالوں سے متجاوز نہیں تھی، لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ معاویہ اس عمر میں اپنے لڑکے کی بیعت کے لیے طالع آزمائی کرتے جب کہ اس وقت تک یزید نے کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہیں دیا تھا، یعنی لشکر قسطنطنیہ کی قیادت سے تقریباً چار سال پہلے کی یہ بات ہے۔

مزید برآں معاویہ رضی اللہ عنہ بنوامیہ کے تئیں اہل کوفہ کے رجحانات اور نظریات سے بخوبی واقف تھے، پس ایک ایسی جگہ جو کہ علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹوں کے حامیوں کا مرکز تھا، یہ یعنی سرزمین کوفہ کے باشندوں کے تعلق سے مغیرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کیسے ممکن ہے کہ انھوں نے یزید بن معاویہ کی جانب وہاں کے لوگوں کی ذہن سازی کی ہوگی اور ان سے توقعات وامیدیں وابستہ کی ہوں گی۔

چناں چہ اس روایت کے تضاد وتناقض کو دیکھتے ہوئے ہمیں مجبوراً اس کے تئیں شک وانکار کا موقف اختیار کرنا پڑتا ہے، خاص طور سے سند کے اعتبار سے کسی بھی صورت میں اس کی قبولیت یا اس سے استئناس کا جواز نہیں ثابت ہوتا، لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ یہ روایت صریح جھوٹ پر مبنی ہونے کے باوجود قدیم کتب مصادر ❷ اور جدید معاصر کتب مراجع ❸ میں ایسے مسلمہ حقیقت کی طرح مذکور ہے جس میں نقاش وجدال کو قطعاً گنجائش نہیں رکھی گئی ہے۔ جس کے نتیجہ میں یزید کی بیعت کے تعلق سے ایک غلط تصور ابھر کر سامنے آتا ہے، اور مغیرہ بن شعبہ کے بارے میں یہ غلط رائے قائم ہوتی ہے کہ ان کی تمام تر جدوجہد کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہ تھا کہ کسی طرح دوبارہ منصب امارت سے نواز دیئے جائیں خواہ اس راستہ میں امت محمدیہ کے ساتھ خیانت

---

❶ تاریخ خلیفہ (۲۱۰)، التعازی والمراثی/ ابوالعباس محمد بن المبرد ص (۲۱۶) تاریخ الامم والملوك (۵/ ۲۳۳) العقد الفرید (۱/ ۳۰۸٤)

❷ الإشراف فی منازل الأشراف ص (۱۲۲) الامم و المسلوك (۵/ ۳۰۱، ۳۰۲) الامامة والسیاسة/ ابن قتیبة (۱/ ۱٦۵) معجم الشعراء/ مرزبانی ص (۳٦۸) تاریخ دمشق (۱۸/ ق ۳۹۸) المنتظم/ ابن الجوزی (۵/ ۲۸۵) الكامل فی التاریخ (۳/ ۵۰۳) البدایة والنهایة (۹/ ۸۲) سیر اعلام النبلاء (٤/ ۳۹) تاریخ الخلفاء / السیوطی ص (۲۰۵، ۲۰٦) سمط النجوم العوالی/ العصامی (۳/ ٤۱، ٤۲)

❸ تاریخ الاسلام/ حسن ابراهیم حسن (۱/ ۲۸۱) التاریخ الاسلامی/ احمد شلبی (۲/ ٤۱، ٤۲) محاضرات فی تاریخ الامم الاسلامیة الدولة الامویة ص ۱۱٦، مختصر تاریخ العرب/ سید امیر علی (۸۷) علی و بنوه/ طه حسین ص (۹۹۳) تاریخ الدولة العربیة ص (۲۸۳) شخصیات اسلامیة/ العقاد (۳/ ۵٦۸) تاریخ بنوامیة/ محمد اسعد طلس ص (۲۳) دولة الامویین علی حبیبة ص (۵٦)

ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللّٰہ)

نیز اس تصور کے بالمقابل ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے مغیرہ رضی اللہ عنہ کی تائید کرنے میں جلدی کیا، جیسے ان کا صرف ایک ہی نشانہ تھا کہ کسی طرح یزید کو ولی عہد مقرر کردیں، نہ کہ ان کی نظر میں امت کی مصلحت کا کوئی مقام تھا۔

بہرحال اس تفصیل کے بعد اب یہ معلوم ہونا چاہئے کہ درحقیقت اس وقت کچھ ایسے اسباب وظروف تھے جن کے پیش نظر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ہی خود یزید کی بیعت کے سلسلہ میں سوچا تھا، اور اسے کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے لائحہ عمل تیار کیا تھا جیسا کہ اس کی وضاحت آئندہ صفحات میں ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

ب...... معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یزید کی ولی عہدی کے لیے لائحہ عمل

ا۔ مشورے:

تمام تر تاریخی مصادر میں اس مدت کی زمنی تحدید کا کوئی سراغ نہیں ملتا جس میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کے بارے میں اہتمام واہمیت کی نگاہوں سے غور وفکر کیا تھا، لیکن اتنی بات تو یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ ۵۰ھ کے بعد ہی آپ نے اس جانب خاص توجہ کی ہوگی، کیوں کہ اس میقات کے بعد ہی جنت کے بشارت یافتہ جلیل القدر بزرگ صحابہ کرام مثلاً سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زید بن عمرو جیسی شخصیات سے معاشرہ محروم ہوا تھا اور میدان سیاست ایسی نابغۂ روز ہستیوں سے خالی ہو چکا تھا، حسن بن علی جیسے مسلمانوں کے پیشوا جن کے ہاتھوں اللہ نے ہزاروں مسلمانوں کے خون کی حفاظت کی تھی، وہ وفات پا چکے تھے، اور قسطنطنیہ کا محاصرہ کرنے والے اسلامی لشکر کی قیادت کرکے یزید ایک شاندار ومحترم کارنامہ دکھا چکے تھے، ان حالات کو دیکھتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ کے دماغ میں یزید کی اہلیت کی بابت یہ خیال پیدا ہونے لگا تھا کہ آیا انھیں مسلمانوں کے لیے خلیفہ نامزد کرنا مناسب ہوگا یا نہیں، اسی لیے اولین مرحلے میں آپ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن ابوسفیان [1] جیسی چند اہم وقائدانہ کردار کی حامل بعض اہم شخصیات سے مشورہ لے کر ان کا ردعمل جاننا چاہا چناں چہ زیاد نے مشورہ دیتے ہوئے لکھا کہ آپ اس سلسلے میں جلد بازی سے کام نہ لیں، بلکہ انتظار کریں اور وقت دیں، جب کہ یزید کو نصیحت کیا کہ وہ مسلمانوں کے لیے نمونہ عمل بنیں اور شکار وغیرہ کا اہتمام

[1] زیاد بن ابوسفیان کو زیاد بن ابیہ بھی کہا جاتا ہے، آپ کا شمار معاملہ فہم اور فاتح قائدین وامراء اسلام میں ہوتا ہے، آپ کا تعلق طائف سے ہے آپ کے والد کے نام کے بارے میں اختلاف ہے، کسی نے عبید ثقفی اور کسی نے ابوسفیان بتایا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا لیکن آپ کا دیدار نہیں کیا، معاویہ نے ۴۴ھ سے انھیں اپنے نسب سے جوڑا، معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہترین معاون اور مضبوط بازو تھے، بصرہ اور کوفہ کے گورنر رہے، ۵۳ھ میں وفات ہوئی، سیر اعلام النبلاء (۳/ ۳۹٤) الاعلام ۳/ ۸۹-۹۰)

کم کریں۔ ❶

پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا، انھوں نے اس خیال پر نظر ثانی کرنے کا مشورہ دیا، اور ایسا غیر واضح جواب دیا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ تائید کے حق میں نہیں ہیں۔ ❷

پھر آپ نے احنف بن قیس رضی اللہ عنہ ❸ سے مشورہ لیا، لیکن انھوں نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔ ❹

بہرحال اگر مذکورہ روایت کی صحت تسلیم کرلی جائے تو معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مشورہ کے لیے ان تینوں شخصیات کا انتخاب دراصل آپ کی اعلیٰ دانش مندی اور بے مثال سیاسی مہارت کی دلیل ہے۔ چناں چہ آپ ملاحظہ کریں کہ انھوں نے اپنے بھائی زیاد بن ابوسفیان سے مشورہ لیا، کیوں کہ وہ آپ کے سب سے قریبی شخص تھے، اور اسی بنا پر ہمیں یقین ہے کہ وہ آپ کے سب سے بڑے خیر خواہ بھی رہے ہوں گے، ان کا شمار انتہائی معاملہ فہم اور بابصیرت لوگوں میں ہوتا تھا، انھیں طویل سیاسی تجربہ حاصل تھا۔

پھر آپ نے قبیلۂ تمیم کے سردار احنف بن قیس رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا، کیوں کہ وہ مسلمانوں کی سرکردہ شخصیات میں شمار ہوتے تھے، کافی بردبار اور زیرک انسان تھے، عراق میں آپ کی حیثیت ایک متفق علیہ قائد کی سی تھی، جنگ صفین میں آپ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے قائدین میں سے تھے۔ ❺

پھر آپ نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا جو کہ صحابہ کرام کی اولاد میں سادات میں شمار ہوتے تھے، ان کے والد زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جنت کے دس بشارت یافتہ لوگوں میں سے ایک تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ان کی شخصیت اس اعتبار سے انتہائی موثر تھی کہ وہ اہل مدینہ وحجاز کی زبان سمجھے جاتے تھے، ان کی بلند خیالی معاویہ کی نظروں سے پوشیدہ نہ تھی۔ پس امر واقعہ یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ان مشوروں کے ذریعہ یزید کے تئیں لوگوں کا نظریہ جاننا چاہتے تھے، اور اس نتیجہ پر پہنچنا چاہتے تھے کہ دیکھیں قوم کی بڑی بزرگ شخصیتیں اس ولی عہدی کے بارے میں کیا موقف رکھتی ہیں۔

---

❶ تاریخ طبری (٥/ ٣٠٢، ٣٠٣) بسند مدائنی عن مسلم بن محارب الزیادی، لطف التدبیر/ الاالکافی

❷ العقد الفرید/ ابن عبد ربه (٤/ ٢٦٨، ٢٦٩) بسند مدائنی فقط ص (٣)

❸ آپ ابوبحر احنف بن قیس بن معاویہ بن حصین التمیمی الصعدی ہیں آپ کا نام ضحاک ہے، اور کہا گیا ہے کہ صخر ہے، آپ مخضرم صحابی ہیں ثقہ ہیں، بردباری میں شہرت یافتہ ہیں ٦٧ھ یا دوسری روایت کے حوالے سے ٧٢ھ میں آپ کی وفات ہوئی، دیکھئے: التقریب ص (٩٦)

❹ العقد الفرید / ابن عبد ربه (٤/ ٢٦٨، ٢٦٩) بسند مدائنی فقط

❺ سیر اعلام النبلاء (٤/ ٨٧)

۲۔اہل شام کی بیعت:

اس سلسلہ کو دراز کرتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل شام کے رجحانات کو ٹٹولا، اور یزید کی بیعت ولی عہدی کے سلسلے میں ان کی رائے جاننا چاہی، چناں چہ جب یزید غزوہ قسطنطنیہ سے واپس لوٹے تو معاویہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، اور مجمع عام میں اعلان کیا کہ میں نے اپنے بعد یزید بن معاویہ کو اپنا ولی عہد منتخب کیا ہے آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ سارے لوگوں نے متفقہ طور پر آپ رضی اللہ عنہ کے موقف کی تائید کیا، اور اس سلسلے میں کوئی مخالفت سامنے نہیں آئی۔ ❶

۳۔ وفود کی بیعت:

جب مملکت اسلامیہ کی مختلف ریاستوں سے وفود کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے دمشق میں ایک اجتماع عام منعقد کیا، چناں چہ بسند مدائنی ابن عبدربہ ❷ نے وہ روایت نقل کی ہے جس میں یہ بات مذکور ہے کہ ہر وفد کے نمائندے نے یزید بن معاویہ کی ولی عہدی کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کیا تھا۔ واضح رہے کہ مدائنی کی اس روایت کی کوئی متصل سند مذکورہ نہیں ہے تاہم صرف یہی ایک ایسی روایت ہے جس میں ریاستوں کے وفود کی جانب سے یزید کی بیعت کی کیفیت وارد ہے۔ ان وفود میں عربی قبائل کی چیدہ چیدہ شخصیتیں شریک تھیں۔ مثلاً شام سے ضحاک بن قیس الفہری، ثور بن معن السلمی، ❸ عبداللہ بن عضاۃ الاشعری، عبداللہ بن مسعدہ الفزاری، عبدالرحمٰن بن عثمان الثقفی اورحسان بن مالک بن بحدل الکلبی وغیرہ کا وفد تھا۔ ❹

اسی طرح اہل مدینہ کی طرف سے سب سے آخر میں عمرو بن حزم انصاری نے شرکت کیا، نیز اہل بصرہ

---

❶ التاریخ، خلیفه بن خیاط (٢١١) تاریخ الاسلام/ ذهبی، حوادث (٤١-٦٠) ص (٢٢)

❷ العقد الفرید (٤ظ٣٦٩) عقیلی نے انساب الاشراف (٤/ ١/ ٣٣) کی طرف نسبت کرتے ہوئے لکھا: کہ جون بن قتادہ عبشمی اور حاریہ بن قدامہ السعدی بھی احنف بن قیس کے ساتھ تھے،لیکن حقیقت میں اس واقعہ میں کوئی ایسی بات نہیں ملتی جس سے پتہ چلے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی اس ملاقات کا بیعت یزید سے کوئی تعلق تھا (یزید بن معاویہ ص۲۲)

❸ ثور بن معن بن یزید بن اخنس السلمی ضحاك بن قیس کے ساتھیوں میں سے تھے،اورابن زبیر کی بیعت کے اہم موید تھے،مرج راہط میں۶۴ھ میں ضحاک کے ساتھ قتل کیے گئے،مختصر تاریخ دمشق/ ابن بدران (٣/ ٣٨٦)

❹ حسان بن مالك بن بحدل ابوسلیمان الکلبی بنوکلب کے سردار اوران کے پیشوا تھا،معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شریک ہے،بنوامیہ کی نگاہوں میں کافی محترم تھے،مروان بن حکم کی بیعت کا حکم انھوں نے ہی دیا تھا، مختصر تاریخ دمشق/ بدران (١٤٨/٤)

❺ العقد الفرید (٤/ ٣٦٩) الامالی/ ابوعلی القالی (١/ ٢٠١٦١/ ٧١) الممتع فی صناعة الشعر/ عبدالکریم النهشلی القیروانی ص (١٩١)

کی طرف سے احنف بن قیس التمیمی آئے، پھر ان تمام قائدین نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے خیال کو سراہتے ہوئے ان کے فکر کی تائید کیا۔ سب نے پرزور انداز میں یہ بات کہی کہ امت مسلمہ کی باہمی محبت واتحاد کی بقا، اور اسے آپسی خونریزی سے بچانے کا اس سے بہتر اور مناسب کوئی حل نہیں ہے۔

چناں چہ احنف بن قیس نے اپنی عادت کے مطابق بے نظیر بلیغانہ گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: اے امیر المومنین! آپ یزید کے شب و روز، ظاہر و باطن اور ان کی آمد و رفت کے بارے میں زیادہ جانتے ہیں، لہٰذا اگر آپ انھیں اللہ اور امت مسلمہ کے لیے مفید و بہتر سمجھتے ہیں تو اس سلسلے میں مزید کسی مشورہ کی ضرورت نہیں، اور اگر ان کے بارے میں اس کے علاوہ اور جانتے ہیں تو آپ آخرت کی طرف رخت سفر باندھتے ہوئے انھیں دنیا سونپ کر مت جائیے۔ [1] پھر یزید کے لیے ولی عہدی کی بیعت مکمل ہوگئی، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اس اجتماع میں عمرو بن حزم انصاری [2] حاضر نہ ہوئے، جس کی دو وجہیں تھیں:

۱۔ اہل مدینہ حقیقت میں اس بیعت کے موافق نہیں تھے، اور انھوں نے بڑی شدت سے اس کی مخالفت کی تھی، اور اسی وجہ سے اپنوں میں سے کسی کو اس کے لیے نہیں بھیجا۔

۲۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن حزم کی ملاقات سے انکار کر دیا تھا۔ کیوں کہ آپ کو اہل مدینہ کی مخالفت کا علم پہلے ہو چکا تھا، اور جانتے تھے کہ عمرو بن حزم انھیں مخالفین کے نمائندہ ہیں۔ لہٰذا یہ خدشہ ہے کہ اگر وہ اس اجتماع میں حاضر ہوئے تو اپنی مخالفت کے ذریعہ اختلاف کو ہوا دے سکتے ہیں اور ایک متحد وسازگار ماحول میں ہنگامہ بپا ہوسکتا ہے، اسی لیے آپ نے ان سے سب سے آخر میں اور انفرادی ملاقات کو ترجیح دیا، لیکن ہوا وہی جس کا اندیشہ معاویہ رضی اللہ عنہ کر رہے تھے، تاہم معاویہ رضی اللہ عنہ نے خاموشی سے ان کی

---

[1] العقد الفرید (٤/ ٣٧٠) احنف کے بارے میں بہت سارے لوگوں نے اور بطور مثال البرہان والعرجان ص (٢٠٦) میں جاحظ نے، اور یزید بن معاویہ ص (٢٢) پر عقیلی نے یہ لکھا ہے اور ان کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ یزید بن معاویہ کی بیعت کے وقت جب معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے کہا کہ اے ابو بحر! خاموش کیوں ہیں؟ بولتے کیوں نہیں؟ تو انھوں نے کہا: اگر ہم آپ کو جھٹلا دیں تو اللہ کا خوف ہے، اور اگر آپ کی تصدیق کر دیں تو یہ صرف آپ کا ڈر ہے۔'' لیکن صحیح بات یہ ہے کہ احنف کا یہ مقولہ جسے قول زریں کا درجہ مل گیا ہے بیعت یزید سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، اور صحیح سندوں کے ساتھ اس مقولے کا دوسرا سبب کتب تواریخ میں ملتا ہے جو بیعت کے علاوہ ہے، مذکورہ تفصیل کے لیے دیکھئے: الزھد/ احمد (٢٨٨) الطبقات / ابن سعد (٧/ ٩٥) الزھد/ ابن مبارك ص (٤٧٦-٤٧٧ ، اثر نمبر ١٣٥٣) عيون الاخبار/ ابن قتيبه (٢/ ١٩٥) ادب الصمت ابن ابى الدنيا ص (٢٦٦) احياء العلوم/ الغزالى (٣/ ١٥٧) الاتحاف/ الزبيدى (٧/ ٤٥٧) بغية الطلب/ ابن العديم (٣/ ١٣٠٩-١٣١٠)

[2] آپ عمرو بن حزم بن زید بن لوذان الضاری ہیں، مشہور صحابی رسول ہیں، خندق اور اس کے بعد کی غزوات میں شریک رہے۔ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے نجران کے گورنر تھے۔ ٥٠ھ کے بعد آپ کی وفات ہوئی۔ التقریب (۴۲۰)

تمام تر تنقیدوں کو سن لیا اور انھیں عطیات سے نوازا۔ ❶

۴۔عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کی وفات:

بعض مورخین نے عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کی وفات کو یزید بن معاویہ کی بیعت سے جوڑنے کی کوشش کی ہے، اور لکھا ہے کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ عبدالرحمٰن بن خالد اپنے عمدہ کارناموں، اور روم کی سرزمین میں اپنی طاقت کا لوہا منوانے نیز عام مسلمانوں سے شان بے نیازی کے سبب اہل شام میں اپنا ایک خاص مقام بنا چکے ہیں تو یزید کے تعلق سے آپ کو خطرہ لاحق ہوا، جس سے چھٹکارا پانے کے لیے آپ نے ابن اثال نامی ایک نصرانی طبیب کو زہر کا انجکشن لگانے کا حکم دے دیا۔ ❷ جب کہ ابن الکلبی نے عبدالرحمٰن بن خالد کے قتل کی ایک دوسری وجہ قرار دی ہے، وہ یہ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یزید کے لیے بیعت لینے کا ارادہ کیا تو شام والوں سے کہا: اب امیر المومنین بوڑھے ہو چکے ہیں، موت کا وقت قریب آ رہا ہے، ان کی خواہش ہے کہ اپنے بعد کسی کو امور مملکت کی ذمہ داریاں سونپ دیں، پس آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟ لوگوں نے کہا: اس کے لیے آپ عبدالرحمٰن بن خالد کو منتخب کر لیں، وہ ایک فاضل آدمی ہیں، لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ نے خاموشی اختیار کیا اور اپنے ارادے کو دل میں چھپا رکھا، پھر جب عبدالرحمٰن بیمار ہوئے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے طبیب ابن اثال کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ عبدالرحمٰن کو زہر کا انجکشن لگا دے۔ ❸

یہ دونوں روایتیں ضعفِ سند کے علاوہ متن کے اعتبار سے باہم اختلاف واضطراب کی حامل ہیں، مزید برآں یہ واقعہ اس وقت کے ماحول و معاشرے کے لیے یوں راس نہیں آتا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلیفۃ المسلمین ہونا معروف اور مسلّم ہے، اور اس سے بھی انکار کی گنجائش نہیں کہ آپ فضلاء صحابہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

❶ مسند ابویعلی (٦/ ٢٥٣، ٢٥٤) مجمع الزوائد/ البیهقی (٧/ ٢٤٨، ٢٤٩) المطالب العالیه/ ابن حجر (٤/ ٣٢٧) اثر نمبر (٤٥٢٠) ہیثمی نے مجمع الزاوائد میں کہا کہ اسے ابویعلی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ جب کہ حافظ بن حجر الاصابۃ (۶۲۱۴) میں فرماتے ہیں: رجالہ ثقات، اسی طرح ابن حجر الہیثمی نے تطہیر الجنان ص (٨٠) میں اس کی سند کو صحیح ٹھہرایا ہے۔

❷ الطبری (٥/ ٢٢٧) بسند مدائنی عن مسلم بن محارب الزیادی، لیکن تحقیقی پیمانے پر مسلم اور اس واقعہ کے درمیان واضح انقطاع پایا جاتا ہے، بفرض صحت یہ معاملہ شخصی طور پر خلیفۃ المسلمین کے سر جاتا ہے، جس کے ثبوت کے لیے شرعی نقطۂ نظر سے بینہ یا دو گواہوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ ورنہ ایک تہمت طرازی ہے اور کچھ نہیں۔

❸ کتاب الامثال/ قاسم بن سلام ص (١٩٢) بسند کلبی، المنمق/ ابن حبیب (٣٦٠) ایضاً بسند کلبی، انساب الاشراف، البلاذری (٤/ ١/ ١٠٩) بسند واقدی، بقیہ سند کا کوئی ذکر نہیں۔ الاغانی/ ابوالفرج (١٦/ ١٩٧، ١٩٨) بسند مدائنی، اس کی پوری سند مجہول راویوں سے بھرپور ہے۔ الاستیعاب/ ابن عبدالبر القسم الثانی (٨٣٠) فرماتے ہیں: ابن شبہ نے اخبار المدینہ میں اسے ذکر کیا ہے، طبقات الاطباء ص (١٧٢) ابن ابی اصیبعۃ، بسند ابوالفرج۔

کاتبین وحی میں سے رہے ہیں۔ آپ کی سیرت گواہ ہے کہ آپ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے تئیں کافی حریص تھے۔ آپ کے دور میں اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا، عدل وانصاف صبر و بردباری، علم وفضل، امانت و دیانت اور سیاست و قیادت کے اعتبار سے مسلمانوں کے عظیم خلفاء میں آپ کا شمار ہوا، بنابریں آپ کے بارے میں یہ بات کیوں کر معقول ہوسکتی ہے کہ وہ کسی عام مسلم فرد کو صرف اس خوف سے قتل کریں گے کہ کہیں اہل شام ان پر بیعت نہ کرلیں۔

یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ بحیثیت خلیفۃ المسلمین معاویہ رضی اللہ عنہ اس بات کے مختار و مجاز تھے کہ کسی امیر کو اس کے منصب سے معزول کردیں یا اس پر باقی رکھیں، بنابریں آپ کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہ تھی کہ عبدالرحمٰن بن خالد کو رومی سرحد پر موسم گرما کی فوج کی قیادت سے ہٹا کر انھیں بے وزن کردیتے، اوران کی ایسی حیثیت ہی باقی نہ رہتی کہ جس سے مستقبل میں اموی قیادت کو خطرہ لاحق ہوتا۔ واضح رہے کہ بعض روایتوں کے حوالے سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن خالد کو معزول کرکے ان کی جگہ سفیان بن عوف الغامدی [1] کو موسم گرما کی ایک فوج کا سپہ سالار بنا دیا تھا۔ [2] اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہ تھی، بلکہ آپ نے تو عبدالرحمٰن بن خالد سے زیادہ طاقتور اور بڑے گورنران تک کو ان کے منصب سے معزول کردیا تھا۔

علاوہ ازیں یہ پہلو بھی توجہ طلب ہے کہ بحوالہ طبری ۴۸ھ میں جب غزوہ بحر پیش ہوا تو اس وقت باشندگان مصر کی قیادت عقبہ بن عامر جہنی اور اہل مدینہ کی قیادت منذر بن زبیر کررہے تھے، اوران سب کے امیر خالد بن عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید [3] تھے، پھر بھلا معاویہ عبدالرحمٰن بن خالد کو کیسے قتل کرسکتے تھے؟ اور آپ کیوں کر یہ بات پسند کرتے کہ ان کے لڑکے خالد اپنے باپ عبدالرحمٰن کے بعد اتنے بڑے قائد بنیں؟

معاً ایک دوسرا پہلو یہ ابھرتا ہے کہ اگر معاویہ رضی اللہ عنہ خالد کے باپ عبدالرحمٰن کے قاتل ہوتے تو ان کے لڑکے معاویہ کی فوج کی قیادت کرنے پر کیوں کر راضی ہوتے؟ کیا یہ بات تصور میں آتی ہے کہ بیٹے کی نگاہ

---

[1] آپ سفیان بن عوف الغامدی ہیں، معاویہ رضی اللہ عنہ نے صدقہ کا وصولی کا آپ کو عامل بنایا تھا، جب شام فتح ہوا اس وقت آپ ابوعبیدہ بن جراح کے ساتھ تھے، آپ نے انھیں حمص سے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تھا، معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں گرمی و سردی دونوں مواسم کی فوجی مہمات کے آپ سپہ سالار تھے، آپ رحمہ اللہ بہادر مجاہد اور مشہور قائد تھے، آپ کی وفات پر پوری مسلم برادری رو پڑی، جیسے آپ ان کے لیے باپ کے مانند تھے۔ ۵۲ھ یا ۵۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ تهذيب تاريخ دمشق/ ابن بدران (٦/ ١٨٥)

[2] البيان و التبيين/ جاحظ (٢/ ٢٦٤) بسند مدائني، عيون الاخبار/ ابن قتيبه (١/ ٣٢٢) بسند مدائني، الموفقيات/ زبير بن بكار ص (١١٣) بسند عوانه انساب الاشراف/ البلاذري (٤/ ١/ ١٠٤)

[3] الطبري (٥/ ٢٣١)

سے باپ کے ساتھ کیا جانے والا ایسا گھناؤنا سلوک مخفی رہا ہوگا، بالخصوص جب کہ وہ اپنے باپ کے نزدیک بے حد عزیز تھے؟

معلوم یہ ہوا کہ اس واقعہ کی حقیقت ایک پروپیگنڈے سے زیادہ کچھ نہیں ہے، جس میں یہ پیغام دینے کی ناروا کوشش کی گئی ہے کہ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کی موت کا بیعت یزید سے یک گونہ ربط تھا، جیسے کہ یہ شوشہ چھوڑا گیا ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی موت اور بیعت یزید بن معاویہ کا ایک دوسرے سے تعلق تھا۔ پس واقعہ کا صحیح رخ ابن عساکر کے حوالے سے یہی متعین ہوتا ہے کہ ابن اثال نے عبدالرحمٰن بن خالد کے ایک خادم کے ذریعہ ان کو زہر دیا تھا جو ان کی موت کا سبب بنا، خالد بن عبدالرحمٰن اس کی اس حرکت کو برداشت نہ کر سکے اور اٹھے پھر اسے قتل کر دیا، جب معاملہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پہنچا تو آپ نے خالد کو چند دنوں کے لیے قید کر دیا، اور دیت کی ادائیگی کا جرمانہ عائد کیا، پھر انھیں قید سے آزاد کر دیا۔ [1] چناں چہ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی بلکہ معاویہ کی طرف سے ایک طبعی کارروائی تھی جس کا نفاذ عدالتی اعتبار سے ناگزیر تھا۔

اس واقعہ کے جھوٹ ہونے کا ایک پہلو ۴۶ھ میں یا ''کتاب الصوائف'' میں واقدی کے بقول ۴۷ھ میں ابن اثال کی موت سے بھی متعین ہوتا ہے۔ [2] یعنی ابن اثال کی تاریخ وفات اس بات کی دلیل ہے کہ راجح قول کے مطابق عبدالرحمٰن بن خالد کی موت اس سے پیشتر ہی ہو چکی تھی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بعد یزید کی بیعت کے بارے میں کچھ سوچتے۔

بہر حال عبدالرحمٰن بن خالد کی موت اپنے دامن میں مذکورہ متنوع احتمالات و قیاس آرائیوں کے علاوہ اور بھی ممکنات کو سمیٹے ہوئے ہے۔ مثلاً یہ کہ بلاد روم میں عبدالرحمٰن کے اثر و نفوذ، اور ان کی زبردست مجاہدانہ کارروائی سے ابن اثال دل ہی دل میں غیض و غضب سے تلملا رہا تھا، کیوں کہ بلاد روم سے اس کا آبائی تعلق تھا، اور وہ سب اسی کی قوم و مذہب کے لوگ تھے، اس لیے اس نے اپنے غصہ کی آگ بجھانے اور رومیوں کو

---

[1] تاریخ دمشق/ ابن عساکر (۹/ ق ۹۲۸) الاصابۃ (۵/ ۳۵) ابن حجر نے لکھا ہے: کہ ابن اثال کو عبدالرحمٰن بن خالد کے بھائی نے قتل کیا تھا، جن کا نام مہاجر بن خالد تھا۔ ابن عساکر (۹/ق ۹۲۸) ابن الکلبی نے لکھا ہے: کہ ابن اثال کے قاتل خالد بن مہاجر تھے۔ (نسب العرب ۱/ ۲۹۳)

[2] ابن عساکر (۹/ ق ۹۳۱) ملحوظ رہے کہ عبدالرحمٰن بن خالد کے قتل کے بارے میں معاویہ کی شرکت و سازش کے تعلق سے ابن عساکر نے کچھ بھی ذکر نہیں کیا ہے، اور نہ ہی الاصابۃ (۵/۳۳-۳۵) میں ابن حجر نے اور نہ ہی نسب قریش ص (۳۶۴) پر مصعب زبیری نے کچھ بھی لکھا ہے۔ اسی طرح خلیفہ بن خیاط بھی اپنی تاریخ میں اس موضوع پر کچھ نہیں لکھتے۔ جب کہ ابن کثیر نے عبدالرحمٰن بن خالد کے قتل میں معاویہ کو متہم کرنے والی روایت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ قطعاً صحیح نہیں ہے۔ ابن کثیر (۸/۳۲) ذہبی نے بھی تاریخ الاسلام میں اس بات کی طرف کوئی ہلکا سا بھی اشارہ نہیں کیا ہے۔ دیکھئے: تاریخ الاسلام ص ۱۷۶-۷۷) حوادث ۴۱-۶۱ھ

بہترین بدلہ دینے کے لیے عبدالرحمٰن بن خالد کو زہر دے دیا۔ پھر یہ بات بالکل بعید از قیاس نہیں ہے کہ شہنشاہ روم نے اپنی ذلت سے چھٹکارا پانے کے لیے ابن اثال کے پیچھے اپنا جاسوس لگا دیا ہو جس نے اسے عبدالرحمٰن کے قتل پر خوب خوب ابھارا ہو اور رغبت دلائی ہو۔

انتہائی افسوسناک بات ہے کہ یہ واقعہ بعض متقدمین اور بعض متاخرین سوانح نگاروں اور مورخین کے یہاں حد درجہ مشق ستم بنایا گیا، اور اس کے بے جا استعمال میں کوئی کسر نہیں رکھی گئی۔

چناں چہ ابن اصیبعۃ ابن اثال کی سوانح میں لکھتے ہیں: ابن اثال دمشق کے ممتاز و قدیم ترین اطباء میں سے تھا، وہ نصرانی مذہب کا حامل تھا، جب معاویہ بن ابوسفیان دمشق پر قابض ہوئے تو انھوں نے ابن اثال کو اپنا طبیب خاص بنا لیا، اس کے ساتھ انتہائی حسن سلوک کرتے، اس کی بار بار خبر گیری کرتے اور اس پر مکمل اعتماد کرتے، صبح و شام اپنی گفتگو و مجالس میں اسے شریک رکھتے۔ ابن اثال مفردات و مرکبات دواؤں اور ان کے تاثیرات کے بارے میں کافی مہارت رکھتا تھا، اور خوب جانتا تھا کہ کن کن داؤوں میں زہر، یا زہریلے اثرات پائے جاتے ہیں، اسی طبی مہارت کی وجہ سے کہ وہ معاویہ کا کافی قریبی اور معتمد شخص تھا۔ صد افسوس کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلم اکابرین وامراء کی ایک بڑی جماعت کی اسی کی زہرخورانی سے موت ہوئی۔ [1] لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''مسلم اکابرین وامراء کی اس بڑی جماعت میں کون سے لوگ ہیں جو اس سازش کا شکار ہوئے؟'' معتبر تواریخ کے صفحات اس سلسلے میں خاموش ہیں۔

آیئے اسی سلسلہ کا ایک تبصرہ جرجی زیدان کے حوالے سے پڑھتے چلیں، وہ لکھتا ہے: معاویہ جب کسی دشمن سے خائف ہوتے اور مال و منصب کے حوالے اس کے لیے کارآمد نہ ثابت ہوتے اور نہ ہی تلوار سے اس کا صفایا ممکن ہوتا تو اسے زہرخورانی کے ذریعہ قتل کرنے کی تدبیر نکال لیتے، جیسا کہ انھوں نے عبدالرحمٰن بن خالد کے ساتھ کیا۔ [2]

جب کہ مستشرق فلہاوزون نے اس معاملہ کا سر رشتہ جاہلیت سے جوڑنے کی کوشش کی ہے اور کہا ہے کہ یہ واقعہ بنومخزوم اور بنوامیہ کے درمیان چلی آ رہی قدیم چپقلش کا نتیجہ ہے، یعنی جب امویوں کو یہ طاقت حاصل ہوگئی کہ قریش کی قیادت و سیادت سے بنومخزوم کو دور کر سکیں تو وہ لوگ ایسا کر گزرے۔ آگے لکھتا ہے: اور جہاں تک مسلم شرفاء، خانوادۂ رسول، اولین صحابہ اوران کی آل و اولاد نیز انصار سے معاویہ کے تعلق کی بات ہے تو

---

[1] طبقات الاطباء/ ابن ابی اصیبعة ص (۱۷۱) اس کتاب کی تفصیلات اور طباعتوں کے بارے میں مجلہ معهد الدراسات الاسلامیه جو مدریدسے شائع ہوتا ہے اس کے ۱۹۵۹ء کے ساتویں اور آٹھویں نمبر میں ص ۳۹۶ پر دیکھیں۔

[2] تاریخ التمدن الاسلامی / جرجی زیدان (۲/ ۳۵۱)

حالات کے طبعی تقاضے کے مطابق یہ تعلق شک وعداوت پر مبنی تھا۔ [1]

۵۔ اہل مدینہ سے بیعت طلبی:

مدینہ رسول اکرم ﷺ کا دار الخلافہ اور انصار ومہاجرین کا مولد ومسکن رہا، یہیں سے اسلامی ریاست کی تشکیل ہوئی اور مشرق ومغرب میں اسلام پھیلا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی بھر، اور آپ کے بعد بالترتیب تین خلفاء راشدین کے دور خلافت تک مدینہ کی اپنی منفرد اہمیت وشناخت باقی رہی، لیکن جب بلوائیوں اور انقلابیوں کے ہاتھوں عثمان رضی اللہ عنہ قتل کردیئے گئے اور علی رضی اللہ عنہ پر خلافت کی بیعت لے لی گئی تو آپ مدینہ سے نکل کر کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے [2]، کیونکہ بروقت سیاسی اتھل پتھل اور نامساعد حالات اسی بات کے متقاضی تھے، یہیں سے کوفہ تقریباً پانچ سالوں کے لیے علی رضی اللہ عنہ کا دار الخلافہ قرار پایا، یہاں تک کہ آپ عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی کے ہاتھوں قتل کردیئے گئے، پھر آپ کے بعد آپ کے بیٹے حسن نے تقریباً نصف سال تک خلافت سنبھالی یہاں تک کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت وخلافت پر امت کا اتفاق ہوگیا، اور حسن رضی اللہ عنہ مسئلہ خلافت میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست بردار ہوگئے، پھر فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق آپ سید المسلمین ہوگئے۔ یہاں سے خلافت کی اعلیٰ قیادت بلاد شام میں منتقل ہوگئی اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے دمشق کو اسلام کا دار الخلافہ بنایا، تاہم خلافت کی یہ انتقال مکانی مدینہ پر اثر انداز نہ ہوسکی بلکہ اس کی اہمیت وعظمت اپنی جگہ باقی رہی، اور وہ شہر مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بنا رہا، اور ایسا ہونا ایک فطری بات تھی کیوں کہ یہی سرزمین آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دار الہجرۃ تھی، اور یہیں اس مسجد کا وقوع تھا جہاں کے لیے بہ نیت عبادت سفر کرنا جائز ہے۔

مزید برآں اس کی اہمیت کا ایک راز یہ بھی تھا کہ اس وقت وہاں بہت سارے صحابہ کرام اقامت کرتے تھے اور انصار ومہاجرین صحابہ کی کافی اولادیں یہاں اپنا مسکن بنائے ہوئے تھیں، پس مسلمانوں کے دلوں میں ایسی محترم وباوقار شخصیتوں کے وجود نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں مدینہ کو ایک غیر معمولی مقام دیا اور کافی اہم ومؤثر سیاست کا حامل بنا دیا تھا۔ [3] چناں چہ جو شخص معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کا منصفانہ مطالعہ کرے گا وہ محسوس

[1] تاریخ الدولة العربية/ فلهاوزن ص (۱۳۰) اس طرح غلط بیانی کے ذریعہ دشمنان اسلام نے مسلمانوں کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنے کی ناروا سازش کی ہے۔ (ش)

[2] اس سے مدینہ کی مرکزیت ختم ہوگئی اور پھر مدینہ کبھی مرکز خلافت نہ بن سکا، سبائیوں کی سازش کامیاب ہوئی۔ کاش ایسا نہ ہوتا لیکن قدر الله ما شاء فعل۔ (ش)

[3] امام مالک رحمہ اللہ اہل مدینہ کے عمل کو حجت مانتے تھے دیکھئے: رسالة مالك بنام ليث بن سعد، تاريخ يحيیٰ بن معين (٤/ ٥٠٠) ترتيب المدارك القاضی عياض (١/ ٤٤-٥٠) عارضة الاحوذی/ ابن العربی (٦/ ٦) فتح الباری (٤/ ١٠٥) الصوارم الاسنة فی الذب عن السنة/ محمد بن ابومدين الشنقيطی ص (١٢٩-١٤٥) اختلاف العلماء/ محمد بن نصر المروزی ص (٢٣) اعلام الساجد/ الزركشی ص (٢٦٦) اصول مذهب الامام احمد/ التركی ص (٣٩٥-٤٠٠)

کرے گا کہ آپ نے بھی اپنی نگاہ میں اہل مدینہ کی عظمت و توقیر میں کمی نہیں آنے دیا، بلکہ کثرت سے اور مسلسل ان سے رابطہ بنائے رکھا، وہاں کے لوگوں میں بے حساب مال تقسیم کرتے، اگر مدینہ کا کوئی فرد زیارت کرنے کے لیے شام پہنچ جاتا تو اسے اجلال و اکرام سے نوازتے، بڑے کا احترام اور چھوٹے پر شفقت کا مظاہرہ کرتے۔ یہ ان عظیم المرتبت شخصیتوں کی عظمت کی پاسداری اور توقیر و احترام ہی تھا کہ جب تک سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما جیسے مہاجرین کے سرخیل اور جنت کے بشارت یافتہ کبار صحابہ، نیز سید المسلمین حسن بن علی رضی اللہ عنہ باحیات رہے آپ رضی اللہ عنہ یزید کی بیعت کے تعلق سے کوئی بات وہم و گمان میں بھی نہیں لائے تھے۔ جب یہ تینوں عظیم المرتبت صحابہ اس جہاں سے رخصت ہو گئے تب آپ نے اس سلسلے میں سوچنا شروع کیا۔

سعید بن زید اور سعد بن ابی وقاص کی وفات پر ایک تحقیقی بحث

سعید بن زید اور سعد بن ابی وقاص کی وفات کے بارے میں جس قدر باہم متضاد روایتیں ہیں وہ ایک خالی ذہن قاری کو حیرت و اضطراب کی گردش میں ڈالنے کے لیے کافی ہیں، چناں چہ ایک روایت میں وارد ہے کہ مروان بن حکم نے بیعت کی کارروائی کو درمیان ہی میں روک دیا، اور جب ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو کہا کہ جب تک سعید بن زید نہ آ جائیں بیعت نہیں ہوگی۔ [1] جب کہ دوسری روایتیں اس طرح وارد ہیں: کہ سعد بن ابی وقاص کی وفات ۵۵ھ میں ہوئی۔ [2] اور بعض کے حوالے سے ۵۸ھ میں ہوئی۔ [3] بہر آئینہ اگر بیعت یزید کے وقت ان دونوں صحابیوں کو باحیات مان لیا جائے تو یہ بات عقل و فہم سے بالاتر ہے کہ ان دونوں جنت کے بشارت یافتہ صحابہ کے ہوتے ہوئے بیعت یزید کا اعلان کیا گیا ہو؟ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اعلان کر دیا گیا تھا تو کیا اہل مدینہ کے مخالفین بیعت جنت کے دو بشارت یافتہ صحابہ کی موجودگی میں بیعت یزید کی عدم معقولیت پر استدلال نہیں کر سکتے تھے؟ ایسے نازک موڑ پر یہ مخالفین بحیثیت امیدوارِ بیعت سعید بن زید یا سعد بن ابی وقاص میں سے کسی ایک کا نام پیش کرنے سے کیوں کر غافل رہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے [4] "باب غسل المیت و وضوء ہ بالماء والسدر" کے تحت تعلیقا لکھا ہے کہ "سعد بن ابی وقاص نے سعید بن زید کو غسل دلایا، پھر حافظ بن حجر رحمہ اللہ نے اس اثر کو اپنی سند [5] سے موصولاً ذکر کیا ہے،

---

[1] التاریخ الصغیر/ البخاری (۱/ ۱۱۲)، المعجم الکبری الطبرانی (۱/ ۱۵۰) معرفة الصحابة/ ابونعیم (۲/ ۱۰) المستدرك الحاكم (۳/ ٤۳۹)

[2] سیر اعلام النبلاء (۱/ ۱۳۲) یہ قول مدائنی اور ابوعبیدہ کا ہے۔

[3] سیر اعلام النبلاء (۱/ ۱۲٤) یہ قول ابونعیم الملائی کا ہے۔

[4] صحیح البخاری مع الفتح (۳/ ۱۵۰)

[5] تغلیق التعلیق / ابن حجر (۲/ ٤٦۱-٤٦۲)

نیز ابن ابی شیبۃ [1] نے بھی یہ اثر نقل کیا ہے۔ اور دونوں کے یہاں یہ روایت جعد [2] بن عبدالرحمٰن بن اوس الکندی کی سند سے مروی ہے جو کہ ثقہ راوی ہیں۔ اس طرح اس اثر نے سعید بن زید کی وفات کے تعلق سے ہمارے پہلے اشکال کو حل کر دیا، یعنی سعید بن زید کی وفات سعد بن ابی وقاص سے پہلے ہوئی۔

باقی رہا دوسرا اشکال جس کا تعلق سعد بن ابی وقاص کی موت سے ہے۔ تو اس سلسلہ میں طبرانی [3] نے صحیح سندوں کے حوالے سے لکھا ہے: کہ مہاجرین میں سب سے آخر میں سعد بن ابی وقاص کی وفات ہوئی، نیز یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کی وفات معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کے پہلے حج کے بعد ہوئی [4] جو ۴۴ھ کا زمانہ تھا [5] جب کہ آپ نے دوسرا حج ۵۱ھ میں کیا تھا۔ [6] اس طرح یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ سعد بن ابی وقاص کی وفات ۴۴ھ کے بعد اور ۵۱ھ سے پہلے ہوئی۔ بہرحال یہ تو ایک اندازے کی بات ہے خود سعد بن ابی وقاص کے پوتے ابوبکر حفص بن عمر بن سعد بن ابی وقاص نے ان کی مدت وفات کی تحدید کی ہے۔ کہتے ہیں: سعد اور حسن بن علی کی وفات معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر دس سال گزرنے کے بعد ہوئی۔ [7] وہ دونوں ایک ہی سال فوت ہوئے۔ [8] چناں چہ اس دقیق تحدید کے بعد دوسرا اشکال بھی حل ہو جاتا ہے اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص اور حسن بن علی کی وفات کے بعد ہی یزید کے لیے بیعت لیا، اسی لیے ابن عبدالبر فرماتے ہیں: ''معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں یزید کی بیعت کی طرف ہلکا سا اشارہ کیا تھا، لیکن کوئی واضح موقف نہیں ظاہر کیا اور نہ ہی حسن رضی اللہ عنہ کی موت تک اس کا کوئی عزم و ارادہ ہی کیا تھا۔'' [9]

---

[1] المصنف (٢/ ٢٦٧-٢٦٨) اس کی سند صحیح ہے۔

[2] آپ جعد بن عبدالرحمٰن بن اوس کندی یا تمیمی ہیں، کنیت ابوعبدالرحمٰن المدینی ہے، کبھی کبھار جعد کے بجائے تصغیر کے ساتھ جُعید بھی پڑھا جاتا ہے، ان کی روایت سائب بن یزید سے اور ان کی عائشہ بنت سعد سے ہوتی ہے۔ ابن معین نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ صحیح مسلم میں آپ کی ایک منفرد رباعی حدیث ہے۔ خلاصة تهذيب الكمال (١/ ١٦٤) تهذيب التهذيب (٢/ ١٦٩) تقريب التهذيب (١٣٩)

[3] طبرانی / المعجم الكبير (١/ ١٣٨، ١٣٩) مستدرك حاكم (٣/ ٤٩٦)

[4] المعجم الكبير/ الطبراني (١/ ١٣٨، ١٣٩) المستدرك/ الحاكم (٤٩٦٣) تاريخ بغداد (١/ ١٤٥)

[5] اور یہ بات یقینی ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر کی وفات اس وقت ہوئی جب معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دوسرے حج کے بعد مدینہ سے نکل چکے تھے، اور یہ تقریباً ۵۲ھ یا ۵۳ھ کی بات ہے۔ دیکھئے: التاریخ الصغیر، البخاری، باسناد حسن (١/ ١٠٣) تاريخ ابوزرعة (١/ ٢٢٩) باسناد حسن، یہ روایت ان کے پوتے قاسم بن محمد بن ابوبکر کے حوالے سے ہے۔

[6] تاريخ خليفه (٢١٧، ٢١٨) الآحاد و المثانى/ ابن ابى عاصم (١/ ٣٠١) الطبرى (٥/ ٢١٥) الإبناء بابناء الانبياء و تواريخ الخلفاء (ق ٦٢، ب ٥) ابن عساكر (١٨/ ق ٣٩٦) الذهب المسبوك فى ذكر من حج من الملوك/ المقريزى ص (٢٤)

[7] التاريخ الصغير/ البخارى (١/ ١٠٠) باسناد صحيح۔

[8] المعجم الكبير الطبرانى (٣/ ٢٥) صحیح سندوں سے۔

[9] الاستيعاب (١/ ٣١٩) تاريخ الخميس/ الديار بكرى (٢/ ٢٩٧) ابن كثير (٩/ ٨٣)

معاویہ اور اہل مدینہ کی بیعت:

جس طرح معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیگر ریاستوں سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا تھا اسی طرح آپ نے اہل مدینہ کے پاس بھی اپنا نمائندہ بھیجا کہ وہ وہاں کے امیر سے یزید کے لیے بیعت لے۔ [1] چناں چہ مروان بن حکم جو اس وقت مدینہ کے امیر ہوا کرتے تھے، کھڑے ہوئے اور لوگوں کو فتنہ سے ڈراتے ہوئے معاویہ کی اطاعت پر ابھارا، اور انھیں یزید کی بیعت کی طرف یہ کہتے ہوئے دعوت دی کہ ”سنة ابی بکر الراشدة المهدية“ یعنی یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نیک و ہدایت یافتہ سنت ہے۔ گویا مروان نے عمر رضی اللہ عنہ کے لیے ابوبکر کی ولی عہدی سے استدلال کیا، اس پر عبدالرحمٰن [2] بن ابوبکر نے مروان کی مخالفت کی، اور اس بات سے انکار کیا کہ اس بیعت اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے درمیان کوئی مشابہت ہو، انھوں نے کہا: ابوبکر نے ولی عہدی کے لیے اپنے اہل وعیال اور خاندان والوں کو چھوڑ دیا، اور جب دیکھا کہ بنوعدی بن کعب کا ایک فرد اس منصب کا اہل ہے تو اسے ولی عہدی کے لیے منتخب کیا اور اس پر بیعت ہوئی۔ عبدالرحمٰن نے مزید کہا: کہ صحیح بات تو یہ ہے کہ یہ بیعت ہرقل و کسریٰ کی بیعت کے مشابہ ہے۔ اور پھر عبدالرحمٰن اور مروان کے درمیان شخصی طور پر کہا سنی ہوگئی۔ [3]

ہمیں روایتوں میں یہ بات کہیں نہیں ملتی کہ اس موقع پر اہل مدینہ میں سے کسی نے بیعت کی ہو، بلکہ جس بات کا زیادہ رجحان ہے وہ یہ کہ اہل مدینہ نے ابن عمر، ابن زبیر، ابن ابوبکر صدیق اور حسین بن علی جیسے اپنے بڑے بزرگوں کی اتباع کیا جو کہ بیعت کے مخالف تھے۔ اسی طرح روایتیں اس بات سے بھی خاموش ہیں کہ اس وقت عبدالرحمٰن بن ابوبکر کے علاوہ کسی نے مروان سے ٹکراؤ کی صورت اختیار کی ہو، اور ایسا ہونا کوئی بعید نہیں کیوں کہ بہت ممکن ہے کہ اس بیعت کے تعلق سے پورے اہل مدینہ کے خیالات کی ترجمانی کے لیے آپ نے یہ لب ولہجہ اختیار کیا ہو۔ بہرحال اس ناکامی کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوشش کیا کہ بیعت یزید

---

[1] مدائنی نے لکھا ہے: کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کے پاس اس وقت تک کسی کو نہیں بھیجا جب تک کہ دیگر ریاستوں سے بیعت لے کر فارغ نہ ہوگئے۔ العقد الفريد / ابن عبد ربه (٤/ ٣٧٠، ٢٧٢)

[2] عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق عائشہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی ہیں، فتح مکہ سے کچھ پہلے اسلام لائے، یمامہ دیگر فتوحات میں شریک رہے، مکہ جاتے ہوئے ۵۳ھ میں اچانک آپ کی وفات ہوئی۔ التقریب ص (٣٣٧)

[3] امام بخاری نے اس واقعہ کا تھوڑا سا حصہ ذکر کیا ہے، صحيح البخاری مع الفتح (٨/ ٤٣٩) المصنف ابن ابی شيبة (١١/ ٩٧) السنن الكبرى/ نسائی (٦/ ٤٥٨ (١١٤٩١))، المسند/ البزار (٢/ ٢٤٧) ہیثمی نے مجمع الزوائد (۵/۲۴۱) میں لکھا ہے کہ اسے بزار نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔ المستدرك/ الحاكم (٤/ ٤٨١)، مختصراً مستدرك الذهبی/ ابن الملقن (٧/ ٣٣٤١) البداية والنهاية (٨/ ٩٢) بروایت عبد الرزاق و بسند صحيح۔ الاصابة (٤/ ٣٢٨) الدر المنثور/ السيوطی (٧/ ٤٤٤)

کے انکار کے اس بے باک موقف پر اہل مدینہ کو سراہیں، اور ان کی تعریف کریں، جس کے لیے آپ نے زیاد بن ابوسفیان جیسی کافی اہم شخصیت کو بھیجنے کا اہتمام کیا، پھر زیادہ مدینہ تشریف لائے اور اہل مدینہ کو مخاطب کر کے فرمایا: اے مدینہ والوں کی چنندہ جماعت! بے شک امیر المومنین نے تمھیں اچھی نگاہوں سے دیکھا ہے اور تمھارے لیے ایک پناہ گاہ بنائی جہاں تم اپنی حفاظت کر سکتے ہو، یعنی اپنے بیٹے یزید کو منتخب کیا ہے۔ ❶ یہ سن کر عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے پہلے سے بھی زبردست انداز میں اپنا اعتراض پیش کیا، اور لوگوں سے مطالبہ کیا کہ اس مسئلے میں رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر وعمر کے نقش قدم کو اپنائیں۔ اس طرح اہل مدینہ سے بیعت یزید کے تعلق سے معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوششوں کو دیکھنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہاں اس کے سارے راستے مسدود اور ساری تدبیریں ناکام ہو چکی تھیں۔ پھر یہیں سے اس روایت کی غلط بیانی بھی واضح ہو جاتی ہے جس میں مروان کی طرف سے سعید بن زید کے آنے تک سلسلہ بیعت کو روک رکھنے کا ذکر ہے۔ ❷ کیوں کہ اہل مدینہ نے سرے سے بیعت ہی نہ کی تھی چہ جائے کہ مروان ان کی بیعت کا سلسلہ روکتے۔ نیز واضح رہے کہ اس روایت کی ساری سندوں میں ضعف پائے جانے کے ساتھ سعید بن زید کی وفات بتاتی ہے کہ بیعت کی اس تاریخ سے کافی پہلے آپ اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ اہل مدینہ نے عمرو بن حزم انصاری کو اپنا نمائندہ منتخب کر کے انھیں معاویہ کے پاس بھیجا تھا، جو کہ اہل مدینہ کے لیے نو وارد تھے اور بیعت یزید کے خلاف تھے۔ چناں چہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انھیں اللہ کا واسطہ دے کر نصیحت کیا، اور یزید کی تعریف کرتے ہوئے کہا: ''کہ متوقع نتائج پر بھی غور کر لیں۔'' معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا: آپ ایک خیر خواہ آدمی ہیں، پھر صراحت بیانی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ اس وقت ایسے منصب کے لیے موزوں میرے لڑکے اور اہل مدینہ کی اولادوں کے علاوہ کوئی نہیں بچا ہے، اور میرا لڑکا ان کے مقابلے میں اس منصب کا زیادہ مستحق ہے۔ ❸ دراصل معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس ترجیحی نقطۂ نظر کی بنیاد وہ تجربہ تھا جس میں

---

❶ تاریخ الاسلام/ ذهبی، حوادث ٤١-٦١ ص (١٤٧) بروایت ابی خیثمه و السند صحیح۔

❷ المعجم الکبیر (١/ ١٥٠) المستدرك/ حاکم (٣/ ٤٣٩) اس کی سند میں عطاء بن السائب ایک راوی ہیں جن کا حافظہ آخری عمر میں مختلط ہو گیا تھا، اور خالد بن عبداللہ کا سماع عطاء بن سائب سے ان کی آخری عمر میں ہوا، تهذیب التهذیب ٧/ ١٨٥، التاریخ الصغیر/ البخاری ١/ ١١٢)، اس کی سند میں حسن بن مدرک کذاب راوی ہے۔ میزان الاعتدال (١/ ٥٢٣)

❸ المسند/ ابویعلی (٦/ ٥٢، ٢٥٤، هیثمی نے مجمع الزوائد (٧/ ٢٤٨، ٢٤٩) میں لکھا ہے: کہ اسے ابویعلی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، حافظ ابن حجر الاصابة (٤/ ٦٢١) میں لکھتے ہیں، اس کی راویان ثقہ ہیں۔ المطالب العالية لابن حجر (٤/ ٣٢٧)، (٤٥٢٠) بوصیری نے اس روایت پر سکوت اختیار کیا ہے۔ اور تطہیر الجنان واللسان ص (٨٠) میں ہیثمی نے اس پر صحت کا حکم لگایا ہے۔

انھوں نے اپنے لڑکے کو شریف الطبع، ہونہار اور اپنے بعد حکم رانی پر قادر پایا تھا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: ان کی رائے میں یزید اس کے اہل تھے، اور یہ اپنے بیٹے کے تئیں ان کی شدید محبت کا نتیجہ تھا کیوں کہ ان میں دنیوی اعتبار سے ستودہ صفات اور ہونہاری و شرافت کے علامتیں پائی جاتی تھیں، بالخصوص بڑوں اور شہنشاہوں کی اولادوں میں کمال شخصیت، جنگی معرفت، حکم رانی اور سلطانی کروفر کے جو اوصاف ہوتے ہیں آپ اس کے مالک تھے، اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ صحابہ میں سے کوئی اس تقاضے کو بخوبی پورا نہیں کر پائے گا۔ [1]

معاویہ رضی اللہ عنہ کا دوسرا حج اور اہل حجاز سے بیعت:

اہل مدینہ کے ساتھ کی جانے والی کوششوں سے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی بیعت اتنی آسانی سے مکمل ہونے والی نہیں ہے۔ اور انھوں نے چند ایسی چیزیں پیش کر دی ہیں جن میں سے کسی ایک کو اپنانا واجب ہے۔ نیز یزید کی ولی عہدی کے تعلق سے ان کا نظریہ میری امیدوں کے یکسر خلاف ہے، چناں چہ انھیں حالات کے پیش نظر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۵۱ھ [2] میں حج پر نکلنے کا ارادہ کر لیا، کیوں کہ اسی سال میں اہل شام اور دیگر اسلامی ریاستوں کی جانب سے ولی عہدی کے لیے بیعت مکمل ہوئی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ اس حج کے واسطہ سے ابنائے صحابہ کی نظریات سے واقف ہونا چاہتے تھے اور اس حقیقت کی تہ تک پہنچنا چاہتے تھے کہ آخر بیعت پر اعتراض کے اسباب کیا ہیں؟ اور اس پر عدم موافقت کا احساس بیدار کرنے والے عوامل کون سے ہیں؟ واضح رہے کہ اس کُرید و جستجو کے باوجود معاویہ رضی اللہ عنہ کی دور رس نگاہ اس ادراک کی حامل تھی کہ منصب خلافت سنبھالنے کے لیے بعض ابناء صحابہ کے یہاں شخصی طبع آزمائی پائی جاتی ہے، اور وہ اس کے اہل بھی ہیں، لیکن چوں کہ حجاز کے علاوہ دیگر تمام اسلامی ریاستوں میں بیعت ولی عہدی برضا و رغبت پُر اطمینان سے طریقہ سے ہو چکی ہے لہٰذا اگر یہاں بیعت لینے میں کوئی سستی کی گئی تو بہت ممکن ہے کہ خاص طور سے مملکت اسلامیہ اور عموماً تمام مسلمانوں کے تئیں بدخواہی اور حسد و عداوت کی نگاہ رکھنے والے کا اس ناجائز فائدہ اٹھالیں، جس کے نتیجے میں بہت سارے فتنے اٹھیں گے اور برائیاں پیدا ہو جائیں گی۔ رب ذوالجلال کی منشا کہ بعد میں ہوا بھی ایسا ہی۔

معاویہ رضی اللہ عنہ ایک ہزار لوگوں [3] کا قافلہ لے کر شام سے روانہ ہوئے، تفصیل واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سفر میں یزید بھی آپ کے ساتھ تھے، جسے طبری وغیرہ [4] نے یہ سمجھ لیا کہ امیر الحج یزید بن معاویہ تھے۔ دوسری طرف عبدالرحمٰن بن ابوبکر، ابن عمر، اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کو جب معاویہ کی آمد کی اطلاع ملی تو یہ لوگ مکہ

---

[1] البداية والنهاية (۹/ ۸۳)
[2] تاريخ خليفة بن خياط ص (۲۱۳)
[3] تاريخ خليفه بن خياط (۲۱۳، ۲۱٤)
[4] الطبری (۵/ ۲۸٦) ابن عساکر (ترجمة يزيد) (۱۸/ ق ۳۹٦)

کی طرف نکل گئے۔ ❶ اور جب معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے انھیں بیعت پر ابھارا، اور اس بات کی وضاحت کیا کہ یزید ہی لوگوں میں خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ ❷ فرمایا:

''ہم نے یزید پر بیعت لے لی ہے تم لوگ بھی اس پر بیعت کرلو۔'' ❸

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عمر وغیرہ کے بارے میں اس خدشے کا ذکر کیا تھا کہ اگر یہ لوگ اسی طرح مخالفت پر آمادہ رہے تو کہیں اہل شام انھیں قتل نہ کردیں، کیوں کہ وہ یہ بات تصور میں بھی نہیں لاسکتے کہ جس چیز پر زیادہ تر لوگ اتفاق کر چکے ہیں اس سلسلے میں کوئی شخص امیر المومنین کی مخالفت کرے، اسی لیے نافع نے ذکر کیا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم ابن عمر کو بیعت کرلینی چاہئے ورنہ میں ضرور ان کو قتل کردوں گا۔ پھر جب عبداللہ بن صفوان ❹ کو اس بات کی اطلاع ملی تو غصہ سے بھڑک گئے۔ اور اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو یہیں سے گویا آپ نے معاویہ سے جنگ آزما ہونے کا عزم مصمم کرلیا، لیکن جب انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس بات کی حقیقت دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے قول کی تردید فرمائی اور کہا: میں اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کردوں گا!! اللہ کی قسم میں انھیں قتل نہیں کرسکتا۔ ❺ دراصل سچائی بھی یہی ہے، کیوں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ یہاں لوگوں کی دلجوئی کے لیے تشریف لائے تھے نہ کہ انھیں قتل کرنے کے لیے، لہٰذا یہ ہرگز معقول بات نہیں ہے کہ آپ نے ایسا کچھ سوچا ہوگا، ہاں معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ گمان ضرور ہوا ہوگا کہ یہ لوگ مکہ بھاگ کر ایک طرح سے بغاوت کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور فتنے کو ہوا دینا چاہتے ہیں۔ پس اسی ضمن میں آپ نے مسلمانوں کی جماعت میں انتشار پیدا کرنے والوں کے لیے یہ دھمکی آمیز لب ولہجہ اختیار کیا ہوگا۔

بہرحال جب معاویہ رضی اللہ عنہ مکہ پہنچے اور ارکان حج کی ادائیگی سے فارغ ہوئے تو ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ آپ رضی اللہ عنہ تشریف لائے، معاویہ نے ان کے سامنے خطبہ مسنونہ پڑھنے کے بعد فرمایا:

---

❶ التاریخ الصغیر / البخاری (۱/ ۱۰۳) بسند حسن، محمد ادیب الحمصی لکھتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی شکایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا، منتخبات تواریخ دمشق (۱/ ۷۷)

❷ تاریخ خلیفه بن خیاط (۲۱۳، ۲۱٤) بسند حسن۔

❸ الاباطیل و المناکیر والصحاح و المشاهیر، الجوزقانی (۱/ ۲۶۲)، جوزقانی کہتے ہیں، یہ حدیث مشہور اور حسن ہے۔ ہشام سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔

❹ آپ عبداللہ بن صفوان بن امیہ بن خلف الجمحی ہیں، ابوصفوان المکی آپ کی کنیت ہے۔ عہد نبوت میں آپ کی پیدائش ہوئی، ان کے باپ مشہور صحابی رسول ہیں ۷۳ھ میں ابن الزبیر کا ساتھ دیتے ہوئے آپ اس وقت قتل کیے گئے جب کعبہ کے پردے سے لٹکے ہوئے تھے۔

❺ طبقات ابن سعد، بسند صحیح (٤/ ۸۳) تاریخ خلیفه بسند صحیح (۲۱٤، ۲۱۵) تاریخ الاسلام (۶۰-۸۱) بروایت ابن سعد محبّ الدین خطیب نے ابن العربی کی العواصم والقواصم کی تعلیق میں ص ۲۲۵ پر اس روایت کا انکار کیا ہے اور لیکن یہ شاید تاریخ خلیفہ پر ان کی عدم اطلاع کا نتیجہ ہے۔

''اے ابن عمر! آپ ہی مجھ سے کہا کرتے تھے کہ میں ایک بھی ایسی سیاہ رات نہیں گزارنا چاہتا جس میں ہم پر کوئی امیر نہ ہو، میں آپ کو مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے سے ڈراتا ہوں، اور آگاہ کرتا ہوں کہ ان میں فساد و بگاڑ کو ہوا نہ دیں۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے معاویہ کو جواب دیا: اور بتایا کہ خلفاء راشدین کی بیعت کا کیا طریقہ تھا اور کس اعتبار سے ابنائے صحابہ ان کے بیٹے یزید کے مقابلے اس منصب کے لیے زیادہ بہتر تھے لیکن انھوں نے اپنے بیٹوں کے بارے میں ایسا کبھی نہیں سوچا جیسا کہ آپ یزید کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ مزید فرمایا کہ مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا میرا مقصد نہیں، جس بات پر امت محمدیہ متفق ہو جائے گی اس کی میں بھی تائید کرتا ہوں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو نے معاویہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا، اور آپ نے دعا دیتے ہوئے فرمایا: "یرحمك الله" ❶ پھر ابن عمر چلے گئے اور عبدالرحمٰن بن ابوبکر طلب کیے گئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے گفتگو شروع کیا، لیکن عبدالرحمٰن نے ان کی بات کاٹتے ہوئے سخت لہجے میں تردید کیا، اور کہا کہ ہم یزید کی بیعت کی مخالفت کریں گے، معاملہ شورائیت سے طے ہونا چاہئے، حتی کہ آپ نے اپنی بات نہ ماننے کی صورت میں معاویہ کو جنگ کی دھمکی دے ڈالی۔ ❷ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: "اللهم اكفنيه بما شئت" اے اللہ! جو تو چاہے میری طرف سے ان کے لیے کافی ہو جا، پھر آپ نے ان سے مہلت مانگی، اور کہا کہ شام والوں کے سامنے اپنے انکار کا مظاہرہ نہ کریں گے ورنہ ہوسکتا ہے وہ آپ کو قتل کر دیں، اور جب معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا کہ سارے لوگ بیعت سے انکار ہی کر دیں گے تو انھیں کی جو رائے ہوگی وہی ہوگا۔ ❸

پھر ابن زبیر رضی اللہ عنہ بلائے گئے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ ہی کے سر پہ ٹھیکرا پھوڑا کہ بیعت کی راہ میں رکاوٹ کا اصل سبب وہی ہیں، اور ابن عمر و ابن ابوبکر کے موقف میں جو سختی ہے اس کے پیچھے انھیں کا ہاتھ ہے، لیکن ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کی تردید فرمائی، اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ اگر وہ امارت سے اکتا گئے ہیں تو اس سے خود دست بردار ہو جائیں اور اپنی جگہ یزید کو خلیفہ بنا دیں وہ ان سے بیعت کرلیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت ولی عہدی پر عدم موافقت کے لیے اس حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی وقت میں دو لوگوں کی بیعت امامت کو حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ ❹ کہنے لگے:

---

❶ تاريخ خليفه بن خياط (٢١٤، ٢١٥) بسند صحيح

❷ تاريخ خليفه بن خياط ٢١٣-٢١٤، باسناد صحيح۔

❸ تاريخ خليفه بن خياط (٢١٤) تاريخ ابى زرعه (١/ ٢٢٩) باسناد صحيح۔

❹ تاريخ خليفه (٢١٤) باسناد حسن، حلية الاولياء (١/ ٣٣٠، ٣٣١)

اے معاویہ آپ ہی نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اذا كان فى الارض خليفتان فاقتلوا احدهما .)) [1]

''جب زمین میں ایک ساتھ دو خلیفہ ہو جائیں تو ان میں سے ایک کو قتل کردو۔''

اس طرح معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر ابنائے صحابہ کے درمیان ہونے والی گفتگو اور بحث و مباحثہ سے واضح ہو گیا کہ ابنائے صحابہ دو اسباب کی وجہ سے بیعت یزید کے مخالف تھے:

۱۔ انھیں یزید کی ولی عہدی پر اعتراض باپ اور بیٹے کے تعلق کی بنا پر تھا، اور یہ طریقہ خلفائے راشدین کے طرزِ عمل کے خلاف تھا۔

۲۔ اس بیعت کے انکار اور اس کے باطل ہونے پر ان کا یہ استدلال یہ تھا کہ یہ بیعت حدیث نبوی میں وارد اس نص صریح کے خلاف ہے جو ایک وقت میں دو اشخاص کے لیے بیعت امامت کی اجازت نہیں دیتی۔

بایں تفصیلات ان مباحث و تصریحات کو پڑھتے ہوئے آپ یہ نکتہ ذہن میں ضرور رکھیں کہ بیعت کے ان معارضین و مخالفین میں سے کسی نے بھی یزید پر کوئی عیب نہیں لگایا، پس اگر بعد کے ادوار میں جن عیوب سے یزید کو متہم کیا گیا وہ عادتیں ان میں پائی جاتیں تو یہ کیوں کر ممکن تھا کہ یہ مخالفین اسے اعتراض کے باب سے خارج کر دیتے، خاص طور سے ایسے موقع پر جہاں مخالف کے حق میں زیادہ سے زیادہ دلائل اکٹھا کرنے کا تقاضا ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ ابنائے صحابہ یزید کے برے عادات ذکر کرنے سے اس لیے خاموش رہے کہ انھیں معاویہ سے اپنی جانوں کا خطرہ تھا، تو یہ انتہائی غیر معقول بات ہوگی، اور اسے کسی صورت میں نہیں تسلیم کیا جائے گا، بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ یہ ابنائے صحابہ معاویہ کے تئیں اپنی پوری آزادی رائے کا اظہار کریں، اور انھیں سخت سست کہنے پر ہی بس نہ کریں بلکہ دھمکیاں تک دے دیں، لیکن یزید اگر نشے میں بدمست رہنے والا ہو، شراب نوش اور ارکان نماز کے ساتھ کھلواڑ کرنے والا ہو تو اس کے بارے میں ایک حرف کے لیے بھی زبان نہ کھولیں۔ حالاں کہ یہ وہ مقدس ہستیاں تھیں جو اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی قطعاً پرواہ نہ کرتی تھیں۔ اگر یزید کے بارے میں اس طرح کی کوئی بھی بات ان کی نگاہوں میں صحیح ہوتی تو اس

[1] المعجم الكبير / الطبرانى (١٩/ ٣١٤) ہیثمی نے مجمع الزوائد (٥/ ١٩٨) میں لکھا ہے کہ اس کے رجال ثقات ہیں، اور صحیح مسلم (۱۴۸۰/۳ (۱۸۵۳) میں بحدیث ابوسعید خدری ان الفاظ میں اس کی شاہد موجود ہے۔ "اذا بويع الخلفتين فاقتلوا الآخر منهما۔"

مناسب ترین موقع پر ضرور اس کا ذکر کرتے، اور ان کی بیعت کو جس قدر ممکن ہوتا سختی سے ٹھکرا دیتے، اسی لیے ابن خلدون کی حقیقت رس نگاہ اس سچائی کو تاڑ گئی، اور کہہ گزرے کہ اس موقع پر اکابرین صحابہ کی موجودگی اور یزید کے بارے میں کسی تبصرے سے ان کی خاموشی یزید کے بارے میں ان عیوب وشکوک سے نفی کی دلیل ہے۔ وہ ایسے نہیں تھے کہ حق گوئی میں کوئی نرمی اور چاپلوسی ان کے آڑے آتی، اور نہ معاویہ ہی ایسے تھے کہ قبولیت حق میں انھیں کوئی عار محسوس ہوتا، یہ سب لوگ ایسی سطحی حرکتوں سے بالاتر تھے، اور ان کی عدالت ایسے گھناؤنے خیالات کے لیے مانع تھی۔ دراصل عبداللہ بن عمر نے جو راہ فرار اختیار کیا تھا وہ ان کے ورع وتقویٰ کی ایک کڑی تھی، کہ آپ ایسے پیچیدہ معاملات سے، خواہ وہ مباح ہوں یا حرام، دور رہا کرتے تھے، جیسا کہ آپ کی سیرت طیبہ میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ [1]

بہر حال بیعت ولی عہدی کا یہ معاملہ اگر چہ اپنے دامن میں متنوع قیاس آرائیوں کو سمیٹے ہوئے ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اس وقت بہت سارے لوگوں میں اور خاص کر ابنائے مہاجرین میں یہ شعور پوری شدت و قوت کے ساتھ زندہ تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ جو کہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے، مسلمانوں کی خلافت کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں ہو، مسلمانوں کی وہ جماعت جس میں ابھی ان سے پہلے اسلام لانے والے لوگ موجود ہیں وہ اس سے محروم رہیں؟؟؟ درحقیقت یہی ان سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں۔ [2] صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ان میں سے کچھ لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ہی انگشت نمائی کر رہے تھے۔ [3] چناں چہ دوري جیسے مستشرق کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ اہل حجاز کی خواہش تھی کہ خلافت ابنائے صحابہ کا حق ہے، اور ضروری ہے کہ جہاں سے اسلامی تحریک نے جنم لیا ہے وہاں وہ باقی رہے یعنی اس کا اصلی وحقیقی مرکز مدینہ ہے، اور خلافت کو اولین ابنائے صحابہ میں ہونا چاہئے نہ کہ ان امویوں میں جو آخر میں اسلام لائے۔ [4]

اس موضوع کے تعلق سے ایک پہلو مزید قابل ملاحظہ ہے وہ یہ کہ بیعت یزید کے تعلق سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں سے مشورہ لیا اس ضمن میں حسین بن علی رضی اللہ عنہ کا نام روایت میں نہیں آیا، جس کا سبب شاید یہ

---

[1] المقدمه، ابن خلدون (۱/ ۲٦۳، ۲٦٥)

[2] المصنف، ابن ابی شیبة (۱۱/ ۹۰) بسند صحیح۔

[3] مصنف عبدالرزاق (۱۱/ ۳٤٤)، مصنف ابن ابی شیبة (۱۱/ ۳٥٤) انساب الاشراف، بلاذری (٤/ ٤۷) الاستیعاب/ ابن عبد البر (۳/ ۱٤۲۲) ابن عبدالبر نے لکھا ہے: کہ یہ روایت ابن شہاب سے روایت کی جانے والی صحیح ترین روایات میں سے ہے۔ تاریخ بغداد (۱/ ۲۰۸)، ابن عساکر بسند عبدالرزاق (۱٦/ ۷۲٤) البدایة والنهایة (۸/ ۱۳۳) تخریج الدلالات/ الخزاعی (۱٦۱)

[4] مقدمه فی تاریخ صدر الاسلام ص (٦٤)

ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں جانتے تھے کہ وہ قیادت و سیادت کے طالب ہیں، اور اہل عراق خط و کتابت کے ذریعہ حسین رضی اللہ عنہ کو معاویہ کے بعد خلافت کا امیدوار بنا رہے ہیں، اور پھر مکہ میں حسین رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ سے روبرو ملاقات بھی ہوئی اور خلافت کے بارے میں دونوں میں لمبی گفتگو ہوئی، لیکن یہ بات یزید کو ناگوار گزری، اور اپنے باپ سے کہا: یہ شخص مسلسل تمھارے آڑے آتا رہا یہاں تک کہ آپ کو روکے رکھا؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جانے دو، شاید وہ اسے (خلافت) میرے علاوہ سے بھی چاہیں گے، جو انھیں اجازت نہیں دے گا اور قتل کردے گا۔ [1]

قصہ مختصر اینکہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیعت یزید کے بارے میں ابنائے صحابہ کی تنقیدات اور ان کے نقطہائے نظر کو دیکھ لیا اور یہ معلوم کر لیا کہ ان تنقیدوں کا یزید کی شخصیت سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ان کا ایک مخصوص نقطۂ نظر ہے جو معاویہ کے نظریہ کے خلاف ہے، یعنی ابنائے صحابہ اس حرص سے مغلوب تھے کہ منصب خلافت میں ایسی شفافیت ہونی چاہئے جو خاندانی تعلقات اور ذاتی خواہشات سے پاک ہو، اور ایسی ہی صورت میں خلیفہ کی اہمیت اور اس کا انتخاب اپنے ماقبل خلیفہ کے تعلق ومحبت پر قائم ہوسکتا ہے۔ [2] جب کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اس بات کے حریص اور کوشاں تھے کہ مسلمانوں کا اتحاد صرف ایک جھنڈے کے تلے باقی رہے، اگرچہ اس کے لیے وہ راستے اختیار کرنے پڑیں جو ممکن ہے زیادہ تر لوگوں کو پسند نہ آئے۔ یہی وجہ تھی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ابن عمر، ابن زبیر اور ابن ابوبکر رضی اللہ عنہم کے ساتھ گفت شنید کرنے کے بعد اٹھے اور منبر پر تشریف لے گئے، اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا: میں نے لوگوں کی باتیں سنی ہیں جس میں خامیاں ہیں، ان کا گمان ہے کہ ابن زبیر، ابن ابوبکر الصدیق اور ابن عمر نے یزید پر بیعت نہیں کیا، حالاں کہ انھوں نے سمع وطاعت کی راہ اپنائی اور یزید کے لیے بیعت کیا ہے، یہ سن کر اہل شام کہنے لگے: ''نہیں، اللہ کی قسم ہم ہرگز نہیں مطمئن ہوں گے جب تک کہ وہ لوگ مجمع عام کے سامنے بیعت نہ کرلیں، ورنہ ہم ان کی گردنیں ماردیں گے، تب معاویہ رضی اللہ عنہ خاموش نہ رہے اور انھیں سختی سے ڈانٹا اور کہا: خبردار، سبحان اللہ! قریش کے ساتھ بدتمیزی میں لوگ کتنی عجلت کرجاتے ہیں، آج کے بعد سے میں ایسی بات کسی سے نہ سنوں، پھر آپ منبر سے نیچے تشریف لے آئے آپ کا یہ موقف دیکھ کر لوگوں نے کہا: ابن عمر، ابن زبیر اور ابن ابوبکر نے بیعت کرلی ہے اور وہ لوگ کہتے ہیں: نہیں، اللہ کی قسم ہم نے بیعت نہیں کی ہے۔ پھر لوگ کہتے: ہاں، سچ یہ ہے کہ آپ لوگوں نے بیعت

---

[1] ابن سعد، الطبقة الخامسة (٣٥٧) محقق کتاب کے بقول اس کی سند حسن ہے، اور یہ حقیقت میں ایسے ہی ہے۔ تاریخ دمشق / ابن عساکر (ترجمۂ حسین بن علی) اس تاریخ کا وہ حصہ دیکھئے صبر محمودی کی تحقیق کے ساتھ مستقل الگ کتاب ہے۔ ص (١٩٩)

[2] مقدمه فی تاریخ صدر الاسلام ص (٦٤)

کر لی ہے اسی چہ میگوئی کے درمیان معاویہ رضی اللہ عنہ یہاں سے شام کے لیے کوچ کر گئے۔ ❶

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبر سے ابن عمر، ابن زبیر اور ابن ابوبکر کی بیعت کی تصدیق کر کے کذب بیانی سے کام لیا، حالاں کہ یہ بات غلط ہے۔ کیوں کہ دوران بحث گفتگو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: میں بیعت کے خلاف نہیں ہوں، اگر لوگ آپ کے انتخاب وطریقہ پر متفق ہیں تو میں بھی انھیں کا ایک فرد ہوں جب کہ صورت حال یہ تھی کہ یزید پر زیادہ تر لوگوں کا اتفاق ہو چکا تھا، چناں چہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ دلیل بنائی کہ وہ بیعت یزید پر متفق ہیں۔ جب کہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے جب بیعت کو ٹھکرا دیا اور مجلس سے لوٹنے لگے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ذرا سنبھل کے! اہل شام کے سامنے اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالیں، انتظار کر لیں تاوقتیکہ میں لوگوں میں خطبہ دے دوں اور انھیں بتا دوں کہ آپ بھی اس زمرے میں شامل ہو گئے ہیں جس میں لوگ شامل ہیں، پھر آپ کو جو کرنا، کہنا ہوگا کیجیے گا۔ ❷

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام والوں کو عبدالرحمٰن بن ابوبکر کے لیے خطرہ بتایا تو وہ بھی جھک گئے، اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر یہ اعلان کرنا مناسب سمجھا کہ عبدالرحمٰن نے بیعت کر لی ہے، تاکہ انھیں شام والوں کے ہاتھوں فوری طور پر ہلاکت سے بچایا جا سکے بعد میں انھیں جو کہنا سننا ہوگا کہہ سن لیں گے۔

رہے ابن زبیر رضی اللہ عنہ تو گزرا کہ انھوں نے حدیث بیعت سے جو مطلب سمجھا تھا اس نقطۂ نظر سے اپنا اعتراض پیش کیا تھا، یعنی کہ ایک ہی وقت میں دو خلیفہ کے لیے بیعت کیوں کر جائز ہو سکتی ہے۔ انھوں نے واضح انداز میں بتا دیا تھا کہ انھیں یزید پر کوئی اعتراض نہیں ہے، بلکہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر آپ منصب امارت سے اکتا گئے ہیں تو اپنے بیٹے کو آگے کیجیے تاکہ ہم ان سے بیعت کر لیں۔ ❸ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن زبیر کے اس موقف کو ان کا ابتدائی و مثبت موقف سمجھا، اور یہ کہ حقیقت میں بیعت یزید پر انھیں کوئی اعتراض نہیں۔ اسی لیے معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مجمع عام کے سامنے جو صحابہ کرام کی اس پاکباز جماعت کو اپنا قدوہ اور نمونۂ عمل سمجھتا تھا یہ واضح طور پر اعلان کر دیا کہ جن لوگوں کو مخالف سمجھا جا رہے وہ دراصل موافق و متفق ہیں، اور ان کی مخالفت وٹکراؤ کی بارے جو خبریں ہمیں ملی ہیں ان کی حیثیت ایک معمولی

---

❶ تاریخ خلیفہ بن خیاط ص (٢١٤) بسند حسن۔

❷ تاریخ خلیفہ بن خیاط ص (٢١٤) بسند حسن۔ تاریخ ابوزرعہ (١/ ٢٢٩) بسند حسن، اسی سے قریب تر ایک روایت حلیة الاولیاء/ ابونعیم (١/ ٣٣٠، ٣٣١) میں ہے۔

❸ تاریخ خلیفہ بن خیاط ص (٢١٤) بسند حسن۔

اختلاف سے زیادہ کچھ نہیں ہے، نہ ہی بیعت پر اس کا کوئی اثر پڑتا ہے۔ پھر لوگوں نے یزید بن معاویہ کے لیے بیعت کرلیا۔ [1] اس طرح اس بیعت کے بعد یزید بن معاویہ اپنے باپ کے ولی عہد بن گئے، ان کی بیعت لوگوں کے لیے واجب الاحترام ہوگئی، وہ بلا کسی اختلاف کے مستقبل میں ہونے والے خلیفۃ المسلمین قرار پائے، ان کی بیعت کو شرعی استناد کا درجہ مل گیا، جس کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب ہوگئی، اور اللہ کی معصیت و نافرمانی کے علاوہ تمام تر احکامات میں ان کے حکم کے نفاذ پر شرعی جواز کی مہر ثبت ہوگئی۔

ایک اہم نکتہ:

دمشق میں آئے ہوئے دیگر ریاستوں کے وفود اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان، نیز اسی طرح مکہ میں ابنائے صحابہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والی گفتگو پر بحث کرتے ہوئے یہ نکتہ قابل ذکر ہے کہ ان مباحثوں سے ہم اپنے اسلاف کی سیاسی بیداری کا اندازہ لگائیں، اور دیکھیں کہ ان کے مباحثے اور گفتگو کس قدر صراحت گوئی وحقیقت بیانی پر مبنی ہوتے تھے، لیکن کسی سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی تھی۔ پس اگر ایک طرف ابنائے صحابہ کی مخالفت سے ان کی بلند معیار سیاسی بیداری کی دلیل ملتی ہے تو دوسری طرف معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنی سیاسی بیدار مغزی کا ثبوت یوں فراہم کرتے ہیں کہ اس بیعت کے پس پردہ مصلحت امت کے سوا ان کا کوئی اور مقصد نہیں ہے۔ پھر ابنائے صحابہ کو اس بات کا ادراک ہوگیا کہ عنقریب گردش ایام کے ساتھ معاملہ کی نوعیت بدل ہی جائے گی جسے واقعتاً ہم نے بعد میں دیکھا کہ خلافت ایک موروثی روش پر چل پڑی۔

اسی ضمن میں دیکھتے چلیں کہ آزادیٔ اظہار رائے کے تعلق سے ان کے یہاں رواداری کا چلن عام تھا، تبھی تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے ولی عہدی کی رائے پیش کرنے کے ساتھ ولی عہد کے نام کو بھی منتخب کیا، لیکن اسے منوانے کے لیے تلوار و بازو کا استعمال نہیں کیا بلکہ لوگوں سے مشورہ لیا، اور اسی کے بالمقابل ابنائے صحابہ نے جیسا کہ ہم پڑھ چکے ہیں، آپ کی رائے کی مخالفت کیا، حتی کہ دھمکیاں تک دے ڈالیں، اور معاویہ رضی اللہ عنہ بسر و چشم ان تنقیدوں کو سماعت کرتے رہے۔

چناں چہ اس صحیح ترین روایت کے تناظر میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو متہم کرنے والی اس روایت کا کذب و بطلان واضح ہو جاتا ہے کہ انھوں نے ہر چاروں صحابہ یعنی عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبدالرحمٰن بن ابوبکر اور حسین بن علی رضی اللہ عنہم پر دو دو آدمیوں کو مسلط کر دیا تھا، اور انھیں اشارہ کر دیا تھا کہ ان میں جو بھی بیعت سے اعراض کرے اسے قتل کر دینا، چناں چہ ہتھیار اور دھمکیوں کے سائے میں ابن عمر، ابن زبیر، ابن ابوبکر اور دیگر لوگوں نے بیعت کیا۔ (معاذ اللہ)

---

[1] تاریخ خلیفہ بن خیاط ص (٢١٤) العلل/ احمد بن حنبل (٢/ ١٩١)

یہ ہے معاویہ رضی اللہ عنہ کو متہم کرنے والی وہ روایت جو سنداً ضعیف ہونے کے ساتھ متناً بھی ضعف کا شکار ہے اور تنقید و تحقیق کے کسی بھی پیمانے پر صحیح نہیں اترتی ہے۔ مثلاً شروع روایت میں ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ جب مکہ کے قریب تھے تو آپ نے اپنے محافظ مرقال سے کہا: دیکھنا، میرے ساتھ صرف وہی چلے گا جسے میں لے چلوں۔ چناں چہ آپ تنہا نکل پڑے اور چلتے رہے یہاں تک کہ جب ''اُراک'' پہنچے تو حسین بن علی کی آپ سے ملاقات ہوگئی، آپ ٹھہر گئے اور کہا: مسلمان نوجوانوں کے سردار، اور بنت رسول کے لخت جگر کو اہلاً وسہلاً و مرحبا ہو، ابوعبداللہ کو ایک سواری دی جائے کہ وہ اس پر سوار ہو جائیں، پھر عبدالرحمٰن بن ابوبکر بھی آ نکلے۔ آپ نے انھیں دیکھ کر کہا: مسلمانوں کے سردار، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مصاحب صدیق کے بیٹے کو مرحبا ہے، پھر آپ نے ان کے لیے بھی سواری منگوائی اور وہ اس پر سوار ہوگئے، اتنے میں ابن زبیر بھی آ گئے، آپ نے انھیں دیکھ کر کہا: رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے لڑکے، صدیق و حواری رسول کے بیٹے کو اہلا وسہلا ہے، پھر آپ نے ان کے لیے بھی سواری منگوائی، وہ اس پر سوار ہو گئے، آپ نے ان سب سے (مسئلہ ولایت کے بارے میں) کچھ بھی چھیڑ چھاڑ نہیں کیا تاوقتیکہ ارکان حج سے فارغ ہوگئے۔ [1]

اس روایت کا باریک بینی سے اگر مطالعہ کیا جائے تو لگتا ہے کہ یہ ایک منظّم ڈرامائی چال ہے، کیوں کہ پہلی بات تو یہ مسلم و یقینی ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر، ابن عمر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کو جب معاویہ کی آمد کی خبر ملی تھی تبھی یہ لوگ مدینہ سے نکل کر مکہ کی طرف روانہ ہوگئے تھے، لہٰذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مکہ کے قریب ان سے معاویہ رضی اللہ عنہ کہاں مل گئے؟ بفرض محال اگر ہم اسے تسلیم کرلیں تو دوسرا اشکال یہ ہے کہ ان سب کا آپ کے سامنے اکٹھا ہونا ممکن کیسے ہوا؟ اور دوسری بات جو روایت میں یہ مذکور ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے چاروں صحابہ میں سے ہر ایک کے پیچھے دونگراں لگا دیا تھا اور انھیں یہ حکم دیا تھا کہ بیعت یزید کے وقت جو بیعت سے اعراض کرے اسے قتل کر دینا تو یہ بات دو وجہوں سے ناممکن ہے:

۱۔ کیا معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی رسول کے بارے میں یہ تصور کرنا انتہائی حیرت و استعجاب کی بات

---

[1] تاریخ خلیفہ بن خیاط (ص ۲۱۵) یہ روایت بسند جویریہ بن اسماء مروی ہے وہ کہتے ہیں: "سمعت اشیاخ اہل المدینہ یتحدثون" لیکن سوال یہ ہے کہ یہ اشیاخ مدینہ کون ہیں؟ کیا یہ احتمال نہیں کہ ان میں سچے اور جھوٹے دونوں ہوں؟ کیا یہ احتمال نہیں کہ اس میں یزید سے بدلے کے خواہاں لوگ ہوں یا وہ لوگ ہوں جن کا کوئی قریبی واقعہ ''حرۃ'' میں مار ڈالا گیا ہو، یہاں یہ تمام تر احتمالات وارد ہوتے ہیں۔ مزید برآں راویوں کا مجہول ہونا واقعہ کو ضعف کے اس کٹ گھڑے میں کھڑا کر دیتا ہے جہاں اعتماد کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور اگر بفرض محال اس روایت کو ہم معتبر مان لیں، اور اس سے استدلال کرنا چاہیں تو مصطلح حدیث کے اعتبار سے یہ روایت شاذ کا درجہ پائے گی کیوں کہ سابقہ صفحات میں گزری صحیح روایت کے خلاف ہے۔ نیز دیکھئے مجالس ثعلب (۴۵۱/۲، ۴۵۳) افسوس کہ رشید رضا مصری نے اسی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ کو دھوکہ باز و خائن ٹھہرایا ہے۔ (الخلافۃ ۵۰-۵۱)

نہیں ہے کہ وہ صحابہ اور ابنائے صحابہ کے بارے میں اس انداز میں تشدد کا موقف اپنائیں گے، اور ایسا کر کے اختلاف کے دائرہ کو وسیع کریں گے، مزید ایک طرف اپنے اور یزید کے درمیان اور دوسری طرف صحابہ اور ابنائے صحابہ کے درمیان اختلاف کی خلیج بڑھائیں گے۔

۲۔ جب وہ نگراں ابن عمر، ابن زبیر، ابن ابوبکر اور حسین بن علی کے سر پر مسلط کیے گئے ہوں گے۔ [1] تو کیا اس ظالمانہ منظر نے لوگوں کے دلوں میں یزید کے بارے میں شکوک وشبہات میں اضافہ نہیں کیا ہوگا، اور لوگ یہ نہیں سوچتے رہے ہوں گے کہ یہ لوگ جو ہر چاروں صحابہ کے سر پر مسلط ہیں ان کے منفی رویہ کے منتظر ہیں اور بری نیت رکھتے ہیں، پھر لوگوں کو پورا یقین ہو جانا کہ یہ بیعت جبر وتشدد پر مبنی ہے لہٰذا اس کی پرزور مخالفت کرنی چاہیے۔ پس تنہا ہمیں نہیں فلہاوزن جیسے جرمن مستشرق نے بھی اس روایت کی تفصیلات پر شکوک وشبہات کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ واقعہ بڑی مہارت ومضبوطی کے ساتھ گھڑا گیا ہے۔ [2]

بہر حال جیسا کہ صحیح روایات کے حوالے سے میں نے بتایا کہ بلا کسی ٹکراؤ کے اہل حجاز کی بیعت مکمل ہوگئی اور معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق لوٹ گئے پھر حالات پر امن رہے، اور اہل حجاز کی بیعت پر آٹھ سال گزر جانے تک یعنی ۶۰ھ میں وفات معاویہ کے اس طویل فاصلے میں کہیں سے کسی سے کوئی اعتراض یا مخالفت سننے میں نہیں آئی۔

حسن بن علی اور بیعت یزید سے آپ کا تعلق:

اہل حجاز کی بیعت پر گفتگو ختم کرنے سے قبل ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو زہر خورانی کے بارے میں راویوں اور مورخوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا بھی جائزہ لیتے چلیں، کیوں کہ بعض ناقلین کے یہاں یہ واقعہ بیعت یزید اور وفات حسن کے درمیان مشترکہ سبب ہے۔

تہمت یہ ہے کہ یزید کی بیعت کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے دیا تھا تاکہ یزید کی

---

[1] تاریخ خلیفه ص (٢١٦) ابن سعد (٤/ ١٨٢) میں بسند صحیح نافع سے ایک روایت وارد ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو ایک لاکھ درہم کا عطیہ بھیجا تھا اور جب معاویہ نے انھیں بیعت یزید کے لیے کہا تو انھوں نے کہا: اس کو دیکھ رہے ہو، وہ کیا چاہتے ہیں؟ تب تو میرا دین میرے نزدیک سستا ہے، اس خبر کو بیہقی نے بھی السنن الکبری (۱۵۹/۸) پر بروایت یعقوب اپنی سند سے عن نافع عن ابن عمر بنحوہ کر کے نقل کیا ہے۔ اس روایت کو لے کر ہم معاویہ کو متہم نہیں کر سکتے کہ انھوں نے بیعت یزید کی موافقت کے لیے ابن عمر کی رائے کا سودا کیا تھا، تاکہ وہ یزید کی مخالفت نہ کریں، اس لیے کہ اکابرین صحابہ کرام کی اولادوں مثلاً ابن عمر، ابن ابوبکر، ابن زبیر، حسین بن علی اور حسن بن علی وغیرہ رضی اللہ عنہم کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ داد ودہش کوئی نئی بات نہیں تھی، بلکہ آپ ان کے لیے ہمیشہ عطایا ونوازشات کے دروازے کھولے رہتے تھے لہٰذا بہت ممکن ہے کہ معاویہ کی طرف سے یہ عطیہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی رہی ہو۔ اور صحابہ وابنائے صحابہ کے تعلق سے آپ کی انتہائی عقیدت وصلہ رحمی کا ایک حصہ رہا ہو، لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بے مثال ورع وتقویٰ کے پیش نظر اسے دوسرے مقصد پر محمول کر لیا ہو، کیوں کہ ابن عمر کے ورع وتقویٰ کا یہ مخصوص انداز آپ کی زندگی میں کئی جگہ نمایاں ہے۔

[2] تاريخ الدولة العربية / فلهاوزون ص (١٣٨)

بیعت میں کوئی رکاوٹ نہ حائل ہو۔ اس تہمت کو بلا نقد و تحقیق ہو بہو تسلیم کر لینے کا ایک برا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ معاصر مورخین میں سے ایک مورخ نے یہ نظریہ پیش کیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا اساسی ہدف قاعدہ اور قیادت کے درمیان رکاوٹ کی دیوار حائل کرنا تھا، تاکہ طرفین میں سے ہر ایک کو الگ الگ زیر کر سکیں، مدینہ میں حسن کا وجود معاویہ کے لیے باعث قلق تھا، کیوں کہ خلافت کے موضوع پر وہی معاویہ کے اولین حریف تھے۔ اسی طرح حسن کا زندہ رہنا بھی معاویہ کی اس منصوبہ بندی سے متصادم تھا جس میں وہ خلافت کو ملوکیت کی شکل میں موروثی طور پر اموی گھرانے میں تحویل کرنا چاہتے تھے۔ [1] دراصل اس تہمت کو مثبت اور یقینی شکل دینے میں حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان طے ہونے والے معاہدۂ صلح کا غیر منطقی نتیجہ زیادہ کارفرما ہے۔ بدقسمتی سے ایسے مورخین نے اسی روایت کو اساس بنا لیا جس میں آیا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے شرط لگائی تھی کہ ان کے بعد خلافت میرے حق میں ہوگی اور جب معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کی بیعت ولی عہدی کے بارے میں سوچنے لگے تو یہی مصالحت ان کے لیے ایک دشوار گزار گھاٹی بن گئی جس سے چھٹکارا پانے کے لیے انھوں نے حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے دیا۔ بہرحال لکھنے والے جو کچھ بھی لکھیں لیکن ہمیں اس واقعہ کے ابعاد و نتائج کی معرفت، اور اس سے صحیح فیصلہ اخذ کرنے کے لیے اب یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ''مصالحت'' کی کیفیت اور اس کی مطلوبہ شرائط کی معرفت حاصل کریں۔

صلح کے اسباب:

حسن بن علی رضی اللہ عنہ اپنے والد کے اس موقف سے متفق نہ تھے کہ وہ مدینہ سے جائیں۔ [2] پھر آپ نے مسلمانوں کی ان باہمی خونریزیوں کو بھی دیکھا تھا جن سے آپ کا دل بے حد زخمی ہو چکا تھا، اور یہ منظر آپ کے سامنے تھا کہ کس طرح اللہ کے دشمنوں کے خلاف علم جہاد بلند کرنے والی ایک مسلم فاتح قوم مختلف جماعتوں میں بٹ کر باہم دست و گریباں ہوگئی اور ایک دوسرے کے خلاف ہمہ وقت مسلح رہتی ہے۔ [3]

---

[1] تاریخ العرب والاسلام / سهيل زكار ص (۱۳۹)

[2] مصنف ابن ابی شيبة (۱۵/ ۹۹-۱۰۰) اثر نمبر (۱۹۲۱۸) بسند حسن۔ السنة/ عبدالله بن احمد بن حنبل (۲/ ۵٦٦ ، ۵۸۹) باسناد صحيح۔ التاريخ الكبير/ البخاری (۱/ ٦٧) الامم و الملوك/ الطبری (٤/ ٤۵٦) المستدرك/ حاكم (۳/ ۱۱۵) تاريخ الاسلام/ الذهبی (٤٨٧)

[3] حسن رضی اللہ عنہ نے معرکہ جمل میں اپنے والد علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: کہ جب جنگ میں شدت آگئی تو میں نے دیکھا کہ میرے والد میری حفاظت چاہتے ہیں، وہ کہہ رہے تھے: اے حسن کاش کہ میں آج سے بیسیوں سال قبل ہی مر گیا ہوتا۔ مصنف ابن ابی شيبة (۱۵/ ۲۸۸) باسناد صحيح ۔ السنة/ احمد بن حنبل (۲/ ۵٦٦) الفتن/ نعيم بن حماد (۱/ ۸۰ (۱۷۷)) المعجم الكبير (۱/ ۷۲(۲۰۳)) بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث/ الهيثمی (۳/ ۹۵۰) کمپیوٹر سے کتابت شدہ P.H.D. کی ایک تھیسس ہے۔ محقق کا بیان ہے کہ اس اثر کے تمام راویان سند ثقہ ہیں، المطالب العالية/ ابن حجر (٤/ ۳۰۲) مصنف نے اسے حارث کی طرف منسوب کیا ہے اور محقق کتاب کے نزدیک اس کی سند حسن ہے۔

آپ کے ذہن میں مسلمانوں کی وہ باہمی خونریزیاں ابھی بالکل تازہ تھیں جس میں ہزاروں مسلمانوں کی لاشیں پت جھڑ کی طرح زمین پر منتشر تھیں، اوراس کا فائدہ راست طور پر اسلام و مسلمانوں کے دشمنوں کو مل رہا تھا، اورآپ نے اپنی دیدہ رسی کے نتیجے میں ان خفیہ ہاتھوں کو یقین کے ساتھ پہچان لیا تھا جو مسلمانوں میں فساد و باہمی اختلاف کی خلیج بڑھانے میں معاون ثابت ہوئے تھے، پھر وہ خفیہ دشمن اپنی کچھ امیدیں اور خواہشات پوری کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے تھے۔ پھر جب علی رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اورآپ سے آپ کے معاونین نے مطالبہ کیا کہ اپنے بعد کسی کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے کسی ایک کا نام متعین کرنے سے انکار کر دیا۔ ❶ اور جب آپ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے تو آپ کے معاونین و مویدین اکٹھا ہوئے اور حسن رضی اللہ عنہ کو ان کے والد کے بعد اپنا خلیفہ بنا لیا۔ چالیس ہزار سے زائد لوگوں نے آپ پر بیعت کیا، جب کہ اہل عراق نے آپ رضی اللہ عنہ سے دو بیعتیں کیں، ایک بیعت تو آپ کی امارت و خلافت پر، اور دوسری بیعت اس بات پر کہ جس بات پر آپ راضی و مطمئن رہیں گے ہم بھی اس پر راضی و مطمئن ہوں گے۔ اورآپ جہاں داخل ہوں گے ہم بھی وہاں داخل ہوں گے۔ ❷

جب آپ رضی اللہ عنہ ان سے بیعت لے کر فارغ ہوگئے تو فرمایا: اپنے اپنے گھروں کو جاؤ، بے شک میں اللہ کی قسم امت محمدیہ کی قیادت و حکومت اتنا بھی پسند نہیں کرتا کہ رائی کے ایک دانہ سے زیادہ پر میری حکومت چلے اوراس کی وجہ سے کسی مسلمان کا سینگی سے نکالنے والے خون کے برابر خون بہے۔ ❸

بیعت کے وقت حسن رضی اللہ عنہ کی یہ شرط سن کر اہل عراق شک میں پڑ گئے اور انھیں یہ احساس ہوا کہ حسن ایسے شخص نہیں ہیں جو قتال کو پسند کریں گے، پھر حسن بن علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو لے کر مدائن چلے گئے۔ ❹ اور قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ❺ کو بارہ ہزار مجاہدین کے لشکر کا امیر بنا کر اپنے آگے روانہ کر دیا، ان فوجیوں کو

---

❶ مصنف ابن ابی شیبة (۱۵/ ۱۱۸) مسند احمد بتحقیق احمد شاکر (۲/ ۵٤۲) اثر نمبر (۱۰۷۸) محقق کے بقول اس کی اسناد صحیح ہے۔ مسند ابویعلی (۱/ ۱۹۸) مجمع الزوائد (۵/ ۹۷) میں ہیثمی نے لکھا ہے کہ اسے ابویعلی نے روایت کیا ہے اوراس کے رجال ثقہ ہیں، اخبار اصفهان/ ابونعیم (۱/ ۱۹۷)

❷ طبقات ابن سعد (۵/ ۲۵۷)، ابن سعد کی سند سے یہ روایت حسن ہے۔ مستدرك حاکم (۳/ ۱۷۳) تاریخ دمشق (٤/ ق ۵۳۵) بروایت یعقوب ، بسند حسن، لیکن روایت مرسل ہے۔ تهذیب الکمال المزی (٦/ ۲٤۵)

❸ طبقات ابن سعد، طبقة خامسه (۲۵۷) باسناد صحیح۔ مصنف ابن ابی شیبة (۱۵/ ۹٤) بسند صحیح۔

❹ گزرے ہوئے دور میں سلاطین کسریٰ کا مسکن ہوا کرتا تھا۔ سعد بن ابی وقاص کے ہاتھوں ۱٦ ھ میں فتح ہوا۔ مدائن اور بغداد کے درمیان چھ فرسخ کا فاصلہ ہے۔ معجم البلدان / یاقوت الحموی (۵/ ۷۵)

❺ قیس بن سعد بن عبادہ خزرجی انصاری صحابی ہیں، تقریباً ٦۰ ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ التقریب (٤۵۷)

شرطة الخميس کہا جاتا تھا۔ ❶

جب کہ دوسری طرف سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاۃ کو روانہ کیا، دونوں میں ہلکی پھلکی جھڑپیں ہوئیں لیکن کسی قتل یا زخم کی واردات نہیں ہوئی، پھر وہ دونوں الگ الگ ہوگئے۔ ❷ ابھی حسن بن علی مدائن میں مقیم ہی تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر سے ایک شخص نے اعلان کیا: سن لو! قیس بن سعد قتل کر دیئے گئے۔'' ❸ یہ اعلان ہونا تھا کہ حسن کے خیمے کو اکھاڑ پھینکا گیا، یہاں تک کہ آپ جس چٹائی پر بیٹھے تھے اسے بھی سورش پسندوں نے چھین لیا، ایک خارجی نے حسن رضی اللہ عنہ پر چھلانگ لگائی اور آپ کے پٹھے میں زوردار خنجر مارا، جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ ایک طویل مدت تک مرض میں مبتلا رہے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ زخم آپ کی جان لے لے گا۔ ❹ آپ رضی اللہ عنہ مدائن کے سفید محل میں مہینوں زیر علاج رہے، یہاں تک کہ شفایابی کے قریب ہوگئے۔

ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ حسن بن علی کے ساتھ اہل کوفہ کی اس سیہ کاری نے اس لمحہ میں خاص طور سے آپ رضی اللہ عنہ پر یہ چھاپ چھوڑا تھا کہ جن افراد پر آپ کا لشکر محیط ہے وہ آپ کی زندگی کے لیے خطرناک ہیں۔ اور صورتحال یقیناً کچھ ایسی ہی تھی، بیشتر فوجی وہ بدو تھے جن کے دلوں میں ایمان اچھی طرح راسخ نہیں ہوا تھا، بلکہ ان کا مقصد لوٹ پاٹ، راہزنی اور قتل و غارت گری تھا، ان کے سامنے اسلامی زندگی کے اعلیٰ مقاصد نہیں تھے اور نہ ہی وہ اساسی عقائد سے صحیح معنوں میں واقف تھے، اسی لیے سبائی گروہ اور خوارج کے خفیفہ سازشی ہاتھوں کو جو کہ حسن رضی اللہ عنہ کی لشکر میں بھرے ہوئے تھے، یہ موقع ہاتھ لگ گیا کہ ہر ممکن طریقہ سے اپنی منصوبہ بندی کے مطابق ان بدو لوگوں کو بھڑکانا ہے، چناں چہ یہ بالکل واضح بات ہے کہ کوئی بھی فوج یا لشکر

---

❶ انساب الاشراف/ بلاذری (٣/ ٦٧) بسند حسن، تاریخ دمشق (٤/ ق٥٣٥) بسند عوانة، تهذيب المال (٦/ ٢٤٤) بسند عوانة، دراصل علی رضی اللہ عنہ نے یہ نام اپنے ساتھیوں کا رکھا تھا مزید برآں انھیں اصفیاء اولیاء اور اصحاب بھی کہا جاتا تھا، شرطة الخمیس کا معنی یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے اس جماعت سے کہا تھا تم سب اپنے کاموں میں پختگی اور مہارت دکھاؤ میں تم سے جنت کی شرط بدتا ہوں، سونے اور چاندی کی شرط نہیں بدتا، گذشتہ نبیوں میں سے ایک نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا تم سب مہارت دکھاتے رہو میں تم سے جنت پر شرط بدوں گا۔ الفہرست (٤٢٩) الخمیس لشکر کو کہتے ہیں کیوں کہ وہ پانچ ٹکڑوں میں تقسیم ہوتی ہے مقدمہ، قلب، میمنہ، میسرہ اور ساقہ۔ لسان العرب (٦/ ٧٠)

❷ تاريخ الامم والملوك (٥/ ١٥٩) اسماعيل بن راشد تك بسند حسن، تاريخ بغداد بروايت مدائنى (١/ ٢٠٨)

❸ المعرفة و التاريخ/ يعقوب (١/ ٧٥٦) بسند حسن، تاريخ ابن عساكر (٤/ ق ٣٣٥) بروايت عوانة بسند حسن۔ تهذيب الكمال/ المزى (٦/ ٢٤٤، ٢٤٥)

❹ المعجم الكبرى/ طبرانى (٣/ ٦١)، مجمع الزوائد (٩/ ١٧٢) میں بقول ہیثمی اس کے رجال ثقہ ہیں۔ المحن، ابويعرب (ص ١٦٤) باسناد حسن لیکن زہری سے مرسل روایت ہے۔ ابن عساكر (٤/ ق٥٣٥) یہ بھی سنداً مرسل اور درجہ حسن تک پہنچتی ہے۔ تهذيب المال (٦/ ٢٤٥)، سير اعلام النبلاء (٣٧٠٣) بروايت طبرانى۔

جس کے ذہن و دماغ میں لوٹ پاٹ، رہزنی اور قتل و غارت گری جیسے برے جذبات کا غلبہ ہو، اور اس کے افراد اپنے قائد و سردار کی اطاعت و تابعداری کے منکر ہوں، تو یہ ناممکن ہے کہ ایسی فوج کے ہاتھوں کوئی فتح یا مدد ملے، بدقسمتی سے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی فوج کا کچھ یہی حال تھا، جب کہ اس کے مقابلہ میں شامیوں پر مشتمل معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج جذبہ اطاعت و تابعداری سے سرشار ان کے ہر حکم پر لبیک کہنے کو تیار تھی، اور اس کے سامنے ایک واضح ہدف تھا جسے اہل عراق سے جنگ آزما ہو کر وہ حاصل کر لینا چاہتے تھے، ان کا بنیادی ہدف ان قاتلین عثمان سے بدلہ لینا تھا جنھوں نے سارے مسلمانوں کی غفلت میں تیسرے خلیفہ راشد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ظلماً قتل کر دیا تھا۔ فلا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ۔

اسی لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما ❶ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ وَلاَ تَقْتُلُواْ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالحَقِّ وَمَن قُتِلَ مَظْلُوماً فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَاناً فَلاَ يُسْرِف فِّيْ الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُوراً ○ ❷ (الاسراء: ۳۳) کے عموم سے استدلال کیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کو مسلمانوں کا حاکم اور خلیفہ ہونا چاہئے تھا، کیوں کہ عثمان کے عم زاد بھائی ہونے کے ناطے وہی دم عثمان کے ولی تھے، وہ صاحب قوت و اقتدار تھے اور عثمان رضی اللہ عنہ کی موت مظلومیت کی موت تھی۔ ❸

بہر حال حسن بن علی رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کے ہاتھوں جس تلخ تجربے سے گزرے تھے وہ اس بات کی ضمانت تھا کہ عنقریب معاویہ اور اہل شام کے خلاف چھڑنے والی جنگ کے بارے میں آپ کے موقف و نظریے میں تبدیلی پیدا کر دے، معاً ہمیں نہیں بھولنا چاہئے کہ عراق کے علاقے میں خوارج کا مضبوط وجود تھا، لہٰذا حسن بن علی رضی اللہ عنہما اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر وہ معاویہ کے خلاف جنگ چھیڑتے ہیں تو ملک پر خوارج کا غلبہ ہو جائے گا، اور اگر خوارج سے ٹکراتے ہیں تو ان پر معاویہ غالب آجائیں گے۔ ❹

جب کہ دوسری جانب جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی فوجی ٹکڑیوں کو دیکھا تو جان گئے کہ

❶ آپ عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف ابن عم رسول ہیں۔ ہجرت نبوی سے تین سال قبل پیدا ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فہم قرآن کے لیے خصوصی دعا فرمائی۔ آپ کو بحر، اور حبر یعنی علم کا سمندر کہا جاتا تھا، کیوں کہ آپ کے علم میں بے پناہ وسعت تھی، وفات ۶۸ ھ میں ہوئی۔ التقریب (۳۰۹)

❷ ترجمہ: ''جس جان کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے اسے ناحق قتل نہ کرو، اور جو مظلومیت کی حالت میں قتل کیا گیا تو ہم نے اس کے ولی کے لیے سلطان (قوت) دیا ہے اسے چاہے کہ وہ قتل کرنے میں اسراف نہ کرے وہ (اللہ کی طرف سے) مدد یافتہ ہے۔''

❸ مصنف عبدالرزاق بسند صحیح (۱۱/ ٤٤۸ (۲۰۹۶۹)) الآحاد والمثانی/ ابن ابی عاصم (۱/ ۳۸۱) تفسیر ابن کثیر (۵/ ۷۰)

❹ احکام القرآن، ابن العربی (٤/ ۱۷۱۹، ۱۷۲۰)

جنگ کی صورت میں یہ ٹکڑیاں اہل شام کے ہاتھوں ہلاک ہو جائیں گی، آپ کہنے لگے: پھر ان کا پرسان حال کون ہوگا؟ ان کی عورتوں اور بچوں کی کفالت و خبر گیری کون کرے گا؟ [1] چناں چہ جب حسن رضی اللہ عنہ اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں زخمی ہوئے تو اہل کوفہ سے آپ کی نفرت بھی بڑھ گئی، اس لیے آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کی پیش قدمی فرمائی۔ [2] اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی بنو عبد شمس کے دو افراد عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ [3] اور عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ [4] کو حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، انھوں نے حسن رضی اللہ عنہ کو صلح کی دعوت دی، پھر جب حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہما [5] سے اس سلسلے میں مشورہ لیا اور انھوں نے آپ کے موقف کی تائید کیا۔ [6] تو حسن رضی اللہ عنہ نے صلح پر اتفاق ظاہر کیا، اور سفید محل [7] سے لوگوں میں ایک انتہائی اہم اور موثر خطبہ دیا، آپ نے فرمایا: اے عراق کے لوگو! تمھاری طرف سے دل بیزاری کے لیے اگر زیادہ نہیں صرف تین ہی چیزیں لے لوں تو کافی ہیں، میرے باپ کو قتل کرنے کی تمھاری مجرمانہ حرکت، مجھے نیزہ مارنا، اور میرا مال و متاع چھین لینا۔ ذرا ہمارے بارے میں اللہ سے خوف کھاؤ، ہم تمھارے حکمراں اور مہمان ہیں، اور اس اہل بیت سے رشتہ ہے جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴾

(الاحزاب: ۳۳)

''بے شک اللہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیت سے ناپاکی کو دور کردے اور تمھیں مکمل طریقے سے پاک صاف کردے۔''

تم لوگوں نے مجھ سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ جس سے میں مصالحت کروں گا تم بھی کرو گے، اور جس

---

[1] الجامع الصحیح مع الفتح، البخاری (۵/ ۳۶۱، ۷/ ۹۴) الاباطیل و المناکیر والصحاح و المشاهیر/ جوزقانی (۲/ ۲۰۹) المستدرك/ الحاکم (۳/ ۱۷٤)

[2] طبقات ابن سعد، طبقه خامسه (۲٦۹) محقق کے نزدیک اس کی سند صحیح ہے۔ المحن/ ابوالعرب (۱٦٤)

[3] آپ عبداللہ بن عامر بن کریز القرشی الاموی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، صحابی رسول ہیں۔ مسلمانوں کے بڑے بہادر اور سخی قائدین میں سے رہے۔ ۵۹ھ میں وفات ہوئی۔ سیر اعلام النبلاء (۳/ ۲۱)

[4] عبدالرحمن بن سمره بن حبیب بن عبد شمس الاموی صحابی رسول ہیں، فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ فاتح سجستان رہے پھر بصرہ میں سکونت اختیار کر لی، ۵۰ھ میں وفات ہوئی۔ التقریب (۲٤۲)

[5] آپ عبداللہ بن جعفر بن ابو طالب الہاشمی چند نامور فیاضوں میں سے ایک ہیں، حبشہ کی سرزمین میں ولادت ہوئی، شرف صحبت سے مالا مال رہے۔ ۸۰ سال کی عمر میں ۸۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ التقریب (۲۹۸)

[6] طبقات ابن سعد طبقه خامسه (۲٦۹) باسناد صحیح۔

[7] حیرہ کے محلوں میں سے ایک محل تھا۔ معجم البلدان (٤/ ۳٥٤)

سے جنگ لڑوں گا تم بھی لڑو گے، اب میں نے معاویہ پر بیعت کر لی ہے، لہٰذا ان کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ آپ مسلسل اپنی بات کہے جا رہے تھے یہاں تک کہ پوری مسجد میں سارے لوگ روتے نظر آئے۔ ❶

پھر نخیلہ ❷ میں معاویہ و حسن رضی اللہ عنہما دونوں کی ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی، اور آپ نے ان پر بیعت کیا، معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ سے لوگوں میں خطبہ دینے کی گزارش کیا، جس پر آپ کھڑے ہوئے، اللہ کی حمد و ثنا بیان کیا اور فرمایا: سب سے بڑی چالاکی و ہوشیاری تقویٰ شعاری ہے، اور سب سے بڑی حماقت فسق و فجور ہے، اور یہ معاملہ جس میں میرا اور معاویہ کا اختلاف رہا یا تو میرے لیے برحق تھا لیکن میں اس امت کی صلاح و فلاح اور اسے خونریزی سے بچانے کے پیش نظر معاویہ کے حق میں اس سے دست بردار ہو گیا، اور یا اس شخص کے لیے برحق تھا جو یقیناً مجھ سے زیادہ اس کا مستحق تھا تو میں نے اسی کے حق میں تنازل اختیار کر لیا:

﴿ وَإِنْ أَدْرِيْ لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَى حِيْنٍ ﴾ (الانبیاء: ۱۱۱) ❸

''اور میں نہیں جانتا کہ ممکن ہے وہ تمھارے لیے آزمائش ہو یا ایک متعینہ وقت کے لیے سامان راحت۔''

واضح رہے کہ معاویہ و حسن رضی اللہ عنہما کی یہ مصالحت ماہ ربیع الاول ۴۱ھ میں ہوئی، اور اسی ماہ و سال میں معاویہ رضی اللہ عنہ کوفہ میں داخل ہوئے۔ ❹

---

❶ طبقات ابن سعد، طبقہ خامسہ (۲۵۸) بقول محقق اس کی سند صحیح ہے، نیز ص (۲۶۳) پر بھی اسی سند سے وارد ہے۔ المعرفة والتاریخ (۲/ ۷۵۳) ھلال بن جناب العبدی تك بسند حسن، الطبرانی (۳/ ۹۳) ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۷۲/۹) میں لکھا ہے کہ اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ الطبرانی (۱۵۹/۵)، اسماعیل بن راشد تک کی سند درجہ ''لا باس بہ'' تک پہنچتی ہے۔ تاریخ بغداد/ الخطیب (۱/ ۱۳۹) بروایت یعقوب، تاریخ دمشق (٤/ ق۳۳۵) بروایت یعقوب، تهذیب الکمال (٦/ ٢٤٤، ٢٤٥) بسند عوانه۔ المصباح المضئی، ابن الجوزی (۱/ ۳٦۹) سیر اعلام النبلاء (۳/ ۲۷۰) الإصابة، ابن حجر (۲/ ۷۳) بروایت یعقوب۔

❷ شام کی جانب کوفہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ معجم البلدان (٥/ ۲۷۸)

❸ مصنف عبدالرزاق (۱۱/ ٤٥۲ (۲۰۹۸)) بسند صحیح۔ طبقات ابن سعد، طبقہ خامسہ (۲٦۷) بسند حسن، فضائل الصحابة (۲/ ۷٦۹ (۱۳۵۵)) بقول محقق: اس کی سند صحیح ہے۔ المعجم الکبری/ الطبرانی (۳/ ۷۸) بروایت عبدالرزاق، هیثمی نے مجمع الزوائد (٤/ ۲۰۸) میں کہا ہے کہ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ نیز طبرانی ہی میں (۲٦/۳) پر یہ روایت وارد ہے لیکن اس کے بارے میں ہیثمی (۲۰۸/۴) پر لکھتے ہیں، اس میں مجالد بن سعید راوی ہے جس پر کلام ہے اور توثیق بھی کی گئی ہے، لیکن بقیہ رجال صحیح کے ہیں۔ السنن الکبری/ بیهقی (۸/ ۱۷۳) بروایت مجالدبن سعید۔

❹ تهذیب الکمال/ المزی (٦/ ٢٤٤) ابن عبدالبر کہتے ہیں: عام الجماعة کی یہ صحیح تاریخ ہے یعنی ۴۱ھ، اور اس فن کے بیشتر ماہرین اسی کے قائل ہیں، اور جن لوگوں نے ۴۰ھ کو عام الجماعۃ قرار دیا ہے وہ ان کا وہم ہے، انھوں نے کسی ٹھوس دلیل کی بنا پر ایسی بات نہیں کہی۔ الاستیعاب (۱/ ۲۷۸)

تفصیلِ واقعہ سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ کس طرح یہ مصالحت مرحلہ تکمیل کو پہنچی، لیکن حیف صد حیف کہ بیشتر اہل کوفہ کو یہ مصالحت پسند نہ آئی، اور اس وقت بعض کوفی جب حسن رضی اللہ عنہ سے سلام کرتے تو کہتے: "السلام علیك یا مذل المؤمنین" اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے السلام علیکم۔ جواب میں حسن رضی اللہ عنہ عرض کرتے میں نے مومنوں کو ذلیل نہیں کیا، ہاں حکومت و بادشاہت کی خاطر انہیں قتل کرنا ناپسند کیا ہے۔ [1]

جوزقانی لکھتے ہیں:

"خلافت معاویہ پر اعتماد کرنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا ذاتی کارنامہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی اولاد تھے، آپ کے والد محترم علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی ان کی وفات کے بعد آپ کی خلافت تسلیم کرنے پر متفق تھے لیکن جب آپ رضی اللہ عنہ نے انجام کار کا جائزہ لیا، اور عنقریب پیش ہونے والے نتیجے پر غور کیا تو خود کو اس منصب سے پیچھے ہٹا لیا، اور امت مسلمہ کی خلافت معاویہ کو سونپ کر خود اس سے دست بردار ہو گئے، ان کے ہاتھوں پر بیعت کر لیا، اس طرح بلا کسی تاویل و چوں چرا کے یہ بیعت اجماع صحیح کے پیمانے پر پوری اتری، اور حسن رضی اللہ عنہ کا یہ بے نظیر کارنامہ مسلمانوں کے لیے نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت و ثبوت کی دلیل بن گیا، کیوں کہ آپ نے مستقبل میں جس چیز کی پیشین گوئی فرمائی تھی وہ ہو کر رہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی یہ تھی:

((ان ابنی هذا سید و عسی الله ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین .)) [2]

"بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے، اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کرائے گا۔"

لہٰذا ہم بھی اس حدیث کو نبوت محمدی کی صحت کے لیے دلیل مانتے ہیں کیوں کہ آپ نے جو پیشین گوئی فرمائی وہ ہو بہو پیش آئی، نیز ہمارا استدلال یہ بھی ہے کہ دونوں متحارب گروہ مسلمان تھے، ان دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے سے کسی فضل خاص یا خامی و نقص کی بنا پر ممتاز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ [3]

---

[1] مصنف ابن ابی شیبة (١٥/ ٦٤) المعرفة والتاریخ/ یعقوب (٣/ ٣١٧) بسند حسن۔ المستدرك حاکم (٣/ ١٧٥)، الاستیعاب/ ابن عبدالبر (١/ ٣٨٦، ٣٨٧)، الخطیب (١٠/ ٣٠٥)، السیر/ الذهبی (٣/ ٢٧٢)

[2] صحیح البخاری مع الفتح (٥/ ٣٦١، ٧/ ٩٤)

[3] الاباطیل و المناکیر/ الجوزقانی (١/ ٢٠٨)

صلح کی شرطیں:

بہت ساری روایتوں میں آیا ہے کہ معاویہ نے حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ شرط مان لی کہ میرے بعد خلافت انھیں کی ہوگی۔ ❶ پھر دوسری سندوں سے یہ بھی وارد ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ نے یہ شرط نہیں لگائی بلکہ دوسری مخصوص شرطیں لگائی تھیں۔ ❷ چناں چہ پہلی قسم کی روایتوں کے پیش نظر جس میں حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے خلافت کی شرط لگانے کا تذکرہ ہے، ابن عبدالبر نے ایک عام بات کہہ دی وہ یہ کہ اس مسئلہ میں علمائے اسلام میں سے کسی کا اختلاف نہیں کہ حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی ہی میں صرف معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت اس شرط پر سونپ دی تھی کہ ان کے بعد یہی خلیفہ ہوں گے۔ اور دونوں کا جو بھی اتحاد ہوا وہ اسی نقطہ پر ہوا تھا۔ ❸ لیکن سابقہ روایات کے اجمالی اشارات ونظریات کو جب ہم کھنگالتے ہیں تو دونوں طرح کی روایات یعنی جن میں شرط خلافت کا تذکرہ کیا، اور جو اس سلسلہ میں بالکل خاموش ہیں، میں کافی فرق اور واضح اختلاف نظر آتا ہے، اور اس اختلاف کو ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالے سے آئی ہوئی روایت کی روشنی میں ہم کافی حد تک حل کر سکتے ہیں۔
چناں چہ یعقوب بن سفیان الفسوی نے زہری تک بسند صحیح یہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے خط وکتابت کیا اور اپنے لیے شرط لگائی، یہ خط معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس حال میں ملا جب کہ آپ حسن رضی اللہ عنہ کے نام صلح جوئی کی دعوت بھیج چکے تھے، قاصد کے ساتھ ایک سفید کاغذ تھا جس کے نیچے سرکاری مہر ثبت تھی، اس میں لکھا تھا کہ تمھیں جو شرط لگانی ہو لگا دو وہ تسلیم کی جائے گی، چناں چہ حسن رضی اللہ عنہ شروع میں جن جن چیزوں کا مطالبہ کر رہے تھے اس کے کئی گنا شرطیں لگا دیں۔ پھر جب دونوں کی ملاقات ہوئی اور حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ پر بیعت کر لیا تو آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان مطالبات کا تقاضا کیا جن کی رجسٹر میں شرط لگائی گئی تھی، اور اس کے نیچے معاویہ رضی اللہ عنہ کی دستخط تھی، تب معاویہ رضی اللہ عنہ نے بعد کی شرطوں کو چھوڑ کر حسن رضی اللہ عنہ کے اولین مطالبہ کو پورا کرنے کا اقرار کیا، اور دلیل یہ دیا کہ میں آپ کے اولین مطالبے کو پہلی فرصت میں مان

---

❶ طبقات ابن سعد، طبقه خامسه (٢٦٩) بقول محقق اس کی سند صحیح ہے، لیکن میرے نزدیک صحت مسلم نہیں ہے، کیوں کہ عمرو بن دینار کی ملاقات حسن سے ثابت نہیں ہے۔ تاریخ دمشق (٤/ ق ٥٣٤) بروایت ابن ابی خیثمه، عبدالله بن شوذب متوفی ١٥٧ھ تك بسند حسن۔ الاستیعاب/ ابن عبدالبر (١/ ٣٨٦) عبدالله بن شوذب تك باسناد حسن۔ تهذیب الکمال (٦/ ٢٤٧، ٢٤٨) بروایت ابن سعد، الاصابة/ ابن حجر (٢/ ٧٢، ٧٣) فتح الباری (١٣/ ٧٠) بروایت حسن بن قدامة ان کی کتاب "الخوارج میں، ابوبصره تك بسند قوی۔ یه ابوبصره: حمیل بن بصرة بن وقاص، ابوبصرة الغفاری صحابی ہیں، بصرہ میں سکونت اختیار کیا، اور وہاں وفات ہوئی۔ التقریب ص (١٨٣)

❷ طبقات ابن سعد، طبقه خامسه (٢٦١، ٢٦٢) مجموعی اعتبار سے اس کی کچھ سندوں میں انقطاع تو کچھ میں ضعف ہے۔ الطبری (٥/ ١٦١) عوانه بن حکم تك باسناد حسن۔ تهذیب الکمال (٦/ ٢٤٥، ٢٤٦) بروایت ابن سعد، التبیین فی انساب القرشیین ابن قدامه ص (١٠٥)

❸ الاستیعاب (١/ ٣٥٧)

چکا تھا، جب کہ میرا خط جس پر آپ کے دوسرے مطالبات درج ہیں وہ پہلے کا بھیجا ہوا ہے، بالآخر اس معاملہ کو لے کر دونوں میں اختلاف ہو گیا، اور حسن رضی اللہ عنہ کے لیے دونوں شرطوں میں سے کسی شرط کا نفاذ نہیں ہوا۔ [1]

پس اس روایت سے واضح ہو جاتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت حسن رضی اللہ عنہ کا مسئلہ ان شروط و مطالبات کے ضمن میں نہیں تھا، لیکن غالبًا ایسا پروپیگنڈہ اس لیے کیا گیا تاکہ حسن رضی اللہ عنہ کے معتقدین غصہ سے نہ بھریں، اور آپ کے چاہنے والے ردعمل کے طور پر کوئی جارحانہ اقدام نہ کر بیٹھیں۔

بہرآئینہ اگر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد حسن رضی اللہ عنہ کے طلب خلافت والی روایت کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ حسن رضی اللہ عنہ کا یہ مطالبہ آپ کی غیرت وخودداری، اور کرم وشجاعت کے خلاف ہے۔ آپ کی ذات گرامی سے یہ بعید تر بات ہے کہ ایک بار مسلمانوں کو خونریزی سے بچانے کے لیے اور رضائے الٰہی کی خاطر خلافت سے دست بردار ہو جائیں، اور دوبارہ اس بات کی موافقت دے دیں کہ وہ تابع رہ کر متاع دنیا اکٹھا کریں اور خلافت کے لیے اپنی گردن اونچی کریں، حاشا وکلا!! ایسی بات نہیں ہے۔ گذشتہ سطروں میں میں نے علوی معاونین کے جس پروپیگنڈے کا قوی شبہ ظاہر کیا تھا وہ فقط اندیشے پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس کی دلیل جبیر [2] بن نضیر کا بیان ہے کہ میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کہا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ خلافت کے خواستگار ہیں تو آپ نے جواب دیا: عرب کی کھوپڑیاں میرے ہاتھوں میں تھیں، جس سے مصالحت کرتا وہ سب کرتے، اور جس سے جنگ لڑتا وہ سب لڑتے، لیکن میں نے اللہ کی رضا کی خاطر اسے چھوڑ دیا، کیا میں پھر اسے اہل حجاز کے مردان کامل سے دوبارہ چھینوں گا؟'' [3]

---

[1] فتح الباری (۱۳/ ۷۰) تاریخ دمشق (٤/ ق ٥٣٩) الطبری (٥/ ١٦٢-١٦٣) اسی سے قریب ترین روایت بلاذری نے نقل کیا ہے۔ انساب الاشراف (٣/ ٦٨) باسناد حسن

[2] آپ جبیر بن نضیر بن مالک الحضرمی الحمصی ہیں، ثقہ معززین میں سے ہیں۔ دوسرے طبقہ کے تابعی ہیں، مخضرم ہیں۔ ان کے باپ کو شرف صحبت نبی ملی تھی۔ ۸۰ھ میں وفات ہوئی۔ التقریب (١٣٨)

[3] طبقات ابن سعد، طبقه خامسه (١٥٨) بسند حسن، انساب الاشراف (٣/ ٤٩) الذرية الظاهرة/ الدولابی ص (٧١) محقق کتاب کہتے ہیں: اگر یزید کا سماع جبیر سے ثابت ہو جائے تو اس کی سند ''جید'' کے درجہ میں ہے۔ حلیه الاولیاء/ ابونعیم (٢/ ٣٧) باسناد حسن۔ المستدرك / الحاكم (٣/ ١٧٠) حاکم کے بقول: یہ سند شیخین کے شرط پر ہے اگرچہ ان دونوں نے اس کی تخریج نہیں ہے۔ ابن عساکر (٤/ ق ٥٤٣)، ابن کثیر (٨/ ٤٣) سیر اعلام النبلاء (٣/ ٢٧٤) دولابی اور ابن عساکر کی روایت میں سند میں سقوط ہے۔ یعنی عبدالرحمٰن بن جبیر بن نضیر کا نام نہیں ہے۔ ابن ابی حاتم نے العلل (٢/ ٣٥٢) میں لکھا ہے کہ یہ حدیث غلط ہے۔ ناقل واقعہ درحقیقت عبدالرحمٰن بن نمیر ہیں جو اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ بلکہ بعض شیعہ مصنفین نے معاویہ کے بعد حسن کی خلافت کے متعلق سے کچھ بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ (جلاء العیون ١/ ٣٩٣ ط: طهران ١٢٩٨) نیز دیکھئے: الفصول المهمة فی معرفة احوال الائمة ص (١١٣) منتهی الآمال، عباس القمی ص (٣١٤) بحواله الشیعه والتشیع علامه احسان الٰهی ظهیر ص (٣٣)

پس اس روایت میں اس بات کی دلیل ہے کہ جن روایتوں میں طلب خلافت کا ذکر ملتا ہے صحت وثبوت سے اس کا دور کا بھی رشتہ نہیں، میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ ایک پروپیگنڈہ تھا جسے سارے لوگوں میں عموماً اور معتقدین حسن میں خصوصاً خوب پھیلایا گیا تھا۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بیعت یزید کے وقت صحابہ یا ابنائے صحابہ میں سے کسی نے اس تعلق سے زبان نہیں کھولی، پس اگر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت طے ہوتی - جیسا کہ روایتوں میں ملتا ہے- تو حسین بن علی رضی اللہ عنہ اسے ضرور حجت بناتے اور کہتے کہ میں خلافت کا زیادہ مستحق ہوں، لیکن ہمیں کہیں سے کسی سے بھی اس سلسلے میں ایک لفظ سننے کو نہیں ملتا، جس سے یہ بات یقینی ہو جاتی ہے کہ معاویہ سے حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت طلبی سوائے ایک پروپیگنڈے کے کچھ نہیں جسے اس وقت مخصوص حالات وظروف کے پیش نظر اچھالا گیا تھا، اور یہ بہت ممکن ہے کہ یہ پروپیگنڈے آخری حالات وظروف میں اچھالے گئے ہوں جس کا مقصد بیعت یزید میں رکاوٹ پیدا کرنا اور معاویہ کو یزید کی ولی عہدی کے بارے میں شوریٰ کی بغاوت سے متہم کرنا رہا ہو، کیوں کہ حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان صلح مصالحت کی مدت کے بعد یہ معاملہ منظر عام پر آیا۔ [1]

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی زہر خورانی:

بیشتر لوگوں کی رائے میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات ۴۹ھ میں ہوئی۔ [2] اور ایک قول یہ ہے کہ ۵۰ھ میں ہوئی۔ [3] غالباً اس اختلاف کا سبب عام الجماعۃ کے تعین کا اختلاف ہے جسے بعض لوگ ۴۱ھ میں مانتے ہیں، جب کہ بعض لوگ ۴۰ھ میں کہتے ہیں، بہر حال صحیح جو بھی ہو، اصل موضوع بحث یہ ہے کہ حسن بن علی کی وفات کیسے ہوئی؟

چناں چہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی موت زہر خورانی سے ہوئی، اس کی تفصیل یوں ہے کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ حسن رضی اللہ عنہ کے پاس زیارت کے لیے گئے تو حسن نے کہا: اے میرے بھائی! مجھے تین مرتبہ زہر پلایا گیا، لیکن اس مرتبہ جیسا کبھی نہیں تھا، لگتا ہے کہ میرا کلیجہ باہر آجائے گا، تو

---

[1] وصول بنی امیة لنصب الخلافة، محمد ضیف الله بطاینة، ص (۸۱) ۱۴۰۹ھ کے مجلة الجامعة الاسلامیة کے عدد نمبر ۸۳-۸۴ میں بھی یہ نشر ہوا ہے۔

[2] تاریخ خلیفه (۲۰۹) انساب الاشراف (۳/ ۶۴) الذریة الطاهرة/ الدولابی ص (۷۲) طبقات المحدثین باصبهان ابو الشیخ الاصبهانی (۱/ ۱۹۲) تاریخ بغداد (۱/ ۱۴۰) الاستیعاب (۱/ ۳۸۹) تاریخ دمشق (۴/ ق ۴۵۴) تهذیب الکمال (۶/ ۲۵۶، ۲۵۷) سیر اعلام النبلاء/ الذهبی (۳/ ۱۸۶)

[3] تاریخ بغداد (۱/ ۱۳۸) الاستیعاب (۱/ ۳۸۹) الابناء بابناء و تواریخ الخلفاء (ق ۶۱، پ) العقد الثمین الفاسی (۴/ ۱۵۸) فتح الباری (۷/ ۱۲۰)

حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: اے میرے بھائی! تمھیں کس نے زہر دیا، اس پر آپ نے جواب دیا: تمھیں اس سلسلے میں پوچھنے کی کیا ضرورت؟ کیا تم انھیں قتل کرنا چاہتے ہو؟ میں انھیں اللہ کے حوالے کرتا ہوں، تمھیں اس تعلق سے کچھ نہیں بتاؤں گا، اگر وہ میرا وہی ساتھی ہے جس کا مجھے گمان ہے تو اللہ کی گرفت سخت ہے، ورنہ اللہ کی قسم میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی بے گناہ میری وجہ سے قتل کیا جائے۔ [1] پھر آپ نے اپنی موت کے وقت کہا: اے اللہ! میں اپنی جان گنوانے کا تجھ سے اجر چاہتا ہوں کیوں کہ یہ جان میرے نزدیک بڑی قیمتی تھی۔ [2] واضح رہے کہ اس معاملہ میں تہمت کی انگلیاں حسن رضی اللہ عنہ کی بیوی یعنی امیرِ کندہ اشعث بن قیس کی بیٹی جعدہ کی طرف اٹھائی گئی ہیں چناں چہ ام موسیٰ [3] علی رضی اللہ عنہ کی باندی جعدہ کو اس بات سے متہم کرتی ہے کہ اسی نے حسن کو زہر دیا تھا۔ [4]

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حسن کو زہر دینے کا اصل محرک کیا تھا؟ بعض ناقلین واقعہ اور مورخین نے بلا لیت ولعل بیعت یزید اور وفات حسن رضی اللہ عنہما کے درمیان ربط پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اسے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وفات کو بھی اس بیعت سے مربوط کیا ہے۔ [5]

---

[1] طبقات ابن سعد، طبقه خامسه (٢٧٣، ٢٧٤) عمیر بن اسحاق کی وجہ سے بسند ضعیف۔ مصنف ابن ابی شیبۃ، بروایت عمیر بن اسحاق (١٥/ ٩٤) اسماء المغتالین/ ابوجعفر محمد بن صهیب، نوادر المخطوطات کے ضمن میں موجود (٢/ ١٦٢، ١٦٥) المحن/ ابوالعرب ص (١٦٤) حلیة الاولیاء (٢/ ٣٨) آخر الذکر تینوں حوالے ایک ہی سند سے وارد ہیں۔ الاستیعاب (۱/۳۸۹) قتادہ اور واقعہ کے درمیان انقطاع کے سبب بسند ضعیف۔ ابن عساکر بروایت عمیر بن اسحاق (٤/ ٥٤٤) صفوة الصفوة/ ابن الجوزی (١/ ٣٢٨، ٣٢٦)، المنتظم (٥/ ٢٢٥) عقد الجمان/ العینی (ق ٢٥٩/ ب)

[2] حلیة الاولیاء (٢/ ٣٨) رقبة بن مصقلة تك بسند حسن، الثبات عند الممات/ ابن الجوزی ص (١٠٣) بروایت ابن ابی الدنیا، رقبه بن مصقله تك بسند حسن۔

[3] ام موسیٰ کا نام فاختہ تھا، اور کہا گیا ہے کہ حبیبہ تھا، مقبول رواویہ ہیں درجہ ثالثہ کی ہیں۔ التقریب (٧٥٩)

[4] طبقات ابن سعد، طبقه خامسه (٢٧٥) ام موسیٰ کی وجہ سے بسند ضعیف، المحن/ ابوالعرب (١٦٥) المستدرك حاكم (٣/ ١٧٦) تمام تر سندیں زہر بن علاء کے طریق سے مروی ہیں اور وہ متروک راوی ہے، لہٰذا سند بے حد ضعیف ہے۔ ابن عساکر (۴/ق ۴۴۵) ام موسیٰ کی سند سے ضعیف ہے۔ تهذیب الکمال (٦/ ٢٥٢، ٢٥٣) اسی سند سے۔ البدایة والنهایة (٨/ ٤٤) بروایت ابن سعد۔

[5] عسکری نے ذکر کیا ہے کہ معاویہ نے عمرو بن حریث، اشعث بن قیس، حجار بن ابجر، شبث بن ربعی کو زہر دیا، اور حسن کے پاس ایک آدمی یہ کہہ کر بھیجا کہ اگر تم حسن کو مار ڈالو تو انعام میں تم کو میری طرف سے ایک لاکھ درہم، شام کے فوجیوں کا دستہ، اور میری ایک لڑکی تمھارے عقد میں۔ جب حسن رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ملی تو آپ چوکنے ہو گئے اور کپڑے کے اندر سے زرہ پہننے لگے۔ پھر محتاط رہتے ہوئے اسی اوزار میں لوگوں کو نماز پڑھاتے۔ ایک دن ایک شخص نے حالات نماز میں آپ پر تیر چلائی لیکن زرہ کی وجہ سے وہ اثر انداز نہیں ہو سکی (البحار ١/ ١٧، بحواله علل الشرائع) جب کہ ابن رستم ایک دوسری روایت میں کہتا ہے: کہ معاویہ نے ستر مرتبہ حسن کو زہر دیا لیکن زہر کارگر ثابت نہ ہوئی، تب جعدہ بنت محمد بن اشعث بن قیس کے پاس قاصد بھیجا کہ اسے بیس ہزار دینار، اور اموال سواد اور سواد کوفہ کے دسواں حصہ دیا جائے گا اور ضمانت دیا کہ یزید یا اس کے بیٹے کی اس سے شادی کر دیں گے تو اس نے حسن کو زہر دیا۔ دلائل الامامۃ، ابن رستم طبری ص (٦١) اس طرح یہ لوگ صحابہ کرام پر افتراء پردازی کرتے ہوئے ان کی تکفیر تک کرنے لگتے ہیں۔ نعوذ بالله من الضلال۔

لیکن جب ہم ان لوگوں کی سندوں کو کھنگالتے ہیں جنھوں نے معاویہ اور یزید کو حسن کی زہرخورانی سے جوڑا ہے تو سند ومتن ہر دو اعتبار سے اس کا ضعف بالکل واضح نظر آتا ہے اور ان تہمتوں کے ضعف، بودے پن اور غیر معقولیت کی جو دلیل بنتی ہے وہ یہ کہ معاویہ اور یزید کا جعدہ بنت قیس سے یوں تعلق پیدا کیا گیا ہے کہ یزید بن معاویہ نے جعدہ بنت قیس کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ اگر تم حسن کو زہر دے دو تو میں تم سے شادی کرلوں گا، چناں چہ جعدہ نے ایسا ہی کیا اور جب حسن مرگئے تو جعدہ نے یزید سے اس کا وعدہ پورا کرنے کو کہا، تب یزید نے کہا: باخدا کہتا ہوں ہم نے تو تجھے اس (حسن) کے لیے پسند نہیں کیا تو بھلا تجھے اپنے لیے کیوں کر پسند کروں گا۔ [1] یہ ہے وہ روایت جس پر حسن بن علی کی زہرخورانی کے واقعہ کی عمارت کھڑی ہے تو آیئے دیکھیں کہ متن ایک تنقید رسا نگاہ اس متن کے کن حقائق سے پردہ اٹھاتی ہے:

ا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ معاویہ یا ان کے لڑکے یزید اتنی سادگی سے حسن کی بیوی کو اتنا خطرناک کام انجام دینے کا حکم دے دیں گے جس میں حسن بن علی کی زندگی اچانک سکنڈوں میں ختم ہو جائے، ذرا سوچئے کہ کیا معاویہ یا ان کے بیٹے یزید کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی ہوگی کہ اگر جعدہ نے دونوں کا راز فاش کردیا تو ہمارا کیا حشر ہوگا اور مسلمانوں کو ہم کیا جواب دیں گے۔ [2]

[1] تھذیب الکمال (٦/ ٥٣) اس کی سند میں ابن جعدبہ (یزید بن عفاض) ایک راوی ہے جس کی امام مالک وغیرہ نے تکذیب کی ہے۔تقریب التہذیب ص (٦٠٤) اس سے قریب ترین روایت مقاتل الطالبین ص (٧٣) پر اسی کی سند سے بروایت احمد بن عبداللہ بن عمار وارد ہے جو کہ شیعہ سرداروں میں سے ہے۔میزان الاعتدال (١/١١٨) اس کی سندوں میں عیسیٰ بن مہران رافضی ہے جو پہاڑ جیسا جھوٹا ہے، خطیب اس کے بارے میں فرماتے ہیں: روافض شیاطین میں سے ہے۔ مجھے اس کی ایک کتاب ملی جس میں اس نے صحابہ کی تکفیر کی ہے۔ لسان المیزان (٤/٤٠٦)، نہج البلاغۃ (١٨/٤٠) بروایت ابوالفرج اصبہانی، بلاذری نے انساب الاشراف (٣/٥٩) ط محمودی میں ہیثم بن عدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جسے ایک لاکھ درہم دیئے تھے، حسن کی بیوی ہند بن سہیل بن عمرو تھی لیکن واضح رہے کہ ہیثم بن عدی کذاب ہے۔ محمودی نے جو کہ شیعہ رافضی ہے اس پر تبصرہ کیا ہے کہ اس روایت میں اور جس میں آیا ہے کہ معاویہ نے اشعث کی لڑکی کو نام بتانے پر زہر دے دیا تھا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیوں کہ دونوں اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ معاویہ نے دونوں کو زہر دیا ص (٥٩) ہیثمی نے الصواعق المحرقہ ص (٢١٦) پر اس روایت کو ذکر کیا ہے اور ان کے خیال میں یہی بات صحیح ہے۔

[2] مسند احمد (٢٨/ ٤٢٦ (١٧١٩)) ط: الرسالۃ میں خالد بن معدان سے روایت ہے کہ مقدام بن معدیکرب معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، تو آپ نے مقدام سے پوچھا: کیا تمھیں خبر ہے کہ حسن مرگئے ہیں، اس بات پر مقدام نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم اسے مصیبت سمجھتے ہو؟ مقدام نے کہا: میں اسے کیوں نہ مصیبت سمجھوں، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سینے سے لگایا اور فرمایا: ''ہذا منی وحسین بن علی'' یہ اور حسین بن علی مجھ سے ہیں۔ نیز اس روایت کو امام بخاری نے التاریخ الصغیر (١/١١١) میں، اور ابوداؤد نے السنن (٤/٢٧٣ (١٤٣١)) میں طبرانی نے المعجم الکبیر (٢/٢٦٩ (٢٦٣٦)) میں نقل کیا ہے لیکن سب کی سب ضعیف ہیں کیوں کہ سب کی سند میں بقیہ بن ولید راوی ہے جو مدلس ہے۔ اور تدلیس تسویہ کرتا ہے یعنی دو مقبول راویوں کے درمیان سے ضعیف راوی کو حذف کردیتا ہے۔ اور اس روایت کو عنعنہ سے تعبیر کرتا ہے۔ التقریب (١٢٦)

۲۔ کیا جعدہ بنت اشعث بن قیس شرف و منصب یا مال کی اتنی بھوکی تھی کہ فوراً وہ یزید کی خواہش پوری کردیتی، اور پھر اس کی بیوی بن جاتی؟؟ کیا جعدہ پورے قبیلۂ کندہ کے امیر یعنی اشعث بن قیس کی صاحبزادی نہیں تھی؟ پھر حسن بن علی جو بلا مقابلہ لوگوں میں سب سے زیادہ شرف وعظمت کے حامل تھے وہ اس کے شوہر نہیں تھے؟ حسن سے زیادہ شرف وفضیلت کسے حاصل تھی ان کی ماں فاطمہ بنت رسول اور نانا خود رسول اللہ ﷺ تھے، بس یہی ان کے فخر و برتری کے لیے کافی تھا۔ جب کہ ان کے والد علی بن ابی طالب چوتھے خلیفہ راشد اور جنت کے بشارت یافتہ دس لوگوں میں سے ایک تھے۔ لہٰذا سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ جعدہ کس چیز کے لیے کوشاں تھی اور اس خطرناک عمل کو انجام دے کر وہ کیا حاصل کرنا چاہتی تھی؟

۳۔ ایسی بھی روایتیں وارد ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن نے کہا: میں دوبار زہر پلایا گیا۔[1] اور ایک روایت میں ہے کہ تین بار اور ایک روایت میں ہے کہ کئی بار پلایا گیا، غور طلب پہلو یہ ہے کہ اگر اس سازش کے رچنے والے معاویہ یا یزید ہوتے تو کیا حسن کے لیے اس زہر سے بچ پانا ممکن ہوگا؟ مانا کہ اللہ کی قدرت وعنایت ہر چیز پر غالب ہے، لیکن معاویہ اتنا تو کر ہی سکتے تھے کہ پہلی مرتبہ ایک ہی بار میں زبردست زہر دے دیتے، حسن کے ساتھ بار بار یکے بعد دیگرے ایسی رواداری کرنے کی ضرورت کیا تھی؟

۴۔ پھر یہ کہ اگر معاویہ رضی اللہ عنہ بیعت یزید کو بلا مقابلہ نافذ کرنے کے لیے مخالفین سے میدان خالی کرنا چاہتے یقینی بات ہے کہ صرف حسن رضی اللہ عنہ کو میدان سے ہٹانے پر اکتفا نہ کرتے بلکہ دیگر بہت سارے ابنائے صحابہ کا صفایا کر دیتے!!!

۵۔ اس سے قبل کہ معاویہ رضی اللہ عنہ حسن رضی اللہ عنہ کے پہلے دشمن ہوتے جیسا کہ آپ کو متہم کیا جاتا ہے۔ آپ کے بہت سارے دشمن تھے، سبائیوں ہی کو لے لیجیے کہ جنھیں حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت سے دستبرداری کے ذریعہ زوردار طمانچہ رسید کیا، اور اسے مسلمانوں کی باہمی جنگ کے لیے حد فاصل ٹھہرادیا۔ دوسری طرف وہ خوارج تو تھے ہی جنھیں ان کے والد نے جنگ نہروان میں تہ تیغ کیا تھا کیوں کہ انھیں لوگوں نے آپ کی ران میں نیزہ مارا تھا، لہٰذا بہت قوی امکان ہے کہ انھیں لوگوں نے نہروان کے اپنے مقتولین کا آپ سے انتقام لیا ہو۔

---

[1] حسن رضی اللہ عنہ کا ذاتی بیان ہے کہ بیعت معاویہ سے قبل ہی انھیں دو مرتبہ زہر پلایا گیا۔ دیکھیے طبقات ابن سعد طبقه خامسه (۲۹۵) قتاده تك بسند حسن۔ مصنف عبدالرزاق (۱/ ٤٥۲) اثر نمبر (۲۰۹۸۲) المعجم الکبیر، طبرانی (۳/ ۸۷)(۲۷٤۸) ہیثمی نے مجمع الزوائد میں لکھا ہے کہ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

ابن العربی نے حسن رضی اللہ عنہ کی زہر خورانی کے تعلق سے معاویہ رضی اللہ عنہ کو لگائی جانے والی تہمت کی اطمینان بخش تردید ان لفظوں میں کی ہے کہ یہ بات دو وجھوں سے صحیح نہیں ہے۔

۱۔ پہلی وجہ یہ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو حسن رضی اللہ عنہ سے کسی بھی ٹکراؤ کا ہرگز خطرہ نہیں تھا کیوں کہ وہ اپنا حق خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سونپ چکے تھے۔

۲۔ حقیقت واقعہ کا تعلق غیب سے ہے جس کا علم صرف اور صرف اللہ کو ہے۔ بلا کسی دلیل کے اسے اللہ کی کسی مخلوق کے سر کیوں مڑھا جاتا ہے، جب کہ زمانے کا ایک لمبا فاصلہ ہے، کسی نقل کرنے والے کی نقل پر ہم یونہی اعتماد نہیں کر سکتے، خاص طور پر ایسی قوم کے سامنے جو نفس پرست اور بدعتی ہے اور فتنہ و تعصب کے دور میں ہے جس میں ہر ایک اپنے قائد کے بارے میں ایسی باتیں کہتا ہے جو مناسب نہیں ہے، لہٰذا اس باب میں وہی بات اور روایت قابل قبول ہوگی جو بالکل صاف وشفاف ہو، اور اس پرفتن ماحول میں اسی کی بات معتبر ہوگی جو عادل اور صادق ہو۔ [1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''(زہر خورانی کا جو واقعہ) بعض لوگ ذکر کرتے ہیں حالاں کہ وہ کسی شرعی دلیل یا معتبر اقرار سے ثابت نہیں ہے، نہ ہی قطعیت پر مبنی کوئی تحریر ہے یہ ایسی بات ہے جس کا صحیح علم ممکن ہی نہیں ہے، لہٰذا اس سلسلے میں گفتگو کرنا بلا علم گفتگو کرنا ہے۔'' [2]

علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

''یہ ایسی بات ہے جس کا صحت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ ذرا بتایا جائے کہ زہر پلانے والے کو کون جانتا ہے۔'' [3]

ابن کثیر لکھتے ہیں:

''یہ قطعاً صحیح نہیں ہے اور یزید کے والد معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس کی نسبت تو بدرجہ اولیٰ صحیح نہیں ہے۔'' [4]

بہر حال مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی موت زہر خورانی سے نہیں ہوئی تھی، بلکہ اگر اس کا صحیح ثبوت مل جائے تو ہم کہیں گے کہ آپ کی موت زہر ہی کی وجہ سے ہوئی، لیکن یہ موت آپ کے لیے شہادت اور آپ کے حق میں کرامت رہی ہے۔ [5]

---

[1] العواصم من القواصم/ ابن العربی (٢٢١)
[2] منهاج السنة النبوية (٤/ ٤٦٩)
[3] تاريخ الاسلام حوادث ٤١-٦٠، ص (٤٠)
[4] البداية والنهاية (٨/ ٤٤)
[5] منهاج السنة (٤/ ٤٢)

صرف بات اتنی ہے کہ جعدہ بنت قیس بن اشعث کو جو اس جرم سے متہم کیا جاتا ہے اس پر یقین و قطعیت کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، بلکہ اس سلسلے میں اسلام کا وہی حکم نافذ ہوگا جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ اجماع ہے کہ اس طرح کے واقعات پر کوئی شرعی حکم نہیں لگایا جاسکتا، اور اسی وجہ سے اس پر مدح وذم کا کوئی ظاہر معاملہ بھی قریب نہیں ہوتا۔ [1]

۳...... یزید کی ولی عہدی کے اسباب وعوامل

سیاسی سبب (اتحاد امت کا تحفظ)

سب سے پہلے ہمیں یہ جاننا ضروری ہے کہ جن حالات وظروف میں ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت عمل میں آئی تھی وہ یزید کی بیعت ولی عہدی کے حالات وظروف سے بالکل مختلف تھے، چناں چہ بلاشبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے افضل شخص تھے، اسی وجہ سے آپ کی اہلیت خلافت میں کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا، وہ مسلمانوں کی نگاہ میں تعظیم واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، کیوں کہ انھوں نے اس دین کے راستے میں تکلیفیں برداشت کی تھیں اور قربانیاں دی تھیں۔

پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کی وصیت کردی، کیوں کہ فضل ومنقبت میں ان کا بھی اپنا منفرد مقام تھا، اور لوگ مانتے تھے کہ ابوبکر کے بعد آپ ہی سب سے افضل ہیں، اسی وجہ سے آپ کی بیعت بھی بلا کسی مخالفت کے پوری ہوگئی اور سارے مسلمان آپ کے تابع رہے۔

پھر جب عمر رضی اللہ عنہ دشمن کے ہاتھوں زخم شہادت سے دوچار ہوئے، تو آپ نے وصیت کیا کہ جنت کے چھ بشارت یافتہ لوگوں میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا دیا جائے، وہ چھ لوگ یہ تھے: عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبید اللہ، رضی اللہ عنہم یہاں سے خلافت ان چھ افراد میں سے کسی ایک کے انتخاب پر محصور ہوگئی، کیوں کہ شروع اسلام میں ان کے عمدہ نمایاں کارنامے تھے، فضل ومنقبت کی دولت سے نوازے گئے تھے، جنت کے بشارت یافتہ تھے، اور لوگوں کو ان کے تقدس و احترام کا اعتراف تھا۔ چناں چہ دیگر صحابہ سے رائے مشورے کے بعد ان لوگوں کی نگاہ عثمان رضی اللہ عنہ پر ٹھہری، کیوں کہ وہی ان لوگوں میں مجموعی اعتبار سے سب سے افضل اور خلافت کے لیے سب سے موزوں تھے، پھر آپ کے آخری دور خلافت میں فتنے نے سر اٹھایا، آپ محصور کردیئے گئے اور مظلومیت کی موت شہادت بن کر سامنے آئی۔ رضی اللہ عنہ۔ آپ کے بعد خلافت کی باگ ڈور علی رضی اللہ عنہ نے سنبھالی، آپ کی بیعت پر تمام مسلمانوں کا

---

[1] منهاج السنة (٤/ ٤٧٠)

اتفاق نہ ہوسکا، کیوں کہ آپ اور اہل مدینہ اس تہمت کی زد میں آ گئے کہ شورش پسندوں اور بلوائیوں کے تئیں ان لوگوں نے نرمی یا سستی سے کام لیا جس کی وجہ سے انھیں کے درمیان رہتے ہوئے عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔ [1]

جب کہ بلاد شام کی قیادت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھی، جو کہ بالفاظ دیگر مخالف تحریک کی نمائندہ تھی، اور اہل شام کے دل و دماغ میں قاتلین عثمان سے جو کہ لشکر علی ہی کا ایک حصہ تھا۔ انتقامی کارروائی کا جذبہ جوش مار رہا تھا، پھر جنگ ہوئی، مسلمانوں میں دونوں طرف کے لوگ مارے گئے، یہیں سے فرقہ بندی کا آغاز اور فرقۂ خوارج کا ظہور ہوا، جو کہ مسلمانوں کی تکفیر کرتا ہے اور ان کا خون حلال سمجھتا ہے، اسی طرح شیعہ فرقہ بھی وجود میں آیا جس نے علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے بیٹوں کے بارے میں مبالغہ آرائی و انتہا پسندی کا رویہ اختیار کیا۔ [2]

اس طرح اسلامی معاشرہ کے ایک گروہ کے چند افکار وعقائد میں تبدیلیوں کے سامنے اس دور کے حالات وظروف نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو مجبور کر دیا کہ اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے بارے میں نظر ثانی کریں اور بصیرت سے کام لیں۔ چناں چہ اہل شام جنھوں نے شہادت عثمان کے تعلق سے فوری قصاص کی آواز اٹھائی تھی انھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ اپنے اصول و مقاصد میں مخلص ہیں، اور اسی وجہ سے اللہ کی مشیئت کے ذریعہ اہل عراق پر ان کو فتح نصیب ہوئی۔

جب کہ اہل عراق، جن کے متعدد قبائل میں اولاً وہ شورش پسند بھی تھے جو قتل عثمان سے متہم تھے اور ان میں کوئی مخصوص دینی رابطہ نہیں تھا جو انھیں متحد رکھتا، ثانیاً ان کی صفوں میں وہ خوارج تھے جو مسلمانوں کا خون حلال سمجھتے تھے اور ثالثاً وہ شیعہ بھی تھے جو امامت کے بارے میں انتہا پسند نظریات کے حامل تھے، جب کہ انھیں میں سے بعض کا عقیدہ یہ تھا کہ خلافت صرف آل بیت کا حق ہے اور کسی کا نہیں۔ پھر ان کا مسلک

---

[1] شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا فتنہ مسلمانوں کی تاریخ کا سب سے دشوار گزار مرحلہ ہے۔ کیوں کہ یہ فتنہ منافقین کے ساتھ مل کر یہودیوں (سبائیوں) نے مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ ان حالات وظروف میں ابھارا جب کہ صحابہ گھبراہٹ سے حواس باختہ تھے، ہر ایک دوسرے کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا رہا تھا، حالاں کہ وہ سب کے سب اس سے بری الذمہ تھے اور ان میں سر فہرست علی رضی اللہ عنہ تھے، اگر اس المناک حادثہ کی تفصیلات وحقائق جاننا چاہتے ہیں تو عبداللہ غضبان کی کتاب ''فتنۃ مقتل عثمان''، محمد العواجی کی ''السیاسۃ المالیۃ فی عہد عثمان''، عبدالحمید فقیہی کی ''خلافت علی'' کا مطالعہ کریں۔ اور اردو زبان میں ڈاکٹر علی محمد الصلابی کی کتاب ''عثمان بن عفان شخصیت اور کارنامے پڑھیں جو محترم شمیم احمد سلفی کے ترجمہ سے ادارہ ندوۃ السنۃ اٹوا سدھارتھ نگر، یوپی سے شائع ہوئی ہے۔ (مترجم)

[2] ان دونوں فرقوں کے عقائد ونظریات جاننے کے لیے مطالعہ کریں بغدادی کی کتاب "الفرق بین الفرق" شہرستانی کی "الملل والنحل"، ابن حزم کی "الفصل فی الملل والاھواء و النحل"، ابوالحسن اشعری کی "مقالات الاسلامیین"، لالکائی کی "شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ" دہلوی کی "مختصر التحفۃ الاثنیٰ عشریۃ"، ڈاکٹر عبدالرحمٰن بدوی کی "مذاھب الاسلامیین"، عبداللہ القصیمی کی "الصراع بین الاسلام والوثنیۃ"

سریت ❶ کی طرف مائل ہوگیا، علاوہ ازیں ان میں جھگڑالوؤں اور ریاست میں فتنوں کو پسند کرنے والوں کی تعداد بھی خوب تھی، اور یہی لوگ علی رضی اللہ عنہ کی رسوائی کا ایک سبب بھی تھے، آپ اور آپ کے صاحبزادوں کے لیے یہی لوگ منبع فساد اور آلام و مصائب کی بنیاد ثابت ہوئے تھے۔

رہی بات اہل حجاز کی تو ان میں فقہ وبصیرت کے حامل اور علم کے پختہ صحابہ واکابرین تابعین موجود تھے، اور اس وقت حجاز کا خطہ اسلام کا منفرد و مثالی نمائندہ تصور کیا جاتا تھا، وہاں فاسد عقائد کے لوگ نہیں تھے، اور نہ بدعات ومنکرات کا ظہور ہوا تھا، بلکہ یوں کہیے کہ مکہ اور مدینہ میں صحابہ اور ابنائے صحابہ کے وجود سے پورے حجاز کا ایک دینی ماحول تھا، اور وہاں تقویٰ شعاری کا چلن تھا۔ بایں ہمہ خلافت کے مسئلہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد عظیم المرتبت و بزرگ صحابہ کے لڑکوں میں سے حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر، اور عبدالرحمٰن بن ابوبکر کے نام اہلیت وفضیلت کے پیش نظر سامنے آرہے تھے۔

ابنائے صحابہ کی موجودگی میں یزید کو ترجیح کیوں؟: ❷

لیکن یہیں ایک اہم سوال ابھر کر سامنے آتا ہے کہ ان خصائص وخوبیوں کے باوجود معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان چاروں میں سے کسی ایک کو منتخب کیوں نہیں کیا؟ قبل اس کے کہ ہم اس سوال کا جواب دیں ایک دوسرے سوال کا جواب دینا ضروری ٹھہرتا ہے وہ یہ کہ اہل حل وعقد کی وہ کون سی پاکیزہ شخصیتیں ہوتی ہیں جنھیں خلیفہ چننے اور پھر اس کی بیعت کا اختیار ہوتا ہے؟ چناں چہ اس سوال کے جواب میں کہیں ہم حقیقت سے دور نہ نکل جائیں اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام میں سیاسی نظام کی تنفیذات وتطبیقات پر کماحقہ طویل تجربہ کا اتنا موقع نہیں ملا کہ خلافت، اس سے متعلق احکام اور انتخاب خلیفہ کے بارے میں کوئی واضح تصور کھل کر سامنے آئے۔ بنابریں یہاں بھی یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ عہد معاویہ میں اہل حل وعقد کون لوگ تھے؟ کیا وہ اہل شام تھے جو سلطنت اسلامیہ میں سیاسی، عسکری اور قائدانہ پیشوائی کے نمائندہ تھے؟ یا وہ اہل حجاز تھے؟ اور اگر اہل حجاز تھے تو کیا ان میں انصار وغیرہ بھی شامل تھے؟ یا اہلیت صرف قریش کے لوگوں میں منحصر تھی؟ اسی طرح یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ عراق میں اہل حل وعقد کون تھے؟ کیا بشمول امراء لشکر وہ امیر تھے جو حکومت اسلامیہ کی طرف سے وہاں امیر متعین تھے؟ یا عقائد، مسالک اور نظریات میں عدم ہم آہنگی کے باوجود عربی قبائل کے قائدین و لیڈران تھے؟ نیز ذرا سوچیں کہ مصر میں اہل حل وعقد کون لوگ تھے؟ کیا وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے وہ معتقدین تھے جو علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان کشاکشی کے حالات میں معاویہ اور اہل شام کے زبردست معاون تھے؟ یا ان لشکروں

---

❶ تفصیل کے لیے آگے ''شہادت حسین'' کی بحث پڑھیں۔

❷ یہ جانبی عنوان مترجم کا دیا ہوا ہے۔

کے امراء وقائدین اوران کے ہم مجلس سربراہان قوم تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم ہر شہر کے اہل حل وعقد کی باریک بینی سے تحدید کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے، بنابریں یہ فرض کرنا پڑے گا کہ ان حالات میں ہزار کوششوں کے باوجود کسی ایک آدمی پر تمام مسلمانوں کو متحد کرنے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کا کامیاب ہونا ناممکنات میں سے تھا۔ چناں چہ شام والے اہل عراق کو ان شورش پسندوں کا گڑھ سمجھتے تھے جنھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا، لہٰذا یہ سوچنا ہرگز معقول نہیں ہے کہ اہل شام نے جن اہداف ونظریات کے پیش نظر قتال کیا تھا یعنی مظلوم خلیفہ کی مدد اور قاتلوں سے قصاص، وہ اس سے دست بردار ہوجاتے، پس یہ کیوں کر ممکن تھا کہ اہل شام ایسے شخص کی نامزدگی واہلیت کی تائید کرتے جسے اہل عراق اور اہل مدینہ کی طرف سے خصوصاً اور اہل حجاز کی طرف سے عموماً تائید مل رہی ہو، جب کہ اہل شام کے خیال میں شہادت کی ذمہ داری مشترکہ طور پر ان سب لوگوں کے سر جاتی تھی وہ کہتے تھے کہ ان لوگوں کے ہوتے ہوئے ایک مہینہ سے زائد خلیفہ کو محصور رکھا گیا، پھر یہ بلوائی آپ کے گھر میں گھس گئے، اور اہل مدینہ کی موجودگی میں انھوں نے آپ کو قتل کردیا، لہٰذا یہ ناممکن تھا کہ اہل شام اہل مدینہ کے کسی فرد کی نامزدگی کو قبول کرتے۔ [1] اوران کے اسی موقف کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دیگر ریاستوں سے خلیفہ نامزد ہونے کی حالت میں بھی وہ اسی نظریہ پر قائم رہتے۔ٹھیک اسی کے بالمقابل معاویہ کے بعد ہونے والے خلیفہ کے بارے میں اہل عراق کا نظریہ اہل شام سے بہت مختلف نہ تھا، اگر شام والے معاویہ کے موید تھے تو عراق والے حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی پوری شد و مد سے تائید کررہے تھے، اور بہت مشکل تھا کہ حسین بن علی کی جگہ کسی اور کے نام سے مطمئن ہوتے۔

ستم بالائے ستم خلافت کے لیے جن لوگوں کے نام سامنے آرہے تھے انھیں بھی اپنے ہم عصروں کی مکمل تائید نہیں مل پارہی تھی، اموی خاندان نہیں چاہتا تھا کہ خلافت ان کے علاوہ کسی اور شخص کے ہاتھوں میں منتقل ہو کیوں کہ قریش میں یہی قبیلہ سب سے بڑا تھا، اور سیادت وامارت انھیں کے ہاتھوں میں تھی۔ [2] اسی طرح

---

[1] ان شکوک وشبہات سے پردہ ہٹانے کے لیے برادرم محمد عبداللہ الغضبان کا ماجیستر .M.A کا وہ رسالہ پڑھیں جو ''مقتل عثمان بن عفان'' کے نام سے ۱۴۱۱ھ میں مناقشہ کے لیے پیش کیا گیا، اسی طرح عبدالحمید علی ناصر کا رسالہ ''خلافۃ علی بن ابی طالب'' بھی کافی معلوماتی ہے جو ۱۴۱۳ھ میں مناقشہ کے لیے پیش ہوا۔

[2] دراصل اموی خانوادہ متعدد خصائص کا حامل تھا، جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خانوادے کے کئی ایک لوگوں کو منصب ولایت سے سرفراز کیا تھا، چناں چہ مورخین اور ناقلین حوادث کے درمیان اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت عتاب بن اسید مکہ کے اور خالد بن سعید صنعاء، ابوسفیان بن حرب نجران، ابان بن سعید بن عاص بحرین، سعید بن القشب الازدی جو بنوامیہ کے حلیف تھے جرش کے گورنر تھے، جب کہ مہاجرین ابوامیہ مخزومی کندہ اور صدف پر، عمرو بن عاص عمان پر، اور ⇦⇦⇦

مدینہ میں بعض ابنائے صحابہ سے انھیں اختلاف بھی تھا، مزید برآں یہ بھی دیکھیں کہ خلافت کے لیے نامزد کیے جانے والے وہ لوگ جن کے بارے میں یہ فرض کیا گیا کہ خلافت انھیں لوگوں میں منحصر تھی خود وہی لوگ اپنوں میں سے کسی ایک پر متفق نہیں تھے، بلکہ ہر ایک خود کو دسرے سے زیادہ مستحق اور مسلمانوں کی خلافت کا اہل سمجھتا تھا۔ حتی کہ ابن عمر جن پر لوگوں کا متفق ہونا بہت ممکن تھا اور شاید ان کی نامزدگی پر بیشتر مسلمان متحد ہوجاتے ان کا موقف خلافت کے تعلق سے بہت واضح رہا، یعنی وہ لوگوں میں سب سے زیادہ اس سے دور بھاگ رہے تھے۔ [1]

چناں چہ امت مسلمہ کو مستقبل میں نئی رسہ کشی اور جھگڑوں میں دھکیلنے والے اختلاف کو جڑ سے کاٹنے اور ملکی سلامتی کو نقصان پہنچانے والے چور دروازوں کو بند کرنے کے لیے آپ نے اپنے بیٹے یزید پر نگاہ ڈالی کہ انھیں کی نامزدگی اہل شام کی تائید پاسکتی ہے۔ اور اہل شام کے رجحان کو فوقیت اس لیے کہ وہ مملکت اسلامی کو مستحکم و پرامن بنانے میں اس وقت کے سب سے قوی سبب تھے۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب آپ نے اپنے آخری سفر حج کے دوران بزرگ ابنائے صحابہ کے سامنے اپنے بعد یزید کی ولی عہدی کے اسباب کو کھول کر بتا دیا اور اس سلسلے میں ان لوگوں کی تائید چاہی، پس ان تفصیلات سے معلوم یہ ہوا کہ یزید کی بیعت ولی عہدی کے بارے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی جلد بازی کا صرف ایک محرک تھا، وہ تھا اختلاف امت کا خوف و اندیشہ، [2] کہ جو آپ کی وفات کے بعد کبھی بھی رونما ہو کر ایسی نئی قتال وخونریزی کا سلسلہ شروع کرسکتا تھا جس کی انتہا اور نقصانات ونتائج کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

معاشرتی سبب (قبائلی وخاندانی قوت)

معاویہ رضی اللہ عنہ انتخابی جنگ میں گھس گئے اور اہل شام کی حمایت و تائید سے منصب خلافت پر فائز ہو گئے کیوں کہ وہ لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بے حد فرمانبردار اور بنوامیہ سے شدید محبت کرنے والے تھے۔ [3] ان کی

⇐⇐⇐ عثمان بن ابوالعاص طائف پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے عامل مقرر کیے گئے تھے۔ اور یہ سب کے سب بنوامیہ کے فرد تھے۔ دیکھئے: انساب الاشراف/ بلاذری (١/ ٥٢٩-٥٣٠) الامتاع والموانسة/ ابوحیان التوحیدی (٢/ ٧٤)، منهاج السنة/ ابن تیمیه (٤/ ٤٦٠) ابوحیان توحیدی کہتے ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے یہ اساس رکھ دی تھی اور ان کا معاملہ لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیا تھا، تو بھلا ان کے گمان کو پختگی اور ان کی امیدوں کو وسعت کیوں نہیں مل سکتی، اور پھر ولایت و قیادت کے لیے ان کی آرزوئیں کیوں نہیں دراز ہوسکتیں۔ الامتاع والموانسة (٢/ ٧٣) جب کہ مقریزی لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنوامیہ کو قیادت کی ذمہ داریاں سونپنا گویا آپ کی طرف سے اشارہ تھا کہ یہ (خلافت) انھیں میں لوٹ کر رہے گی۔ (النزاع والتخاصم (٦٣-٦٤)

[1] الطبقات الکبری/ ابن سعد (٤/ ١٤٩-١٥١)
[2] دراسات فی النظم / د/ توفیق یوزکی ص (٤١)

[3] مستشرق فلهاوزن تاریخ الدولة العربیة (١٣٦-١٣٧) پر اہل شام کی اس وارفتگی واطاعت کو بلاد شام میں ان کی طرز زندگی کو فطری وجہ قرار دیتا ہے اس کے بقول یہ قبائل اسلام کی آمد سے کافی پہلے صدیوں سے یہاں موجود ہو چکے تھے، اور ⇐⇐⇐

نگاہوں میں اہل مدینہ اور اہل عراق کے تعلق سے ایک ہی بنیادی نظریہ کارفرما تھا کہ خلیفۃ المسلمین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قتل کا سبب یہی لوگ ہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کی فرمانبرداری اور بنوامیہ کے تئیں اہل شام کی عقیدت و محبت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ جب آپ نے اپنے بعد کی خلافت کے لیے اپنے بیٹے یزید کا نام پیش کیا تو بلا چوں چرا پورے اہل شام نے متحدہ طور پر اس کی تائید کی، سب نے یزید کی ولی عہدی کے لیے بیعت کی اور کوئی بھی اس سے پیچھے نہیں رہا۔ اب یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ کیا اہل شام اس بات کو پسند کرتے کہ بنوامیہ کے علاوہ کوئی دوسرا فرد منصب خلافت پائے؟ ٹھیک اسی طرح ان کے بالمقابل کیا اہل عراق کے بیشتر افراد اس بات کو پسند کرتے کہ آل بیت کے علاوہ کوئی دوسرا فرد خلافت کی باگ ڈور سنبھالے؟ اگر گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خاندان بنوامیہ اور ان کے شہروں میں خلافت کی بقا و تحفظ کی اہمیت پر کافی زور تھا، کیوں کہ ایک وقت میں جب اہل شام کے بعض افراد نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر بیعت کیا تو اہل شام کے بہت سارے بزرگان و سرکردہ شخصیات نے اس پر اعتراض کیا، اور کہنے لگے: بادشاہت ہم میں تھی، کیا وہ حجاز منتقل ہو جائے؟ ہم اس پر متفق نہیں ہیں۔ ❶

اس موقع پر آپ یہ نہ بھولیں کہ شروع شروع میں یعنی خلفائے راشدین کے عہد میں پوری اسلامی سلطنت پر دینی مزاج کا غلبہ تھا، لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعد سے خاندانی تعصب کو قوت مل گئی، اور لوگوں کے ذہن و دماغ سے دینی مزاج کی گرفت ڈھیلی بلکہ کمزور ہوگئی، نتیجتاً شاہی اور نسلی گرفت کی ضرورت محسوس کی گئی، لہٰذا اگر نسلی و خاندانی رغبت کے خلاف دوسرے کو وہ منصب سونپ دیا جاتا تو وہ عصبیتیں اسے ٹھکرا دیتیں، اور اس کی ساری اکائیاں بکھر جاتیں، اور مسلمانوں کی جماعت اپنی انتہائی قلیل مدتی عہد میں اختلاف و انتشار کا شکار ہو جاتی۔ ❷

⇐ ⇐ یونانی و رومی تہذیب کو گلے لگائے ہوئے تھے۔ بنابریں کسی حکومت کی اطاعت اور اس کی تنظیم کی اتباع میں جھکنے کے اسباب و عوامل نے ان پر اپنا پورا اثر چھوڑا، پھر ان میں امراء و قائدین کا ایک پرانا خاندان چلا آرہا تھا، جس کی ایک زمانے سے وہ اطاعت کر رہے تھے، اسی لیے جب معاویہ رضی اللہ عنہ ان میں بحیثیت امیر آئے تو ان کی اطاعت میں انھیں چنداں دشواری پیش نہیں آئی۔ مزید ہذیان گوئی کرتے ہوئے لکھتا ہے: کہ وہ لوگ اپنے امیر کے انتہائی فرماں بردار تھے وہ انھیں جہاں بھی موڑتا مڑ جاتے، کیوں کہ ان کے دلوں میں معاویہ سے کوئی بہت زیادہ اسلام کی پرواہ نہیں تھی۔ ص (۱۲۷)

❶ المعجم الکبیر/ الطبرانی (۷/ ۲۵۷) اس کی سند میں انقطاع ہے۔

❷ المقدمۃ/ ابن خلدون (٦/ ٢٦٥) معالم نظریۃ ابن خلدون فی التاریخ الاسلامی ص (٢٧٢) اور اس کے بعد کے صفحات۔

بے شک ابن خلدون کا یہ موقف، اور معاشرتی اعتبار سے انسانی نفوس کے بارے میں آپ کا یہ نتیجہ اخذ کرنا اہتمام و تائید کے لائق ہے، خاص طور پر اس وجہ سے کہ ابن خلدون نے سیاسی زندگی کے ہچکولوں میں غوطے لگائے ہیں، اور اس کی موجوں سے کھیلا ہے، پس آپ کا یہ نتیجہ اخذ کرنا معاشروں کے احوال و کوائف اور ان کے سیاسی و معاشرتی پیش رفت و ترقی کی معرفت و تجربہ پر مبنی ہے۔

بہرحال زیر بحث عصبیتوں کے حوالے سے ہم آپ کو بتانا چاہتے ہیں کہ اہل شام کے قبائل میں کثرت و گرفت کے اعتبار سے قبیلۂ کلب کی قوت مسلم تھی اور یہی لوگ یزید کے ماموں ہوا کرتے تھے۔ بتاتے چلیں کہ اگر ہم کسی قبیلے کی قبائلی و خاندانی قوت دیکھنا چاہتے ہیں اور خاص طور سے قبیلہ کلب کی قوت اور اقتدار کو استحکام بخشنے میں اس کے کردار کو جاننا چاہتے ہیں تو اس قبیلہ کے سردار اور یزید کے ماموں حسان بن مالک بن بحدل کے کردار کو دیکھیں جس نے بعد کے ادوار میں اموی گھرانے میں خلافت کی تحفظ و بقا کے لیے نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ [1]

"ابـاطيـل يـجب ان تمحى من التاريخ" کے مصنف جناب شعوط صاحب یزید کی بیعت ولی عہدی پر معاویہ کو معذور گردانتے ہوئے کہتے ہیں: چوں کہ طاقت و خاندانی عصبیت بنوامیہ میں غالب تھا اس لیے یزید کی ولی عہدی کے بارے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل ایک فطری چیز تھی، جسے انصاف پسند لوگ درست مانتے ہیں، اور اہل دانش اس پر توجہ دیتے ہیں۔ [2]

پھر اس وقت میں خلافت کو امویوں سے دوسروں کی طرف منتقل کرنا عملی طور پر بظاہر تقریباً ناممکن تھا، کیوں کہ دیگر ریاستوں کے گورنران خاندان بنوامیہ یا ان کے ماتحت افراد تھے، ایسی صورت میں خلافت کو

---

[1] نسـب مـعـدو اليمن الكبير/ هشام بن محمد الكلبى (٢/ ٥٩٦) جمهرة النسب/ ابن الكلبى (١/ ١٨٣) التنبيه والاشراف/ المسعودى (٢٨٣) عمرو بن مخلاۃ الکلبی نے مرج راہط میں یہ اشعار کہتے تھے۔

رددنا لمروان الخلافة　　بعد ما جرى للزبير من كل بريد
فإلايكن منا الخليفة　　نفسه ما نالها الا ونحن شهود

مختصر تاريخ دمشق (٤/ ٢١٤٩)

جب مملکت اسلامیہ چہار جانب سے ال زبیر کے تابع ہو چکی تھی ہم نے اسے مروان کے لیے جوڑ دیا۔ اگر ہم میں سے خلیفہ نہ بھی ہو تو ہمارے بغیر اس کو کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔

[2] دیکھئے ص (۲۳۴) امام مالک فرماتے ہیں: کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے سامنے اپنے بعد کسی نیک شخص کی خلافت کی نامزدگی کے لیے جو بات رکاوٹ بنی وہ یہ کہ یزید بن عبدالملک کے لیے ولی عہدی کی بیعت ہو چکی تھی، لہٰذا آپ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ اگر دوسرے کے لیے بیعت ہوگئی تو یزید طوفان بپا کر سکتا ہے، اور لوگوں میں خونریزی ہو سکتی ہے، پھر امن و استقرار فساد میں بدل جائے گا۔ دیکھئے: ترتيب المدارك/ قاضى عياض (١/ ١٧٠) منهاج السنة (١/ ٥٥٠)

ابنائے صحابہ میں سے کسی ایک کی طرف منتقل کرنا گویا ان گورنران کومعزول کرنے کے مرادف تھا، اور عین ممکن تھا کہ بعض گورنران معزولیت کے فرمان کو قبول کرنے سے انکار کر جاتے، جس کے نتیجہ میں جمل اور صفین جیسے معرکے وسیع پیمانے پر بار بار پیش آتے رہتے۔ [1]

بلاد شام میں بنوامیہ کے لیے قومی ہمدردی اور خاندانی عصبیت میں شدت کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ مروان بن حکم اہل شام کی تائید وحمایت سے عبداللہ بن زبیر کے مقرر کردہ عمال پر غالب آئے، پھر ان کے بعد ان کے بیٹے عبدالملک بن مروان انھیں اہل شام کی مدد و تائید سے ۷۳ھ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر غالب آئے اور انھیں قتل کر دیا۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ اہل شام عبدالملک کے خلاف اور ابن زبیر کے تابع نہیں ہوئے، اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ اہل عراق نے آپ کے بھائی مصعب بن زبیر کے ساتھ غداری کیا اور عبدالملک بن مروان کے ساتھ ہو لئے، لہٰذا غور طلب بات یہ ہے کہ ایسے وقت میں جب کہ فضائل و مناقب میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا کوئی مد مقابل نہ تھا، امت مسلمہ آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت و قیادت پر کیوں متفق نہیں ہوئی؟ بلکہ ہمیں اس کے برعکس حالات ملتے ہیں وہ یہ کہ عبدالملک بن مروان جو کہ سن و سال کے اعتبار سے عبداللہ بن زبیر کی اولادوں جیسے تھے وہ مسلمانوں کی قیادت وخلافت سنبھالنے میں غالب رہے۔

شخصیت یزید کے ترجیحی اسباب:

یزید کی شخصیت میں شجاعت ومروت، کرم وسخاوت، پیش قدمی کے حوصلے اور قائدانہ صلاحیت وقدرت جیسے بعض اوصاف حمیدہ صاف نظر آتے تھے، اور انھیں اوصاف نے یزید کو معاویہ کی نگاہ میں محبوب اور قابل قدر بنا دیا تھا، معاویہ ایسے آدمی نہیں تھے کہ وہ مردانِ کامل کے اوصاف و عادات اور ان کے مقام ومرتبے سے ناواقف رہتے، بلکہ وہ اس خاندان کی اولاد تھے جسے مکہ میں خاندانی امارت وسیادت ملی تھی، اور پھر انھوں نے خود اپنی زندگی کے چالیس سال سیاست ہی میں گزارے تھے، انھیں قائدین ملت، امراء لشکر، اور دانشوران قوم کی خصوصیات سے بخوبی واقفیت تھی، اور ان میں سے ہر ایک کی فضیلت ومنقبت کو اچھی طرح جانتے تھے۔

چناں چہ اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ وابنائے صحابہ یزید سے افضل اور خلافت کے لیے مناسب و موزوں تھے، لیکن اس کے باوجود غالباً معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے میں امت مسلمہ کی قیادت کے لیے جو قدرت وصلاحیت دیکھی وہ ان کی نگاہ میں دوسروں میں نہ تھی، کیوں کہ یزید نے پیہم اپنے والد کے ساتھ زندگی گزاری تھی اور حکومتی سطح پر ان کے تعلق سے اہل شام کی طرف سے پرزور تائید مل رہی تھی، علاوہ ازیں

[1] موسوعة التاريخ الاسلامی/ احمد شلبی (۵/ ۴۸)

اپنے دور کی سیاسی اتھل پتھل کو قریب سے دیکھنے کا انھیں موقع ملا تھا، معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو عدل و انصاف اور خلفاء راشدین کی اقتدار و پیروی کا حریص پایا۔ آپ رضی اللہ عنہ یزید سے امت کی قیادت کی کیفیت کے بارے میں دریافت کیا کرتے کہ اسے کیسے لے کر چلو گے؟ اس پر یزید اپنے والد کو جواب دیتے: اے والد محترم! اللہ کی قسم! میں تو ان میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسا معاملہ کرنے والا ہوں۔ [1]

معاویہ رضی اللہ عنہ خوب جانتے تھے کہ بہت ساری خوبیاں قریشی نوجوانوں میں منتشر و منقسم ہیں، اور یہ خوبیاں ان کی شخصی آرزوؤں کے ساتھ مل کر۔جن کا فی الواقع بعد میں ظہور ہوا- امت کو جنگ کی آگ اور فتنوں کے طوفان بلاخیز میں دھکیل سکتی ہیں، لیکن یزید ان قریشی نوجوانوں کی بعض نمایاں خوبیوں میں شریک ہونے کے ساتھ ایک ایسی امتیازی نمایاں خوبی کے مالک ہیں جو کسی مملکت کی سب سے بڑی ضرورت ہوا کرتی ہے یعنی عسکری قوت اور فوجی صلاحیت۔ [2]

بہرحال باوجودیکہ معاویہ رضی اللہ عنہ اس تدبیر و سیاست کو کہ جس میں بظاہر اہلیت خلافت کے حقوق اور تقاضوں کو مارا جا رہا تھا، ملکی سلامتی کے لیے زیادہ موزوں اور ضامن سمجھتے تھے، اور یہ سوچتے تھے کہ اس کے ذریعہ لوگوں میں در آنے والے ان شر و فتن کا سد باب کیا جا سکتا ہے جو خلیفہ وقت کی موت، یا اس کے دشمن کے طاقتور ہونے کی حالت میں سر اٹھا سکتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ ڈر رہے تھے کہ پھر ایسی صورت میں جب مسلمان باہم دست و گریباں ہوں گے تو ان کے دشمنوں کے متحد ہونے کا قوی اندیشہ ہوگا، اور نتیجہ یہ ہوگا کہ جزیرہ عرب کے قلب میں دوبارہ وہ مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں گے۔ پھر اسلام اور مسلمانوں کا جو حال ہوگا اسے اللہ ہی جانتا ہے۔

لہٰذا تدبیر سیاست یا تحفظ خلافت، اور اصلاح امت کے اس باب میں امام وقت کو بدنیتی سے متہم نہیں کیا جا سکتا اگرچہ وہ اس منصب کو اپنے باپ کو سونپے یا بیٹے کو، کیوں کہ وہ اپنی زندگی میں رعایا کی حفاظت اور اس کی مصلحتوں کے حصول کے لیے کوشاں رہنے کا پابند ہے، وفات کے بعد اس کے نتائج کا ذمہ دار نہیں۔ پس جو لوگ باپ اور بیٹے دونوں کو یا صرف بیٹے کو متہم گردانتے ہیں انھیں چاہئے کہ ایسے دو خلیفہ باپ بیٹوں میں سے ہر ایک کی موت کے بعد ان کی تدبیروں کو بدنیتی پر محمول نہ کریں، کیوں کہ یہ چیز وہم و گمان سے بھی

---

[1] الآحاد - المثانی / ابن عاصم (۱/ ۳۷۵) بسند حسن ، الاشراف / ابن ابی الدنیا ص (۱۲۷) باسناد ضعیف ، البتہ بسند حسن اس کی شاہد موجود ہے۔ ابن عساکر، ترجمہ یزید لیکن اس کی سند میں تحریف ہے۔ البدایة والنهاية (۸/ ۲۳۲) اس کی سند میں بھی تحریف ہے۔ نیز ۱۸/ ق۳۹۸ بسند ابن ابی الدنیا ۔

[2] تعلیق بر کتاب العواصم من القواصم ، محب الدین الخطیب ص ((۲۲۲ ، ۲۲۳)

کافی دور ہے، خاص طور سے اس پس منظر میں کہ جب خلیفہ وقت کے سامنے اس نوعیت کی تدبیر سیاست کے لیے خاص وجہ بھی موجود ہو، یعنی کہ مصلحت امت کو ترجیح دی جا رہی ہو اور ممکنہ خطرات سے حفاظت کے راستے ڈھونڈے جا رہے ہوں، جیسا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کے ہاتھوں اپنے بیٹے یزید کے لیے ہوا، باوجودیکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر لوگوں کا اتفاق واتحاد خود اپنے باب میں حجت تھا۔ ❶

ابن بطال کہتے ہیں:

''امام المسلمین کا اپنے بعد کسی دوسرے کو خلافت کے لیے منتخب کر دینا باتفاق المسلمین جائز ہے، کیوں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو جو خلافت سونپی تھی تمام صحابہ اور ان کے رفقاء اس پر متفق رہے، اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے چھ لوگوں کے حق میں انتخاب خلیفہ کی ذمہ داری سونپنے پر کسی نے اعتراض نہیں کیا، حالاں کہ یہ عمل اس بات کے زیادہ مشابہ تھا کہ ایک شخص اپنے لڑکے کو خلافت کی اس لیے وصیت کر رہے تھے کہ دوسروں کے بالمقابل مصالح امت پر اس کی نگاہ زیادہ ہے، بالکل یہی معاملہ امام المسلمین کا ہے۔'' ❷

چناں چہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرز فکر اور یزید کی شخصیت پر ہمیں اعتراض نہیں کرنا چاہیے، ابن عباس رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر وعظیم المرتبت صحابی رسول یزید کی فضل ومنقبت اور خوبیوں کے معترف تھے۔ ❸ اور آپ نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کیا، اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ان پر بیعت کیا، صرف حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت اس سے کنارہ کش تھی، کیوں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں فتنہ پرداز گروہ انھیں شہ دیتا تھا، اور حسن رضی اللہ عنہ نے انھیں اس گروہ سے دور رہنے کی تلقین کی تھی، لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اپنے موید وحمایتی گروہ کے پاس جانے کے لیے آپ بضد رہے، دیگر صحابہ نے آپ کو اس اقدام سے منع کیا لیکن وہ نہ مانے اور پھر جو ہوا اسے دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

جب کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو خود معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی مخالفانہ سرگرمیوں سے روکتے تھے، لیکن جب معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کا دائرہ حیات تنگ کر دیا گیا تو تمنا کرتے کہ اے کاش اگر آج معاویہ زندہ ہوتے تو ہمیں اس مصیبت سے چھٹکارا دلاتے۔ ❹ حالاں کہ ایک مخالف کی حیثیت سے معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کی جو پرخاش تھا وہ معروف ہے۔ ❺

---

❶ المقدمة/ ابن خلدون (١/ ٢٦٤-٢٦٥) ❷ فتح الباری (١٣/ ٢١٨)

❸ انساب الاشراف (٤/ ٢/ ٢٨٩، ٢٩٠) بسند حسن۔

❹ انساب الاشراف (٤/ ٢/ ٣٤٦-٣٤٧) بسند حسن۔ ❺ المقدمة/ ابن خلدون (١/ ٢٦٥)

افضل کی موجودگی میں مفضول کی ولایت:

معاویہ رضی اللہ عنہ نے افضل کو چھوڑ کر مفضول کا راستہ اس لیے اختیار کیا تھا تاکہ مسلمانوں کے اس اتفاق و اتحاد کو کوئی گزند نہ پہنچے جسے شریعت میں بڑی اہمیت دی گئی ہے، صحیح بات بھی یہی ہے کہ معاویہ کے بارے میں اس کے علاوہ کچھ اور سوچا بھی نہیں جاسکتا کیوں کہ وہ صحابی رسول ہیں، اور ان کی عدالت و حجیت اس سلسلے میں کسی اور شبہے سے پاک و بالاتر ہے۔ ❶

آپ یہ نہ بھولیں کہ جن حالات میں اس بیعت ولی عہدی کے خلاف ہوائیں چل رہی تھیں اس وقت ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر، حسین بن علی، اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم ❷ وغیرہ ابنائے صحابہ کی محترم شخصیتیں موجود تھیں لیکن اس مسئلے میں وہ خود ہی باہم کسی ایک پر متفق نہ تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی کو لے لیجئے جنھوں نے یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد جب کہ بیشتر ریاستوں کے مسلمان ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر بیعت کر چکے تھے آپ کے ہاتھوں پر بیعت نہیں کیا، بلکہ ان پر تنقیدیں کرتے تھے اور ان کے بعض کاموں پر سخت سست کہتے تھے۔❸ اسی طرح محمد بن الحنفیہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر بیعت نہیں کیا۔ دریں صورت حال اس بات کی کون ضمانت لے سکتا تھا کہ ہر خطے کے مسلمانوں کو ایک شخص کی بیعت پر راضی کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ رہی کہ آئے دن بدلتے ہوئے حالات کو دیکھتے ہوئے فقہائے اسلام نے اہلیت امامت کے لیے چند شرطیں لگائیں، جن کے ضمن میں اجتہاد، عدالت، علم، قوت، سیاست، تجربہ، اور حسن تدبیر ❹ کے

---

❶ ابن خلدون (١/ ٦٥) نیز حدیث رسول میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے معاویہ کے لیے ہدایت کی دعا ثابت ہے۔ الفتح الربانی (٢٣/ ١٧٢ ، ١٧٣) سنن ترمذی (٥/ ٦٨٧) حدیث نمبر (٣٨٤٢) ترمذی نے حسن غریب کہا ہے۔ تاریخ دمشق/ ابن عساکر (١٦/ ٢/ ٢٤٣) امام البانی نے اس روایت کے بہت سارے شواہد و متابعات ذکر کیے ہیں اور لکھا ہے: کہ مجموعی طور پر حدیث بالکل صحیح ہے۔ اور یہ سندیں ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں۔ السلسلة الصحيحة (٤/ ٦١٤) (١٩٦٩) ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کی فقہ و بصیرت میں ماہرانہ صلاحیت کا اعتراف کیا ہے۔ صحیح البخاری مع الفتح (١٣١/٧) ابن حجر فرماتے ہیں: معاویہ کے لیے ابن عباس کی طرف سے فقہ و بصیرت کی شہادت اور شرف صحبت کا حوالہ ان کے فضل کثیر کی دلیل ہے۔ (١٣١/٧) اسی طرح ابو درداء رضی اللہ عنہ نے آپ کے حسن صلاۃ کی گواہی دی ہے، مجمع الزوائد (٣٥٧/٩) اور لکھا ہے: کہ اس کو طبرانی نے روایت کیا اور رجال صحیح کے ہیں۔ نیز دیکھئے۔ منهاج السنة (٦/ ٣٢٥) فضائل معاويه/ ابونعیم (١٥٦٤) مكتبة المخطوطات جامعه اسلاميه مدينه منوره۔ طبقات ابن سعد (٤/ ١/ ١٤٩) بسند صحيح۔

❷ طبقات الشافعيه الكبرى/ السبكى (١٠/ ٣٠٠)

❸ مصنف عبدالرزاق (١١/ ٤٥٣ (٢٠٩٨٥)) بسند صحيح۔ طبقات ابن سعد، طبقه رابعه (١/ ١٤٦) باسناد صحيح۔ الآحاد والمثانى ابن ابى عاصم (٢/ ٣٧٨) المعجم الكبير/ طبرانى (٥/ ٣٣٧) باسناد صحيح۔ سير اعلام النبلاء (٣/ ١٥٣) ابن عساكر (١٦/ ق٦٧٤ ، ٧٣٣)

❹ الروض الباسم/ ابن الوزير (٢/ ٣٢) الانصاف / الباقلانى (١١٢-١١٣) اصول الدين/ البغدادى (١٣٩)

ساتھ امام کا قریشی ہونا ضروری ٹھہرایا گیا۔ ❶

البتہ امام احمد بن حنبل سے روایت کیا جاتا ہے کہ آپ نے عدالت، علم اور فضل کو شرط امامت سے خارج مانا ہے۔❷ خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کی سیاست اپنے تو اپنے غیروں میں بھی مسلم تھی ان کی سیرت سے معلوم ہوتا کہ آپ اپنے جن عمال و گورنران کو ریاستوں کا امیر بناتے تھے صرف ان کی دینی افضلیت کی رعایت نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے ساتھ اس کی مزید سیاسی صلاحیت دیکھتے اور خلاف شرع سیاست سے پرہیز کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ نے عمرو بن عاص، معاویہ اور مغیرہ بن شعبہ وغیرہ کو بسا اوقات اپنا نائب بنایا، حالاں کہ دین و علم میں ان سے افضل لوگ جیسے کہ ابودرداء شام میں اور ابن مسعود کوفہ میں موجود تھے۔❸

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

((إنـي لأُبـعـث الرجل وأدع من هو أحب إلي منه ، و لكن لعله يكون أيقظ عينا و أشد بأسا أو قال مكيدة .)) ❹

''میں اپنے نزدیک محبوب ترین شخص کو چھوڑ کر دوسرے آدمی کو بھیج دیتا ہوں اس امید میں کہ شاید وہ زیادہ بیدار مغز اور زیادہ طاقتو ہو، یا آپ نے فرمایا: بہت زیادہ زیرک اور صاحب تدبیر ہو۔''

❶ قاضی عیاض لکھتے ہیں: امام کا قبیلہ قریش سے مشروط ہونا تمام علماء کا مسلک ہے۔ اسے اجماعی مسائل میں شمار کیا گیا ہے۔ اسلاف میں کسی سے اس سلسلے میں اختلاف منقول نہیں ہے۔ اسی طرح ان کے بعد تمام مسلم مسالک اس کے قائل ہیں۔ اس سلسلے میں خوارج اور ان کے ہم مشرب معتزلہ کی بات کا کوئی اعتبار نہیں کہ اس میں تمام مسلمانوں کی مخالفت ہے۔ (فتح الباری ۱۳/ ۱۲۷) ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ناقلین اجماع کو اس مسئلہ میں عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کی تاویل کرنا پڑے گی، چناں چہ مسند احمد میں عمر رضی اللہ عنہ کے ثقہ رجال کی سند سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر میری موت کے وقت ابوعبیدہ زندہ رہے تو میں انھیں خلیفہ بنادوں گا، پھر پوری حدیث نقل کیا۔ اور اس میں آگے ہے کہ اگر میری موت اس وقت ہوئی جب ابوعبیدہ بھی فوت ہو چکے ہوں تو میں معاذ بن جبل کو خلیفہ بنا دوں، جب کہ معاذ بن جبل انصاری رضی اللہ عنہ قریش خاندان کے نہ تھے، لہٰذا احتمال ہے کہ انھوں نے کہا ہوگا: غالباً عمر رضی اللہ عنہ کے بعد یہ اجماع ہوا کہ خلیفہ کے لیے قبیلہ قریش کا ہونا شرط ہے۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ بعد میں عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد اس سلسلے میں بدل گیا ہو۔ والـلـه اعـلـم۔ فتح البـاری (۱۳/ ۱۳۷) السیاسة الشرعیة/ عبدالوهاب خلاف ص (۲۹)

❷ الاحكام السلطانية/ ابويعلى الفراء ص (۲۰)

❸ فتح الباری/ ابن حجر (۱۳/ ۳۱۱)

❹ مـصـنف عبدالرزاق (۱۱/ ۳۲۲ (۲۰٦٥۸)) سعيد بن منصور (۲/ ۲۳۷، ۲۳۸ (۲٦۲۱)) دونوں ہی روایتیں حسن بصری، اور محمد بن سیرین سے مروی ہیں۔ اور وہ دونوں مرسل ہیں۔ واضح رہے کہ ابن سیرین کو مرسل صحیح ہوتی ہے دیکھئے المراسیل/ابوحاتم ص (۳۱، ۱۸٦) ''التمہید'' کے شروع میں ابوعمر کہتے ہیں: ہر ایسا راوی جس کے بارے میں معروف ہے کہ وہ صرف ثقہ راویوں سے اخذ کرتا ہے تو اس کی تدلیس و ترسیل دونوں قبول ہیں، لہٰذا سعید بن المسیب، محمد بن سیرین، اور ابراہیم نخعی کی مراسیل ان کی نگاہوں میں صحیح ہیں۔ (التـمـهيـد ۱/ ۳۰) قـواعـد فـی عـولـم الحديث/ ظفر احمد تهانوی ص (۱٥٤) جامع التحصيل/ العلائی (۱٦۲، ۱۱٦، ۲٦٤)

اسی لیے نبی اکرم ﷺ جنگی محاذ کی قیادت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سونپتے تھے، حالاں کہ وہ کبھی کبھار مرضیٔ نبوی کے خلاف کام کر جاتے تھے جب کہ امانت وصداقت میں ان سے زیادہ بہتر ابوذر رضی اللہ عنہ موجود ہوتے [1] اور آپ ﷺ ان سے فرماتے:

((یا أبا ذر إنی أراك ضعیفا ، وإنی أُحبك ما أُحب لنفسی ، لا تامرن علی اثنین ، ولا تولین مال یتیم .)) [2]

''اے ابوذر میں تمھیں کمزور سمجھتا ہوں، اور تمھارے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں، دو آدمیوں پر بھی کبھی امیر نہ بننا اور نہ کسی یتیم کے مال کی ذمہ داری اٹھانا۔''

آپ دیکھیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ابوذر کو ان کی امانت وصداقت کے باوجود امارت و ولایت سے منع کر دیا کیوں کہ آپ ﷺ کی نگاہ میں وہ کمزور تھے۔ [3]

اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امارت کے لیے منتخب کیا حالاں کہ آپ رضی اللہ عنہ ان کی بہت ساری غیر ضروری باتیں سنتے اور دیکھتے رہے لیکن اس کی وجہ سے کبھی آپ کو معزول نہیں کیا، کیوں کہ اس منصب پر آپ کی موجودگی میں نقصانات کے مقابلے خیر ومصلحت کا پہلو غالب تھا۔ [4] اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی نرمی کے باوجود شرحبیل بن حسنہ [5] سے امارت چھین لی، اور فرمایا:

((تحرینا من الله ان نقرك ، و قد رأینا من هو اقوی منك .)) [6]

''ہم اللہ سے اس بات کے خواہاں تھے کہ تمھیں باقی رکھیں لیکن دیکھا کہ تم سے قوی لوگ بھی موجود ہیں۔''

---

[1] نبی اکرم ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: "ما أظلت الخضراء و لا أقلت الغبراء أصدق لهجة من أبی ذر۔" آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر سب سے زیادہ سچ ابوذر ہیں۔
سنن الترمذی (۳۸۰۳)، مسند احمد (۲/ ۱۶۳-۱۷۵)، ابن ماجه (۱۰۵۶)، صحیح جامع الصغیر/ البانی (۵٤۱۳)

[2] صحیح مسلم بشرح النووی (۱۲/ ۲۰۹، ۲۱۰)

[3] السیاسة الشرعیة/ ابن تیمیه (۲۲-۲۳) [4] السیاسة الشرعیة/ ابن تیمیه (۲٤)

[5] آپ قبیلہ کندہ کے ایک فرد، بنو زہرہ کے حلیف شرحبیل بن عبداللہ بن مطاع بن عبیداللہ ہیں، اپنی ماں حسنہ کی طرف منسوب ہیں جو کہ قبیلہ جمح سے تعلق رکھنے والے معمر بن حبیب بن وہب بن حذافہ کی باندی تھیں، ہجرت حبشہ میں شریک رہیں، آپ رضی اللہ عنہ قریش کے ناموار افراد میں سے تھے، عمر بن خطاب کی طرف سے شام کے ایک چوتھائی خطہ پر امیر تھے، طاعون عمواس ۱۸ھ میں ٦۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔ الاستیعاب (۲/ ٦۹۹)

[6] مصنف ابن ابی شیبة (۱۱/ ۹۸) ضعف سند کے ساتھ۔

چناں چہ خود ثابت مولی سفیان سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا: کہ میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں، بلکہ مجھ سے بہتر عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عمرو جیسے افاضل لوگ تمھارے درمیان موجود ہیں، لیکن میں امید کرتا ہوں کہ تمھارے دشمن کو تم سب سے زیادہ زخم لگا سکتا ہوں، منصب ولایت کا تم سب زیادہ تجربہ کار ہوں اور تمھارا سب سے اچھا جانشین ہوں۔ [1]

پس ان تفصیلات کو سامنے رکھتے ہوئے ہم دیکھیں کہ اگر کسی منصب کے لیے دو ناموں کا تعین وانتخاب ہو کہ جن میں ایک سب سے امانت دار اور دوسرا سب سے طاقتور ہو تو اس منصب کے اعتبار سے جو زیادہ سود مند اور موزوں ہو اسے مقدم کیا جائے، بنابریں کسی بھی جنگی قیادت کے لیے بہادر اور طاقتور فرد کو کمزور آدمی پر مقدم کیا جائے گا اگر چہ اس میں گناہ کی کچھ آلائشیں ہوں۔ [2] لہٰذا ہر منصب کی خاطر اس کے لیے زیادہ موزوں شخص ہی کو فوقیت دینا واجب ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے دو ایسے آدمیوں کے بارے میں پوچھا گیا جو کسی غزوہ میں امیر بننے کے خواہاں ہوں۔ ان میں ایک فاجر ہو لیکن طاقتور ہو، اور دوسرا نیک ہو لیکن کمزور ہو، ان دونوں میں کس کے ساتھ غزوہ کیا جائے، تو آپ نے فرمایا:

((أما الفاجر القوی فقوته للمسلمین، وفجوره علی نفسه و أما الصالح الضعیف فصلاحه لنفسه وضعفه علی المسلمین یغزی مع القوی الفاجر)) [3]

''رہا طاقتور فاجر امیر تو اس کی قوت تمام مسلمانوں کے لیے ہے اور فسق و فجور اس کی ذات تک محدود ہے، جب کہ نیک لیکن کمزور امیر، تو اس کا صلاح وتقویٰ اس کی ذات کے لیے اور کمزوری تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ طاقتور فاجر کے ساتھ مل کر جنگ لڑی جائے گی۔''

ائمۃ المسلمین کے وجود وتعین کا سب سے بڑا مقصد مسلمانوں کا ان کے دشمنوں سے تحفظ، ظالموں کی سرکوبی، مظلوموں کی داد رسی، امن وامان کی بحالی، اور شرعی طریقہ کے مطابق بیت المال سے انھیں امدادی وسائل مہیا کرنا ہے، پس جو شخص ان چیزوں کو یا ان جیسی دیگر چیزوں کو ملکی فروغ وترقی سے ہم کنار کر لے اسی سے امامت کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ اور لوگ اس کی ولایت وقیادت سے نفع اندوز ہوں گے۔ انھیں امن واستقرار ملے گا، خوش حالی آئے گی، جانی و مالی تحفظ اور عزت وناموس کا احترام ہوگا، اگر چہ معاشرہ میں اس

[1] طبقات ابن سعد، طبقه رابعه (۱/ ۱٤۱) بروایت ابن ابی مریم جو کہ ضعیف ہیں۔ الآحاد و المثانی/ ابن ابی عاصم (۱/ ۳۷۷) تاریخ دمشق (۱٦/ ق۳۳) بسند ابن سعد، سیر اعلام النبلاء (۳/ ۱۵۰) تاریخ الاسلام حوادث (٤۱-٦۰، ۳۱۳) بروایت ابن سعد۔

[2] السیاسة الشرعیة/ ابن تیمیه ص (۲۲)

[3] السیاسة الشرعیة/ ابن تیمیه ص (۲۲)

امام سے زیادہ عبادت گزار، پرہیزگار اور صاحب علم لوگ موجود ہوں، اگر ان کے اندر مذکورہ ذمہ داریوں کو نبھانے کی صلاحیت نہیں ہے تو اس معاملہ میں ان کی ثانوی حیثیت ہے، ان کے علم، تقوی، یا عبادت کا مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچنے والا ہے؟ مانا کہ وہ خیر و فلاح کے خواہاں اور حریص ہوتے ہیں اور معاملات کو شرعی پیمانوں کے مطابق انجام دینا چاہتے ہیں لیکن جب اپنے ان ارادوں اور خواہشات کو وہ نافذ کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور اسے بجالانے سے درماندہ نظر آتے ہیں تو اس سے عامۃ المسلمین کا کیا بھلا ہونے والا ہے۔ [1]

علامہ جوینی کہتے ہیں:

''تمام اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ منصب امامت کے لیے اس دور کے سب سے افضل شخص کو متعین کیا جائے، بشرطیکہ اس کے تعین و اختیار سے فتنوں کے سر اٹھانے اور قتل و خون ریزی و خانہ جنگی کا اندیشہ نہ ہو، دریں صورت اگر مفضول ہی امامت کا مستحق بن سکتا ہو تو اسے امام بنا دیا جائے۔ ایسا کیوں کر جائز نہیں ہوسکتا؟ جب کہ نماز میں مفضول کی امامت درست ٹھہرائی گئی ہے۔'' [2]

اس طرح ہمارے سامنے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی ولایت شرعاً ثابت اور جائز ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یزید بن معاویہ مفضول تھے، بزرگ صحابہ و ابنائے صحابہ کے ہوتے ہوئے وہ افضل نہ تھے، لیکن یہ چند اسباب جس پر میں نے مفصل گفتگو کی اور جس کا اندازہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے عزم سے لگایا گیا ہے، انھیں کے پیش نظر آپ نے بیعت یزید کو ترجیح دیا تھا، عین ممکن ہے کہ کچھ اور بھی اسباب رہے ہوں جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوں، تاہم معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے ارادے میں مخلص اور امت کے لیے خیر خواہ تھے۔

---

[1] العبرة مماجاء فی الغزو والشهادة/ صديق حسن خان ص (٣٥)

[2] الارشاد ص (٢٦٢) غياث الامم/ الجوينی ص (٨٠) نیز لکھتے ہیں: اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ جب فاضل کے لیے بیعت امامت کا انعقاد مشکل ہو جائے اور عوامی وفوجی قوت مفضول کی تائید میں ہو تو مسلمانوں کی عام مصلحت اس بات کی متقاضی ہے کہ مفضول کو امام بنا دیا جائے، دریں صورت اگر فاضل کو مقدم کیا جائے گا تو فتنے پھوٹ پڑیں گے، اور آزمائشوں کا دور شروع ہو جائے گا۔ عوامی قوت شورش زدہ ہوگی اور فوجی طاقت منتشر، لہٰذا اگر ضرورت مفضول ہی کو مقدم کرنے کی متقاضی ہو تو ضرور باضرور اسی کو مقدم کیا جائے، کیوں کہ امام کے وجود کا مقصد امت کی صلاح و فلاح کی جستجو ہے، پس اگر فاضل کو آگے کرنے میں امت فساد واختلاف کا شکار ہو رہی ہو، اور مفضول کو آگے کرنے میں امت متحد ہو رہی ہو اور ملکی امن و استقرار مل رہا ہو تو اسی مفضول کو آگے کرنا واجب ہو جاتا ہے جس سے پوری مخلوق کا فائدہ مربوط ہے۔ غياث الامم ص (١٦٧)

۳......معاویہ رضی اللہ عنہ اور بیعت یزید کے تعلق سے ان پر اعتراضات

بیشتر متقدمین و معاصر مورخین نے یزید کی بیعت کا پورا ذمہ دار معاویہ رضی اللہ عنہ کو ٹھہرایا ہے، اور پھر اسی کے نتیجہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت سے لے کر آج تک مسلم حکام سے جتنی غلطیاں ہوئیں یا ہو رہی ہیں سب میں انھیں کو اولین مورد الزام ٹھہراتے ہیں، چناں چہ بعض مورخین نے آپ کو موروثی حکومت کا بانی قرار دیا ہے۔ ❶ اور بعض نے اسلامی نظام حکومت کا اولین مخالف یعنی اسلامی نظام شورائیت کا پہلا باغی قرار دیا ہے۔ ❷ جب کہ بعض نے یہ الزام لگایا کہ آپ ہی نے دین پر سیاست کو ترجیح دیا یعنی سیاست کو اول اور دین کو ثانوی درجہ دیا۔ ❸ اور بعض نے آپ کو روم و فارس کے قدیم باشاہوں سے تشبیہ دیا ہے۔ ❹ جب کہ بعض نے تو حد کر دی کہ آپ کو ''میکاولی'' مدرسہ فکر کا نمائندہ قرار دے دیا۔ ❺ جس میں انھوں نے حصول ہدف کے لیے ہر وسیلہ کو جائز ٹھہرایا۔ ❻ اسی طرح کچھ مورخین نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے سابقہ بڑے گناہوں میں اسے ایک گناہ کا اضافہ قرار دیا ہے۔ ❼ اور کچھ نے اس بیعت کی بنا پر معاویہ کو مسلمانوں کے اجماع کا مخالف ثابت کیا ہے۔ ❽

بہرحال یہ لوگوں کے اپنے اپنے خیالات ہیں، ہمیں تو پوری غیر جانبداری کے ساتھ ان الزام کی صحت و عدم صحت پر گفتگو کرنا ہے، جس کے لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ سب سے پہلے شورائیت کی حقیقت اور اس کے نفاذ کی کیفیت جانیں، پھر یہ کہ اہل حل وعقد کے دائرہ اختیار میں کیا چیزیں آتی ہیں، اور اہل حل وعقد سے

---

❶ الخلافة / ٹوماس ارنولڈ ص (۱۰) بحواله: اتجاهات الشعر العربی فی القرن الثانی الهجری، هدارة ص (۳۱)

❷ اسلام بلا مذهب/ مصطفی الشكعة ص (۵۸) الفكر السامی، الثعالبی الفاسی (۱/ ۲۸۶)

❸ نساء لهن فی التاريخ الاسلامی نصيب/ علی ابراهيم حسن (۵۸) مختصر تاريخ العرب/ سيد امير علی ص (۸۸) نشأة الفكر السياسی و تطوره/ محمد جلال شريف ص (۸۵) الاسلام فی حضارته و انظمته انور الرفاعی (۶۶۳۵)

❹ يوم الاسلام/ احمد امين ص (۶۶) الخلافة فی الحضارة الاسلامية/ احمد رمضان حمد (۸۴، ۸۵) عائشة و السياسة/ سعيد الافغانی ص (۲۷۸)

❺ میکاولی کی موت ۱۵۲۷ء میں ہوئی، اس کے سیاسی نظریات اس کی کتاب ''الامیر'' میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ کتاب اس نے اٹلی کی مرتشی وزیراعظم لارڈ لورنزو کو ہدیہ کیا تھا، یورپ میں انیسویں صدی کے بیشتر سیاست داں ان سے متاثر ہوئے تھے، ان میں فرانس کے نابلیون اول، نمسا کے مترنیخ، اور جرمن کے بسمارک کا نام سرفہرست ہے۔ دیکھئے: المجتمع المنالی فی الفكر الفلسفی/ محمد سيد احمد المسير ص (۲۵۷-۲۶۲) نیز اصل کتاب ''الامیر'' جسے عربی زبان میں خیری حماده نیقولا نے منتقل کیا ہے۔ نیز سوانح ميكاولی ترجمه تحليل و تعليق مختار زقزوقی۔

❻ ملامح التيارات السياسية فی القرن الاول الهجری/ ابراهيم بيضون ص (۱۴۷) يوم الاسلام / احمد امين ص (۶۷)

❼ دور الحجاز فی الحياة السياسية/ احمد شريف ص (۴۱۷) تاريخ اسلام/ اكبر شاه خاں (۲/ ۴۸)، الاعمال العربية الكاملة/ امين الريحانی (۶/ ۳۶)

❽ زعماء الاسلام/ حسن ابراهيم حسن ص(۲۱۹)

مدد لینے میں خلفائے راشدین کا کیا کردار رہا۔ تاکہ شورائیت اور مجلس شوری کے بارے میں صحیح تصور ہمارے ذہنوں میں آسکے، اور پھر اسی ضمن میں ہم یہ جان سکیں کہ معاویہ کے ارادے کیا تھے؟ اور اگر انھوں نے شورائی نظام کی خلاف ورزی کیا تو کہاں تک کیا۔

چناں چہ اس سلسلے میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی نظام حکومت میں شورائیت کو ایک ستون کی حیثیت حاصل ہے، بلکہ یوں کہئیے کہ وہ جسم میں ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی طرح اسلام میں کسی شخص کے حاکم بننے اور امت مسلمہ کے معاملات کی ذمہ داریاں اٹھا لینے سے اسے نجابت و تقدس کا مقام نہیں مل جاتا۔ [1] نہ ہی وہ اقتدار مطلق کا مالک ہو جاتا ہے۔ [2]

---

[1] اہل سنت والجماعت کے نزدیک ''امام'' ہونا کوئی وجہ فخر و تقدس نہیں ہے، جس طرح کہ اہل تشیع اور باطنیہ کے نزدیک ہے۔ دیکھئے: الهمة فی آداب اتباع الائمة/ القاضی النعمان بن محمدالمغربی۔

[2] اسلامی نظام سیاست کے مزاج پر گفتگو کرتے ہوئے مستشرقین ایک بڑے مغالطے کا شکار رہے ہیں۔ چناں چہ مرجلیوث لکھتا ہے: جس حاکم پر بھی ان (مسلمانوں) کی رائے متفق ہو جائے اور وہ اسے تسلیم کرلیں تو مسلمان رعایا کے کسی فرد کو حاکم کے خلاف کوئی حق نہیں ہے۔ اور حاکم بھی ان میں سے کسی کے تئیں کچھ بھی جواب دہ نہیں۔ النظرية الاسلامية/ حازم الصعيدی ص (٤٦٦-٤٦٧) اور ماکڈونالڈ کہتا ہے: مسلمانوں کا حاکم کوئی دستوری حاکم بنے یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ ص (۴۶۷) جب کہ مویر کہتا ہے: اسلامی حکومت کا نمونہ اور اس کی مثال دیکھنی ہو تو کسی مطلق العنان ظالم حکومت کو دیکھ لو۔
ارنالڈ کہتا ہے: مسلمان علماء نے جس طرز خلافت کو تسلیم کیا وہ دراصل ایک طرح کی ظالم و جابر حکومت تھی، جس میں حاکم کو ہر طرح کا کلی اختیار تھا، اور رعایا سے یہ مطلوب تھا کہ وہ بلا تردد اس کی اطاعت کرے ص (۴۶۷) ان مغالطوں کی مزید تفصیلات کے لیے حازم الصعیدی کی النظریۃ الاسلامیۃ فی الدولۃ ص (۴۶۶) محمد طہ بدوی کی بحث فی نظام الاسلام السیاسی جو مناہج المستشرقین فی الدراسات الاسلامیۃ کے ضمن میں مطبوع ہے (۲/۱۱۷-۱۱۸) پڑھیں۔ اس موقع پر میرا یہ کہنا ہے کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ بعض مسلم حکمراں یقیناً بگڑے ہوئے تھے اور بعض کا کردار و وطیرہ خالص استبدادی اور ظالمانہ تھا، لیکن اسلامی نظام سیاست سے ان کے اس عمل کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ ان حکام کا شخصی وذاتی عمل تھا اسلام کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ اور اس طرح کے دیگر ظالم و جابر حکمرانوں نے اقتدار کی کرسی تک لوگوں کے جذبات کو ان نعروں کے ذریعہ بھڑکایا کہ وہ کتاب وسنت کی بالادستی قائم کریں گے اور زندگی کے تمام گوشوں میں اسلامی نظام عدالت کو مکمل طور سے نافذ کریں گے۔ بہرحال مستشرقین کو ہم یہ سچ بتانا چاہتے ہیں کہ سترہویں صدی عیسوی کے شروع میں مغربی مفکرین کے سیاسی نظریئے کے قیام سے بہت پہلے اسلام اپنا وہ سیاسی نظام پیش کر چکا ہے جس کی اساس حاکم و رعایا میں باہمی اتحاد و رواداری پر قائم ہے۔ انگریز مستشرق ٹومس ہویز کا خیال ہے: کہ انسانوں کے باہمی عہد و میثاق کی سیادت و قیادت کا یہ نظام جاری وساری ہے کہ ایک حاکم کا انتخاب ہوتا ہے جو ان کے معاملات کو دیکھتا ہے کیوں کہ طبیعتوں میں شر و عدوان کے غلبہ کی وجہ سے انھیں آپس میں ایک دوسرے سے ڈر رہتا ہے، بنابریں جب وہ اپنا حاکم کسی کو منتخب کرلیں تو اس کے خلاف بغاوت کا انھیں اختیار نہیں رہتا، کیوں کہ معاہدہ کی پابندی لوگوں پر لازم ہے حاکم پر نہیں۔ اس لیے کہ لوگوں کے باہمی عہد و میثاق کے وقت وہ کوئی فریق نہیں تھا بلکہ عہد و پیمان کی بنا پر وہ ان پر احکامات کو نافذ کرنے والا تھا۔
جب کہ دوسرا انگریز مستشرق جون لوک (۱۶۰۳-۱۷۰۴) کا کہنا ہے کہ لوگوں کے عہد و میثاق کی پابندی حاکم پر بھی لازم ہے، کیوں کہ رعایا کی طرح حاکم بھی ایک فریق ہے اس کے خیال میں یہ بات غلط ہے کہ لوگ فطری طور پر شر وعدوان سے مغلوب ہوتے ہیں اور حاکم وقت سے اس کی غلطیوں اور مظالم پر محاسبہ نہیں کرسکتے۔ جان جاک روسو (۱۷۱۲-۱۷۷۸) جسے معاشرتی عہد و پیمان کی تعمیر ⇦⇦⇦

بلکہ حاکم اپنے ہر عمل کے تئیں جواب دہ ہے، اس کے ماتحت شعبوں میں جن چیزوں کا نفاذ ہوگا اس پر بھی اسے نافذ کیا جائے گا، رہا مسئلہ طرز شورائیت کا تو اس سلسلے میں کسی مخصوص نظام کی تحدید نہیں کی گئی، بلکہ اس کی تطبیق ونفاذ کو حالات وظروف اور ضروریات ومقتضیات کے تابع چھوڑ دیا گیا ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ جن مسائل کے بارے میں کسی وحی کا نزول نہیں ہوتا تھا آپ ﷺ ان کے بارے میں مسلمانوں سے مشورہ لیتے تھے اور جن دنیاوی امور کے بارے میں انھیں تجربہ ومعرفت ہوتی ان کے سلسلے میں ان کی رائے معلوم کرتے، پھر خلفاء راشدین نے بھی مسلمانوں سے مشورہ لینے کے سلسلے میں یہی طرز عمل اختیار کیا، مانعین زکوٰۃ کے بارے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ لیا، اور ان سے جنگ لڑنے کے بارے میں اپنی رائے نافذ کیا، عمر رضی اللہ عنہ نے شروع میں کچھ مخالفت کیا تھا، لیکن بعد میں وہ بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے مان گئے۔ اسی طرح اہل شام سے جنگ کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے باوجود آپ نے اہل مکہ سے مشورہ کیا، اس طرح شورائیت کا کوئی محکم نظام مقرر نہیں تھا کہ وہ دستوری الفاظ وقوانین کی بندشوں سے گھرا رہا ہو، کیوں کہ ہر دور میں اس وقت کے حالات مسائل کا رخ طے کرنے میں ممبران شوریٰ کے اس طرح معاون ثابت ہوتے تھے کہ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کا حل کرنا بے حد ممکن اور کافی آسان ہو جاتا تھا، بالفاظ دیگر تدبیر سیاست وتنظیم امور کی مختلف شکلوں کے لیے دروازہ کھلا ہوا تھا، شرعی نقطۂ نظر سے اس کی کوئی ایک شکل متعین نہیں تھی، بس اساسی طور پر شورائیت کا وجود ضروری تھا۔ [1] تاہم ان اسباب کا اندازہ کرنا کوئی بہت مشکل بات نہیں ہے کہ جن کی وہ وجہ سے کبھی کبھار خلفائے راشدین نے شورائیت جیسے اہم اسلامی اصول کا اختیار کرنا قابل اعتناء نہیں سمجھا۔

مثلاً ایک سبب تو یہ تھا کہ فتوحات اسلامی کا دائرہ روز بروز وسیع ہونے کے نتیجے میں پہلی اسلامی ریاست کی تیز رفتار ترقی نے بعض حالات میں یہ ناممکن بنا دیا تھا کہ ملکی معاملات میں مشورہ لینے کے لیے کچھ لوگوں سے کھلی بحث کرائی جائے، نیز باوجودیکہ وہ صاحب حکمت وبصیرت اور اہل حل وعقد تھے ان کے مقاصد اعلیٰ و

⇦⇦⇦ میں شہرت ہی نہیں حاصل ہے بلکہ اسے اس نظریہ کا بانی قرار دیا جاتا ہے اس کے خیال میں رعایا کے افراد حاکم وقت کے لیے اپنی آزادی سے دست کش نہیں ہوں گے، ہاں باہم دیگر اسلامی مسئلہ میں ایک دوسرے کے لیے دست بردار ہو سکتے ہیں، وہ حاکم کو یہ اختیار سونپ دیں گے کہ وہ ان کے نام پر ان کے حقوق ومصالح کی رعایت کرے۔

الدیمقراطیه فی الاسلام/ عباس عقاد (٥٧-٥٨) العلاقات الدولیة و النظم القضائیة فی الشریعة الاسلامیة/ عبدالخالق النواوی ص (١٤-١٧) ساعات بین الکتب/ عباس عقاد ص (٥١٣-٥١٩)

[1] العدالة الاجتماعیة فی الاسلام/ سید قطب ص (٨٣) کواشف زیوف فی المذاهب الفکریة المعاصرة/ جنکه المیدانی ص (٦٦٥-٦٦٦)

پاکیزہ تھے، لیکن روز افزوں ترقی کرنے والی اس ریاست کے بارے میں سب سے پہلے پہل ان لوگوں کے پاس صحیح خبریں نہیں پہنچتی تھی لہٰذا ہر معاملہ میں ان سب سے مشورہ لینا بالکل ناممکن تھا۔

اسی طرح ایک سبب یہ بھی رہا کہ خلفاء راشدین جانتے تھے کہ ابھی بیشتر عام مسلمانوں کی سیاسی بیداری اپنی عہد طفولیت سے گزر رہی ہے، اور یہ ایسی حقیقت ہے جس کے پس پردہ یہ خطرات باقی تھیں کہ سیاسی امور میں سامنے آنے والے نقطہائے نظر قبائلی عصبیت کے رنگ میں رنگ نہ جائیں۔ اسی اساس کی بنا پر جب بھی خلفائے راشدین نے مجلس شوری کا تعین کیا اور بوقت ضرورت لوگوں کے مشورہ اور خیر خواہی کے مطالب ہوئے تو مشورہ پر عمل کرنے یا بصورت دیگر اسے چھوڑ دینے کے تعلق سے اپنی آزادی کا حق محفوظ رکھا۔ [1]

مختصر یہ کہ اسلام نے مجالس شوریٰ کے ممبران کی کوئی واضح تحدید نہیں فرمائی، اور نہ ہی اہل شوریٰ کے لیے نقطہ درنقطہ ایسی واضح اور صاف وشفاف شرطوں کا تذکرہ کیا جو انھیں دوسرے سے ممتاز کرے۔ [2] چناں چہ اس پس منظر میں جب ہم معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرز ولی عہدی کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جب یزید کا نام ولی عہدی کے لیے پیش کیا تو مسلمانوں سے مشورہ لیا، اہل شام اور عراق کی سرکردہ شخصیات کو اکٹھا کیا اور دیگر ریاستوں کے لوگوں کو بھی اس کی دعوت دیا، جس میں چند اہل مدینہ کو چھوڑ کر باقی سب نے آپ کی تائید کیا، اور ان چند مخالفین میں سے بھی کچھ نے شرعی وفقہی اسباب کی بنا پر اور کچھ نے شخصی مفاد و مصلحت کی بنا پر مخالفت کی تھی، جو کہ کچھ ہی عرصہ بعد عملی شکل میں دیکھنے میں آئیں۔ [3]

اور عمر رضی اللہ عنہ نے طویل حدیث سقیفہ میں فرمایا:

---

[1] منهاج الاسلام فی الحکم/ محمد اسد ص (۱۰۹) دراسة فی منهاج الاسلام السیاسی / سعدی ابو حبیب (۲۳۷-۲۳۹)

[2] الشوری فی الاسلام/ اسماعیل بدوی ص (٦٩) نیز مولف کی دوسری کتاب "دعائم الحکم فی الشریعة الاسلامیة و النظم الدستوریة المعاصرة۔ نیز شوری کے بارے میں مفید کتابوں میں سے منیر البنانی کی کتاب "الدولة القانونینة و النظام السیاسی الاسلامی" ص (٢٥٦-٢٥٧) عبدالکریم زیدان کی "اصول الدعوة" ص (٢١٧-٢٢٥) د/ عبدالحمید اسماعیل انصاری کی الشوری و اثرها فی الدیمقراطیة، یوسف ابیش کی تصور الفکر السیاسی الاسلامی، الامامة عند السنة/ عبد الغنی محمد برکه کی "الشوری فی الاسلام دراسة فی النظم الاسلامیة"، حسین حنفی کی "الفکر السیاسی الاسلامی و الاجتماعی فی الاسلام" ص (٢٦-٤٨) قحطان الدوری کی "الشوری بین النظریة و التطبیق"، مصطفی حلمی کی "نظام الخلافة فی الفکر الاسلامی"، محمود خالدی کی "قواعد نظام الحکم فی الاسلام"، عبدالکریم خطیب کی 'الخلافة و الامامة" ہے۔

[3] الاسرة الامویة بین القیم الاسلامیة و الاعتبارات السیاسیة/ حامد غنیم ص (٢٩٥) مجلة کلیة العلوم الاجتماعیة شماره نمبر ٤، ١٤٠٠ھ

((...... فمن بايع اميرا من غير مشورة من المسلمين فلا يبايع هو و لا الذى بايعه تغرة ان يقتلا)) [1]

''جس نے مسلمانوں سے مشورہ کے بغیر کسی امیر سے بیعت کرنا چاہا تو نہ وہ بیعت کرے اور نہ دوسرا بیعت لے کہ سادہ لوحی میں دونوں قتل کر دیئے جائیں۔''

بے شک معاویہ رضی اللہ عنہ نے جارحانہ تیور نہیں اپنائے تھے، بلکہ مختلف ریاستوں سے وفود کو بلایا تھا اور وہ سب بیعت سے مطمئن تھے۔ [2]

لہٰذا قابل غور بات یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد مستقبل میں بحیثیت خلیفہ یزید کا نام آنے اور پھر اہل شام کی جانب سے اس کی تائید کرنے کو کیا نام دیا جائے گا؟ کیا یہ شورائیت نہیں تھی؟ یا شورائیت کے علاوہ کچھ اور تھا؟ کیا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس وفود کے اجتماع، اور بیعت یزید کے بارے میں رائے پیش کرنا، مشورہ نہیں ہے؟ غور کیا جائے کہ خود معاویہ رضی اللہ عنہ کا اہل حجاز سے ملاقات کے لیے خصوصی دورہ کرنا، اور مخالفین و مزاحمت کاروں سے تبادلہ خیال کرنا، پھر انھیں اپنی رائے کی درستگی پر مطمئن کر لینا، کیا یہ شورائیت کے علاوہ کسی اور اصطلاح کے خدوخال ہیں؟ آخر شوریٰ یا مشورہ کس چیز کا نام ہے؟ اگر یہ شورائیت کی زندہ شکل نہیں ہے تو کیا اسے چال بازی، جھوٹ، عیاری اور دھمکیوں جیسے غیر مہذب اور غیر شرعی کاموں پر محمول کیا جائے گا؟ جیسا کہ بعض مقالہ نگاروں نے اسی سینہ زوری کا مظاہرہ کیا ہے۔ [3]

ہاں! ان تمام دوراز کار تاویلات و بے جا اعتراضات سے ہٹ کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ یزید بن معاویہ وہ پہلے شخص ہیں جنھیں تاریخ اسلامی میں ان کے باپ نے منصب خلافت کے لیے اپنا ولی عہد بنایا۔ [4] یقیناً یہ درست ہے اور اس میں کوئی شک نہیں، لیکن اسی مقام پر ہمیں یہ بھی سوچنا ہے کہ امت کی صلاح و بقا کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کو تین راستوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ہی تھا:

۱۔ اپنے بعد لوگوں کو بلا کسی خلیفہ کے چھوڑ دیتے، جو ان کے معاملات دیکھتا جیسے کہ ان کے پوتے معاویہ بن یزید نے کیا تھا۔

۲۔ تمام تر شہروں اور ریاستوں میں انتخاب کا اعلان کرتے کہ وہ اپنا اپنا نائب منتخب کر کے بھیجیں پھر یہ منتخب

---

[1] صحيح البخارى مع الفتح (١٢/ ٤٩ (٦٨٣٠))، مسند احمد (١/ ٣٣٧ (٣٩١)) تحقيق احمد شاكر

[2] تاريخ الدولة الاسلامية و تشريعها ص (١٠٣) يوجنيا غيانة

[3] الاسلام دين و دولة/ العمرانى ص (٣١) مختر تاريخ العرب و الاسلام/ سيد امير على ص (٨٨)

[4] الاوائل/ العسكرى (١/ ٣٢٧) قوانين الاحكام الشرعية/ ابن جزى الغرناطى ص (٤٥٦) الوسائل فى مسامرة الاوائل / السيوطى ص (٨٨)

نمائندے کسی خلیفہ کا متفقہ انتخاب کریں۔

۳۔ آپ رضی اللہ عنہ خود یزید کا نام پیش کرتے اور دیگر لوگ ان پر بیعت کر لیتے جیسا کہ فی الواقع آپ نے کیا بھی۔

آیئے ان تینوں نکات پر ذرا ٹھہریں، اور انھیں نتائج وعواقب کے معیار پر پرکھیں:

۱۔ ہم پہلے نکتہ پر غور کریں کہ اگر معاویہ رضی اللہ عنہ اس موضوع سے چشم پوشی کر جاتے اور اسے یکسر بھلا کر اس دنیا سے فوت ہوتے تو بحیثیت امت مسلمانوں کی کیا حالت ہوتی؟ میں سمجھتا ہوں کہ صورت حال اس سے کہیں زیادہ تشویشناک اور بدتر ہوتی جتنی کہ معاویہ بن یزید کی خلافت سے دستبرداری کے بعد ہوئی، کہ انھوں نے لوگوں کو قتل وخونریزی اور فساد وہلاکت کے دوش پر چھوڑ دیا، یہاں تک کہ تقریباً دس سالوں تک زبردست خونریزی اور جنگ وجدال کے بعد جب خلافت کی باگ ڈور عبدالملک بن مروان کے ہاتھوں میں آئی تو امن وامان کی صورت حال پیدا ہوئی۔

۲۔ پھر دوسرے نکتہ کو سامنے رکھیں اور دیکھیں کہ اگر ہر شہر وریاست سے ان کے ایک نمائندے کی نامزدگی کا اعلان ہوتا اور پھر ان نمائندوں کی رائے شماری کے بعد انھیں میں سے کسی ایک کو وفات معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے لیے منتخب کرنا ہوتا تو یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ شام والے بنوامیہ کے کسی فرد کو بلکہ عین ممکن تھا کہ یزید ہی کو منتخب کر لیتے۔

بہت ممکن تھا کہ اہل عراق کی اکثریت حسین بن علی کو ترجیح دیتی۔ جب کہ اہل حجاز، ابن عمر، یا عبدالرحمٰن بن ابوبکر یا ابن زبیر کو پسند کرتے۔ رہے باشندگان مصر تو وہ لوگ عبداللہ بن عمرو بن عاص کو نامزد کرتے۔ لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ ممکن تھا کہ مذکورہ افراد میں سے کسی ایک پر مذکورہ تمام ریاستوں کے باشندے اتفاق کر لیتے، اور اسے خلافت کی باگ ڈور سونپ دیتے؟ یا ٹکراؤ اور نظریاتی اختلاف کا وجود حتمی تھا؟ بالکل یقینی بات ہے کہ ٹکراؤ اور اختلاف کی نوبت آنی ہی تھی دریں صورت حال یہ بات کیوں کر سوچی جاسکتی ہے کہ سارے لوگ کسی ایک فرد کی نامزدگی پر متفقہ فیصلہ لے لیتے؟ کیا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بس میں یہ بات تھی کہ کسی ریاست کے منتخب شدہ فرد کی خلافت تسلیم کرنے پر دوسری ریاست والوں کو مجبور کر لیتے؟ ایسا ہرگز ممکن نہ تھا بلکہ اخیر میں نتیجہ یہ ہوتا کہ اسلامی مملکت مختلف دھڑوں اور متعدد جماعتوں میں منقسم نظر آتی، اور اس شورش زدہ ماحول سے شر وفساد کے وہ ٹھیکیدار سیاسی فائدہ اٹھانے میں ایک لمحے کے لیے بھی نہ چوکتے جو ماضی میں حکومتی اقتدار کے عتاب کا شکار ہو چکے تھے، اور پھر اسلامی مملکت کی آہنی دیواروں میں شگاف پیدا کرنے میں وہ کامیاب ہو جاتے۔ میں نے جن مذکورہ ممکن خطرات کو ذکر کیا ہے بسا اوقات ہو بہو ایسا ہی یا اس کے خلاف بھی

ہوسکتا تھا، لیکن ان اندیشوں کو میں نے اس لیے ذکر کر دیا ہے تا کہ ان افکار و نظریات کی صحت کا ہمیں اندازہ ہو جائے جسے بعض لوگ اس وقت کے تاریخی احوال و وقائع سے آنکھیں موند کر کے پیش کر دیا کرتے ہیں۔

خلیفہ راشد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے زبردست جھٹکے سے پورا اسلامی معاشرہ دہل اٹھا تھا، اور اسی کے نتیجہ میں مختلف سیاسی تحریکات نے جنم لے لیا تھا، نیز مہلک وخطرناک عقائد و نظریات نے اپنے سر اٹھانے شروع کر دیئے تھے، ان حالات کے پس منظر میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بحیثیت خلیفہ یہ واجب تھا کہ حالات و معاملات کی نزاکت کو سمجھتے، اور اپنا ولی عہد نامزد کرنے میں عجلت نہ کرنے کی صورت میں مسلمانوں میں رونما ہونے والے انتشار کی خطرناکی کلی حل نکالتے، مزید برآں اہل شام کا زبردست دباؤ، اور بنوامیہ کے تئیں ان کی پرزور حمایت، پھر اہل مدینہ کے خلاف ان کے دلوں میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات، یہ ساری باتیں معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ترجیحی محرک تھیں کہ آپ ولی عہد کی نامزدگی کے لیے پیش رفت کریں۔

۳۔ رہا تیسرا نکتہ جس کی طرف معاویہ رضی اللہ عنہ نے عملاً قدم آگے بڑھائے، سو بعض محققین و مقالہ نگاران نے اسلامی اقتدار کو اختلاف سے بچانے اور اسے استحکام بخشنے کے پیش نظر اس کی تائید کی ہے۔ چناں چہ محمد کرد علی کہتے ہیں: اسلام میں ولی عہدی کا قانون نافذ کرنے سے بعض تحفظات و احتیاطات فراہم ہوتی ہیں، یہ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ ہونے سے بچاتی ہے، ہاں کبھی کبھار انتخابِ ولی عہدی میں خلیفہ سے چوک ہو جاتی ہے، اور اس کے مشیروں وقریب ترین لوگوں میں، یا جن کو وہ اپنی خدمت گزاری کے لیے رکھے ہوئے ہے، ان میں سے کسی کو یہ توفیق یا ہمت نہیں ہوتی جو اس کا انکار کرے، یا کم ازکم اسے درست رائے اور صحیح انتخاب کی طرف لوٹا دے۔ بہرحال اہلیت و صلاحیت کی رعایت کرتے ہوئے بیٹوں، بھائیوں یا بھتیجوں کو ولی عہد بنانے میں مجموعی طور پر ملکی سلامتی اس اعتبار سے زیادہ محفوظ ہوتی ہے کہ اس میں گروہ بندی کے فتنے جنم نہیں لیتے، اور نفس پرست ومتعصب افراد سر نہیں اٹھا پاتے، کہ ہر گروہ حق یا باطل طریقے سے اپنا خلیفہ نامزد کرلے، اور صورت حال یہ بن جائے کہ مظاہروں اور عوامی حمایتوں سے طالع آزما لوگ جس منصب تک پہنچ جائیں باصلاحیت اور نیک لوگ اس کے قریب نہ جاسکیں۔ [1]

فاضل مصنف جناب شعوط صاحب کہتے ہیں:

''ہمیں معلوم ہے کہ انتخاب خلیفہ کا دائرہ جس قدر تنگ ہوگا اتنا ہی اتحاد امت کی بقا کے لیے وہ معاون ثابت ہوگا، اور ملک اپنا اثر ورسوخ باقی رکھنے نیز ترقی کی رفتار طے کرنے میں فتنوں سے

[1] الاسلام و الحضارة العربية/ محمد کرد علی (۲/ ۳۹۵)

محفوظ رہے گا۔ اسی طرح ہم بخوبی جانتے ہیں کہ دائرہ انتخاب جوں جوں وسیع تر ہوتا جائے گا طالع آزما اور خلافت کے متمنی افراد کی تعداد بڑھتی جائے گی، خاص طور سے اگر ہم نے اس بات کی رعایت کیا کہ ملکی دائرہ کافی وسیع ہے اور اس میں مختلف طبقات کے مختلف افراد کو شامل ہونا چاہئے۔‘‘ [1]

بہرحال قانون ولی عہدی کی یہ افادیت اپنی جگہ، تاہم ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے بعد امت کا انتخابی حق اس کے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے۔ بلکہ فقہائے اسلام کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ ولی عہدی کا شرعی انداز اس بات سے زیادہ جواز فراہم نہیں کرتا کہ جو شخص خلیفہ بننے کی اہلیت رکھتا ہو وہ امت کی رضا مندی اور اطمینان کے بعد اس کی بیعت کا حقدار ہو جاتا ہے۔ اگر امت بلا جدال ونزاع اس پر بیعت کرلے تو اس کی امامت ثابت ہو جائے گی۔ اور اگر اس کی بیعت سے انکار کردے یا اس کے علاوہ کسی دوسرے پر بیعت کرلے تو ولی عہدی کی سابقہ نامزدگی کالعدم قرار پائے گی، گویا اس طرح امت ہی اپنے حاکم کے انتخاب و اختیار کے بارے میں آخری فیصلہ کا حق رکھتی ہے۔ [2] میری اس بات کی تائید نامور فقیہ اسلام امام ابویعلی کے قول سے ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

’’امام وقت (خلیفہ) کے لیے جائز ہے کہ اپنے بعد کے لیے کسی کو ولی عہد بنا دے...... کیوں کہ محض ولی عہد نامزد کرنے سے امامت (خلافت) منعقد نہیں ہوتی، بلکہ مسلمانوں کے عقد و اعتماد کے بعد اس کا ثبوت جائز ہوتا ہے، میری اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اگر ولی عہدی کی نامزدگی سے امامت منعقد ہو جاتی تو ایک ہی وقت میں دو امام (خلیفہ) کا ہونا لازم آتا ہے، اور یہ جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اس حقیقت کا اعتراف ضروری ہے کہ جب تک امام وقت (خلیفہ) باحیات ہے ولی عہد کی امامت (خلافت) ثابت نہیں ہے بلکہ یہ مسلمانوں کے اختیار میں ہے، جو کہ خلیفہ وقت کے وفات کے بعد ولی عہد کے ہاتھوں میں منتقل ہوگی۔‘‘ [3]

اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’کوئی شخص اس وقت تک خلیفہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ ایسے صاحب حیثیت اور بااثر لوگ اس کی

---

[1] اباطیل یجب ان تمحی من التاریخ / شعوط ص (۳۳٤)

[2] اصول الدعوۃ / عبدالکریم زیدان ص (۲۱۱) الدولۃ القانونیۃ والنظام السیاسی الاسلامی/ منیر احمد البیانی ص (٤٦۸)

[3] الاحکام السلطانیۃ/ ابویعلی ص (۲۵)

تائید نہ کریں جن کی اطاعت سے اس شخص کے حق میں خلافت کا مقصد حاصل ہوتا ہے، کیوں کہ امامت وخلافت کے تقاضے و مقاصد طاقت اور اثر و رسوخ ہی کے ذریعہ مل سکتے ہیں، لہٰذا اگر ایسی بیعت پر اتفاق ہو جس سے اقتدار اور طاقت وقوت کا حصول ہو تو وہ امامت کا استحقاق رکھتی ہے۔'' ❶

ولی عہد کو محض ایک بااہل امیدوار کی شکل میں پیش کرنا، یعنی اہل حل وعقد کے مشورہ سے پیشگی طور پر ولی عہدی کا انتخاب اور پھر منتخب ولی عہد پر مشیروں کا اظہار اطمینان یقیناً انتخاب خلیفہ کے لیے ایک لائق ستائش اور درست عمل ہے، جو انتخاب خلیفہ کی راہ میں امت کے اختیار وحقوق سے قطعاً متصادم نہیں ہے، بلکہ کبھی کبھار ولی عہد کی معدومیت کی صورت میں اصحاب حل وعقد کے ذریعہ انتخاب خلیفہ کے بالمقابل یہی طریقہ زیادہ مفید ومناسب ہوتا ہے کیوں کہ ولی عہد کے تعین سے مستقبل کے ممکنہ اختلاف ونزاع کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ ❷ چناں چہ یہی وجہ رہی ہے کہ امام ابن حزم نے اسی طریقہ ولایت کو راجح قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''یہی طریقۂ ولی عہدی ہمیں زیادہ پسندیدہ ہے، اس کے علاوہ کو ہم ناپسند کرتے ہیں کیوں کہ اس طریقہ ولایت میں تحفظ امامت کا تسلسل باقی رہتا ہے، اسلام اور مسلمانوں کے معاملات درست رہتے ہیں، اور دوسرے طریقہ ولایت میں جس اختلاف، ہنگامہ آرائی، انتشار، اور طبع آزمائیوں کا خوف واندیشہ ہوتا ہے ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔'' ❸

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ نظام حکومت کے اقتدار اعلیٰ یا خلیفہ کے انتخاب واختیار کے لیے کون سا اسلوب زیادہ معقول ومناسب ہے یہ ایسا مسئلہ ہے جسے قرآن اور سنت صحیحہ نے بہت زیادہ موضوع بحث نہیں بنایا ہے، اور نہ ہی کسی ایک مخصوص اسلوب میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا انتخاب عمل میں آیا، بلکہ مختلف طریقوں اور متعدد اسلوبوں میں وہ خلیفہ منتخب ہوئے، جیسا کہ کتب سیرت میں یہ بات معلوم ہے۔

لہٰذا کسی بھی بنیادی اصول کی تطبیق وتنفیذ، یا کسی بھی ہدف تک رسائی پانے کے لیے طریقہ کار اور اسلوب کا مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ کسی ایک ہی نہج پر اٹل اور جامد رہے، بلکہ احوال وظروف اور تغیر مکانی کے ساتھ ساتھ اس میں تغیر پذیری کا عمل جاری رہتا ہے، اور خارجی عوامل اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ❹ بنابریں یہ بات تسلیم کرنے میں ہمیں قطعاً دریغ نہیں کرنا چاہئے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا عمل نصوص شرع کے خلاف نہیں

---

❶ منهاج السنة (١/ ٥٢٧) اكليل الكرام/ صديق حسن خان ص (٣٤)

❷ اصول الدعوة/ عبدالكريم زيدان ص (٢١٣) ❸ الفصل فى الملل والنحل (٥/ ١٦)

❹ مبادئ فى نظام الحكم/ عبدالحميد متولى ص (٢٠٩)

تھا کہ جیسے آپ نے کسی بدعت کا ارتکاب کیا ہو، بلکہ ایک ایسے معاملے میں آپ کا اجتہاد تھا جس کے خلاف امت کا اجماع نہیں تھا۔ [1]

اور اگر اس وقت کے احوال و وقائع کا آپ جائزہ لیں تو ماننا ہوگا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کرنے میں حالات وظروف کی تبدیلیوں کا بڑا اہم اثر اور کردار تھا، چناں چہ اسلامی معاشرے کا وہ اولین دور جس میں اس کی بود و باش حدود مدینہ تک سمٹی ہوئی تھی، اس کے افراد کم تھے اور سارے لوگوں کو اکٹھا کرنا اور ان سے مشورہ لینا ممکن اور آسان تھا ساتھ ہی ساتھ وہ لوگ ورع وتقویٰ کے جس مقام پر فائز تھے وہ خوبی اپنی جگہ تھی، کسی معاملے میں وہ بآسانی یکجا ہو سکتے تھے اور کسی بھی معاملے پر اجماع واتفاق کر سکتے تھے، لیکن اب یہ دور ختم ہو چکا تھا، مسلمانوں نے مختلف شہروں میں بود و باس اختیار کر لی تھی، جماعتوں کی کثرت ہو چکی تھی، متعدد مذاہب رونما ہو چکے تھے، اور مختلف الانواع عصبیتیں ظہور پذیر ہو چکی تھیں۔ پس ان حالات میں کسی ایک معاملہ یا شخص پر سارے لوگوں کو اکٹھا کرنا اور ان میں اتفاق پیدا کرنا ناممکن ہو چکا تھا، لہٰذا ہر چند کہ شورائیت کی تنفیذ یا ہر فرد سے بیعت عامہ اور انتخاب خلیفہ کے لیے رائے لینا ہی کامل اسلامی اور مثالی نظام کی ترجمانی ہے لیکن کیا کیا جائے کہ اس دور میں یہ چیز بے حد مشکل ہو چکی تھی۔ اس لیے کہ اس دور کے قبیلے اور جماعتیں فکر ونظر کی اس منزل و معیار تک نہیں پہنچی تھیں جس میں موجودہ دور کی طرح حکومت سازی کا وہ ایسا ٹھوس نظام و دستور قائم کرتیں جس کے مخصوص ومحدود قواعد وضوابط ہوتے اور سب اس کے پابند ہوتے، یا مستقل انتخابی کمیٹی، یا اہل وخود مختار ادارہ ہوتا جو مکمل انتخابی نظام پر اپنی قانونی بالادستی اور اصولی گرفت قائم رکھتا پس حالات وظروف ہی نے موجودہ طرز حکومت سازی کو ضرورت کے مطابق جنم دیا ورنہ ابتداء میں اس کا کوئی تصور نہ تھا۔

بہر حال دور حاضر کا جو طرز انتخاب رائج ہے وہ اگر چہ حالات وظروف کی پیداوار ہے لیکن اسلام کا مثالی نظام ہمارے ذہنوں سے محو نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس کے قواعد واساسیات کو حتی المقدور سیاسی آئین میں جگہ دینے کی کوشش کرنی چاہیے، اور اسے زیر مطالعہ رکھنے کے ساتھ اس کی خوبیوں کا تعارف کراتے رہنا چاہیے تاکہ جب بھی حالات وظروف ان کے حق میں سازگار ہوں اور ان کی تنفیذ ممکن ہو اسے نافذ کیا جا سکے۔ [2]

---

[1] الدولة الاموية / يوسف العش ص (١٦٤)

[2] النظريات السياسية الاسلامية ص (١٩١) محمد الريس

اسلامی نظام انتخاب خلیفہ کو جمہوری نظام پر تولنا صحیح نہیں ہے جمہوری نظام میں صرف سر گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا جب کہ اسلامی نظام میں سروں کو تولا جاتا ہے۔ اصحاب حل وعقد کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا ہے اصحاب حل وعقد کی بیعت سب کے لیے ہوتی ہے۔ ہر ہر فرد سے بیعت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی عوام پر اصحاب حل وعقد کی بیعت کو قبول کرنا لازم ہوتا ہے یہی منہج خلافت راشدہ نے ⇐⇐⇐

چناں چہ حالات وظروف کے پس منظر میں اگر کوئی شخص خود کو معاویہ رضی اللہ عنہ کی جگہ رکھے تو اسے اچھی طرح اندازہ ہو جائے گا کہ اگر مسلمانوں کا معاملہ بلا کسی تعین و نامزدگی کے آزاد چھوڑ دیا جاتا یا اسے ابنائے علی بن ابی طالب یا دیگر ابنائے صحابہ کے حوالے کر دیا جاتا تو امت کتنے مہلک خطرات ومتوقع حوادث سے گھر جاتی، پس وہ خطرات و اندیشے او رامت کی گھات میں بیٹھے فتنے اس بات کے متقاضی تھے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظم حکومت کوامتداد میسر آئے تا کہ امت کے معاملات درستگی پر قائم رہیں، اور اس کے لیے ضروری تھا کہ معاویہ اپنے اجتہاد کی بنا پر اپنی عہد حکومت اور نظام اقتدار کو مستقبل میں باقی رکھنے کے لیے اپنے بیٹے کو منتخب کرتے، تا کہ مستقبل میں سر اٹھانے والے فتنے جنم لینے سے پہلے ہی زیر زمین دفن ہو جائیں، لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شد، معاویہ کے اجتہاد و اندازے کے خلاف اللہ کا کچھ دوسرا ہی فیصلہ تھا۔ [1]

مختصر یہ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل عقیدہ اہل سنت و جماعت کے خلاف نہیں ہے۔ کیوں کہ اہل سنت و جماعت معاویہ ہی کیا ان سے افضل ترین کسی بھی شخص کو معصوم عن الخطاء نہیں سمجھتے چہ جائے کہ کسی اجتہادی مسئلہ میں انھیں غلطیوں سے پاک گردانیں، بلکہ ان کا عقیدہ تو یہ ہے کہ گناہوں کے کچھ اسباب ہوتے ہیں جن کی سزائیں توبہ واستغفار گناہوں کو مٹانے والی نیکیوں، اور ایسے ناگہانی آفات ومصائب سے ختم ہو جاتی ہیں اور وہ ان گناہوں کے لیے کفارہ ہوا کرتی ہیں، یہ ایسا امر واقعہ ہے جس میں صحابہ اور غیر صحابہ سبھی شامل ہیں۔ [2]

پس معاویہ رضی اللہ عنہ ان عمدہ ترین بادشاہوں میں سے تھے جن کا عدل ان کے مظالم پر بھاری رہا، معاذ اللہ ایسا نہیں ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے بری رہے ہوں لیکن اللہ انھیں درگزر فرمائے گا۔ [3]

⇦⇦⇦ ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے انتخاب تک مدینہ اصحاب حل وعقد کا مرکز تھا لیکن خلافت کے کوفہ منتقل ہونے کی وجہ سے مدینہ کی مرکزیت ختم ہوگئی اور اصحاب حل وعقد منتشر ہو گئے، اسی لیے اس کے بعد انتخاب خلیفہ میں مشکلات کا دور شروع ہوا اور مختلف فتنوں نے سر اٹھایا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر قربان جایئے آپ یزید کی ولیعہدی کے لیے شورائیت کا جو اہتمام کیا اور تمام عالم اسلام کے جو اہل حل وعقد منتشر ہو چکے تھے ان سب سے رائے لی اور ان کی موافقت کے بعد ہی یہ کام پائے تکمیل کو پہنچا۔ چند افراد کا اختلاف کا ایسی صورت میں کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ (ش)

[1] مجلة الجندی المسلم بعنوان (الشوری) محرر عماره نجيب ص (٥٨)

[2] منهاج السنة (٤/ ٣٨٥)

[3] دیکھئے: الاسلام و اوصاف السیاسیة/ عبدالقادر عودة (١٥٩) دراصل عبدالقادر عودہ اور ان کے ہم خیال دیگر لوگوں کی یہ انتہائی فحش اور خطرناک غلطی ہے، بلکہ مقبلی یمانی تو حد ہی پار کر گیا اور بیعت یزید ومعاویہ کے بارے میں یہاں تک کہہ گیا کہ جو اسے معاویہ کی اجتہادی غلطی پر محمول کرے وہ یا تو حقیقت حال سے قطعی لابلد، نرا مقلد ہے یا گمراہ اور نفس پرست ہے۔ (اللھم انا نشھد بذلک) ہم ہرگز نہیں کہیں گے کہ یہ معاویہ کی اجتہادی غلطی تھی (العلم الشامخ ص ٢٣٨) اس تبصرہ کے ساتھ یاد رکھیں کہ صالح بن مہدی المقبلی کی ۱۰۴۷ھ میں یمن میں پیدائش ہوئی، جو اپنے ہم وطنوں کی طرح زیدیہ مسلک پر قائم تھے، پھر اپنے اہل وعیال کے ساتھ مکہ ہجرت کر گئے اور تقلیدی بندھن سے آزاد ہو کر معتزلہ، صوفیہ اور متعصب محدثین کے خلاف مورچہ کھول دیا۔ ۱۱۰۸ھ میں ان کی وفات ⇦⇦⇦

لہٰذا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہمیں یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ بشمول معاویہ کسی بھی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمارے دلوں میں ذرہ برابر کینہ و بدگمانی نہ ہو بلکہ ہمیں وہی کہنا چاہیئے جو اللہ نے فرمایا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ جَاؤُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ o﴾

(الحشر: ۱۰)

''اور (ان کے لیے) جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اور ایمان داروں کی طرف سے ہماری دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بے شک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔''

ہم یہی کہیں گے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے امت کے مفاد و مصالح کے تئیں محض اس لیے اجتہاد کیا تھا کہ مبادا امت مسلمہ ٹکڑوں میں نہ تقسیم ہو جائے اور فتنوں کے منہ میں نہ چلی جائے، چناں چہ یہ بات قطعاً درست نہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کے بعد آنے والے تمام تر امراء و شاہان اسلام کی غلطیوں کا معاویہ ہی کو ذمہ دار بنایا جائے جیسا کہ عبدالقادر عودۃ [1] کا یہ تبصرہ ہے کہ معاویہ نے امت اسلامیہ کو ظلم، جانب داری اور حقوق کی پامالی کا سبق دیا، شورائیت کی دھجیاں اڑائیں اور جو فرمان الٰہی ہے کہ: ''وامرہم شوری بینہم'' اسے بے معنی قرار دیا، اور ایک پاکیزہ و عدل پرور نظام حکومت کو نفس پرستی پر مبنی گھناؤنے نظام حکومت میں بدل دیا، پوری عوام کو نفاق اور ذلت و رسوائی کے منہ میں دھکیل دیا، بلاشبہ یہی وجہ ہے کہ آج تک جتنے بھی شاہی حکمراں آئے انھیں کے طریقہ پر عمل کیا، اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو چھوڑ کر سب انھیں کی بدعت سے چپکے اور وابستہ رہے پس

⇦⇦⇦ ہوئی۔ دیکھئے: البدر الطالع/ الشوکانی (۱/ ۲۸۸) الاعلام/ زرکلی (۲/ ۲۸۳)

اگر یزید معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے نہ ہوتے تو ان کے انتخاب پر کسی کو آواز اٹھانے کا موقع نہ ملتا۔ خلافت کے تمام اوصاف ان کے اندر موجود تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیٹے کی بنیاد پر ان کا انتخاب نہ کیا تھا، ان کے دل پر فتوی لگانا ظلم ہے،، آپ کے پیش نظر حالات ظروف کے اعتبار سے آفت کی خیر خواہی تھی اور اس کے لیے جس کو آپ نے اصلح سمجھا اس کو منتخاب کیا اور پھر اپنی رائے تھوپنے کی بجائے شورائیت کو بدرجہ اکمل کام میں لائے لیکن سبائیوں کی شرانگیزیوں نے اس کو کامیاب نہ ہونے دیا اور اس کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔ کتاب و سنت میں کوئی نص وارد نہیں کہ خلیفہ کا بیٹا خلیفہ نہیں ہوسکتا ہے اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو سکتے ہیں تو پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد یزید خلیفہ کیوں ہیں ہوسکتا؟

[1] الاسلام و اوضاعنا السیاسیة/ عبدالقادر عودة۔ یہ بڑی قبیح و فحش غلطی ہے جس میں عبدالقادر عودہ جیسے دوسرے لوگ جا گرے ہیں۔

معاویہ وہ مجرم ہیں جنھوں نے یہ برا طریقہ ایجاد کیا انھیں پر اس بدعت کا گناہ ہے اور قیامت تک جو اس پر عمل کرے گا اس کا بھی ان پر گناہ ہے۔

اور قیس رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے مرض الموت میں اپنے دونوں بازو کھولے وہ گویا کھجور کی ٹہنی تھے آپ فرما رہے تھے: اللہ کی قسم! میری خواہش ہے کہ تین دن سے زیادہ تمھارا امیر نہ ہوتا۔ لوگوں نے کہا اللہ کی رحمت و مغفرت آپ کو حاصل ہو۔ آپ نے فرمایا: اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز ناپسند ہوتی تو اسے بدل دیتا۔ دنیا وہی تو ہے جس کو ہم نے پہچانا یا اس کا تجربہ کیا۔ [1]

چناں چہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ بیعت یزید بہت سارے لوگوں کو منظور تھی، یہاں تک کہ ابن عمر جیسے تقریباً ساٹھ (۶۰) صحابہ کرام نے اس بیعت کو قبول کیا تھا۔ [2] تاہم بیعت یزید کی مخالفت بعض صحابہ کے نزدیک موضوع بحث و تنقید بنی رہی، حمید بن عبدالرحمٰن کا بیان ہے: کہ جب یزید بن معاویہ خلیفہ بنائے گئے تو ہم اُسیر [3] نامی ایک صحابی رسول کے پاس گئے، انھوں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں: بے شک یزید امت محمدیہ کا بہت اچھا آدمی نہیں ہے، اور نہ ہی وہ امتیازی فقہ و بصیرت اور اعلیٰ شرف و عظمت کا مالک ہے، اور میں بھی یہی کہتا ہوں، لیکن اللہ کی قسم! امت محمدیہ کا متحد رہنا میرے نزدیک اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ وہ کئی حصوں میں تقسیم ہو جائے، بھلا ایسے دروازے کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جس میں پوری امت محمدیہ داخل ہو سکتی ہے، کیا اگر اس میں ایک آدمی اور داخل ہونا چاہے تو اس کے لیے گنجائش نہیں ہوگی؟ ہم نے کہا: نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ نیز اس طرح اگر پوری امت محمدیہ کا ہر فرد یہ کہے کہ ان میں سے کوئی اپنے بھائی کا خون نہیں بہائے گا، اور نہ اس کا مال لوٹے گا، تو کیا یہ ان سے ممکن ہے؟ ہم نے کہا: ہاں! ایسا نہیں ہوسکتا اس وقت

---

[1] طبقات ابن سعد (۱/ ۱۵۳) بسند صحیح، مسند ابن ابی شیبہ (۱۱/ ۹۱) باسناد صحیح، الآحاد والمثانی / ابن ابی عاصم (۱/ ۱/ ۳۷۸)، انساب الاشراف (٤/ ۱/ ۵۰) جھوٹوں اور افترا پردازوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ جھوٹ گھڑنا چاہا ہے کہ انھیں بیعت یزید پر بہت افسوس تھا۔ چناں چہ یہاں تک کہہ دیا کہ ”لولا هوای فی یزید لا بصرت رشدی“ (اگر یزید کی محبت نہ ہوتی رشد و ہدایت کو پالیتا) انساب الاشراف (٤/ ۱/ ۲۸) جب کہ سند بطریق واقدی ہے جو کہ متروک ہیں۔ نیز معاویہ کی طرف یہ بھی منسوب کیا گیا ہے کہ انھوں نے یزید سے کہا: اللہ نے میرے دل میں تمھیں خلافت سونپنے سے بڑی کوئی بات نہیں ڈالی۔ انساب الاشراف (۶۰/۱/۴) یہ روایت ہیثم بن عدی کی سند سے ہے جو کہ کذاب راوی ہے۔ یہ افترا پرداز بھول گئے کہ معاویہ اس بیعت کو توڑ کر اپنا رنج والم مٹا سکتے تھے کیوں کہ وہ خلیفہ وقت تھے انھیں افسوس کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ رشید رضا مصری رحمہ اللہ نے ایسی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے معاویہ و یزید دونوں پر زبردست حملہ کیا ہے۔ دیکھئے: الخلافۃ ص (۵۲، ۵۳)

[2] القید الشرید / ابن طولون ق ۱۷

[3] آپ اُسیر بن عمرو بن جابر المحاربی ہیں، آپ الکندی بھی کہے جاتے ہیں، انھیں رویت نبی ثابت ہے۔ ۸۵ھ میں وفات ہوئی۔ الاستیعاب (۱/ ۹۹، ۱۰۰)

آپ نے فرمایا: یہی وجہ ہے جو میں (بیعت یزید کے تعلق سے) کہہ رہا ہوں پھر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”لا یاتیك من الحیاء الا خیر“ ❶ حیا سے ہمیشہ خیر ہی جنم لیتا ہے بہرحال معاویہ رضی اللہ عنہ کے مدینہ سے کچھ ہی دور جانے کے بعد عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوگیا، یعنی ۵۳ھ کے قریب، اب بیعت یزید کی مخالفت کرنے والوں میں صرف تین لوگ یعنی ابن عمر، ابن زبیر، اور حسین بن علی رضی اللہ عنہم باحیات تھے، جن میں سے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ اکثریت بیعت یزید پر متفق ہو چکی ہے تو آپ نے بھی بیعت کر لیا، جس کا پیغام معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید تک یہ کہتے ہوئے پہنچایا کہ ”ان کان خیراً رضینا وان کان بلاء صبرنا“ اگر بہتر رہے تو ہم خوش ہیں اور اگر وہ مصیبت بنے تو ہم صبر کریں گے۔ ❷

پھر یکے بعد دیگرے ابن عباس اور محمد بن الحنفیہ نے بھی بیعت کر لی، اور اب اس بیعت پر اعتراض کا دائرہ صرف دو لوگوں یعنی ابن زبیر اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما میں منحصر ہو کر رہ گیا۔



❶ طبقات الکبری/ ابن سعد (۷/ ۶۷) باسناد صحیح، تاریخ خلیفه (۲۱۷) الاصابة/ ابن حجر (۱/ ۶۵)

❷ مصنف ابن ابی شیبة (۱۱/ ۱۰۰) بسند صحیح۔ طبقات ابن سعد (۴/ ۱۸۲) تاریخ خلیفه (۲۱۷) باسناد صحیح۔ التاریخ الکبیر/ ابن ابی خیثمه ق ۱۸ أ

حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی مخالفت اور معارضہ

بطور تمہید ہم اولاً ان مصادر پر بحث کرنا چاہتے ہیں جن میں اس مخالفت کی تفصیلات درج ہیں، چناں چہ ابتداء ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی طرف سے یزید بن معاویہ کی مخالفت مسلمانوں کی تاریخ میں ایک خطرناک مرکزی محور کی حیثیت رکھتی ہے۔ جہاں سے بہت ساری گروہ بندیاں اور ہلاکت خیزیاں رونما ہوئیں، اس پُر الم سانحہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ خلافت یزید بن معاویہ کے خلاف یہ اولین محاذ آرائی تھی جو عملی شکل میں نمودار ہوئی۔ اور پھر جن اسباب وعوامل اور احوال وظروف کے پس منظر میں یہ حادثہ سامنے آیا اس نے بعد میں آنے والوں کو کسی نہ کسی حد تک جانب دار بنا دیا، یا تو جانب داری حسین رضی اللہ عنہ کی تائید میں رہی یا ان کی مخالفت میں۔

علاوہ ازیں اس حادثہ فاجعہ کی ہلاکت خیزیاں راست طور پر صرف اس دور کے اسلامی معاشرہ تک محدود نہ رہیں بلکہ اس کی نحوست وتباہ کاریاں اسلامی تاریخ کی کئی صدیوں سے لے کر آج تک دیکھی جارہی ہیں، اور انسانوں کی ایک جماعت انحراف کے ایسے خطرناک موڑ پر جا پہنچی ہے جہاں وہ صرف حسین بن علی کی محبت و ولاء کا دم بھرتی ہے اور امت کے بقیہ افراد کی تکفیر کرتی ہے اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ اس حادثہ کے حوالے سے تمام ہی اہل سنت وجماعت کے خلاف نفرت کے جذبات کو اس انداز میں ہوا دیتی ہے۔ جیسے وہی لوگ اس حادثہ والمیہ کا اصل سبب رہے ہیں، یا کم ازکم یہ تاثر دیتی ہے کہ یہ اہل سنت حسین بن علی اور آپ کے خانوادے کے تئیں بغض ونفرت رکھتے ہیں۔ (معاذ اللہ) [1] حالاں کہ سچائی یہ ہے کہ اس حادثہ کو اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا جس سے اس کے طول وبُعد کا پتا لگانا مشکل ہوگیا ہے۔ [2] دراصل حقیقت واقعہ کو اس انداز میں پیش کرنے کا مقصد خلافت بنوامیہ کو بدنام کرنا اور یہ تاثر دینا ہے کہ ان حکمرانوں نے خانوادۂ نبوت یا بالفاظ دیگر علویوں کے ساتھ ہمیشہ سے سختی اور ظلم وزیادتی کا برتاؤ کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ شہادت حسین کا یہ حادثہ اور اس جیسے دیگر حوادث نے خلافت بنوامیہ پر منفی اثرات چھوڑے اور ان کا پورا دور اقتدار تہمتوں کی زد میں آ گیا،

---

[1] اس کی مثال یوم عاشوراء کے موقع پر دیکھی جاسکتی ہے، جس میں اہل تشیع ''ہائے حسین! ہائے حسین'' کا نعرہ لگاتے ہوئے کہتے ہیں کون ہے جو چودہ سو سال گزرنے کے بعد آج قاتلین حسین سے بدلہ لے۔

[2] حسین رضی اللہ عنہ سے پہلے ان کے والد علی بن ابوطالب شہید کیے گئے، اور آپ کے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور آپ جیسے دیگر بہت سے انبیاء علیہم السلام وشہید کیے گئے لیکن ان کے لیے یہ واویلا نہیں۔

علاوہ ازیں خلافت بنوامیہ کی بغاوت میں اٹھنے والی وہ انقلابی تحریک جس میں ''الرضا لآل البیت'' کا نعرہ بلند کیا گیا اسے تقویت دینے میں اس حادثہ کا سب سے اہم کردار رہا، اور اس کے بعد ہی اس خلافت کا زوال ہوگیا۔ گویا کہ اہل بیت کے بارے میں جو نظریہ افق عالم پر نمودار ہوا اور خاص طور سے مشرق وسطی کے غیر عرب ممالک میں جسے پذیرائی ملی وہ یہ کہ اہل بیت ہمیشہ امویوں کے ہاتھوں ظلم وستم اور رنج والم کا شکار رہے۔

بہرحال اسلامی تاریخ میں اس خطرناک رجحان کی اگر ہم حقیقت جاننا چاہتے ہیں تو حسینی مخالفت کے اسباب ونتائج کو غور سے دیکھنا ہوگا۔ اور ہر اعتبار سے اس کے گرد گھومنے والے چھوٹے بڑے حوادث کا جائزہ لینا ہوگا، تاکہ شہادت حسین کی جو تصویر پیش کی جاری ہے اس کے بالمقابل یہ حادثہ مزید نکھر کر پوری صداقت کے ساتھ سامنے آئے۔ اس سلسلے میں حسینی مخالفت کے آغاز، پھر آپ رضی اللہ عنہ کی کوفہ روانگی اور وہاں شہادت پانے کے بارے میں جو روایتیں ہمیں ملتی ہیں ان کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ناقلین خود شہادت حسین کے متعلقہ حوادث میں شریک رہے، یا دوسروں سے سنا جو اس کے قریب تھے، اور یہ روایتیں کوفہ کی معاشرتی حالت پر روشنی ڈالتی ہیں، بلکہ بعض روایتیں تو کافی باریک بینی اور واقعیت وحقیقت کے ساتھ کوفہ کے مکانات، گلیوں اور بازاروں کی تفصیلات پر مشتمل ہیں، لہٰذا ہم پہلے ان ناقلین واقعہ پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں جن کی روایتیں ہم تک پہنچیں۔

ا۔ ابومخنف:

ابومخنف کا نام ونسب لوط بن یحیٰی بن سعید بن مخنف بن سلیم ازدی ہے۔ [1] ۱۵۷ھ میں وفات ہوئی، کوفی اور مورخ ہے، خاص طور سے تاریخ عراق کی بیش قیمت معلوماتی تالیف وتدوین میں اسے نمایاں مقام حاصل ہوا۔ [2] ابن ندیم نے اس کی چونتیس (۳۴) کتابوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں بیشتر تاریخ عراق [3] پر مشتمل ہیں۔ اس مقام پر مجھے ابومخنف کی تالیفات میں سے صرف ایک کتاب کو موضوع بحث بنانا ہے جس کا نام ''مقتل الحسین'' ہے۔ مایہ ناز مورخ طبری نے جہاں شہادت حسین کی تاریخ تحریر کی ہے وہاں ابومخنف کی اسی کتاب کو سامنے رکھا ہے، اور شہادت حسین کے تعلق سے تقریباً سو سے زائد یعنی صفحہ ۳۵۱ سے ۴۷۰ تک کے صفحات وہاں سے نقل کیے ہیں، چوں کہ ابومخنف کی روایتوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں عصری

[1] الفهرست / ابن نديم ص (۱۰۵-۱۰٦) سير اعلام النبلاء/ الذهبی (۷/ ۳۰۱، ۳۰۲) لسان الميزان (٤/ ٤٩٢)

[2] الفهرست/ ابن نديم ص (۰۱۵) ذيل كشف الظنون/ اسماعيل پاشا (٤/ ۱۷۱، ٥٤٠) هدية العارفين / پاشا (٤٤١-٤٤٢)

[3] الفهرست/ ابن نديم ص (۱۰۵-۱۰٦)

تسلسل اور واقعات کی ترتیب بیانی کا اہتمام کیا گیا ہے، اسی لیے طبری کے بقول انھوں نے ابومخنف کی روایتوں پر خاصی توجہ دی ہے۔ چناں چہ لکھتے ہیں: ''ابومخنف نے مسلم بن عقیل، اور کوفہ میں ان کی امتیازی حیثیت پھر ان کی شہادت کی جو تفصیل درج کی ہے وہ ابوجعفر کے واسطے سے عمار الدہنی کی روایت -......- جسے میں نے ذکر کیا ہے- کے مقابلے میں زیادہ مفصل اور مکمل ہے۔ ❶ بہرحال ابومخنف نے حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی مخالفت اور کربلا میں ان کی شہادت کو جس مفصل انداز میں پیش کیا ہے اس میں کوفی ماحول کا کافی عمل دخل رہا ہے کیوں کہ اسی میں ان کی پرورش و پرداخت ہوئی تھی، وہ عراقی النسل تھا، کوفہ ہی اس کا مسکن تھا، اسی وجہ سے کوفہ کے متعلق اس کی تاریخ بیانی کو خاص حیثیت ملی۔ ❷ ابومخنف کے معلوماتی مصادر و مآخذ مختلف رہے ہیں، لیکن بالعموم اس نے زہیر بن ابوالاخنس ❸ اور حمید بن مسلم ❹ جیسے لوگوں سے معلومات یکجا کی ہیں جو کہ جائے حادثہ پر موجود اور معرکۂ کربلا میں شریک رہے۔ مزید برآں انھوں نے متعارض روایتوں کو اخذ کرنے میں علمی منہج کو ترجیح دیا، یعنی اولاً پوری روایت بسندہ نقل کرتا ہے پھر اگر وہاں کوئی دوسری متضاد روایت پائی جاتی ہے تو اسے بھی مکمل طور سے نقل کرتا ہے، بسا اوقات دوران نقل اپنی رائے ظاہر کر دیتا ہے اور اپنی صواب دید پر جسے صحیح سمجھتا ہے اسے راجح قرار دیتا ہے۔ ❺

واضح رہے کہ ہر چند کہ علماء اہل سنت ابومخنف کی تضعیف ❻ کرتے ہیں لیکن بہت ساری تاریخی معلومات نقل کرنے میں، اور خاص طور سے شہادت حسین کے بارے میں، اسی پر اعتماد کرتے ہیں، چناں چہ ابومخنف سے تاریخی روایات کے ناقلین میں طبری، بلاذری، ابن الاثیر، ذہبی اور ابن کثیر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ طبری نے تو وجہ ترجیح بیان ہی کر دیا جیسا کہ سابقہ سطور میں تحریر کیا جا چکا، ذہبی نے بھی ابومخنف کی روایت پر اعتماد کرنے کی وجہ بیان کر دی ہے وہ کہتے ہیں: ابومخنف ثقہ نہیں ہے، لیکن تاریخی روایات پر ان کی گہری نگاہ ہے۔ ❼ جب کہ ابن کثیر فرماتے ہیں: ابومخنف شیعہ تھا، ائمہ حدیث کے نزدیک وہ ضعیف الروایۃ ہے، لیکن تاریخی روایات کا حافظ ہے، تاریخی روایات سے متعلق اسے کچھ ایسی معلومات ہیں جو کسی دوسرے کے پاس نہیں ❽، اسی لیے اس کے بعد کے بیشتر مورخین و مصنفین تاریخی روایات میں اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ❾

---

❶ الامم والملوك / الطبری (٥/ ٣٥١) ❷ الفهرست/ ابن الندیم ص (١١٥)
❸ الامم والملوك/ الطبری (٥/ ٤٣١) ❹ الامم والملوك/ الطبری (٥/ ٤٥١)
❺ الامم والملوك/ الطبری (٥/ ٤١٣) ❻ میزان الاعتدال/ الذهبی (٣/ ٤١٩) لسان المیزان (٤/ ٤٩٢)
❼ تاریخ الاسلام/ حوادث سنه (٦١-٨٠) ص (١٩٥)
❽ جب اس کے علاوہ کسی کے پاس نہیں تو پھر ایسی ضعیف اور ناقابل اعتبار شخص کی روایت اور معلومات کا کیا اعتبار۔ (ش)
❾ البدایة والنهایة/ ابن کثیر (٩/ ٢٠٣)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام طبری پر اس اعتبار سے کافی تیز حملہ کیا ہے کہ طبری نے ابومخنف کی روایت کو دوسروں کی روایت پر کیوں مقدم کیا؟ اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ طبری کو ابومخنف کی محبت اور من پسند راوی سے متہم کرتے ہوئے کہا کہ ان کے کلام کی عدم شفافیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ابومخنف پر کس قدر فریفتہ تھے، اور اس سے ان کا کتنا جذباتی لگاؤ تھا، یہی وجہ تھی کہ انھوں نے ابومخنف لوط بن یحییٰ کی روایات کو نقل میں کافی کشادگی کا مظاہرہ کیا ہے حالاں کہ وہ اپنی مرویات میں متہم ہے۔ ❶

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ابن کثیر رحمہ اللہ طبری پر ایسی تنقید کرنے میں صائب الرائے نہیں ہیں، کیوں کہ آپ نے بھی شہادت حسین اور مختار کی تحریک کے بارے میں بیشتر معلومات فراہم کرنے میں ابومخنف ہی کی روایتوں پر اعتماد کیا ہے۔ دراصل بیشتر احوال میں ان مورخین کے تاریخی مصادر میں اتحاد کی وجہ یہ ہے کہ شروع اسلام میں تاریخی تالیفات کی رفتار و تحریک کافی سست رو تھی، جب کہ اس کے بالمقابل حدیث نبوی اور اس کی روایتوں کی بحث و تتبع کا تیز رفتاری سے کافی وسیع اہتمام کیا گیا۔ بہرحال ابومخنف متوفی ۱۷۵ھ شروع اسلام میں واقع ہونے والے حوادث کے بارے میں ایک وسیع المعلومات مورخ رہا ہے جس نے تاریخ اسلام پر ضخیم کتابیں تالیف کیں ہیں۔ بلکہ میری معلومات میں شہادت حسین پر بعد کے ادوار میں جو تالیفات منظر عام پر آئیں، ان میں شہادت حسین کے تعلق سے ابومخنف کی روایتوں کی طرح وضاحت بیانی، تاریخی تتبع و جستجو اور حوادث کا اہتمام نظر نہیں آتا۔ ❷

چناں چہ طبری (متوفی ۳۱۰ھ) نے ایک ایسی محدود مدت و زمانے کے بارے میں تاریخی کتاب تالیف کیا جو ان سے کافی پیچھے گزر چکا تھا، انھوں نے دیکھا کہ ماضی کے حوادث نگاروں میں ابومخنف نے حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کے خروج مدینہ سے لے کر مکہ و کوفہ تک کی روانگی اور پھر کربلا میں شہادت کو جس تفصیل و وسعت سے پیش کیا ہے وہ ثقہ اہل سنت کی دیگر تالیفات میں مفقود ہے یعنی ان کی تالیفات میں نقل حوادث میں تسلسل بیانی کا فقدان ہے۔ اور جو نصوص ہم تک پہنچتی ہیں ان میں خلا نظر آتا ہے۔ پس طبری شہادت حسین کے بارے میں ابومخنف کی روایت پر اعتماد کرنے کے لیے مجبور تھے۔ اور ان کے سامنے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا، لہٰذا انھیں متہم نہیں کرنا چاہئے۔ بالخصوص جب کہ انھوں نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں واضح کر دیا ہے کہ جن ساری روایتوں کو میں اس کتاب میں نقل کر رہا ہوں ان سے میرا متفق ہونا ضروری نہیں ہے، اس کی صحت وضعف کی ذمہ داری اس راوی پر عائد ہوتی ہے جو واقعہ کا ناقل ہے۔ ❸ یہی توجیہ آپ کی اس

---

❶ البداية والنهاية/ ابن كثير (٨/ ٢٧٧)

❷ جب ان معلومات کا راوی ہی ناقابل اعتماد اور غیر ثقہ ہے تو پھر اس کی روایات پر کیسے اعتماد کیا جائے گا؟ (ش)

❸ مقدمه تاريخ الامم و الملوك/ طبری (١/ ٧٠٦)

تاریخی نوشت کی بھی کی جائے گی جس میں آپ نے مختار بن عبید ثقفی کے تعلق سے ابومخنف کی روایتوں پر اعتماد کیا ہے۔ ابومخنف نے مختار بن عبید ثقفی کی تحریک پر بھی خصوصی توجہ دی ہے بلکہ اس تحریک پر ایک مفصل کتاب تالیف کیا ہے۔ ❶

مزید برآں مختاری تحریک کے بارے میں ابومخنف کے معتمدہ مصادر واقعات سے قریب العصر ہی نہیں بلکہ اس میں کچھ تو تحریک کے بالکل ہم عصر ہیں۔ اسی وجہ سے مختاری تحریک کے بارے میں دیگر روایتوں کے مقابلے ابومخنف کی روایت کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ لہٰذا اگر طبری نے مختاری تحریک کے متعلق ابومخنف کی روایتوں کو نقل کر دیا تو اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ وہ مختار بن عبید سے بہت خوش اور متاثر تھے۔ علاوہ ازیں یہی طبری دوسری جگہ جہاں مختار کی مدد کنندہ ''طلب کرسی'' کا واقعہ نقل کرتے ہیں وہیں اس واقعہ سے مختار بن عبید ثقفی کے کذب بیانی کی گرفت بھی کرتے ہیں، جس سے طبری کی صاف گوئی واضح اور ان پر لگی ہوئی اس تہمت کا ازالہ ہو جاتا ہے کہ وہ مختار بن عبید ثقفی کے جانبدار تھے، بہرحال طبری کی نگاہ میں ابومخنف کی ترجیح کی اس کے علاوہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ان کے پاس شہادت حسین کے بارے میں وافر معلومات تھیں۔ ❷ اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ بلاذری جیسے عظیم مورخ نے مکہ سے حسین رضی اللہ عنہ کی روانگی اور شہادت تک کے واقعات کو پیش کرنے میں ابومخنف ہی پر اعتماد کیا ہے۔ حالاں کہ بلاذری نے دوسری سندوں سے واقعات کی تفصیل طلبی میں بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن ابومخنف کی سند کے علاوہ انھیں کوئی ایسی روایت نہیں ملی جو معارضہ حسین رضی اللہ عنہ کے پورے واقعہ کی تفصیل واضح اور مکمل انداز میں بیان کرتی ہو۔ چناں چہ بادی النظر میں بلاذری نے یہ پوری کوشش کی ہے کہ جب بھی وہ ابومخنف کی بیان کردہ تفصیلات نقل کرتے ہیں تو ان کا نام ذکر کرنے سے احتراز کرتے ہیں اور اس مقام پر یوں لکھتے ہیں: کہ مورخین کا بیان ہے۔ لیکن جب میں نے مجہول مورخین کے ان بیانات کا ابومخنف کی روایتوں سے تقابل کیا تو معلوم ہوا کہ یہ سب بیانات ابومخنف کے ہیں، بلاذری نے اس میں کہیں اختصار سے کام لیا ہے، اور کہیں بعض نصوص کو حذف کر دیا ہے۔ ❸

بلاذری کی یہ حرکت دیکھ کر میرے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ آخر انھوں نے ابومخنف کا نام ذکر کرنے

---

❶ مقدمه هند غسان بابت تحريك مختار بن ابو عبيد ثقفى

❷ لیکن ان معلومات کے نقل سے جن گمراہیوں نے جنم لیا ہے اس کا ذمہ دار طبری کے علاوہ کون ہوگا؟ اور بنوامیہ کی مظلومیت کا ذمہ دار کون قرار پائے گا؟ (ش)

❸ انساب الاشراف (٣/ ١٥٨، ١٥٩) مقارنة مع الطبری (٥/ ٣٥٢، ٣٥٣) اور (٣/ ١٦٦، ١٦٧) مع الطبری (٥/ ٣٩٤، ٣٩٥) اور (٣/ ١٦٨، ٢) مع الطبری (٥/ ٣٩٦) اور (٣/ ١٨٢، ١٨٣) مع الطبری (٥/ ٤١٣، ٤١٤) اور (٣/ ١١٨٧، ١٩٣)

سے کیوں گریز کیا؟ میرے خیال میں اس کی دو وجہیں تھیں:

۱۔ عباسی خلیفہ متوکل علی اللہ سے بلاذری کے گہرے مراسم تھے، بلکہ وہ ان کے خاص ہم نشینوں میں سے تھے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بلاذری نے ابومخنف کا نام ذکر کرنے سے اس لیے گریز کیا کہ وہ ان شیعہ مورخین میں سے تھا، جنھوں نے علویوں کی تاریخ کو خوب رنگ و روغن لگا کر مستقل تالیفات کی شکل میں پیش کیا، پس اگر بلاذری اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر ابومخنف کے حوالے سے گفتگو کرتے تو کتاب مختلف تنقیدات کا نشانہ بن جاتی، اور خاص کر ان کے دور کا سیاسی اقتدار انھیں نہ بخشتا۔ کیوں کہ علویوں اور عباسیوں کی باہمی چپقلش جاری تھی، اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے ابومخنف کی بیشتر روایتوں کو بالاختصار پیش کیا ہے۔ اور خاص کر ان روایتوں کو زیادہ ہی مختصر کر دیا ہے جن میں حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ کے تعلق سے رنج والم اور مصیبت و ملال کا طرز اختیار کیا گیا ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بلاذری نے اپنی کتاب انساب الاشراف کی تالیف میں محدثین کا منہج اختیار کیا، یعنی روایتوں کی توثیق کرنا چاہی، اس دور میں کسی بھی روایت کی توثیق اس وقت تک ممکن نہ تھی جب تک کہ خود راوی سے گفتگو نہ ہو یا راست طور پر سماع نہ ہو، تاکہ واقعہ کی تسلسل بیانی میں انقطاع نہ پایا جائے۔ چناں چہ بلاذری نے توثیق شدہ روایتوں ہی کو ترجیح دینا اپنا منہج ٹھہرایا، اسی وجہ سے انھوں نے جو بھی خبر یا روایت تحریر کیا اس کی استنادی حیثیت کو مدنظر رکھا، اس پس منظر میں ایسا لگتا ہے کہ ابومخنف کی جو کتابیں آپ کو ملیں وہ ''اجازہ'' کی شکل میں بطریق سماع نہیں ہیں بلکہ بطریق ''وجادہ'' ہیں۔ پس واقعات کے اندراج میں ابومخنف سے روایتیں درجہ اتصال کو نہیں پہنچتی تھیں اس لیے ابومخنف کے حوالے کو اپنے منہج کے خلاف اور علمی امانت کے لیے معیوب سمجھا۔ اور جب ذکر بھی کیا جیسا کہ معرکہ حرہ کی تفصیلات میں ابومخنف کا نام ملتا ہے تو عوانہ بن حکم کی روایت سے اس کا موازنہ کر دیا۔ [1] جو اس بات کی دلیل ہے کہ بسند وجادہ ابومخنف کی جو کتابیں آپ کو ملیں آپ نے ان پر مکمل اعتماد نہیں کیا، جس کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ ابومخنف کی کتابیں تحریفات سے بھری پڑی تھیں۔

۳۔ جب کہ فواد سزکین اس کی ایک توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ابومخنف کی کتابوں کے پڑھنے والے بہت ہو چکے تھے، خاص کر اہل تشیع میں اس کی تالیفات کو شہرت حاصل تھی، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ کچھ تالیفات ہمیں ایسی بھی ملیں جو اس کی طرف منسوب ہیں لیکن اس کی نہیں ہیں، اس میں بعد میں بہت کچھ حذف و اضافہ کیا گیا اور وقت گزرنے کے ساتھ اس کے نصوص میں زیادتی کی جاتی رہی، یہاں تک کہ اصل

[1] انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٢٩٩، ٣٠٧)

عبارتوں کا رشتہ اس کے مولف سے ٹوٹ گیا۔ بہر حال اس تبدیلی اور حذف واضافے کے باوجود کہیں کہیں حقیقی واقعہ دیکھنے کو ملتا ہے اور اس دور کے مستشرق مورخ سیٹو یلد کے بقول بعض جگہوں پر اصل عبارتیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ویسٹو یلد (Weston Beld) سے یہ بات اس وقت کہی جب کہ اس نے شہادت حسین اور مختار ثقفی کی موت پر دو کتابیں منظر عام پر پیش کیا۔ [1]

بلاذری کو چھوڑیئے خود علماء شیعہ بھی ''مقتل الحسین'' نامی جیسی کتابوں کی ابومخنف کی طرف نسبت کی صحت میں شک کرتے ہیں۔ چناں چہ عباس القمی کا بیان ہے: کہ ابومخنف عظیم شیعہ مورخین میں سے تھے، اور ان کی شیعہ شہرت کے باوجود طبری اور ابن اثیر جیسے سنی مورخین نے معلومات اخذ کرنے میں ان پر اعتماد کیا ہے، کافی افسوس کی بات ہے کہ شہادت حسین کے تعلق سے واقعات بیانی میں مقتل الحسین نامی جس کتاب کو اکابرین علماء متقدمین نے سامنے رکھا ہے وہ آج مفقود ہے، اس کا ایک نسخہ بھی موجود نہیں ہے۔ آج مقتل الحسین نامی جو کتاب ہمارے ہاتھوں میں ہے اور ابومخنف کی طرف منسوب ہے، وہ ابومخنف کی نہیں ہے بلکہ درست بات تو یہ ہے کہ کسی بھی معتبر مورخ کی وہ تالیف نہیں ہے، اگر کسی کو تصدیق مطلوب ہے تو وہ اس کتاب کے مندرجات کا موازنہ طبری وغیرہ کی منقولہ تحریروں سے کرلے، حقیقت اس کے سامنے آجائے گی۔ [2]

بہر حال اس بحث میں ہمیں شہادت حسین کے بارے میں انھیں تفاصیل سے واسطہ ہے جو ابومخنف سے بسند طبری منقول ہیں، اگر ہم شہادت حسین کے تعلق سے ابومخنف کی روایتوں کو غور سے دیکھیں اور عمار دھنی کی روایت سے ان کا موازنہ کریں تو دونوں میں کافی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے، اس سے ہمیں یقین آتا ہے کہ ابومخنف نے اپنے اعتقادی اور سیاسی رجحانات سے موافقت ومطابقت پیدا کرنے کے لیے تمام تر روایتوں کے ساتھ تحریف وملمع سازی نہیں کی ہے بلکہ بسا اوقات تو ایسے واقعات کو ترجیحی معیار دیتا ہے جو اس کے رجحانات سے میل نہیں کھاتے۔ [3] غالباً یہی وجہ رہی کہ اہل تشیع ابومخنف کی شیعیت کا اعتراف کرنے کے

---

[1] تاریخ التراث العربی (۱/ ۱۲۸) الدراسات فی تاریخ الادب العربی (۱/ ۲۵۳) (انگلش) بروکلمان نے لکھا ہے: کہ ذکر مقتل سیدنا ومولانا الحسین بن علی'' یا ''المصرع الشین فی مقتل الحسین'' نامی جو کتاب ابومخنف کی طرف منسوب ہے وہ امبروزیانا کی لائبریری میں ۲۲۳ نمبر جوٹنجن کی لائبری میں ۱۸۲۸ نمبر، اور لیون میں ۲/۹۰۹، نیز بطرسبرج چہارم ۷۸، بطرسبرج پنجم ۱۱۵، کے تحت موجود ہے۔ عبداللہ بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن طاؤس الحسینی نے امبروزیانا کے نسخہ پر اعتماد کرتے ہوئے اسے بمبئی میں ۱۳۱۱ھ میں شائع کیا تھا۔ اس مخطوطہ کی ایک کاپی جامعہ ام القریٰ کے مکتبہ احیاء التراث میں موجود ہے میں نے اسے خود دیکھا ہے، اور پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کتاب کا ابومخنف سے کوئی تعلق نہیں ہے کیوں کہ اس کتاب کا ناقبل ان حوادث کو ہارون رشید رحمہ اللہ کے عہد میں ذکر کرتا ہے، اسلوب بیان انتہائی ضعیف ہے اور الفاظ کا انتخاب بھی غیر معیاری ہے۔

[2] الکنی و الالقاب/ عباس القمی (۱/ ۱۵۵)   [3] الطبری (۵/ ۴۱۳)

باوجود اس کی تضعیف کرتے ہیں۔ [1] چناں چہ شیعہ مسلک کے عالم سید ہاشم الحسینی ابومخنف کی سند سے روایت ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے۔ اس روایت کے معیوب ہونے کے لیے بس یہی کافی ہے کہ یہ ابومخنف لوط بن یحیٰی کی سند سے وارد ہے جسے شیعہ وسنی دونوں مسلک کے علماء نے ضعیف کہا ہے۔ اور اس کی مرویات پر اعتماد نہیں کیا ہے۔ [2]

بہر آئینہ ہم مختصر لفظوں میں کہہ سکتے ہیں کہ ابومخنف نے جس انداز میں شہادت حسین کی تصویر کشی کی ہے وہ ایسے شیعی جذبات سے خالی نہیں ہے جس کا اثر راست طور سے مسلمہ حقائق کی نفی پر پڑتا ہے، اس لیے ابن کثیر کہتے ہیں شہادت حسین کی تصویر کشی میں روافض شیعہ کی بے حد کذب بیانیاں اور جھوٹی روایتیں ہیں۔ [3] لہٰذا شہادت حسین کے بارے میں ابومخنف کی روایتوں کے بارے میں ہمیں چاق و چوبند رہنا چاہیے۔

۲۔ عمار الدھنی:

ان کا نام ونسب ابومعاویہ عمار بن معاویہ الدھنی البجلی الکوفی ہے۔ حسینی تحریک سے متعلقہ واقعات کے اہم راویوں میں سے ہیں، عمار کی روایتیں اس اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہیں کہ وہ خود اہل واقعہ سے روایت کرتے ہیں، چناں چہ انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ روانگی اور پھر ان کی شہادت کے واقعہ کو بسند ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب نقل کیا ہے۔ [4] نیز طبری نے معرکہ جمل [5] اور معرکہ نہروان [6] سے متعلق واقعات کو عمار دھنی ہی سے روایت کیا۔ اسی طرح علامہ ذہبی نے عمار دھنی کی سوانح تحریر کرتے ہوئے انھیں "الامام المحدث" کا لقب دیا ہے۔ [7] جب کہ ابن حجر فرماتے ہیں "صدوق یتشیع" [8] غالبًا یہی وجہ رہی کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے تحریک حسین کے بارے میں تفصیلات فراہم کرتے ہوئے عمار دھنی کی روایت پر اعتماد کیا ہے۔ [9]

---

[1] رجال النجاشی / النجاشی ص (٢٢٤) خاتمة الوسائل / الحر العاملی ص (٣٠٥) بحواله رجال الشيعه فى الميزان / عبدالرحمن عبدالله الزرعی ص (١٥١-١٥٢)

[2] الموضوعات فی الآثار و الاخبار/ هاشم معروف الحسينی ص (٢١٥) بحواله رجال الشيعه فى الميزان ص (١٥٢)

[3] البداية والنهاية (٩/ ٢٠٢)

[4] تقريب التهذيب/ ابن حجر ص (٤٩٧) تهذيب التهذيب (٧/ ٣٥٥، ٣٥٦)

[5] الطبری (٤/ ٥١١)

[6] الطبری (٥/ ١٢٥)

[7] سير اعلام النبلاء/ الذهبی (٦/ ١٣٨)

[8] تقريب التهذيب، ابن حجر ص (٤٠٨)

[9] تهذيب التهذيب/ ابن حجر (٢/ ٣٠١، ٣٠٥) الاصابة (٢/ ٧٨، ٧٩)

بہر حال تقابلی نقطۂ نظر سے عمار دھنی کی روایتیں اسنادی اعتبار سے ضعیف ہونے کے باوجود حسینی تحریک کے بارے میں ابومخنف کی بیان کردہ روایات پر حکم لگانے میں کافی اہمیت کی حامل ہیں۔ ❶

۳۔عوانہ بن حکم:

یہ بھی ناقلین واقعات میں سے ہیں، اور ''صدوق'' ہیں۔ ❷ شہادت حسین کے بارے میں طبری نے ان سے پانچ روایتیں اخذ کی ہیں جو اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہیں، البتہ شاید ان روایتوں کو آپ نے عوانہ کی کتاب ''سیرۃ معاویہ و بنی امیہ'' ❸ سے نقل کیا ہے۔

۴۔حصین بن عبدالرحمٰن السلمی:

کنیت، ابوالہذیل کوفی ہے، ثقہ ہیں، ❹ ترانوے سال کی عمر پا کر ۱۳۶ھ میں ان کی وفات ہوئی، حسین اور ابن زیاد کے درمیان معرکۂ کربلا کے تعلق سے پیش آنے والے واقعات کے بارے میں چند کافی اہم روایتیں نقل کی ہیں۔ ❺ ان کی روایتوں کی اہمیت اس لیے ہے وہ پیش آمدہ واقعات کے ہم عصر تھے، مزید انھیں لوگوں سے معلومات نقل کی ہیں جنھوں نے حوادث و واقعات کو خود دیکھا اور اس میں شریک بھی ہے۔ ❻

۵۔محمد بن عمر الواقدی:

آپ علم کے خزینہ تھے، مغازی و سیر کے مباحث میں ان کی کتابیں عام ہوئیں اور چہار جانب پھیلیں، ❼ ۲۰۷ھ میں ان کی وفات ہوئی، ان کے بارے میں ابراہیم الحربی کہتے ہیں: ''تاریخ بیانی میں اگر ان کا نام آ گیا تو بس آپ کے لیے کافی ہے مسلمانوں کے بارے میں امین اور صدق گو تھے۔ اسلامی تاریخ کے اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے، رہی بات جاہلیت کی تو اس سلسلے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ ❽

خطیب کہتے ہیں: وہ ایسے تھے کہ طلب علم میں انھوں نے مشرق و مغرب کی خاک چھان ماری۔ ❾ اس

---

❶ الطبری (٥/ ٣٤٧) اس کی سند میں خالد بن یزید بن اسد بن عبداللہ القرشی راوی ہے جو کہ ضعیف ہے۔ میزان الاعتدال (١/ ٦٤٧)

❷ سیر اعلام النبلاء/ الذھبی (٣٨٤)

❸ الطبری (٥/ ٤٦٣، ٣٨٦، ٣٥٦، ٤٦٥، ٤٦٧)

❹ الفہرست/ ابن الندیم ص (١٠٣) عوانہ بن حکم کے بارے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے موضوع پر عبدالعزیز السلومی نے اپنی ایم اے کی تھیسس میں کافی مفصل گفتگو کی ہے جسے ۱۴۱۰ھ میں جامعہ اسلامیہ مدینہ میں پیش کیا گیا۔

❺ تقریب التھذیب/ ابن حجر ص (١٧٠) ❻ تھذیب التھذیب (٢/ ٣٠١، ٣٠٥) الاصابۃ (٢/ ٧٨-٨١)

❼ تھذیب التھذیب/ ابن حجر (٢/ ٣٠١، ٣٠٥)

❽ تھذیب التھذیب (٥/ ٣٩٢) بلاذری نے انساب الاشراف (٣/ ٢٢٤) میں انھیں سے یہ روایت نقل کی ہے۔

❾ التحفۃ اللطیفۃ / السخاوی (٣/ ٦٩٧)

کے باوجود ان کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے، ہاں ان کے طریق سے سب سے معتبر روایت ابن سعد کی ہوتی ہے جو انھوں نے ''الطبقات'' میں لکھی ہیں، کیوں کہ ابن سعد ان کی حدیثوں و روایتوں میں سے کچھ ہی کو اخذ کرتے تھے۔ ❶ اسی وجہ سے ہم نے واقدی کی انھیں روایتوں کو قابل التفات سمجھا ہے جو ابن سعد نے اپنی "الطبقات" میں درج کی ہیں۔ اور ابن سعد نے بھی آنکھیں بند کر کے واقدی کی سبھی روایتوں کو اخذ نہیں کیا ہے بلکہ طبقات کبریٰ کے پانچویں طبقہ میں جہاں حسین بن علی کی سوانح تحریر کی ہے وہاں صرف شہادت حسین کے تعلق سے واقدی کی روایتوں پر اعتماد کیا ہے۔ ❷ بالخصوص ان کی کتاب ''مقتل الحسین'' سامنے رہی۔ ❸

لیکن واضح رہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کی مدینہ سے روانگی اور پھر کربلا میں ان کی شہادت کی خبریں نقل کرنے میں انوکھا منہج اختیار کیا ہے جو ان کی کتاب ''الطبقات الکبری'' میں کسی اور جگہ نظر نہیں آتی۔ وہ یہ کہ واقدی کی چاروں سندوں کو یکجا کیا، مزید برآں پانچ دیگر مستقل روایتوں کو بھی ان کے ضمن میں شامل کر دیا جن میں ایک ابومخنف کی بھی روایت ہے، پھر ان تمام روایتوں کو ایک دوسرے سے ملا کر اس اسلوب میں نقل کیا ہے جیسے کہ وہ ایک ہی روایت ہے۔ ❹ ابن سعد کی اس طرز تحریر سے مندرجہ بحث میں ہم یہ فرق کرنے سے عاجز رہے کہ کون واقدی کی روایت ہے اور کون نہیں؟

٦۔ ابومعشر السندی، (نجیح بن عبدالرحمٰن السندی المدنی):

یہ ضعیف راوی ہیں ١٧٠ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ❺ سوانح وشہادت حسین کے بارے میں ابومعشر کی متعدد روایتیں ملتی ہیں۔ شہادت حسین کے بارے میں ابوالعرب نے ❻ اور ابراہیم البیہقی نے ان کی روایت نقل کی ہے، بلکہ بیہقی نے ان کی مکمل روایت حرفا حرفا تحریر کیا ہے۔ ❼ ابومعشر کی اس روایت کو ابن عبد ربہ نے العقد الفرید میں ذکر کیا ہے لیکن ابومعشر کے نام کی تصریح نہیں کی ہے۔ بلکہ اسے ابوعبید قاسم بن سلام کی سند سے اخذ کیا ہے۔ ❽ اس تناظر میں تعین کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ تحریک حسین کے بارے میں ابومعشر سے جن مولفین نے بھی روایتیں نقل کی ہیں سب نے ان کی کتاب ''تاریخ الخلفاء'' پر ہی اعتماد کیا

---

❶ تاریخ بغداد (٣/ ٣) ❷ التحفة اللطيفة/ السخاوی (٣/ ٣٩٨)

❸ طبقۂ خامسہ میں ص (٣٠٠ سے ٤٢٣ تک) مفصل انداز میں سوانح حسین نقل کیا ہے۔

❹ الفهرست / ابن نديم ص (١١١) ❺ طبقات ابن سعد، طبقه (٥/ ٣٥٤)

❻ التقريب/ ابن حجر ص (٥٥٩) ❼ المحن/ ابوالعرب ص (١٤٨، ١٥٤)

❽ المحاسن والمساوی/ البيهقی ص (٨٠-٨٦)

❾ العقد الفريد/ ابن عبد ربيه (٤/ ٣٧٦)

ہے۔ اور یہ کتاب ۴۶۳ھ کے وفات یافتہ امام خطیب کے دور تک متداول تھی کیوں کہ انھوں نے اس کی روایت کے لیے سند اجازۃ حاصل کرلیا تھا۔ ❶

لیکن ابومعشر کی روایتوں کی خامی یہ ہے کہ شہادت حسین کے بارے میں ان کی نقل کردہ روایتیں اسناد سے خالی ہیں، ان کی روایت بالفاظ "عن بعض مشیختہ" ہوا کرتی ہے ان مشائخ کا نام نہیں ذکر کرتے۔

بہر حال بالاختصار میری نگاہ میں تقریباً یہی ساری روایتیں ہیں جو شہادت حسین کے بارے میں وارد ہیں، اور باوجودیکہ ان میں سے بیشتر کو اسنادی صحت کی ضرورت ہے تاہم متعدد سندوں اور مختلف مصادر کے حوالے سے ان کا وجود ہمیں یہ احساس و اطمینان دلاتا ہے کہ ان روایتوں سے بہت حد تک حقیقت کی نقاب کشائی ہو جاتی ہے اور انھیں قبول کرنے اور تحقیقی معیار پر پرکھنے کا جواز فراہم ہو جاتا ہے۔

تحریک حسین کے مصادر اور روایات پر گفتگو کرتے ہوئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان روایتوں کی طرف بھی اشارہ کرتا چلوں جو مطبوعہ کتابوں میں ناپید ہیں اور ہم تک نہیں پہنچیں، حتی کہ دور اول کے سابقہ تاریخی مصادر بھی ان روایتوں کے ذکر سے خاموش ہیں، باوجودیکہ راجح تحقیق کے مطابق وہ کتابیں متقدمین کے دور میں موجود تھیں، چناں چہ متقدمین میں سے جن مولفین و مورخین نے تحریک حسین پر خامہ فرسائی کیا اور وہ کتابیں ہم تک نہ پہنچ سکیں وہ کچھ اس طرح ہیں:

۱۔ جابر بن یزید بن حارث الجعفی، ابوعبداللہ الکوفی متوفی ۱۲۷ھ اور بقول دیگر ۱۳۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ❷

اس کی مولفات میں سے "مقتل الحسین" نامی ایک کتاب ہے۔ ❸ متقدمین مولفین و مورخین میں سے کسی نے اس سے کوئی روایت اخذ نہیں کیا ہے، کچھ لوگ یہ گمان کرسکتے ہیں کہ طبری نے اخذ معلومات میں ان کی رافضیت کی وجہ سے انھیں حاشیہ پر رکھا دیا ❹ حالاں کہ ایسی بات نہیں ہے۔ طبری نے متعدد مقامات پر ان سے روایتیں نقل کی ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ شہادت حسین کے تعلق سے جابر جعفی سے کوئی روایت اخذ نہیں کیا، اور اسی وجہ سے جابر جعفی کی طرف اس کتاب کی نسبت کی صحت میں ہمیں شک ہوتا ہے، خاص طور سے اس

---

❶ مشیخة الخطیب/ الظاهریة مجموع (۱۸/ ۱۲۶ب) بحوالہ تاریخ التراث العربی فواد سنرکین (۱/ ۲/ ۹۵)

❷ تهذیب التهذیب (۲/ ۴۲) میزان الاعتدال میں ذہبی کے یہاں چوک ہوگئی ہے کہ انھوں نے ان کی وفات ۱۶۸ھ بتائی ہے۔

❸ ایضاح المکنون/ اسماعیل پاشا ص (۵۴۰) معجم المولفین / رضا کحاله (۳/ ۱۰۶) فواد سنرکین، تاریخ التراث العربی (۱/ ۲/ ۱۲۶)

❹ التقریب/ ابن حجر ص (۱۳۷)

شک کو تقویت یوں بھی ملتی ہے کہ ابومخنف باوجودیکہ اس کے اساتذہ [1] میں سے ہے، لیکن تحریک حسین کے تعلق سے ایک بھی روایت جابر سے نقل نہیں کرتا۔

۲۔ نصر بن مزاحم، المتوفی ۲۱۲ھ [2] ابن الندیم نے ''مقتل الحسین'' نامی ان کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے، لیکن اس کتاب کی روایتیں ہم تک نہیں پہنچیں۔ [3]

۳۔ ابوبکر عبیداللہ بن محمد القرشی، الاموی البغدادی جو کہ ابن ابی الدنیا [4] کے نام سے مشہور ہیں، ان کا شمار عظیم محدثین میں ہوتا ہے، آپ نے مفید ترین تالیفات کا ایک ذخیرہ چھوڑا ہے جو مختلف فنون پر مشتمل ہے، اس میں فن تاریخ پر بہت کچھ معلومات ہیں، یہاں ہمیں ان کی تاریخی تالیفات میں سے صرف مقتل الحسین نامی کتاب سے بحث ہے۔ [5] ایسا لگتا ہے کہ ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ کے زمانے میں یہ کتاب موجود تھی، کیوں کہ آپ نے دو جگہوں پر اس کے حوالے نقل کیے ہیں۔ [6] واضح رہے کہ آپ کے دور کے مسند وقت امام ابوعلی حسن بن احمد بن حسن بن محمد اصبہانی الحداد متوفی ۵۱۵ھ نے اس کتاب کا اجازہ حاصل کیا، اور انھیں اس کتاب کا اجازہ محدث عصر و امام وقت ابونعیم اصبہانی نے دیا تھا۔ اگر ہم کتب فہارس اور کتب مسیخات کے ورق گردانی کریں تو بالتحدید اس فترہ کی تعین کر سکتے ہیں کہ یہ کتاب کب تک موجود تھی۔ علامہ ابن کثیر نے بھی اس کتاب کے حوالے سے کچھ باتیں نقل کی ہیں لیکن ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ آپ نے راست طور سے کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ [7] ہاں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جنھیں مختلف فنون کی بے شمار تصنیفات و تالیفات پر گہری نظر رہی ہے انھوں نے ابن مطہر رافضی کی تردید کے بحث میں اس کتاب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چناں چہ آپ فرماتے ہیں:

جن لوگوں نے شہادت حسین کی تفصیلات ذکر کی ہیں اس میں اسی طرح کذب بیانیوں سے کام لیا ہے جس طرح شہادت عثمان کے بارے میں بہت ساری کذب بیانیاں کیں، اور جس طرح بعض حوادث کو کذب و دروغ کا رنگ روغن لگا کر اور مغازی و فتوحات میں من مانی اضافوں کے ذریعہ غیر حقیقی شکل میں پیش کیا۔ شہادت حسین کے تعلق سے قلم اٹھانے والے مصنفین میں سے کچھ تو اہل علم ہیں جیسے کہ بغوی اور ابن ابی الدنیا وغیرہ، تاہم ان کی مرویات میں منقطع روایتیں اور غلط باتیں موجود ہیں،

---

[1] فهارس تاريخ الطبرى (١٠/ ٢٠٤) [2] سير اعلام النبلاء (٣/ ٣٠١، ٣٠٢)

[3] تاريخ بغداد/ الخطيب (١٣/ ٢٨٢) معجم الادباء/ ياقوت (١٩/ ٣٢٥)

[4] سير اعلام النبلاء/ الذهبى (١٣/ ٤٠٣) [5] المنتظم/ ابن الجوزى (٥/ ٣٤٢، ٣٤٤)

[6] سير اعلام النبلاء / الذهبى (١٩/ ٣٠٦) [7] البداية والنهاية (٨/ ٢٠٢، ٢٠٦)

رہے وہ مصنف جو بلا سند شہادت حسین کی تفصیلات ذکر کرتے ہیں سو اس میں بے شمار جھوٹ ہے۔ ❶

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس قول سے بڑی امید بندھتی ہے کہ ابن ابی الدنیا کی کتاب "مقتل الحسین" اب تک کتابوں کے خزینے میں کہیں دبی ہوئی ہے جو مخطوطات کی فہرست میں نہیں آسکی ہے، ہماری اس امید کو مزید تقویت اس بات سے ملتی ہے کہ مرور ایام کے ساتھ ابن ابی الدنیا کی کتابیں یکے بعد دیگرے ہم تک پہنچ رہی ہیں، اور بہت ساری کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ ❷

۴۔ محمد بن زکریا بن دینار الغلابی ❸ "مقتل الحسین" نام کی آپ کی کتاب ہے۔ ❹ لیکن یہ کتاب ہم تک نہیں پہنچی، حتی کہ دوسری کتابیں دستیاب ہیں ان میں سے کسی میں اس کا کوئی اقتباس کہیں درج نہیں ہے۔

۵۔ حسین بن عبدالرحمٰن بن خلاّد الرامہرمزی ❺ (ت:۳۶۰ھ) آپ امام ومحدث ہیں، یاقوت الحموی نے لکھا ہے کہ "الریحانتین: الحسن والحسین" ❻ نامی کتاب آپ نے تصنیف کی ہے۔ میرے خیال میں یہ کتاب حسن وحسین کے تاریخی احوال و وقائع سے بحث نہیں کرتی، بلکہ اس کا تعلق فن حدیث سے ہے جس میں آپ نے حسن وحسین کے فضائل سے متعلق آثار و روایات کو جمع کیا ہے۔

۶۔ ابوالقاسم حسین بن مسعود البغوی ❼ (ت:۵۱۶ھ) آپ امام ومحدث ہیں، آپ نے "مقتل الحسین" نامی کتاب تصنیف کی ہے ❽ لیکن یہ کتاب مفقود ہے۔ اگرچہ ابن کثیر نے اس سے ایک روایت نقل کیا ہے اور صراحت کیا ہے کہ انھوں نے اسے ابوالقاسم البغوی سے اخذ کیا ہے، لیکن شاید ایسا ہے نہیں بلکہ انھوں نے یہ روایت بغوی کے علاوہ کسی اور سند سے حاصل کیا ہے۔ راست طور سے اس کتاب سے اخذ نہیں کیا ہے۔

---

❶ منهاج السنة/ ابن تيمية (٤/ ٥٥٦)

❷ ابن ابی الدنیا کی متعدد کتابوں کے منظر عام پر آنے کے باوجود ان کی دو مخطوطات اب بھی مکتبہ الظاہریہ میں (۳۸۳۱) اور (۳۲۴۹) نمبر کے حوالہ سے موجود ہے۔ ایک کا نام "مقتل علی بن ابی طالب علیہ السلام" ہے اور دوسری کا "حلم معاویہ" ہے۔ دیکھئے التاریخ و ملحقاته/ خالد ريان (٢/ ٦٤٢، ٦٩٠)

❸ بہت ہی ضعیف راوی ہیں۔ ميزان الاعتدال/ الذهبي (٣/ ٥٥٠)

❹ ايضاح المكنون/ اسماعيل پاشا (٤/ ٥٤٠)

❺ سير اعلام النبلاء (١٦/ ٧٣، ٧٤)

❻ معجم الادباء/ ياقوت الحموى (٩/ ٥)

❼ سير اعلام النبلاء/ الذهبي (١٩/ ٤٣٩)

❽ كشف الظنون/ حاجى خليفه

۷۔ ابوالقاسم محمود بن المبارک بن الحسین البقرۃ جو کہ ''مجبّر'' کے نام سے معروف تھے۔۵۹۲ھ میں وفات ہوئی۔ [1] ''مقتل الحسین'' کے نام سے آپ نے بھی ایک کتاب تصنیف کیا۔

۸۔ ضیاء الدین ابوالموید موفق احمد الخوارزمی، آپ نے بھی ''مقتل الحسین'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، اور یہ کتاب ابن الوزیر الیمانی متوفی ۸۴۰ھ کے پاس تھی، اس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ ''وھو عندی فی مجلدین'' وہ کتاب میرے پاس دو جلدوں میں ہے۔ [2] بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے مولف نے کوئی نئی معلومات نہیں فراہم کی تھیں ورنہ حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ابن الوزیر اسے ضرور نقل کرتے، نیز یہ اور اس جیسی شہادت حسین کے بارے میں تحریر کردہ دیگر کتابوں مثلاً استاد الاسفرائینی کی کتاب ''نور العین بمشھد الحسین''، اور ابن الابّار کی کتاب ''دُرَر السمط من اخبار السبط'' میں واقعات کا غیر جانبدارانہ تجزیہ نہیں پیش کیا گیا ہے۔ اور نہ ہی ان پر تحقیقی گفتگو کی گئی ہے، بلکہ ان میں حسین رضی اللہ عنہ پر غم و ماتم کا رنگ زیادہ غالب ہے۔ فضائل و مناقب کا تذکرہ اور مخالفین پر لعن وطعن کا اسلوب ہے۔

واقعات کی اصل روح پر بحث کو درکنار کرتے ہوئے روایات کو تحقیقی معیار پر نہیں پرکھا گیا ہے کہ واقعات کے بارے میں کوئی صحیح تصور سامنے آئے۔ اور غالباً طبری وغیرہ دیگر مورخین کے صرف ابومخنف، اور عمار بن معاویہ الدھنی کی روایات پر اعتماد کرنے کا یہی راز بھی ہے۔ اس لیے کہ حقیقت واقعہ سے ان دونوں کی روایتوں میں قربت پائی جاتی ہے اور شہادت حسین کے راستے میں پیش آنے والے واقعات کی ان دونوں نے حقیقی اور غیر جانبدارانہ [3] منظر پیش کیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ابن حجر رحمہ اللہ کے اسلوب تحریر سے بھی ہماری

---

[1] ایضاح المکنون میں اسماعیل پاشا نے ''المجبر''، ہی لکھا ہے لیکن ذہبی نے ''مجیز الدین'' لکھا ہے۔ السیر (۲۱/ ۲۵۵، ۲۵۶)

[2] الروض الباسم/ ابن الوزیر (۲/ ۳۹)

[3] حقیقی اور غیر جانبدارانہ کی بجائے تفصیلی منظر کہنا زیادہ مناسب اور صحیح ہے۔ ابومخنف جیسے راوی کی روایت کو حقیقی اور غیر جانبدارانہ کہنا محل نظر ہے کیوں کہ یوم الترویہ کو جب تمام حجاج منی کا رخ کرتے ہیں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ روانہ کرا دیا جاتا ہے اور پھر کوفہ جاتے ہوئے مقام تنعیم کو پہنچا دیا جاتا ہے جو مدینہ کے راستہ میں واقع ہے اور یمنی قافلہ کو لوٹنے کا الزام بھی سیدنا حسین کے سر ڈال دیا جاتا ہے جو خراج کا مال دار الخلافہ لے کے جا رہا تھا اور یہ تینوں امور نا قابل فہم ہیں حج جیسے اہم عبادت کو چھوڑ کر کوفہ روانہ جب کہ حج میں اپنی دعوت پیش کرنے کا بہترین موقع تھا اور پھر کوفہ جاتے ہوئے تنعیم کے لیے کیوں پہنچ گئے اور یمنی قافلے وہاں ملاقات عجیب چیستاں ہے کیوں کہ خراج لے جانے والے قافلے اولاً حج کرتے تھے پھر دار الخلافہ کا رخ کرتے تھے نہ کہ یوم الترویہ کو حج چھوڑ کر۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت ابوبکر، انتخاب خلیفہ کمیٹی کی روداد، مقتل عثمان، جنگ جمل وصفین اور واقعہ تحکیم کے تمام قابل اعتراض مواد اور عدالت صحابہ کے منافی تفصیلات کو یہی ابومخنف بیان کرنے والا ہے۔ امت کا شیرازہ منتشر کرنے میں اس کا اہم کردار رہا ہے پھر بھی اس رافضی کذاب کی روایات پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے؟ حقیت یہ ہے کہ جس طرح مفسرین نے تفصیلی معلومات کی خاطر اسرائیلی روایات سے تفسیر قرآن کو بھر دیا اسی طرح مورخین نے ابومخنف جیسے رافضی کذابت کی من گڑھت روایات سے تاریخ کے اوراق کو سیاہ کر ڈالا ہے۔ (ش)

بات کی تائید ہوتی ہے، کیوں کہ تحریک حسین کے تعلق سے عمار بن معاویہ الدھنی کی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے آپ کہتے ہیں: کہ متقدمین علماء کی ایک جماعت نے شہادت حسین کے بارے میں بہت کچھ کتابیں لکھی ہیں جن میں صحیح و غلط اور رطب و یابس کا امتزاج ہے، یہاں میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اصل واقعہ کی جانکاری کے لیے کافی ہے۔ [1]

ا......خلافت معاویہ و یزید کے بارے میں حسین رضی اللہ عنہ کا موقف

ا۔ خلافت معاویہ کے حق میں حسن رضی اللہ عنہ کا تنازل اور حسین رضی اللہ عنہ کا موقف:

حسن بن علی رضی اللہ عنہ اپنے والد کے مدینہ سے نکلنے والے موقف کے خلاف تھے، کیوں کہ اس کے نتیجہ میں پیش آنے والے متوقع فتنوں اور خونریزیوں کا آپ کو بخوبی اندازہ تھا، اور ہوا بھی یہی کہ جب علی رضی اللہ عنہ نے معرکہ جمل کے بھیانک انجام کو دیکھ لیا تو اس وقت آپ کو رہ رہ کر اپنے بیٹے حسن کی نصیحت یاد آتی تھی، چناں چہ حسن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ وہ -ابا جان علی رضی اللہ عنہ- میری آڑ میں چھپ رہے تھے اور کہتے تھے: اے کاش میں اس سے بیس سال قبل ہی مر گیا ہوتا۔ [2] پھر جب علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوگئی تو اہل کوفہ یکجا ہوئے اور حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت خلافت کر لیا، لیکن جب حسن رضی اللہ عنہ کے سامنے سیاسی مطلع صاف ہوگیا اور آپ کو یقین ہوگیا کہ معاویہ کے ساتھ جنگ کرنا بلا وجہ کی خونریزی، اور جہاد فی سبیل اللہ کے تعطل کا سبب ہوگا، مزید برآں اس فوجی قوت کا بھی آپ کو بخوبی علم ہوگیا جو معاویہ رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے سربکفن تیار تھی، تو آپ نے ان کے حق میں بیعت خلافت کے لیے خود کو مکمل طور سے تیار کر لیا، اور پھر ان کے حق میں اپنی خلافت سے دستبردار ہوگئے۔ [3] پس آپ کا یہی مثالی موقف تھا جو آپ کے نانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بہت پہلے آپ کی مدح و منقبت کا سہرا پہن چکا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے اس موقف نے آپ کی شخصیت کو سچے اور عابد و پرہیزگار مسلمانوں کے لیے نمونہ بنا دیا کہ اس طرح رضائے الٰہی کی خاطر دنیا کو پیچھے دھکیل دیا جاتا ہے، اور اس سے کنارہ کشی اختیار کی جاتی ہے۔

بہرحال حسن رضی اللہ عنہ کے تنازل سے سیاسی کشمکش کا خاتمہ تو ہوگیا لیکن اس موقف میں آپ کے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کا موقف بالکل مختلف رہا، اور ان کی تائید آپ کو حاصل نہ رہی، چناں چہ جب حسن رضی اللہ عنہ نے

---

[1] الاصابة/ ابن حجر (۲/ ۸۱)

[2] المصنف/ ابن ابی شیبة (۱۵/ ۲۸۸) باسناد صحیح۔ السنة/ عبدالله بن احمد (۲/ ۵٦٦) الفتن/ نعیم بن حماد (۱/ ۸۰/ ۱۷۷) المعجم الکبیر/ طبرانی (۱/ ۷۲، (۲۰۳))

[3] گذشتہ فصل میں اس کی تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں۔

حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے خلافت معاویہ کے حق میں اپنی دستبرداری کی رائے رکھی تو حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے شدید مخالفت ہوئی۔ لیکن حسن رضی اللہ عنہ پورے عزم و ہمت کے ساتھ اپنی رائے پر ثابت قدم رہے، اور اپنے بھائی کو مخالفانہ رویہ سے ڈراتے ہوئے کہا: یہی ہوا ہے کہ جب بھی میں نے کسی چیز کا ارادہ کیا ہے تو اس میں تم میرے خلاف ہی رہے ہو۔ اللہ کی قسم! ''یہی دل کہتا ہے کہ تمھیں کسی گھر میں بند کر کے اور پھر اپنی رائے پر عمل کر جاؤں۔'' جب حسین رضی اللہ عنہ نے آپ کا غصہ دیکھا تو خاموش ہو گئے اور کہا: ہم تمھاری ہی بات مان لیتے ہیں۔ [1] لیکن یہ مصالحت شیعان کوفہ کے لیے باعث مسرت نہ رہی بلکہ انھوں نے اس پر حسرت و ندامت کا اظہار کیا۔ [2] اور اس کوشش میں لگ گئے کہ کسی طرح حسن رضی اللہ عنہ کو ان کی رائے سے پھیر دیں، لیکن حسن رضی اللہ عنہ نے ان کے مطالبے کو ٹھکرا دیا، اور ان کی مرضی کے خلاف انھیں جواب دیا۔ [3] پھر جب شیعان کوفہ کے ہاتھوں مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا تو حسین رضی اللہ عنہ کی طرف پلٹے اور ان سے پیش کش کی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر پر اچانک فوجی کارروائی کر دی جائے وہ اس کے لیے تیار ہیں حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی مصالحت کے فوراً بعد کا موقع تھا لیکن حسین رضی اللہ عنہ نے انھیں سمجھا بجھا کر مطمئن کرنا چاہا کہ انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کر لیا ہے اور اب بغاوت کی طرف میرا قدم بڑھانا ناممکن ہے۔ [4]

حسین رضی اللہ عنہ اپنے مویدین و ہم خیالوں کے درمیان بسا اوقات اس بات کا اظہار کرتے رہتے تھے کہ معاویہ اور حسن کی مصالحت کا میں قائل نہیں تھا، لیکن بھائی -حسن رضی اللہ عنہ- کی رائے کے احترام اور حق اخوت میں میں نے معاویہ سے بیعت کر لیا، پھر جب کوفہ سے مدینہ کوچ کرنے کا آپ نے ارادہ کیا تو جندب بن عبداللہ ازدی، مسیّب بن نجبہ الفزاری، سلیمان بن صرف الخزاعی، اور سعید بن عبداللہ الحنفی جیسے لوگ آپ کے پاس آئے، آپ نے ان کے بدلے ہوئے چہروں اور آثار رنج و غم کو دیکھا تو ان سے یوں ہم کلام ہوئے۔ ''اللہ کا فیصلہ ہو کر رہے گا، اس نے ہر چیز مقدر کر رکھی ہے، پھر معاویہ اور حسن کی مصالحت کا تذکرہ کیا اور کہا: میں اس مصالحت پر موت کو ترجیح دے رہا تھا، لیکن میرے برادر گرامی نے مجھ پر دباؤ بنایا اور برادرانہ رشتہ کا حوالہ دیا اس لیے میں نے ان کی بات مان لی، پر مجھے وہ مصالحت ایسی لگی جیسے میرے جسم میں چھرا گھونپا جا رہا ہو اور استرے سے میرے دل کے ٹکڑے کیے جا رہے ہوں ممکن ہے اسی میں خیر ہو، اللہ نے فرمایا ہے:

---

[1] طبقات ابن سعد (ط ٥/ ٢٧٠، ٢٦٩) بسند صحیح۔ ابن عساکر (٤/ ق ٣٥) تھذیب الکمال المزی (٦/ ٢٤٨) سیر اعلام النبلاء (٣/ ٢٦٤، ٢٦٥) سب نے ابن سعد کی سند کا حوالہ دیا ھے۔

[2] انساب الاشراف/ البلاذری (٣/ ١٥٠) [3] ایضًا [4] ایضًا

﴿ فَعَسَى أَن تَكْرَهُواْ شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْراً كَثِيْراً٥﴾ (النساء: ۱۹) ❶
''پس قریب ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائیاں رکھ دے۔''

پھر ان لوگوں نے آپ کو یقین دلایا کہ ہم حقیقت میں آپ کے محبّ و وفادار ہیں، مناسب ہے کہ آپ مصالحت پر اتفاق کرنے سے انکار کر دیں، لیکن حسین رضی اللہ عنہ نے اِس مرتبہ بھی اس مطالبہ کو ٹھکرا دیا اور حاضرین و باشندگان کوفہ سے اپنی جدائی پر غم کا اظہار کیا۔ ❷

بہرحال یہ اپنی جگہ مسلم ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ بنیادی طور سے اس مصالحت سے مطمئن نہ تھے، لیکن چوں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دیگر افراد امت کی طرف سے بیعت خلافت مکمل ہو چکی تھی، اور اسے خلافت شرعیہ کا استنادی درجہ حاصل ہو چکا تھا، اس لیے آپ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے اتحاد میں شگاف نہیں ڈالا چاہتے تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے مویدین اور ہمنواؤں کو اس وقت تک معاویہ سے عدم ٹکراؤ کا مشورہ دیتے تھے جب تک کہ معاویہ رضی اللہ عنہ زندہ رہیں، چناں چہ حسین رضی اللہ عنہ کے مویدین و حامی آپ کی نصیحت پر کاربند رہے، غزوات میں معاویہ کی قیادت میں شرکت کرتے رہے اور حکومتی عطایا و نوازشات لیتے رہے۔ ❸

اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حسن اور حسین دونوں کے محبان و وفاداروں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دست برداری اور مصالحت پر اعتراض کیا تھا، لیکن حسین نے اپنے مویدین و معاونین کو صبر و تحمل کی تلقین کیا اور معاویہ کی زندگی تک اس مصالحت کے احترام کا حکم دیا، اسی لیے امام ذہبی فرماتے ہیں: مجھے خبر پہنچی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حسن کی حق خلافت سے دست برداری ان کے بھائی حسین کو اچھی نہیں لگی تھی، بلکہ ان کی رائے جنگ آزمائی کی تھی، لیکن انھوں نے خود کو سنبھالا دیا غصہ پی گئے اور اپنے بھائی کی اطاعت کرتے ہوئے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیا۔ ❹

دراصل ان محبان حسین و شیعان علی کی وقتی خاموشی اور مصالحت کی پابندی کی وجہ ان کا یہ احساس تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ کو یہ مصالحت پسند نہیں ہے، نیز حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس وعدے کی پاسداری بھی ملحوظ تھی جس میں معاویہ کی زندگی تک اس صلح کا پابند ہونا ناگزیر تھا۔

معاملہ ویسا نہیں تھا جیسا کہ محمد کرد علی کا خیال ہے کہ شیعان حسن کو یہ مصالحت گراں گزر رہی تھی، لیکن ان کے سامنے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا کہ اسے خیر ہی پر محمول کرتے کیوں کہ اس بات پر ان کا اعتقاد و یقین تھا کہ آل بیت اپنے جملہ اقوال و افعال میں معصوم ہیں۔ ان کے کسی بھی عمل پر اعتراض کرنے کا کسی کو

---

❶ انساب الاشراف (۳/ ۱۴۸، ۱۴۹) باسناد صیغہ جمع قالوا...... ❷ ایضًا ❸ ایضًا
❹ سیر اعلام النبلاء (۳/ ۲۹۱)

حق حاصل نہیں ہے۔ [1]

محمد کرد علی کا یہ خیال بعید از قیاس ہے، خاص طور سے یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ شیعان حسن نے بھی ابتدا میں اس صلح کی مخالفت کی تھی، علاوہ ازیں عصمت آل بیت کا عقیدہ اہل تشیع کے یہاں اس واقعہ کے کافی عرصہ بعد وجود میں آیا، اور اگر بفرض محال کوئی اس عقیدہ کا حامل بھی رہا ہوگا تو وہ شاذ ہی کے درجہ میں ہے، اسے پورے کوفی معاشرے کا عقیدہ نہیں کہا جا سکتا۔

مختصر یہ کہ جب حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اپنی خلافت سے دست بردار ہو گئے تو حسین بھی اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ منتقل ہو گئے۔ [2] بہر چند کہ مسئلہ خلافت حسین اور معاویہ کے درمیان اختلاف فکر ونظر کا سبب رہی لیکن دونوں کی معاشرتی زندگی سے ایسا لگتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کے معاویہ رضی اللہ عنہ سے عمدہ تعلقات استوار تھے، اور یہ تعلق دونوں طرف سے محترم و باعث اعزاز تھا۔ معاویہ ہمیشہ حسین رضی اللہ عنہ کی خبر گیری اور خیریت طلبی میں رہتے، اور ان کی ضروریات و مطالبات کی تکمیل میں فوری اقدام کرتے عطایا ونوازشات کے دہانے کھول دیتے، بلکہ ایک مرتبہ انھیں چار لاکھ درہم بطور عطیہ دیا، جو کہ معاویہ نے اپنی زندگی میں کسی اور کو نہ پہلے دیا تھا اور نہ بعد میں دیا۔ [3] پس ان دونوں میں یہ خوشگوار تعلقات احسن طریقے پر قائم رہے، دوسری طرف کوفیوں کا یہ حال رہا کہ حسنین کے کوفہ سے کوچ کر جانے اور مدینہ میں اقامت گزیں ہو جانے کے باوجود وہ برابر خطوط رسانی کے ذریعہ دونوں سے اتصال و ملاقات میں رہے، اور یہ خطوط و رسائل جیسا کہ احوال وحوادث سے معلوم ہوتا ہے اموی حکومت کے خلاف آواز اٹھانے اور ان دونوں کی استحقاق خلافت کی زوردار تائیدی دعوت پر مشتمل ہوتے تھے، اور ان تحریروں کے ذریعہ حسنین کی ہمتوں کو مہمیز لگایا جاتا تھا، لیکن ان خطوط اور تحریروں کا حسن رضی اللہ عنہ نے کوئی نوٹس نہیں لیا، بلکہ ان سے کوفہ میں اہل تشیع کا موقف مزید واضح ہو کر آپ کے سامنے آ گیا اور آپ کو یقین ہونے لگا کہ یہ لوگ شر وفساد کے خوگر ہیں، اور امت مسلمہ کو ایک پلیٹ فارم پر متحد نہیں ہونے دینا چاہتے ہیں۔

یزید بن اصم کا بیان ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کے پاس خطوط و رسائل کا ایک گٹھر آیا، آپ نے اپنی لونڈی کو آواز

---

[1] الاسلام والحضارة الغربية/ محمد كرد علی (۲/ ۳۹۲)

[2] الاصابة (۲/ ۷۸)

[3] المصنف/ ابن ابی شيبة (۱۱/ ۹٤) بسند حسن، اسی سے ملتی جلتی روایت ابن سعد (ط ۳۲۳/۵) میں ملتی ہے۔ البلاذری (۱۵۵/۳) ابن عساکر، ترجمۃ الحسین ص (۷) طبع الباقوری۔ خود روافض کو اعتراف ہے کہ حسین اور عبداللہ بن جعفر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عطایا لیتے تھے، دیکھیے: جلاء العیون، المجسلی ص (۳۷٦) الكافی فی الفروع، كتاب العصبة، باب الاسماء والكنى (٦/ ۱۹) الامالی/ الطوسی (۲/ ۳۳٤) شرح ابن ابی حديد (۲/ ۸۲۳۷۸)

دیا کہ پانی کا بڑا برتن لاؤ، اس نے برتن میں پانی ڈال دیا، اور پھر آپ نے ان خطوط کو برتن میں ڈال دیا کسی خط کو کھولا اور نہ پڑھا۔ میں نے یہ منظر دیکھ کر ان سے کہا: اے ابومحمد! یہ کس کے خطوط ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: عراقیوں کے، وہ ایسی قوم ہے جو حق کی قائل نہیں ہوتی اور باطل میں کسر نہیں چھوڑتی، مجھے اپنے بارے میں ان سے کوئی خدشہ اور اندیشہ نہیں ہے البتہ حسین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اس کے بارے میں ڈرتا ہوں۔ [1]

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

''مجھے متعدد طرق سے یہ بات پہنچی ہے کہ جب حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات کا وقت قریب ہوا تو انھوں نے اپنے بھائی حسین سے کہا: اے میرے عزیز! بے شک ہمارے باپ-اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے- جب رسول اکرم صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو اس معاملہ-خلافت- کی طرف راغب ہوئے، لیکن اللہ نے اسے ان سے پھیر دیا، اور ابوبکر اس کے ذمہ دار ہوئے، پھر جب ابوبکر کی وفات ہوئی تو اس وقت بھی وہ اس کی طرف راغب ہوئے لیکن وہ ان سے ہٹ کر عمر کی طرف چلی گئی، پھر جب عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت ہوا تو انھوں نے اسے-خلافت-کو چھ لوگوں کی شورائیت پر چھوڑ دیا جس میں ایک وہ -علی رضی اللہ عنہ- بھی تھے، اب کی بار انھیں یقین تھا کہ خلافت انھیں کو ملے گی لیکن وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں چلی گئی، پھر جب عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے تو ان کے ہاتھوں پر بیعت کی گئی، پھر اس مسئلہ میں آپ سے مزاحمت کی گئی یہاں تک کہ انھوں نے تلوار کو بے نیام کیا، اور اس پر قابض رہنا چاہا لیکن انھیں اس سے کچھ بھی ہاتھ نہیں لگا، اور میں جہاں تک سمجھتا ہوں اللہ کی قسم! اللہ ہم اہل بیت میں خلافت اور نبوت دونوں اکٹھا نہیں کرے گا۔'' [2]

پھر جب حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات ہوگئی تو شیعہ حضرات سلیمان بن صرد کے گھر جمع ہوئے، اور باتفاق رائے حسن رضی اللہ عنہ کی وفات پر حسین رضی اللہ عنہ کے پاس تعزیت نامہ بھیجا، جس میں انھوں نے لکھا کہ اس گزرنے والی شخصیت کے آپ سب سے بڑے خلف ہیں، ہم آپ کے شیعان ومحبان آپ کی مصیبت میں برابر کے شریک ہیں، آپ کی خوشی ہماری خوشی اور آپ کا غم ہمارا غم ہے، ہمیں آپ کے حکم کا انتظار ہے۔ [3]

---

[1] المعرفة والتاريخ (۲/ ۷۵٦) باسناد حسن، المعجم الكبير/ طبرانی (۳/ ۷۰ (۲٦۹۱) ہیثمی نے کہا کہ عبداللہ بن حکم بن ابوزیاد کے علاوہ سبھی راویان صحیح کے راوی ہیں جب کہ عبداللہ بھی ثقہ ہیں۔ مجمع الزوائد (٦/ ۲٤۳)

[2] الاستيعاب (۱/ ۳۹۱)

[3] انساب الاشراف (۳/ ۱۵۲) الاخبار الطوال/ الدنيوری ص (۲۲۱، ۲۲۲) بلا سند۔

اس تعزیت نامہ کے جواب میں حسین رضی اللہ عنہ نے لکھا: کہ میں امید کرتا ہوں کہ میرے بھائی (رحمہ اللہ) کی صلح وآشتی کی رائے، اور ظالموں سے جہاد کرنے کی میری رائے دونوں اپنی اپنی جگہ صواب دید اور درستگی پر مبنی تھی، اور اسی میں خیر تھا، لہٰذا آپ لوگ خاموش بیٹھو، نمایاں ہو کر نہ چلو، جذبات کو قابو میں رکھو اور جب تک ابن ہند زندہ ہیں بدگمانیوں سے بچو، اگر میرے جیتے جی ان کے ساتھ کوئی ناگہانی ہوئی تو ان شاء اللہ میں تمھیں اپنی رائے سے آگاہ کروں گا۔ ❶

اس میں کوئی شک نہیں کہ حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مسلمانوں میں حسین رضی اللہ عنہ کا جو مقام ومرتبہ تھا وہ اوروں پر فوقیت کا حامل تھا، اور تمام لوگوں کے ذہن وشعور میں تقریباً یہ بات طے ہو چکی تھی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد خلافت کے لیے بلا مقابل جو شخصیت نامزد ہوگی وہ حسین ہی ہوں گے۔ یہی وجہ تھی کہ اہل حجاز اور زعماء کوفہ کی بزرگ شخصیتیں آپ کی زیارت وملاقات کے لیے آتی رہتی تھیں، ان کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد حسین رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اور بھی خلیفہ ہو سکتا ہے۔ ❷

بہرحال کوفیوں کی کاوش صرف حسین کو کوفہ لانے پر ختم نہ ہوئی بلکہ محمد بن الحنفیہ سے بھی کوفہ تشریف لانے کی درخواست کیا، لیکن ابن الحنفیہ نے اپنے اور آل علی بن ابی طالب کے بارے میں ان کی پرخطر سازش کو بھانپ لیا، خود جانے سے گریز کیا اور حسین رضی اللہ عنہ کو بھی ان کی باتوں میں آنے اور ان کے پیچھے چل نکلنے سے روکا، اور ان الفاظ میں نصیحت کیا ''یہ لوگ ہمیں کھا جانا چاہتے ہیں، ان کا مقصد فقط ہماری خونریزی ہے۔'' ❸

ادھر حسین رضی اللہ عنہ اور اہل کوفہ کے درمیان خطوط و رسائل کی بکثرت آمد و رفت دیکھ کر مدینہ میں موجود بنوامیہ کے لوگوں میں خوف و ہراس پیدا ہو گیا، اور انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو صورت حال سے خبردار کرتے ہوئے حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشورہ طلب کیا، جواباً معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں خط لکھا کہ حسین سے ہرگز کسی طرح کی چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے۔ ❹ حالاں کہ حسین اور کوفیوں کے درمیان ان کے گہرے مراسم وتعلقات اور دونوں میں خطوط کے تبادلے کی حقیقت معاویہ کی نگاہوں سے اوجھل نہ تھی، اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ نے حسین رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ اللہ سے خوف کھائیں اور مسلمانوں کے اتحاد کو نہ توڑیں، اور مسلمانوں کے معاملہ میں اللہ ترسی ملحوظ رکھیں۔ ❺ غالباً اہل کوفہ کی پے در پے خطوط کے ذریعہ اپنی وفاداری کی یقین دہانی اور بہرصورت امداد رسی

❶ انساب الاشراف (۳/ ۱۵۲) اس سے ملتی جلتی عبارت ابن سعد (ط ۳۵۷/۵) کی بھی ہے۔

❷ انساب الاشراف (۳/ ۱۵۲) اسناد بروایت صیغہ جمع قالوا وارد ہے۔ ❸ طبقات ابن سعد (ط ۳۵۶)

❹ انساب الاشراف (۳/ ۱۵۲)

❺ انساب الاشراف (۳/ ۱۵۲) باسناد جمع قالوا۔ ابن سعد (ط ۵/ ۳۵۷) الکشی: ترجمہ عمرو بن الحمی

کے دعوؤں نے حسین رضی اللہ عنہ کو اس قدر متاثر کردیا تھا کہ زعماء کوفہ کی تحریض وترغیبات کے سامنے خود کو حیران و سرگرداں پا رہے تھے کہ کیا کریں؟ بہرحال حسین اور اہل کوفہ کے درمیان گہرے تعلقات کی جو بھی نوعیت رہی ہو، لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ کی دور رس نگاہیں اس بات کو بھانپ رہی تھیں کہ حسین رضی اللہ عنہ کوفہ ضرور جائیں گے اسی لیے آپ نے یزید کو یہ نصیحت کیا: دیکھنا حسین بن علی فاطمہ بنت رسول کے لخت جگر کا خاص خیال رکھنا، وہ لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں، ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، اور نرمی سے پیش آنا، ان کا معاملہ تمھارے حق میں بہتر ہوگا، اور اگر کوئی ناگہانی پیش آتی ہے تو میں امید کرتا ہوں کہ خود اللہ تعالیٰ تمھاری طرف سے ان کے لیے انھیں لوگوں کے ذریعہ کافی ہوگا جنھوں نے ان کے باپ کو قتل کیا اور بھائی کو رسوا کیا ہے۔ (1)

ب۔ بیعت یزید سے حسین بن علی کا انکار:

بیعت یزید بن معاویہ کے بارے میں حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا موقف مخالفانہ تھا، اور اس مخالفت میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما آپ کے شریک کار تھے، حالاں کہ ان دونوں میں سے کسی نے بھی اس مخالفت کا کوئی واضح سبب نہیں ظاہر کیا، (2) جب کہ ابن عمر جیسی مخالف شخصیت نے اپنی مخالفت کی وجہ کھل کر بتا دی، اور جب معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو اس کے فوراً بعد اپنی بیعت کا پیغام بھیجا۔ (3) پس مذکورہ دونوں لوگوں کی مخالفت فقط نظری نہ تھی بلکہ بعد کے ایام میں یہ موقف عملی شکل میں کھل کر سامنے آیا، چناں چہ حسین رضی اللہ عنہ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں اول دن سے حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی مصالحت کے خلاف تھے، وہ تو صرف اپنے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کے برادرانہ حق کی رعایت و مروت میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کرلیا تھا، لیکن حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے اہل کوفہ سے رابطے و تعلقات میں تسلسل برقرار رہا، جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر ہوتے ہی زعماء کوفہ نے حسین کے پاس خطوط بھیجنا شروع کردیا، اور ان سے مطالبہ کیا کہ جس قدر جلدی ممکن ہو آپ کوفہ تشریف لے آئیں، ان اسباب کے علاوہ حسین رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اصل بنیاد یہ تھی کہ وہ اپنے علاوہ دیگر لوگوں کے مقابلہ میں خود کو خلافت کا سب سے زیادہ حقدار سمجھتے تھے، اور ان کا خیال تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد خلافت انھیں کے پاس آئے گی، کیوں کہ مسلمانوں کے دلوں میں ان کی جو عظمت ہے وہ کسی اور کی نہیں ہے، اس لیے کہ آپ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہونے کے ساتھ کوفہ اور اس کے مضافات کے

---

(1) ابن سعد (ط ۵/ ۳۸)

(2) میرا مقصد یہ ہے کہ ان دونوں نے یزید کے کسی کردار کو متہم نہیں کیا اور نہ کوئی ایسی واضح بات کہی جو یزید کی اہلیت خلافت کے لیے قادح ہو، ہاں اعتراض کا ایک بنیادی سبب ہوسکتا ہے ان کے ذہن میں رہا ہو، وہ یہ کہ معاملہ شورائیت سے طے ہونا چاہئے تھا، امت جسے مناسب سمجھتی منتخب کرتی، جیسا کہ مکہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کے دوران ان دونوں نے یہ بات کہی تھی۔

(3) تفصیل کے لیے اسی باب میں ''بیعت'' والی بحث کا مطالعہ کریں۔

باشندوں سے زبردست تائید پا رہے ہیں، دریں صورت یہ کوئی حیرت و تعجب کی بات نہیں رہ جاتی کہ حسین رضی اللہ عنہ بیعت یزید کے بالمقابل اٹھ کھڑے ہوں اور پوری شد و مد سے اس کا انکار کریں۔ اور جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسین رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں تنہا ملاقات کیا تب بھی بظاہر یہی لگتا ہے کہ آپ نے اپنی استحقاق خلافت پر زور دیا تھا، علاوہ ازیں جب یزید نے بگڑی ہوئی صورت حال کے بارے میں معاویہ سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: شاید وہ میرے علاوہ کسی دوسرے سے اس کے طلب گار ہیں جو انھیں اس کی اجازت نہیں دے گا، اور انھیں قتل کر دے گا۔ [1] اسی لیے امام ذہبی فرماتے ہیں: جب معاویہ نے یزید کے لیے بیعت لے لیا تو حسین کو اس سے کافی دکھ ہوا۔

بہرچند کہ طرفین میں سیاسی رسہ کشی جاری تھی تاہم معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ نرمی سے پیش آنے کی برابر تلقین کرتے رہتے تھے، البتہ باقاعدہ تحدید کے ساتھ ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ یزید کو آپ کی یہ نصیحت اپنی موت کے وقت تھی یا اس سے قبل بھی متعدد بار یہ نصیحت کر چکے تھے، کیوں کہ بعض مصادر و مراجع جن میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس وصیت کا ذکر ہے ان کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت حالت نزع میں جب آپ وصیت کر رہے تھے تو یزید معاویہ رضی اللہ عنہ کے بغل میں موجود تھے۔

جب کہ ثابت شدہ اور صحیح بات یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت یزید دمشق میں موجود نہیں تھے بلکہ حوارین چلے گئے تھے۔ [2] اور ضحاک بن قیس الفہری اور مسلم بن عقبہ کے واسطے سے یزید کو

---

[1] ابن سعد، الطبقة الرابعة (١/ ١٦٥) (یہ پی ایچ ڈی کا ایک رسالہ ہے جو ٹائپ رائٹر سے لکھا ہوا ہے۔) اس کی سند میں واقدی کا نام پایا جاتا ہے۔ نیز دیکھیں: ابن سعد (ط٥/ ٣٥٨) الطبری بروایت ابو مخنف (٥/ ٣٢٢) العقد الفريد (٤/ ٢٧٣) بروایت ہیثم بن عدی، تهذيب الكمال (٦/ ٤١٢) بروایت ابن سعد۔

ابو بردہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک بڑا پھوڑا نکلا ہوا تھا ان کے پاس گیا تو انھوں نے کہا: میرے عزیز قریب آؤ اور میرے پھوڑے کو غور سے دیکھو، میں نے دیکھا وہ بھر چکا تھا، میں نے کہا: اے امیر المومنین آپ گھبرائیں نہیں ٹھیک ہے۔ اتنے میں یزید آ گئے، تو معاویہ نے کہا: اگر تم لوگوں کے معاملات کے ذمہ دار- حاکم- بنائے گئے تو ان کے ساتھ خیر و نرمی کا برتاؤ کرنا، کیوں کہ ان کے باپ میرے مخلص دوست تھے.....'' الطبری (٣٣٢/٥) بسند صحیح۔ طبری کی سند میں درمیان سے ایک راوی ساقط ہے کیوں کہ عبداللہ بن احمد اور صالح کے درمیان واسطہ امام احمد ہیں جنھیں ساقط کر دیا گیا ہے، اس کا ثبوت یہ ہے کہ عبداللہ بن احمد نے ایک سے زیادہ جگہوں پر وضاحت کی ہے کہ وہ اپنے باپ سے اور ان کے باپ ابو صالح سے روایت کرتے ہیں۔ مزید معلومات کے لیے دیکھیں: ابن سعد (ط١٧٣/٤) بسند حسن البتہ اس روایت میں یزید اور معاویہ کے پاس ان کے جانے کا ذکر نہیں ہے، بلکہ وہ روایت ابو بردہ کے اسی قول پر ختم ہو جاتی ہے کہ پھوڑے کا زخم بھر چکا تھا، سیر اعلام النبلاء/الذہبی (١٦٠/٣) بہرحال ابن سعد کی روایت میں اگرچہ یزید کے جانے کا ذکر نہیں لیکن اس کا مطلب نہیں ہے کہ وہ نہیں گئے تھے، بلکہ ممکن ہے کہ بیماری کی شروعات ہی میں گئے رہے ہوں۔ اور پھر اس کے بعد یزید حوارین گئے ہوں اور وہاں انھیں ان کے والد کی وفات کی خبر پہنچی ہو۔

[2] حُلب کا ایک معروف و مشہور گاؤں حوارین تھا۔ معجم البلدان/ یاقوت (٢/ ٣١٥)

معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت پہنچائی گئی تھی۔ [1]

عوانہ کا بیان ہے کہ جب معاویہ کی موت کا وقت قریب ہوا یعنی ۶۰ھ میں اور یزید موجود نہ تھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ضحاک بن قیس الفہری کو بلایا جو آپ کے محافظ (سیکورٹی انچارج) تھے، نیز مسلم بن عقبہ المری کو بلایا اور دونوں کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ یزید کو میری یہ وصیت پہنچا دینا۔

''اہل حجاز کا خاص خیال رکھنا کہ وہی تمھارے حسب ونسب کی اساس ہیں، ان میں اگر کوئی تمھارے پاس آئے تو اسے اعزاز و اکرام سے نوازنا، اور جو غائب ہوں ان کی خبر گیری کرتے رہنا، اور دیکھو اہل عراق پر خاص نگاہ رکھنا اگر وہ تم سے روز آنہ اپنے گورنر کی تبدیلی کا مطالبہ کریں تو وہی کرنا، کیوں کہ کسی گورنر کو بدلنا مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ تو ان پر لاکھوں تلواروں کو بے نیام کرے، اور دیکھنا اہل شام تمھارے مشیر اور معاون رہیں، اگر تمھیں تمھارے دشمن سے کوئی گزند پہنچے تو ان سے مدد لینا، جب کامیابی مل جائے تو انھیں ان کے وطن واپس کر دینا، کیوں کہ اگر انھوں نے دوسری جگہ بود و باش اختیار کیا تو وہ دوسروں کے اخلاق و عادات سے متاثر ہو جائیں گے۔ رہے قریش کے لوگ! تو ان میں تین لوگوں کے علاوہ مجھے کسی سے خوف نہیں ہے، وہ حسین بن علی، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر ہیں۔ جہاں تک ابن عمر کی بات ہے تو انھیں دین نے ادھمرا کر دیا ہے، وہ تیری طرف سے کسی چیز کے خواستگار نہیں ہیں۔ رہے حسین بن علی تو وہ ہلکے یعنی جلد متاثر ہونے والے آدمی ہیں، میں امید کرتا ہوں کہ ان کے لیے تیری طرف سے اللہ ان لوگوں کے ذریعہ کافی ہوگا جنھوں نے ان کے باپ کو قتل اور بھائی کو رسوا کیا، ان کا حق بڑا عظیم ہے۔ اور رشتہ بڑا وزنی ہے، وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں میں سے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اہل عراق انھیں مدینہ سے نکالے بغیر رہیں گے تم میں جتنی طاقت ہو سکے گی انھیں درگزر کرتے رہنا، میں اگر اس وقت تک رہتا تو انھیں درگزر کرتے رہتا۔ اور جہاں تک ابن زبیر کا معاملہ ہے تو وہ انتہائی چالاک اور زیرک آدمی ہیں، پس اگر ان کے ساتھ جنگ آزمائی ہی ناگزیر ہو جائے تو ڈٹ کر مقابلہ کرنا، ہاں اگر صلح کے طالب ہو جائیں تو صلح کر لینا، اور جہاں تک ممکن ہو سکے اپنی قوم کو خونریزی سے بچانا۔'' [2]

---

[1] ابن سعد (ط ٤/ ١/ ١٧٤، ١٧٦) بسند حسن۔ انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ١/ ١٥٤، ١٥٦) طبری بروایت عوانة (٥/ ٣٢٣) نیز (۳۲۸/۵) بسند لا باس بہ۔ بشرطیکہ اسحاق بن خلید سے مراد سعید بن عاص کے غلام ہوں۔ العقد الفرید (٢/ ٣٧٣) تاریخ دمشق (٦/ ق ٣١٠) تاریخ الاسلام/ الذھبی حوادث ٤١ھ تا ٦١ھ ص (٣١٦، ٣١٧) نیز سیر اعلام النبلاء بروایت ابی مسھر بسند صحیح۔ (١٣/ ١٦١)

[2] طبری (٥/ ٣٢٣) بروایت عوانه، العقد الفرید (٤/ ٣٧٢، ٣٧٤) بروایت ھیثم بن عدی، صرف دنیوی الاخبار الطوال ص (٢٢٦) میں اس بات کے قائل ہیں کہ معاویہ نے ضحاک کے ذریعہ یزید کو جس وقت وصیت کی تھی اس وقت یزید غائب تھے، پھر جب یزید واپس آئے تو وصیت کو دوبارہ دہرایا، جب کہ یہ بات وفات معاویہ کے وقت ان کے بغل ⇦⇦⇦

چناں چہ اس میں کوئی شک نہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ملک کی جس سیاسی و اضطرابی حالات کا تصور کیا تھا وہ اپنی جگہ بالکل درست تھا، یہی وجہ تھی کہ یزید کو مذکورہ وصیت کرتے وقت انھیں تین ریاستوں پر خاص توجہ دیا جو ملک کے لیے ستون کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ ریاستیں حجاز، عراق اور شام سے عبارت تھیں، پھر آپ نے ان ریاستوں کے رجحانات کی رعایت کرتے ہوئے ان کے ساتھ طرز تعامل کا مناسب علاج بھی بتایا تھا۔

پس اہل حجاز آپ کے اپنے، خاندانی، اور ہم رشتہ لوگ تھے، اس لیے آپ نے ان کے ساتھ نرمی کرنے، انھیں اعزاز و اکرام سے نوازنے، اور ان کے لیے عطایا و داد و دہش کی نصیحت فرمائی۔

جب کہ آپ نے یزید کے لیے عراق جیسے غیر مستحکم اور سیاسی اضطراب والی ریاست کے ساتھ سیاسی طرز تعامل کے خطوط و نقوش متعین کر دیئے تھے، ایسا اس وجہ سے کہ اس ریاست میں متعدد عربی قبائل رہتے بستے تھے، اور ان کے درمیان قبائلی اختلافات رہ رہ کر ابھرتے رہتے تھے، مزید برآں ان اعراب (دیہاتیوں) کی بھاری تعداد موجود تھی جنھیں اسلامی تعلیمات اور دینی احکامات کا وافر حصہ نہیں ملا تھا۔ علاوہ ازیں اس ریاست میں خارجی و شیعی افکار و نظریات کے چلن اور بڑی تعداد میں ان کے مویدین و متبعین نے عراق میں سیاسی امن و استقرار کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔

انھیں خدشات اور رکاوٹوں کے پیش نظر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو مشورہ دیا تھا کہ عراقیوں کے ساتھ ہمیشہ ایک خبردار انسان کی طرح تعامل کرنا، اور حتی المقدور ان کے مطالبات کو پورے کرنا، یہاں تک کہ اگر ان کے مطالبہ پر روزآنہ ایک امیر بدلنے کی نوبت آجائے تو سیاست فاروقی کی اقتداء کرتے ہوئے اس میں بھی کوتاہی نہ کرنا، اسی طرح آپ نے یزید کو اشارہ کیا تھا کہ اہل شام سے اپنے تعلقات کو مضبوط اور خوشگوار رکھنا کہ ملکی سیاست و اقتدار میں وہ کافی وزن رکھتے ہیں، اور اول دن سے وہ ملکی استقرار و استحکام کے معاون رہے ہیں، اس کے علاوہ ان میں اپنے امراء و حکمرانوں کی اطاعت کا جذبہ پایا جاتا ہے ان سے غداری و بے وفائی کی امید نہیں کی جاسکتی، وہ اس سے کافی دور رہنے والے ہیں۔

اہل شام کی دوسروں کے بالمقابل مذکورہ خصوصیات نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کے لیے یہ مشورہ دینے پر مجبور کر دیا تھا کہ اپنے دشمنوں کے خلاف کسی بھی جنگ میں صرف اہل شام سے مشورہ لینا، نیز پوری کوشش کرنا کہ شامی باشندے شام ہی میں سکونت اختیار کریں، دوسری ریاستوں میں اقامت گزیں نہ ہوں مبادا ان مفسدانہ فکری تحریکات سے وہ متاثر ہو جائیں جو دیگر ریاستوں میں اپنا رنگ دکھانے لگی ہیں اور پھر حسن اطاعت کی جس امتیازی وصف کے وہ حامل ہیں وہ گنوا بیٹھیں۔

⇦⇦⇦ میں یزید کے عدم وجود کے خلاف ہے۔

پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو تینوں نامزد مخالفین کی شرشت وحالات سے واقف کیا، ان میں سے ایک جلیل القدر صحابی ابن عمر رضی اللہ عنہما تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکومت کے بارے میں ان سے کوئی خطرہ نہیں تھا کیوں کہ ان کے بارے میں معرورف تھا کہ وہ ایک عبادت گزار اور صاحب ورع وتقوی شخصیت کے مالک ہیں، دنیا اور اس کی رنگینوں سے دور رہنے والے ہیں، اور اس سلسلے میں بے انتہا محتاط ہیں کہ ان کی وجہ سے کسی مسلمان کا خون بہایا جائے۔[1] چناں چہ انھیں امتیازی اوصاف نے انھیں مسئلہ خلافت میں الجھنے سے بہت حد تک دور کر دیا تھا، جس کی وجہ سے ان کی طرف سے اپنے بیٹے یزید کے بارے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو خاصا اطمینان تھا۔

جب کہ دوسرے شخص یعنی ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کافی چالاک وانتہائی زیرک جیسے اوصاف سے متصف کیا تھا، اور یزید کی مخالفت کے بارے میں ان کی طرف سے مامون نہیں تھے، اسی لیے ان کے بارے میں یزید کو مکمل بیدار مغزی واحتیاطی برتاؤ کا مشورہ دیا تھا مبادا ان کی چالوں میں نہ آجائے، معاً یہ نصیحت بھی کی تھی کہ اگر ابن زبیر کی طرف سے ٹکراؤ کی کیفیت پیدا ہوجائے تو اپنے موقف میں ثابت قدم رہنا، لیکن اگر وہ صلح کے طالب ہوتے ہیں تو اسے قبول کرنے میں دریغ نہ کرنا۔ رہے تیسرے مخالف یعنی حسین بن علی رضی اللہ عنہما تو ان کے بارے میں معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ تبصرہ تھا کہ وہ ذکی الحس ہیں بہت جلدی متاثر ہوجاتے ہیں، پس کوفیوں کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات، اور خلوص ومحبت کا دم بھرنے والے کوفی لیڈران کے ساتھ ان کے پختہ روابط کے تعلق سے معاویہ کو جو معلومات تھیں اس پس منظر میں آپ کو پوری توقع تھی کہ حسین مدینہ سے نکل کر عراق ضرور روانہ ہوں گے۔ تاہم انھوں نے یزید کو تاکیدی مشورہ دیا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کی وجہ سے حسین کے ساتھ بہرصورت نرمی کا برتاؤ کرنا، اور اگر وہ مخالفت وجنگ آزمائی پر تل جاتے ہیں تو بھی انھیں درگزر کرنا، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ معاویہ کی دور اندیشی وبابصیرت نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ مدینہ سے نکلنے اور ٹکراؤ کی کیفیت پیدا کرنے میں عراقیوں کی طرف سے زبردست رسوائی کا سامنا کریں گے، جیسا کہ اس سے قبل ان کے والد علی رضی اللہ عنہ اور بھائی حسن رضی اللہ عنہ کو سامنا کرنا پڑا تھا۔

پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یزید کو آخری رہنمائی یہ تھی کہ وہ حتی المقدور اپنی قوم اور مسلمانوں کے خون کی حفاظت کی کوشش کریں گے۔ مختصر یہ کہ یزید کے لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ وصیت سیاسی میدان میں ان کی بے مثال اور پختہ مہارت کے نتیجہ میں آئی تھی۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا؟ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ وہ تو تھے ہی ایک منجھے ہوئے تجربہ کار سیاسی جنھوں نے حکومت اسلامیہ کو اپنے وقت میں قوت وسربلندی کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا تھا۔

---

[1] ابن سعد (٤/ ١٤٢-١٨٨)

۲......سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی مدینہ سے مکہ روانگی

رجب ۶۰ ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی۔ [1] ان کی وفات کے بعد ضحاک بن قیس کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا، معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدح وستائش میں کچھ کلمات کہے، ان پر رحمت الٰہی کی دعائیں کیں، اور ان کے لیے دعائے استغفار کیا، پھر یزید کو بلا بھیجا جو اس وقت حوارین میں تھے، وہ اپنے باپ کی قبر کے پاس گئے اور اپنی معیت میں موجود لوگوں کے ساتھ ان کی نماز جنازہ پڑھی، پھر اپنے گھر گئے اور یہ اشعار کہے:

جاء البريد بقرطاس يخب به
فاوجس القلب من قرطاسه فزعا

''قاصد ایک خط لے کر دوڑتے ہوئے آیا، پس اس کے خط سے دل میں بے چینی محسوس ہوئی۔''

قلنا لك الويل ماذا فى صحيفتكم
قال الخليفة امسى مثباتا وجعا

''ہم نے کہا کہ تمھاری بربادی ہو! تمھاری کتاب میں بھلا کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ خلیفہ نے تکلیف کا سامانا کرتے ہوئے رات بسر کی۔''

فمادت الارض و كادت تميدُ بنا
كان اغبر من اركانها انقطعا

''زمین ہمیں لے کر گھومنے لگی اور قریب تھا کہ ہمیں دھنسا دیتی اس کے جو مضبوط ستون تھے جڑ سے اکھڑ گئے۔''

لما انتيهنا و باب الدار منصفق
لصورت رملة ريع القلب فانصدعا

''جب میں وہاں پہونچا تو شاہی محل کا دروازہ بند تھا اور رملہ کے (رونے) کی آواز سے دل پارہ پارہ ہوگیا۔''

من لا تزل نفسه توفى على شرف
توشك مقادير تلك النفس ان تقعا

''جس کی جان بلندیوں کی چوٹی پر فائز ہوتی ہے۔ تو فیصلہ الٰہی جلد ہی عمل میں آجاتی ہے۔''

اودی ابـــن هـنـد و اودی الـمـجـد يتبعـه

كـــان يـكـــونـــا جـمـيـعـا قـاطـنـيـن مـعـا

''ہند کا بیٹا (اس دنیا سے) مٹ گیا اور اس کے پیچھے شرافت بھی مٹ گئی وہ دونوں متحد، محفوظ اور ایک دوسرے کے سہیم تھے۔''

اغـــزُ ابـلـــج يسـسـقـــی الـغـمـــام بـــه

لـــو قـــارع الـــنـــاس عـن احـلامهـم فـزعـا

''(امیر معاویہؓ) روشن وکشادہ پیشانی والے تھے بدلی بھی ان سے پانی طلب کرتی تھی اگر لوگوں کو خواب سے روکتے تو رک جاتے۔''

و مـــا أبـــالـــی اذا ادرکـــت مهـجتـــه

مـــن مـــات مـنهـم بـــالبيـداء او ظـلـمـا

''اگر میں انھیں بیماری کے بعد شگفتہ حال پا لیتا تو مقام بیداء میں ان میں سے کسی کے مرنے یا ظلم کیے جانے کی مجھے کوئی فکر دامن گیر نہ ہوتی۔''

لا يـــرقـــع الـــنـــاس مـا أوهـی و ان جهـدوا

ان يـــرقـعـوه و لا يـوهـون مـــا وقـعـــا [2]

''ہزار کوشش کے باوجود لوگ بوسیدہ ہو چکے کپڑے میں پیوند نہیں لگا سکتے اور پیوند شدہ کپڑے کو بوسیدہ نہیں کر سکتے۔''

پھر ''الـصــلاة جامعة'' کا اعلان کیا، اور غسل کر کے عمدہ لباس زیب تن کیا، پھر گھر سے باہر نکلے اور لوگوں میں خطبہ دیا۔ اللہ کی حمد وثنا کے بعد کہا:

---

[1] ابـن سـعـد (ط ٤/ ١/ ١٧٦)، تـاریـخ خـلـیـفة بـن خیاط (٢٢٦) طبری (٥/ ٣٣٨) الاستیعاب (٣/ ١٤٢٠) الاصـابة (٦/ ١٥٥) واضح رہے کہ اس مقام پر ابن العمرانی کا ایک شاذ قول ہے کہ ربیع الاول ٦١ھ میں یزید کے لیے بیعت کی گئی۔ دیکھئے: الانباء فی تاریخ الخلفاء ص (٤٩)

[2] ابن سعد (ط ٤/ ١٧٦) بسند حسن، انساب الاشراف (٤/ ١/ ١٥٤)، الطبری (٥/ ٣٢٧) بروایت ابو مخنف، الـعـقـد الـفرید (٤/ ٣٧٣)، الاغانی (١٧/ ٣١٢) ابن عساکر ترجمة معاویة (١٦/ ٧٥٦) اشعار یزید کو صلاح الدین المنجد نے بھی جمع کیا ہے ص (١٢، ١٣) جب کہ ابن عبدالبر الاستیعاب (١٤١٩/٣) پر لکھتے ہیں کہ یزید نے مذکورہ اشعار کے دو مصرعے ٨ اور ١٩ اعشیٰ سے چوری کیے ہیں۔ ابن کثیر (١٤٨/٨)

''اے لوگو! معاویہ اللہ کے بندوں میں سے ایک تھے، اللہ نے ان پر نعمتوں کی بارش کی تھی، پھر اپنے پاس اٹھا لیا، وہ اپنے بعد آنے والوں سے کہیں اچھے، اور اپنے پہلے گزرنے والوں سے کمتر تھے، میں اللہ سے بڑھ کر ان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا وہی ان کے بارے میں زیادہ جاننے والا ہے، اگر وہ انھیں معاف کر دیتا ہے تو یہ اس کی رحمت کا فیض ہے، اور اگر سزا دیتا ہے تو معاویہ کے گناہوں کا نتیجہ ہے۔ میں ان کے بعد لوگوں کے معاملات کا حاکم بنایا گیا ہوں، میں نے اس کے لیے کبھی کوشش نہیں کیا، اور یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ مجھ سے کوتاہی نہ ہوگی، جب اللہ کسی چیز کو کرنا چاہتا ہے تو وہ ہو کر رہتی ہے۔ اللہ کو یاد کرو اور اس سے مغفرت کے طالب بنو۔'' [1]

پھر کہا:

''معاویہ تمھیں لے کر بحری غزوہ کیا کرتے تھے لیکن میں کسی مسلمان کو اس کے لیے مجبور کرنے والا نہیں ہوں، معاویہ موسم سرما میں تمھیں روم کی سرزمین میں محاذ جنگ پر بھیجتے تھے لیکن میں اس موسم میں کسی کو وہاں بھیجنے والا نہیں، نیز معاویہ تمھیں ثلث عطایا دیا کرتے تھے لیکن میں تمھیں پورا کا پورا دیا کروں گا۔'' [2]

یزید کا یہ پہلا خطبہ تھا جو انھوں نے اپنی زندگی میں بحیثیت امیر المومنین لوگوں کے سامنے پیش کیا، اس وقت مدینہ میں، ولید بن عقبہ بن ابوسفیان، کوفہ میں نعمان بن بشیر، بصرہ میں عبید اللہ بن زیاد اور مکہ میں عمرو بن سعید بن عاص حکومتی گورنر ہوا کرتے تھے۔ [3] یزید بن معاویہ نے مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ کو سب سے پہلے اس بات کے لیے مکلّف کیا کہ لوگوں کو بلا کر بیعت لیں، جس کا آغاز قریش کی سرکردہ شخصیات سے کریں، سب سے پہلے حسین بن علی سے بیعت لیں کیوں کہ امیر المومنین -معاویہ رحمہ اللہ- نے مجھے ان کے بارے میں نرمی برتنے اور ان سے طلب مصالحت کی وصیت کی تھی۔ [4] معاً ابن زبیر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیعت

---

[1] ابن سعد (ط ٤/ ١/ ١٦٧) بسند حسن، عیون الاخبار/ ابن قتیبه (٢/ ٢٦٠) العقد الفرید/ ابن عبد ربه (٤/ ٣٧٤، ٣٧٥) ابن کثیر (٨/ ١٤٦)

[2] ابن عساکر (١٥/ ق ٣٦٠) سیر اعلام النبلاء/ الذهبی (٣/ ١٦٢) بسند حسن، بروایت ابی مسهر، ابن کثیر (٨/ ١٤٦)

[3] الطبری (٥/ ٣٣٨)

[4] ابن سعد (ط ٥/ ٣٥٩)

لینے کی بھی تلقین کیا۔ ❶

واضح رہے کہ اس مقام پر کچھ ایسی روایتیں بھی تاریخ کی زینت بنی ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر مدینہ ولید بن عتبہ کو وفات معاویہ کی خبر ملی تو انھوں نے اس حادثہ کے پس و پیش پر نگاہ ڈالتے ہوئے مروان بن حکم سے مشورہ لیا کہ اب ہمیں ملکی تدبیر و سیاست کے لیے کیا کرنا چاہیے، اور کون سا ایسا محتاط قدم اٹھائیں کہ ریاست میں کوئی ہنگامہ نہ ہو اور امن وامان برقرار رہے۔ چناں چہ مروان نے مشورہ دیا کہ عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی کو بلاؤ اور انھیں بیعت کی دعوت دو۔ ❷

گویا ان لوگوں سے بیعت لینے کے لیے ولید بن عتبہ نے خود پیش قدمی کی تھی، یزید کا حکم نہیں تھا- بہر کیف حالات وظروف کو دیکھتے ہوئے ولید بن عتبہ کا یہ ذاتی عمل رہا ہو یا یزید بن معاویہ نے اس کا حکم دیا ہو دونوں میں کوئی تعارض اور ٹکراؤ نہیں ہے، کیوں کہ بروایت ابومعشر ''معاویہ کی وفات نصف ماہ رجب ۶۰ھ میں ہوئی اور اہل مدینہ کو اس کی خبر شروع شعبان میں ہوئی۔'' ❸

اس طرح بلاد شام سے حجاز تک وفات معاویہ کی خبر پہنچنے میں تقریباً پندرہ دن لگا، جو کہ اس دور میں اتنی طویل مسافت کے لیے خبر پہنچنے کا ایک معقول وقت ہے۔ ❹ پھر جب یزید نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو حکومتی سطح پر ولید بن عتبہ کو اپنا خط بھیجا کہ وہ حسین، ابن عمر، اور ابن زبیر سے بیعت لیں۔ اس توجیہ کو مزید تقویت اس بات سے ملتی ہے کہ یزید اپنے والد کی وفات کے وقت دمشق میں نہیں تھے، وفات کی خبر پا کر حوارین سے دمشق لوٹے اور تعزیت کرنے والوں کے روبرو ہوئے، بلکہ بیعت لینے کے ساتھ ساتھ تعزیت کا یہ سلسلہ تین دن یا اس سے زیادہ ہی چلتا رہا، پھر ملکی انتظام وانصرام میں لگ گئے۔

لہٰذا میرے خیال میں ان ساری کارروائیوں کے لیے کئی ایام پر مشتمل مناسب وقت چاہیے، پس یہ معقول بات نہیں ہے کہ یزید نے دمشق پہنچتے ہی فوراً ولید بن عتبہ کو فرمان جاری کر دیا ہو کہ مذکورہ لوگوں -

❶ تاریخ خلیفہ (۲۳۲) لیکن ان کی سند میں محمد بن زبیر حنظلی نامی متروك راوی ھے۔ انساب الاشراف (۴/ ۲۹۹، ۳۰۰) بروایت ابومخنف و عوانة، الامالی الخمیسیة، الشجری (۱/ ۱۷۰) الطبری (۵/ ۳۳) بروایت ابی مخنف۔

❷ تاریخ خلیفہ (۲۳۲-۲۲۳) بروایت جویریة عن اشیاخ فی المدینة۔ العقد الفرید (۴/ ۳۷۶) بروایت قاسم بن سلام۔ المحاسن والمساوی، البیھقی (۸۰، ۸۱) بروایت ابومعشر۔

❸ المحاسن والمساوی ص (۸۰)

❹ دمشق سے مدینہ کے راستہ کی تفصیلات کے لیے دیکھیں۔ المسالك و الممالك/ ابن خردذابه ص (۵۱۰)

حسین، بن زبیر، ابن عمر- سے بیعت لی جائے، عین ممکن ہے کہ معاویہ کی وفات کی خبر ملنے کے بعد ولید نے مذکورہ لوگوں سے خود بیعت کا مطالبہ کیا ہواور اس کے پیچھے ہی چند ایام بعد یزید کا نامہ آیا ہو جس میں ان لوگوں سے بیعت لینے کا حکم دیا گیا ہو۔ اور اس رائے کی درستگی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ولید بن عتبہ کے نام یزید بن معاویہ کا وہ خط جس میں ان تینوں سے بیعت لئے بغیر انھیں چھوڑنے کی اجازت نہیں تھی۔ [1] وہاں ولید کا برتاؤ اس خط سے مختلف رہا، یعنی آپ نے انھیں مدینہ سے نکل جانے کا موقع دے دیا اور وہ ان سے بیعت نہ لے سکے اور وہ سب [2] مدینہ چھوڑ کر چلے گئے، جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

پھر اس معاملہ میں ولید بن عتبہ نے مروان بن حکم سے مشورہ لیا کہ اب کیا کرنا چاہئے، دریں صورتحال مروان نے مشورہ دیا کہ حسین اور ابن زبیر کے پیچھے کسی کو تلاش میں فوراً روانہ کریں، اگر وہ بیعت کر لیتے ہیں تو ان کا راستہ چھوڑ دیا جائے اور اگر انکار کرتے ہیں تو فوراً قتل کر دیا جائے۔ [3] اس کے بعد کیا ہوا، اس سلسلہ میں روایتیں باہم متضاد ہیں۔ جب کہ بروایت عوانہ وابومخنف بلاذری [4] کی روایت تاکیدی طور پر بتاتی ہے کہ جب ولید نے حسین اور ابن زبیر کی تلاش میں اپنے کارندوں کو بھیجا تو ان دونوں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دیا، نصف رات کو مکہ کے لیے رخصت سفر باندھ لیا، اور نکل پڑے، اور بالآخر ولید بن عتبہ کی ایک نہ سنی۔ [5]

جب کہ خلیفہ (بن خیاط) کی روایت بتاتی ہے کہ ابن زبیر ولید کے پاس گئے اور بیعت کرنے سے انکار کر دیا، اور معذرت یہ پیش کیا کہ ہمارے معاشرتی حالات ہمیں اس بات کے لیے مجبور کر رہے ہیں کہ میں لوگوں کے سامنے علی الاعلان بیعت کروں، لہٰذا کل یہ بیعت مسجد میں ہوگی۔ لیکن ابن زبیر کا یہ مطالبہ مروان کی طرف سے ناقابل قبول رہا، اور انھوں نے ولید کو مشورہ دیا کہ اپنے موقف پر ڈٹے رہیں، اب حالات نازک

---

[1] طبری (٥/ ٣٣٠) عن ابی مخنف

[2] سب نہیں بلکہ حسین اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما مکہ روانہ ہوئے تھے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیعت کرنے میں پہل کی تھی۔ (ش)

[3] تاریخ خلیفہ (٢٣٢، ٢٣٣) عن جویریہ بن اسماء عن مشائخ المدینة، العقد الفرید (٤/ ٣٧٦) عن القاسم بن سلام، المحاسن والمساوی (٨٠، ٨١) عن ابی معشر، مروان بن حکم کی دور اندیشی میں کوئی شک نہیں ہے لیکن یہ کہ آپ نے ان تینوں کے قتل کرنے کا مطالبہ کیا ہو یہ بالکل ہی بعید تر بات ہے، خاص طور سے اس لیے کہ آپ اپنے دور کے جید ترین علماء و فقہاء میں شمار ہوتے تھے۔

[4] انساب الاشراف (٤/ ٣٠٠) عن عوانة و ابی مخنف)

[5] تاریخ خلیفہ (٢٣٣) معمولی اختلاف الفاظ کے ساتھ یہی روایت ابن عساکر میں موجود ہے۔ (١٤٦، ١٤٧) تراجم عبداللہ بن جابر عن زبیر بن ؟؟، العقد الثمین (٥/ ١٥٧)

رخ اختیار کرنے لگے اور دونوں میں باہم سخت کلامی ہوگئی، ولید بن عتبہ جو کہ اعلیٰ اخلاق اور روادارانہ کردار کے حامل تھے اور جن کے اوصاف روایات کے حوالے سے یہ ہیں کہ وہ ایک نرم دل، کریم النفس اور خاموش طبیعت کے آدمی تھے۔ ❶

انھوں نے مروان اور ابن زبیر دونوں کو اپنی مجلس سے نکل جانے کا حکم دیا۔ پھر حسین کو بلوایا، لیکن بیعت یزید کے موضوع پر ان سے بہت زیادہ بحث کرنے سے گریز کیا، بنابریں چند ہی لمحوں میں حسین بھی ولید کی مجلس سے چلے گئے، اور جب رات نے اپنی تاریکی کی چادر دراز کیا تو ابن زبیر اور حسین الگ الگ مکہ کی طرف چل نکلے ...... یہ ہے خلیفہ بن خیاط کی روایت جو حقیقت واقعہ سے قریب تر ہے، کیوں کہ پیش آمدہ حادثات و واقعات کی سلسلہ وار کڑیاں اسی سیاق کی تائید کرتی ہیں، مزید برآں اس کے ناقل جویرہ بن اسماء ہیں، جو کہ مدنی روای ہیں اور مدنی راویوں سے ہی روایت کر رہے ہیں، پھر صیغۂ بیان ایسا واضح ہے کہ "سمعت اشیاخنا من اهل المدینة ما لا احصی یحدثون" میں نے اپنے مشائخ کی اتنی بڑی تعداد سے بیان کرتے ہوئے سنا ہے جسے میں شمار نہیں کرسکتا۔ مزید برآں اس روایت کا دوسری سند سے بروایت ابی معشر السندی آنا اس کی اہمیت و وضاحت بیانی میں دو چند اضافہ کر دیتا ہے۔ ❷

خلیفہ کی روایت میں یہ بھی وارد ہے کہ ولید بن عتبہ کے بارے میں حسین اور ابن زبیر کی پُر اعتمادی اور ان دونوں پر رواداری دیکھ کر مروان بن حکم کو غصہ آ رہا تھا، انھوں نے دوران گفتگو ولید کو خبردار بھی کیا کہ آپ اپنے اس کیے پر عنقریب نادم ہوں گے، اور جان لیجئے کہ یہ دونوں گھر سے نکل جانے میں اگر کامیاب ہوگئے، تو ان سے برائی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھو گے۔ ❸

بیشتر روایات میں یہی ثبوت ملتا ہے کہ ابن زبیر اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما اسی رات مکہ کے لیے نکل گئے، لیکن عوانہ اور ابومخنف حسین رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بارے میں ایک عجیب و غریب بات یہ نقل کرتے ہیں: کہ حسین اس رات اور پھر دوسرے دن مدینہ ہی میں ٹھہرے رہے۔ اور جب دوسری رات آئی تو اپنے اہل و عیال کو لے کر مکہ روانہ ہوئے، صرف محمد بن الحنفیہ گھر میں رہ گئے تھے۔ ❹

---

❶ التاریخ/ خلیفه بن خیاط (٢٣٣)
❷ تاریخ خلیفه ص (٢٣٣)
❸ المحاسن والمساوی ص (٨٠)
❹ انساب الاشراف (٤/ ٣٠٣) الطبری (٥/ ٣٤١)

لیکن یہ بات کلی طور پر بعید از قیاس اور غیر معقول ہے کیوں کہ ایسا ممکن نہیں ہے کہ حسین صبح تک کے لیے ولید سے بیعت کے لیے مہلت مانگیں اور پھر پورے دن شام تک بغیر بیعت کے مدینہ میں موجود رہیں، پھر یہ بھی ممکن نہیں کہ امیر مدینہ ولید بن عتبہ کی آنکھوں کے سامنے سے اپنے اہل وعیال کو لے کر مکہ چلے جائیں۔ پس حقیقت امر یہ ہے کہ حسین بن علی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا مدینہ سے خروج ولید بن عتبہ کی لاعلمی میں اور اچانک ہوا تھا، اسی لیے آپ نے ان دونوں کے پیچھے ہی ان کی تلاش میں بنوامیہ کے تیس [1] غلاموں کو روانہ کیا لیکن وہ سب نامراد لوٹے۔ [2]

اس میں کوئی شک نہیں کہ ولید بن عتبہ کی رواداری اور نرمی نے ان کی شخصیت کو اہل مدینہ کے سامنے ہلکا کر دیا تھا، یہی وجہ تھی کہ جب بگڑتے ہوئے حالات پر قابو پانے کی انھوں نے کوشش کیا اور چاہا کہ حکومت کا دبدبہ قائم رہے تو نمایاں طور پر ایک اہم ترین حکومت مخالف شخصیت یعنی ابن مطیع [3] کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا، وہ ابن زبیر کے اہم مویدین میں سے بھی تھے۔ یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیلی، اور ابن مطیع کے خاندان بنوعدی کے چند نوجوان اکٹھا ہوگئے اور جیل پر دھاوا بول کر ابن مطیع کو وہاں سے آزاد کروالیا۔ اور وہ ابن زبیر سے جا ملے۔ [4] ادھر حسین اور ابن زبیر کے ساتھ ولید بن عتبہ کی روادارانہ اور نرم سیاست دیکھ کر مروان بن حکم نے یزید بن معاویہ کے پاس جلدی سے خط لکھنا شروع کر دیا، جس میں عام طور سے حجاز کی بگڑتی ہوئی صورتحال سے انھیں آگاہ کیا، اس سے یزید کو ولید کی کمزوری کا احساس ہوا اور اس حادثہ کے فوراً بعد انھیں معزول کر دیا، پھر ان کی جگہ رمضان ۶۰ھ میں عمرو بن سعید بن عاص کو مدینہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ [5]

مختصر یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ اسی رات میں جب کہ انھیں ولید بن عتبہ نے بیعت کے لیے طلب کیا تھا، مدینہ سے نکل گئے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حسین اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما دونوں نے باہم طے کیا تھا کہ مکہ کے راستے میں فلاں جگہ ہماری ملاقات ہوگی۔ اس طرح دونوں کا سفر ایک ساتھ جاری تھا، اور دوسری طرف سے ''ابواء'' [6] میں ان سے ابن عمر اور عبداللہ بن عیاش [7] کی ملاقات ہوگئی وہ دونوں عمرہ کر کے مدینہ واپس ہو رہے تھے،

---

[1] انساب الاشراف (٤/ ٣٠٠)

[2] عبداللہ بن مطیع بن اسود عدوی مدنی ہیں۔ رویت نبوی ثابت ہے۔ معرکہ حرہ میں قریش کے سردار تھے۔

[3] ابن زبیر نے انھیں کوفہ کا امیر بنایا تھا۔ ۷۳ھ میں قتل کیے گئے۔ التقریب (٣٢٤)

[4] انساب الاشراف (٤/ ٣٠٢) [5] انساب الاشراف (٤/ ٣٠٧) عن ابی مخنف و عوانه، طبری (٥/ ٤٤٣)

[6] ابواء اور جحفہ کے درمیان مدینہ کی جانب تیئیس (۲۳) میل کا فاصلہ ہے اور وہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آمنہ کی قبر ہے۔

[7] عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ المخزومی مکی اور مدنی ہیں، اپنے باپ سے سنا ہے، نیز ابن عمر، اور ابن عباس سے بھی سماع ثابت ہے۔ اہل مدینہ کے سب سے عمدہ قراء میں سے تھے، ۷۸ھ میں سجستان میں شہید ہوئے۔ (العقد الثمين ٥/ ٢٣٠)

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا: ''میں تم دونوں کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ واپس لوٹ چلیں، اور جس بھلائی کے راستے کو سارے لوگ اختیار کریں آپ لوگ بھی وہی کریں، آپ لوگ تھوڑا توقف کرلیں اگر لوگ اسی (یزید) پر متفق ہو جاتے ہیں تو آپ لوگ جماعت سے الگ ہوکر اختلاف کا راستہ نہ اختیار کریں، اور اگر ان میں اتفاق نہیں ہو پاتا تو وہی ہوگا جو تم دونوں چاہتے ہو۔''[1] لیکن وہ دونوں نہ مانے، اور جب مکہ پہنچے تو حسین بن علی نے عباس بن عبدالمطلب کے گھرانے کو اپنا مسکن بنایا جب کہ ابن زبیر مسلح ہوکر ''حجر'' میں جا بیٹھے، اور لوگوں کو بنوامیہ کے خلاف اکسانے لگے۔[2]

دوسری طرف جب کوفہ کے شیعہ لوگوں کو معاویہ کی وفات اور حسین کی مکہ روانگی کی خبر ملی تو انھوں نے یزید کی بیعت سے ہاتھ کھینچ لیا، اور حسین کی اس وصیت کو دہرانے لگے جس میں انھوں نے کہا تھا: کہ معاویہ کی وفات تک کوئی نیا قدم نہ اٹھائیں، اب کیا تھا، وہ سلیمان بن صرد[3] خزاعی کے گھر میں اکٹھا ہوئے، سلیمان نے خطاب کرتے ہوئے کہا: معاویہ مر چکے ہیں، اور حسین اپنے دست بیعت کے ساتھ قوم سے کنارہ کش ہو کر مکہ پہنچ چکے ہیں، تم لوگ ان کے اور ان کے باپ کے محبان و موید ین ہو، اگر تمھیں یقین آتا ہے کہ ان کی مدد کرسکو گے تو قدم بڑھانے کے لیے ان کے نام خط لکھو، اور اگر کمزوری و ناکامی کا خدشہ ہے تو انھیں دھوکہ میں نہ ڈالو۔ اس خطاب کے بعد سب نے حسین کی مدد پر اتفاق کیا، اور پھر انھیں خط بھیجا، جس کا مضمون یہ تھا: ''ہم نعمان بن بشیر کے پیچھے جمعہ کی نماز نہیں پڑھیں گے، اور نہ ان کے ساتھ عید کے لیے نکلیں گے، آپ تشریف لائیں، اگر آپ آتے ہیں تو ہم نعمان کو شام بھگا دیتے ہیں۔'' یہ خط سلیمان بن صرد، مسیّب بن نجبہ، رفاعہ بن شداد اور حبیب بن مظاہر کی طرف سے ہے۔'' ان لوگوں نے یہ خط عبداللہ بن سبیع ہمدانی، اور عبداللہ بن وال کے ذریعہ روانہ کیا، پھر دو ہی دنوں بعد قیس بن مسہر الصیداوی، عبدالرحمٰن الارحبی، اور عمارہ بن عبید السلولی کو روانہ کیا۔ معاً ترپن (۵۳) دفاتر (رجسٹر) اکٹھا کیے، پھر انھیں ہانی بن ہانی السبیعی اور سعد بن عبداللہ الحنفی کے ساتھ بھیج دیئے، ان ترپن دفاتر میں حسین کی بیعت کے موید ین کے دستخط تھے، جو انھیں مکہ سے کوفہ

---

[1] طبقات ابن سعد (۵/ ۳٦۰) ابن عساکر (۲۰۱) بسند ابن سعد، تھذب الکمال (٦/ ٤١٦) طبری (۵/ ۳٤۳) لیکن انھوں نے لکھا ہے کہ جوان دونوں سے ملا تھا وہ ابن عمر اور ابن عباس تھے، اس لیے غالبًا ابن عیاش کے نام میں تحریف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ ابن عباس ہے جو کہ اس وقت مکہ میں موجود تھے دیکھئے: ابن عساکر (۱۵/ ق۷۳۲، ۷۳۳) بغیة الطالب، ابن العدیم (٦/ ق ۱۱۹)

[2] ابن سعد الطبقة (۵/ ۳٦۰) ابن عساکر (۱۹۹) بسند ابن سعد۔

[3] سلیمان بن صُرد بن الجون الخزاعی ہیں آپ کی کنیت ابومطرف ہے، کوفی ہیں، صحابی ہیں، عین الوردۃ میں ٦۰ھ میں شہید کیے گئے۔ التقریب (۲۵۲)

لانے کے طالب تھے، تمام تر دفاتر میں کسی میں ایک کسی میں دو اور کسی میں تین یا چار کے نام درج تھے، ان دفاتر کے ساتھ ہانی بن ہانی کو ایک خط بھی دیا، جس میں شبث بن ربعی، حجاز بن ابجر، یزید بن حارث، عزرہ بن قیس، عمرو بن حجاج الزبیدی اور محمد بن عمر التیمی کی جانب سے یہ متفقہ تحریر تھی:

''اما بعد! زمین زرخیز ہوچکی ہے، پھل پک چکے ہیں، اور پیمانہ لبریز ہو چکا ہے، آپ جب چاہیں تشریف لا سکتے ہیں، پوری ایک لشکر مسلح آپ کی حفاظت کے لیے تیار ہے...... والسلام۔'' [1]

ان خطوط اور دفاتر کی کثرت کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ جب حسین رضی اللہ عنہ عراق جانے لگے اور کسی خیر خواہ نے آپ کو روکا، تو انھوں نے اپنے سامان والے تھیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: یہ بلاد کوفہ کے اصلی باشندگان و سرکردہ شہریوں کے خطوط ہیں۔ [2] بہرحال مکہ میں حسین رضی اللہ عنہ کی اقامت کے درمیان جب یکے بعد دیگرے آپ کے پاس کوفیوں کے ایسے بے شمار خطوط آتے رہے جن میں آپ کی آمد اور برضا و رغبت سب کی بیعت پر زور دیا گیا تھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ایک جوابی خط تحریر کیا، جس کا مضمون یہ تھا:

"بسم الله الرحمن الرحيم۔

از حسین بن علی، بنام جماعت مسلماناں و مومناں! و بعد!

ہانی اور سعید میرے پاس تمھارے خطوط لے کر حاضر ہوئے، تمھارے خطوط لانے والوں میں یہ دونوں سب سے آخری ہیں، تم لوگوں نے جو کچھ بھی تفصیلات لکھی اور بیان کی ہیں سب میں نے سمجھ لیا ہے، اس کا خلاصہ یہی ہے کہ اس وقت ہمارا کوئی امام نہیں ہے، آپ آئیں، تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ ہمیں حق و ہدایت کے راستہ پر یکجا کردے۔ میں نے اپنے عم زاد اور اہل بیت میں معتمد مانے جانے والے بھائی کو تمھارے پاس بھیجا ہے اور انھیں حکم دیا ہے کہ وہ تمھارے احوال، معاملات اور خیالات سے مجھے مطلع کریں، اگر وہ مجھے لکھتے ہیں کہ تمھارے اکابرین، اصحاب فضل اور دانشوران کی رائیں بھی تمھارے خطوط کے موافق ہیں تو ان شاء اللہ عنقریب ہی میں تمھارے یہاں آؤں گا۔ اللہ کی قسم! امام المسلمین تو وہی ہوسکتا ہے جو اللہ کی

---

[1] الطبری (۵/ ۳۵۲، ۳۵۳) بروایت ابو مخنف، مقاتل الطالبین / الاصفهانی (۹۵، ۹۶) تهذيب الكمال (۸/ ۴۲۲) بروایت دهنی، تهذيب التهذيب (۲/ ۳۰۱) بروایت دهنی۔

[2] ابن سعد (ط۵/ ۳۷۱) حد درجہ ضعیف سند ہے جیسا کہ محقق کتاب کا کہنا ہے، ابن عساکر (۳۱۰) بسندابن سعد، نیز ابن عساکر (۲۰۹) بسند یعقوب الفسوی، اس میں بجیر الاسدی کے علاوہ سارے راویان ثقہ ہیں، ابن ماکولا نے اسے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے: کہ بیان کیا جاتا ہے کہ حسین بن علی بن ابی طالب سے بجیر کی ملاقات ثابت ہے۔ سفیان بن عیینہ نے ان سے روایت اخذ کی ہے۔ الاکمال (۱/ ۲۰۳)

کتاب پر عامل ہو، حق کا طرفدار، انصاف پرور، اور اپنے بارے میں اللہ کے محاسبہ سے ڈرنے والا ہو............ والسلام۔"[1]

خط کے مضمون سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل کوفہ کے خطوط سے حسین رضی اللہ عنہ کو یہ اعتماد ملا تھا کہ کوفی باشندے حقیقت میں ان کے سچے محبّ و وفادار ہیں، ان کی خواہش وتمنا میں صداقت ہے اور میری شخصیت ان کے یہاں محترم ہے، انھوں نے اپنے امام سے ہاتھ کھینچ لیا ہے، یزید کی خلافت کے منکر ہیں، اور امیر کوفہ نعمان بن بشیر کو عنقریب نکال باہر کریں گے، انھیں ایک امام کی شدید ضرورت ہے جو کہ حسین بن علی ہی ہو سکتے ہیں، دراصل حسین نے کوفہ روانگی کے بارے میں اسی وقت سوچا کہ جب آپ کے پاس وہ خطوط آئے جن میں اہل کوفہ نے لکھا تھا کہ "اب ہمارا کوئی امام نہیں ہے۔" اور اب ہماری دعوت ایک مطیع و فرمانبردار رعایا کی دعوت ہے، ہم آپ کا استقبال کرتے ہیں، آپ تشریف لائیں تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ ہمیں حق و ہدایت کے راستے پر جمع کردے۔" تاہم حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے توقف سے کام لیا، ان خطوط، اور ان کے لانے والوں کے تئیں محتاط ہی رہے، اہل کوفہ کے دعووں اور زعماء کوفہ کی مرسلہ تحریروں میں قول و فعل کی مطابقت کی تلاش اور سچائی کی جستجو کی خاطر مزید حقائق معلوم کرنے میں لگ گئے، اور صداقت کی تہ تک پہنچنے کے لیے آپ نے اپنی عم زاد بھائی مسلم بن عقیل بن ابی طالب کو کوفیوں کے پاس بھیجا، اور ان کے بارے میں یہ تاثر دیا کہ وہ میرے عم زاد اور میرے اہل بیت میں معتمد مانے جانے والے بھائی ہیں، جب کہ مسلم بن عقیل کو حکم دیا کہ انتہائی باریک بینی سے بذات خود حقائق کا پتہ لگائیں، اور کوفہ کی موجودہ حالات کے بارے میں انھیں واضح اور صاف شفاف واطمینان بخش تفصیلات فراہم کریں۔[2]

چوں کہ ہماری گفتگو کا محور حسین رضی اللہ عنہ کے مراسلات اور کوفہ سے ان کے تعلقات ہے اس لیے کوفہ کے محل وقوع، وہاں کی جغرافیائی حالت، شہری آبادی میں اس کی تبدیلی، وہاں کی اعتقادی و معاشرتی خمیر پر روشنی ڈالنا بھی مفید ہوگا، تاکہ شہادت حسین کے اس سانحہ کی تحلیل و تجزیہ پر ہمیں پوری معلومات مل سکیں۔

---

[1] الطبری (٥/ ٣٥٣) بروایت ابو مخنف۔

[2] طبری (٥/ ٤٣٧) بروایت ابو مخنف، مقاتل الطالبیین، الاصفهانی (٩٥، ٩٦) بسند مدائنی جسے انھوں نے بسند ابومعاویہ ذہنی ضعیف سند سے نقل کیا ہے۔ تهذیب الکمال (٨/ ٤٢٣) بسند دهنی تهذیب التهذیب، بسند دهنی۔

۳......کوفہ کی شہری تعمیر اور حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی ٹکراؤ تک وہاں کی اعتقادی و رہائشی ترقی

۱۔کوفہ کی شہری تعمیر

مورخین نے دوسری اور تیسری صدی میں کوفہ کے بارے میں اس کی بالکل ابتدائی شہری تعمیر سے اس وقت تک کے حالات پر متعدد کتابیں تالیف کی ہیں، لیکن وہ کتابیں ہم تک نہیں پہنچ سکیں۔ [1] تاہم مورخین، جغرافیہ نویشوں اور کتب انساب کے مولفین نے اس موضوع پر بحثیت مجموعی جو وسیع معلومات فراہم کی ہیں ان سے نقص دور ہوجاتا ہے۔ چناں چہ لفظ کوفہ لغوی اعتبار سے متعدد معانی کا متحمل ہے۔ [2] لیکن حقیقت سے قریب ترین معنی ''کسی چیز کا انبوہ'' یا ''بالو کا ڈھیر'' ہے [3] جب کہ مفضل الضبی کا بیان ہے کہ کوفہ کا یہ نام اس لیے پڑا کہ سعد بن ابی وقاص نے اپنے ماتحتوں سے کہا: ''کوّفوا ہذا الرمل'' بالو کے اس ڈھیر کو یہاں سے ہٹا دو، یا گرادو۔ [4] نیز کوفہ کا ایک معنی ''بانس اور لکڑیوں کے جھاڑ'' [5] والی جگہ بھی ہے۔اسے ''کوفۃ الجند'' یعنی لشکر کے انبوہ کی جگہ بھی کہتے ہیں، حالاں کہ زبیدی نے ''کوفان'' نامی ایک ٹیلے کی طرف نسبت کی اس کی

---

[1] انھیں میں سے ہیثم بن عدی الطائی کی ایک کتاب ''خطط الکوفہ'' ہے جس سے اولین مصادر نے استفادہ کیا ہے۔ دیکھیں، الفہرست ابن الندیم ص (۱۱۲) اسی طرح عمر بن شبہ نے بھی کوفہ کے بارے میں ایک کتاب لکھی۔ الفہرست (۱۲۵) مزید استفادہ و تفصیلات کے لیے دیکھیں: فتوح البلدان ص (۱۷۶ ، ۱۷۷ ، ۳٤۱) مختصر البلدان/ ابن الفقیہ ص (۱۵۸) تاریخ الکوفہ/ ابن النجار (۳۰۳-٤۰۲ھ) ارشاد الادیب (۱/ ٤۱۰ ، ۳/ ٦۹ ، ٤/ ۲٤۵ ، ۵/ ۱۱۳ ، ٦/ ٤٦۷) معجم البلدان (۲/ ۵٦۸) حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں (۱/۴۱۳، ۱٦۸، ۱۴۱، ۳/۱۴۷ اور ۲۰۵ پر اسی کتاب سے استفادہ کیا ہے۔
نیز ابوعلی محمد بن علی بن حسین الکوفی العلوی متوفی ۴۴۵ھ نے بھی کوفہ کی فضیلت واہمیت پر ایک کتاب تحریر کی ہے اس کتاب کا ایک خطی نسخہ دمشق کے مکتبہ ظاہریہ میں مجموع نمبر ۹۳ ص ۲۸۲-۳۰۷ کے تفصیل کے بموجب موجود ہے۔
نیز دیکھیں: مصادر دراسة تاریخ الکوفه فی القرون الاسلامیة الاولی، صالح العلی ص ۱٤۲
نیز دیکھیں: مجلة المجمع العلمی العراقی مجلد نمبر (۲٤) سن اشاعت ۱۳۹٤ھ

[2] معجم البلدان (٤/ ٤۹۰ ، ٤۹٤) معجم ما استعجم/ البکری (٤/ ۱۱٤۱ ، ۱۱٤۲) القاموس المحیط/ فیروز آبادی (۱۱) لسان العرب (۹/ ۳۱۱) تاج العروس (٦/ ۲٤۰)

[3] مختصر البلدان/ ابن الفقه (۱٦۲) لسان العرب (۹/ ۳۱۱)

[4] فتوح البلدان / بلاذری (۲۷٤)

[5] تاج العروج/ زبیدی (٦/ ۲٤۰)

وجہ تسمیہ قرار دیا ہے، جہاں مسلمان آبادی بستی تھی اور انھوں نے شہری تعمیر کا منصوبہ تیار کیا تھا۔ ❶ اثرم لغوی کا بیان ہے کہ کوفہ ایسی زمین کو کہا جاتا ہے جس میں بالو اور مٹی کے ساتھ سنگریزے بھی ہوں۔ ❷

أ۔ کوفہ کا محل وقوع:

کوفہ دریائے فرات کے قریب اس کے مغربی ساحل پر واقع ہے، اس کے اور دریا کے درمیان بالو کی ایک طویل پٹی تھی جو سیدھے فرات کو جاتی تھی اسے ''ملطاط'' کہا جاتا تھا اسی سے متصل ایک ہموار زمین ہے جو مشرق کی جانب سے دریائے فرات اور مغرب کی جانب سے شام کی بستیوں سے متصل طویل جنگلی علاقے سے گھری ہوئی ہے۔ ❸ بلاذری کے بقول اس جگہ کو ''خدا العذراء'' کنواری دوشیزہ کا رخسار کہا جاتا تھا، وہاں خوشبودار پودے، گل بابونہ، چوپایوں کے گھاس اور جنگلی پودے پیدا ہوتے تھے۔ ❹

ب۔ تاسیس کوفہ کی وجہ:

جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے ایک وفد فتح مدائن کی خبر لے کر آیا تو آپ نے دیکھا کہ ان کے رنگ بدل گئے ہیں، آپ نے ان سے اس کی وجہ دریافت کیا، انھوں نے بتایا کہ وہاں کی ناموافق آب و ہوا کی وجہ سے ایسا ہے۔ چناں چہ عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص کو خط لکھا: کہ عرب قوم کی وہی فضا راس آتی ہے جو اس کے اونٹوں کو راس آتی ہے۔ لہٰذا سلمان اور حذیفہ کو۔ جو کہ لشکر کے قائد تھے۔ ایسی خشک جگہ تلاش کرنے کے لیے بھیجو جہاں میرے اور ان کے درمیان کوئی پل اور سمندر نہ پڑتا ہو۔ ❺

واضح رہے کہ وہاں شہر کوفہ بسانے کا ایک دوسرا سیاسی و عسکری محرک بھی کارفرما تھا، وہ یہ کہ مسلمان فاتحین بلاد فارس میں کافی اندر تک گھس چکے تھے، نتیجتاً ان کا فاصلہ دارالسلطنت یعنی مدینہ سے کافی دور ہو گیا تھا۔ بنابریں وہاں ایک عسکری بیڑے کا وجود ضروری تھا جو ایک طرف جزیرہ عرب (دارالسلطنت) کے رابطے میں رہے اور دوسری طرف ان جنگی محاذوں پر بھی نگاہ رکھے جو اپنی مخصوص سمت میں قدم بڑھا رہی ہو، تا کہ اسے مزید فوجی کمک اور غذائی اجناس کی فراہمی میں آسانی ہو۔ ❻

---

❶ تاج العروج/ زبیدی (٦/ ٢٤٠)

❷ فتوح البلدان ص (٢٧٤) تاج العروس (٦/ ٢٤٠) العوامل التاريخية لنشأة المدينة / مصطفى الموسوى ص (٨٢-٩٤)

❸ فتوح البلدان/ بلاذری ص (٢٤١) الطبری (٤/ ٤٢)

❹ فتح البلدان/ بلاذری ص (٢٤)

❺ فتوح البلدان/ بلاذری ص (٣٣٨، ٣٣٩) الطبری (٤/ ٤١) الخراج/ ابویوسف ص (٣٠)

❻ ديوان الجند/ السلومى (٣١٤، ٣١٥) تاريخ الحضارة الاسلامية، شلپى (٢٣٦، ٢٣٩)

ج۔ شہر کوفہ بسانے کی تاریخ:

مورخ یعقوبی کے نزدیک ۱۴ھ / ۶۳۴ء میں شہر کوفہ کی تعمیر ہوئی۔ ❶ جب کہ ابوعبیدہ نے ۱۸ھ / ۶۳۸ کی تاریخ قرار دیا ہے۔ ❷ حالاں کہ سیف اور واقدی کی متفقہ روایات کی مطابق ۱۷ھ / ۶۳۷ء میں اس کی تعمیر ہوئی۔ ❸ واضح رہے کہ اس باب میں تنہا حموی ایسے مورخ ہیں جو ۱۹ھ / ۶۳۹ء میں اس شہر کی تعمیر کے قائل ہیں لیکن وہ کسی حوالے اور مصدر کا ذکر نہیں کرتے۔ ❹ بہرحال اس اختلاف کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اولین مرحلے میں اسے عسکری ضرورت کی تکمیل کی خاطر ہی آباد کیا گیا تھا، جسے ناقلین نے شہر بسانے کی تاریخ سمجھ لیا، علاوہ ازیں بصریوں اور کوفیوں کے درمیان اس سلسلے میں باہم تنافس اور مقابلہ آرائی بھی ہوتی رہی جس نے تنوع کی شکل اختیار کر لی۔ ❺

د۔ کوفہ کی تعمیری منصوبہ بندی:

اسلامی شہروں بستیوں کی تنظیم وتعمیر میں مسجد کی اولین و اساسی حیثیت ہوتی تھی، چناں چہ پہلے مسجد کی بنیاد رکھی جاتی اور پھر اس کے قرب و جوار کی زمینوں کو قبائل میں تقسیم کیا جاتا تھا، گویا مسجد ہی کسی بستی و شہر کا مرکزی نقطہ ہوا کرتی تھی۔

چناں چہ اسی قدیم روایت کے تحت کوفہ میں سب سے پہلے جامع مسجد کی تعمیر ہوئی اور اس کے قریب میں لوگوں کو اکٹھا ہونے کے لیے ایک مربع میدان چھوڑا گیا جسے "رحبة" کہا جاتا تھا پھر دار الامارۃ کی تعمیر ہوئی، جو مسجد سے متصل ہی تھا، مسجد کا "باب السده" دارالامارۃ میں کھلتا تھا۔ ❻ وہاں رات میں قندیلیں اور شمعیں فروزاں کی جاتی تھیں۔ ❼ یہ دارالامارہ جامع مسجد کے بالکل محاذات (برابری) میں اس کے جنوبی سمت میں بنایا گیا تھا۔ ❽ امیر وقت دارالامارہ کے راستے باب السدہ سے جامع مسجد میں جا سکتا تھا، قصر امارت میں پانی پینے کے لیے ایک کنواں موجود تھا اور ناگہانی حالات یا دشمن کے محاصرہ سے نمٹنے کے لیے گندم اور دیگر غذائی اجناس کو وافر مقدار میں جمع کرنے کے لیے ایک گودام بھی تھا، کوفہ کی بڑی پیمائش والی خالی جگہوں میں

❶ فتوح البلدان ص (٦٩) الاعلاق النفيسة/ ابن رسته ص (٣٠٩)
❷ فتوح البلدان (٢٧٦) معجم البلدان/ الحموى (٤/ ٤٩٠)
❸ خليفه (١٣٨) الطبرى (٤/ ٤٣)
❹ معجم البلدان (٤/ ٤٩٠)
❺ مختصر البلدان/ ابن الفقيه ص (١٦٣، ١٦٤) المختاربن عبيد / هند غسان ص (٤٠-٤٩)
❻ تاريخ الملوك والامم / طبرى (٥/ ٣٧٢)
❼ تاريخ الملوك والامم / طبرى (٥/ ٣٧٢)
❽ فتوح البلدان (٣٣٩) معجم البلدان (٤/ ٤٩١)

سے وہ قبرستان بھی تھے جہاں اہل کوفہ اپنے مردوں کو دفن کرتے تھے۔ یہ جگہیں کوفیوں کے یہاں ''جبانات'' کے نام سے موسوم تھیں، نیز انھیں خالی جگہوں میں وہ اپنے جنگجوؤں کو اکٹھا کرتے تھے۔ ❶ ایسی زمینیں کافی تھیں اور شہر کے مختلف علاقوں میں تھیں، کوفہ کی دیگر کشادہ و ویران جگہوں میں سے ''کناسۃ'' نامی ایک علاقہ تھا جہاں وہ کسی اہم مقصد کے لیے اجتماع عام کیا کرتے تھے۔ ❷ یہ علاقہ جنگل کی سمت میں جامع مسجد اور سہلۃ کے درمیان واقع تھا۔ ❸ یہاں حکومت وقت سے بغاوت کرنے والوں کو تختۂ دار پر لٹکایا جاتا تھا، تاریخ میں کوفہ کے چند دروازے قابل ذکر رہے ہیں، انھیں میں سے "بـــاب الـجسد" ❹ ''باب دمشق'' ❺، ''باب القادسیۃ'' ❻ اور "باب القبلة" ❼ خاص طور سے معروف ہیں۔ وہاں کے مکانات قریب قریب ایک دوسرے سے متصل بنے ہوئے تھے، بایں طور کہ اس گھر سے دوسرے گھر تک گلیوں تک گزر کر یا چھت کے ذریعہ بآسانی جایا جاسکتا تھا، نیز ہر گھر کے عقبی حصہ میں کھڑکی نما چھوٹے دروازے ہوتے تھے جنھیں ''خوخہ'' کہا جاتا تھا، اس راستے سے بھی ایک گھر سے دوسرے گھر آنا جانا ممکن اور آسان ہوتا تھا۔ ❽

۲۔ قبائلی اور معاشرتی تنظیم و تنسیق:

بصرہ اور کوفہ میں مسلمانوں کی مستقل سکونت ہو جانے کے بعد انھیں دو فوجی چھاؤنیوں کا مقام حاصل ہوا جہاں سے اس سمت میں تمام فوجی کارروائیاں کی جاتی تھیں، ان میں سے ہر ایک شہر اپنی جگہ جہاد اور فتوحات میں شرکت کرنے والے عرب قبائل کے مہاجرین کے لیے مرکز توجہ بن گیا، چناں چہ عمر رضی اللہ عنہ نے عسکری مقاصد کو بروئے کار لانے کے پیش نظر عرب ماہرین نسب، اور اصحاب عقل و دانش یعنی بابصیرت لوگوں پر مشتمل ایک جماعت کوفہ اور بصرہ کے لیے روانہ کیا تاکہ وہ وہاں کی عسکری حیثیت، قبائل کے حالات اور وہاں کی تعمیر و تنظیم نو کا مفصل جائزہ لیں اور اس کو منظّم کریں، پھر اس جماعت نے کافی باریک بینی سے تمام تر تفصیلات کا جائزہ لے کر اس طرح منظّم کیا:

❶ انساب الاشراف (٥/ ٢٤-٢٧٦) الطبری (٥/ ٣٧٩)

❷ انساب الاشراف (٥/ ٢٢٢، ٢٢٥، ٢٢٧) الطبری (٥/ ٣٥٠)

❸ انساب الاشراف (٥/ ٢٣٤) احسن التقاسیم المقدسی ص (١١٧)

❹ الطبری (٦/ ٤٦)

❺ المختصر: ابن الفقیه ص (١٨٤) معجم البلدان، الحموی (٤/ ٤٩٢)

❻ فتوح البلدان ص (٢٨١)

❼ فتوح البلدان ص (٢٨٨) المختار بن عبید، هند غسان ص (٤٢، ٤٥)

❽ الطبری (٦/ ٥٧) المختار بن عبید، هند غسان ص (٦١)

تمام قبائل کو سات فوجی اکائیوں (Units) میں تقسیم کر دیا۔ ان اکائیوں میں بسا اوقات خاص سلسلہ نسب کی رعایت نہیں کی گئی۔ ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱۔ کنانہ اور احابیش وغیرہ پر مشتمل ان کے دیگر حلفاء، اور جدیلہ جو کہ بنو عمرو بن قیس غیلان کے نسب سے تھے، جنھیں "العالیۃ" کہا جاتا تھا۔ ❶

۲۔ قضاعہ، بجیلہ، خثعم، کندہ، حضر موت اور ازود پر مشتمل دوسری اکائی یہ سب یمانی تھے۔ ❷

۳۔ مذحج، ہمدان اور ان کے دیگر حلیف، یہ سب بھی یمانی تھے۔

۴۔ تمیم، ہوازن اور سارے رباب پر مشتمل چوتھی یونٹ یہ سب قبیلہ مضر سے تھے۔

۵۔ اسد، غطفان، محارب، نمر، ضبیعہ اور تغلب پر مشتمل پانچویں یونٹ۔

۶۔ بکر بن وائل اور ربیعہ بشمول ایاد، عکّ، عبدالقیس اور حمراء سمیت اہل ہجر پر مشتمل چھٹی یونٹ۔ ❸

۷۔ تاریخی مصادر میں ساتویں یونٹ کی تفصیلات یکجا درج نہیں ملتیں، تاہم ابومخنف کی روایتوں کے پیش نظر بکر بن وائل، تغلب، اور عبدالقیس کو چھوڑ کر بقیہ ربیعہ پر مشتمل ساتویں اور آخری اکائی تشکیل دے سکتے ہیں۔ ❹ جب کہ ماسینیون () کے خیال میں یہ ساتویں یونٹ قبیلہ طیئ پر مشتمل تھی۔ ❺

بہرحال اس تنظیم نو میں عددی تقسیم کی رعایت کی گئی تھی قبائلی تنظیم کی خاص رعایت نہیں تھی، ہاں اتنا ضرور ہے کہ اس میں ایک سمت میں بسنے والے قبائل و علاقوں کو بہت حد تک مدنظر رکھا گیا تھا، ایسا اس لیے کہ شاید باہمی تعارف اور ہمدردی و خیر سگالی میں یہ طریقہ زیادہ مناسب ٹھہرے، لیکن یہ تنظیم و ترتیب زیادہ عرصے تک باقی نہ رہ سکی، بلکہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس میں کچھ ترمیم اور تبدیلیاں کر دی گئیں جن کا مقصد بقدر امکان حسب و نسب کی رعایت، اور عطایا و فوجی بھرتی میں خصوصی توجہ کرنا تھا۔ ❻ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ پہلی اکائی "عالیہ" کی تھی تو دوسری اور تیسری "یمانیہ" چوتھی "مضریہ" پانچویں "ربیعہ" اور چھٹی "ایاد، عکّ، عبدالقیس اور حمراء دیلم کی تھی۔ اس طرح مذکورہ اکائیوں پر کوفی قبائل میں بھرتی ہوتی رہی، یہاں تک کہ

---

❶ الطبری (٤/ ٤٨)

❷ الاموال/ یحییٰ بن آدم ص (٦٠) المختار بن عبید، هند غسان ص (٥٥)

❸ اس سے حمراء دیلم مراد ہیں، جو فارس کے جنگجو باشندے تھے، جنگ قادسیہ کے بعد یہ مسلمانوں کے تابع ہو گئے، ان کی قیادت دیلم نامی ایک شخص کر رہا تھا، اسی لیے انھیں حمراء دیلم کہا جانے لگا، انھوں نے کوفہ میں سکونت اختیار کیا اور قبیلہ تمیم کے حلیف بنے۔ فتوح البلدان ص (٣٤٣)

❹ هند غسان/ المختار بن عبید ص (٥٦) العرب والارض فی العراق، جمال جودة ص (١٦٨، ١٦٩)

❺ خطط الکوفه/ ماسینیون ص (٤٨) ❻ المختار بن عبید/ هند غسان ص (٥٦)

زیاد بن ابوسفیان کا دور آ گیا، انھوں نے اپنے دور میں مذکورہ ساتوں اکائیوں کو چار اکائیوں میں سمیٹ دیا جس کی ترتیب اس طرح ہے:

۱۔ اہل عالیہ

۲۔ تمیم و ہمدان (نزاریہ اور یمانیہ)

۳۔ ربیعہ وکندہ (نزاریہ اور یمانیہ)

۴۔ مذحج واسد (نزاریہ اور یمانیہ)

دراصل اس تنظیم نو کی اصل وجہ زیاد بن ابوسفیان کے عہد میں کوفہ کے قبائلی معاشرہ کی وہ روز افزوں تعمیر وترقی رہی جو پہلے نہ تھی، مزید برآں وہ سیاسی نظریہ بھی کارفرما تھا جس میں ہر اکائی میں یمانیہ اور نزاریہ کو شامل کرنا مقصد تھا۔ [1] علاوہ ازیں زیاد بن ابوسفیان اس تقسیم کے پس پردہ قبائلی افراد پر ان کے سرداروں کی گرفت کم کرنا چاہتے تھے، یہی وجہ تھی کہ اس تنظیم نو میں انھوں نے سرداران قبائل پر اعتماد نہیں کیا بلکہ ہر اکائی کا ذمہ دار ایسے شخص کو متعین کیا جو حکومت کا حامی ہو۔ [2] مزید برآں زیاد کی اس تنظیم نو کا ایک مقصد یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اموی مخالف قبائل کو تحلیل اور قبائلی تعصب کی حدت کو نرم کرنا چاہتے تھے تا کہ حکومت اپنے اختیارات اور نفوذ کو بآسانی روبہ عمل لا سکے، نیز فوجوں کی تنظیم اور قیادتوں کی ترتیب کی ذمہ داری بحسن وخوبی نبھا سکے، اور عطایا و اموال کی توزیع و تقسیم پر اس کا مکمل تسلط باقی رہے، کیوں کہ حکومتی سطح پر دعوت و جہاد کے مکلّف ہونے کے اعتبار سے بوقت ضرورت فوجوں کی فوری روانگی کی ذمہ داری انھیں کے سر عائد ہوتی تھی اور وہی اس کے ضامن تھے۔ [3]

اور اب عطایا و وظائف اور نیابت کی تنظیمی ضرورت نے ایک مکمل اداری نظام کے وجود کو واجب ٹھہرا دیا، جس میں سرفہرست ان یونٹوں کے ذمہ داران کا تعین ضروری تھا، تا کہ یہی لوگ حکمرانوں اور اپنی اکائیوں کے درمیان نمائندے ہوں گے، جنھیں فی الواقع کافی اختیارات حاصل رہے اور اپنے قبائل میں بڑی عظمت و احترام کی نگاہ سے دیکھے گئے۔ [4] ان کے بعد ''عرفاء'' کا درجہ رہا، دراصل شروع شروع میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عطایا و وظائف کی تقسیم میں آسانی لانے کے پیش نظر ''عریف'' مقرر کیے جو کہ عربوں کے لیے

---

[1] المختار بن عبید/ هند غسان ص (٥٧)

[2] الدولة العربية/ فلهاوزن ص (١٢٠)

[3] التنظيمات الادارية فى البصرة ص (٩٧) تنظيمات الجيش العربى الاسلامى فى العصر الموى، خالد الجنائى (١٢٩)

[4] انساب الاشراف (٥/ ٢١٠) العرب والارض/ جمال جودة (٢٠١، ٢٠٩) طبرى (٤/ ٤٩)

کوئی نیا نظام نہیں تھا بلکہ زمانہ جاہلیت ہی سے ان میں متعارف تھا۔ ❶ ایسے منتظمین پیشواؤں کی تعداد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک سو (۱۰۰) کی تعداد تک پہنچتی تھی۔ مستقبل میں یہی نظام کوفہ میں اداری نظام کی شکل میں تبدیل ہوگیا جس کا راست تعلق والی (گورنر) سے ہوتا تھا، اور وہ حکومتی احکامات کو قبائل تک پہنچاتا تھا۔ یا یہی منتظمین (عرفاء) عوامی نمائندہ کی حیثیت سے حکومت کے سامنے راست طور پر ان کے مسائل پیش کرتے تھے، ان عرفاء کے اسی اہم کردار اور ذمہ داری کی وجہ سے انھیں وسیع تر اختیارات بھی ملے ہوئے تھے۔ ❷ آگے چل کر ایسے منتظمین (عرفاء) کے دائرہ اختیار میں مزید وسعت پیدا ہوئی اور ایک جماعت سے تجاوز کرکے پورا ایک قبیلہ ان کی نگرانی میں شامل ہوگیا، ان کی منجملہ ذمہ داریوں میں یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ اپنے ماتحت منتظمین کے ناموں کا اندراج کرکے ان سے حکومت وقت کو باخبر کرتے رہیں، اوران کے دائرہ نگرانی میں جو بھی اجنبی وارد ہوتا ہے خاص طور پر مشتبہ شخص، تو اسے حکومت وقت تک حاضر کریں۔ ❸

عریف کے بعد مَنکب پھر نقیب نام کے منتظمین مقرر کیے گئے تھے۔ ❸

انتظامی اسامیوں کا یہی سلسلہ حکومت وقت اور قبائل کے درمیان واسطہ ہوا کرتا تھا، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے زمانے سے ان کی صلاحیت و اختیارات میں اضافہ شروع ہوا تو زیاد بن ابوسفیان اور عبید اللہ بن زیاد کا دور آتے آتے حکومت وعوام کے درمیان حالات ہموار کرنے میں ان کا بہت اہم کردار ہوگیا۔ ❹

بہ غرض فائدہ ہم بتاتے چلیں کہ اگر قبائلی تقسیم کی خاصیت ومزاج کی تہ میں اتر کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس کی تقسیم انتہائی باریک بینی وعرق ریزی کی حامل ہے جس کا آغاز ایک فرد سے ہوکر قبیلہ پر ختم ہوتا ہے۔ چناں چہ زبیر بن بکار نے اپنی کتاب ''النسب'' میں خاندانی ونسلی آبادی کی درجہ بندی کرتے ہوئے سب سے پہلے ''الشعب'' کو رکھا ہے۔ پھر ''' قبیلہ پھر ''عمارۃ'' پھر ''بطن'' پھر ''فخذ'' پھر ''فصیلۃ'' کا درجہ متعین کیا ہے۔ جب کہ ان کے علاوہ لوگوں نے ''شعب'' سے پہلے ''جذم'' اور ''فصیلہ'' کے بعد ''عشیرہ'' کو رکھا ہے اور انھیں نسب نگاروں میں سے بعض نے ''عشیرہ'' کے بعد ''اسرۃ'' اور پھر ''عترۃ'' کا اضافہ کیا ہے۔ پس ''جذم'' میں عدنان کو ''شعب'' میں مضر کو، ''قبیلہ'' میں کنانہ اور ''عمارۃ'' میں قریش کو بطور مثال ذکر کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ بھی متعدد مثالیں کتب نسب وتاریخ میں پائی جاتی ہیں اسی طرح مذکورہ خاندانی مناصب کے مرادف الفاظ جیسے ''حی، بیت، عقیلہ، ارومۃ، جرثومہ، رھط وغیرہ بھی مورخین کے یہاں مستعمل ہیں۔ دنیائے عرب

---

❶ الانساب/ السمعانی (۱/ ۴۷، ۴۸)

❷ الطبری (۵/ ۳۷۲)، المبرد/ الکامل (۳/ ۹۱۳، ۱۲۱) ابن بدران/ تهذیب تاریخ ابن عساکر (۷/ ۱۵۳)

❸ طبری (۵/ ۳۷۲)، الکامل، ابن اثیر (۴/ ۲۴) ❹ طبری (۵/ ۳۷۲)

کے معروف ترین نسب نگار محمد بن سعد الحرانی نے ان تمام مناصب کو مرتب کیا ہے، اور ان کے پیچھے ہی تفصیلات کو بالاختصار اس طرح ذکر کیا ہے۔ جذم، پھر جمہور، پھر شعب، پھر قبیلہ، پھر عمارۃ، پھر بطن، پھر فخذ، پھر عشیرۃ، پھر فصیلۃ، پھر رھط، پھر اسرۃ، پھر عشرہ، پھر ذریۃ، اور ان کے علاوہ نے درمیان میں تین اور بیت، حی اور جماع کا اضافہ کر دیا ہے۔ گویا زبیر بن بکار کے بیان کردہ مناصب میں مزید دس عہدے اور شامل ہیں۔

ابواسحاق الزجاج کا بیان ہے کہ عرب کے لیے قبائل اور بنو اسرائیل کے لیے اسباط کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ قبیلہ کا معنی جماعت کے ہوتے ہیں، ہر وہ چیز جو ایک نہج پر قائم ہو اسے قبیلہ کہتے ہیں۔ یہ لفظ ''قبائل الشجرۃ'' یعنی اس کی شاخیں سے مشتق ہے۔ یا قبائل الراس سے استقاق ہے جس کا معنی ''سر کے اعضاء'' ہے۔ ان اعضاء کے یکجا ہونے کی وجہ سے اسے قبائل الراس کہا جاتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آیت کریمہ ''و جعلنا کم شعوبا و قبائل.......... (الحجرات : ۱۳) میں شعوب سے مراد بطون عجم اور قبائل سے مراد بطون عرب ہیں۔ [1] بہر حال کسی بھی قبیلہ میں معدودے چند ہی سیاسی ادارے ہوتے تھے، جو اس کے معاشرتی مزاج سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہوتے تھے، کیوں کہ وہ ایک ہی خون اور نسل کا رابطہ ہوتا تھا، جس کے ذریعہ معاشرہ کی تہ تک اور اس کے اطراف و جوانب میں بھی احکامات کے نفاذ میں آسانی ہوتی تھی۔ [2] اس طرح کسی بھی بڑے حادثہ اور وسیع ترین سیاسی بحران کے موقع پر قبیلہ ہی وہ اہم اکائی ہوا کرتا تھا جس کا درجہ چھوٹے عشائر کبھی نہیں پا سکتے تھے، کیوں کہ قبیلہ کے افراد کی تعداد عشائر کے مقابل سب سے زیادہ ہوا کرتی تھی، اور چھوٹی تعداد پر مشتمل خاندان کے بالمقابل اپنے افراد کی طرف سے دفاع کرنے میں قبیلہ زیادہ صلاحیت مند ہوتا تھا، علاوہ ازیں حکومت وقت یا امیر ریاست کے لیے چھوٹے خاندانوں کے کمزور اور کثیر عددی نمائندوں کے بہ نسبت بڑے قبائل کے چند ہی مگر طاقتور نمائندوں سے ملنا اور مسائل کا حل نکالنا زیادہ آسان تھا۔ [3]

مرور ایام کے ساتھ قبائلی گرفت کا یہ مد و جزر جاری رہا، تاہم اقتدار و سیاست میں قبائلی گرفت اور خون و نسل کی اساس پر مبنی اس کے روابط و تعلقات ملکی حالات پر بہت حد تک اثر انداز رہے، کیوں کہ یہ قبائل حکومت کے اس اقتدار اعلیٰ کے تابع ہوتے تھے جو خونی و نسلی تعلقات کی بنا پر ان سے اپنی سیاسی قوت میں اضافہ کرتے رہتے تھے۔

---

[1] هند غسان ص (٦٠)

[2] فتح البـاری (٦/ ٦٠١ ، ٦١١) تـفـصيل کے لیے دیکھیں:نهاية الارب/ قلقشندی ص (٢٠-٢٢) العقد الفريد (٢/ ٢٨٣) النزاع والتخاصم/ المقريزی ص (٦٥) المفصل/ جواد علی (٤/ ٣١٣، ٣٢٠)

[3] التنظيمات الاجتماعية والاقتصادية فی البصرة ص (٥٥)

ازآں جملہ قبائلی روابط کو بہت حد تک کمزور کرنے میں اسلامی اخوت ومساوات کوفروغ دینے کی دعوت بھی ایک محرک ثابت ہوئی، کہ جس میں دنیوی معیار تفاوت یعنی رنگ، نسل، جنس یا علاقہ وخلقت کی تفریق کو مطلقاً نظر انداز کیا گیا ہے، اور اس کی جگہ جدید اور وسیع ترین روابط کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے، جو ہر کلمہ گو کو ایک کڑی میں پرو دینے والے ہیں۔ قبائلی ونسلی امتیازات سے ہٹ کر اسلامی اخوت ومساوات کا یہ درس انسانوں کے معاشرتی نظریات میں اثر انداز ہونے لگا، اور دینی حلقوں میں خاص کر اس کے نمایاں اثرات نظر آنے لگے تھے۔ ❶

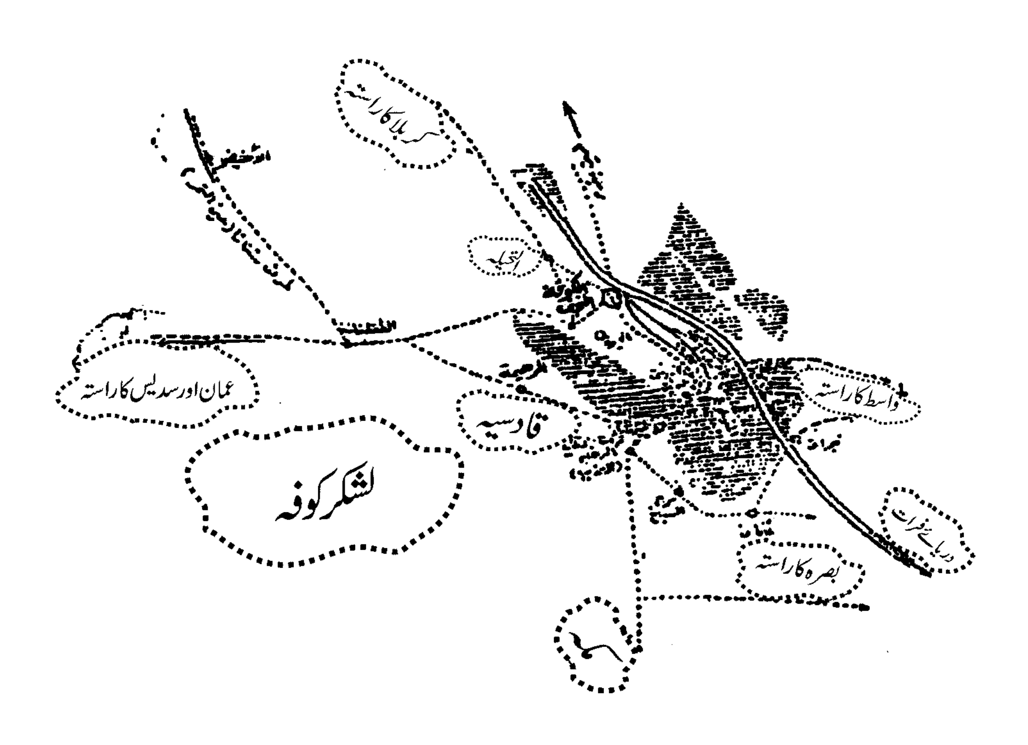
مختصر یہ کہ کوفی معاشرہ پر قبائلی اثرات اور پھر کوفہ میں قبائل کی گھنی آبادی کی معرفت کا اندازہ ہم اس بات سے کر سکتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کی عہد حکومت میں کوفہ کی جامع مسجد میں ایک وقت میں چالیس ہزار لوگ نماز پڑھ سکتے تھے۔ ❷ اور ۱۷ھ / ۶۳۷ء سے ۲۵ھ / ۶۲۵ء کی درمیانی مدت میں کوفی جنگجوؤں کی تعداد بیس ہزار سے چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ ❸ شعبی کا بیان ہے کہ معرکۂ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر جنگ کرنے والوں کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ ❹

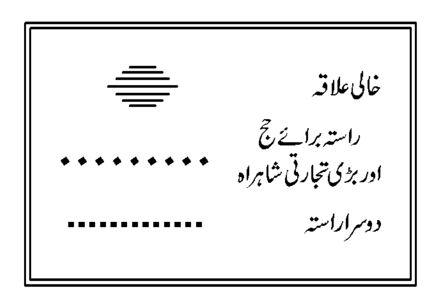
اور ابوالحسین محمد بن علی الکندی البزار لکھتے ہیں: کہ کوفہ میں پچاس ہزار گھر صرف قبائل ربیعہ ومضر پر مشتمل عربوں، اور چوبیس ہزار مکانات بقیہ اہل عرب کے، اور چھ ہزار مکانات یمنیوں کے تھے۔ ❺ ممکن ہے مکانات کی ان مقدار کا شمار آخری ایام ہی کے ہوں لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس سے کوفہ میں قبائل ربیعہ ومضر کی عددی کثرت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

امام شعبی کہتے ہیں: کہ اہل یمن کی تعداد بارہ ہزار اور نزار کی تعداد آٹھ ہزار تھی۔ ❻ ہانی بن عروہ قبیلۂ مراد کے سردار تھے، جب وہ اپنی سواری پر چلتے تھے تو چار ہزار زرہ پوش سپاہی اور آٹھ ہزار دیگر لوگ ان کے ساتھ ہوتے، اور جب قبیلہ کندہ وغیرہ کے حلیف بھی آکر شامل ہو جاتے تو زرہ پوشوں کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ جاتی۔ ❼

---

❶ التنظیمات الاجتماعیة والاقتصادیة فی البصرة ص (۵۵، ۵۶)
❷ التنظیمات الاجتماعیة والاقتصادیة فی البصرة ص (۵۵، ۵۶)
❸ معجم البلدان / الحموی (۴/ ۹۱)
❹ فتوح البلدان ص (۳۳۹) معجم البلدان (۴/ ۴۹۲) المختار بن عبید ص (۴۲)
❺ التاریخ/ خلیفه ص (۱۹۳) ❻ معجم البلدان (۴/ ۴۹۲) ❼ معجم البلدان (۴/ ۴۹۲)
❽ مروج الذهب/ المسعودی (۳/ ۶۹) مسعودی کا یہ بیان مبالغہ آرائی سے خالی نظر نہیں آتا جب ہانی بن عروہ کو عبید اللہ بن زیاد نے گرفتار کر کے بند کیا تھا تو اس وقت یہ تعداد کہاں تھی؟ (ش)





کوفہ کا نقشہ

کتاب وسنت کی روشنی میں

۳۔ کوفہ کے فکری اختلافات اور اعتقادی رجحانات

ا۔ عرب قبائل کے درمیان مختلف دینی نظریات و رجحانات کا چلن اور اس کے اسباب:

جس سمت کی جانب کوفہ واقع تھا اسی سے وہاں بسنے والے قبائل کی نوعیت کا تعین ہوتا تھا یعنی کہ اس سے متصل زمین کا پھیلاؤ جزیرۂ عرب سے کتنا تعلق رکھتا ہے، چناں چہ نجد، بحرین، اور جزیرۂ عرب کے شمال مشرقی علاقوں میں بسنے والے قبائل کا فتوحات کے دوران فطری امتداد اور جہادی توجہ کوفہ کی طرف تھا، یہی وجہ رہی کہ مسلمانوں کو عرب عراقیوں کی طرف سے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، مسلمانوں کے تئیں ان کا رویہ انتہائی معاندانہ تھا۔

عراق کے بیشتر عرب باشندے عقیدہ نصرانیت کے حامل تھے، پہلی صدی عیسوی کے اوائل میں وہاں نصرانیت کو فروغ حاصل تھا، اسی لیے وہاں کے نصرانیت اختیار کرنے والے باشندوں نے اپنا پرانا نام چھوڑ کر خود کو ''سریانی'' کہنا شروع کر دیا تا کہ بت پرستوں سے انھیں امتیاز حاصل رہے۔ ❶

یہ نصاریٰ ''نسطوری مذہب وعقیدہ'' کے قائل تھے، ان قبائل میں قبیلۂ ''ایاد'' قابل ذکر ہے جو ''حیرہ'' کے علاقہ میں سکونت پذیر تھا، ❷ اور کچھ عین تمر، انبار اور جزیرۂ فرات میں رہتے تھے۔ ❸ نیز انھیں قبائل میں سے بکر بن وائل کا قبیلہ بھی تھا جس نے بادیہ کوفہ میں سکونت اختیار کر رکھی تھی، اور دیگر قبائل میں اس کا دبدبہ تھا، ❹ اسی طرح بادیہ بصرہ میں سکونت پذیر قبیلہ ''تمیم''، ❺ اور ''ربیعہ'' سے تعلق رکھنے والے نمر بن قاسط اور تغلب جو کہ انبار، عین التمر اور جزیرۂ فرات کے درمیان ہیت اور تکریت کے قرب وجوار میں بستے تھے، ❻ ان سب کا سر رشتہ قدیم عراقی نصرانیت سے ملتا تھا، واضح رہے کہ اسی تسلسل کی ایک کڑی کلب وقضاعہ بھی تھے جو انبار کے شمال میں ہیت کے علاقہ میں بستے تھے ❼ اور وہ بنو اسد بھی تھے جنھوں نے بادیۂ کوفہ اور بادیۂ شام

---

❶ لمحات من تاریخ نصاری العراق، سهیل قاشا ص (٥)

❷ تاریخ یعقوبی (٢/ ٢٥٧) فتوح البلدان ص (٣٤٤) التنبیه والاشراف/ المسعودی ص (١٧٥)، بلوغ الارب (٢/ ٢٤١) العرب قبل الاسلام، جرجی زیدان ص (٢٦٥)، المفصل فی تاریخ العرب/ جواد علی (٢/ ٥٨٢) محاضرات فی تاریخ العرب صالح العلی (١/ ٧٩) العرب والارض فی بلاد الشام/ دوری ص (٢٦، ٢٧) ابحاث المؤتمر الدولی لتاریخ بلاد الشام کے مقالات کے ضمن میں ۱۹۷۴ء

❸ معجم، استعجم، البکری (١/ ٧٥)

❹ البدء والتاریخ/ المقدسی (٣/ ٢٠٢) حرکة الفتح الاسلامی فی القرن الاول الهجری/ شکری فیصل ص (٩٠)

❺ طبقات ابن سعد (٧/ ٢٤)

❻ صفین، نصر بن مزاحم (١٤٦) فتوح البلدان (٣٠٤)

❼ فتوح البلدان (٣٠٢) طبری (٣/ ٣٨٥)

میں سکونت اختیار کر رکھی تھی۔ [1]

یہاں بتاتے چلیں کہ حیرہ کا علاقہ کوفہ میں نصرانیت کا سب سے اہم مرکز تھا، جہاں قبیلہ طیٔ، کلب، تمیم، ازد، لخم، غسان، کندہ، مذحج، حمیر، بنوحارث بن کعب، سلیم اور تنوخ کے کچھ لوگ آ کر آباد ہو گئے تھے، [2] ان میں تمیم و سلیم کے علاوہ اغلبیت یمنی النسل لوگوں کی تھی، اور ان پر نصرانیت کے غلبہ پانے ہی کی وجہ سے انھیں "عُبَّاد" کا نام دے دیا گیا۔ [3]

مختصر یہ کہ جب اس علاقہ سے ایرانی پارسی قوت واقتدار اور عربی النسل عراقی نصرانیوں کا صفایا ہوگیا تو جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ شہر کوفہ کی بنیاد رکھی گئی، اور عراق کے ان اصل عربی قبائل کو وہاں بسایا گیا جن کی اکثریت اسلام میں داخل ہو چکی تھی۔ مزید برآں وسط نجد، شمال مشرق، اور جزیرۂ نمائے عرب کے مشرق میں رہنے والے مرتدین کے بیشتر قبائل بھی یہیں آ بسے، پس یہ فطری بات تھی کہ اسلامی فتوحات کی روانی کے درمیان یہ قبائل کوفہ میں اپنے پر پرزے نکالتے، اسی لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے بارے میں بہت ہی واضح موقف اختیار کیا، اور اپنے گورنران کو برابر لکھتے رہے کہ دشمن سے جہاد کرتے وقت ان مرتدین سے مدد مت لینا۔ [4] خالد بن ولید اور عیاض بن غنم رضی اللہ عنہما کو آپ تاکید فرماتے تھے کہ دیکھنا کوئی مرتد شخص تمھارے ساتھ اس وقت تک محاذ جنگ میں شریک نہ ہو جب تک کہ اس کے بارے میں میری رائے نہ لے لینا۔ یہی وجہ رہی کہ آپ کے عہد خلافت تک کوئی مرتد شریک جنگ نہ ہوسکا۔ [5]

امام شعبی فرماتے ہیں: ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی جنگجوؤں میں تاحیات کسی مرتد سے مدد نہیں لیا۔ [6]

پھر جب عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو مرتدین کے بارے میں آپ کا بالکل وہی موقف رہا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تھا، فرق صرف اتنا تھا کہ آپ نے سخت ترین ضرورت کے پیش نظر بعض مرتدین کے بارے میں تھوڑا سا نرم پہلو اختیار کیا، ورنہ آپ کسی بھی مرتد کو اسی وقت استعمال کرتے تھے جب آپ کو مطلوبہ محاذ جنگ پر جانے والا

---

[1] صفة جزيرة العرب/ الهمداني ص (١٣١)

[2] تاريخ يعقوبي (١/ ٢٥٧)، البدء والتاريخ / المقدسي (٣/ ١٩٦) فتوح البلدان (١٧) المعارف/ ابن قتيبه (٦٢١)، طبري ٢/ ١٩٦) التنبيه والارشراف/ المسعودي (١٥٨)

[3] طبري (٢/ ٤٣) اثر اهل الكتاب/ جميل المصري (١٩٢، ١٩٣) خبردار رہیں کہ اس سلسلہ میں اس کتاب میں بڑی مبالغہ آمیزیوں اور کذب بیانیوں سے کام لیا گیا ہے۔

[4] طبري (٥/ ٣٤١)

[5] تاريخ الملوك والامم / طبري (٤/ ٢٥)

[6] تاريخ الملوك والامم / طبري (٤/ ٢٥)

کوئی صحابی یا تابعی نہیں ملتا تھا۔[1] اور اگر استعمال بھی کرتے تو انھیں کوئی کلیدی عہدہ نہیں دیتے بلکہ حاشیہ پر رکھتے۔ چناں چہ کوفہ کے اس معاشرتی پس منظر کو اگر ہم سامنے رکھیں تو اس واضح حقیقت کا اعتراف کرنے میں ہمیں چنداں پریشانی نہ ہوگی کہ کوفہ میں جن قبائل نے سکونت اختیار کی تھی ان میں ایک تو وہ عرب قبائل تھے جنھیں اسلام اور اس کی تعلیمات کی بہت معمولی معرفت تھی، اور دوسرے مرتدین کے وہ قبائل تھے جن سے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جنگ کیا تھا اور ان پر غالب رہے تھے، مزید برآں وہ اصل عراقی قبائل پہلے سے تھے جو عرب نصاریٰ کی اصل سے تھے، پس اس طرح کوفہ میں عربی قبائل کی سکونت و وطنیت کی وجہ سے ان گروہوں کو بھی استقرار مل گیا جو اسلامی معاشرہ کے لیے انتہائی خطرناک تھے، پھر مستقبل میں حالات یوں بگڑتے گئے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر سرفراز ہوئے تو آپ نے مرتدین کے بارے میں اپنے پیش رو دونوں خلیفہ کی احتیاطی سیاست کو نظر انداز کر دیا، آپ نے سوچا کہ ماضی میں اہل ردّہ کے ارتداد کا محرک اب ختم ہو چکا ہے، اور آج تک کے اتنا طویل مدتی فاصلے نے ان کے دل سے منفی رجحان و اثرات کو صاف کر دیا ہوگا، لیکن معاملہ اس توقع کے برعکس رہا، اور مرتدین نے بعض حاسدین اسلام گروہوں کے ساتھ مل کر ایک پُر خطر شکل اختیار کر لیا، جب کہ بظاہر یہ سب کے سب خود کو اسلام کا فدائی ظاہر کرتے رہے۔

چناں چہ اس خطرناک رجحان کی پہلی علامت کوفہ میں اس طرح ظاہر ہوئی کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت سے بغاوت کا سب سے پہلا اعلان یہیں سے ہوا۔ بایں طور کہ عوام الناس اور نفس پرستوں میں ابن سبا کی کافرانہ وملحدانہ تحریک کے نتیجہ میں جب افق سیاست پر علی رضی اللہ عنہ کی استحقاق خلافت کی آواز اٹھی تو عمرو بن زرارہ بن قیس نے جو کہ نخع کی قبائلی شاخ بنو قیس بن سعد کا ایک فرد تھا، کوفہ میں خلافت عثمان سے بغاوت اور علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کا اعلان کر دیا، اس طرح اسلامی تاریخ میں یہ پہلا شخص تھا جس نے اس طرح کے عمل پر جرأت رندانہ کا مظاہرہ کیا۔[2] پھر شر و فساد کی طاقتیں رفتہ رفتہ مضبوط ہوتی گئیں، اور ایک کو دوسرے سے تقویت ملتی رہی، یہاں تک کہ خلیفہ راشد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر یہ تحریک آ کر ٹھہر گئی۔ دریں تفصیلات اگر ہمیں قاتلین عثمان میں ان افراد کا نام ملتا ہے جو مرتدین میں شمار کیے جانے والے قبائل کی طرف منسوب ہوتے ہیں مثلاً سودان بن حمران السکونی، قتیرہ بن فلدن السکونی، حکیم بن جبلہ العبدی وغیرہ تو ہمیں

---

[1] تاريخ الملوك والامم / طبرى (٤/ ٢٥) عبدالله بن سبا/ العورة ص (١٥٧)
یہاں یہ واضح رہے کہ مرتدین سے مقصود وہ حضرات ہیں جو ارتداد کا شکار ہوئے اور پھر تائب ہو کر مسلمان ہوئے ایسے حضرات سے بھی احتیاط برتا جاتا تھے کیوں کہ اتداد کا شکار ہو کر وہ اپنا اعتماد کھو چکے تھے۔ (ش)

[2] الانساب/ الكلبى (١/ ٢٩٠) جمهرة انساب العرب/ ابن حزم ص (٤١٤) حركات الشيعه المتطرفين/ محمد جابر عبدالعال ص (١١٢)

حیرت واستعجاب میں پڑنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ ❶

یہیں سے فتنوں کے دروازے کھل گئے پہلے اسلامی سیاست میں اختلافی فتنہ مضبوط ہوا اور پھر اعتقادی میدان میں اس نے پر پرزے نکالے، نتیجتاً مختلف الانواع فسادی کاوشوں نے جنم لے لیا۔ ❷

حقیقت یہ ہے کہ فتنہ سبائیت کے لیے کوفی معاشرہ کی زمین کافی ہموار و زرخیز ثابت ہوئی جہاں اس کی خوب آبیاری ہوئی اور پھلنے پھولنے کا موقع ملا، یہاں تک کہ وہاں کے شر پسند عناصر کی کھوپڑیاں ان فتنوں سے ابال کھانے لگیں۔

ابن خلدون لکھتے ہیں: ''جس وقت اللہ نے مسلمانوں کے دشمنوں کو دور بھگایا، اور ان کے زمینوں و بستیوں کا مسلمانوں کا مالک بنا دیا اور بصرہ، کوفہ، شام ومصر وغیرہ شہروں میں اپنی ملکی سرحدوں تک آباد ہوگئے۔ جن میں اکثریت ان سخت دل جاہلوں اور گنواروں کی تھی جنھیں نبی اکرم ﷺ کی زیادہ صحبت نہیں ملی تھی، نہ آپ ﷺ کی سیرت وآداب زندگی سے انھیں تہذیب آئی تھی، اور نہ آپ کے اخلاق سے وہ خوش ہی تھے، بایں ہمہ ان میں عصبیت، قساوت قلبی، حلاوت ایمان سے دوری اور باہمی تفاخر جیسے جاہلی اوصاف پائے جاتے تھے، پس وہ مہاجرین و انصار اور قریش، کنانہ، ثقیف، ہذیل، اہل حجاز اور اہل یثرب جیسے اسلام کی طرف اولین سبقت کرنے والے مسلمانوں کی نوخیز اسلامی سلطنت کی ماتحتی اپنے لیے ذلت و عار سمجھنے لگے اور اس پر ناک بھوں چڑھانے لگے کیوں کہ وہ خود کو اعلیٰ نسب سمجھتے تھے، اور فارس و روم سے ٹکر لینے، نیز ریاستی آبادی میں اکثریت کی دعویداری رکھتے تھے۔ اس خیال کے لوگوں میں بکر بن وائل اور عبدالقیس بن ربیعہ جیسے قبائل کو شمار کیا جاسکتا ہے۔ چناں چہ انھوں نے قریش پر اپنی برتری کا اظہار شروع کر دیا، ان کی اطاعت میں سستی و کاہلی کرنے لگے، اور وجہ یہ بیان کیا کہ قریش اور ان کے زیر اقتدار حکومت کی طرف سے ان پر ظلم ہو رہا ہے وہ ناانصافی کے شکار ہیں، اور اب ان سے مساوات کی امید نہیں کی جاسکتی۔'' ❸

یہ حقیقت اس وقت اور زیادہ کھل کر سامنے آجاتی ہے جب ہم اہل کوفہ کے بارے میں صحابہ وتابعین کے اقوال کا مطالعہ کرتے ہیں، چناں چہ عمر رضی اللہ عنہ کوفی معاشرہ سے اپنے دکھ کا اظہار اس طرح کرتے تھے: ''کوفہ والوں نے مجھے عاجز کر دیا، انھوں نے مجھے مشکل میں ڈال دیا، وہ کسی سے خوش نہ رہے اور نہ انھیں سے کوئی خوش رہا، نہ تو خود صلح جو ہیں اور نہ کسی کی مصالحت انھیں راس آتی ہے۔'' ❹

---

❶ الطبری (٤/ ٣٤٨) عبداللہ بن سباء / العودة (١٥٧)

❷ المذاهب الاسلامية/ ابوزهرة (٢٩-٣٠) ❸ المقدمة (١/ ٢٦٩، ٢٧٠)

❹ المعرفة والتاريخ (٢/ ٧٥٤) باسناد حسن، ابن سعد (٥/ ٥٨) بلا سند۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو کہ عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کے یہاں امیر بنا کر بھیجے گئے تھے اور جنت کی دس بشارت یافتہ شخصیات میں سے ایک تھے، نیز ان کے تقدس کا یہ عالم تھا کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے، لیکن اہل کوفہ نے ان پر یہ الزام لگایا کہ وہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھاتے ہیں۔ ❶

جب عمر رضی اللہ عنہ نے عراق جانے کا ارادہ کیا تو کعب الاحبار ❷ نے آپ کو نصیحت کیا: کہ عراق نہ جایئے وہاں ۹۰٪ برائی ہی برائی ہے۔ ❸ مزید کہا: وہاں حق کے نافرمان ہیں، وہاں لاعلاج بیماریاں ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ ''لاعلاج بیماریوں'' کا کیا مطلب؟ کہنے لگے: ایسی نفس پرستیاں جن کا کوئی علاج نہیں۔ ❹ ان کے سماجی برتاؤ سے ایسا لگتا ہے کہ فتنہ پسندی اور شر وفساد پر وارفتگی ان کی خمیر میں اس قدر داخل تھی کہ اسلامی ریاستوں میں یہی ان کی شناخت بن چکی تھی اس لیے امام شعبی نے فرمایا: کہ کوفہ وہ پہلا شہر ہے جہاں کے باشندوں میں شیطان نے اجتماعی پھوٹ ڈالا۔ ❺

اور جب ابوذر رضی اللہ عنہ ربذہ ❻ جانے لگے تو عراقیوں کے ایک قافلے سے آپ کی ملاقات ہوگئی، وہ کہنے لگے: ابوذر! آپ کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا ہے وہ ہمیں معلوم ہوا ہے، آپ جھنڈا اٹھائیں اور تحریک مخالفت چلوائیں، آپ جتنے لوگوں کو چاہیں گے حاضر پائیں گے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((مهلا مهلا يا اهل الاسلام، انى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: سيكون بعدى سلطان فاعزوه، من التمس ذلة ثغر ثغرة فى الاسلام، و لم يقبل منه توبة حتى يعيدها كما كانت .)) ❼

❶ المسند/ احمدبن حنبل (۱/ ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷) صحيح البخارى مع الفتح (۲/ ۲۷٦) حديث نمبر (۷۵۵) صحيح مسلم (٤/ ٤۳٤) حديث نمبر (٤۵۳) سنن النسائى (۲/ ۱۷٤) ابوداؤد، حديث نمبر (۸۰۳) المعرفة و التاريخ يعقوب (۲/ ۷۵٤) الطبرانى (۱/ ۱۳۷) مجابوا الدعوة/ ابن ابى الدنيا ص (٤٤، ٤۵)

❷ آپ کا نام کعب بن ماتع الحمیری، ابواسحاق ہے، کعب الاحبار سے معروف ہیں۔ مخضرم ہیں ثقہ ہیں، طبقہ ثانیہ میں سے ہیں۔ اہل یمن میں سے تھے پھر شام میں بس گئے، خلافت عثمان کے آخری ایام میں وفات ہوئی۔ التقريب (٤٦١)

❸ المصنف/ ابن شيبة (۱۵/ ۱۱۲) اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، لیکن روایت مرسل ہے۔ كنز العمال/ الهندى (۷/ ۱٦٤) بسند ابن ابى شيبة۔

❹ المعرفة و التاريخ/ يعقوب (۲/ ۷۵۱) اگر یہ ثابت ہوجائے کہ فرات کی ملاقات کعب الاحبار سے ہے تو یہ روایت سنداً حسن ہے، نیز تاریخ صنعاء/ احمد بن عبدالله الرازى ص (۳۳۵)

❺ الطبرى (٤/ ۲۵۱)

❻ مدینہ کے مشرق میں تقریباً (۵۱۰) کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔ عراقی حجاج کے خشکی کے راستے میں پڑتا ہے۔ معجم المعالم الجغرافية/ البلاذرى ص (۱۳۵)

❼ المسند/ احمد (۵/ ۱٦۵) السنة/ ابن ابى عاصم (۲/ ۵۱۳) بتحقیق البانی اس کی سند صحیح ہے اور ابن حلبس، یونس بن میسرة کے علاوہ اس کے سبھی راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں، جب کہ ابن حلبس بھی ثقہ ہیں۔

''اے مسلمانو! ٹھہرو ٹھہرو، جلدی نہ کرو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: میرے بعد بادشاہ ہوگا، تم اسے مضبوط کرنا، جو ذلت کا متلاشی ہے، وہ اسلام کی دیوار میں سوراخ کرے گا، اس کی توبہ اس وقت تک قبول نہ ہوگی جب تک کہ وہ اسے ویسے ہی نہ کردے جیسے تھی۔''

ایک مرتبہ حذیفہ اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی آیا وہ دونوں مسجد میں بیٹھے تھے، اس وقت اہل کوفہ نے سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو اپنے یہاں سے بھگا دیا تھا، وہ کہنے لگا: سارے لوگ جا چکے، آپ لوگوں یہاں کیوں رکے ہوئے ہیں، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم لوگ سنت پر قائم ہیں، حذیفہ نے کہا: تم لوگ سنت پر کیسے قائم ہو جب کہ تم نے اپنے امام کو بھگا دیا ہے؟ اللہ کی قسم! تم لوگ سنت پر نہیں ہو سکتے، تاوقتیکہ رعایا پر شفیق و مہربان نہ ہو اور رعایا امیر کے تئیں خیر خواہی و ہمدردی کا مظاہرہ نہ کرے۔ اس نے کہا: اگر رعایا امیر کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا برتاؤ کرے اور امیر ان پر شفقت نہ کرے تو آپ کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا: ہم نکلیں گے اور تمھاری مدد کریں گے۔ ❶

علی رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ سے سخت ترین مشکلات و دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، کچھ ایسے تھے جو آپ سے والہانہ محبت کا اظہار کرتے تو کچھ آپ کی مخالفت میں کوئی شوشہ نہ چھوڑتے تھے، یہاں تک کہ عاجز آکر آپ کہا کرتے: ''جو ان لوگوں کے ذریعہ حملہ آور ہوتا ہے وہ ناکارہ تیر کے ذریعہ حملہ کرتا ہے۔'' ❷

ابو صالح الحنفی فرماتے ہیں: ''میں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انھوں نے مصحف کو ہاتھ میں لیا اور اسے سر پر اٹھا لیا، میں نے اس کے اوراق کی آواز سنی، پھر آپ نے فرمایا: اے اللہ! میں ان سے اکتا گیا ہوں اور انھوں نے مجھے اکتا دیا ہے، میں انھیں ناپسند کرتا ہوں اور یہ مجھے ناپسند کرتے ہیں، انھوں نے میری طبیعت، مزاج اور اخلاق کے خلاف ایسے کام کرنے پر مجھے ابھارا جو بالکل پسند نہ تھے، لہٰذا مجھے ان سے بہتر لوگوں کو دے دے، اور انھیں میرے بدلے مجھ سے برے شخص کو سونپ دے۔ اے اللہ! ان کے دلوں کو ایسے ہی ملیا میٹ کردے جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اس بددعا میں کوفہ والوں کو مراد لے رہے تھے۔'' ❸

❶ المصنف/ ابن ابی شیبة (١٥/ ٢٥) بسند صحیح۔ اس روایت میں ابو صالح الحنفی عبداللہ بن قیس نامی راوی ہیں۔ ابن حجر فرماتے ہیں: حذیفہ سے ان کی روایت مرسل ہوتی ہے۔ تقریب (۳۴۹) نیز دیکھیں: شرح اصول اعتقاد اهل السنة للالکائی (٧/ ١٢٦٥)

❷ المعرفة و التاریخ / یعقوب (٢/ ٧٥٢) بسند ''لا باس بہ'' سند کے تمام راویان ثقہ ہیں، صرف مجالد بن سعد قوی نہیں ہیں۔ آخری ایام حیات میں ان کا حافظہ بدل گیا تھا۔

❸ المعرفة و التاریخ (٢/ ٧٥١) بسند صحیح، تاریخ مدینةو دمشق/ ابن عساکر (١/ ٣١٤) بسند صحیح۔

اور ایک موقع پر علی رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کے بارے میں فرمایا: اے اللہ! میں نے ان کے ساتھ امانت داری کیا، لیکن انھوں نے میرے ساتھ خیانت کیا، میں نے ان کے ساتھ خیر خواہی کیا لیکن انھوں نے مجھے دھوکہ دیا، لہٰذا ان پر قبیلہ ثقیف کے ناز ونخرے والے ٹیڑھے مزاج نوجوان کو مسلط کردے، جو اس کی شادابیوں کو کھا جائے، اور بالوں والے چرمی کپڑوں کو پہنے اور ان میں زمانہ جاہلیت جیسا فیصلہ کرے۔ ❶

حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کا موقف انتہائی برا رہا جو خست وحقارت کی واضح ترین دلیل ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ انھوں نے آپ کو طنز وتشنیع کا نشانہ بنایا، آپ کا مال چھین لیا، حتی کہ آپ کی بعض لونڈیوں تک کو لے لیا، اسی لیے جب آپ رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت خلافت کرنے کے بعد خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے عراقیو! تمھاری تین ہی حرکتیں مجھے حواس باختہ کرنے کے لیے کافی تھیں۔ ۱۔تمھارے ہاتھوں میرے باپ کا قتل ہو جانا۔۲۔ مجھے طنز وتشنیع کا نشانہ بنانا۔۳۔اور میرا مال ومتاع مجھ سے چھین لینا۔لیکن میں محفوظ رہا۔ لہٰذا ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرو، ہم تمھارے امراء اور تمھارے مہمان ہیں، اور ہم اہل بیت میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهر کم تطهیرا ○﴾

(الاحزاب : ۳۳)

''بے شک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم اہل بیت سے ناپاکی کو دور کردے، اور تمھیں اچھی طرح پاک صاف کردے۔''

پھر آپ نے اپنا خطاب جاری رکھا یہاں تک کہ مسجد میں کوئی ایسا نہیں رہا جو روتا نظر نہ آیا ہو۔ ❷

اور اسی پر بس نہیں بلکہ بعض صحابہ وتابعین اہل کوفہ کی شر انگیزیوں کو دیکھتے ہوئے ان کے دین وایمان کے بارے میں شک کرنے لگے تھے، ان کے تمام تر اقوال وافعال کو اولین مرحلے میں برائی ہی پر محمول کرتے تھے، اور یہی سوچتے تھے کہ یہ لوگ خیر وبھلائی سے کنارہ کش رہنے والے ہیں، دیکھئے ام المومنین عائشہ فرماتی ہیں: اللہ تعالیٰ علي پر اپنی رحمت نازل فرمائے، وہ جب بھی کسی پسندیدہ چیز کو دیکھتے تو یہ جملہ ان کی زبان پر آجاتا:

''صدق الله و رسوله''

❶ دلائل النبوۃ/ البیهقی (٦/ ٤٨٨) ابن کثیر نے البدایة والنهایة (٦/ ٣٢٨) ہیں اس کی سند کو منقطع بتایا ہے۔

❷ الطبقة الخامسه/ ابن سعد (٢٥٨) محقق کتاب کے مطابق اس کی سند صحیح ہے۔مزید مصادر کے لیے پچھلے مباحث میں ''بیعت یزید'' دیکھیں۔

بعدازاں اہل عراق آپ کی اس بات میں اضافہ کردیتے اور اسے آپ کی طرف منسوب کردیتے۔ ❶

نیز آپ رضی اللہ عنہما نے ایک موقع سے فرمایا: اے عراقیو! شام والے تم سے بہتر ہیں، ان کے پاس صحابہ کی ایک مختصر سی جماعت گئی، انھوں نے ہمیں ان کی وہ حدیثیں سنائیں جنھیں ہم جانتے تھے، جب کہ تمھارے پاس بھی صحابہ کی ایک مختصر سی جماعت گئی لیکن تم نے ان کی وہ حدیثیں سنائیں جن میں سے کچھ کو ہم جانتے تھے اور کچھ نامعلوم تھیں۔ ❷ (یعنی تم نے اس میں حذف واضافہ سے کام لیا اور روایات گڑھیں)

ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے بعض عراقیوں سے کہا: اے عراقیوں کی جماعت تم حدیثوں کو فروتر سندوں سے لیتے ہو عالی اسناد سے نہیں لیتے۔ ❸

سلیمان بن ربیع کا بیان ہے کہ ہماری ملاقات مکہ میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ہوئی تو انھوں نے ہم سے پوچھا: آپ لوگ کہاں کے ہیں؟ ہم نے بتایا کہ عراق کے۔ وہ کہنے لگے: عراقی وہ قوم ہے جو خود جھوٹی ہے دوسروں کو جھٹلاتی ہے اور ان کا استہزاء کرتی ہے۔ ❹ حد تو یہ ہے کہ تابعین و دیگر علمائے اسلام کے نزدیک اہل عراق کے بارے میں یہ برانظریہ ایک مسلمہ حقیقت بن گئی تھی، چناں چہ:

امام زہری کہتے ہیں: جب تم کسی عراقی حدیث کو سنو تو اس کی تردید کرو اور خوب تردید کرو۔ ❺

طاؤس کہتے ہیں: اگر کوئی عراقی تم سے سو حدیثیں بیان کرے تو اس میں سے ننانوے کا انکار کردو۔ ❻

ہشام بن عروہ فرماتے ہیں: اگر کوئی عراقی تم سے ایک ہزار حدیثیں بیان کرے تو اس میں سے نو سو ننانوے کو پھینک دو اور باقی کے بارے میں بھی شک و تردد میں رہو۔ ❼

امام اوزاعی فرماتے ہیں: خلفائے امت ملک شام میں قیام کرتے تھے، جب انھیں کوئی آفت و مصیبت آ پہنچتی تو اس کے بارے میں اہل شام اور اہل مدینہ کے علماء سے دریافت کرتے، عراقیوں کی حدیثیں ان کے گھروں کی دیواروں سے آگے نہیں بڑھ پاتی تھیں، کوئی بتائے کہ کیا کبھی علماء شام نے عراق کے خوارج

---

❶ مسند احمد (۲/ ۶ (۶۵۶)) محقق کتاب کے نزدیک اس کی سند حسن ھے۔ الساعاتی: الفتح الربانی (۲۳/ ۱۵۹-۱۶۰) البدایة والنهایة (۷/ ۲۹۲) ابن کثیر فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے اور اسے روایت کرنے میں احمد منفرد ہیں، الضیاء المقدسی نے "المختارہ" میں روایت کی ہے نیز مسند ابویعلی (۱/ ۲۵۲) (۴۶۹) مجمع الزوائد/ ھیثمی (۶/ ۲۲۵) اور کہا: اسے ابویعلی نے روایت کیا ہے اور اس کے رواۃ ثقات ہیں۔

❷ المعرفة والتاریخ/ یعقوب (۲/ ۷۵۶) بسند حسن، البتہ یہ روایت مراسیل زہری میں سے ہے۔

❸ ھیثمی نے مجمع الزوائد (۷/ ۳۵۰) میں کہا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

❹ الطبقات/ ابن سعد (۴/ ۲۶۷) اس سند کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

❺ المعرفة والتاریخ (۲/ ۷۵۷) تھذیب تاریخ ابن عساکر/ ابن بدران (۱/ ۷۰)

❻ ایضًا

❼ ایضًا

سے حدیثیں نقل کی ہیں۔ ❶

سالم بن عبداللہ بن عمر نے اہل کوفہ کے بارے میں فرمایا: ''یہ انتہائی بدترین لوگ ہیں یہ یا تو سبائی ہیں یا خارجی۔'' ❷

امام مالک فرماتے تھے: ''اہل عراق کی حدیثوں کو اہل کتاب کی حدیثوں کے درجے میں رکھو۔'' ❸

ابومسلم الخولانی کا قول ہے: ''اے عراقیو! تم سے زیادہ معمولی چیزوں کے بارے میں سوال کرنے والا اور بڑے بڑے حوادث پر سوار ہونے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔'' ❹

محمد بن مسلم الطائفی کہا کرتے: ''جب سفیان ثوری کو دیکھو تو اللہ سے جنت کے طالب بنو، اور جب کسی عراقی کو دیکھو تو اس کے شر سے اللہ کی پناہ چاہو۔'' ❺

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: عطاء سے میری ملاقات ہوئی تو انھوں نے مجھ سے پوچھا: تم کہاں کے ہو؟ میں نے کہا: کوفہ، تو آپ نے فرمایا: تم اس بستی کے ہو جہاں کے لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا اور خود فرقوں میں بٹ گئے؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ ❻

اور جب مسروق بن اجدع کے بارے میں امام احمد بن حنبل سے دریافت کیا گیا کہ وہ تو جنگ جمل میں شریک نہیں ہوئے تھے، لیکن اہل کوفہ اس بات پر مصر ہیں کہ نہیں وہ شریک تھے، تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اہل کوفہ کا کیا کہنا! اگر ان کا بس چلے تو سب کو جنگ جمل کے خون میں رنگ دیں۔ ❼

اس طرح کوفی معاشرہ میں دو خطرناک مذاہب پیدا ہوگئے، اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف آج تک اس کے فکری و سیاسی اثرات نمایاں رہے، ان میں ایک شیعی اور دوسرا خارجی مذہب ہے۔ چوں کہ یہاں ہماری گفتگو کا مرکزی عنوان کوفی معاشرہ کی معاشرتی تعمیر کا بیان اور اس کے ادوار و مراحل کی توضیح ہے اس لیے میں یہاں صرف شیعی مذہب پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں کہ جس مرحلہ تاریخ پر ہماری گفتگو ہو رہی ہے اس میں

---

❶ المعرفة والتاريخ (۲/ ۷۵۷) تهذيب تاريخ ابن عساكر/ ابن بدران (۱/ ۷۰)

❷ المعرفة و التاريخ (۲/ ۷۵۷) تهذيب تاريخ اب عساكر (۱/ ۷۰)

❸ الكامل فی الضعفاء/ ابن عدی (۱/ ۹٤)

❹ تاريخ داريا/ عبدالجبار خولانی ص (٦۰)

❺ الكامل فی الضعفاء / ابن عدی (۱/ ۹٤)

❻ نفح الطيب/ المقری (۵/ ۳۰۸) وضع حدیث میں کوفیوں کے کردار پر مفصل معلومات کے لیے ہمارے جلیل القدر استاذ اکرم ضیاء العمری کی کتاب بحوث فی تاريخ السنة المشرفة (۲۲-۳۰) دیکھیں۔

❼ السنة/ الخلال (٤٦۷) باسناد صحيح۔ مسائل الامام احمد/ ابن هانی (۲/ ۲۰۱)

اور خاص طور سے قتل حسین کے معاملہ میں اس مذہب کا بہت بڑا کردار تھا۔

ب۔شیعی مذہب اور اس کا ارتقاء:

کوفہ کی سیاست نے باشندگان کوفہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک وہ گروہ جس نے علی رضی اللہ عنہ کے مسئلہ خلافت کے حق میں مظاہرہ کیا، اور اس پر ایسے فریفتہ ہوئے جیسے اسے گود لے لیا ہو، اس گروہ کی اکثریت تھی۔ اور دوسرا وہ گروہ تھا جس نے اس مسئلہ سے کنارہ کشی اختیار کر کے توقف سے کام لیا، یا بنوامیہ کا ساتھ دیا، اس گروہ میں کم لوگ تھے۔ بہر حال اس اختلاف کے نتیجہ میں کوفی معاشرہ واضح شکل میں دو جماعتوں میں بٹ گیا، شیعی جماعت اور سنی جماعت، اور پھر یہ تقسیم صدیوں باقی رہی۔ [1] باشندوں کے فکری رجحانات کے اعتبار سے ریاستیں واضح سیاسی نظریات کی حامل ہوگئیں، مثلاً بصرہ عثمانی ریاست، کوفہ علوی، پورا شام اموی، جزیرہ خارجی، اور حجاز سنی ریاست کے اعتبار سے تاریخ میں متعارف ہوا۔ [2] بلکہ ان ریاستوں میں جن افکار و خیالات کا چلن رہا وہ انھیں خیالات کی شناخت و ترجمان بن گئیں، اور وہاں کے باشندے انھیں خیالات و رجحانات کی طرف منسوب کیے گئے۔ چناں چہ امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ اہل بصرہ کے نظریات کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: لوگ صلح پسندی پر ایمان رکھتے تھے، اور کہتے تھے: ”کن عبدالله المقتول، و لا تکن عبدالله القاتل“ [3] مقتول عبداللہ رہو، قاتل عبداللہ نہ بنو (یعنی مظلومیت کی موت قبول کرلو لیکن قاتل ظالم نہ بنو۔)

بہر کیف ہمارا موضوع بحث کوفہ کا معاشرتی ماحول اور تشیع سے اس کا تعلق ہے، نیز یہ کہ پہلی صدی ہجری میں شیعی عقائد کا کس حد تک ارتقاء ہوا، لہٰذا سب سے پہلے ہم آپ کو یہ بتانا چاہیں گے کہ شیعہ اور تشیع کیا چیز ہے۔

شیعہ کی تعریف:

امام زبیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر وہ جماعت اور قوم شیعہ ہے جو کسی ایک خاص معاملہ کی ہمنوا اور اس پر متفق ہوجائے، بنابریں ہر وہ شخص جو کسی فرد مخصوص کی مدد کرے، اس کا یکطرفہ اس طرح موید ہو کہ اس کے لیے گروہ اور جماعت بنالے تو وہ اس فرد یا جماعت کا شیعہ ہے۔ لفظ شیعہ عربی کے اصل کلمہ ”المشایعه“ سے ماخوذ و مستنبط ہے، جس کے معنی اطاعت و تابعداری کرنا ہے۔ [4] انھیں معنوں میں اللہ کا یہ فرمان ہے:

---

[1] حركات الشيعه المتطرفين/ محمد جابر عبدالعال ص (١٢)

[2] العقد الفريد / ابن عبد ربه (٦/ ٢٤٨)

[3] عيون الاخبار (١/ ٣٠٤)

[4] تاج العروس / الزبيدى (٥/ ٤٠٥)

﴿وَ اِنَّ مِنْ شِیْعَتِہٖ لَاِبْرٰھِیْمَ﴾ (الصافات : ۸۳)
''بے شک ابراہیم ان کے متبعین و پیروکاروں میں سے ہے۔''

ابن منظور لکھتے ہیں: ''کسی ایک معاملہ پر اتفاق کرنے والی جماعت اور قوم کو شیعہ کہا جاتا ہے، اس طرح ہر قوم جو کسی مخصوص معاملے پر اکٹھا ہو جائے اس پر شیعہ کا اطلاق ہوتا ہے، البتہ علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے اہل بیت سے اظہار ولایت و محبت کرنے والوں پر اس نام کا غلبہ حاصل رہا۔'' [1]

محمد بن اسحاق کہتے ہیں: جب طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کیا اور علی رضی اللہ عنہ ان دونوں سے جنگ کے لیے نکلے اس موقع پر جن لوگوں نے آپ کا ساتھ دیا انھیں شیعہ کہا جاتا ہے، چناں چہ ایسا کہتے تھے کہ ''شیعتی'' یہ میرے شیعہ ہیں۔ [2]

شیعہ مصنف نوبختی لکھتا ہے: ''علی بن ابی طالب علیہ السلام کے موید گروہ کو شیعہ کہا جاتا ہے۔ وہ شیعان علی کے نام سے موسوم ہیں۔'' [3]

مغنیہ کا قول ہے: ''جو علی سے محبت کرے اور ان کی اتباع کا دم بھرے وہ شیعہ ہے۔'' [4]

واضح رہے کہ شروع اسلام میں یہ لفظ صرف اپنے اصلی لغوی معنوں میں ہی مستعمل تھا، اور اس کا استعمال حکومتوں اور حکام سے متعلقہ بعض مسائل میں سیاسی پارٹیوں اور باہم متعارض جماعتوں کے لیے ہوتا تھا، دریں پس منظر ایک طرف معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت تھی اور دوسری طرف علی رضی اللہ عنہ کی، اور دونوں میں ابتداء نقطہ نظر کا اختلاف تھا جس نے بعد میں سیاسی رنگ پکڑ لیا، یعنی دونوں جماعتوں میں کوئی دینی اختلاف نہ تھا کہ کفر اور اسلام کا مسئلہ رہا ہو۔

علامہ ابن الاثیر لکھتے ہیں:

''شیعہ کا اصل معنی لوگوں کا ایک گروہ، اس لفظ کا اطلاق واحد، تثنیہ، جمع، مذکر اور مونث سب کے لیے ہوتا ہے۔ پھر علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے آل بیت سے اظہار ولایت و محبت کرنے والوں کے لیے یہ لفظ اتنی کثرت سے استعمال ہونے لگا کہ یہی اس گروہ کی پہچان بن گیا، پس اگر کہا جاتا کہ ''فلان من الشیعۃ'' تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اسی گروہ کا ایک فرد ہے۔ یا اسی طرح جب کہا جاتا ہے کہ شیعہ مذہب میں اس طرح ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اس گروہ کا عقیدہ یہ ہے۔ اس

---

[1] لسان العرب/ ابن منظور (۸/ ۱۸۸)
[2] الفہرست/ ابن ندیم (۲۳۹) [3] فرق الشیعہ ص (۳۹)
[4] الشیعہ فی المیزان (۱۷۔۱۹) الشیعہ و اھل البیت / احسان الٰھی ۲۱-۲۳)

لفظ کی جمع ''الشیع'' ہے۔کلمہ ''مشایعۃ'' سے مستنبط ہے،جس کا معنی اطاعت ومتابعت کرنا ہے۔ [1]
جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عہد نبوت میں یہ لفظ اسی اصطلاحی معنی میں موجود تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی شیعہ اور شیعیت کا وجود تھا، یہ بالکل بے بنیاد بات ہے اس کی کوئی دلیل اور ثبوت نہیں ہے۔'' [2]

ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ محبت علی، ان کے ساتھ جنگ میں شرکت اور فضیلتِ آل بیت کے معنوں میں تشیع پہلی صدی ہجری کے نصف اول میں موجود تھا، اس میں کسی بھی سنی مورخ کا اختلاف نہیں، چناں چہ امام ذہبی فرماتے ہیں: سارے مسلمان امت واحدہ کی شکل میں تھے، اور ابوبکر وعمر کی خلافت میں ان کا دین قائم و ثابت تھا، لیکن جب فتنہ وفساد کے دروازے کا تالا ٹوٹ گیا اور اس کے دونوں پٹ کھل گئے، یعنی عمر رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے تو شر وفساد کے ٹھیکیدار عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ آپ نے مظلومیت وشہادت کی موت پائی، پھر امت مسلمہ کا اتحاد ٹوٹ گیا اور یکے بعد دیگرے جنگ جمل اور جنگ صفین جیسے معرکے وجود میں آئے۔ [3]

معرکۂ صفین کے بعد لوگ کئی گروہوں میں تقسیم ہوگئے، ایک جماعت تو اہل سنت کی تھی، کہ وہی حقیقی اہل علم اور محبین صحابہ تھے، مشاجرات صحابہ میں حصہ لینے سے لوگوں کو روکتے تھے، ان میں سعد بن ابی وقاص، ابن عمر، محمد بن مسلمہ اور ان جیسے بہت سارے لوگ پیش پیش تھے۔ انھیں کے بالمقابل ایک دوسرا گروہ شیعہ لوگوں کا تھا جو حب علی کے دعویدار تھے اور علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے والوں کو برا بھلا کہتے تھے، بلکہ مخالفین کو ظالم اور باغی قرار دیتے تھے۔ پھر ایک تیسری جماعت نواصب کی تھی جنھوں نے علی رضی اللہ عنہ کی سبقت الی الاسلام کا اقرار کرتے ہوئے جنگ صفین میں ان سے جنگ کیا تھا، اور کہتے تھے کہ انھوں نے ہی خلیفہ ثالث عثمان رضی اللہ عنہ کو رسوا کیا، مختصر یہ کہ بایں ہمہ اس دور کا کوئی شیعی ہم کو ایسا نظر نہیں آتا جس نے معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کی تکفیر کیا ہو، یا ناصبی ہو اور اس نے علی رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ کی تکفیر کی ہو، زیادہ سے زیادہ یہ لوگ سب وشتم اور بغض ونفرت کا شکار ہوئے۔ [4]

شروع شروع میں اہل شام کے بالمقابل اہل عراق مجموعی طور پر شیعان علی تھے، جب کہ اہل شام شیعان معاویہ تھے، اور اہل عراق کا تشیع اس تصور سے متجاوز نہ تھا کہ مغلوبہ ریاست عراق اور خاص کر کوفہ کی جانب

---

[1] النہایة فی غریب الحدیث/ ابن الاثیر (۲/ ۲٤٤)
[2] الشیعہ والتشیع ص (۱۹)
[3] سیر اعلام النبلاء/ الذہبی (۱۱/ ۲۳٦)
[4] سیر اعلام النبلاء/ الذہبی (۵/ ۳۷٤)

سے بنوامیہ کے تئیں اس کا رویہ معاندانہ رہے۔ ❶ پھر جب علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوگئی اور حسن و معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصالحت کے نتیجہ میں اہل کوفہ اموی حکومت و اقتدار کے آگے جھکنے کے لیے مجبور کیے گئے تو محبان علی کے سینے بنوامیہ کے تئیں بغض ونفرت سے بھر گئے، لیکن ان میں اس نفرت کے اظہار کی سکت نہ تھی، پر وہ علوی گھرانے کی حمایت و تائید اور ان کے حق میں خلافت کی دعویداری پر باقی رہے، اور حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت سے دستبرداری انھیں منظور نہ رہی، بلکہ ان کی موت سے انھیں کسی حد تک راحت وخوشی میسر ہوئی۔

اس طرح کوفہ میں اُس گروہ کی اہمیت بڑھ گئی جواب تک پس پردہ تھا، ادھر کوفیوں کی جذباتی کیفیت اور شورش زدہ ماحول کو سبائیوں نے اپنے افکار ونظریات کی اشاعت کے لیے خوب مناسب سمجھا، پس ایسے وقت میں جب کہ بنوامیہ اور اہل شام کے خلاف کوفیوں میں بغض و نفرت کی آگ بھڑک رہی تھی، جیسا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا تاثر رہا کہ انھوں نے بظاہر ایسی اطاعت اختیار کی ہے جس کے نتیجے میں حقد و عداوت کے انگارے ہیں، اور ان کے دل و رجحانات علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹوں کے ساتھ تھے۔ ان حالات میں سبائی افکار ونظریات کا ان میں سرایت کر جانا بہت آسان ہو چکا تھا، اسی لیے سبائیوں کو اپنے مقصد تک پہنچنے میں کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا، اور بڑی آسانی سے اپنے منحرف افکار سے اہل کوفہ کو مطمئن کر لے گئے، اسی وجہ سے تاریخ کے اس مرحلہ سے ہمیں ایک خطرناک اعتقادی انحراف دیکھنے کو ملتا ہے جس نے وقت اول میں اپنے پر پرزے نکالے پھر اعلانیہ طور پر وہ سامنے آیا۔ آئندہ سطور کی میری تحریروں سے میری اس بات کی بہت حد تک تائید ہوسکتی ہے۔

واضح رہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہی سے آپ کی طرف جھوٹی باتوں کا انتساب شروع ہوگیا تھا، مزید برآں آپ رضی اللہ عنہ کے فیصلے ان زندیقوں کے ہاتھ لگ گئے، پھر تو انھیں گل کھلانے کا اچھا موقع ہاتھ لگ گیا، انھوں نے ان فیصلوں میں اس انداز پر تحریف کیا کہ جس سے ان کے فاسد و باطل افکار کی تائید ہو سکے، چناں چہ ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس لکھا: کہ مجھے ایک کتاب لکھ دیں اور (باعث اختلاف) چیزوں کو مجھ سے چھپا لیں، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لڑکا اچھی نصیحت والا ہے، میں اس کے لیے کچھ چیزیں منتخب کروں گا اور (جو چھپانے کے لائق ہیں) چھپا لوں گا۔ پھر آپ نے علی رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کو منگوایا، ان میں سے کچھ باتیں لکھنے لگے، اور بعض فیصلوں کو دیکھ کر کہتے تھے: اللہ کی قسم علی رضی اللہ عنہ نے ایسا فیصلہ نہیں کیا، اگر ایسا کیا ہو تو وہ بھٹک گئے۔ ❷

---

❶ تاریخ الدول العربية/ فلهاوزن ص (٦٣)

❷ صحيح مسلم بشرح النووی (١/ ٨٢)

طاؤس سے روایت ہے: کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس علی رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کی کتاب آئی، آپ نے سب کو مٹا دیا، مگر ایک ہاتھ کے برابر رہنے دیا۔ ❶

ابواسحاق کا کہنا ہے: کہ جب لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کے بعد ان بدعتوں کو ایجاد کر لیا تو علی رضی اللہ عنہ کے ایک رفیق کہنے لگے: "قاتلهم الله اى علم افسدوا" اللہ ان کو تباہ و برباد کرے کیسے علم کو بگاڑ دیا۔ امام نووی رحمہ اللہ اس عبارت کی تشریح یوں فرماتے ہیں: علی رضی اللہ عنہ کے ان رفیق کا مقصد شیعہ و روافض کی ان کذب بیانیوں کا افشا تھا جنھیں ان لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کے علم اور ان کی حدیثوں کا حصہ بنا دیا تھا، اور بے شمار اباطیل و مناکیر کو ان کی طرف غلط منسوب کر دیا تھا، لاتعداد اور مختلف فیہ اقوال و روایات کو علی رضی اللہ عنہ کی باتوں میں اپنی طرف سے شامل کر دیا تھا، اور حق و باطل کو ایسا گڈ مڈ کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی صحیح باتوں کی تمیز مشکل ہوگئی۔ ❷

کوفہ میں جھوٹی روایات کی اس گرم بازاری کی وجہ سے محدثین نے ان روایاتِ حدیث کی قبولیت میں انتہائی احتیاط سے کام لیا جو سنداً علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی تھیں، نیز انھوں نے علی رضی اللہ عنہ سے صرف اصحاب ابن مسعود کی روایتوں کو صحیح اور مقبول قرار دیا ہے بقیہ کو شک و تردد سے دائرہ میں رکھا ہے۔ ❸

اس باب میں صفحات تاریخ کی ورق گردانی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن سبا کے ہم خیالوں اور متبعین کے لیے کوفی معاشرہ کافی زرخیز و ہموار ثابت ہوا، اور ان کے خیالات و رجحانات پھیلنے لگے، بلا کسی خوف و خطر کے سبائی افکار کو ایسی صراحت کے ساتھ بیان کیا جانے لگا جیسے وہ ایک عام بات ہو۔

چناں چہ دیکھیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: "متى يبعث ذلك الرجل" وہ آدمی کب مبعوث کیا جائے گا؟ ابن عباس نے پوچھا کون سا آدمی؟ اس نے کہا: علی، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ اس وقت تک مبعوث نہیں ہوگا جب تک کہ اللہ تعالیٰ قبر کے تمام انسانوں کو قبر سے نہیں اٹھائے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر وہ کہنے لگا: آپ بھی وہی کہہ رہے ہیں جو عام احمق اور جاہل لوگ کہہ رہے ہیں۔ پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے اپنے گھر سے نکال دینے کا حکم دیا۔ ❹

اور عمران بن ابوعاصم نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کہا: شیعہ لوگوں کا گمان ہے کہ علی رضی اللہ عنہ روز قیامت سے پہلے مبعوث کیے جائیں گے، تو حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

❶ صحيح مسلم بشرح النووى (١/ ٨٣)

❷ صحيح مسلم بشرح النووى (١/ ٨٣)

❸ صحيح مسلم بشرح النووى (١/ ٨٣)

❹ المصنف/ ابن ابى شيبة، كتاب العراء (١/ ٩٠٨) بسند صحيح، تاريخ دمشق/ ابن عساكر (٦/ ق٥٠٣) العقد الفريد (٢/ ٤٠٨)

((كذبوا والله ، لو علمنا انه مبعوث ما زوجنا نساء ه و لا قسمنا ماله .)) [1]

''اللہ کی قسم وہ جھوٹ کہہ رہے ہیں، اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ وہ مبعوث ہوں گے تو ہم ان کی بیویوں کی شادی نہ کرتے اور نہ ان کا مال میراث تقسیم کرتے۔''

بنا بریں واجب ہے کہ شیعہ کہی جانے والی ان اعتقادات کی حامل قوم جو کہ بلا تردد سبائی افکار ونظریات کی ترجمان ہے اس میں اور صحابہ ومحدثین کی پاکیزہ جماعت کے وہ چنندہ افراد جن پر لفظ ''شیعہ'' کا اطلاق ہوتا ہے دونوں میں فرق کرنا ہمارے لیے واجب وضروری ہے، کیوں کہ تاریخ کے اس دور میں ان مسمیات (ناموں) کی نوعیت واضح نہ تھی، یہی وجہ تھی کہ ہر وہ شخص جو عثمان رضی اللہ عنہ کی تنقیص کیے بغیر ان پر علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا معتقد تھا اسے شیعی کہا جاتا تھا، بالکل اسی طرح جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علی رضی اللہ عنہ کے وصی ہونے کا عقیدہ رکھتا تھا، یا اس کا یہ عقیدہ تھا کہ ابوبکر وعمر نے خلافت کو غصب کرلیا۔ یا ان دونوں سے بغض رکھتا اور ان پر لعنتیں بھیجتا، یا تمام صحابہ کرام سے تبرّا بازی کرتا، یا اس کے علاوہ آج کے دیگر شیعی عقائد رکھتا، اسے بھی شیعی کہا جاتا تھا، شیعہ کے ساتھ روافض کا اطلاق بعد میں نسبتاً کافی تاخیر سے زید [2] بن علی بن حسین کے دور سے ہوا۔

پھر جب مختلف فنون میں تصنیفات کی کثرت ہوتی تو علمائے اسلام نے کافی دقت نظری اور باریک بینی سے ان ناموں کی تحدید کیا، اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ فرقوں کی تاریخ میں سبائیت اور اس کے عقائد، شیعہ اور اس کے عقائد کا الگ الگ تذکرہ ملے گا، اور اصل فرقہ کے اعتبار سے ''روافض' کا نام تمام تر فرقوں کو شامل ہوگا، پس مسمیات کے اس پس منظر میں بہت سارے علمائے اسلام حتی کہ سلیمان بن صُرد الخزاعی، اور حجر بن عدی جیسے بعض صحابہ کی طرف شیعیت کی نسبت کی حقیقیت یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی بیٹوں سے ان کی شدید محبت، یا عثمان رضی اللہ عنہ پر ان کی افضلیت کی وجہ سے انھیں شیعہ کہا گیا ہے، حالاں کہ عثمان رضی اللہ عنہ پر ان کی افضیلت کا یہ رجحان ان کے شبہات کا نتیجہ تھا، اور اپنے اجتہاد میں انھیں حق تک رسائی نہیں ہوسکی، معاذ اللہ ان کے بارے میں یہ نہیں سوچا جاسکتا کہ وہ بھی روافض کی طرح برے عقائد رکھتے تھے، اسی وجہ سے محدثین کی کتابوں

---

[1] ابن سعد (ط ٥/ ٢٦٥) اس کی سند میں ضعف ہے، اس لیے کہ زہیر بن معاویہ نے ابواسحاق سے اختلاط کے بعد سماع کیا ہے۔ المعجم الكبير (١/ ٢٦) اس کی سند حسن ہے۔ مجمع الزوائد (١٠/ ٢٢) اس کی سند حسن ہے۔ سیر اعلام النبلاء (٣/ ١٦٣)

[2] آپ ابوالحسین المدنی زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہیں، ثقہ ہیں، طبقہ رابعہ سے آپ کا تعلق ہے۔ زیدیہ فرقے کی نسبت آپ ہی کی طرف ہے۔ ہشام بن عبدالملک کے عہد حکومت میں ان کے خلاف علم بغاوت بلند ہوا، جس کے نتیجے میں کوفہ میں ۱۲۲ھ میں قتل کر دیئے گئے۔ ۸۰ھ میں پیدائش ہوئی، تقريب التهذيب (٢٢٤)

میں ہمیں ان راویوں کی سندوں سے حدیثیں ملتی ہیں جو تشیع سے متہم کیے گئے۔ (1) ورنہ یہ ناممکنات میں سے ہے کہ بخاری، مسلم اور کتب سنن و مسانید کے مصنفین کسی رافضی کی حدیث اخذ کریں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان راویوں پر جس تشیع کا اطلاق ہوتا ہے اس کا مذہب رفض اور اس کے ارتقاء سے کوئی نسبت نہیں۔ کوفہ میں شیعہ مذہب نے جس تیزی سے ارتقائی منزلیں طے کی ہیں ان کی اس سے بڑی دلیل کوئی نہیں ہوسکتی جسے ابواسحاق السبیعی الکوفی (2) نے ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: جس وقت میں کوفہ سے گیا تھا اس وقت ابوبکر و عمر کی افضلیت اور خلافت میں ان کے تقدم پر کوئی شک نہیں کرتا تھا، اور آج جب میں واپس آیا ہوں تو انھیں یہ کہتے دیکھ رہا ہوں کہ "ولا و اللہ ما ادری ما یقولون......" (3)

ابوداوٗد طیالسی اس دور کے کوفی راویوں کی عکاسی اس طرح کرتے ہیں: میں نے کوفہ کے جس راوی سے بھی حدیث لیا ہے وہ ابوبکر و عمر کو علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا تھا۔ (4)

لیث بن ابی اسلم کہتے ہیں: جن اوائل شیعہ سے میری ملاقات ہے وہ سب کے سب ابوبکر و عمر پر کسی کو فضیلت نہیں دیتے تھے۔ (5)

قفطی، یحییٰ بن یعمر العدوانی کی سوانح میں لکھتے ہیں: ''وہ شیعہ تھا، ان اوائل شیعہ میں سے جو اہل بیت کی فضیلت کے قائل تھے۔'' (6)

ابن عبدربہ فرماتے ہیں: شیعہ انھیں کہا جاتا ہے جو علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں، اور ابوبکر و عمر سے عقیدت و احترام کے قائل ہیں۔ (7)

لیکن بعض اشخاص کے اعتقادی رجحان و تشدد کو دیکھتے ہوئے کچھ ائمہ نے شیعہ یا رافضی کا لفظ استعمال کرنے میں تشدد سے کام لیا ہے، چناں چہ حسن بن علی البربہاری فرماتے ہیں: طعمہ بن عمرو اور سفیان بن عیینہ نے فرمایا: جس نے عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے سلسلہ میں توقف کیا وہ شیعی ہے، اس کی تعدیل نہیں کی جائے گی، نہ ہی

---

(1) ایسے راویوں کی فہرست دیکھنے کے لیے د/ محمد مصطفی اعظمی کی کتاب منہج النقد عند المحدثین ص (۳۴، ۳۵) کا مطالعہ کریں۔

(2) آپ کا نام عمرو بن عبداللہ بن عبید بن ابی شعیرۃ الہمدانی ابواسحاق السبیعی ہے، خلافت عثمانی کے جب دو سال بچے تھے تب آپ کی ولادت ہوئی، ثقہ اور عبادت گزار تھے، تیسرے طبقہ سے تعلق تھا، آخری عمر میں اختلاط حافظہ ہوگیا تھا۔ ۱۲۹ھ میں وفات ہوئی۔ التقریب (۲۲۳)

(3) المنتقیٰ من منہاج الاعتدال/ الذہبی ص (۳۶۰)

(4) المعجم/ ابن الاعرابی (۱/ ۳۳۰) اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(5) المنتقیٰ من منہاج الاعتدال/ الذہبی ص (۳۶۰، ۳۶۱)

(6) انباہ الرواۃ/ القفطی (۲/ ۲۵)

(7) العقد الفرید (۲/ ۴۰۴)

اس سے گفتگو جائز ہے، اور نہ ہی مجالست، اور جس نے علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم کیا وہ رافضی ہے اس نے اصحاب رسول کی ترجیح کو پھینک دیا، اور جس نے چاروں خلفائے راشدین کو بقیہ تمام صحابہ پر مقدم رکھا اور بقیہ صحابہ کے لیے رحمت کی دعائیں کیں وہ راہ ہدایت اور طریق استقامت پر ہے۔ ❶

یزید بن ہارون الواسطی اس بات میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ افضلیت میں علی کو عثمان پر مقدم کیا جائے، لیکن امام احمد نے اس پر نکیر کیا اور کہا: اہل واسط شیعیت کے قائل ہیں۔ ❷

اہل کوفہ علی رضی اللہ عنہ کو عثمان پر فضیلت دیتے تھے، اسی لیے امام احمد نے فرمایا: اگر کسی سنی کوفی سے تمھاری ملاقات ہو جائے تو سمجھو وہ سب میں اچھا ہے۔ ❸

امام ذہبی رحمہ اللہ نے حاکم کے بارے میں عبداللہ بن محمد انصاری کے قول کہ وہ خبیث رافضی تھے، کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: وہ رافضی نہیں ہیں، بلکہ شیعی ہیں، پورے یقین و ایمان سے وہ شیخین اور ذوالنورین کی تعظیم کرتے تھے، انھوں نے معاویہ کے بارے میں زبان کھول دی اس لیے معتوب ہوئے۔ ❹

دراصل سبائی عقائد اپنے روز اول ہی سے تشیع کے دوش بدوش چل رہے تھے، لیکن اصحاب رسول کو سب وشتم کرنا اور ابوبکر وعمر سے تبرّا کرنا شیعہ قوم کے نزدیک ایک عام بات ہوگئی، اور بعد کے ادوار میں یہی کوفہ رافضی مذہب کا مرکز بن گیا۔ ❺ ابن حبان رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل فرماتے ہیں کہ انھوں نے کہا اے لڑکے! اصحاب نبی کو ہرگز سب وشتم نہ کرنا کہ انھیں سب وشتم کرنا فقر کا سبب ہے۔ ❻

محمد بن الحنفیہ شیعہ قوم کے بارے میں کہتے ہیں:

''ہم ان لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتے جن کا شیوہ ہی لعنت کرنا اور ہتک وتنقیص کرنا ہے، اور نہ انھیں کو پسند کرتے ہیں جو تقدیر کے بارے میں عجلت پسندی کرتے ہیں۔'' ❼

---

❶ شرح السنة/ البربهاری ص (٥٨) ❷ السنه/ الخلال ص (٣٩٤)

❸ السنه/ الخلال ص (٣٩٢) ❹ معجم الشیوخ (المعجم الکبیر) (٢/ ٢٨١)

❺ ابن الجوزی نے المنتظم (٨/ ١٤٣) میں ایک واقعہ لکھا ہے جس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح کوفہ مذہب رافضیت کے لیے اوڑھنا بچھونا ثابت ہوا۔ اور وہاں کسی اہل سنت کو اپنے عقیدہ کی اظہار کی جرات نہ ہوئی، ورنہ اس کی سزا قتل تھی، چناں چہ محمد بن علی الصوری ت (۴۴۱) کی سوانح میں لکھتے ہیں: انھوں نے کوفہ میں سنت کا اظہار کیا ابوبکر وعمر پر دعائے رحمت ومغفرت فرماتے، جس سے اہل کوفہ اس قدر نالاں تھے کہ انھیں قتل کرنے کے درپے تھے، آپ نے ابوطالب بن عمر علوی کے پاس بھاگ کر جان بچائی، وہ بھی صحابہ کو سب وشتم کرتا تھا، لیکن اِن کو پناہ دیا۔ اور کہا: میرے پاس روزانہ آیا کرو اور فضائل صحابہ کے بارے میں تمھیں جو کچھ معلوم ہے مجھ سے بتاؤ، چناں چہ آپ نے اسے وہ روایتیں سنائیں اور ابوطالب تائب ہوگئے، اور کہا: میں آج تک کی چالیس سالہ زندگی میں صحابہ کو گالیاں ہی دیتا رہا، اب چاہتا ہوں کہ اس طرح زندگی پاؤں اور انھیں خیر کے ساتھ یاد کرلوں۔

❻ الثقات (٨/ ٣) ❼ المصنف/ ابن ابی شیبة (١١/ ١٠٣، ١٠٤)

اسی طرح علی بن حسین رحمہ اللہ نے کوفیوں کی اس جماعت کو اپنے پاس سے بھگا دیا جس کے بارے میں آپ کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ ابوبکر وعمر کو گالیاں دیتے ہیں۔ ❶ بہرحال اہل تشیع کی یہ قبیح و رذیل حرکتیں اسی پر بس نہ ہوئیں بلکہ معاملہ اس سے بھی خطرناک اقدام کی طرف بڑھ گیا یعنی انھوں نے اپنے فاسد و باطل مذہب کی تائید میں حدیثیں گھڑنے کی مہم شروع کر دیا، اور انھیں آل بیت کی طرف منسوب کرنے لگے۔ آگے چل کر اس تحریک نے بھیانک رخ اختیار کر لیا، جس کے نتیجہ میں خود آل بیت نے ان سے دامن جھاڑ لیا، اور اپنی طرف من گھڑت روایات سے انکار کرنے لگے۔

مسعود بن مالک کا بیان ہے کہ علی بن حسین نے عراق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا: یہ لوگ جس سے ہمیں متہم کرتے ہیں اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ ❷

اور ایک دیگر موقع پر آپ نے فرمایا: اے عراقیوں کی جماعت! کوفیوں کی جماعت! ہم سے اسلامی اصولوں کے دائرے میں محبت کرو، ہمیں ہمارے حق و مرتبہ سے اوپر نہ اٹھاؤ۔ ❸

اسی طرح جب علی بن حسین رحمہما اللہ نے دیکھا کہ ہماری طرف اہل کوفہ کی دروغ گوئیاں بڑھتی جا رہی ہیں اور ان کی خیانت و افترا پردازیوں کے نتیجہ میں اپنے باپ و دادا کو پیش آنے والی مصائب و مشکلات کو یاد کیا تو انھیں مخاطب کر کے کہا: اے عراقیو! مجھ سے دائرہ اسلام میں رہتے ہوئے محبت کرو، ہمارے بارے میں تمھاری محبت اس حد تک پہنچ گئی ہے جو ہمارے لیے باعث شرم و عار ہے، اور تم نے ہمیں لوگوں کی نگاہ میں مبغوض کر دیا ہے۔ ❹

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت کی تقدس و احترام میں مبالغہ آمیزی اس ابتدائی دور میں شیعیت کی امتیازی علامت بن چکی تھی، عبداللہ بن موہب کا بیان ہے کہ علی بن حسین رحمہما اللہ کے پاس ایک جماعت آئی اور وہ آپ کی تعریف میں لگ گئے، یہ سن کر آپ خفا ہوئے اور کہنے لگے: تم کتنے جھوٹے ہو، اللہ کی نافرمانی میں تم کتنے جری ہو، بس ہم اپنی قوم کے نیکو میں سے ہیں، اور یہی ہمارے لیے کافی ہے۔ ❺ حافظ ابویعلی الخلیلی اپنی کتاب "الارشاد" میں لکھتے ہیں: میں نے فضائل علی وآل بیت کے بارے میں کوفیوں کی

---

❶ ابن عساکر (١٢/ ق٤٤) ❷ ابن سعد (٥/ ٢١٦) بسند صحیح۔

❸ ابن سعد (٥/ ٢١٦) حلیة الاولیاء/ ابونعیم (٣/ ١٣٧)

❹ ابن سعد (٥/ ٣١٤) السنة/ الخلال (٥٠٠) بسند صحیح۔ الذریة الطاهرة/ الدولابی (٨٩-٩٠) باسناد حسن۔ الطبرانی (٣/ ٣٨، ٣٩) امام ہیثمی نے مجمع الزوائد (٩/٢١) میں لکھا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے۔ المستدرک (٣/١٧٩) حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

❺ ابن سعد (٥/ ٣١٤) باسناد (لا باس به) ابن عساکر (١٢/ ق٤٤) بسند ابن سعد وابونعیم

من گھڑت روایتوں پر غور کیا تو وہ تین لاکھ روایتوں سے متجاوز تھیں۔ ❶

ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فضائل علی کے بارے میں روافض کی وضع کردہ روایتیں اتنی ہیں جنھیں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ❷

حب علی اور آل بیت کی عقیدت و محبت میں غلو اور بے قید تقدس کی طرح تقیہ کا مسئلہ بھی اس وقت شیعوں کے نمایاں عقائد کا ایک حصہ تھا اسی لیے مسلمانوں کے ساتھ آل بیت کے کارناموں، اور مسلم امراء کے ساتھ ان کے تعلقات کی تشریح شیعہ قوم نے تقیہ سے کی ہے، حالاں کہ یہ تشریح یکسر خلاف حقیقت ہے، چناں چہ ابوجعفر الباقر ❸ بعض شیعہ سے کہتے تھے: ہم مسلم امراء کے پیچھے بلا تقیہ کے نماز پڑھتے ہیں اور گواہ ہوں کہ علی بن حسین ان کے پیچھے بلا کسی تقیہ کے نماز پڑھتے تھے۔ ❹

پس ان تفصیلات سے ہم بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ شیعی عقائد کتنی تیزی سے ارتقائی منازل طے کر رہے تھے، اور اس وقت وہ کس حد تک پہنچ چکے تھے، دراصل اس تیز رو تحریک کے پس پردہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف حقد و حسد سے بھرپور ہاتھ کام کر رہے تھے جنھوں نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے دروغ گوئی اور حب آل بیت کے نعرہ کو بطور ہتھیار استعمال کیا تھا، اسی لیے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے اہل بدعت سے زیادہ جھوٹا دعویدار اور روافض سے بڑھ کر جھوٹا گواہ کسی کو نہیں دیکھا۔ ❺

اور امام شعبی رحمہ اللہ روافض کے بارے میں فرماتے ہیں: ''اگر میں چاہوں کہ ان کی تائید میں علی رضی اللہ عنہ پر ایک جھوٹ گھڑنے کے عوض ان کی گردنوں کو غلام بنالوں، اور وہ میرے گھروں کو سونے سے بھر دیں تو وہ میری اس خواہش کو بخوشی قبول کر لیں گے، میں نے بدعتیوں اور نفس پرستوں کی پوری تاریخ پڑھی ہے جس میں روافض سے احمق مجھے کوئی قوم نہ ملی، اگر وہ جانوروں کی نسل سے ہوتے تو گدھے ہوتے، اور اگر چڑیوں کی نسل سے ہوتے تو گدھ بنائے جاتے۔'' ❻

---

❶ الارشاد (١/ ٤٢٠)

❷ المنار المنیف / ابن القیم ص (١١٦)

❸ محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہیں ابوجعفر الباقر کے نام سے مشہور ہیں ثقہ اور فاضل ہیں چوتھے طبقہ کے ہیں۔ ۱۱۰ھ کے لگ بھگ وفات ہوئی۔ التقریب (٤٩٧)

❹ طبقات ابن سعد (٥/ ٢١٣) بسند لا باس به۔

❺ الابانة عن شريعة الفرق الناجية/ ابن بطه (٢/ ٥٤٥) السنن الكبرىٰ/ بيهقى (١٠/ ٢٠٨) مناقب الشافعى/ بيهقى (١/ ٤٦٨) شرح اصول اعتقاد اهل السنة (٧/ ١٤٥٧)

❻ العقد الفريد (٢/ ٤٠٩) شرح اصول اعتقاد و اهل السنة (٥/ ١٤٦١) السنة/ الخلال ص (٤٩٦) المعجم/ ابن الاعرابى (٢/ ٢٦)

اور مامون کا قول ہے: ''میں نے چار عادتیں چار لوگوں میں بھر پور پائیں، زہد معتزلہ میں، جھوٹ روافض میں، مروت اصحاب حدیث میں، اور منصب و کرسی کی محبت اہل رائے میں۔'' ❶

قاسم بن سلام کا بیان ہے: ''میں لوگوں کے ساتھ رہا ہوں اور اہل کلام سے بات چیت کی ہے، لیکن روافض سے زیادہ احمق، کمزور دلیل والا ناپاک اور گندا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔'' ❷

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''روافض اپنی جہالت وغباوت کی وجہ سے اچھی طرح سے کوئی دلیل نہیں پکڑ سکتے، نہ ایسا جھوٹ ہی کہہ پاتے ہیں جو ان کے لیے مفید ہو سکے۔'' ❸

نیز ایک جگہ فرماتے ہیں: ''فرقوں اور گروہوں میں سب سے کم عقل، ناقص دین والی، اور بڑی جاہل شیعہ قوم ہے۔'' ❹

اور ایک جگہ لکھتے ہیں: ''روافض اپنی بے پناہ جہالت کی وجہ سے ایسا جھوٹ بولتے ہیں جسے معمولی علم رکھنے والا آدمی بھی پکڑ لے۔'' ❺

پس عقیدہ رفض و تشیع جو کہ اسلام کی بیخ کنی اور اس کے احکام و شرائع کے ابطال و خاتمہ کے لیے استعمال ہوا، علمائے اسلام نے اس سے بہت ڈرایا، اور اس سے دور رہنے کی تلقین کرتے رہے اور کہتے رہے کہ یہ عقیدہ زندیقیت کا دروازہ کھولتا ہے جیسا کہ قاضی ابوبکر بن الطیب نے باطنیہ کی حقیقت اور اس کے ذریعہ دین اسلام میں بگاڑ کی نشاندھی کرتے ہوئے فرمایا: باطنیہ نے اپنے داعی کو نصیحت کیا کہ اگر تمھارا مدعو مسلمان ہو تو تم پر واجب ہے کہ اسے دعوت دیتے ہوئے مذہب تشیع کو اپنا دین اور شعار بنا لو، اور مولا علی پر صحابہ کے ظلم، نیز قتل حسین جیسے حوادث کے تذکرے سے اپنی دعوت کا آغاز کرو، قبیلہ تمیم و عدی اور بنوامیہ و بنو عباس سے تبرا کرو، نیز بتاؤ کہ علی عالم الغیب ہیں، تخلیق دنیا کی ذمہ داری انھیں کے حوالے ہے، پس اگر بعض شیعہ کو دعوت دیتے ہوئے تمھیں امید بندھ جائے کہ وہ تمھاری بات مان لے گا اور راہ راست پر آ جائے گا تو اسے علی اور ان کی اولاد کی خامیوں اور نقائص سے واقف کراؤ۔ ❻

علاوہ ازیں ان کے عقائد باطلہ کی ایک طویل فہرست ہے، جنھیں اگر آپ غور سے پڑھیں اور ان کا یہودی عقائد سے موازنہ کریں تو یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی دونوں میں کافی مشابہتیں پائی جاتی ہیں، اور یہ بات بہت حد تک یقینی ہو جاتی ہے کہ سبائی قوم ہی عقائد روافض کی اصل محرک ہے، انھوں نے ہی اس میں

---

❶ سمط النجوم العوالی/ العصام (۲/ ۲٦) ❷ السنة/ الخلال ص (٤٩٩)
❸ منهاج السنة ❹ منهاج السنة (٦/ ٦٣)
❺ منهاج السنة (٦/ ٣٤٢) ❻ منهاج السنة (٢/ ٢٧٦)

خوب رنگ بھرا ہے، جومختلف مراحل سے گزرتا ہوا اِس وقت موجودہ حالات میں موجود ہے۔ امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: روافض اس امت کے یہودی ہیں، انھیں اسلام سے ایسے ہی بغض ہے جیسے یہود کو نصرانیت سے، وہ اسلام میں اللہ کے خوف یا اس کی رضا کی خاطر نہیں داخل ہوئے ہیں بلکہ مسلمانوں سے جلن اور ان کی بغاوت کی خاطر اسلام کا چولا پہنا ہے۔ روافض اور یہود کی آزمائشیں یکساں ہیں۔

یہود نے کہا کہ حکومت واقتدار صرف آل داؤد کا حق ہے تو روافض نے کہا کہ حکومت واقتدار صرف آل ابوطالب کے لیے ہے۔ یہود نے کہا کہ جب تک مسیح منتظر (دجال) کا خروج نہ ہوگا اور آسمان سے ندا دینے والا ندا نہ دے گا تب تک جہاد فرض نہیں ہے۔ تو روافض نے کہا: جب تک مہدی خروج نہیں کریں گے اور آسمان سے سبب کا نزول نہ ہوگا تب تک جہاد فی سبیل اللہ فرض نہیں ہے۔ یہود مغرب کی نماز اس وقت تک موخر کرتے ہیں جب تک ستارے گھنے نہ ہو جائیں بالکل یہی طرز عمل روافض کا ہے۔ یہود ہر مسلمان کا خون حلال سمجھتے ہیں اور روافض بھی ایسے ہی ہیں۔ یہود نے توریت میں تحریف کر دیا اور روافض نے قرآن میں۔ یہود جبریل علیہ السلام سے بغض رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ فرشتوں میں ہمارا دشمن ہے اور روافض بھی یہی کہتے ہیں کہ جبریل نے علی بن ابوطالب کو چھوڑ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح وحی کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ یہود اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے، روافض بھی اسی طرح ہیں، بلکہ دو چیزوں میں یہود اور نصاری روافض سے کہیں بہتر ہیں، یہود سے پوچھا گیا کہ تمھارے مذہب والوں میں سب سے بہتر کون لوگ ہیں تو انھوں نے کہا: موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی۔ اور نصاری سے بھی یہی پوچھا گیا: تو انھوں نے کہا: عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھی۔ جب کہ روافض سے پوچھا گیا کہ تمھارے مذہب والوں میں سب سے برے کون لوگ ہیں؟ تو انھوں نے کہا: محمد کے صحابہ۔ اللہ نے انھیں حکم دیا تھا کہ ان کے لیے استغفار کریں لیکن انھوں نے ان پر سب وشتم کیا...... جب جب انھوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی اللہ نے اسے بجھا دیا۔ [1]

ولہوسن مستشرق نے اپنی تحقیق میں تاکیدی طور پر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ شیعی عقیدہ یہودیت سے متاثر رہا ہے۔ [2]

اور جب ہم رافضی عقائد کے حاملین کو دیکھتے ہیں تو ان کی اکثریت فارسی النسل ملتی ہے، یا ان قبائل و خاندانوں سے ان کا رشتہ ملتا ہے جو فارسی حکومت کے زیر اقتدار رہے ہیں اور یہی چیز اسلام اور مسلمانوں کے

---

[1] العقد الفريد (۲/ ۴۰۹، ۴۱۰) نیز مختصر التحفة الاثنا عشرية ص (۲۹۸-۳۰۰) السنة/ الخلال (۴۹۷، ۴۹۸) جامعہ اسلامیہ میں پیش کی گئی ایک M.A. کی تھیسس، بعنوان وجه الشبه بين اليهود و الرافضة۔ د/ ابراهيم الرحيلی۔

[2] فجر الاسلام/ احمدامین ص (۲۷۷)

تیئں ان کے بغض ونفرت کا سبب رہی۔

مقریزی لکھتے ہیں: ''فارسی قوم روز اول ہی سے وسیع تر اقتدار اور دیگر اقوام پر بالا دستی کی حامل تھی، وہ دیگر قوموں کے بالمقابل عرب قوم سے سب سے کم خطرہ محسوس کرتی تھی، لیکن جب عربوں کے ہاتھوں اس نے اپنی حکومت گنوا دی تو اسلام اور مسلمانوں کا معاملہ اس کی نظروں میں بڑا اہم ہوگیا، اور مصیبت دو چند ہو گئی، پھر کیا تھا، انھوں نے سوچا کہ حیلہ وتلون سازی کے ذریعہ اسلام کے خلاف سازش کر کے ہی اسے ضربیں لگائی جاسکتی ہیں، چناں چہ انھوں نے اسلام کے خلاف سازش شروع کر دیا، ان میں سے ایک گروہ نے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا، اہل بیت کی محبت کا دم بھر کے اہل تشیع کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور علی رضی اللہ عنہ پر ہونے والے مکذوبہ مظالم کو ہوا دی، پھر ان کے ساتھ مل کر مختلف عقائد ونظریات کو فروغ دیا یہاں تک کہ انھیں راہ ہدایت سے نکال دیا۔'' [1]

سچ تو یہ ہے کہ اسلام کے خلاف تاک لگائے بیٹھے تمام موقع پرست ہمیشہ سے اپنے مقصد برآری کے لیے تشیع کو استعمال کرتے رہے۔ [2]

آل بیت کے بارے میں ان کی مبالغہ آمیزی اور غلو مستشرقین بھی برداشت نہ کرسکے چناں چہ ڈاویٹ ڈوفلوش کہتا ہے کہ اگر ہم باریک بینی سے ائمہ کرام کی زندگی کے ہر گوشے پر بحث وتحقیق کریں تو ایک اہم حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ ان (ائمہ) کی حیثیت ایک عام آدمی سے کچھ بھی زیادہ نہیں ہے، انھیں بلاوجہ ہمیشہ کی یادگاری شخصیتوں میں شامل کر دیا گیا ہے، ان کی حقیقی زندگی تمجید وتقدیس سے بالکل خالی تھی، بعد کے قصوں اور واقعات نے ان کی زندگی کو عظمت وجلالت کا ہالہ پہنا دیا، اور انھیں مقدس ہستیوں، انبیاء اور معبودان کے درجہ میں لا کھڑا کیا۔ [3]

پس حقیقت تو یہ ہے کہ عداوت یا حقد وحسد کی بنا پر جس نے بھی اسلام کی بیخ کنی کی کوشش کیا، یا یہودیت، نصرانیت، زردشتیت اور ہندومت جیسے اپنے آبائی دین کی تعلیمات کو اس میں گھسیڑنا چاہا اس نے تشیع کو اپنا ماوی وملجا بنایا، اسی طرح جس نے اپنے ملک ووطن کو استحکام دینا چاہا اور اسلامی حکومت سے بغاوت کی نیت کیا، ان سب نے اپنی نفس پرستی کو بروئے کار لانے کے پیچھے دعوائے حب آل بیت کو وسیلہ بنایا۔ [4] ایسا لگتا ہے کہ عقائد تشیع کا استغلال صرف یہود تک محدود نہ تھا بلکہ نصاری بھی ان کے شریک کار تھے،

[1] السلوك (١/ ٣٦٢)
[2] الشعوب الاسلامية/ بروكلمان (٢/ ١٣٧)
[3] موسوعة التاريخ الاسلامی (٢/ ١٥١) احمد شلبی
[4] فجر الاسلام/ احمد امين ص (١٧٦)

کیوں کہ ان کا ایک نصرانی شاعر علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہتا ہے:

و هل تاخذني فی علي و حبه
إذا لم اعش یوما ملائمة لائم

''اگر میں علی اور ان کی محبت کی بغیر ایک دن بھی زندہ نہ رہ سکوں تو کیا میں قابل ملامت ٹھہروں گا۔''

و یقولون ما بال النصاری تحبه
و اهل التقی من معرب و اعاجم

''لوگ کہتے ہیں کیا ہوگیا ہے نصاری اور عرب وعجم کے نیک لوگ ان سے محبت کرتے ہیں۔''

فقلت لهم إنی لأحب حبه
طوا لهب فی قلوب البهائم [1]

''میں نے ان سے کہا: میں ان سے محبت کرتا ہوں اور ان کی محبت تو جانوروں کے دلوں میں پیوست ہو چکی ہے۔''

۴......سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ روانگی

ا۔کوفہ روانگی کے لیے حسین رضی اللہ عنہ کا عزم مصمم:

اساطین وزعماء کوفہ کے پے در پے خطوط کی آمد کے بعد کہ جس میں آپ رضی اللہ عنہ کو جلد از جلد کوفہ پہنچنے کی دعوت دی گئی تھی، اور بیعت کرنے والوں کی بھاری تعداد یعنی لاکھوں سے اوپر کا حوالہ دیا گیا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے حقیقت حال جاننا چاہی، اور اس کے لیے اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل بن ابوطالب کو کوفہ بھیجا کہ وہ حالات کا ٹھیک ٹھیک جائزہ لیں اور حقیقت حال سے مطلع کریں، تا کہ اگر کوفیوں کی دعوت سچ ہے تو آپ وہاں جا سکیں۔ [2]

چناں چہ مسلم بن عقیل اپنے ساتھ عبدالرحمٰن بن عبداللہ ارحبی، قیس بن مسہر الصید اوی اور عمارہ بن عبید السلولی کو لے کر کوفہ کے لیے چل پڑے، جب آپ مدینہ [3] پہنچے تو اپنے ساتھ مزید دو راہنماؤں کو بھی لے لیا،

---

[1] المحاسن و المساوی، البیهقی ص (٩٢)

[2] انساب الاشراف/ بلاذری (٣/ ١٥٩)، الطبری (٥/ ٣٥٤) الاعلام بالحروب/ البیاسی (٢/ ٦٠) تهذیب الکمال/ المزی (٦/ ٤٢٢)

[3] یہاں یہ سوال جواب طلب ہے کہ مکہ سے کوفہ جاتے ہوئے مدینہ کیوں گئے اس کی خاص وجہ کیا تھی جب کہ مدینہ کوفہ کے راستے میں بھی نہیں پڑتا، مدینہ شمال میں ہے اور کوفہ مشرق میں؟ (ش)

راستے میں کوفہ جاتے ہوئے صحرا میں بھٹک گئے، اور شدت پیاس سے ایک رہنما مرگیا، پھر مسلم نے کوفہ کے متوقعہ خطرات و مشکلات کو نفسیاتی طور پر محسوس کرتے ہوئے حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ یہیں سے ہمیں واپسی کی اجازت مرحمت فرمائیں، لیکن حسین رضی اللہ عنہ نے ان کا مطالبہ تسلیم نہیں کیا اور حکم دیا کہ کوفہ کے لیے اپنا سفر جاری رکھیں۔ [1] ابومخنف کے بقول مسلم بن عقیل کوفہ پہنچ کر مختار بن ابوعبید الثقفی کے یہاں قیام پذیر ہوئے۔ [2] جب کہ حصین بن عبدالرحمٰن السلمی کی روایت جو کہ ناقل واقعہ ہیں اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ مسلم کا قیام ہانی بن عروۃ کے گھر ہوا۔ [3] اور ابومعاویہ الدھنی کی روایت کے اعتبار سے ان کا قیام ابن عوسجہ نامی ایک شخص کے یہاں ہوا تھا۔ [4] بہرحال باہم ان متضاد و متعارض روایات میں ازالہ وتطبیق کی شکل یوں ممکن ہے کہ ہوسکتا ہے مسلم بن عقیل نے حفاظت و احتیاط کے پیش نظر ان سبھی لوگوں کے یہاں الگ الگ ایام و اوقات میں قیام کیا ہو، جب کوفہ پہنچے ہوں تو سب سے پہلے مختار بن عبید [5] کے یہاں قیام کیا ہو، پھر جب کوفہ کی امارت ابن زیاد کے ہاتھوں میں آئی اور وہ لوگوں پر تشدد و سختیاں کرنے لگا تو آپ وہاں سے ہانی بن عروہ کے یہاں منتقل ہو گئے، کیوں کہ آپ کو خطرہ لاحق ہوا کہ مبادا آپ کی راز کا افشاء نہ ہو جائے اور پھر اس وجہ سے بھی کہ ہانی کا شمار کوفہ کی چند اہم ترین شخصیات میں ہوتا تھا، اور لوگوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ [6] لیکن جب ہانی بن عروہ حکومت کی گرفت میں آگئے یا بالفاظ دیگر ابن زیاد کے شک کی سوئی ہانی بن عروہ کی طرف گھومی اور وہ ان پر حراست ونگرانی کی نگاہ رکھنے لگا تو مسلم بن عقیل کو اپنے بارے میں خطرہ لاحق ہوا جس کی وجہ سے اخیر میں انتہائی کم مدت کے لیے مسلم بن عوسجہ کے پاس چلے گئے جو کہ شیعیت کے داعیوں میں سے ایک تھا۔ [7]

---

[1] الطبری (٥/ ٣٤٧)، تهذيب الكمال (٦/ ٤٢٢) تهذيب التهذيب (٢/ ٣٠١) بلاذری اور طبری نے لکھا ہے کہ دونوں رہنما پیاس کی شدت سے راستے ہی میں مرگئے۔ طبری (٥/ ٣٥٤)، انساب الاشراف/ البلاذری (٣/ ١٥٩)

[2] طبری (٥/ ٣٦١)

[3] انساب الاشراف، بسند صحيح/ بلاذری (٣/ ٢٢٤) طبری (٥/ ٣٩١)

[4] الطبری (٥/ ٣٤٧)

[5] مختار بن ابوعبید الثقفی الکذاب مراد ہے، اس کے باپ خلافت فاروقی میں معرکہ جسر میں شریک تھے، مختار اپنے باپ کے زیر سایہ پلا بڑھا، وہ قبیلہ ثقیف کے اکابرین میں سے تھا، وہ صاحب رائے فصیح اللسان، بہادر، اور نڈر تھا، لیکن بے دین تھا، یہی وہ کذاب ہے جس کا ذکر صحیح حدیث میں آیا ہے۔ اس نے آل بیت کی محبت کا دعویٰ کیا اور یزید کی وفات کے بعد عراق کا حکمراں بن گیا، پھر اپنے اوپر نزول وحی کا دعویٰ کیا، عبداللہ بن زبیر نے اپنے بھائی مصعب کو اس کذاب کا صفایا کرنے کے لیے بھیجا، اور انھوں نے اس کا کام تمام کیا۔ سیر اعلام النبلاء (٥/ ٣٦١)

[6] تاریخ الطبری (٥/ ٣٦١)

[7] تاریخ دمشق / ترجمه حسين بن علی، تهذيب الكمال/ المزی (٦/ ٤٢٣) تهذيب التهذيب (٢/ ٣٠١)

بہر حال جب کوفیوں کو مسلم بن عقیل کی آمد کی خبر ہوئی تو ان میں سے بارہ ہزار کی تعداد نے مسلم کے ہاتھوں پر بیعت کیا، اور بعض روایات کی بموجب بیعت کرنے والوں کی تعداد بیس ہزار سے زائد تھی۔ [1] یہ بیعت انتہائی محتاط انداز میں اور راز دارانہ طور پر مکمل ہوئی، اس بیعت سے جب مسلم بن عقیل کو یقین ہو گیا کہ اہل کوفہ حقیقت میں آپ۔حسین رضی اللہ عنہ کے خواہاں ہیں تو آپ نے ان کے نام خط تحریر کیا: ''حمد وصلاۃ کے بعد! معلوم ہو کہ قافلہ کا راہنما غلط بیانی نہیں کرتا، باشندگان کوفہ سب کے سب آپ کے ساتھ ہیں، آپ میرا مکتوب پڑھتے ہی وہاں سے روانہ ہو جائیں۔ [2]

یہ مکتوب ملنے کے بعد حسین رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ کی صدق نیتی پر یقین آ گیا اور ان کے اس مطالبہ کو برحق سمجھا کہ اس وقت ان کا کوئی امام نہیں ہے۔ [3] ایسی صورت حال میں آپ پر ضروری ہو گیا تھا کہ اہل کوفہ سے اپنا وہ وعدہ وفا کریں جو اپنے مکتوب کے حوالے سے انھیں یقین دلایا تھا کہ میں تمھارے پاس اپنے بھائی اور اپنے گھرانے کے ثقہ منفرد کو اس حکم کے ساتھ بھیج رہا ہوں کہ وہ مجھے تمھاری رائے، معاملہ کی نوعیت اور صورت حال سے آگاہ کریں۔ اگر وہ مجھے لکھتے ہیں کہ تمھارے اکابرین، شرفاء اور اہل دانش کی رائے حقیقت میں اسی طرح ہے جس طرح میں نے تمھاری مکتوبات میں پڑھا ہے اور قاصدین سے سنا ہے تو ان شاء اللہ میں آؤں گا۔ [4]

چناں چہ جب حسین رضی اللہ عنہ کے پاس مسلم بن عقیل کا مکتوب پہنچا جس میں انھوں نے آپ سے کوفہ آنے کی درخواست کی تھی اور بتایا تھا کہ حالات یہاں آنے کے لیے بالکل سازگار ہیں تو حسین رضی اللہ عنہ نے سفر کی تیاری شروع کر دی اور اپنے اہل وعیال اور قریبی ہم نشینوں کے ساتھ کوفہ جانے کا عزم کر لیا۔

صحابہ وتابعین کی خیر خواہانہ نصیحت اور حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ روانگی کے بارے میں ان کی رائے:

جب محمد بن الحنفیہ کو اپنے بھائی حسین کی کوفہ روانگی کا ارادہ معلوم ہوا تو آپ ان کے پاس آئے اور یوں نصیحت کیا: اے میرے بھائی، آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں، میری نگاہ میں آپ کی بڑی قیمت ہے، میں یہ خیر خواہانہ نصیحت پوری مخلوق میں کسی اور کے لیے نہیں بچا کر رکھنا چاہتا کہ جو تم سے زیادہ اس کا مستحق ہو گا، یہ ٹھیک ہے کہ تم اپنی استطاعت کے مطابق یزید بن معاویہ کی بیعت سے دور رہو، پھر اپنے قاصدوں کو عوام الناس میں بھیج کر انھیں اپنی طرف بلاؤ، اگر وہ تم پر بیعت کر لیں تو اس پر اللہ کا شکر [5] ادا کرو، اور اگر وہ

[1] العقد الفرید (٤/ ٣٧٦ تا ٣٧٨)
[2] انساب الاشراف/ البلاذری (٣/ ١٦٧)
[3] تاریخ الملوك و الامم/ طبری (٥/ ٣٥٣)
[4] تاریخ الملوك و الامم/ طبری (٥/ ٣٥٣)
[5] محمد بن حنفیہ بیعت خلافت یزید کر چکے تھے وہ کبھی بھی بغاوت کا مشورہ نہیں دے سکتے یہ ابو مخنف جیسے جھوٹے راویوں کی کارستانی کا نتیجہ ہے۔ (ش)

تمھیں چھوڑ کر کسی اور سے بیعت کر لیتے ہیں تو اس سے تمھارے دین اور دانائی میں کچھ کمی نہیں آنے والی ہے، نہ ہی تمھاری مروت اور فضل و مرتبہ کو بٹہ لگتا ہے، مجھے ڈر ہے کہ آپ ان شورش زدہ شہروں میں سے کسی شہر میں جائیں، پھر لوگ آپ کے پاس اکٹھا ہوں اور ان کا آپس میں اختلاف ہو جائے، ایک گروہ آپ کے ساتھ رہے اور دوسرا آپ کے خلاف۔ پھر وہ لڑ بیٹھیں اور مبادا پہلی وار آپ ہی پر آگرے، اور اس امت کا وہ فرد جو طبعی طور پر اور حسب و نسب کے اعتبار سے سب سے منفرد و ممتاز ہے (یعنی آپ) اس کا خون یوں ہی بے کار و رائیگاں ہو جائے اور اس کا خانوادہ ذلیل ہو۔

حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میرے بھائی، میں جا رہا ہوں۔ ابن الحنفیہ نے کہا: ٹھیک ہے آپ مکہ [1] جائیں، اگر وہاں پہنچ کر آپ کو حالات پر امن و اطمینان بخش معلوم ہوں تو آگے قدم بڑھائیں ورنہ صحراؤں اور پہاڑ کی چوٹیوں کو ترجیح دیں، اور وہاں سے نکل کر کسی دوسرے شہر میں چلے جائیں، حالات کا جائزہ لیتے رہیں اور دیکھیں کہ لوگوں کی کیا رائے طے پاتی ہے اور وہ کیا فیصلہ لیتے ہیں، ایسی صورت حال میں اگر آپ نے کسی جدید ناگہانی واقعہ کا سامنا کیا تو اس تعلق سے فیصلہ لینے میں آپ کی رائے سب سے درست ہوگی، اور عملی اقدام میں استحکام ہوگا، اور اگر کسی معاملہ میں اخیر میں کسی انجام پر پہنچے تو بھی ان میں پیچیدگی نہ ہوگی۔

حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: اے بھائی! تم نے یقیناً خیر خواہانہ نصیحت کی ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ تمھاری رائے درست ہوگی۔ [2]

اسی طرح جب آپ کے عم زاد بھائی عبداللہ بن عباس کو آپ کے کوفہ روانگی کی خبر ملی تو آپ ان کے پاس آئے اور کہا: اے عزیز بھائی! لوگوں میں یہ افواہ گشت کر رہی ہے کہ آپ عراق جانے والے ہیں۔ صحیح بتائیں کہ کیا ارادہ ہے؟ انھوں نے جواب دیا: آئندہ دو دنوں میں سے ایک دن ان شاء اللہ میں نے سفر پر نکلنے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔

ابن عباس نے کہا: میں تمھارے لیے اس سلسلے میں اللہ کی پناہ کا طلب گار ہوں، اللہ آپ پر رحم فرمائے، کیا آپ ایسی قوم کے پاس جا رہے ہیں جنھوں نے اپنے امیر کا قتل کیا ہے، اپنا ملک لوٹا، اور اپنے مخالفین کو جلا وطن کیا ہے، اگر انھوں نے ایسا کر لیا ہے تو آپ ان کی طرف روانہ ہوں، اور اگر اس حال میں آپ کو بلا رہے

---

[1] اس روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس وقت آپ مدینہ میں تھے اور آپ مدینہ ہی سے کوفہ جانا چاہتے تھے حالاں کہ مسلم بن عقیل کو آپ نے اس سے قبل مکہ سے کوفہ روانہ کیا تھا اب اس تضاد کا کیا حل ہے؟

[2] انساب الاشراف/ البلاذری (٤/ ٥١-١٦) بروایت ابومخنف و عوانہ۔ تاریخ الامم والملوك (٥/ ٣٤١) بروایت ابومخنف۔

ہیں کہ ان کا امیر موجود ہے اور اس کے عمال محصولات کو وصول کرتے ہیں تو جان لیں کہ وہ آپ کو حرب و ضرب کے لیے بلا رہے ہیں، میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں کہ وہ آپ کے ساتھ دھوکہ کریں، آپ کو جھٹلا دیں، آپ کی مخالفت کریں اور آپ کو رسوا کریں، وہ آپ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور سب سے سخت نکلیں۔

حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ سے استخارہ کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کیا ہوتا ہے...... پھر جب دوسرے دن شام کا وقت ہوا تو حسین رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے ان سے کہا: برادر گرامی! مجھے قرار نہیں ہے، میں بڑی الجھن میں ہوں، میں اس طرح آپ کی روانگی سے آپ کے قتل و ہلاکت سے ڈرتا ہوں، اگر اہل عراق حقیقت میں آپ کے خواہاں ہیں جیسا کہ انھوں نے اظہار کیا ہے تو آپ انھیں لکھیں کہ وہ لوگ پہلے اپنے دشمنوں کو نکال باہر کریں، پھر آپ ان کے پاس جائیں، [1] اور اگر آپ بہرصورت نکلنا ہی چاہتے ہیں تو یمن چلے جائیں، وہاں بڑے محفوظ قلعے اور گھاٹیاں ہیں، اور وہاں کی سرزمین طویل وعریض ہے، نیز وہاں آپ کے والد کے محبان پائے جاتے ہیں۔ آپ لوگوں سے الگ تھلک ہیں، بہتر ہوگا کہ ان سے خط و کتابت کریں، اور اپنے معتمدین کو ان میں بھیج کر حالات سے واقفیت حاصل کریں، میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح آپ کو جو خبریں ملیں گی وہ باعث عافیت ہوں گی۔

حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے بھائی! اللہ کی قسم، میں مانتا ہوں کہ آپ میرے لیے خیرخواہ اور مہربان ہیں، لیکن اب میں سفر پر نکلنے کا پختہ عزم اور مکمل تیاری کر چکا ہوں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر آپ جانے پر بضد ہیں تو جائیں لیکن اپنے بیوی بچوں کو ساتھ مت لے جائیں، اللہ کی قسم میں ڈرتا ہوں کہ آپ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح قتل کر دیئے جائیں اور آپ کی بیویاں اور بچے آپ کو دیکھتے رہ جائیں۔ [2]

جب کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ جنھیں بعض روایتیں اس بات کے لیے متہم گردانتی ہیں کہ وہ حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ روانگی کے لیے اطمینان دلانے والوں میں سے ایک تھے، صحیح روایتوں کے مطابق انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو سمجھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور انھیں مکہ چھوڑ کر کوفہ جانے سے خبردار کیا تھا۔ تاریخ میں آپ کے ناصحانہ کلمات اس طرح ملتے ہیں: ''این تذہب'' آپ کہاں جارہے ہیں؟ الی قوم قتلوا اباك و طعنوا

---

[1] یہ واضح رہے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یزید کی بیعت خلافت کر چکے تھے اور دوسروں کو اس کی دعوت بھی دیتے تھے۔ ابومخنف جیسے بدقماش راویوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما پر یہ اتہام باندھا ہے کہ وہ بیعت کی مخالفت کرتے ہوئے بغاوت پر ابھارنے کا مشورہ دیا تھا ایسا ممکن نہیں کہ وہ بیعت کی مخالفت کریں۔ (ش)

[2] الطبری (٥/ ٣٨٣-٣٨٤) بسند ابی مخنف، تاریخ دمشق/ ابن عساکر ترجمة الحسین ص (٢٠٤) تهذیب الکمال/ المزی (٦/ ٤٢٠)

اخـــاك؟ کیا ایسی قوم کے پاس جارہے ہیں جس نے تمھارے باپ کو قتل کیا اور تمھارے بھائی کو نیزہ سے مارا۔ اس کے جواب میں حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: ”لان اقتـل بـمـكـان كـذا و كذا أحب إليّ من ان تُستَحَلّ بی، یعنی مکہ، میں فلاں مقام پر اس اس طرح قتل کیا جاؤں یہ بات میرے نزدیک اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میرے ذریعہ مکہ کی حرمت پامال کی جائے۔ [1]

اسی طرح آپ کے پاس عمر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام المخزومی [2] آئے اور کہنے لگے: اے برادرعم زاد! آپ ایسے شہر میں جا رہے ہیں جہاں اس شہر کے وفادار حکمراں اور امراء بستے ہیں، ان کے پاس بیت المال ہیں جب کہ عوام درہم و دینار کے غلام ہیں، میں آپ کے بارے میں اس بات سے بالکل مطمئن نہیں کہ جو آپ کی نصرت و تائید کا وعدہ کر رہا ہے وہ آپ کو قتل نہ کر دے۔ پھر آپ نے ان کے لیے دعائے خیر کیا اور واپس لوٹ آئے، پھر جب حارث بن خالد بن العاص بن ہشام کو بتایا کہ میں نے حسین کو ایسی نصیحت کی ہے تو انھوں نے کہا: ”نصحت و رب الكعبه“ [3] رب کعبہ کی قسم! تم نے خیرخواہی کا حق ادا کر دیا۔

جب کہ دوسری طرف بعض صحابہ کرام نے حسین رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو ایسے امام وقت کے خلاف بغاوت پر محمول کیا جس پر پوری امت کی طرف سے متفقہ بیعت ہو چکی تھی، اسی طرح انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کی اس روانگی کو امت کے لیے شر و مصیبت اور فتنہ و آزمائش کا پیش خیمہ قرار دیا، اگرچہ طرفین کے لیے نتائج جو بھی ہوتے، چناں چہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حسین خروج کرنے میں مجھ پر غالب آگئے، حالاں کہ میں نے ان سے کہا تھا: اپنے بارے میں اللہ سے ڈریے، گھر میں بیٹھ جایئے اور اپنے امام کے خلاف بغاوت نہ کیجیے۔ [4]

---

[1] ابـن شيبة/ بسـند حسن (١٥/ ٩٥) المعرفة والتاريخ (٢/ ٧٥٣) الطبری (٥/ ٣٨٤-٣٨٥) بسند ابی مخنف۔
رہی یہ بات کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ پہنچانے کی پوری کوشش میں تھے، تو اس سلسلے میں کوئی صحیح بات ثابت نہیں ہے۔ جو کچھ بھی اس تعلق سے وارد ہے وہ غیر معتبر سندیں ہیں۔ دیکھیے طبری (۳۸۳/۵) بسند ابی مخنف، ابن سعد (ط ۴۰۱/۵) باسناد ضعیف و مرسل، پھر ابن سعد کی اسی سند پر ابن عساکر نے ترجمة الحسين (٢٦٥) مزی نے تهذيب الكمال (٦/ ٤٤٠) ابن الشجری نے الامالی الخميسة (١/ ١٤٧)، ابن کثیر نے (۱۸۳/۸) پر بسند یعقوب الفسوی اعتماد کیا ہے۔
آپ مکہ میں شعبان ہی سے قیام پذیر تھے اور بیعت نہیں کی تھی اس کے باوجود آپ کو بالکل نہیں چھیڑا گیا آپ پوری آزادی کے ساتھ مکہ میں رہ رہے تھے بلکہ کوفیوں کی آمد و رفت آپ کے پاس بڑھی تو یزید نے خانودۂ نبوت کے بزرگ ترین شخصیت کو لکھا کہ حسین کو سمجھا دیں کوفیوں کے چکر میں نہ آئیں۔ اس نرمی کے باوجود مکہ کی حرمت کی پامالی کا خدشہ ان کی زبان سے ظاہر کرانے کا کیا محل ہے؟

[2] آپ کا نام عمر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہاشم المخزومی المدنی ہے، بکر کے بھائی ہیں، ثقہ راوی ہیں، دوسرے طبقہ سے آپ کا تعلق ہے، عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے دن آپ کی ولادت ہوئی، ابن زبیر نے آپ کو کوفہ کا گورنر بنایا، پھر آپ حجاج کے ساتھ رہے۔ ۷۰ھ کے بعد وفات ہوئی، دیکھیے التقریب (٤١٥)

[3] انساب الاشراف/ البلاذری (٣/ ١٦١) طبری (٥/ ٣٨٢) بسند ابی مخنف۔

[4] ابن سعد (ط ٥/ ٣٦١) تهذيب الكمال (٦/ ٤٦١) البداية والنهاية (٩/ ١٦٥)

جب کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے حسین سے گفتگو کیا اور کہا: اللہ سے ڈریں اور لوگوں کو آپس میں نہ لڑائیں، اللہ کی قسم! آپ نے قابل ستائش کام نہیں کیا ہے، لیکن افسوس کہ وہ نہ مانے۔ ❶ ان دونوں کے علاوہ ابن مطیع اور ابن عیاش نے بھی آپ کو اہل کوفہ کی خیانت وغداری سے ڈرایا تھا۔ ❷

بہر حال نصیحت و خیر خواہی کا یہ دائرہ صرف وہاں موجود صحابہ اور مکہ کے پاس پڑوس تابعین تک محدود نہ تھا بلکہ دیگر دور دراز ریاستوں کے اہل فکر ونظر نے بھی آپ کے عزم ومنصوبے کو دیکھتے ہوئے آپ کے پاس خیر خواہانہ مشورے پر مشتمل خطوط روانہ کیے۔

چناں چہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے یزید بن الاصم نے حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھا: کہ اما بعد، جان لو! اہل کوفہ آپ کی زندگی اجیرن کرنے پر تلے ہوئے ہیں، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کسی کی زندگی مسائل سے مکدر اور الجھنوں کا شکار نہ ہو، میں تمھیں اس معاملے میں اللہ کے حوالے کرتا ہوں کہ ظاہری چمک دمک دیکھ کر دھوکہ کھا جاؤ، یا کہ اس شخص کی طرح ہو جاؤ جو سراب کے پیچھے دوڑتا ہے، تمھیں چاہئے کہ صبر سے کام لو، اللہ کا وعدہ برحق ہے، اللہ کرے ایمان سے عاری لوگ آپ کی تذلیل نہ کرسکیں۔ ❸

اور احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے آپ کو لکھا کہ صبر کریں، اللہ کا وعدہ برحق ہے، ایمان سے عاری لوگ آپ کی تذلیل نہ کرسکیں۔ ❹

لیکن افسوس کہ یہ قیمتی اور حد درجہ مہنگی نصیحتیں حسین رضی اللہ عنہ کے کوفہ روانگی کے موقف میں کچھ بھی مفید وموثر نہ رہیں، بلکہ انھوں نے مزید اپنے عزم کو پختہ کرلیا اور کچھ لوگوں کو مدینہ سے بلا بھیجا، جس میں بنوعبدالمطلب کے انیس (۱۹) افراد بشمول مرد، عورتیں، بھانجے، بیٹیاں اور بیویاں تھیں شامل تھے۔ ادھر محمد بن الحنفیہ آپ کے پیچھے ہی چل نکلے اور مکہ چھوڑنے سے پہلے ہی ان سے جا ملے، اور ایک بار پھر اس بات کی کوشش کیا کہ حسین اپنے اس ارادے سے باز آجائیں، لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شد۔ ہر کوشش رائیگاں ثابت ہوئی۔ تب محمد الحنفیہ نے اپنے بیٹوں کو کوفہ جانے سے روک دیا، حسین رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر محمد سے کہا: کیا تم اپنے بیٹوں کو اس جگہ میری مدد سے روک رہے ہو جہاں میں تکلیف اٹھاؤں گا، تو محمد نے کہا: مجھے کیا ضرورت ہے

---

❶ ابن سعد (ط ٥/ ٣٦١) تهذيب الكمال (٦/ ٤١٦) البداية والنهاية (٩/ ١٦٥)

❷ ابن سعد بسند واقدی (٥/ ١٢٤-١٤٥) طبری، بسند ابی مخنف (٥/ ٣٥١)تاريخ دمشق ابن عساكر (١٥٥)

❸ یزید بن الاصم کا نام عمرو بن عبید بن معاویہ البکائی ہے کنیت ابوعوف ہے۔ کوفی ہیں، رقہ میں آپ نے سکونت اختیار کیا، ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں، کہا جاتا ہے کہ آپ کو نبی کا دیدار حاصل ہے، لیکن یہ ثابت نہیں ہے۔ آپ ثقہ ہیں، طبقہ ثالثہ کے ہیں۔ ۱۰۳ھ میں وفات ہوئی۔ التقريب (٥٩٩)

❹ انساب الاشراف/ بلاذری (٣/ ١٦١) بسند حسن، مرسل۔

کہ تم خود جان جوکھم میں ڈالو اور وہ سب بھی تمھارے ساتھ مصیبت میں پھنسیں، حالاں کہ ہماری نگاہوں میں تمھاری مصیبت ان (اولادوں) سے کہیں زیادہ ہے۔ ❶

بشمول ان صحابہ کے ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی آخری وقت میں آپ کے پاس آئے اور انھیں سمجھایا، لیکن حسین رضی اللہ عنہ کوفہ جانے کے لیے بضد رہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا: اگر مجھے اور تمھیں معتوب ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو میں آپ کا سر پکڑ کر کھینچ لیتا، حسین رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں فلاں اور فلاں مقام پر قتل کر دیا جاؤں یہ منظور ہے، لیکن یہ منظور نہیں کہ مکہ کی حرمت پامال ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کی یہ بات میرے لیے کسی حد تک باعث تسلی بنی بہرحال ابن عباس سے ایسا ہونا بہت ممکن بھی تھا کیوں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اوروں کے مقابلے میں حرمت مکہ کی سب سے زیادہ تعظیم کرنے والے تھے۔ ❷ مختصر یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ نہیں مانے، سامان سفر تیار کیا اور ''یوم الترویہ'' یعنی آٹھ (۸) ذی الحجہ ۶۰ھ کو اپنے اہل خانہ کو لے کر کوفہ کے لیے نکل پڑے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت ان کے ساتھ کوفہ کے ساٹھ (۶۰) معتبر لوگ بھی نکلے۔ تاہم ان کے نکلتے نکلتے ان کے خیر خواہوں کی بامقصد کوششیں بند نہ ہوئیں، چناں چہ عبداللہ ❸ بن جعفر بن ابی طالب نے اپنے دو بیٹوں یعنی محمد اور عون کے ہاتھوں بذریعہ خط یہ پیغام بھیجا: ''حمد و صلاۃ کے بعد! میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ میرا خط دیکھتے ہی اپنے ارادے سے پلٹ جاؤ، جس سمت کا تم نے رخ کیا ہے مجھے ڈر ہے کہ اس میں تمھاری ہلاکت ہو جائے اور تمھارے اہل خانہ کا صفایا ہو جائے۔'' ❹ لیکن حسین رضی اللہ عنہ نے لوٹنے کے ان کے سارے مطالبات کو ٹھکرا دیا۔ ایسے موقع پر عبداللہ بن جعفر کو خیال آیا کہ ممکن ہے حسین کے اپنے عزم و ارادے

---

❶ ابن سعد (ط ٥/ ٢٦٦-٢٦٧) المصنف ص (٣٦٦) تهذيب الكمال (٦/ ٤٢١) الامالي: المحاملي (٢٦٦-٢٦٧) محقق کتاب کے نزدیک اس کی سند صحیح ہے۔ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کا یہ بیان پہلے بیان سے بالکل مختلف ہے اور یہی صحیح ہے۔ (ش)

❷ مصنف ابن ابی شیبة (٥/ ٩٦-٩٧) باسناد صحیح، المعجم الكبير، طبرانی (٩/ ١٩٣) علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد (٩/ ١٩٢) میں لکھا ہے کہ اس کے رجال سند صحیح کے رجال ہیں۔ سير اعلام النبلاء (٢/ ٢٩٢) كنز العمال (٧/ ١١٠) جمع الجوامع/ السيوطی (٢/ ٣٧١) انساب الاشراف (٣/ ١٤٧) تهذيب التهذيب (٢/ ٣٠٧) تاريخ دمشق (١٩٠، ١٩١) یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یہ خدشہ کہاں سے پیدا ہو گیا جب کہ چار ماہ سے زائد عرصہ ہو چکا ہے انھیں بیعت پر مجبور نہ کیا گیا لوگوں کو ان سے ملنے سے نہ روکا گیا بلکہ کوفہ والوں کی آمد و رفت برابر رہی ان کے خطوط کا انبار لگ گیا لیکن حکومت نے اس پر کوئی نوٹس نہ لی پھر حرمت مکہ کی پامالی کا خدشہ کہاں سے پیدا ہو گیا؟ (ش)

❸ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کی ولادت حبشہ کی سرزمین میں ہوئی، چند مشہور سخی لوگوں میں سے ایک تھے، آپ کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔ ۸۰ھ میں وفات ہوئی۔ التقريب (٢٩٨)

❹ الطبری (٥/ ٣٨٧) بروايت ابی مخنف، المحن، ابو العرب (١٥٨)

پر بضد رہنے کی وجہ یہ ہو کہ وہ یہاں رہنے میں مکہ کے گورنر عمرو بن سعید بن عاص سے ڈر رہے ہوں، اس لیے آپ عمرو بن سعید بن عاص کے پاس گئے، اور ان سے درخواست کیا کہ حسین کے نام ایک نامہ تحریر کر دیں جس میں انھیں مکمل امان اور حسن سلوک کی ضمانت دے دیں۔ اس پر عمرو بن سعید کا عبداللہ بن جعفر سے جواب یہ تھا کہ آپ جو چاہیں لکھ لائیں میں اس پر اپنی دستخط و مہر لگا دیتا ہوں۔ چناں چہ ابن جعفر نے لکھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ عمرو بن سعید کی طرف سے حسین بن علی کے نام: اما بعد: میں اللہ سے سوالی ہوں کہ وہ تمھیں اس چیز سے روک دے جو تمھیں ہلاک کر دینے والی ہے۔ نیز وہ تمھیں تمھارے خیر کی طرف ہدایت کرے، مجھے خبر ملی ہے کہ تم عراق جا رہے ہو، میں تمھیں اللہ کی پناہ کے حوالے سے کہتا ہوں کہ اختلاف و انتشار سے باز آجاؤ، اس میں مجھے تمھاری ہلاکت کا خوف ہے، میں تمھارے پاس عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید کو بھیج رہا ہوں ان کے ساتھ میرے پاس واپس آجاؤ، میری طرف سے تمھیں مکمل امان، حسن سلوک اور ہر طرح کی خیر خواہی کا وعدہ ہے، میری اس بات پر اللہ گواہ و نگراں رہے، وہی ذمہ دار اور حفاظت کرنے والا ہے ....والسلام علیکم۔ [1]

لیکن حسین رضی اللہ عنہ نے اس پیشکش کو ٹھکرا کر ان کی امید پر پانی پھیر دیا، اور کوفہ کے لیے اپنا سفر جاری رکھا۔

دوسری طرف جب ابوواقد اللیثی رضی اللہ عنہ [2] نے سنا کہ حسین مدینہ کے قریب ہو رہے ہیں تو آپ مدینہ سے نکل کر مقام ''ملل'' [3] پر ان سے جا ملے، اور اللہ کا واسطہ دے کر انھیں آگے جانے سے روکا، اور یقین دلایا کہ ان کے اس سفر میں انھیں لازماً قتل کر دیا جائے گا، لیکن حسین رضی اللہ عنہ نے اس مطالبہ کو بھی نظر انداز کر دیا۔ [4]

---

[1] الطبری (٥/ ٣٨٧) بسند ابو مخنف، المحن/ ابو العرب ص (١٥٨) اس کے باوجود اگر یہ کہا جائے کہ مکہ میں حسین رضی اللہ عنہ کو حرم کی حرمت کی پامالی کا خطرہ لاحق تھا اسی لیے حج کے دن ہی نکل پڑے تو پھر اس کو کیا کہا جائے۔ (ش)

[2] آپ بزرگ صحابی ہیں، نام حارث بن مالک ہے اور کہا گیا ہے کہ ابن عوف ہے ایک روایت میں ان کا نام عوف بن حارث بھی آیا ہے۔ ٦٨ھ میں آپ کی وفات ہوئی، ٨٥ھ میں، التقریب (٦٨٢)

[3] حرمین کے درمیان مکہ کے راستے میں ایک جگہ کا نام ہے، ملل اور مدینہ کے درمیان پیدل دو راتوں کا سفر ہے۔ (یاقوت ١٩٤/٥-١٩٥) واضح رہے کہ مدینہ کے مغرب میں واقع ملل نامی بستی کہ جس کا ذکر غزوہ ذات قرد میں آیا ہے، وہ ہرگز مراد نہیں ہے۔

[4] ابن سعد (ط ٥/ ٣٦١) ابن عساکر ترجمة الحسين ص (٢٠١) ابن کثیر (٩/ ١٦٥)
اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ سیدھے کوفہ نہیں گئے بلکہ اولاً مدینہ گئے پھر وہاں سے کوفہ کے لیے روانہ ہوئے، سوال یہ ہے کہ مدینہ جانے کا سبب کیا تھا؟ اس سے تو سفر اور طویل ہو جاتا ہے اور پھر تو دس محرم کو شہادت ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا اور اگر مکہ سے عین حج کے وقت اس لیے روانہ ہوئے تھے حکومت سے خطرہ لاحق تھا جیسا کہ وضعی روایات کہتی ہیں تو کیا مدینہ جانے میں یہ خطرہ ٹل گیا تھا۔ (ش)

اسی طرح جب اپنے دور کے شیخ الصحابہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو حسین رضی اللہ عنہ کی روانگی کا علم ہوا تو آپ مدینہ سے تین مراحل کے فاصلے پر ان سے جا ملے، اور کہا: آپ کا رخ کدھر ہے؟ انھوں نے کہا: عراق جانا چاہتا ہوں، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے ابن عمر کو کوفیوں کے خطوط دکھائے اور کہا: یہ ان کے خطوط اور بیعت کے وعدے ہیں۔ لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا حوالہ دیتے ہوئے انھیں واپس ہو جانے کا مشورہ دیا جسے آپ نے ماننے سے انکار کر دیا، پھر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمھیں ایک حدیث سناتا ہوں جو تم سے پہلے کسی کو نہیں سنایا ہوں، سنو! جبریل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور آپ کو دنیا یا آخرت دونوں میں سے ایک کے انتخاب کا اختیار دیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کو اختیار کیا، اور تم اسی نبی کے خانوادے کا ایک حصہ ہو۔ اللہ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے جس کے کندھے پر بھی اس دنیا کی ذمہ داری ڈالی جاتی ہے پھر اللہ اسے تم سے پھیر دیتا ہے تو اس میں تمھاری بھلائی ہی مقدر ہے، تم واپس لوٹ جاؤ۔ عراقیوں کی غداری و بدعہدی اور تمھارے والد کو ان سے جو کچھ تکلیفیں پہنچیں تم ان سب سے بخوبی واقف ہو، لیکن حسین رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔ اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حسین کو گلے لگایا اور کہا:

استودعتك من قتيل [1] اللہ تعالیٰ قتل ہونے سے آپ کی حفاظت فرمائے۔

چناں چہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کے بعد کہا کرتے تھے: کوفہ جانے کے بارے میں حسین ہم پر غالب رہے، قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان کے باپ اور بھائی کے ساتھ جو کچھ ہوا انھیں اسے عبرت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے تھا، نیز وہ فتنے اور باپ و بھائی کے حق میں اہل کوفہ کی گستاخیاں ان کی نگاہوں میں ہونی چاہئیں، ان کے لیے مناسب تو یہ تھا کہ جب تک زندہ رہتے ایسی کوئی تحریک نہ چلاتے، اور لوگ جس امن و مصالحت کے قائل ہیں اس میں شامل ہو جاتے کیوں کہ جماعت کے ساتھ رہنے میں خیر ہے۔ [2]

ہر چند کہ یہ نصیحتیں اور تنبیہیں حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی جاتی رہیں لیکن یہ سب کچھ انھیں کوفہ جانے کے عزم و ارادہ سے نہیں روک سکیں، لہٰذا اس مقام پر ایک واجبی اور فطری سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ متعدد اکابرین صحابہ و تابعین اور وہ بھی سرکردہ واہل نظر شخصیات حتیٰ کہ حسین رضی اللہ عنہ کے اقرباء و رشتہ دار کیوں کر ایک ہی رائے پر متفق رہے، یعنی کہ حسین کا کوفہ جانا خطرات سے خالی نہیں، بصورت دیگر ممکنہ نتیجہ کی سابقہ مثالیں

---

[1] ابن سعد (ط ٥/ ٣٦٠) الاحسان بترتيب صحيح ابن حبان (٩/ ٥٨) اثر نمبر (٦٩٢٩)، موارد الضمان (٢٤٢) كشف الاستار، هيثمی (٣/ ٢٣٢، ٢٣٣) ہیثمی نے مجمع الزوائد (٩/ ١٩٨) میں لکھا ہے کہ "و رواة البزار ثقات۔" المعجم الاوسط / طبرانی (١/ ٣٥٥) ہیثمی نے کہا کہ رجاله ثقات/ البلاذری (٣/ ١٦٣) ابن عساكر (١٩٢) تهذيب الكمال/ المزی (٦/ ٤١٦) الخصائص الكبرى/ السيوطی (٢/ ٤٥١)

[2] ابن عساكر (٢٠١) تهذيب الكمال/ المزی (٦/ ٤١٦)

موجود ہیں۔ پھر دوسری بات یہ کہ اس کے مقابل حسین رضی اللہ عنہ کیوں کر اپنی رائے پر مصر رہے اور صحابہ و کبار تابعین کی نصیحتوں کو پس انداز کرتے رہے؟

پس اس سوال کا جواب دو اسباب میں پوشیدہ نظر آتا ہے۔ پہلا سبب تو یہ کہ اللہ کی مرضی و مشیت تھی، اور اللہ کی طرف سے یہی مقدر تھی جسے ہونا ہی تھا، یہ چند صحابہ و تابعین ہی نہیں اگر سارے لوگ انھیں لوٹانا چاہتے تو بھی اسے اللہ نافذ کرنے والا تھا، کیوں کہ اللہ کے حکم اور فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا یعنی یہ قضائے الٰہی تھا۔

اور دوسرا سبب جو کہ واقعتاً اس مشیت الٰہی کے تابع رہا وہ یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ اس وقت کے سیاسی مدو جزر کو دیکھتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ یزید بن معاویہ بزور قوت مجھ سے بیعت لئے بغیر اس بات کے لیے ہرگز راضی نہیں ہوں گے کہ جس طرح چاہیں وہ پوری آزادی سے مملکت میں رہیں، اور انھوں نے اب تک جس صبر و رواداری کا مظاہرہ ان کے ساتھ کیا ہے شاید اس سے زیادہ موقع انھیں نہ دیں گے، کیوں کہ اہل کوفہ کے خطوط اور ان کے ایلچیوں کی آمد و رفت کا سلسلہ لگا ہوا ہے، اور برابر کوفہ پہنچنے کی مجھے دعوت دی جارہی ہے یہ ساری چیزیں بہت جلد اس بات کا سبب بننے والی ہیں کہ یزید میرے اور اہل کوفہ کے درمیان رکاوٹ ڈال دیں۔

- علاوہ ازیں ممکن ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ نے یہ محسوس کیا ہو کہ مکہ میں میرا قیام کرنا حالات کی مزید ابتری کا سبب بن سکتا ہے، کیوں کہ میرے موقف کے جواز یعنی خلیفہ کی بیعت نہ کرنے کی کوئی واضح سبب لوگوں کے سامنے نہیں ہے۔
- مزید برآں مکہ میں رہتے ہوئے ایک طرف آپ کے خیر خواہوں و طرفداروں کے اصرار اور دوسری طرف امویوں کے دباؤ کے خدشات نے آپ کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ جلد از جلد مکہ چھوڑ دینے ہی میں بھلائی ہے۔ چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اپنی روانگی کا سبب بیان کرتے ہوئے اس خدشہ کو ان الفاظ میں ظاہر کیا تھا۔ ”لان اقتل بمکان کذا و کذا احب الی من ان استحل حرمتها۔ یعنی مکة۔ (میں فلاں فلاں مقام پر قتل کر دیا جاؤں یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ مکہ کی حرمت پامال ہو) گویا آپ چاہتے تھے کہ اگر کوئی ٹکراؤ ہو تو مکہ میں نہ ہو بلکہ کوفہ میں ہو۔
- مذکورہ ممکنہ اسباب کے ساتھ ساتھ غالباً احوال کوفہ کے بارے میں آپ کے عم زاد بھائی مسلم بن عقیل کی واضح و اطمینان بخش منظر کشی بھی اس بات کے لیے محرک بنی کہ آپ جلد از جلد کوفہ کے لیے روانہ ہو جائیں، چناں چہ مسلم بن عقیل نے حسین رضی اللہ عنہ کے نام خط بھیجا کہ پورا کوفہ آپ پر بیعت کے لیے تیار

ہے۔ اور لوگوں کے تعاون کے ساتھ کامیابی کی منزل بالکل قریب ہے۔

پس اس مناسب ترین صورت حال سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ کوفہ جانے میں جلدی کرتے، دریں صورت حال یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ غور و فکر کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے ہوں کہ کوفہ کے حالات بالکل میرے موافق ہیں، اور میری تحریک کے لیے وہاں کے حالات سازگار ہیں، کیوں کہ ہزاروں باشندگان کوفہ کی میرے دیدار کے لیے تڑپ اور میری تائید کے لیے مر مٹنے کے جذبہ کے ساتھ وہاں کے موجودہ امیر نعمان بن بشیر میرے ساتھ مصالحت کو تیار ہیں۔ بہرحال حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ روانگی کے جو بھی اسباب و محرکات رہے ہوں لیکن میری نگاہ میں مسلم بن عقیل اور حسین بن علی رضی اللہ عنہ اپنی خاندانی عظمت و شرافت کے باوجود سیاست کے بہت سارے پیچ و خم سے ناواقف اور اسلامی معاشرے میں رونما ہونے والے رہائشی تبدیلیوں کے اثرات سے بے خبر تھے، چناں چہ یہ مسلم بن عقیل کی سادگی ہی تھی کہ انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کے تئیں ہزاروں عقیدتمندوں پر اعتماد کر لیا اور یہ گمان کر بیٹھے کہ یہ لوگ حقیقت میں انتہائی مخلص اور وفادار ہیں، انھوں نے اپنے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ آنے دیا کہ اتنی بھاری تعداد صرف جذبات کے دوش پر چل رہی ہے، اور کچھ سنہرے خواب ہیں جو انھیں بیعت کی طرف رواں دواں کیے ہوئے ہیں۔ دریں صورت حال مسلم بن عقیل کو سب سے پہلے حالات کو اپنے حق میں کرنا چاہئے تھے، اور مناسب تھا کہ عملی میدان میں اتر کر اہل کوفہ کے ساتھ کچھ دن باہمی تعامل کی زندگی گزارتے تا کہ احوال کوفہ کی صحیح اور واضح تصویر پر رائے قائم کرتے، کیوں کہ وہ حسین رضی اللہ عنہ کے نائب تھے، اور اس عملی اقدام کی اولین شکل یہ تھی کہ حسین رضی اللہ عنہ پر بیعت کے دعویداروں کو اپنی قیادت میں لے کر پہلے خود کوفہ پر قابض ہوتے اور عراق کے بارے میں جو اندازے قائم کیے تھے اس کے مطابق وہاں کا نظام چلاتے، پھر جب حالات کا صحیح اندازہ ہو جاتا تب حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دیتے، تا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو وہاں پہنچتے ہی پہلی فرصت میں ان حوادث کا سامنا نہ کرنا پڑتا جن سے دوچار ہوئے۔ پس میرے خیال میں مسلم بن عقیل کا اولین فرصت میں حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دینا اور انھیں یہ بتانا کہ حالات انھیں کے حق میں سازگار ہیں، ایک بڑی غلطی تھی، جو مسلم بن عقیل سے صادر ہو چکی تھی، جب کہ حسین رضی اللہ عنہ نے مسلم بن عقیل کی بات پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے مزید دیگر ذرائع سے حالات کی خبر نہیں لیا، اور اس بات سے مطمئن رہے کہ میرے کوفہ پہنچتے ہی وہاں کے سارے لوگ میرے ساتھ ہوں گے۔ اس موقع پر آپ یہ بھول گئے کہ یہ وہی کوفہ ہے جہاں ان کے والد محترم کو انتہائی مایوسی و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا تھا، اور ان کی ایک بات نہ سنی گئی تھی۔ اور آخر میں وہیں کے بدعہدوں کے ہاتھوں آپ کو قتل کیا گیا تھا۔ صرف والد محترم ہی نہیں بلکہ ان کے برادر حقیقی حسن رضی اللہ عنہ نے خود

اہل کوفہ کی سازشوں اور غداریوں کا سامنا کیا تھا، اور بستر مرگ تک جاتے جاتے آپ نے اپنے بھائی حسین کو ان سے خبردار کیا تھا۔ مختصراً یوں کہئے کہ جن لوگوں نے بھی حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے باز رہنے کی تلقین کی تھی سب کے سب ایک واضح ترین سیاسی منظر نامہ دیکھ اور محسوس کر رہے تھے، اسی لیے سبھی لوگوں نے آپ کو ڈرایا اور منع کیا تھا اور جس اقدام کے لیے وہ بے چین تھے اس کی غلطی و نقصانات کو واضح کیا تھا، پس یہ امر محال ہے کہ تمام تر مشیران و خیر خواہان غلطی پر ہوں اور فقط فرد واحد حق پر ہو۔ خاص طور پر اس پس منظر میں کہ بیشتر مشورہ دہندگان و خیر خواہان اکابرین صحابہ و تابعین اور آپ کے اقرباء و رشتہ دار تھے، چناں چہ معقولیت تو اس بات میں تھی کہ آپ توقف سے کام لیتے تاوقتیکہ کوفہ میں مکمل امن و اطمینان اور حقیقی سمع و طاعت کا منظر سامنے آجاتا، اور خود اہل کوفہ آپ کو دعوت دینے آتے اور ساتھ لے کر جاتے جیسا کہ محمد بن الحنفیہ اور ابن عباس نے آپ کو یہی مشورہ دیا تھا۔ نہ یہ کہ آپ ان خطوط پر مکمل اعتماد کر لیتے اور کوفہ جانے کے لیے انھیں خطوط و تحریری بیانات کو اصل سبب بنا لیتے۔ [1]

---

[1] اہل تشیع اب تک جہالت میں مبتلا ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ نے اللہ کے دینی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کوفہ کا سفر کیا تھا، کیوں کہ اپنے والد و بھائی کے بعد وہی امام المسلمین تھے۔ پس اگر اہل تشیع کے اس عقیدہ کو ہم مباحثہ کی میزان پر رکھیں اور تسلیم کر لیں کہ حسین رضی اللہ عنہ دینی حکم الٰہی کی تعمیل یعنی منصب امامت سنبھالنے ہی کی خاطر کوفہ گئے تھے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان سے پہلے ان کے والد نے تین پیش رو خلفاء کے حق میں حق امامت سے دستبرداری کیوں کر لی تھی، اور جان بوجھ کر اس اہم اعتقادی پہلو (حق امامت) کو نظر انداز کرتے ہوئے پوری امت کو گمراہی میں کیوں چھوڑ دیا تھا، کیا اس کا سبب کوئی خوف تھا؟ یا مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی بقا مقصود تھی؟ معاذ اللہ، ایک ایسے شخص کے بارے میں جسے اللہ اور اس کے رسول پسند کرتے ہوں، اور جو ایک نڈر و جانباز بہادر رہا ہو، اور لقب شیر خدا ہو، کیا اس کے بارے میں یہ سوچا جا سکتا ہے، یہ انھوں نے کسی سے خوف کھا کر خاموشی اختیار کر لی تھی، اور اگر یہ کہا جائے کہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی حفاظت مقصود تھی تو آپ نے اپنی خاموشی کے ذریعہ امامت میں خیانت کیا، جب کہ معاذ اللہ آپ کے بارے میں یہ تصور بھی مجرمانہ حرکت ہے۔ کیوں کہ آپ ایک ایسے فقیہ و عالم تھے جو اللہ کے راستے میں ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کرنے والے تھے۔ بعینہٖ حسن رضی اللہ عنہ کا خلافت (امامت) سے تنازل کر لینے کا یہ مفہوم ہرگز نہیں لیا جا سکتا ہے کہ اہل کوفہ کی ذلت آمیز حرکت سے عاجز آ کر آپ نے دستبرداری کی تھی، کیوں کہ ایک دینی فریضہ کے نفاذ سے ایک مسلمان اور وہ بھی ایک عظیم المرتبت شخصیت محض وقتی حالات کی سنگینی کے پیش نظر تنازل نہیں کر سکتی تھی۔ پر اگر حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد کے بعد خود کو امام معصوم سمجھتے تو اپنے حق سے دستبرداری کے لیے کبھی تیار نہ ہوتے، کیوں کہ دریں صورت حال شیعی نظریہ کے تحت آپ پوری امت کو اسی وقت سے گویا ضلالت کی راہ پر چھوڑ رہے تھے حالاں کہ اسے کوئی تسلیم نہیں کرتا۔

پس ہمیں یہ کہنے میں قطعاً تردد نہیں ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ ہی کی طرح حسین رضی اللہ عنہ کی تحریک کا تعلق کسی حکم الٰہی کے نفاذ سے نہیں تھا، نہ اس کا امامت سے کوئی واسطہ تھا، اور نہ آپ اس لیے نکلے تھے کہ پوری امت گمراہی کے دوش پر تھی، نہ عوام بے دین ہوئی تھی، اور نہ ہی بت پرستی کی شروعات ہو گئی تھی بلکہ شرعی احکامات کا مکمل نفاذ تھا، جہاد قائم تھا، اسلام اور مسلمان، عزت و سربلند تھے، جب کہ کفر اپنی ذلت و انتشار کی موت مر رہا تھا۔ پس آپ (حسین رضی اللہ عنہ) جیسی شخصیت کا خروج عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جیسا تھا، دونوں ہی یہ سمجھتے تھے کہ وہ حکومت میں تبدیلی لانے کے لیے موثر ہو سکتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ یزید کے بالمقابل خلافت کے زیادہ مستحق ہیں، چناں چہ ابن کثیر نے اس موضوع کے لیے یہی باب باندھا ہے کہ ”قصة الحسين بن على و سبب خروجه من مكة فى طلب الامارة“ (البداية والنهاية (۸/ ۱۵۲)

۵...... یزید بن معاویہ اور

کوفہ میں پیش آنے والے واقعات وحوادث

یزید بن معاویہ کی نگاہوں سے حسین رضی اللہ عنہ کی نقل وحرکت، بیعت سے انکار کرتے ہوئے مدینہ سے ان کا نکلنا، پھر مکہ میں ٹھہرنا، اور کوفیوں کے رابطے میں رہنا وغیرہ پوشیدہ نہ تھیں، لیکن وہ حسین اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے تئیں عدم تشدد اور نرم رویہ کو ترجیح دے رہے تھے، کیوں؟ اولاً ان دونوں کے مقام ومرتبہ اور خاندانی عظمت کا احترام ملحوظ تھا، اور ثانیاً ان کے باپ (معاویہ رضی اللہ عنہ) نے انھیں عدم تشدد اور خاص طور سے حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ زیادہ ہی نرم رویہ اختیار کرنے کی نصیحت کی تھی۔ اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ یزید نے کسی طرح کا دفاعی اقدام نہیں کیا بلکہ دور سے ان کے موقف پر نگاہ لگائے رہے۔ اور جب انھیں یقین ہوگیا کہ شیعان کوفہ سے حسین رضی اللہ عنہ کے تعلقات میں مضبوطی آگئی ہے، اور وہ آپ کو کوفہ آنے کے لیے خطوط لکھ رہے ہیں نیز مسلسل اس کے لیے آپ کو بھڑکا رہے ہیں، جس کی وجہ سے حسین رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی ایک سچی خواہش پیدا ہو چکی ہے، اور یہ کہ جونہی قریب ترین وقت میں آپ رضی اللہ عنہ کے لیے حالات سازگار ہوئے تو آپ ضرور کوفہ کے لیے سفر کریں گے۔ جب یزید کو ان تمام باتوں پر یقین ہوگیا تو انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس اس سلسلے میں خط لکھا، کیوں کہ وہی اپنے دور میں بنو ہاشم کے لیے معتبر ترین اور سرکردہ فرد ہوا کرتے تھے، اور مسلمانوں کے بڑے عالم دین کہے جاتے تھے، نیز ان میں عقل ودانش کی بھرپور خوبیاں اور اصابت رائے کی صلاحیتیں موجود تھیں۔ انھیں لکھا کہ ہم سمجھتے ہیں: کہ ان (حسین رضی اللہ عنہ) کے پاس مشرق سے کچھ لوگ گئے ہیں اور انھیں خلافت کی باگ ڈور سنبھالنے کی رغبت دلائی ہے، لیکن وہ لوگ کیسے ہیں آپ کو اس سلسلے میں خوب تجربہ و مہارت ہے، پس اگر وہ ان کے جھانسے میں آکر کوئی اقدام کرتے ہیں تو گویا انھوں نے اپنا رشتہ توڑ لیا، اور خاندانی عظمت کو زخم خوردہ کیا، چوں کہ آپ اپنے گھرانے کے بڑے اور منظور نظر ہیں لہٰذا انھیں۔حسین رضی اللہ عنہ۔ کو اختلاف وانتشار کرنے سے روک دیں۔ [1]

پھر یزید نے آپ کے نام اور مکہ ومدینہ میں سکونت پذیر قریشیوں کے نام یہ اشعار لکھے:

یـــا أيهـــا الـراكـب الـغـــادي لـطيتـــه
عـــلـــى عـــذَا فِـرة فـي سيـرهـا قـحـم

[1] ابن عساكر / ترجمة الحسين (٢٠٣-٢٠٤) تهذيب الكمال (٦/ ٤١٩)

''بے فائدہ اپنی ضرورت و مقصد کے لیے صبح سویرے سفر کرنے والے ایسے تندرست و مضبوط اونٹوں پر جن کے چلنے میں مشقت و دشواری ہے۔''

ابلغ قریشا علی نأي المزار بها
بینی و بین حسین الله والرحم

''خانۂ کعبہ سے دور ہونے کے باوجود قریش کو باخبر کردو کہ میرے اور حسین کے درمیان واسطہ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور قرابت داری کا۔''

و موقف بفناء البیت انشده
عهد الإله و ما یوفی به الذمم

''بیت اللہ کے صحن میں ٹھہرنے کی قسم! میں (حسینؓ) کو اللہ کے عہد و پیمان کا واسطہ دیتا ہوں اور اس چیز کا بھی جس کے ذریعہ عہد و پیمان پورے کیے جاتے ہیں۔''

عنیم قومکم فخرا بامکم
ام لعمری حصان برة کرم

''تمھاری ماں (فاطمہؓ) کی وجہ سے قابل فخر ہے میری زندگی کی قسم وہ پاکباز، نیک طینت اور جود وسخا کی پیکر ماں ہے۔''

هی التی لا یدانی فضلها احد
بنت النبی و خیر الناس قد علموا

''یہ (فاطمہ) وہ ذات ہے جس کے فضل و کمال کی کوئی ہمسری نہیں کرسکتا وہ نبی کریم ﷺ اور لوگوں میں سب سے بہتر کی بیٹی ہیں جنھیں لوگ جانتے ہیں۔''

و فضلها لکم فضل و غیرکم
من قومکم لهم فی فضلها قسم

''ان کی فضیلت و برتری میں تمھارے لیے فضیلت و برتری ہے اور تمھاری قوم کے دوسرے لوگوں کو بھی ان کی فضیلت میں سے حصہ ملا ہے۔''

انی لأعلم أو ظنا کعالمه
والظن یصدق احیانا فینتظم

''بے شک میں انھیں (حسین کو) جاننے والے کی طرح یقینی وقطعی طور پر جانتا ہوں یا بطور گمان جانتا ہوں۔ اور بسا اوقات گمان بھی سچ ثابت ہوتا ہے اور یقین سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔''

ان سـوف يتـركـكـم مـا تـدعـون بهـا
قتـلـى تهـاذاكـم الـعـقبان والـرخـم

''عنقریب وہ لوگ جنھیں تم بطور مددگار بلاتے ہو، تمھیں مردہ حالت میں چھوڑ دیں گے اور تمھاری نعش کو شکاری پرندے اور گدھ نوچ کھائیں گے۔''

يـاقـومنـا لا تشبـوا الحرب اذ خمدت
وامسـكـوا بـحبـال السـلـم واعتصموا

''اے میری قوم! جنگ کی آگ بجھ جانے کے بعد اسے مت بھڑکاؤ اور صلح و آشتی کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔''

لا تـركبـوا البغـى ان البغى مصـرعـه
و ان شـارب كـأس البـغـى يتـخـم

''بغاوت وسرکشی پر آمادہ مت ہو بے شک بغاوت کا انجام ہلاکت و بربادی ہے اور بلاشبہ بغاوت کا جام پینے والا بدہضمی کا شکار ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے۔''

قـد غـرَّت الـحـرب مـن كـان قبـلكم
مـن الـقـرون و قـد بـادت بهـا الأمـم

''تحقیق کہ تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو جنگ ہی نے دھوکہ وفریب میں مبتلا کیا تھا اور جنگ ہی کی وجہ سے سابقہ قومیں ہلاک و برباد ہو گئیں۔''

فـانـصفـوا قـومكـم لا تهـلكو بذخـا
فـرب ذى بـذخ زلـت بـه الـقـدم

''اپنی قوم کے ساتھ انصاف کرو اور کبر ونخوت میں مبتلا ہو کر انھیں ہلاکت میں نہ ڈالو پس اکثر و بیشتر کبر وغرور والوں کے قدم غرور ہی کی وجہ سے پھسل جاتے ہیں۔

چناں چہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس خط کے جواب میں لکھا:

''مجھے امید ہے کہ حسین کا خروج کسی ایسے معاملے کی طرف اقدام نہیں ہوگا جسے آپ ناپسند کریں

اور میں بھرپور شفقت ومحبت کے انداز میں کہ جس سے ان کے جوش ورجحان میں تبدیلی آجائے انھیں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔''[1]

اس قصیدہ سے واضح ہوتا ہے کہ یزید اس بات سے خائف تھے کہ مبادا ان کے اور حسین کے درمیان کوئی ایسا تصادم ہوجائے جس کا انجام بہتر نہ ہو، اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یزید ہاشمیوں کو اس بات سے مطمئن کرنے کے لیے کوشاں تھے کہ ہمیں تمھارے فضل ومرتبہ کا اعتراف ہے، خاص طور سے حسین رضی اللہ عنہ کی جو فضیلت ان کے ماں فاطمہ بنت رسول کی وجہ سے ہے وہ میری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے، نیز انھیں یاد دلا رہے تھے کہ اس خصوصی فضل ومنقبت کو شہنشاہیت تک پہنچنے کے لیے ذریعہ نہ بنائیں۔

اس قصیدے میں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ یزید قریشیوں کو عقل کے ناخن لینے کی نصیحت کرتے ہیں، اور انھیں جنگ کے خطرناک نتائج یاد دلاتے ہیں اور صبر وتوقف سے کام لینے کی دعوت دیتے ہیں، اور خبردار کرتے ہیں کہ اس راستے میں حسین رضی اللہ عنہ کا اپنے موقف پر بضد رہنا خطرناک انجام کو دعوت دے رہا ہے۔

مختصراً یوں کہیے کہ یہ قصیدہ بعد میں پیش آنے والے متوقع حوادث ونتائج کی طرف سے پیشگی معذرت نامہ تھا، اور یزید کی طرف سے یہ کوشش تھی کہ بعد میں جو کچھ برے حالات وحوادث پیش آئیں اس کی ذمہ داری حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے سر جائے، میں اس سے برئی الذمہ رہوں۔ جب کہ اس دوران حالات وحوادث بہت تیزی سے بدل رہے تھے، خاص طور سے اس وقت عجیب وغریب حالات پیدا ہوئے جب شیعان کوفہ نے مسلم بن عقیل کے ہاتھوں پر بیعت کرنا شروع کردیا تھا۔ دریں صورت حال جب والی کوفہ نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ عنہما نے حالات کی دھماکہ خیزی کو بھانپ لیا تو آپ کھڑے ہوئے، اور خطبہ دیا: اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، فتنہ اور اختلاف وانتشار سے پیچھے ہٹ جاؤ کہ اس میں انسانوں کی ہلاکتیں اور خونریزیاں ہوتی ہیں، اور اموال کا اتلاف ہوتا ہے۔ اور سن لو! جو شخص مجھ سے قتال نہ کرے گا میں اس سے قتال نہیں

---

[1] ابن سعد (ط ٥/ ٣٦٤-٣٦٥) الطبری (٨/ ٢٠٢)، ابن الشجری (١/ ١٨٢) تھذیب الکمال (٦/ ٤١٩) تاریخ دمشق، ترجمہ حسین (٢٠٣-٢٠٤)

طبری نے فضل بن عباس الہاشمی کے حوالے سے لکھا ہے: کہ اس قصیدہ کا سبب دراصل یہ ہے کہ یزید نے شہادت حسین رضی اللہ عنہ سے اپنی دست برداری کی معذرت میں اہل مدینہ کے نام سے اسے لکھا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اس کی کوئی دلیل نہیں دیا، اور اشعار بھی کسی بھی اعتبار سے قتل حسین یا اعتذار کی طرف اشارہ نہیں کرتے، مزید برآں شروع ابیات میں حسین اور یزید کو اللہ کے سامنے فیصلہ لے جانے کی بات کہی گئی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت حسین رضی اللہ عنہ باحیات تھے۔

کروں گا۔ جو میری طرف اقدام نہیں کرے گا میں اس پر حملہ آور نہیں ہوں گا، میں تم سے زبان نہیں لڑانا چاہتا کہ آپس میں گالی گلوچ ہو، نہ تمھارے ساتھ فتنے کی آگ بھڑکانا چاہتا ہوں، اور نہ ہی میں تم پر کوئی الزام، تہمت یا بدگمانی دھرتا ہوں، لیکن تم نے مجھ سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا، بیعت توڑ دیا، اور اپنے امام کی خلاف ورزی کیا۔ اللہ کی قسم! میں تمھیں اپنی تلوار سے ماروں گا جب تک کہ اس کا دستہ میرے ہاتھ میں رہے گا، اگرچہ تمھاری طرف سے میرا کوئی مددگار نہ نکلے، میں امید کرتا ہوں کہ تمھارے باطل پرستوں کے مقابلے حق کے شناسا اور طرفدار زیادہ ہوں گے۔ [1]

نعمان بن بشیر کے اس خطبہ سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ آپ ایک صلح پسند، بردبار اور عبادت گزار آدمی تھے، عافیت کو پسند کرتے تھے، نیز اس خطبہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما اپنے اس خطاب کے ذریعہ یہ پیغام دینے کی کوشش کر رہے تھے کہ کوفہ میں رونما ہونے والے متوقع حوادث سے آپ کس طرح نمٹیں گے، بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر نعمان بن بشیر کی تقویٰ شعاری اس شدت پسندی کی راہ میں حائل نہ ہوتی جس کے نتیجے میں خونریزیاں، اور جان و مال کی تباہی ہونے والی تھی تو آپ اپنے اس موقف پر بس نہ کرتے، بلکہ کچھ اور ہی اقدام کرتے اور پھر اس پر قابو پانا مشکل ہو جاتا۔

بہرحال جو کچھ ہوا ہوا، لیکن نعمان بن بشیر کی یہ سیاست بعض اموی خیرخواہوں کو پسند نہ آئی، خاص طور سے عبداللہ بن مسلم بن سعید الحضرمی کو، جو کہ بنوامیہ کے حلیف اور کوفہ میں ان کے طرفدار و خیرخواہ تھے، ان کی غیرت اسے برداشت نہ کر سکی، وہ اٹھے اور نعمان بن بشیر سے کہنے لگے کہ آپ کا یہ طریقہ کمزروں اور بے بس حکمرانوں کا طریقہ ہے، آپ کو چاہیئے کہ جو لوگ کوفہ کے امن وامان کو غارت کرنے کے درپے ہیں ان سے سختی سے نمٹیں، لیکن نعمان بن بشیر اپنے موقف میں بالکل واضح تھے یعنی کہ وہ اپنی سیاست میں اللہ سے ڈرتے ہیں۔ [2]

جب کہ عبداللہ بن مسلم نے دوسری طرف یزید بن معاویہ کو خط لکھ کر حقیقی صورت حال سے خبردار کیا اور بتایا کہ نعمان بن بشیر کی نرمی نقصان دہ ثابت ہوگی، اور ان کے پیچھے ہی عمارہ بن عقبہ اور عمر بن سعد بن ابی وقاص نے بھی بعینہٖ اسی طرح کا خط تحریر کیا جو عبداللہ بن مسلم نے لکھا تھا۔ [3] جب یزید بن معاویہ کے

---

[1] الطبری (٥/ ٣٥٥) باسناد ابی مخنف۔

[2] الطبری (٥/ ٣٥٥، ٥/ ٣٤٨) بسند عمار الدھنی، تھذیب التھذیب (٢/ ٣٠١)

[3] الطبری (٥/ ٣٥٦) بعض روایتوں میں آیا ہے کہ نعمان نے اہل کوفہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: ......اے لوگو! رسول کے لخت جگر کا بیٹا میرے نزدیک بنت بحدل کے بیٹے سے زیادہ عزیز ہے۔ دیکھئے العقد الفرید (۴/۳۷۷)، الحسن (۱۵۰) لیکن یہ ⇦⇦⇦

پاس یہ خطوط آئے تو انھوں نے اپنے مشیر خاص ❶ سرجون بن منصور کو بلایا جو کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے موالی میں سے تھے، ❷ سرجون نے یہ مشورہ دیا کہ بہتر ہوگا کہ عبید اللہ بن زیادہ کو بصرہ کے ساتھ کوفہ کی بھی امارت دے دی جائے، چناں چہ یزید نے اس مشورہ کو مناسب سمجھا، اور ابن زیادہ کو لکھا کہ تمھیں بصرہ کے ساتھ کوفہ کی امارت کے لیے بھی متعین کیا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ تاریخی روایات کی حوالے سے یہ بات بھی ملتی ہے کہ یزید ان ایام میں ابن زیادہ سے کچھ خفا بھی تھے، حتی کہ ان واقعات وحوادث سے پہلے انھیں بصرہ کی امارت سے معزول کرنے کو سوچ رہے تھے ❸ جب کہ بعض تاریخی مصادر میں یہ بھی تذکرہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے عراق پر ابن زیاد کی امارت کی دستاویز لکھوا دی تھی، اور پھر آخری ایام میں انھیں ۵۵ھ میں بصرہ کا امیر بنایا تھا۔ ❹

بہرحال حالات میں عدم توازن اور یکے بعد دیگرے پیش آنے والے واقعات کے پیش نظر اس بحرانی صورت حال میں ابن زیاد ہی کو کوفہ کی گورنری کے لیے قبول کرنا پڑا۔

یہاں یہ بات فائدے سے خالی نہیں کہ ابن زیادہ کی عمر اگرچہ ابھی (۲۸) سال ❺ کو تجاوز نہ کر سکی تھی لیکن وہ اسی عمر میں ایک طاقتور سیاسی شخصیت کے مالک ہو چکے تھے، انتہائی بے باک اور کافی بہادر تھے، اور اسلامی مشرق وسطی میں لڑی جانے والی متعدد جنگوں میں اپنی قیادت و جنگی صلاحیت کے جوہر دکھا چکے تھے۔ ❻

پس اس بحرانی کیفیت میں یزید کی یہ واجبی مجبوری بن چکی تھی کہ حالات سے نمٹنے کے لیے ایک مضبوط اور ماہر و تجربہ کار قیادت کو تلاش کریں جو حالات میں ابتری پیدا ہونے سے قبل ان کا تدارک کر سکے۔ اس موقع پر

⇦⇦ بات بعید از عقل و قیاس ہے، کیوں کہ نعمان کی کوفہ سے معزولی کے بعد یزید کے پاس ان کی کافی مقبولیت ہوگئی تھی پھر بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ جس نے انھیں کوفہ کی قیادت و امارت سونپی ہو اس کے ساتھ وہ خیانت و بدعہدی کریں گے، بلاشبہ حسین رضی اللہ عنہ یزید سے افضل ہیں لیکن یہاں جو نسبت پیدا کی گئی ہے وہ کسی حالت میں درست نہیں ہے۔

❷ انساب الاشراف (٤/ ٦٠)

❸ ان کا نام سرجون بن منصور الرومی ہے، معاویہ پھر ان کے بیٹے یزید اور پھر عبدالملک بن مروان کے کاتب تھے، اولاً یہ نصرانی تھے پھر اسلام لے آئے۔ تهذيب تاريخ دمشق (٦/ ٧٣)

❹ الطبری (٥/ ٣٥٧) تهذيب التهذيب (٢/ ٣٠١)

❺ الطبری (٥/ ٣٥٠) تاريخ دمشق (١٠/ ق٦٥٦) العلل و معرفة الرجال (٢/ ٢٥) میں امام احمد بن حنبل نے بسند صحیح بروایت عمر بن سعید ان تمام امراء کوفہ کی فہرست لکھی ہے جو وفات معاویہ کے بعد وہاں منتخب ہوئے۔

❻ ابن عساكر (١٠/ ق ٦٥٥)

❼ عبادہ بن حصین کہتے ہیں: میں نے عبید اللہ بن زیاد سے زیادہ طاقتور نہیں دیکھا، ایک مرتبہ خراسان میں ہماری مڈبھیڑ ترکوں سے ہوگئی، تو میں نے دیکھا کہ وہ کلانچیں بھرتے ہوئے ان پر حملہ کرتے اور ان پر وار در وار کر کے غائب ہو جاتے۔ طبری (٥/ ٢٩٨)

یزید ایسے شخص کی تلاش میں ہرگز نہ تھے جو بہت زیادہ عافیت پسند ہو، یا ایسا صلح جو ہو جو کسی سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا چاہتا ہو، دریں صورت حال اس منصب پر نعمان بن بشیر تو موجود ہی تھے، پھر انھیں ایسے کسی نرم طبیعت انسان کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یزید تو کوفہ کو ایسے شخص کے حوالے کرنا چاہتے تھے جو علیحدگی پسندی، اور مملکت اسلامی کے خلاف اعلانیہ بغاوت کی طرف مائل شہر کو قابو میں کر سکے، کیوں کہ علیحدگی یا اعلانیہ بغاوت کے اس رجحان کی تائید یزید ہی کیا اموی حکومت کا کوئی فرد بھی نہیں کر سکتا تھا، پس یزید کی نگاہ میں ان حالات سے نمٹنے اور بغاوت کی آواز دبانے کے لیے سختی کی ضرورت تھی جسے ابن زیاد کی شکل میں منصب ولایت کے لیے مناسب سمجھا، پھر قرار داد پاس کیا، اور فوراً ابن زیاد کو نامہ ارسال کرتے ہوئے حکم دیا کہ جس قدر جلدی ممکن ہو سکے کوفہ کے لیے روانہ ہو جائیں۔ طبری نے ابن زیاد کے نام لکھی ہوئی یزید کی تحریر کو حرفاً حرفاً نقل کیا ہے جس کا مضمون یہ ہے:

> ''اہل کوفہ کے میرے محبانوں نے بذریعہ خط مجھے اطلاع دی ہے کہ وہاں ابن عقیل مسلمانوں کے اتحاد کو توڑنے کے لیے ایک گروہ اکٹھا کر رہا ہے، لہٰذا میرا یہ خط پڑھتے ہی تم کوفہ کے لیے نکل پڑو اور وہاں پہنچ کر ابن عقیل کو اس طرح ڈھونڈو جس طرح کوئی نگینہ کو ڈھونڈتا ہے۔ اسے گرفتار کرنا یا قتل کرنا، یا پھر جلاوطن کرنا............ والسلام''[1]

جب ابن زیادہ کو یہ خط ملا تو انھوں نے کارروائی کی تیاری شروع کر دی، اور دوسرے ہی دن کوفہ کے لیے روانہ ہو گئے ....

یہاں ضروری ہے کہ ہم یزید کے اس خط پر تھوڑا توقف کریں اور اس کی معنویت پر غور کریں، چناں چہ اس خط سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ یزید نے مسلم بن عقیل کو خلافت کا باغی اور مسلمانوں میں انتشار وفساد کا محرک سمجھا، تاہم ابن زیادہ کو پہلے مرحلے میں صرف گرفتاری کا حکم دیا، اور پھر انھیں موزوں ترین اقدام کے بارے میں اختیار دیا کہ انھیں قتل کریں، قید کریں، یا عراق سے جلاوطن کر دیں، گویا یزید کی طرف سے یہ ایک طرح کی معافی اور نظر اندازی تھی، کیوں کہ ایک شخص جو یزید کے خلاف خروج کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی بیعت سے ہاتھ کھینچنے کی دعوت دیتا ہے، یزید اور اس کے اقتدار کو زمین بوس کرنے کے لیے ہر ممکن تدبیریں کرتا ہے پھر بھی یزید اپنے اس خط میں اپنے دشمن مسلم بن عقیل کے ساتھ تحریری اشارے میں معافی اور اس کی غلطی کو نظر انداز کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

دوسری جانب عبید اللہ بن زیادہ نے بصرہ سے روانہ ہوتے وقت متعدد احتیاطی تقاضوں کو ملحوظ رکھا، کیوں

[1] الطبری (٥/ ٣٥٧) بسند عوانہ

کہ انھیں ڈر تھا کہ یہاں سے جانے کے بعد حالات میں ناخوشگواری نہ پیدا ہو جائے، چناں چہ اہل بصرہ کو خطاب کرتے ہوئے انھیں خبردار کیا اور دھمکایا کہ اگر مسلمانوں کے اتحاد کو توڑنے میں یہاں کے لوگوں کا کوئی کردار محسوس ہوا تو انجام بہت برا ہوگا، اور بتایا کہ امیر المومنین نے انھیں کوفہ کا امیر مقرر کیا ہے، اور یہاں میرے بھائی عثمان بن زیاد بن ابوسفیان میری نیابت کریں گے۔ [1]

پھر وہ بصرہ سے نکل گئے اور آپ کے ساتھ وہاں کی کچھ اہم شخصیتیں جیسے کہ مسلم بن عمرو الباہلی اور شریک بن الاعور الحارثی اور ان کے گھرانے کے دیگر لوگ بھی گئے۔ [2]

اب ابن زیاد کوفہ پہنچ گئے، وہاں داخل ہوتے ہوئے منہ پر کپڑے کی پٹی باندھے ہوئے تھے، جب کہ دوسری طرف اہالیان کوفہ کو یہ خبر ملی کہ حسین رضی اللہ عنہ یہاں پہنچ چکے ہیں، کیوں کہ لوگ آپ کی آمد کے منتظر تھے ہی، غلطی سے عبید اللہ بن زیاد کی آمد کو ان لوگوں نے سمجھا کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہما آئے ہیں، نتیجتاً وہ لوگوں کے جس مجمع کے پاس سے گزرتے وہ مجمع ان سے السلام علیکم کہتا، اور استقبال کرتے ہوئے کہتا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے آپ کو مرحبا ہے، آپ کی آمد مبارک ہو، اور جب استقبال وسلام کی کثرت ہوئی تو مسلم بن عمرو نے بآواز بلند مجمع کو مخاطب کر کے کہا: پیچھے ہٹ جاؤ، یہ امیر عبید اللہ بن زیاد ہیں، پھر جب ابن زیاد قصر امارت میں پہنچے تو الصلاۃ جامعة کی ندا لگائی گئی، لوگ اکٹھا ہوئے اور ابن زیاد نے باہر نکل کر انھیں خطاب کیا، کہ جس نے ان کی اطاعت کیا اس کے ساتھ خیر و بھلائی کا برتاؤ ہوگا، اور جس نے مخالفت کا رخ اپنایا اور فتنہ کی آگ لگانا چاہی اس کا انجام برا ہوگا۔ [3]

۶......عبید اللہ بن زیادہ اور حوادث کوفہ سے نمٹنے کا ان کا طریقہ کار

ابن زیادہ کو کوفہ میں جس سب سے بڑی مشکل کا سامنا تھا وہ یہ کہ معارض گروہوں کی نقل وحرکت کی نشاندھی اور گھیرا بندی کریں، خاص طور سے وہ گروہ جو مسلم بن عقیل کی مدد میں ہے، اور کوفہ کی شیعی تنظیم سے ان کے روابط کو برقرار رکھنے میں ان کے خورد ونوش اور رہائش کا انتظام کر رہا ہے، چناں چہ اولین مرحلے میں ابن زیاد نے تمام عمائدین کوفہ کی فہرست تیار کرائی، اور انھیں مکلّف کیا کہ حکومت وقت سے دلبرداشتہ تمام ہی افراد کے نام لکھیں خواہ ان کا تعلق شیعہ سے ہو، خوارج سے ہو یا حکومت کے مطلوبہ لوگوں سے ہو یا غرباء (اجانب) سے ہو اور پھر عمائدین کے سامنے واضح انداز میں بیان کر دیا کہ جو اس مطالبے کا اہتمام نہیں

---

[1] الطبری (۵/ ۳۵۸)

[2] ایضًا [3] ایضًا

کرے گا وہ اپنے برے انجام کے لیے تیار رہے، یعنی اس کی جائداد کی قرقی ہوگی، اسے قتل کیا جائے گا اور دیش بدر بھی کیا جائے گا۔ اور جس نے اپنی ذمہ داری نبھانے میں کوتاہی برتی، اور اس کی ماتحت جماعت میں کوئی مشکوک، یا حکومت کا مطلوبہ یا اجنبی شخص پایا گیا تو اس شخص کا انجام یہ ہوگا کہ اسے اس کے گھر کے دروازے پر پھانسی دی جائے گی۔ [1] ابن زیاد اپنی اس کارروائی کے ذریعہ ایک طرف کوفہ کے امن و امان کو برقرار رکھنے اور مخالفین کے دلوں میں اپنی گرفت کی دہشت بیٹھانے میں کامیاب رہے اور دوسری طرف مسلم بن عقیل کی منصوبہ بند تحریک پر زبردست قدغن لگائی، جس نے ابن عقیل کی ساری ترتیبات اور ارادوں کو ناکارہ بنا دیا۔

اس کارروائی کے ساتھ ساتھ دوسرے مرحلے میں ان کی نگاہ مسلم بن عقیل کی گرفتاری پر مرکوز تھی جو کہ بظاہر اس صوبائی امن کو تباہ کرنے کے اہم محرک تھے۔ ابن زیاد کو خوب معلوم تھا کہ ابن عقیل کوفہ ہی میں بھیس بدل کر کسی کے یہاں روپوش ہیں، اور بآسانی انھیں گرفتار نہیں کیا جاسکتا، اس لیے ابن عقیل کے ٹھکانے کی تلاش کے لیے منظّم تدبیر ضروری ہے۔ بنابریں انھوں نے اپنے ایک معتمد خاص کو خاصی رقم دے کر یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ اپنا بھیس بدل کر خود کو باہر سے آنے والا شیعہ بتائے تاکہ مسلم بن عقیل تک رسائی ہو سکے۔ اور پھر واقعتاً یہی ہوا، اس نے لوگوں سے کہا کہ وہ حسین رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنا چاہتا ہے۔ اسے مسلم بن عقیل کے ایک نمائندہ مسلم بن عوسجہ اسدی سے ملنے کی رہنمائی کی گئی، چناں چہ وہ ابن عوسجہ کے پاس آیا اور کہا: میں ملک شام کا باشندہ ہوں اور مسلم بن عقیل سے بیعت کا خواہاں ہوں، جب مسلم بن عوسجہ کو اس پر یقین آ گیا تو اسے مسلم بن عقیل کے پاس لے گیا۔ [2] اس طرح ابن عقیل کے ٹھکانے تک ابن زیاد کی رسائی ہوگئی۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ شُریک بن اعور حارثی جو کہ ابن زیاد کے ساتھ بصرہ سے آیا تھا اور وہاں کی اہم شخصیات میں اس کا شمار تھا، وہ اصلاً شیعہ تھا اور کوفہ پہنچ کر اس نے ہانی بن عروہ کے یہاں قیام کیا تھا، اتفاق سے وہ قیام کوفہ کے دوران بیمار پڑا، اور ابن زیاد ہانی کے گھر برابر اس کی عیادت کے لیے جاتے رہے، جب کہ مسلم بن عقیل بھی ہانی ہی کے گھر روپوش تھے اور ابن زیاد کو اس کا علم نہ تھا۔ چناں چہ ان لوگوں نے ایک دن ابن زیاد سے چھٹکارا لینے کی ایک سوچی سمجھی تدبیر نکالی، اور مسلم بن عقیل کی قیادت میں تیس لوگوں کو تیار کیا، اور پھر شُریک نے کہا: کہ میں ایک کلمہ سِرّ یعنی ذو معنی راز دارانہ کلمہ (password) کہوں گا، یعنی اسقونی، مجھے پانی پلاؤ اور جب تم لوگ یہ کلمہ سننا تو بلا تاخیر باہر نکل کر ابن زیاد کو قتل کر دینا۔

چناں چہ ابن زیاد حسب معمول شریک کی عیادت کے لیے گئے اور جونہی اپنی جگہ پر بیٹھے شُریک نے کہا:

---

[1] طبری (۵/ ۳۹۵) [2] طبری (۵/ ۳۶۱)

اسقونی، اور یہی کلمہ اس نے کئی مرتبہ دہرایا، تبھی ابن زیاد کو گھر کے اندر عجیب مشکوک حرکتوں کا احساس ہوا اور فوراً تیزی سے وہاں سے نکل پڑے۔ ❶

طبری کے بقول: ہانی بن عروہ، شُریک سے پہلے بیمار ہوئے تھے، اس موقع پر عمارۃ بن عبید السلولی نامی ایک شیعہ نے ہانی سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ ابن زیاد کو قتل کر دیں، لیکن ہانی نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا: کہ وہ اپنے گھر میں کسی کو قتل ہوتے نہیں دیکھنا چاہتے، اور پھر ایک ہفتہ کے بعد ہی شُریک بیمار ہوا جو کہ ہانی کے گھر مہمان تھا، اس نے بھی ہانی سے یہی کہا: کہ ابن زیاد جب میری عیادت کے لیے آئیں تو انھیں قتل کر دیا جائے، اور پھر مسلم بن عقیل قصر حکومت کی طرف بڑھیں اور زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیں، جب کہ میں شفایاب ہونے کے بعد بصرہ روانہ ہو جاؤں گا۔ اس موقع پر بھی ہانی نے مسلم بن عقیل سے مطالبہ کیا کہ ان کے گھر میں کسی کو قتل نہیں ہونا چاہیے، چناں چہ ہانی کے اس اصرار کے آگے مسلم بن عقیل لاچار ہو گئے، اور ابن زیاد کے قتل کے بارے میں سوچنا ہی بند کر دیا۔ ❷

بہرحال ان روایتوں کا بغور جائزہ لینے سے یہ بات پایۂ یقین کو پہنچ جاتی ہے کہ یہ شیعی جذبات کی ترجمانی اور تلبیسی میلان کی پیداوار ہیں، چناں چہ ان روایتوں میں اس بات کا تاثر دیا گیا ہے کہ ابن زیاد انتہائی ضعیف موقف سے دوچار تھے، حتی کہ بہت جلد ان کا خاتمہ ہوجانے والا تھا، گویا ان روایتوں کے بموجب پورے کوفہ پر مسلم بن عقیل اور دیگر شیعی لیڈران کی گرفت تھی۔ جب کہ ان روایتوں کا دوسرا رخ یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ ابن زیادہ کے قتل کی ناکامی کا سبب ہانی بن عروہ کی دینی غیرت، شرافت و مروت اور ان کا اعلیٰ اخلاق تھا کہ انھوں نے اپنے گھر میں ابن زیاد کے قتل کو ناپسند کیا، یا شاید اس بات سے ڈرے کہ کہیں اس قتل کی ذمہ داری میرے سر نہ آجائے اور پھر اس کا انجام خراب ہو۔ علاوہ ازیں مسلم بن عقیل کی بھی دینی غیرت اور بلند اخلاقی کا اس میں دخل رہا کہ انھوں نے فرمان نبوی ﷺ "الایمان قید الفتك" ❸ (ایمان دھوکہ سے قتل کرنے سے مانع ہوتا ہے) کی رعایت کرتے ہوئے ابن زیاد کو قتل نہیں ہونے دیا۔ ❹

بہرحال روایتوں کا ماحصل جو بھی ہو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابن زیادہ کے تئیں مذکورہ دونوں افراد کے

---

❶ ابن سعد (ط ٥/ ٣٧٤) طبری نے بھی اسی سے ملتی جلتی روایت نقل کی ہے لیکن تیس لوگوں کی تعداد کا ذکر نہیں کیا ہے۔

❷ طبری (٥/ ٣٤٧-٣٦٢) طبقات ابن سعد (ط ٥/ ٣٧٣)

❸ مسند احمد (١/ ١٦٦، ١٦٧، ٩٢٠٤) الدیات/ ابن ابی عاصم ص (٢١، ٢٢) صحیح الجامع البانی (١/ ١٤٧ (٢٧٩٩))، تخریج مشکاۃ المصابیح (٢/ ١٠٥٣) الومضات فی تخریج احادیث الدیات/ خالد الجمیلی ص (٧١)

❹ الطبری (٥/ ٣٦٣)

جذبۂ ترحم کا حوالہ اس وقت کے نامساعد حالات سے یکسر متصادم ہے۔ کیوں کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ دونوں ہی خلیفۂ وقت یزید کے باغی تھے، اور ابن زیاد یزید ہی کے نمائندہ اور امیر بن کر یہاں آئے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یزید سے ان کا خاندانی رشتہ بھی تھا، یعنی ان کے عم زاد بھائی تھے، دریں صورت حال فطری بات ہے کہ مسلم اور ہانی کی سب سے بڑی خواہش اور تمنا یہی ہونی چاہئے کہ ابن زیاد کا اولین فرصت میں خاتمہ کیا جائے۔ علاوہ ازیں ایک دوسرا پہلو یہ قابل غور ہے کہ ابن زیاد کے بارے میں یہ سوچا ہی نہیں جاسکتا کہ وہ بلا کسی محافظ کے تنہا قصر حکومت سے باہر نکلتے رہے ہوں گے، بالخصوص جب کہ حالات ان کے لیے انتہائی پرخطر تھے، پھر بھلا یہ کیوں کر ممکن تھا کہ اتنی آسانی سے انہیں قتل کرنے کی سازش کامیاب ہو جاتی۔ راویتوں میں ملتا ہے کہ شُریک اس سازش کے تین دنوں بعد مر گیا۔

بہرحال ابن زیاد کا جاسوس مسلم بن عقیل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا، اس نے ابن عقیل سے مل کر اپنا تعارف پیش کیا، اور اپنے پاس جو مال تھا اسے بطور تحفہ پیش کیا تاکہ ابن عقیل کے دل سے ہر طرح کا شک وشبہہ نکل جائے، پھر مسلم نے اس مال کو ابوثمامہ الصاعدی نامی ایک شہسوار کے حوالے کر دیا جو اسلحہ خریدنے کا ذمہ دار تھا۔ اس طرح ابن زیاد کو مسلم بن عقیل کی نقل وحرکت کا پورا علم ہو گیا۔ [1]

واضح رہے کہ غالباً ہانی کو یہ شک ہو گیا تھا کہ ابن زیاد کو مسلم بن عقیل سے ان کے تعلق کا علم ہو گیا ہے، اور اسی وجہ سے وہ ابن زیاد کا سامنا اور سلام کرنے سے غائب رہنے لگے تھے، اور خود کو بیمار کہتے تھے جب کہ ابن زیاد ان کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے، اس موقع پر عمرو بن حجاج الزبیدی جو ہانی کا سالہ تھا، محمد بن اشعث کندی اور اسماء بن خارجہ نے ہانی کو اطمینان دلاتے ہوئے مشورہ دیا کہ ابن زیاد سے لازماً ملاقات کرلیں، ہانی نے ان کی بات مان لی، اور ان کے اصرار کے سامنے جھک گئے، لیکن ان مشیروں میں سے کسی کو یہ علم نہ تھا کہ ہانی مسلم بن عقیل کے رابطے میں ہیں۔ [2]

اب ہانی بن عروہ اپنے گھر سے نکل کر ابن زیاد سے ملاقات اور دعا وسلام کے لیے نکل پڑے، اور مشیروں میں سے دو ایک لوگ بھی ساتھ تھے، جب ابن زیاد نے ہانی کو آتے دیکھا تو قاضی شریح سے کہا: "اتتك بحائن رجلاه" [3] ہلاک ہونے والا اپنے دونوں قدموں سے تمھارے پاس آ گیا ہے۔

جب ہانی نے وہاں پہنچ کر ابن زیاد سے سلام کیا تو انھوں (ابن زیاد) نے مسلم بن عقیل کو اپنے یہاں چھپانے کی بات کہہ کر ہانی کو حیرت میں ڈال دیا، ہانی نے شروع میں تو مسلم سے اپنی لاتعلقی کی بات کہی، لیکن

---

[1] الطبری (٥/ ٣٦٤) [2] الطبری (٥/ ٣٤٩، ٣٦٣، ٣٦٧)

[3] کتاب الامثال / قاسم بن سلام (٣٢٨)

جب ابن زیاد نے اپنے اس جاسوس کو بلایا جس نے ہانی کے گھر تک پہنچنے اور وہاں مسلم کے روپوش ہونے پر رسائی پائی تھی، تب ہانی کو یقین ہو گیا کہ ابن زیاد کو پورے معاملے کا علم ہے اور اب وہ ابن زیاد کی گرفت میں ہیں، لہٰذا یہ کہہ کر اپنے موقف کی صفائی دینا چاہی کہ انھوں نے ابن عقیل کو بلایا نہیں تھا، بلکہ خود ابن عقیل نے میرے یہاں قیام کرنے کے لیے مجھے مجبور کیا تھا، میں نے حیاء کھاتے ہوئے انھیں اپنے یہاں رہنے دیا اور ان سے کوئی معارضہ نہ کر سکا۔ پھر جب ابن زیاد نے ہانی کے کلام کی صداقت جاننا چاہی تو ان سے کہا: کہ جاؤ ابن عقیل کو میرے پاس لے آؤ، تب ہانی نے ابن زیاد کے اس مطالبے کو سختی کے ساتھ یہ کہتے ہوئے ٹھکرا دیا! کہ وہ میرے گھر مہمان ہیں، میں انھیں اپنے ہاتھوں سے حوالے نہیں کر سکتا۔ اس موقع پر ابن زیاد نے اپنی گرفت سخت کرنے کے بجائے ان پر اپنے باپ زیاد کے احسانات ونوازشات یاد دلائے۔ ❶ لیکن ہانی نے دھمکی بھرے لب ولہجہ میں ابن زیاد سے گفتگو کیا اور ابن عقیل کو حوالے کرنے سے انکار کیا، کیوں کہ انھیں گمان تھا کہ ابن عقیل، اور ان کا قبیلہ مراد یقیناً ان کی حمایت کرے گا۔ جب ابن زیاد نے ہانی کا دھمکی آمیز لب ولہجہ دیکھا تو اپنے بغل سے چھڑی اٹھائی ہے اور پھر اس سے ہانی کی پٹائی کیا یہاں تک کہ ان کا چہرہ خون آلود ہو گیا، اور پھر انھیں قید کرنے کا حکم دے دیا۔ ❷ بعد ازاں اس واقعہ کی تشہیر اس انداز میں ہوئی کہ ہانی قتل کر دیئے گئے، جب یہ خبر عمرو بن حجاج الزبیدی کو ملی تو اپنے قبیلہ مذحج کے لوگوں کو لے کر قصر حکومت کا محاصرہ کر لیا، اور علی الاعلان کہا! کہ میرا یہ اقدام خلیفہ وقت سے بغاوت کے لیے نہیں ہے بلکہ ہم ہانی کی سلامتی کے بارے میں یقین دہانی چاہتے ہیں۔ ابن زیاد نے قاضی شریح❸ کو حکم دیا کہ وہ ہانی کے پاس جائیں اور ان کی خیریت معلوم کر کے لوگوں کو بتا دیں کہ ہانی خیرت سے ہیں، چناں چہ قاضی شریح نے انھیں بتایا کہ ہانی بخیر و عافیت ہیں، اور پھر وہ لوگ محاصرہ سے ہٹ گئے۔ ❹ اس کے بعد ابن زیاد نے اہل کوفہ سے خطاب کیا، اور یقین دلایا کہ وہ فتنہ وفساد سے باز آجاتے ہیں تو خیر ہے ورنہ مخالفین کا انجام برا ہو گا، اور جب منبر خطابت سے

---

❶ الطبری (٥/ ٣٦١، ٣٩١)، المحاسن و المساوئ، بیہقی (٨٢-٨٣)

❷ الطبری (٥/ ٣٦١، ٣٩١)، انساب الاشراف (٣/ ٢٢٤) بسند صحیح۔ دیکھئے المحاسن والمساوی/ البیہقی (٨٢-٨٣) المحن/ ابو العرب (١٥١-١٥٢) بروایت ابو معشر۔

❸ آپ شریح بن حارث بن قیس بن جہم النخعی الکندی ہیں، کوفہ کے قاضی تھے، کہا جاتا ہے کہ آپ کا خاندان یمن کے باشندگان فارس سے ملتا ہے۔ نبی ﷺ کے زمانے میں اسلام لائے اور ابوبکر صدیق کے زمانے میں یمن سے منتقل ہو گئے، عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں کوفہ کی منصب قضاء پر فائز کیا تھا۔ ١٠٨ سال کی عمر میں ٨٠ھ میں وفات ہوئی۔ اخبار القضاۃ/ الوکیع (٢/ ١٨٩-٤٠٢) التقریب (٢٦٥)

❹ الطبری (٥/ ٣٦٧، ٣٥٧، ٣٦١) ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت عمرو بن حجاج ابن زیادہ کے پاس تھے اور جب ان کے اہل قبیلہ کو خبر پہنچی تو حقیقت حال جاننے کے لیے وہ اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ الطبری (٥/ ٣٥١)

ابن زیاد نیچے اترے تو ان کے خصوصی محافظ دستے نے بتایا کہ ابن عقیل آرہے ہیں، یہ سن کر ابن زیاد اپنے قصر میں داخل ہوگئے اور دروازہ بند کرلیا۔ ❶

مسلم بن عقیل کی گرفتاری اور کوفہ کی باغیانہ روش کا خاتمہ

جب مسلم بن عقیل کو ہانی بن عروہ کی پٹائی اور ان کے چہرہ کے خون آلود ہونے کی خبر ملی تو انھوں نے اپنے ہاتھ پر بیعت کرنے والے متبعین میں اعلان کرنے کا حکم دیا اور ''یا منصور امت'' شعار کے طور پر استعمال کیا، چناں چہ وہ سب بن عقیل کی آواز پر اکٹھا ہوگئے جن کی تعداد تقریباً چار ہزار تھی۔ ❷ پھر اپنی کارروائی کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے کندہ اور ربیعہ کے جنگجوؤں کی قیادت عبید اللہ بن عمرو بن عزیز الکندی کے حوالے کیا، اور شہ سواروں کے ساتھ اپنے آگے چلنے کا حکم دیا، جب کہ قبیلہ مذحج اور اسد کی قیادت کے لیے مسلم بن عوسجہ اسدی کو جھنڈا دیا، اور انھیں پا پیادہ گروہ کا امیر مقرر کیا، اسی طرح تمیم و ہمدان کی قیادت کے لیے ابوثمامہ الصاعدی اور مدینہ کے مشارکین کے لیے عباس بن جعدہ الجدلی کو جھنڈا دیا، پھر خود قصر حکومت کی طرف آگے بڑھے، جب ابن زیاد کو ابن عقیل کی پیش قدمی کی خبر ملی تو انھوں نے بچاؤ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اپنے محل میں خود کو محفوظ کرلیا۔ ❸

اس مقام پر یہ بات ذہن نشین رہے کہ ابن زیاد نے اپنی ارادی کمزوری یا فوجی قلت کی وجہ سے ایسا نہیں کیا تھا کیوں کہ انھیں فوجی کارروائی پر کافی عبور حاصل تھا، اور اپنی سیاست کو بے داغ رکھنے کے لیے ممکن حد تک انھوں نے کوشش کی تھی یہی وجہ تھی کہ جب وہ قصر حکومت میں قلعہ بند ہوئے تھے تبھی اپنے پاس کوفہ کے سرفہرست اکابرین اور بااثر شخصیات کو بلا لیا تھا، اور انھیں روکے رکھا تاکہ وہاں کے باغی گروہ پر اپنا اثر ڈالنے کے لیے یہ لوگ نتیجہ خیز اور مثبت واسطہ کے طور پر کام آسکیں۔

چناں چہ مسلم بن عقیل ان گروہوں کو لے کر اس قصر امارت کی طرف آگے بڑھے جہاں ابن زیاد قلعہ بند تھے، اور جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو ابن زیاد نے اپنے پاس کے ان سرکردہ اکابرین و قائدین کوفہ سے کہا کہ وہ باہر جائیں اور لوگوں کو سمجھا بجھا کر واپس کردیں، اور انھیں ڈرائیں کہ اہل شام (دار الخلافہ) کی فوج ان سے بہت دور نہیں ہے۔ اب یہ امراء اور قائدینِ کوفہ لوگوں کا غصہ ٹھنڈا کرنے میں لگ گئے، انھیں امن و سلامتی کی

---

❶ الطبری (۵/ ۳۵۷، ۳۶۸)

❷ الطبری (۵/ ۳۵۱) بروایت عمار الدہنی، نیز طبری ہی میں (۳۶۸/۵) بروایت ابومخنف بھی منقول ہے۔ البتہ ابومعشر نے لکھا ہے کہ ہجوم کرنے والوں کی تعداد ۳۰ ہزار تھی، لیکن یہ بات بہت ہی ناممکن ہے، دیکھیں۔ المحن/ ابوالعرب ص (۱۵۰)

❸ الطبری (۵/ ۳۶۸) بروایت ابی مخنف۔

راہ پر چلنے کی تلقین کرتے، اور بتاتے کہ اگر آپ لوگ واپس نہ گئے تو حکومتی وظائف وعطیات سے ہاتھ دھونا پڑے گا، اور تمھیں سرحدوں کی جانب دھکیل دیا جائے گا، اور بالآخر انتہائی تکلیف دہ مصیبتوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ ❶

واضح رہے کہ اس ہجوم کو روکنے کا یہ عمل صرف امراء کوفہ تک محدود نہ تھا بلکہ مسلم بن عقیل کے مویدین کی حوصلہ شکنی میں زنان کوفہ اور وہاں کے بوڑھوں کا بھی اہم کردار رہا، عورتیں اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے پاس آتیں اور کہتیں کہ لوٹ چلو دوسرے لوگ کافی ہیں، مرد حضرات اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے پاس جاتے اور کہتے: اگر کل اہل شام نے تم پر حملہ کر دیا تو تم اس سے کیسے نمٹو گے، چلو یہاں سے واپس چلو۔ ❷

اس طرح اس نفسیاتی جنگ نے مسلم بن عقیل کے مویدین کی صفوں میں خوف و دہشت کا ماحول پیدا کر دیا، اور وہ ابن عقیل کا ساتھ چھوڑ کر واپس ہونے لگے، مویدین کی تعداد تیزی سے گھٹنے لگی، اور شام ہوتے ہوتے مسلم بن عقیل کے ساتھ صرف تین سو سے پانچ سو کی درمیانی تعداد بچی۔ ❸ جن کی اکثریت کا تعلق قبیلہ مذحج سے تھے، اس موقع پر ابن زیاد نے عبید اللہ بن کثیر بن شہاب الحارثی کو حکم دیا کہ قبیلہ مذحج کے جو لوگ ان کی بات مان جائیں انھیں لے کر کوفہ جائیں اور لوگوں کو ابن عقیل سے دور رہنے کی تلقین کریں، نیز انھیں جنگ اور حاکم وقت کی گرفت سے ڈرائیں۔ ❹

ابن زیاد کی اس حکمت عملی میں ان کی ذہانت و دور اندیشی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے، کہ انھوں نے خود قبیلہ مذحج ہی کے ایک اہم فرد اور بارسوخ شخصیت کے ذریعہ اس قبیلہ کے خلاف نفسیاتی حملہ کیا۔

جب کہ دوسری طرف ابن زیاد نے محمد بن اشعث کو حکم دیا کہ قبیلہ کندہ وحضرموت میں سے جو ان کا مطیع ہو وہ انھیں لے کر نکلیں، اور اس اعلان کے ساتھ جھنڈا اٹھائیں کہ جو اس جھنڈے کے نیچے آجائے گا اسے امان حاصل ہے۔

اسی طرح قعقاع بن شَور الذہلی، شبث بن ربعی التمیمی، حجار بن اَبجر اور شمر بن ذی الجوشن العامری کو بھی اسی طرح کا حکم دیا اور بقیہ اکابرین کوفہ کو اپنے پاس باقی رکھا۔ ❺

ابن زیاد کی ان تیز رفتار کارروائیوں اور سخت نفسیاتی دباؤ کے سامنے جس کا مسلم بن عقیل کے ساتھیوں

---

❶ الطبری (۵/ ۳۷۰) بروایت ابی مخنف، نیزبروایت عمار الدھنی (۵/ ۳۵۰)
❷ الطبری (۵/ ۳۷۱) بروایت ابی مخنف۔
❸ الطبری (۵/ ۳۵۰) بروایت عمار الدھنی (۵/ ۲۶۹) بروایت ابی مخنف۔
❹ الطبری (۵/ ۳۵۰) بروایت عمار الدھنی (۵/ ۲۶۹) بروایت ابی مخنف۔
❺ الطبری (۵/ ۳۶۹)

نے مقابلہ کرنا پڑا، ان کے مویدین کی تعداد اس حد تک گھٹ گئی کہ صرف ساٹھ (٦٠) لوگ ان کے ساتھ رہ گئے۔ ❶

پھر ابن عقیل ان کے متبعین اور ابن اشعث، قعقاع بن شور، اور شبث بن ربعی کے درمیان ''رحبہ'' کے پاس ایک معرکہ پیش آیا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس معرکہ نے زیادہ طول نہیں پکڑا کیوں کہ جب قعقاع بن شور کو اندازہ ہوا کہ مخالف محاربین اپنی نجات اور بچاؤ کا راستہ ڈھونڈھ رہے ہیں تو انھوں نے ان کے لیے راستہ چھوڑ دینے کا حکم دیا، اور پھر وہ لوگ مسجد کی طرف بھاگ نکلے، اور شام ہوتے ہوتے سارے لوگ ادھر ادھر ہو گئے، اور اخیر میں مسلم بن عقیل کوفہ کی گلیوں میں تنہا رہ گئے۔ ❷ حالات کی سختی، گھبراہٹ اور پستی کے سامنے کہ جس کا سامنا ابن عقیل نے کیا تھا، ان کی مجبوری تھی کہ کسی گھر کا دروازہ کھٹکھٹائیں تاکہ اپنی پیاس بجھا سکیں، چناں چہ انھوں نے ایک ایسے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا جو کندہ کی طوعۃ نامی ایک خاتون کا مکان تھا، وہ اشعث بن قیس کی ام ولد تھی جس سے بعد میں اسید الحضرمی نے نکاح کر لیا تھا، اور اس کے بلال نامی لڑکے کی ولادت ہوئی، ابن عقیل نے اس سے پانی مانگا، اس نے ان کو پانی پلایا اور کہا کہ یہاں نہ رکیں فوراً نکل جائیں، جب اس خاتون نے نکلنے پر اصرار اور سختی کیا تو ابن عقیل نے اس سے اپنا نام بتایا، اور اہل کوفہ کی خیانت و بدعہدی کا اس سے شکوہ کیا۔ ❸ یہ سن کر خاتون کو ابن عقیل کی حالت پر ترس آ گیا، اور انھیں اپنے گھر کے اندر کر لیا، پھر جب اس کا لڑکا گھر آیا تو اس نے مسلم بن عقیل کے بارے میں اسے خبر دیا، اور کہا کسی سے نہ کہنا۔ لیکن لڑکے نے ایسا نہیں کیا، ایسا لگتا ہے کہ یہ لڑکا مال کے لالچ اور پھر اپنی جان کے خطرہ سے محمد بن اشعث کے پاس چلا گیا اور انھیں مسلم بن عقیل کے بارے میں بتا دیا۔ ❹

واضح رہے کہ مسلم بن عقیل کی منصوبہ بندی ناکام ہونے کے بعد ابن زیاد نے لوگوں کا اجتماع کیا تھا اور خطاب کرتے ہوئے ان سے کہا تھا: کہ جس کے یہاں ابن عقیل کی گرفتاری ہوگی وہ حلال الدم ہوگا۔ اور پکڑنے والے کو انعام سے نوازے جائے گا۔ ❺ پھر اپنے ایک حکومتی لیڈر کو کوفہ کے حالات کا جائزہ لینے اور مسلم کی گرفتاری کا حکم دیا۔ ❻ جب مسلم بن عقیل کے ٹھکانے کی ابن زیاد کو خبر ملی تو اپنے ایک کمانڈر کو ان کی گرفتاری کے لیے روانہ کیا، معمولی جھڑپ کے بعد وہ لوگ مسلم بن عقیل کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے،

---

❶ ابن سعد (ط ٥/ ٣٧٤) ❷ الطبری (٥/ ٣٨١)
❸ ابن سعد (ط ٥/ ٢٧٤) انساب الاشراف/ بلازری (٣/ ٢٢٤) الطبری (٥/ ٣٧١)
❹ الطبری (٥/ ٣٥٠، ٣٧٢، ٣٧٣)
❺ الطبری (٥/ ٣٧٢) ❻ الطبری (٥/ ٣٧٢)

اس فوجی کارروائی میں ابن عقیل زخمی بھی ہوگئے تھے۔ چناں چہ جب انھیں ابن زیاد کے پاس لایا گیا تو انھیں اس تہمت کا سامنا کرنا پڑا کہ تم نے خلیفہ وقت کے خلاف خروج (بغاوت) کیا ہے جس کی سزا یہ ہے کہ تمھیں قتل کیا جائے گا۔

جب مسلم بن عقیل کو ابن زیاد کے قطعی فیصلہ کا علم ہوگیا اور جان لیا کہ وہ قتل ہی کرے گا، تو انھیں حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں خطرہ لاحق ہوا جو کہ کوفہ کے راستے میں تھے۔ اس وقت انھوں نے ابن زیاد سے خواہش ظاہر کیا کہ وہ عمر بن سعد بن ابی وقاص سے کچھ راز کی باتیں کرنا چاہتے ہیں، کیوں کہ ابن عقیل کی عمر بن سعد سے خاندانی قرابت تھی، چناں چہ وہ عمر بن سعد کو لے کر ایک کنارے ہوئے اور کہا: اے عمر! حسین کوفہ پہنچ رہے ہیں اور مرد و خواتین ملا کر ان کے ساتھ کل نوے (۹۰) لوگ ہیں، انھیں میرے انجام کی اطلاع دے دینا، اور تم میری لاش کو دفن کر دینا اور قرض کو ادا کر دینا۔ [1] بعد ازاں ابن زیاد کے حکم بموجب ابن عقیل قتل کر دیئے گئے، علاوہ ازیں اپنی کارروائیوں کو آگے بڑھاتے ہوئے ابن زیاد نے ہانی بن عروہ کو بازار میں لے جانے اور سرعام قتل کرنے کا حکم دیا، جب کہ ہانی آخری وقت میں اپنے قبیلہ مذحج کے لوگوں کو مدد کے لیے پکارتے رہے لیکن کوئی مدد کو تیار نہ ہوا، اس طرح ہانی اور مسلم بازار میں سرعام قتل کیے گئے اور انھیں سر بازار سولی پر چڑھا دیا گیا۔ [2] اسی طرح مزید ان دو افراد کے قتل کا بھی حکم دیا جو مسلم بن عقیل کی تائید و حمایت میں منصوبہ سازی کرتے تھے، انھیں بھی بازار میں پھانسی دی گئی۔ [3]

اس طرح ابن زیاد لوگوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب رہے کہ ملک پوری طرح مستحکم ہے اور حکومت میں کسی طرح کی کوئی کمزوری نہیں ہے۔ ٹھیک اسی طرح شیعوں کے دلوں میں پوشیدہ باغیانہ قوت کو توڑنے اور ان کے ارادوں کو ناکام بنانے میں بھی کامیاب رہے، کیوں کہ انھوں نے دیکھ لیا کہ ان کے قائدین سر بازار تختۂ دار پر لٹکائے جا رہے ہیں، اور اب اس صورت حال سے یہ بات کافی حد تک واضح ہوگئی تھی کہ جتنے لوگوں نے بھی ابن عقیل کی حمایت و تائید میں قدم اٹھائے تھے، اور ان کے ہاتھوں پر بیعت کرنے والوں کی حیثیت سے اپنا انجام نام درج کرایا تھا، وہ ان کا فقط ایک جذباتی عمل تھا۔ ورنہ حقیقت میں وہ ابن عقیل کے موید نہیں بلکہ مخالف تھے، ان کی رسوائی اور انھیں دھوکہ دینے کا سبب تھے، اور انھیں دھوکہ باز حمایتیوں کے اعتماد میں آکر

---

[1] ابن سعد (ط ٥/ ٣٥٤) المحاسن والمساوی/ بیھقی ص (٨٣)

[2] ابن سعد ط (٥/ ٣٧٤) مروج الذھب/ المسعودی (٣/ ٦٩) الاعلام بالحروب والواقعة فی صدر الاسلام/ البیاسی (٢/ ٥٦) التمثیل والمحاضرة/ الثعالبی ص (٤١)

[3] الطبری (٥/ ٣٧٩) بروایت ابی مخنف۔

وہ قربانی کی بھینٹ چڑھ گئے، بنابریں ہمیں یہ کہتے ہوئے کوئی لیت ولعل نہیں کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کا جو اندازہ تھا وہ غلط تھا اور ناکام رہا۔

دراصل ابن عقیل کا یہ خیال تھا کہ عوامی تائید وحمایت ان کے جذبات کو بھڑکا کر ہی حاصل کی جاسکتی ہے، اسی لیے انھوں نے زعماء کوفہ کو اپنے اعتماد میں لینے یا ان سے ملاقات ہونے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کیا۔ اور نہ ہی اس عوامی ہجوم کو قابو میں کرنے کے لیے منظّم منصوبہ بندی ہی کیا کہ جس میں ماہرین کے مشورے شامل ہوں، اور خفیہ دستہ ہمہ وقت پوری آزادی کے ساتھ حالات پر نظر رکھتے ہوئے ہو، اسی طرح اپنے حق میں متوفرہ اسباب یعنی کوفی جذبات کو صحیح مقام پر متعین کرنے میں بھی وہ ناکام رہے، بایں طور کہ اگر ان جذبات کو صحیح رخ دیا جاتا، تو بالکل ممکن تھا کہ اللہ کی مشیت کے بعد، اہل کوفہ حالات کو اپنے مفاد ومصلحت کی طرف موڑ سکتے تھے۔

جب کہ دوسرا گروہ جو کہ ابن عقیل کا حامی اور پرزور موید تھا اور جس کی قیادت ہانی بن عروہ کر رہے تھے انھوں نے اپنی قوت اور قبیلہ کی عددی کثرت پر اعتماد کیا، اور یہ گمان کر بیٹھے کہ حکومتی گرفت کے ہاتھ ان تک نہیں پہنچ سکتے، کیوں کہ وہ قبیلہ مراد کے سردار ہیں، جن کے بارے میں مسعودی نے لکھا ہے: کہ وہ چار ہزار زرہ بند اور آٹھ ہزار پا پیادہ فوج کے جلو میں چلتے تھے، اور اگر اس کے ساتھ اس کے حلیف کندہ جیسے قبائل کو شامل کر دیا جائے تو پا پیادہ لوگوں کو چھوڑ کر صرف زرہ بندوں کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ جائے گی۔ [1] لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شد! ہانی بن عروہ کے اندازے ناکارہ اور نقصان دہ ثابت ہوئے کیوں کہ دور جاہلیت میں قبائلی اساس پر جو باہمی روابط ہوتے تھے جس میں قبیلہ ہی کی مرکزی حیثیت ہوتی تھی اور قبیلہ کے سردار کا حکم بلاتردد سب پر نافذ ہوتا تھا، کسی میں اس سے انحراف کی جراءت نہ ہوتی تھی اب وہ اساس ہی کمزور ہو چکی تھی، اور اسے کمزور کرنے میں زیاد بن ابیہ کے دور حکومت میں قبائل کی جماعتی تقسیمات کا بہت حد تک اثر تھا، علاوہ ازیں حکومتی سطح پر تقسیم وظائف کے نظام نے قبائل کے مفاد ومصلحتوں کو اموی اقتدار سے مربوط کر دیا تھا۔

اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ دور نبوت سے لے کر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست تک عربی قبائل نے طویل اسلامی تربیت پائی تھی، جنھیں حکومت کا استحکام، معاشرہ کی خوشحالی، اور تعمیر وترقی زیادہ محبوب تھی، اس لیے لوگوں نے قبائل کے مقابلے ملک کے مفاد کو ترجیح دیا، اور حکومتوں کے ساتھ رہے،

---

[1] مروج الذهب/ المسعودی (۳/ ۶۹) اس بات کا شہادت دیتے ہیں کہ یہ اعداد وشمار جھوٹ ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں اگر یہی بات تھی تو جب ہانی کی پٹائی کی گئی اور سر بازار ان کو سولی پر چڑھایا گیا وہ لوگ کہاں تھے۔ (ش)

قبل ازآں بعثت نبوی (ﷺ) سے پہلے قبائلیت کے جو مفاہیم و تقاضے تھے بعثت نبوی کے بعد اس کے پتے اڑنے لگے، اور قبیلہ پرستی اضمحلال و فنا کی راہ پر چل پڑی، خلاصہ کلام یہ کہ ہانی بن عروہ کے اپنے قبیلہ کے تعلق سے جو اندازے اور جن پر انھیں ناز و اعتماد تھا یکسر نقصان دہ، بے وقعت اور ناکارہ ثابت ہوئے۔ اور مسلم بن عقیل کو بخوبی احساس ہوگیا کہ جنھوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی درحقیقت انھیں لوگوں نے ہمیں رسوا کیا، اور بڑی آسانی سے ہمیں ابن زیاد کے حوالے کردیا، یہی وجہ تھی کہ اپنے قتل کے وقت ابن عقیل نے ان -مویدین- پر ان الفاظ میں بددعا کی تھی:

((اللهم احكم بينا و بين قومنا غَرُّونا و كذبونا ، ثم خذلونا و قتلونا)) [1]

''اے اللہ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ کردے، انھوں نے ہمیں دھوکہ دیا، ہم سے جھوٹ بولا، پھر ہمیں رسوا کیا اور قتل کردیا۔''

چناں چہ معاصرین شعراء میں سے ایک شاعر نے ہانی بن عروہ اور مسلم بن عقیل کے اس دردناک اور تکلیف دہ انجام کو اپنے قصیدے میں اس طرح منظر کشی کی ہے:

إن كنت لا تدرين ما الموت فانظری
إلى هانی فی السوق و ابن عقيل

''اگر تو نہیں جانتی ہے کہ موت کیا چیز ہے۔ پس تو ہانی اور ابن عقیل کے انجام کو بازار میں مشاہدہ کر۔''

إلى بطل قد هشم السيف و جهه
و آخر يهوى فی أطمار قتيل

''اس بہادر وسورما کی طرف دیکھ کہ تلوار نے جس کے چہرے کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے، اور دوسرا لاشوں کے ڈھیر میں گر رہا ہے۔''

أصابهما أمرا لأمير فاصبحا
أحاديث من يسري بكل سبيل [2]

---

[1] مروج الذهب/ المسعودی (۳/ ٦٩)

[2] ابن سعد (ط ٥/ ٣٨٠) ابن سعد نے اسے عبداللہ بن زبیر اسعدی کی طرف منسوب کیا ہے۔ نیز طبری نے بھی انھیں کی طرف اس شعر کی نسبت کی ہے، پھر لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے: کہ یہ فرزدق کا شعر ہے۔ (۳۸۰/۵)
طبری نے ایک دوسری جگہ (۳۵۰/۵) پر کہا ہے کہ "و قال شاعرهم" جب کہ مقاتل الطالبيين ص (١٠٨) پر یہ شعر ابن زبیر کی طرف ہی منسوب ہے۔ نیز تاریخ دمشق میں ص (٥٠٨) پر حرف (عین) کے تراجم میں ابن زبیر کی سوانح میں اسے لکھا ہے۔ لسان العرب (٤/ ٥٠٢) میں یہ شعر سلیم بن سلام الحنفی کی طرف منسوب ہے۔ دیکھیں مادۃ (طمر) ان کی سوانح کی مصادر کے لیے دیکھیں:
معاهد التنفيص (٣/ ٣١) الخزانة (١/ ٣٤٥) الاغانی (١٤/ ٢٠٨-٢٤٦)

''ان دونوں تک امیر کا فرماں پہونچا پس وہ ہر راستہ چلنے والے کے لیے افسانہ بن گئے۔''

۷......معرکہ کربلا [1]

یہ بات گزر چکی ہے کہ مسلم بن عقیل نے حسین رضی اللہ عنہ کے نام کوفہ سے یہ خط بھیجا تھا: کہ حمد وصلاۃ کے بعد! کسی قوم کا نمائندہ اپنوں کے ساتھ جھوٹ نہیں بولتا، کوفہ کے سارے لوگ آپ کے ساتھ ہیں، لہٰذا میرا خط پڑھتے ہی آپ وہاں سے روانہ ہو جائیں والسلام علیکم۔ یہ خط مسلم بن عقیل نے اپنی گرفتاری اور قتل سے ستائیس (۲۷) دن پہلے خط بھیجا تھا۔ [2] اور مسلم نے آٹھ ذی الحجہ ۶۰ھ یا دوسری روایت کے اعتبار سے نو یں ذی الحجہ بروز بدھ کوفہ میں خروج کا اعلان کیا تھا، یعنی حسین رضی اللہ عنہ کی مکہ سے کوفہ روانگی سے ایک دن بعد۔ [3]

بہر حال جب یوم الترویہ آٹھ ذی الحجہ ۶۰ھ کو حسین رضی اللہ عنہ مکہ سے نکل پڑے تو مکہ کے گورنر عمرو بن سعید بن عاص نے ان کے موقف کی خطرناکی کو سمجھ لیا، اور ان کے پاس ایک وفد روانہ کیا جس میں سرفہرست خود ان کے بھائی یحیٰ بن سعید بن عاص تھے، ان لوگوں نے انھیں ان کے عزم وارادے سے باز رکھنے کی پوری کوشش کیا لیکن ناکام رہے، اور حسین رضی اللہ عنہ ان کی بات نہیں مانے، پھر انھوں نے پکار کر کہا: اے حسین! کیا تمھیں اللہ کا ڈر نہیں ہے، مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اختیار کر کے اس امت میں انتشار واختلاف پیدا کر رہے ہو، اس وقت حسین رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی:

﴿ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنتُمْ بَرِيْئُوْنَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَاْ بَرِيْءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ (یونس: ۴۱) [4]

''میرے لیے میرا عمل اور تمھارے لیے تمھارا عمل، تم میرے عمل سے بری ہو، اور میں تمھارے عمل سے بری ہوں۔''

اب حسین رضی اللہ عنہ اپنے اہل خانہ اور دیگر ساٹھ کوفیوں کے ساتھ عراق کی جانب نکل چکے تھے۔ دریں صورت حال جب بنوامیہ کی معتبر اور بڑی شخصیتیں حسین رضی اللہ عنہ کو مطمئن کرنے میں ناکام رہیں تو انھوں نے

---

[1] یہ معرکہ نہیں بلکہ حادثہ تھا طرفین میں سے کوئی بھی جنگ نہیں چاہتا تھا لیکن سبائیوں کی شرپسندی سے یہ حادثہ پیش آ گیا۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے مورخین نے سبائیوں کی کذب بیانیوں کو بلا نقد وجرح اپنی کتابوں میں نقل کر کے حقیقت کو غائب کر دیا اور اس حادثہ کو ایمان وکفر کی جنگ کی شکل میں پیش کر کے امت کو اندھیرے میں چھوڑ دیا جس کے نتیجہ میں امت اختلاف وانتشار کا شکار ہو گئی۔ (ش)

[2] الطبری (۵/ ۳۹۵) بروایت ابی مخنف۔

[3] الطبری (۵/ ۳۸۱، ۳۹۴) بروایت ابی مخنف۔ انساب الاشراف (۳/)

[4] المحن/ ابوالعرب (۱۴۹)، الطبری (۵/ ۳۸۵)، بروایت ابومخنف، ابن عساکر ترجمة الحسین (۲۴۰)

ابن زیاد کے نام خط لکھا کہ دیکھنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے برتاؤ میں ان کے احترام کا دامن ہاتھ سے نہ جانے پائے، جب کہ مروان نے ابن زیاد کے نام لکھا کہ ''امابعد! حسین بن علی تمھاری طرف نکل چکے ہیں، یاد رکھنا کہ وہ حسین بن فاطمہ ہیں، فاطمہ یعنی رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر، اللہ کی قسم! حسین سے زیادہ کسی کی سلامتی مجھے محبوب نہیں ہے، اور خبردار! خود کو قابو میں رکھنا، ایسا اقدام نہ کرنا جس کے نتیجہ میں وہ خلا پیدا ہو جائے جو کبھی پُر نہ ہو سکے، اور عوام اسے بھلا نہ سکے۔ بلکہ اس کی قباحت و مذمت جاری رہے............ والسلام علیکم۔ [1]

علاوہ ازیں عمرو بن سعید بن عاص نے بھی انھیں مکتوب روانہ کیا: کہ حسین سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا، اور ان کے ساتھ کوئی بھی برتاؤ کرنے میں احتیاط کرنا، انھوں نے لکھا تھا: اما بعد! حسین تمھاری طرف جا رہے ہیں، انھیں جیسے حالات میں تم آزاد ہو جاؤ گے، یا جس طرح زرخرید غلاموں کو غلامی کا طوق پہنایا جاتا ہے اسی طرح تمھیں بھی غلامی کا طوق پہنا دیا جائے گا۔ [2] کوفہ جاتے ہوئے راستہ میں ''ذات عرق'' [3] میں اس دور کے مشہور شاعر فرزدق کی حسین رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ حسین رضی اللہ عنہ نے اس سے دریافت کیا کہ میرے تعلق سے کوفہ والوں کی کیا تیاریاں ہیں، اور پھر فرزدق سے اپنے حسن ظن کی تائید میں ثبوت دیتے ہوئے کہا: یہ دیکھو! میرے ساتھ ان کے خطوط ہیں۔ تب فرزدق نے آپ کو جواب دیا۔ وہ آپ کو رسوا کر دیں گے، مت جائیے وہ ایسے لوگ ہیں جن کے دل تمھارے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں تمھارے خلاف ہیں۔ [4]

بلاشبہ حسین رضی اللہ عنہ کا فرزدق سے اس انداز میں یہ سوال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ حیرت و الجھن

---

[1] ابن سعد (ط ٥/ ١٦٧) ابن عساکر، تاریخ دمشق ترجمة الحسین ص (٢٤٠) تهذیب الکمال (٦/ ٤٢٢) البدایة والنهایة (٩/ ١٦٧)

[2] ابن سعد (ط ٥/ ١٦٧) تاریخ دمشق ترجمة الحسین (٢٤٠)، تهذیب الکمال (٦/ ٤٢٢)

[3] ذات عرق، عراقیوں کی میقات ہے۔ اور نجد و تہامہ کے درمیان یہی حد فاصل ہے۔ معجم البلدان۔

[4] ابن سعد (ط ٥/ ٣٧١) فرزدق تك بسند حسن، ابن سعد کے بقول یہ ملاقات "صفاح" میں ہوئی تھی۔ المعرفة والتاریخ یعقوب (٢/ ٢٧٣) انساب الاشراف (٣/ ١٦٥) بسند صحیح۔ طبری (٥/ ٣٨٦) بسند ابومخنف نیز بسند عوانہ، لیکن اس میں ہے کہ یہ ملاقات حرم ہی میں ہوئی تھی۔ تذکرة الحفاظ (١/ ٣٧٢) بسند ابوعبیدة بن معمر بن المثنی، الامالی الخمسة/ الشجری (١/ ١٦٢) الاغانی/ ابوالفرج (١٩/ ٦٦) بیشتر روایتیں لبطة بن فرزدق عن ابیه وارد ہیں۔ لبطہ بن فرزدق بن غالب التمیمی المجاشعی نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے اور ان سے ابن عیینہ نے اور قاسم بن فضل الہمدانی نے، التاریخ الکبیر (٧/ ٢٥١) سکت عنه البخاری۔ الجرح والتعدیل / ابوحاتم (٧/ ١٨٣) نیز ابن حبان نے الثقات (٣٦١/٧) میں اسے ذکر کیا ہے۔ فرزدق کا نام ہمام بن غالب بن صعصعہ التمیمی ہے۔ ابوفراس کنیت ہے ان کے باپ کی روایت اور دادا کی صحبت نبوی حاصل ہے۔ دیکھئے: المغنی فی الضعفاء/ ذهبی (٢/ ٥٠٩) جب کہ ابن حبان نے انھیں ضعیف ٹھہرایا ہے اور کہا کہ وہ پاکدامن عورتوں پر تہمت طرازی کرتا تھا، اس لیے اس کی روایتوں سے احتراز ضروری ہے۔ دیکھئے: الجرح والتعدیل (٧/ ٩٣) معجم الشعراء / المرزبانی (٤٦٥) سیر اعلام النبلاء (٤/ ٥٩٠) لسان المیزان (٤/ ٤٣٣)

کے کشمکش سے دوچار تھے، اور دیگر صحابہ کرام نے جن اندیشوں سے آپ کو ڈرایا تھا ان سے آپ بے چین و مضطرب تھے، گویا فرزدق سے حالات دریافت کر کے ان سے تسلی بخش جواب سننا چاہتے تھے جو ان کے داخلی ہیجان و ہموم کو مٹا سکے، لیکن فرزدق جو کہ ایک بلیغ، دانشمند، اور حساس طبیعت کا شاعر تھا اس نے حقیقت بیانی سے کام لیا اور کوفہ کے حالات کی بالکل صحیح اور سچی تصویر پیش کر دی۔ جس میں کوفہ کے سیاسی احوال کی ترجمانی اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی تائید وحمایت کے دعویداروں کے مزاج وطبیعت کی عکاسی تھی۔

بہر حال حسین بن علی اپنا قدم آگے بڑھاتے رہے، اور جب یزید بن معاویہ کو یہ معلوم ہوا کہ حسین رضی اللہ عنہ مکہ سے نکل کر کوفہ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں تو ابن زیاد کو ایک تنبیہی خط تحریر کیا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسین کوفہ کی طرف چل پڑے ہیں، اور تمھارا زمانہ، اور شہر آزمائش سے دوچار ہوا ہے، جب کہ میرے گورنروں میں تم ان کے ذریعہ آزمائش میں گرفتار ہوئے ہو، ایسے ہی صورت حال میں گردنیں آزاد کر دی جاتی ہیں یا زر خرید غلام کی طرح غلامی کا طوق ڈال لیتی ہیں۔ ❶

چناں چہ ابن زیاد نے ان توجیہات وتنبیہات کے پیش نظر اہل کوفہ اور حسین رضی اللہ عنہ کے درمیان حائل ہونے کے لیے کچھ تدبیریں نکالیں تاکہ کوفہ پر اپنی گرفت مضبوط کر سکے، اس نے اپنے جنگجو سپاہیوں کو اکٹھا کیا اور مکمل طور سے اپنے اعتماد میں لینے کے لیے انھیں خوب داد و دہش سے نوازا، پھر اپنے فوجی قائد حصین بن تمیم الطہوی کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، اس نے حسب حکم قادسیہ میں قیام کیا، اور قادسیہ سے خفان ❷ تک ایک طرف اور قادسیہ سے قطقطان ❸ اور پھر لعلع ❹ تک دوسری طرف اپنے شہسواروں کو منظّم کیا، پھر حصین بن تمیم کو ابن زیاد کی طرف سے حکم ملا کہ جو شخص بھی تمھاری نظام کی مخالفت کرے اسے گرفتار کر لینا۔ ❺ اسی طرح ہر وہ شخص جو واقصہ ❻ سے شام کے درمیان، پھر بصرہ تک چلتا پھرتا ملے اسے بھی گرفتار کیا جائے، یعنی نہ کوئی کوفہ کے

❶ المعجم الکبیر / طبرانی (۳/ ۱۱۵) ہیثمی نے مجمع الزوائد (۹/ ۱۳۹) میں لکھا کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں، علاوہ ضحاک کے کہ انھیں اس واقعہ کی خبر نہیں۔ العقد الفرید/ ابن عبد ربیه (٤/ ٣٨٢) بسند طبرانی تاریخ دمشق / ابن عساکر، سوانح حسین ص (۲۰۸) بسند زبیر بن بکار/ نیز ابن کثیر، بسند ابن بکار (۹/ ۱۶۹)

❷ کوفہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے، کبھی کبھار یہاں کے حجاج اسی راستے سے مکہ جاتے ہیں، اور کہا گیا ہے کہ قادسیہ سے بالائی حصہ پر واقع ہے۔ معجم البلدان (۲/ ۳۷۹)

❸ خشکی کے راستہ سے قادسیہ کے قریب کوفہ سے متصل ایک جگہ کا نام ہے۔ المعجم (٤/ ٣٧٤)

❹ بصرہ اور کوفہ کے درمیان ایک منزل (سرائے) کا نام ہے، دونوں کے درمیان تقریباً ۲۰ میل کا فاصلہ ہے۔ دیکھئے: المعجم (٥/ ١٨)

❺ طبقات ابن سعد (٥/ ٣٧٦) مکہ سے کوفہ کے درمیانی راستہ کی تفصیل جاننے کے لیے دیکھیں۔ المسالك والممالك/ ابن خرد ذابة ص (۱۲۵-۱۲۷) انساب الاشراف/ بلاذری (۳/ ۱۶۶) طبری (٥/ ٣٩٤) بسند ابی مخنف۔

❻ مکہ کے راستہ میں قبیلہ طي کی ایک شاخ بنی شہاب کی منزل (سرائے) کا نام ہے۔ زبالہ سے دو مرحلہ سے کچھ کم ہے۔ المعجم (٥/ ١٥٤)

اندر آ سکے اور نہ وہاں سے باہر جا سکے۔ ❶ درحقیقت ابن زیاد کی اس آخری کارروائی کا مقصد یہ تھا کہ اہل کوفہ اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے درمیان کوئی رابطہ نہ ہو سکے۔

جب کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سفر کوفہ کے لیے جاری تھا، اور مکہ سے نکلنے کے بعد کوفہ میں واقع ہونے والی تبدیلیوں اور وہاں کے حوادث کا آپ کو کوئی علم نہ تھا، جب آپ ''الرمۃ'' کے درمیانی خطہ ''الحاجز'' پہنچے تو اہل کوفہ کے نام قیس بن مسہر الصیداوی کے ذریعہ ایک خط روانہ کیا، جس کا مضمون یہ تھا:

''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم،

حسین بن علی کی طرف سے ان کے مسلمان ومومن بھائیوں کے نام!

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ!

تمام حمد وشکر اللّٰہ تعالیٰ کے لیے ہے جس کے علاوہ کوئی معبود حقیقی نہیں، اما بعد: میرے پاس مسلم بن عقیل کا خط آیا ہے، جس میں انھوں نے تمھارے عمدہ خیالات، ہماری مدد وتائید نیز حق کے مطالبہ پر تمھارے اکابرین کے اتحاد کی خبر دی ہے، اسی لیے ہم نے اللّٰہ سے دعا کی ہے کہ ہماری کارروائی کو کامیابی سے ہم کنار کرے، اور تمھیں اجر عظیم سے نوازے، میں ۸/ ذی الحجہ، یوم الترویہ ہی کو مکہ سے تمھارے لیے نکل چکا ہوں، لہٰذا جب میرا قاصد تمھارے پاس پہنچے تو اپنی تحریک میں مزید تیزی لے آؤ، اور مکمل طور سے تیار رہو، میں انھیں ایام میں ان شاء اللّٰہ عنقریب تمھارے پاس پہنچ رہا ہوں............ والسلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ۔'' ❷

لیکن حصین بن تمیم قادسیہ پہنچتے ہی حسین رضی اللہ عنہ کے قاصد قیس بن مسہر کو گرفتار کر لیا، ❸ اور قیس نے انھیں ابن زیاد کے پاس بھیج دیا، جنھوں نے قیس کو وہاں پہنچتے ہی قتل کر دیا۔ ❹ بعد ازاں حسین رضی اللہ عنہ نے عبداللّٰہ بن بقطر ❺ کو مسلم بن عقیل کے پاس روانہ کیا، وہ بھی حصین بن تمیم کے ہاتھ لگ گئے، اور ابن زیاد کے پاس بھیج دیئے گئے، ابن زیاد نے انھیں بھی قتل کر دیا۔ ❻ نتیجتاً ابن زیاد کی ان سخت ترین کارروائیوں نے شیعوں کے ہوش ٹھکانے لگا دیئے، اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ جس کسی کا تعلق بھی حسین رضی اللہ عنہ سے ثابت ہو گیا اس کا

---

❶ انساب الاشراف/ بلاذری (۳/ ۱۷۳ ، ۲۲۵) الطبری (۵/ ۳۹۲)

❷ طبری (٤/ ۳۹٤) بروایت ابی مخنف

❸ طبری (٤/ ۳۹٤) بروایت ابی مخنف

❹ طبقات ابن سعد (۵/ ۳۷٦) انساب الاشراف (۳/ ۱٦۷)

❺ الاصابۃ/ ابن حجر (۵/ ۸)

❻ انساب الاشراف/ بلاذری (۳/ ۲۲٤) طبری (۵/ ۳۹۲)

انجام انتہائی بدترین شکل میں قتل کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوگا۔ پھر حالات اس طرح بدلے کہ ابھی تک جو لوگ حسین رضی اللہ عنہ کی نصرت وتائید کے لیے فکر مند تھے اب وہی لوگ اپنی خیر کے لیے فکر مند ہوگئے، ادھر حسین رضی اللہ عنہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ کوفہ کے حالات بہر حال پیچیدہ ہیں۔ خاص طور سے اس وقت آپ کوفہ کے تعلق سے زیادہ حساس ہوگئے جب راستہ میں ملنے والے اعراب نے آپ کو اطلاع دی کہ کوفہ میں کسی شخص کا بھی دخول اور خروج مطلقاً ممنوع ہے۔ ❶ نیز جن عرب قبائل کے پاس سے گزرتے وہ بھی آگے بڑھنے سے ڈراتے، لیکن حسین رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ کے بیعت کنندگان کی جو طویل فہرست تھی اس کی بنیاد پر آپ اپنی تحریک کی کامیابی کی دلیل دیتے۔ ❷

جب حسین رضی اللہ عنہ ''زبالہ'' ❸ یا بروایت دیگر ''شراف'' ❹ پہنچے تو آپ کو مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور عبد اللہ بن بقطر کے قتل کیے جانے اور آپ کی نصرت وتائید سے اہل کوفہ کے پیچھے ہٹ جانے کی خبر ملی۔ ❺

یہ خبر آپ کو کس نے دیا اس سلسلے میں رواتیوں میں اختلاف ہے، ایک روایت کی بموجب ابن الاشعث کے قاصد نے حسین کو یہ خبر بھیجی تھی، کیوں کہ جب مسلم بن عقیل کی گرفتاری ہو چکی تھی تو انھوں نے ابن اشعث کو مکلّف کیا تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ کو میری یہ بات میرے لفظوں میں پہنچا دینا "ارجع بأهل بيتك و لا يغرك اهل الكوفه ، فانهم اصحاب ابيك الذى كان يتمنى فراقهم بالموت او القتل ، ان اهل الكوفة قد كذبوك و كذبونى ، و ليس لمكذب رأئ۔" اپنے اہل خانہ کے ساتھ واپس لوٹ جائیں، اہل کوفہ تمھیں دھوکہ میں نہ ڈال دیں کیوں کہ وہ تمھارے باپ کے وہی موید ین وحمایتی ہیں جن سے وہ (علی رضی اللہ عنہ) موت یا شہادت کے ذریعہ چھٹکارا چاہتے تھے، اہل کوفہ نے آپ کو جھٹلایا اور مجھے جھٹلایا، اور جھوٹے کی رائے قابل اعتماد نہیں ہوتی۔ ابن الاشعث نے کہا: میں ضرور ایسا ہی کروں گا۔ ❻

---

❶ انساب الاشراف/ بلاذری (۳/ ۲۲٤) طبری (۵/ ۳۹۲)

❷ طبقات ابن سعد (۵/ ۳۷۱) ابن عساکر ، سوانح حسین (۲۱۰) سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بیعت کنندگان کی کثرت دیکھ کر اہل کوفہ کے ماضی کو بھول گئے تمام نصیحت کرنے والوں کی نصیحت کو نظر انداز کر دیا حالاں کہ یہ سیاسی بصیرت کے منافی تھا۔ و لكن قدر الله ما شاء الله فعل۔ (ش)

❸ کوفہ سے مکہ جاتے ہوئے واقصہ اور ثعلبین کے درمیان قبیلہ بنو اسد کی شاخ بنو غاضرہ کی ایک منزل (سرائے) کا نام ہے۔ المعجم (۳/ ۱۲۹)

❹ واقصہ اور قرعا کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے جو احساء سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور شراف سے واقصہ کے درمیان دو میل کا فاصلہ ہے۔ المعجم (۳/ ۳۳۱)

❺ انساب الاشراف، بروایت جمعی (۳/ ۱٦۸) طبری (۵/ ۳۹۸) بروایت ابی مخنف۔

❻ طبری (۵/ ۳۷۳) بروایت ابو مخنف۔

جب کہ دوسری روایت کے اعتبار سے قبیلہ بنو اسد کے کچھ لوگوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو یہ خبر دی تھی۔ ❶

دراصل دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیوں کہ ممکن ہے کہ ابن اشعث کا قاصد قبیلہ بنو اسد سے تعلق رکھتا رہا ہو، یہاں اصل اشکال تو یہ ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام عمر بن سعد کے واسطہ سے کیوں نہیں پہنچا جب کہ مسلم بن عقیل نے اپنے قتل سے قبل انھیں کو یہ ذمہ داری سونپی تھی، ❷ اور انھیں اس پیغام کے لیے وصیت کی تھی، علاوہ ازیں ایک دوسرا نکتہ یہ قابل غور ہے کہ اگر ابن اشعث ہی نے پیغام رسانی کا کام کیا تھا تو اس نے یہ خبر دینے میں اتنی تاخیر کیوں کیا کہ حسین ''زبالہ'' کے علاقے میں پہنچ گئے جو کہ شہر کوفہ ہی کا ایک علاقہ تھا۔

ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ تاخیر کا سبب ابن زیاد کی سیاسی سختی تھی ❸ کہ جس میں کوفہ سے نکلنا یا کوفہ میں آنا مشکل تھا، یا خود ابن اشعث نے حسین رضی اللہ عنہ تک اپنا قاصد بھیجنے میں عمداً تاخیر کی تھی۔ بہرحال دونوں صورتوں میں حسین رضی اللہ عنہ کے لیے یہ خبر انتہائی تکلیف دہ اور حیران کن تھی، کیوں کہ ابن عقیل جیسے مقتولین ہی حسین رضی اللہ عنہ کے قریبی تھے، اور شیعہ لوگ کوفہ میں آپ رضی اللہ عنہ کی مدد سے ہاتھ کھینچ چکے تھے۔

چناں چہ حسین رضی اللہ عنہ نے بذات خود اپنے ساتھیوں کے درمیان اس خبر کا اعلان کیا اور کہا کہ جو واپس جانا چاہے اسے میری طرف سے اجازت ہے، اس اعلان کے بعد بیشتر لوگ جو آپ کے ساتھ تھے واپس لوٹ گئے۔

صرف وہی لوگ آپ کے ساتھ رہ گئے جو حجاز سے آئے تھے۔ ❹ پھر خود حسین رضی اللہ عنہ بھی اس ناگہانی کے بعد تردد میں پڑ گئے اور نفع ونقصان کا جائزہ لینے لگے، بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ واپس لوٹنے میں خیر ہے، پھر اپنے ساتھیوں کو بھی سمجھایا اور انھیں بہتر مستقبل کی امید دلائی، آپ کی اس رائے سے آپ کے فرزند اکبر علی رحمہ اللہ بھی متفق تھے۔ ❺

لیکن عقیل کے برادران نے حسین رضی اللہ عنہ کے برعکس دوسرے موقف ہی کو ترجیح دیا، اور کوفہ چلنے کے لیے

---

❶ طبری (۵/ ۳۷۳) بروایت ابو مخنف۔

❷ بہت ممکن ہے کہ ابن سعد نے ابن اشعث کو اس کام کے لیے مکلّف کر دیا ہو یا آپ کو معلوم ہو گیا ہو کہ ابن اشعث یہ کام انجام دے رہے ہیں مقصود حاصل ہے اس لیے الگ سے اس کی ضرورت نہیں۔ (ش)

❸ تاخیر کا سبب سیاسی سختی نہیں ہو سکتی کچھ اور سبب رہا ہوگا کیوں کہ حکومت کبھی ٹکراؤ نہیں چاہتی تھی اور اسی لیے کوفہ کے گرد پہرے بٹھائے تھے اور پھر حکومت کی ایما کے بغیر یہ خط سیدنا حسین کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ (ش)

❹ طبقات ابن سعد (۵/ ۳۷٦) انساب الاشراف (۳/ ۱٦۹) باسناد جمعی ، طبری (۵/ ۲۹۸) مخنف

❺ طبقات ابن سعد (۵/ ۳۹۷)

برابر اصرار کرتے رہے وجہ یہ تھی کہ انھیں اپنے بھائی کے قتل کا غم کھائے جا رہا تھا اور وہ بہرصورت اس کا بدلہ لینے کے متمنی تھے۔ ❶ چناں چہ اس نفسیاتی دباؤ کے پیش نظر حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے واپس لے لی، اور کہا: ان کے بعد زندہ رہنے میں کوئی خیر نہیں۔" ❷ آپ کی مراد اپنے عم زاد بھائیوں سے تھی۔

حسین رضی اللہ عنہ غور وخوض کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے تھے کہ اگر میں بنوعقیل سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتا ہوں تو قتل کی تلوار انھیں لوگوں کے گردنوں پر گرے گی، اور پھر آپ ایسا کرتے ہی کیوں؟ آپ ہی کی وجہ سے ان کے بھائی کا قتل ہوا تھا، اور آپ ہی نے انھیں کوفہ بھیجا تھا کہ جا کر وہاں کے حالات ہموار کریں۔ مزید برآں یہ امکان بھی موجود ہے کہ شاید حسین رضی اللہ عنہ نے یہ گمان کیا ہو کہ ان لوگوں کے ساتھ میری موجودگی انھیں ابن زیاد کے ساتھ نبرد آزمائی کے خطرات سے روکے گی، اور عین ممکن ہے کہ میرا احترام کسی مہلک حادثہ کے وقوع میں رکاوٹ کا سبب بن جائے۔

واضح رہے کہ اس موقع پر کوفہ کا سفر جاری رکھنے میں آپ کے رفقاء کا یہ مشورہ مہمیز کا کام کرتا رہا کہ آپ اور مسلم بن عقیل میں بہت فرق ہے۔ آپ مسلم کی طرح نہیں ہیں، اور آپ کوفہ پہنچیں گے تو لوگ تیزی سے آپ کے ساتھ ہو لیں گے۔ ❸

چناں چہ یہی وہ نازک گھڑی تھی جس میں ابن زیاد نے اپنی خطرناک کارروائی کی طرف اپنا قدم صرف اس لیے آگے بڑھایا تا کہ اپنی سخت گیری کو نمایاں کرے اور مخالف سے پورا پورا انتقام لے۔ ❹ اس نے ایک ہزار شہسواروں کی فوج کے قائد حرّ بن یزید کو "شراف" میں فوج اتارنے کا حکم دیا، اور ہدایت کیا کہ حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی ان کے ساتھ ہو لیں اور انھیں واپس لوٹنے کا قطعاً موقع نہ دیا جائے، بلکہ ہر حال میں کوفہ حاضر کیا جائے۔ ❺

---

❶ طبقات ابن سعد (۵/ ۳۷۶) طبری (۵/ ۳۹۷) المحن/ ابو العرب ص (۱۵۳)

❷ طبری (۵/ ۳۹۸)

❸ الطبری (۵/ ۳۹۸)

❹ عبید اللہ بن زیاد باغیان کوفہ کی سرکوبی کی غرض سے جو کچھ کر رہے تھے وہ امن عامہ کے تحفظ کی خاطر امیر المومنین کے احکام کی بجا آوری اور اپنے فرائض مفوضہ کے انجام دہی میں کر رہے تھے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ذات یا آپ کے اہل خاندان سے انھیں نہ کوئی ذاتی پرخلش تھی اور نہ بغض وعداوت وہ تو اس باپ کے بیٹے تھے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا معتمد خاص اور ایسے وفادار تھے کہ ان کی شہادت کے بعد بھی عرصہ تک ان کے نام لیوا رہے۔ اگر ابن زیاد کا یہ سخت موقف نہ ہوتا تو شیعان کوفہ ملک میں کیا خلفشار مچاتے اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ (ش)

❺ طبقات ابن سعد (۵/ ۳۷۷، ۵/ ۴۰۱، ۴۰۲) اگر مقصود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ ہی لانا تھا تو پھر کوفہ کے گرد پہرے کیوں بٹھائے گئے تھے آمد ورفت کو کیوں بند کیا گیا تھا؟ (ش)

چناں چہ حر بن یزید نے ''شراف'' کے قریب حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو پا لیا، اور جب حسین رضی اللہ عنہ نے واپس لوٹنے کی اجازت مانگی تو حر نے اجازت نہیں دیا، اور کہا: کہ ہم حکم سلطانی کے بموجب آپ کو ہر حال میں کوفہ حاضر کرنے کے پابند ہیں، ❶ اس وقت حسین رضی اللہ عنہ نے خطوط و رسائل سے بھری ہوئی دو تھیلیاں نکالیں جن میں انھیں کوفہ آنے کے لیے اصرار کیا گیا تھا، لیکن حر اور اس کے ساتھیوں نے آپ کی ایک نہ سنی، اور کہا ہمیں ان خطوط و رسائل سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ❷

یہاں سے حالات بگڑنے شروع ہوئے اور حسین رضی اللہ عنہ نے حر کے ساتھ کوفہ جانے سے انکار کر دیا تب حر نے حسین رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ اپنے سفر کے لیے ایسا راستہ اختیار کریں جو کوفہ کو ایک جانب چھوڑ دے اور آپ مدینہ بھی نہ لوٹیں، میں ابن زیاد کو لکھوں، اور آپ بھی اگر جی چاہے تو یزید کو لکھیے اور آپ یہ راستہ اختیار کیجئے کہ عذیب اور قادسیہ کی راہ سے بائیں طرف مڑ جایئے، ❸ پھر آپ آگے بڑھے ❹ اور حر بھی آپ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا، اور اقدام جنگ سے منع کیا، اللہ کو یاد دلایا اور کہا کہ اگر آپ نے جنگ چھیڑی تو بالکل طے ہے کہ آپ قتل کر دیئے جائیں گے۔ ❺ اس طرح جب آپ کربلا پہنچے تو عمر بن سعد ❻ کے شہسوار فوجیوں نے

❶ کوفہ لانے کا کوئی سلطانی حکم نہیں تھا یہ راویوں کی کارستانیاں ہیں۔ (ش) ❷ طبری (۵/ ۴۰۲)

❸ طبری (۵/ ۴۰۲، ۴۰۳)

❹ طبری (۵/ ۴۰۲، ۴۰۳) انساب الاشراف/ بلاذری (۳/ ۱۷۳) ایک طرف تو ابھی یہ بتایا گیا کہ ہم حکم سلطانی کے بموجب کوفہ حاضر کرنے کے پابند ہیں پھر اچانک موقف میں تبدیلی کہاں سے آگئی اور حکم سلطانی کے خلاف مشورے دیئے جانے لگے؟ حقیقت سے دروغ گو را حافظہ نباشد۔ (ش)

❺ طبری (۵/ ۴۰۳) اس بیان سے بالکل واضح ہے کہ سرکاری عملہ جنگ کے لیے نہ مقرر ہوا تھا اور نہ ہی وہ اس کے خواہاں تھے بلکہ امت کو ٹکراؤ سے بچانے میں لگے تھے اور ان کے سامنے مروان اور یزید کے تاکیدی خطوط تھے کہ حسین رضی اللہ عنہ کو گزند نہ پہنچنے پائے اور کسی طرح کا ٹکراؤ نہ ہو۔ (ش)

❻ یہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ رشتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے۔ اسلام میں سب سے پہلے تیر انھوں نے چلائی تھی۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، اس کمیٹی کے رکن تھے جو عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے تشکیل دی تھی اور فاتح ایران ہیں کسریٰ کے غرور کو خاک میں ملایا تھا اسی لیے شیعوں نے ان کے لخت جگر عمر کو شہادت حسین میں گھسیٹ لیا ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری ابوحفص المدنی ساکن کوفہ۔ انھوں نے اپنے والد ماجد اور ابوسعید الخدری سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے ان کے فرزند ابراہیم اور ان کے پوتے ابوبکر بن حفص نے نیز ابواسحاق سبیعی اور العیز ار بن حریث، یزید بن ابی مریم، قتادہ، زہری، یزید بن ابی حبیب وغیرہ نے روایت کی ہے۔ محدث العجلی فرماتے ہیں عمر بن سعد نے اپنے والد سے احادیث کی روایت لی ہے۔ اور ان سے بہت سے لوگوں نے اور وہ خود ثقہ تابعی ہیں۔ (تہذیب التھذیب ۷/ ۴۵۰)

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد ابومخنف جیسے کذاب راویوں نے اس ناگہانی حادثہ کو افسانوی طرز سے عظیم جنگ کی شکل میں پیش کیا اور اس قدر جھوٹ بولا کہ حقیقت روایات میں کھوگئی اور عمر بن سعد کی شخصیت بری طرح مجروح ہوئی لوگوں نے انھیں قاتل حسین کی حیثیت سے پیش کیا جس کی وجہ سے امام ذہبی جیسے لوگ بھی ان افواہوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور لکھا وہ فی نفسہ تو غیر متہم تھے لیکن قتال حسین میں حصہ لیا تھا اس لیے کیسے ثقہ سمجھے جائیں (میزان الاعتدال ۲/۲۵۸) یہ ہے شیعی کذب بیانوں کا اثر۔ (ش)

آپ کو گرفتار کرلیا، اس وقت عمر کے ساتھ شمر بن ذی الجوشن اور حصین بن تمیم بھی تھے۔ ❶ عمر بن سعد کی یہ فوج چار ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھی جو درحقیقت باغیوں سے جہاد کرنے کے لیے ''ری'' کی طرف پیش قدمی کر رہی تھی، لیکن جب ابن زیاد نے عمر بن سعد کو حسین رضی اللہ عنہ سے جنگ کے لیے پابند کیا تو شروع میں انھوں نے اس حکم کو ماننے سے انکار کردیا، لیکن ابن زیاد نے انھیں منصب سے معزول کرنے، ان کا گھر زمین بوس کرنے اور جسم کو تہ تیغ کرنے کی دھمکی دیا تو وہ مجبوراً اس کی تعمیل کے لیے تیار ہوگئے۔ ❷ چناں چہ جب حسین رضی اللہ عنہ کربلا پہنچے اور فوجیوں نے آپ کو گھیر لیا تو آپ نے پوچھا کہ یہ کون سی جگہ ہے؟ انھوں نے بتایا کہ ''کربلا'' آپ کہنے لگے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ ہی کہا: انہا ارض کرب و بلاء'' یہ کرب و بلاء کی سرزمین ہے۔ ❸

اس پورے خطے کو ''الطف'' ❹ بھی کہا جاتا ہے۔ اب سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے عمر بن سعد کے ساتھ بحث و گفتگو شروع کیا، اور واضح طور پر بتادیا وہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اہل کوفہ کے مطالبہ پر جارہے ہیں، اور دلیل کے طور پر اپنے ان دونوں بڑے تھیلوں کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اس میں بلانے والوں کے نام اور

---

❶ انساب الاشراف (٣/ ١٦٦)

❷ طبقات ابن سعد (٥/ ٣٧٧) طبری (٥/ ٤٠٩) المعرفة والتاریخ (٣/ ٣٢٥) ابن عساکر ترجمة الحسین (٢٠٩ ، ٢١٠) دراصل یہ احتیاطی تدابیر تھیں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنا مقصود نہ تھا بلکہ امت کو سبائی تخریب کاریوں سے بچانا تھا لیکن برا ہو شیعی کذب بیانیوں کا کہ انھوں نے اس کو جنگ کا روپ دے دیا۔ (ش)

❸ ہیثمی کا بیان ہے: کہ رواہ الطبرانی و فیہ یعقوب بن حمید بن کاسب و ہو ضعیف وقد وُثق۔ نیز المحن ص (١٥٣) اس میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت نہیں ہے۔ اور بسند ابومعشر عن بعض مشیختہ منقول ہے، اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ اور دلائل النبوۃ (٥٨١/٢) میں ایک روایت ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ کا کربلا سے گزر ہوا تو کہنے لگے! یہ ان کے سواریوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ محقق کا بیان ہے کہ اس سند میں سعد بن ظریف اور اصبغ بن بناتہ نامی دو روای ہیں جو کہ متروک ہیں۔ دیکھئے: الخصائص (٢/ ٤٥٣) بوصیری نے کہا کہ اسے اسحاق نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔ محقق کتاب نے لکھا ہے کہ اس میں بنوضَبَّہ کا ایک غیر معروف راوی ہے۔ اور ابویحیٰ سے روایت کرنے والا ایک راوی ہے جس کا نام میرے علم میں مصدع ہے، اس کی کسی نے توثیق نہیں کی ہے۔ دیکھئے: المطالب العالیة (٤/ ٣٢٦) رہا ابن عباس کا یہ قول کہ ہم اور اہل بیت کسی کو یہ شک نہیں تھا کہ حسین بن علی مقام طف ہی میں قتل ہوں گے۔ تو امام ذہبی کی تحقیق میں اس میں حجاج بن نصیر نامی متروک راوی ہے۔ المستدرک (١٧٩/٣) نیز ابن عساکر نے اپنی سند سے ام سلمہ سے جو یہ روایت کیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ کو خبر دی تھی کہ حسین عنقریب قتل کیے جائیں گے۔ اور میرے خیال میں وہ جہاں شہید ہوں گے اس کا نام کربلاء ہوگا۔ (ابن عساکر ترجمہ حسین ١٧٦) تو اس کی سند میں ابان بن ابی عیاش راوی ہے، جس کے بارے میں ذہبی نے میزان الاعتدال (١٣/١) میں لکھا ہے کہ ابان، قال احمد: ترکوا حدیثہ۔ نیز دیکھئے: المغنی فی الضعفاء (١/ ٧) دارقطنی نے کہا: متروک ہے۔ نیز دیکھئے: الحبائك فی اخبار الملائك ص (٤٤) اسی طرح التثریب ابوزرعه (١/ ١١)۔ کربلا کے بارے میں مفصل روایات دیکھنے کے لیے رجوع کریں، السلسلة الصحیحة / البانی (٣/ ١٥٩ (١١٧١)

❹ طف کے لغوی معنی ہے عرب کی وہ بالائی زمین جو عراق کی سطح پر واقع ہے اور یہ کوفہ کا ایک جانبی خطہ ہے۔ دیکھئے: یاقوت (٤/ ٣٥- ٣٦) رغبة الامل/ سعید علی المرصفی (٣/ ٣٤)

بیعت کرنے والوں کی پوری فہرست موجود ہے۔ عمر بن سعد نے حسین رضی اللہ عنہ کی بات کو بذریعہ خط ابن زیاد تک پہنچایا جس کا مضمون یہ تھا: ''حمد وصلاۃ کے بعد، جب میں حسین کے پاس پہنچا تو انھیں اپنے پاس بلوایا، ان سے آنے کی وجہ اور سفر کا مقصد دریافت کیا، تو انھوں نے بتایا کہ اس شہر کے باشندوں نے میرے پاس خطوط اور قاصد بھیجے، اور مجھے آنے کی پرزور دعوت دی، اس لیے میں نے ایسا کیا، اب اگر وہ مجھے نہیں پسند کریں گے اور اپنے سابقہ موقف سے پلٹ جائیں گے تو میں واپس لوٹ جاؤں گا۔'' جب ابن زیاد کو یہ خط سنایا گیا تو اس نے یہ شعر پڑھا:

الآن اذا علقت مخالبنا

یرجو النجاۃ ولات حین مناص

''اب جب کہ وہ ہمارے چنگل میں آچکے ہیں، نجات کے متمنی ہیں اب تو ہرگز جائے پناہ نہیں۔''

پھر ابن زیاد نے عمر بن سعد کے نام مکتوب روانہ کیا: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اما بعد، تمھارا خط مجھے ملا، اور تمھاری بات بھی میں سمجھ گیا ہوں، اب حسین سے کہو: کہ وہ اپنے ساتھیوں سمیت یزید کے لیے بیعت کرلیں، اگر وہ ایسا کرلیتے ہیں تب ہم اپنی رائے پر غور کریں گے، والسلام۔''

جب عمر بن سعد کو ابن زیادہ کا جوابی مکتوب ملا تو تعنت وقساوت بھری اس کی تحریر عمر کو اچھی نہ لگی، اور یہ اندازہ کرلیا کہ ابن زیاد امن وسلامتی نہیں چاہتا۔ [1]

واضح رہے کہ حسین رضی اللہ عنہ اس مقام پر اپنے موقف میں بالکل برحق تھے، کیوں کہ انھوں نے مدینہ میں رہتے ہوئے کہ جہاں ہر اعتبار سے مکرم ومعزز تھے، یزید کے ہاتھوں پر بیعت کرنے سے انکار کردیا تھا اور اپنے موقف پر ڈٹے رہے، [2] یہاں تک کہ اسی سلسلے میں ان کے عم زاد بھائی مسلم بن عقیل قتل کردیئے گئے،

[1] الطبری (٥/ ١/ ٤١١ ، ٤١٢) بسند ابو مخنف۔ ابومخنف کی اس روایت کے ساتھ ذرا یہ روایت بھی ملاحظہ فرمائیں: سیدنا حسین اور عمر بن سعد تین یا چار بار آپس میں ملے گفتگو کی پھر عمر بن سعد نے عبید اللہ بن زیاد کو یہ تحریر روانہ کی۔ اما بعد! اللہ تعالیٰ نے آتش اختلاف کو بجھا دیا، اتحاد واتفاق پیدا کردیا اور امت کی اس سے بہتری چاہی اور حسین نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ جہاں سے آئے ہیں وہاں واپس چلے جائیں گے یا پھر ہم انھیں اسلامی سرحدوں پر روانہ کردیں اور مسلمانوں کے حقوق انھیں حاصل رہیں یا پھر وہ امیر المومنین یزید کے پاس چلے جائیں اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرلیں اور ان کے ساتھ مل کر اپنا معاملہ حل کریں۔ آپ کو بھی یہی پسندیدہ ہے اور امت کی بھلائی بھی اسی میں ہے۔ عبید اللہ بن زیاد نے جب خط پڑھا فرمایا: یہ ایک ایسے شخص کا خط ہے جو اپنے امیر کا خیرخواہ اور قوم کا ہمدرد ہے۔ ہاں میں نے قبول کرلیا۔ تاریخ الطبری (٦/ ٢٣٥ ، ٢٣٦) مطبوعہ مصر - یہ روایت بالکل واضح کردیتی ہے کہ وہاں جنگ کی کوئی بات ہی نہیں تھی طرفین صلح وآشتی ہی چاہتے تھے لیکن روافض نے اسے کذب بیانی سے جنگ بنا دیا۔ (ش)

[2] واضح رہے کہ حسین رضی اللہ عنہ نے صاف انکار نہیں کیا تھا بلکہ یہ کہا تھا کہ صبح جب سب لوگ بیعت کریں گے میں بھی آجاؤں گا لیکن پھر رات ہی میں مکہ روانہ ہوگئے اس کے بعد حکومت نے ان سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی۔ دیکھئے: الطبری (٦/ ١٨٩ ، ١٩٠) مطبوعہ مصر

علاوہ ازیں مدینہ اور مکہ سے نکلتے ہوئے اپنے دیگر خیر خواہوں کی رائے کو نہیں مانا، پھر بھلا یہ کیوں کر ممکن تھا کہ ہتھیاروں کی دھمکیوں میں آ کر بیعت یزید کے لیے تیار ہو جاتے۔ چناں چہ آپ نے ابن زیاد کی پیش کش کو ٹھکرا دیا، اور جب حالات کی خطرناکی کو آپ نے سمجھ لیا تو عمر بن سعد سے مقابلہ میں آنے کی پیشکش کیا، صرف اسی پر بس نہیں بلکہ اس پیش کش کی نوعیت ایسی تھی جس میں تین چیزوں میں سے ایک پر رضا مندی کا اعتراف تھا۔ [1]

۱۔ ہمیں چھوڑ دیں جہاں سے آیا ہوں واپس چلا جاؤں گا۔

۲۔ ہمیں چھوڑ دیں تاکہ شام جا کر بذات خود اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دے دوں۔

۳۔ دیگر مسلمانوں کے ساتھ ملک کی سرحدی حفاظت میں مجھے لگا دیا جائے اور میں بھی انھیں کا ایک فرد ہو جاؤں، جو حقوق سب کو ملیں میں بھی پاؤں، اور جن چیزوں کے وہ پابند ہوں ہم بھی پابند ہوں گے۔ [2]

بلکہ حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے پاس جانے کے لیے خود کو مکمل طور سے تیار کر لیا تھا۔ [3]

حسین رضی اللہ عنہ کی اس پیشکش سے عمرو بن سعد کافی خوش ہوئے، اور کہنے لگے: کہ اے کاش ابن زیادہ انھیں شام جانے کی اجازت دے دے، اور اس خطرناک موقف کا دروازہ یہیں بند ہو جائے تو کیا ہی بہتر ہوگا، یہی وجہ رہی کہ انھوں نے بڑے واضح انداز میں ابن زیادہ کو دوسرا خط لکھا، اور بتایا کہ اب ایک انتہائی پیچیدہ اور پرخطر موقف کا حل نکالا جا چکا ہے اور سلامتی بہت قریب ہے، صرف ابن زیاد کی تائید و اجازت باقی ہے۔ [4]

چناں چہ بہت ممکن اور بالکل قریب تھا کہ ابن زیاد حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے پاس جانے کی اجازت دے دیتا، اور اپنے مثبت رویئے کو بروئے کار لے آتا اگر اس وقت شمر بن ذی الجوشن کی دخل اندازی نہ ہوتی، کیوں کہ جب ابن سعد کا خط پہنچا تو وہ ابن زیاد کے پاس اس مجلس میں موجود تھا، اس نے ابن زیاد کے اس موقف پر اعتراض کیا کہ حسین کو یزید کے پاس جانے کی اجازت دی جائے، اس کا کہنا تھا کہ معقول بات تو یہ ہے کہ حسین پہلے آپ کے حکم پر جھکیں، پھر آپ جو مناسب سمجھیں وہ فیصلہ دیں۔ [5]

---

[1] المحن/ ابوالعرب ص (١٥٤) بروایت ابومعشر عن بعض مشیخته۔

[2] طبقات ابن سعد (٥/ ٣٧٨) باسناد جمعی، طبری (٥/ ٤١٣) عن ابی مخنف و قال حدثنا المجالد بن سعید و الصقعب بن زهیر الأزدیو غیرهما من المحدثین، المحن/ ابوالعرب (١٥٤)، العقد الفرید (٤/ ٣٧٨)، المحاسن و المساوی/ البیهقی (٨٣-٨٤)

[3] انساب الاشراف (٣/ ١٧٣-١٧٤) باسناد صحیح اس کی متابعت میں طبرانی میں ہے دیکھئے: الطبرانی (٥/ ٣٩٢) باسناد صحیح۔

[4] طبری (٥/ ٤١٤) عن ابی مخنف

[5] طبری (٥/ ٤١٤) عن ابی مخنف، المحن / ابوالعرب (١٥٤) عن ابی معشر، المحاسن و المساوی ص (٨٤)

اس سے قبل یہ بات گزر چکی ہے کہ شمر بن ذی الجوشن اور حصین بن تمیم کربلا میں عمر بن سعد کے ساتھ تھے۔ اب شمر کو ابن زیاد ⇦⇦⇦

ابن زیاد کو یہ رائے زیادہ پسند آئی اور شمر بن ذی الجوشن کو عمر بن سعد کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ حسین کو پہلے ابن زیاد کے حکم کے تابع کریں، اس کے علاوہ ابھی کوئی دوسری چیز منظور نہیں ہے اور اگر ابن سعد اس حکم کی تعمیل میں چوں چراں کرتے ہیں تو شمر کو اختیار ہے کہ ابن سعد کو قتل کر کے خود قیادت سنبھال لے۔ ❶

اب عمر بن سعد کے سامنے تین باتوں میں سے ایک کے اختیار کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔

۱۔ ابن زیاد کے حکم کی تعمیل سے انکار کر دیں اور قتل کیے جائیں۔

۲۔ یا حسین رضی اللہ عنہ خوشی خوشی ابن زیاد کے حکم کے تابع ہو جائیں، ابن سعد اسی کو ترجیح دیتے تھے۔

۳۔ یا حسین رضی اللہ عنہ ابن زیاد کے حکم کو ٹھکرا دیں اور جدال و قتال کا محاذ کھولیں۔

چناں چہ ابن سعد نے حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے ابن زیاد کا مطالبہ رکھا جسے آپ نے تسلیم کرنے سے صاف صاف انکار کر دیا۔ اور ابن زیاد کے فوجی قائدین کو واضح طور پر بتا دینا چاہا کہ ہم امن و سلامتی چاہتے ہیں، جنگ ہمارا مقصد نہیں ہے، ہمیں یزید کے حکم پر جھکنے کی اجازت دی جائے، لیکن ان لوگوں نے ابن زیاد کے حکم پر جھکنے کے علاوہ ایک بھی بات تسلیم نہ کیا۔ ❷

درحقیقت حسین رضی اللہ عنہ کا موقف درست تھا، کیوں کہ آپ ابن زیاد کی شخصیت، اور اس کی قساوت قلبی کو جانتے تھے، اسی نے آپ کے ابن عم مسلم، نیز ہانی، عبداللہ بن بقطر اور قیس بن مسہر کو قتل کیا تھا۔ حسین رضی اللہ عنہ نے کوئی ایسا بڑا جرم تو نہیں کیا تھا کہ آپ کو ابن زیاد کے حکم پر جھکنے کے لیے مجبور کیا جاتا، آپ نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا اور نہ ہی حکومت کا تختہ پلٹ کرنے کے لیے فوج کشی کی تھی نیز آپ کوفہ کیوں جا رہے تھے، ❸ اس

⇐⇐⇐ کے ساتھ دکھایا جا رہا ہے ممکن ہے وہ ابن زیاد کے پاس کوفہ چلا آیا ہو۔ روایات میں سارا کھیل خراب کرنے والا اسی کو بتایا گیا ہے اگر اس کی ریشہ دوانی نہ ہوتی تو حالات ابتر نہ ہوتے۔ لیکن اگر ابن زیاد کے ہاتھ امیر المومنین یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا گیا تو اس میں کون سی شرعی قباحت تھی جب کہ گورنر کے ہاتھ بیعت امیر کے ہاتھ پر بیعت ہوتی ہے اور تمام صحابہ نے اسی طرح گورنروں کے ہاتھ پر ہی بیعت کی تھی۔ اس مطالبہ کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ایک طرف سبائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بھڑکانے میں لگے تھے اور مسلم بن عقیل کے بھائی جذبات انتقام میں چور تھے اور دوسری طرف اس سے قبل مدینہ میں جب آپ کو سب سے پہلے بیعت کے لیے بلایا گیا تھا تو آپ نے کہا تھا جب سب لوگ بیعت کے لیے آئیں گے میں بھی آ جاؤں گا لیکن پھر رازدارانہ طور سے رات میں مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ اس لیے ممکن ہے ذمہ داران حکومت کو یہ خطرہ لاحق ہوا ہو کہ پھر اس طرح کی کوئی بات نہ پیش آ جائے۔ واللہ اعلم (ش)

❶ ابن سعد ط (۵/ ۳۷۸)، المحن ۱۵٤ھ ابو معشر

❷ انساب الاشراف، بلاذری (۳/ ۲۲۷) جویریہ بن حازم تک بسند صحیح، جویریہ ۱۷۰ھ میں فوت ہوئے۔

❸ عام طور سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کے پیش نظر لوگ حقائق کو نظر انداز کر دیتے ہیں جس شخص کی امارت پر پورے عالم اسلام نے بیعت کر لی ہو اس کی بیعت سے چند افراد کے اعراض کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: إن أمر علیکم عبد حبشی مجدع فاسمعوا له واطیعوا ما اقام لکم کتاب الله۔ (الترمذی (۱۷۰٦)، ابن ماجه (۲۳۲۸) (اگر نک کٹا حبشی غلام تم پر امیر بنا دیا جائے تو اس کی سمع و طاعت کو قبول کرو جب تک وہ اللہ کی کتاب کو قائم کر رہا ہو۔) ⇐⇐⇐

کی وجہ بھی بڑی صراحت سے بیان کر دیا تھا۔ بلکہ جب آپ نے ابن زیاد کی فوج کو دیکھا اور جنگ چھڑ جانے سے ڈرے تو لوٹ جانے کی اجازت چاہی، آپ مصالحت کے اس پہلو کو ترجیح دینے میں کافی پرہیزگار واقع ہوئے تھے، آپ اس بات سے لرزاں وترساں ہو جاتے کہ مبادا میری وجہ سے کوئی خونریزی ہو، پھر بھلا آپ کو ابن زیاد کے حکم پر جھکنے کا کیا جواز تھا؟ علاوہ ازیں یوں بھی آپ کو جھکنا زیب نہ دیتا تھا کہ آپ فاطمہ بنت رسول کے لخت جگر، اور چوتھے خلیفہ راشد علی بن ابی طالب کے فرزند تھے، اپنے عمر کے ساٹھویں منزل طے کر رہے تھے بنابریں آپ کا مقام ومرتبہ بہرحال اس بات سے مانع تھا کہ آپ ایک ایسے نوجوان کے حکم پر جھک جائیں جس کا عمل شہرت طلبی کا غماز ہے، اسی لیے آپ یزید کے حکم پر جھکنے کو تیار تھے، کیوں کہ ان سے آپ کو خیر کی توقع تھی اور ان کے اخلاق و عادات کو جانتے تھے، اگر ایسا نہ ہوتا تو شروع ہی سے آپ یزید کے پاس جانے کا مطالبہ نہ کرتے۔

واضح رہے کہ تاریخ کے اس مرحلے میں بروکلمان جیسے مستشرق کی رائے سے ہمیں دھوکہ نہیں ہونا چاہیے کہ جس میں اس نے ابن زیاد کے سامنے حسین رضی اللہ عنہ کی عدم خودسپردگی کی وجہ یہ لکھی ہے: کہ انھیں نواسۂ رسول اور اعلیٰ حسب ونسب کا غرہ تھا اس لیے وہ ابن زیاد کے سامنے نہیں جھکے۔ [1]

عمر بن سعد نے حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ معرکہ آرائی سے بچنے کے لیے اس انداز میں بھی ایک کوشش کیا کہ ابن زیاد کے مندوب جویریہ بن بدر التمیمی کو راست طور سے ان کے سامنے پیش کر دیا، اور کہا کہ ان کے زبانی

⇦ ⇦ ⇦ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ مکہ سے کوفہ کس غرض سے جا رہے تھے اور آپ سے پہلے مسلم بن عقیل کو کوفہ کس لیے بھیجا گیا تھا اور مسلم بن عقیل نے کوفیوں سے کس بات کی بیعت لی تھی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: انه ستكون هنات فهنات فمن اراد أن يفرق أمر هذه الامة و هي جميع فاضربوه بالسيف كائنا من كان۔ مسلم (۱۸۵۲)، ابوداؤد (٤٧٦٢) (عنقریب مختلف فتنے رونما ہوں گے تو جو اس امت میں اختلاف ڈالنا چاہے اس کی گردن تلوار سے اڑا دو کسے باشد)

کیا حسین رضی اللہ عنہ کے اس اقدام سے اختلاف کی طرح نہیں پڑی اور مسلم حاکم کے خلاف کیا خروج لازم نہیں آتا ہے۔ آخری تمام صحابہ اور آل بیت کے چندہ افراد نے حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ کیوں نہیں دیا کیا سب کے سب باطل کا ساتھ دے رہے تھے؟ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ان کے اس اقدام کی تائید میں مدینہ منورہ یا مکہ معظّمہ یا حجاز کا ایک متنفس بھی سوائے ان کے چند نوجوان عزیزوں کے ان کے ساتھ نہ ہوا اور ان کے اپنے گھر کی بھی یہ کیفیت تھی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے منجملہ پندرہ صاحبزادوں کے جو اس وقت بحیات تھے صرف چار اپنے بھائی کے ساتھ گئے اور گیارہ برادران حسین رضی اللہ عنہ نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی محمد ابن حنفیہ پر جو فرزندان علی میں علم وفضل، ورع وتقویٰ میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ جسمانی قوت وشجاعت میں اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین تھے اس فہم میں ان کا ساتھ دینے کے لیے بہت زور ڈالا یہاں تک کہ کہا کہ اگر خود نہیں ساتھ دیتے تو اپنی اولاد ہی کو اجازت دیں کہ میرے ساتھ چلیں مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ (البداية والنهاية ۸/ ۱٦٠)

[1] تاريخ الشعوب الاسلاميه/ بروكلمان ص (۱۲۸) اللہ کی شریعت میں کسی کے ساتھ ناانصافی کی اجازت نہیں ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کی مخالفت کرنے والے ہر شخص پر حکم الٰہی کا نفاذ کا حکم دیا ہے خواہ وہ فاطمہ بنت محمد ہی کیوں نہ ہوں۔

ابن زیاد کا مجھے حکم ملا ہے کہ اگر میں حسین سے قتال نہ کروں تو مجھے قتل کر دیا جائے۔ ❶ پھر وہ اٹھے اور حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ زیاد کے حکم پر جھک جائیں ورنہ پھر دوسرا راستہ قتال ہی کا ہے۔ یہ محرم کی نویں تاریخ اور جمعرات کا دن تھا، حالات کے بدلتے رخ کو دیکھ کر حسین رضی اللہ عنہ نے صبح تک کی مہلت مانگی، اور خود اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر میں ابن زیاد کے حکم پر نہیں جھکتا تو انجام بہر حال قتل ہی ہوگا۔ اس لیے اپنے ساتھیوں سے کہا: کہ آپ لوگ میری اطاعت سے آزاد ہیں، لیکن آپ کے ساتھی آخری دم تک آپ کے ساتھ لڑنے اور مر مٹنے پر بضد رہے۔ ❷ جب کہ ابن زیاد نے "نخیلة" ❸ جاتے ہوئے دار الخلافہ میں احتیاطی کارروائیاں کیں، یعنی عمرو بن حریث کو کوفہ کا حاکم مقرر کر دیا، اور سرحدی پل کو مکمل طور سے اپنے قبضہ میں کر لیا جسے کوئی پار نہیں کر سکتا تھا۔

خاص طور سے اس وقت نگرانی میں اور سختی کر دیا جب معلوم ہوا کہ کوفہ کے بعض لوگ خفیہ طور سے حسین رضی اللہ عنہ سے جا کر مل رہے ہیں۔ ❹ معاملہ یہیں پر بس نہیں ہوا بلکہ حالات میں رفتہ رفتہ تبدیلی و شدت ہوتی گئی، چناں چہ حسین رضی اللہ عنہ کے متوازن اور قابل عمل مطالبات کے سامنے ابن زیاد کی ہٹ دھرمی اور سخت موقف نے حر بن یزید الحنظلی کو جو کہ ابن زیاد ہی کے لشکر کے ایک جرنیل تھا بدگمان کر دیا اور وہ حسین بن علی سے جا ملے، اور عمر بن سعد کے لشکر کو مخاطب کر کے کہا: یہ لوگ تم لوگوں سے جس بات کا مطالبہ کر رہے ہیں کیا تم لوگ اسے نہیں مانو گے؟ اللہ کی قسم اگر تُرک اور دیلم کے لوگ تم سے یہی مطالبہ کرتے تو تمھیں اسے ٹھکرانے کی جرأت نہ ہوتی۔ ❺

دراصل حر بن یزید حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس لیے جا ملا تھا تاکہ اپنے ماضی کی غلطی کا کفارہ ادا کر دے، کیوں کہ اس نے ہی ''شراف'' میں حسین رضی اللہ عنہ کو مدینہ جانے سے روکا تھا، پس اس موقعہ پر صرف حر ہی نہیں بلکہ عمر بن سعد کے بھی تیس فوجی حسین رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔ ❻

---

❶ ابن سعد ط (٥/ ٣٧٩) باسناد جمعی، المحن: ١٤٥، بسند ابی معشر، طبری (٥/ ٣٩٣) شیخ الطبری محمدبن عمر رازی کے علاوہ اس سند کے تمام رجال ثقہ ہیں، محمد بن عمر کی سوانح نامعلوم ہے۔ دیکھئے: ابوزرعہ (١/ ٦٢٧) بسند صحیح انساب الاشراف/ بلاذری (٣/ ٢٢٦)

❷ طبقات ابن سعد ط (٥/ ٣٧٩) باسناد جمعی

❸ ''نخلہ'' کی تصغیر ہے۔ شام کی طرف کوفہ سے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ (یاقوت ٥/ ٢٧٨)

❹ طبقات ابن سعد (٥/ ٣٧٨)

❺ انساب الاشراف (٣/ ١٧٣، ٣٢٥) بلاذری تك باسناد صحیح، طبری (٥/ ٤٢٧) عن ابی مخنف، طبری (٥/ ٣٩٢) باسناد صحیح۔

❻ المحن (١٥٤) السند ابی معشر عن بعض مشیخته، ابن عساکر، ترجمة الحسین ص (٢٢٠)

پھر جب دوسری صبح یعنی دسویں محرم ہوئی تو حسین رضی اللہ عنہ نے جنگ سے نبرد آزما ہونے کی پوری تیار کرلی، آپ کے ساتھ بتیس (۳۲) شہسوار اور چالیس (۴۰) پا پیادہ فوجی تھے۔ زہیر بن القین کو اپنے میمنہ، اور حبیب بن مظاہر کو میسرہ پر مقرر کیا، جب کہ اپنا رائیہ (علم) عباس بن علی کو دیا، وہاں کے مکانات کو اپنے پشت میں رکھا، اور ان کے پیچھے خشک لکڑیوں اور نرکٹ کے ڈنٹھلوں کو اکٹھا کر کے اس میں آگ لگا دیا کہ پیچھے کا علاقہ روشن ہو جائے اور اس راستے سے مخالفین حملہ نہ کر سکیں۔ ❶

جب کہ عمر بن سعد نے بھی اپنے لشکر کو منظم کرلیا، میمنہ پر حر بن یزید کی جگہ عمرو بن حجاج زبیدی کو مقرر کیا کیوں کہ حر حسین رضی اللہ عنہ سے جا ملے تھے، اور میسرہ پر شمر بن ذی الجوشن کو متعین کیا، شہسواروں پر عزرۃ بن قیس الاحمسی اور پا پیادہ پر شبث بن ربعی الریاحی کو مقرر کر کے اپنے غلام ذوید کے ہاتھ میں جنگ کا علم تھما دیا۔ ❷

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بڑی تیزی سے معرکہ کا آغاز ہوگیا، شروع شروع میں مبارزت پیش آئی، جس میں عمر بن سعد کی فوج کو حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے انتہائی سخت مقابلہ کا سامنا کرنا پڑا، کیوں کہ آپ کی فوج ایسے فدائین پر مشتمل تھی جنھیں زندگی کی طرف مڑ کر دیکھنا ہی نہیں تھا۔ ❸

حسین رضی اللہ عنہ آغاز معرکہ میں شریک نہیں ہوئے تھے، آپ کے ساتھی آپ کی طرف سے دفاع کر رہے تھے، جب آپ کے بیشتر فوجی قتل کر دیئے گئے تو کسی میں یہ جرات نہیں تھی کہ آپ کے قتل کی طرف قدم اٹھائے، کیوں کہ عمر بن سعد کی فوج اس اقدام سے آگے پیچھے ہو رہی تھی، اس کا کوئی فرد آپ کے خون سے اپنے ہاتھ کو گندا نہیں کرنا چاہتا تھا، اور وہ آخری وقت تک متمنی تھے کہ حسین رضی اللہ عنہ جھک جائیں، لیکن حسین رضی اللہ عنہ کے موقف میں کچھ بھی نرمی نہ آئی، بالکل بڑی بے باکی اور بے نظیر بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سینہ سپر رہے۔ اب شمر بن ذی الجوشن گھبرایا کہ کہیں حالات پلٹا نہ کھالیں اور قیادت کی رسی ہاتھوں سے چھوٹ جائے، اس لیے اس نے اپنے لشکر کو للکارا کہ انھیں - حسین رضی اللہ عنہ - قتل کر دو، جنگی قائد کے اس حکم پر سب آپ رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے، پہلا وار زرعہ بن شریک تمیمی نے کیا اور پھر سنان بن انس نخعی نے نیزہ مار کر آپ کا سر جسم سے جدا کر دیا۔ ❹ جب کہ دوسری روایت کے بقول عمرو بن بطار التغلبی اور زید بن رُقاد الجنبی نے آپ

---

❶ طبری، بروایت ابی مخنف (۵/ ۴۲۲) البتہ ذہبی کی روایت اس بیان میں منفرد ہے کہ ان کی تعداد ۴۵ شہسواروں اور سو پا پیادہ فوجیوں پر مشتمل تھی، ممکن ہے یہ تعداد عمر بن سعد کے لشکر سے جا ملنے والے تیس فوجیوں اور بعض کوفیوں کے در آنے کے بعد ہوگئی ہو۔ طبری (۵/ ۳۸۹)

❷ طبری (۵/ ۴۲۲) بروایت ابی مخنف۔

❸ طبری (۵/ ۴۲۹) بروایت ابی مخنف۔

❹ طبری (۵/ ۴۲۹) بروایت ابی مخنف، الأنباء القضاعی (۶۳۰/ ب)

کو قتل کیا تھا۔ ❶

ایک روایت میں ہے کہ آپ پر حملہ کرانے کا ذمہ شمر بن ذی الجوشن الضبی نے لیا، اور آپ کے سر کو ابن زیاد کے پاس خولی بن یزید الاصبحی لے کر گیا۔ ❷

بہر حال روایتوں کا یہ تعارض واقعہ کی سنگینی کو ہلکا نہیں کرتا، کیوں کہ ممکن ہے یہ سارے ہی لوگ اس جرم کے ارتکاب میں شریک رہے ہوں، البتہ یہ بات تو قطعی ہے کہ جس شخص نے آپ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا وہ سنان بن انس ہی تھا، چناں چہ اسلم المنقری کا بیان ہے: ''کہ میں حجاج کے پاس گیا ہوا تھا، اتنے میں -قاتل حسین- سنان بن انس بھی وہاں آ پہنچا، وہ گندمی رنگ کا بوڑھا تھا، بالوں میں مہندی لگائے تھا، ناک لمبی تھی، چہرے پر کالے اور سرخ دانے تھے، وہ حجاج کے بغل میں آ کھڑا ہوا۔ حجاج نے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا کہ تمھیں نے حسین کو قتل کیا تھا؟ اس نے کہا: ہاں، حجاج نے کہا: کیسے کیسے؟ اس نے کہا: نیزے کو دھنسا دیا اور تلوار کو دبا دیا۔ تو حجاج نے کہا: سن لو، تم دونوں ایک گھر میں ہرگز اکٹھا نہیں ہو سکتے۔ ❸

اس طرح حسین رضی اللہ عنہ دس محرم ۶۱ھ کو شہید کر دیئے گئے۔ ❹ اور آپ کے ساتھ آپ کے بہتر (۷۲)

---

❶ طبری (۵/ ۴۲۹) بروایت ابی مخنف۔
واقعہ کربلا کو ابومخنف جیسے کذاب اور دروغ گو رافضی وسبائی راویوں نے افسانہ بنا دیا اس سے قبل یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ حکومتی ذمہ داران صلح وآشتی سے معاملہ کو سلجھانا چاہتے تھے عمر بن سعد اس سلسلہ میں انتہائی کوشاں تھے لیکن ان کے راستہ میں دو قومیں حائل تھیں جو کسی طرح صلح کے لیے جھکنا نہیں چاہتے تھے ایک طرف مسلم بن عقیل کے بھائیوں کا انتقامی جذبہ اور دوسری طرف وہ سبائی جو مکہ ہی سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے یہ مصلحت میں اپنی ناکامی دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے وہی کردار ادا کیا جو جنگ جمل کے موقع پر سبائیوں نے کیا تھا، مصالحت کو جنگ میں بدل دیا تھا۔ ان کوفی سبائیوں کی پوری کوشش اس بات پر تھی کہ حسین رضی اللہ عنہ اپنے پرانے موقف پر قائم رہیں۔ ابومخنف ہی کا بیان ہے کہ کوفی سبائیوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو یہ ترغیب دینی شروع کی کوہستان آجا وسلمی پر چل کر ڈیرے ڈال دیں بنی طے کے بیس ہزار سوار و پیادے بہت جلد مدد اور نصرت کو آموجود ہوں گے۔ حکومت کے نمائندوں کو ان کے ان عزائم کا حال معلوم ہو گیا، انھوں نے ان کی ریشہ دوانیوں کو بروئے کار آنے سے روکنے کے لیے ایک طرف سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے گفت و شنید تیز کر دی اور دوسری طرف سے ان سے اسلحہ جمع کرانے لگے۔ مسلم بن عقیل کے بھائی اور کوفی سبائی اس سے انکاری ہوئے اور فوجی دستہ سے جھڑپ کر بیٹھے جس کے نتیجہ میں مصالحت کے سارے مساعی فیل ہو گئے اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی جانکاہ شہادت پیش آ گئی۔ فوجی دستہ (دفاعی پوزیشن میں رہا، اسی لیے اس کے زیادہ افراد قتل ہوئے۔ عمر بن سعد تمام تر کوشش کے باوجود کامیاب نہ ہو سکے جس سیدنا علی رضی اللہ عنہ جنگ جمل میں تمام کوشش کے باوجود طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما جیسی شخصیتوں کو قتل سے نہ بچا سکے اور جنگ بندی میں ناکام رہے۔ خود ابومخنف کا بیان قابل غور ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کے مقتول ہو جانے پر ابن سعد پر رنج وصدمہ سے ایسی رقت طاری ہوئی کہ بے اختیار ہو کر زار و قطار رونے لگے ان کے رخسار اور داڑھی آنسوؤں سے تر بتر ہو گئی۔ (دیکھئے تاریخ الطبری ۶/ ۲۵۹)
❷ المعجم الکبیر/ طبرانی (۳/ ۱۱۷) مجمع میں لکھا ہے (۹/ ۱۴۹) "و رجاله ثقات"۔ البیاسی (۲/ ۸۵) بسند ابوبشر الدولابی۔
❸ المعجم الکبیر (۳/ ۱۱۱، ۱۱۲) مجمع (۹/ ۱۹۵) میں ہے "و رجاله ثقات"
❹ المعرفة والتاریخ/ یعقوب (۳/ ۳۲۵) الطبری (۵/ ۳۹۴) المحن/ ابوالعرب (۱۵۸) معجم الطبرانی، باسناد صحیح حتی اللیث (۳/ ۱۰۳) الوفیات/ ابن قنفذ ص (۷۴) تاریخ بغداد (۱/ ۱۴۲)

ساتھی بھی قتل کیے گئے، جب کہ عمر بن سعد کے اٹھاسی (۸۸) ساتھی تہ تیغ ہوئے۔ [1] جنگ ختم ہونے کے بعد عمر بن سعد نے اپنے فوجیوں کو حکم دیا کہ خبردار کوئی حسین رضی اللہ عنہ کی بیویوں اور آپ کے بچوں کے پاس ہرگز ہرگز نہ جائے اور نہ ان کے ساتھی کسی طرح کی بدتمیزی کرے۔ [2]

پھر عمر بن سعد نے حسین رضی اللہ عنہ کا سر، اور ان کے بیوی و بچوں کو ابن زیاد کے یہاں بھیج دیا۔ [3]

واضح رہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ آل ابی طالب کے سترہ (۱۷) نوجوان قتل کیے گئے تھے۔ [4] جن کی فہرست انتہائی باریک بینی سے ابومخنف نے اور پھر خلیفہ بن خیاط نے نقل کی ہے۔ اور وہی فہرست صحیح ترین سندوں کے موافق ہے۔ [5] اس فہرست میں مختلف فیہ اسماء کا ذکر نہیں ہے، چناں چہ آپ کے ساتھ آپ کے پانچ بھائی شہید کیے گئے جن کے نام یہ ہیں:

(۱) عباس (۲) جعفر (۳) عبداللہ

(۴) عثمان (۵) محمد

اور حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد سے:

(۶) علی الاکبر (۷) عبداللہ

اور حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے:

(۸) ابوبکر (۹) عبداللہ (۱۰) القاسم

---

[1] طبقات ابن سعد (٥/ ٣٨٥) باسناد جمعی، طبری (٥/ ٤٥٥) بروایت ابی مخنف۔ معرکہ کے دو دن بعد اہل غاضریہ نے حسین اور آپ کے ساتھیوں کی تدفین کی۔

[2] ابن سعد (٥/ ٣٥٨) طبری (٥/ ٤٥٥)

[3] طبری (٥/ ٤٥٤)

[4] طبقات ابن سعد (٥/ ٤٠٥) باسناد حسن، طبرانی معجم کبیر (٣/ ١٩٩) ہیثمی کا قول ہے کہ رواہ الطبرانی باسنادین، رجال احدھما رجال الصیح (٩/ ١٩٨)، التاریخ/ خلیفہ (٢٣٥) المحن ص (١٧٥) العقد الفرید (٤/ ٣٨٥) تاریخ الخلفاء (٢٠٧) الامالی الخمیسة (١/ ١٦٤) بروایت حسن بصری، صاحب کتاب ابن الشجری نے یہ تعداد (١٦) سولہ بتائی ھے، البتہ الذریة الطاھرة ص (١٧٩) پر دولابی کا یہ قول: کہ ان کی تعداد (۲۳) تھی، ضعیف ہے کیوں کہ اس کی سند معضل ہے۔ اسی طرح جمھرة الانساب ص (١٨٢٢) اور ابن سعد (٥/ ٢١١) میں یہ تعداد بلا سند منقول ہے۔ رہی ابن عساکر کی (۱۲/ق ۴۱) پر ابن ابی الدنیا کے حوالے سے علی بن حسین کے بارے میں یہ بات کہ ان سے کثرت گریہ وزاری کی وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے کہا میں اپنے گھر کے چودہ افراد کو اپنی آنکھوں کے سامنے ذبح ہوتے ہوئے دیکھا، تو اس سند کے بعض راویوں کا کوئی اتا پتا نہیں ہے۔ مزید برآں یہ روایت سترہ والی صحیح ترین روایت کے خلاف ہے۔

[5] التاریخ/ خلیفہ (٢٣٤-٢٣٥) مقاتل الطالبین (٥٣، ٥٦) تھذیب الکمال (٤٢٧٦)

جب کہ ابناء عقیل سے:

(۱۱) جعفر (۱۲) عبدالرحمٰن (۱۳) عبداللہ

اور ابناء مسلم بن عقیل سے:

(۱۴) عبداللہ (۱۵) محمد بن سعد بن عقیل

اور ابناء عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے:

(۱۶) عوج (۱۷) محمد

جیسا کہ یہ بات گزر چکی ہے کہ عمر بن سعد نے حسین رضی اللہ عنہ کی ذریت کو ابن زیاد کے پاس بھیج دیا، اس ذریت میں آپ کے صاحبزادے علی بھی شامل تھے، جو اپنی مسلسل بیماری کی وجہ سے معرکہ میں شریک نہیں ہو سکے تھے، اور دوران معرکہ صاحب فراش تھے، اس لیے انھیں بچوں اور عورتوں کے ساتھ ابن زیاد تک پہنچا دیا گیا تھا۔ ❶

جب حسین رضی اللہ عنہ کی بیویاں اور بچے ابن زیاد کے پاس پہنچے تو اس نے ان کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کیا، انھیں الگ مستقل ایک مکان میں ٹھہرنے کا حکم دیا اور وظیفہ جاری کر دیا، نیز کپڑے اور نان ونفقہ کا انتظام کیا۔ ❷

خبردار رہیں کہ اس مقام پر بعض شیعہ مائل روایتیں اس سانحہ کی تصویر کشی کو دوسرے انداز میں یوں کرتی ہیں کہ ابن زیاد نے ان تمام محبوسین کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا جس کے زیر ناف کے بال نکل آئے ہوں۔ لیکن ایسی روایات کی کذب بیانی کا پردہ اس وقت چاک ہو جاتا ہے جب بعض دیگر روایتوں میں یہ بات ملتی ہے کہ جب علی بن حسین کا کپڑا کھولا گیا تو معلوم ہوا کہ ان کے زیر ناف کے بال نکل چکے ہیں، ابن زیاد نے انھیں قتل کرنے کا حکم دیا، لیکن اس کی بہن زینب کی سفارش اور ابن زیاد کے ساتھ اس کا خوشگوار تعلق قتل کی راہ میں حائل ہو گیا۔ ❸ اس طرح وہ قتل کیے جانے سے بچ گئے۔

---

❶ طبقات ابن سعد (۵/ ۲۱۱) بدون اسناد۔ اطبری (۵/ ٤٥٤) بروایت ابی مخنف، تھذیب التھذیب (۷/ ۲۷۰)

❷ انساب الاشراف/ بلاذری (۳/ ۲۲٦) باسناد صحیح۔ الطبری (۵/ ۹۳۹۳) قابل غور بات ہے کہ اگر ابن زیاد کو حسین رضی اللہ عنہ سے دشمنی تھی اور وہ ان کے قتل کے درپے تھا تو آخر پھر کرم نوازیاں کیوں؟ دراصل عداوت و دشمنی اور قتال کی پوری داستان سبائیوں کی وضع کردہ ہے ابومخنف جیسے کذاب راویوں نے حقیقت کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے اور اہل سنت نے بھی اس افسانہ کو حقیقت پر محمول کر لیا۔ نہ تو حسین و یزید کے درمیان کوئی دشمنی تھی اور نہ ہی ابن زیاد و عمر بن سعد اور حسین رضی اللہ عنہ کے مابین کوئی دشمنی تھی اور نہ ہی کربلا میں کوئی باقاعدہ جنگ ہوئی تھی بلکہ یہ ایک حادثہ تھا جو سبائیوں کی سازش کے نتیجہ میں رونما ہوا تھا۔ (ش)

❸ الطبری (۵/ ٤٥۷، ٤٥۸) المحن/ ابو العرب (۱۷۵) مقالات الاسلامیین، ابو الحسن الاشعری ص (۷۵)

اس کذب بیانی کی تحقیق کا ایک دوسرا رخ یہ ہے کہ تاریخی حقائق کی روشنی میں علی بن حسین کی وفات ۹۴ھ میں ہوئی، جسے نامور فقہاء اسلام کی وفات کا سال کہا جاتا ہے۔ پس اس قدر بعید سن ہجری میں آپ کی وفات اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اپنے والد کی شہادت کے وقت بیس سال سے زیادہ عمر کے تھے، ورنہ آپ کا یہ مقام نہ ہوتا کہ مدینہ کے چند مشہور و معتبر ترین فقہاء میں آپ کا شمار ہوتا، اور پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ اس وقت بالغ نہ رہے ہوں جب کہ آپ کے بیٹے ابوجعفر محمد بن علی بن حسین کی آپ کی یہاں ولادت ہو چکی تھی، اور ابوجعفر کی جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت ہے جن کی وفات ۷۸ھ میں ہوئی، نیز ابوجعفر نے جابر سے روایت بھی کیا ہے۔ ❶ واضح رہے کہ ابن حجر نے بالجزم و بالیقین یہ بات کہی لکھی ہے: کہ جس وقت حسین رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے اس وقت علی بن حسین کی عمر تئیس (۲۳) سال تھی۔ ❷

اسی طرح ایک واضح جھوٹ کی مثال وہ روایت بھی ہے جس میں منقول ہے: کہ شہادت حسین سے زمین و آسمان اور بہت ساری فطری و قدرتی چیزیں متاثر ہوگئیں، ایسی روایتوں کو اس لیے رواج دیا گیا ہے کہ جب کوئی حقیقت نا آشنا اور عقیدت کا اندھا اس طرح کے واقعات کو پڑھے تو وہ یہ گمان کر لے کہ حسین رضی اللہ عنہ، انبیاء و مرسلین اور ابوبکر و عمر نیز عثمان و علی رضی اللہ عنہم جیسے اصحاب رسول سے بھی بالا و برتر تھے، پس معاذ اللہ، ہم اپنی اس تحریر کے ذریعہ حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی نہیں کرنا چاہتے۔ کیوں کہ آپ نواسۂ رسول ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے تھے، اور اللہ کی قسم! ہم بھی ان سے سچے دل سے محبت کرتے ہیں، اور آپ کی شہادت سے ہمیں عایت درجہ حزن و ملال ہے، لیکن ہم بحیثیت اہل سنت و جماعت جس سے محبت کرتے ہیں اس کی محبت میں غلو نہیں کرتے، اور جسے ناپسند کرتے ہیں اس میں انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے، ہمارا پیمانہ تو ہمیشہ سے ایک ہی ہے جس کا نام کتاب و سنت ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ علماء امت ان اکاذیب و اباطیل اور اسباب قتل کے تئیں ہمیشہ خبردار رہے ❸ چناں چہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''شہادت حسین کے تعلق سے جس جھوٹ کو سب سے زیادہ ہوا ملی وہ یہ کہ آسمان سے خون کی بارش ہونے لگی، اس دن سورج کی سرخی نظر ہی نہ آئی، حالاں کہ یہ جھوٹ کا پلندہ ہے سورج کی سرخی کے ظہور کا ایک فطری و قدرتی سبب ہوتا ہے، کسی کی موت و حیات سے اس کا تعلق نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ غلط پروپیگنڈہ کہ اس دن اگر پتھر بھی اٹھایا جاتا تو اس کے نیچے گاڑھا خون ملتا۔ یہ سب واضح جھوٹ ہے۔

---

❶ طبقات ابن سعد (۵/ ۲۲۱) بسند واقدی، ابن عساکر (۱۲/ ق ۳۲) سیر اعلام النبلاء (٤/ ۳۸٦)

❷ تهذیب التهذیب/ ابن حجر (۷/ ۲۷) جب کہ المعرفة والتاریخ کے مولف یعقوب نے بالتحدید ۳۳ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔

❸ یہ کافی تعجب خیز بات ہے کہ محبّ الدین الطبری نے اپنی کتاب ذخائر العقبی میں قتل حسین کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی بعض خرافات اور انتہائی رکاکت وغباوت پر مبنی متعدد موضوع و مکذوب روایتوں کو نقل کیا ہے، اس کی مثال اسی کتاب کے ص (۹۵،۹٦) پر دیکھئے۔

رہا زہری کا یہ قول کہ قاتلین حسین میں سے ہر شخص نے دنیا میں عذاب کا مزہ چکھا، تو ایسا بہت ممکن ہے، کیوں کہ جس گناہ کی سزا سب سے جلدی اور تیزی سے سامنے آتی ہے وہ بغاوت کی سزا ہے، اور حسین رضی اللہ عنہ سے بغاوت کرنا سب سے بڑی بغاوت ہے۔ ❶

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اہل تشیع نے یوم عاشوراء کے بارے میں انتہائی مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے اور اس سلسلے میں بہت ساری جھوٹ اور فحش حدیثیں گھڑی ہیں، مثلاً یہ کہ سورج کو ایسا گرہن لگ گیا جس میں تارے نظر آنے لگے، اور جو پتھر اٹھایا جاتا اس کے نیچے گاڑھا خون ملتا، آسمان کا ہر کنارہ سرخ ہو گیا تھا، سورج سے نکلنے والی شعاع جیسے خون معلوم ہوتی تھی، پورا آسمان بستہ خون ہو چکا تھا، ستارے ایک دوسرے سے ٹکرا گئے تھے، بادل سے خون کی سرخ بارش ہوئی، بیت المقدس کا جو پتھر اٹھایا جاتا اس کے نیچے منجمد خون نکلتا، اس کے علاوہ بہت کچھ جھوٹی اور من گھڑت روایات وضع کی گئیں جن کا صحت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ ❷

اخیر میں ہم اس واقعہ کے تعلق سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی معجزہ کی طرف اشارہ کر دینا بہتر سمجھتے ہیں، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حسین شط الفرات (ساحل فرات) پر قتل کر دیا جائے گا۔ ❸

---

❶ منهاج السنة (٤/ ٥٦٠)

❷ البداية والنهاية (٨/ ٢٠٣) اس حادثہ فاجعہ کے تعلق سے اہل تشیع کی دروغ گوئی انتہائی عجیب وغریب ہے، چناں چہ محمد بن جریر بن رستم الطبری لکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے حسین رضی اللہ عنہ کے پاس انھیں چار ہزار فرشتوں کو بھیجا جو غزوہ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدد کے لیے آئے تھے۔ پھر انھوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو اختیار دیا کہ اگر آپ کو مدد مطلوب ہو تو مدد کی جائے اور اگر اپنے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات مطلوب ہو تو آپ کی مرضی۔ چناں چہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کو ترجیح دیا۔ پھر اللہ نے ان فرشتوں کو حکم دیا کہ قبر حسین کے پاس کھڑے رہیں چناں چہ وہ اب تک پراگندہ حالت میں وہاں کھڑے ہیں اور ظہور مہدی کے منتظر ہیں۔ دیکھئے دلائل الامامۃ ص (٧٢) نیز اس حادثہ کے بارے میں دیگر جھوٹی روایتوں کی مثالیں دیکھنے کے لیے رجوع کریں۔ الموضوعات/ ابن الجوزی (٤٠٧١) نیز المقاصد الحسنة/ السخاوی ص (٣٠٢)

❸ مصنف ابن ابی شيبة (١٠/ ٩٧) مسندالبزار (١/ ١٠١) مسندابو يعلى (١/ ٢٠٦) المعجم الكبير/ طبرانی (٣/ ١٠٧) الفتح الربانی/ الساعاتی (٢٣/ ١٧٥-١٧٦) اس کے مولف نے کہا کہ اس روایت کو ابن کثیر نے البدایۃ میں نقل کیا ہے۔ اور احمد رحمہ اللہ اسے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ نیز ہیثمی نے (١٨٧/٩) میں اسے نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ رواہ احمد، ابویعلی، البزار، الطبرانی ورجالہ ثقات۔ واضح رہے کہ اس روایت کے راوی نجی اسے روایت کرنے میں منفرد نہیں ہیں۔ عبداللہ بن نجی بن سلم الحضرمی ثقه راوی هيں دلائل النبوة/ ابونعيم (٢/ ٥٥٣) الاحسان بترتيب صحيح ابن حبان، ابن بليان(٨/ ٢٦٢) اثر نمبر (٦٧٠٧) تاريخ دمشق ترجمة الحسين، ابن عساكر ص (١٦٥) كنز العمال الهندی (٤/ ١٠٥)

شیخ البانی فرماتے ہیں اس کی سند ضعیف ہے لیکن اس کے شواہد ہیں جس سے تقویت مل جاتی ہے۔ (الصحيحة ٣/ ١٥٩)
اور بوصیری نے اتحاف الخيرة المهرة (٧/ ٢٣٨) میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔) (ش)

۸......شہادت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کی آل واولاد کے بارے میں یزید بن معاویہ کا موقف

ا۔شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں یزید کا موقف:

عبید اللہ بن زیاد نے شہادت حسین اور جو کچھ پیش آیا اس تعلق سے یزید بن معاویہ کے نام خط لکھا، اور حسین رضی اللہ عنہ کی بیویوں اور بچوں کے بارے میں ان سے مشورہ طلب کیا، جب یہ خبر یزید بن معاویہ کو پہنچی تو وہ رونے لگے، اور کہا: (عراقیو) میں قتل حسین کے علاوہ بھی تمھاری اطاعت سے راضی تھا، بغاوت ونافرمانی کا انجام یہی کچھ ہوتا ہے، ابن مرجانہ پر اللہ کی لعنت ہو، وہ بڑا بے رحم نکلا، اللہ کی قسم اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو درگزر کر دیتا، پس اللہ رحم فرمائے حسین پر۔ [1] اور پھر خبر لانے والے پر کوئی نوازش نہ کی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا: ''......اللہ کی قسم! اگر میں ان کے ساتھ ہوتا اور ان سے قتل کا دفاع کرنے میں زندگی کا ایک حصہ لگ جاتا تو دفاع کرنے ہی کو ترجیح دیتا۔'' [2]

پھر یزید نے ابن زیاد کو جوابی خط ارسال کیا، جس میں تمام قیدیوں [3] کو اپنے پاس بھیجنے کا حکم دیا، اور دوسری طرف ابوخالد ذکوان نے انھیں دس ہزار درہم دیا تاکہ وہ گزر بسر کے سامان خرید لیں۔ [4]

پس ان صحیح ترین روایات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زیاد نے آل حسین کو کسی تکلیف دہ مرحلے سے نہیں گزارا اور نہ ہی انھیں رسوا کرنے کے لیے گدھے پر گھمایا، نہ ہی ان کے پیروں کو پابند سلاسل کیا جیسا کہ بعض دیگر روایتوں میں وارد ہے۔ نیز ہم یہ بات جان چکے ہیں کہ ابن زیاد نے ان قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرتے ہوئے انھیں مستقل ایک مکان میں ٹھہرایا تھا، اور ان کے لیے وظیفہ، نان ونفقہ اور کپڑے کا انتظام کیا تھا۔ [5] لہٰذا ان تمام تر انعامات کی نوازش کے ساتھ یہ بات کیوں کر سوچی جاسکتی ہے

---

[1] طبری (۵/ ۳۹۳) اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، سوائے معاویہ کے غلام کے کہ وہ مبہم ہے۔ الاباطیل و المناکیر/ الجوزقانی (۱/ ۲٦٤) العقد الفرید (٤/ ۳۸۱) انساب الاشراف (۳/ ۲۹۱) بسند حسن۔

[2] الاباطیل والمناکیر/ الجوزقانی (۱/ ۲٦۵) اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں البتہ شعبی اور مدائنی کے درمیان انقطاع ہے۔ اس روایت سے تو ظاہرہ ہوتا ہے کہ حکومتی عملہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے دفاع کر رہے تھے لیکن دفاع میں ناکام رہے۔ (ش)

[3] انھیں ہرگز قیدی نہیں بنایا گیا تھا بلکہ پورے اعزاز واکرام کے ساتھ ان کی حفاظت کی گئی تھی انھیں قیدی سے تعبیر کرنا صحیح نہیں ہے اسلامی تاریخ پر رافضیت نے جوظلم ڈھایا اس کا یہ اثر ہے۔ (ش)

[4] المحن/ ابوالعرب (۱۵۵) بروایت ابومعشر، التمهيد و البيان فی مقتل الشهيد عثمان/ محمد بن یحییٰ اندلسی ص (۲۳۷)

[5] المحن/ ابوالعرب (۱۵۵) بروایت ابومعشر، التمهيد و البيان فی مقتل الشهيد عثمان/ محمد بن یحییٰ اندلسی ص (۲۳۷)

کہ انھوں نے کسی گھناؤنے اور رسوا کن حالت میں انھیں گھمایا ہوگا۔

مزید برآں یزید کا جوابی خط بہرحال ابن زیاد کی امید وتوقع کے بالکل خلاف تھا، یعنی یزید نے ابن زیاد کی تعریف نہیں کیا، بلکہ اس کے اس برتاؤ پر اسے برا بھلا کہا، اس لیے فطرتاً اس کے سامنے یہ مجبوری تھی کہ وہ حسین رضی اللہ عنہ کے قیدیوں کو مناسب اور بہتر صورت میں بھیجے تاکہ یزید کا غصہ اور ان کی ناراضگی ابن زیاد کی تئیں ہلکی ہو جائے۔

اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ''حسین رضی اللہ عنہ کی بیویوں، اور آپ ذریت کو قید کرنے پھر انھیں بلا پالان اونٹوں پر بیٹھا کر شہروں میں گھمانے کے تعلق سے جو کچھ روایتوں میں مذکور ہے وہ کذب و بطلان پر مشتمل ہے۔ الحمد للہ مسلمانوں نے دنیا کی تاریخ میں کبھی بھی کسی ہاشمیہ کو قید نہیں کیا، اور نہ ہی بنو ہاشم کے کسی فرد کو قید کرنا حلال سمجھا، لیکن جاہل اور نفس پرست لوگ کافی دروغ گوئی سے کام لیتے ہیں۔''[1]

بہرحال بروایت عوانہ محفّز بن ثعلبہ ابنائے حسین رضی اللہ عنہ کو لے کر یزید کے پاس گئے تھے۔[2] جب ابنائے حسین یزید کے پاس پہنچے تو فاطمہ بنت حسین نے کہا: اے یزید! کیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں قیدی، باندیاں ہیں؟ یزید نے کہا: نہیں، بلکہ وہ معزز اور آزاد ہیں، اپنی عم زاد بہنوں کے پاس جاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا کچھ کر رہی ہیں۔ فاطمہ کا بیان ہے: میں ان کے پاس گئی تو دیکھا کہ کوئی سفیانیہ خاتون ایسی نہیں ہے جو متدین نہ ہو، اور گریہ کناں نہ ہو۔[3]

پھر یزید نے علی بن حسین سے کہا: اے پیارے! تمھارے باپ نے میرے ساتھ قطع رحمی کیا، اور مجھ پر ظلم کیا، پھر اللہ نے ان کے ساتھ جو کچھ کیا تم نے بھی دیکھ لیا، علی بن حسین نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿ مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴾ (الحديد: ۲۲)

''نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ (خاص) تمھاری جانوں میں، مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے، یہ (کام) اللہ تعالیٰ پر (بالکل) آسان ہے۔''

پھر یزید نے اپنے بیٹے خالد کو جواب دینے کے لیے بلایا، لیکن خالد کو نہیں معلوم تھا کہ وہ کیا جواب دے، تو یزید نے اس سے کہا تم کہو:

---

[1] منهاج السنة (٤/ ٥٥٩)

[2] الطبری (٥/ ٤٦٣)

[3] الطبری (٥/ ٤٦٤) بسند عوانة نیزبسند ابی مخنف (٥/ ٤٦١) العقد الفرید/ ابن عبد ربه (٤/ ٣٨٣)

﴿ وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ ﴾ (الشوری : ۳۰) [1]

''تمھیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمھارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے اور وہ تو بہت سی باتوں سے درگزر فرما دیتا ہے۔''

اس مقام پر بعض شیعی رجحان کی حامل روایتیں اولاد حسین کے بارے میں یہ تصور دینے کی کوشش میں ہیں کہ یزید نے انھیں نیلام گاہ میں پیش کیا تھا، حتی کہ اہل شام کے ایک باشندہ نے یزید سے حسین رضی اللہ عنہ کی ایک بیٹی کا مطالبہ کیا۔ [2]

حاشا وکلاّ! یہ سب واضح جھوٹ ہے، کسی بھی صحیح سند سے اس کی تائید نہیں ہوتی، نہ ہی مسلمانوں کی پوری تاریخ میں کوئی ایک واقعہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔ بھلا صحیح و معتبر ترین سندوں سے ثابت شدہ ان روایتوں کے خلاف ہوتے ہوئے یہ بات کیوں کر درست ہوسکتی ہے جن میں یزید کی طرف سے آل حسین کے ساتھ اکرام اور حسن سلوک کا تذکرہ ملتا ہے، یزید نے ہرگز ہرگز ایسا نہیں کیا کہ عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کیا ہو، اور انھیں جمہور عوام کے سامنے پیش کیا ہو کہ وہ جسے چاہیں لے لیں۔ [3] غور طلب ہے کہ قرن اول کے پاکیزہ دور میں جب کہ صحابہ و تابعین کی تعداد موجود تھی، ایسا واقعہ عام مسلم خواتین نہیں بلکہ قرابت رسول کی وجہ سے انتہائی معزز و محترم خواتین کے ساتھ پیش آئے؟ کیا یہ ممکن ہے؟ بھلا یہ کیوں کر ہوسکتا تھا جب کہ ان کے اکرام و اعزاز کا یہ عالم تھا کہ یزید صبح اور شام کے کھانے میں علی بن حسین کو اپنے ساتھ رکھتے۔ [4] اور تمام تر ہاشمیہ

---

[1] طبری بسند عوانہ (۵/ ٤٦٤) انساب الاشراف، باسناد حسن (۳/ ۲۲۰) المحن (۱۵۵-۱۵٦) باسناد ضعیف عن ابی معشر عن یزید بن ابی زیاد الاشجعی۔ نیز اسی سے ملتی جلتی روایت، بسند ضعیف بروایت محمدبن حسن بن زبالہ ۔ المعجم الکبیر/ طبرانی (۳/ ۱۱٦)

[2] طبقات ابن سعد (۵/ ۲۱۱) بدون سند، انساب الاشراف (۳/ ۲۱٦) باسناد فیہ مجاھیل، طبری (۵/ ٤٦۱)

[3] البداء والتاریخ (٦/ ۱۲) میں مطہر بن طاہر المقدسی نے ذکر کیا ہے، کہ یزید نے ذریت حسین کے قیدیوں کو مجلس عام میں کھڑا کرنے کا حکم دیا، تاکہ عوام ان خواتین سے آنکھیں چار کرلیں، اسی طرح ابن العبری نے بھی تاریخ مختصر الدول (۱۱۰-۱۱۱) میں اس عبارت کو نقل کیا ہے، لیکن دونوں ہی مولفین نے شہادت حسین سے متعلق اس روایت اور دیگر روایتوں پر اپنے شک کا اظہار کیا ہے، چناں چہ مقدسی نے (۱۳/٦) پر لکھا ہے کہ جان لو کہ اس قصہ میں روافض کی بے شمار زیادتیاں اور مبنی بر کذب وحشت ناک تحریریں ہیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ قرطبی جیسے جلیل القدر اور فاضل دوراں عالم نے کیسے مطلقاً اس روایت کو اور دیگر جھوٹی روایتوں کو تسلیم کرلیا۔ دیکھیے التذکرہ (۲/ ۱۹٤) نیز خضری کی تردید میں محمد العربی التبانی نے ان روایتوں کی طرف سے دفاع کیا اور انھیں اپنی دلیل بنائی ہے۔ دیکھیے: تحذیر العبقری (۲/ ۲۱٦-۲۱۷)

[4] طبقات ابن سعد (۵/ ۳۹۷) باسناد جمعی۔

عورتوں سے دریافت کیا کہ ان کا کون کون سا سامان ضائع ہوا یا چھینا گیا ہے؟ اس وقت جس خاتون نے جو بھی بتایا اس کا دوگنا عطیہ دینے کا حکم دیا۔ ❶

بایں ہمہ ہم بالتحدید نہیں بتا سکتے کہ حسین رضی اللہ عنہ کی یہ ذریت یزید کے پاس دمشق میں کتنے دنوں تک ٹھہری رہی، البتہ ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ یزید نے مدینہ سے بنو ہاشم اور بنو علی کے سن رسیدہ موالی کو بھی اپنے پاس بلوا لیا تھا۔ ❷ اور چوں کہ فطری طور پر مدینہ اور دمشق کے درمیان ایک طویل مسافت ہے جسے طے کرنے کے لیے ایک طویل وقت درکار ہے اس لیے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یزید کے پاس تقریباً ایک ماہ ضرور قیام کیا ہوگا۔

بہت ممکن ہے کہ ان سن رسیدہ ہاشمی وعلوی موالی کو اپنے پاس بلا کر یزید نے حسین رضی اللہ عنہ اور ان کی ذریت سے اپنی عقیدت اور ان کے مقام و مرتبہ کا اظہار کرنا چاہا ہو، اور خواہش رہی ہو کہ یہ لوگ جب مدینہ پہنچیں تو شاندار جلوس کی شکل میں پہنچیں، چناں چہ جب یہ موالی دمشق پہنچے تو یزید نے آل حسین یعنی آپ کے بیٹوں، بیٹیوں اور عورتوں کو سفر کی تیاری کا حکم دیا اور ان کی تمام تر مطالبات کو پورا کیا حتی کہ مدینہ پہنچ کر وہاں پیش آنے والی ضروریات تک کو مہیا کرایا۔ ❸ پھر نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ہو اس قافلہ کے ساتھ مدینہ تک جائیں۔ ❹ نیز اس قافلہ کے کوچ کرنے سے پہلے یزید نے علی بن حسین سے کہا: اگر آپ ہمارے پاس ہی قیام کریں تو ہم صلہ رحمی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے، اور تمھاری توقیر واحترام کا پورا حق دیں گے، چاہیں تو ٹھہر جائیں۔ ❺ لیکن علی بن حسین نے مدینہ واپسی ہی کو ترجیح دیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں یزید نے ابنائے حسین کی تکریم کیا، اور انھیں اپنے پاس ہی قیام کرنے یا مدینہ واپس جانے کا پورا اختیار دیا۔ چناں چہ انھوں نے مدینہ واپسی ہی کو پسند کیا۔ ❻ بہر حال اب قافلہ روانگی کے لیے تیار تھا، اس وقت یزید نے علی بن حسین سے پھر اپنی معذرت دہرائی اور کہا: ابن مرجانہ پر اللہ کی لعنت ہو، اللہ کی قسم! اگر میں ان (حسین) کے ساتھ ہوتا، اور اس وقت وہ جو بھی خواہش کرتے میں اسے ضرور پورا کرتا، اور ان کے قتل کے دفاع میں پوری قوت صرف کرتا اگر چہ مجھے اپنی بعض اولادوں کو بھی اس راہ میں گنوانا پڑتا، لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اللہ کا یہی فیصلہ تھا جو ہوا، تمھیں جو بھی ضرورت پیش آئے گی مجھے ضرور لکھنا۔ ❼ اور

---

❶ طبقات ابن سعد (٥/ ٣٩٧) باسناد جمعی۔
❷ طبقات ابن سعد (٥/ ٣٩٧)
❸ طبقات ابن سعد (٥/ ٣٩٧)
❹ طبری (٥/ ٤٦٢) بروایت ابی مخنف۔
❺ طبقات ابن سعد (٥/ ٣٩٧) باسناد جمعی۔ سیر اعلام النبلاء (٤/ ٣٨٦، ٣٨٧)
❻ منهاج السنة (٤/ ٥٥٩)
❼ طبری (٥/ ٤٦٢) بروایت ابی مخنف۔

پھر ذریت حسین کی معیت میں یزید نے بنوسفیان کے موالی کا ایک وفد بھی بھیج دیا۔ [1] جن کی تعداد تقریباً تیس شہسواروں پر مشتمل تھی۔ [2] پھر ان جملہ مصاحبین کوحکم دیا کہ یہ لوگ اپنی مرضی سے جہاں اور جس وقت چاہیں گے قیام کریں گے، ان کا ساتھ دینا، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اہل شام کی دو افاضل شخصیتوں یعنی محرز بن حریث الکلبی اور بہرا کے ایک فرد کو بھی ان کے ساتھ بھیج دیا۔ [3] اس طرح آل حسین کا یہ قافلہ پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ دمشق سے مدینہ کے لیے روانہ ہوگیا۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ یزید کے بارے میں لکھتے ہیں: انھوں نے خانوادۂ حسین کو اعزام و اکرام عطا کیا، ان کے جو کچھ بھی اسباب حیات دوران جنگ ضائع ہو گئے تھے ان کا دوگنا عطا کیا، اور پوری شان و شوکت اور اجلال واکرام کے ساتھ سواریوں پر بیٹھا کر انھیں مدینہ بھیجا، اور خود یزید کے اہل خانہ نے اپنے گھر میں حسین کے حادثہ پر غم کے آنسو بہائے۔ [4]

۲۔ شہادت حسین کا ذمہ دار کون تھا؟

جیسا کہ فقہ شریعت کا یہ اصولی قاعدہ ہے کہ "الحکم علی الشیٔ فرع عن تصورہ" یعنی کسی چیز پر حکم لگانا اس کے ذہنی تصور کا ایک حصہ ہے۔ لہٰذا شہادت حسین کا سبب کون بنا، اس معاملے میں صحیح حکم تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تمام ہی فریقوں اور حلقوں پر نگاہ ڈالی جائے، چناں چہ آپ کی شہادت کی ذمہ داری کسی ایک فریق پر نہیں ڈالی جاسکتی، کیوں کہ اس جانکاہ حادثہ کو انجام دینے میں متعدد فریق شریک کار رہے۔ لہٰذا اگر ہر فریق پر علیحدہ علیحدہ گفتگو کی جائے، اور اس حادثہ کی ذمہ داری ان کے سر ڈالی جائے تو اللہ کی مدد و توفیق سے بہت حد تک حقیقت واقعہ تک ہماری رسائی ہو جائے گی۔ پس واضح رہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت میں بنیادی طور پر تین فریق شریک رہے:

(ا) اہل کوفہ (۲) قائدین یزید (۳) یزید بن معاویہ

اب ہم ان تینوں پر مفصل روشنی ڈالنا چاہتے ہیں:

اً۔ اہل کوفہ: [5]

اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل کوفہ ہی نے حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے مکہ میں خط و کتابت کی تھی، اور آپ کو

---

[1] طبقات ابن سعد (۵/ ۳۸۷) باسناد جمعی [2] الجمان فی مختصر اخبار الزمان/ احمد تلمسانی ق ۱۴۲ ب۔

[3] طبقات ابن سعد (۵/ ۳۹۷) نسبہ جمعی۔ طبری (۵/ ۴۶۲) بروایت ابی مخنف۔ الحجۃ فی بیان المحجۃ، التیمی الاصبهانی (۲/ ۵۲۵، ۵۲۶)

[4] ابن کثیر (۸/ ۱۲۳۵) العلل / احمد (۲/ ۲۸۵)

[5] واضح رہے کہ اہل کوفہ سے میری مراد کوفہ کا ہر باشندہ نہیں ہے کیوں کہ لاریب اس وقت وہاں بہت سارے صالحین اور شرفاء موجود تھے۔ بلکہ اس سے وہ فتنہ پرور مراد ہیں جن کا فساد بھڑکانے میں اہم کردار تھا۔

وہاں سے نکلنے کے لیے اس قدر امیدیں دلائیں کہ آپ نکلنے پر مجبور ہو گئے، باوجودیکہ متعدد اصحاب رسول آپ کو مکہ نہ چھوڑنے کی تلقین ونصیحت کررہے تھے، لیکن جب ابن زیاد کوفہ کا امیر مقرر کردیا گیا تو یہی لوگ آپ کی نصرت وتائید سے پیچھے ہٹ گئے، بلکہ آپ کا ساتھ چھوڑ کر مقابل کی فوج میں جا گھسے یہاں تک کہ آپ کو قتل کردیا، اسی وجہ سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق اہل کوفہ کے موقف کو ان الفاظ میں بیان کا ہے: "فَخذلَ غالبُ الناس عنه، فتاخروا رغبة و رهبة" ❶ لوگوں کی اکثریت نے آپ کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا، اور طمع وخوف کے نتیجہ میں پیچھے ہٹ گئے، پھر جب حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کی جماعت کوفی فوج کے سامنے آئی تو حسین رضی اللہ عنہ نے زعماء کوفہ کا نام لے لے کر پکارا: اے شبث بن ربعی، اے حجر بن ابجر، اے قیس بن اشعث، اے یزید بن حارث، کیا تم لوگوں نے میرے نام یہ خط نہیں بھیجا تھا کہ پھل پک چکے ہیں، زخم تازہ ہوگئے ہیں، اور پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے، آپ ایسی فوج کے پاس آئیں گے جو سر بکفن لڑنے کو تیار ہے، بس آپ جلد تشریف لایئے، انھوں نے کہا: ہم نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: سبحان اللہ! یقیناً میں اللہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ تم نے ایسا کیا ہے، پھر کہنے لگے: اے لوگو! اگر تم مجھے ناپسند کرتے ہو تو مجھے اجازت دو کہ اپنی پناہ گاہ کو واپس چلا جاؤں۔ ❷

واضح رہے کہ یہاں یہ امکان ضرور موجود ہے کہ جن لوگوں کی طرف سے حسین رضی اللہ عنہ کے نام خطوط روانہ کیے گئے تھے، ان کی طرف غلط منسوب کردیئے گئے ہوں، لیکن اس بھاری تعداد کے بارے میں ہمارے پاس کیا جواب ہے جس نے مسلم بن عقیل کے ہاتھوں پر بیعت کیا تھا، اور جسے دیکھ کر ہی انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کے نام خط تحریر کیا تھا، جس میں آپ رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے نکل کر کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔

بنابریں حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے اس برتاؤ کو ہم وہی نام دے سکتے ہیں جو مختار بن ابی عبید الثقفی نے شہادت حسین کے بعد ابن زبیر سے اہل کوفہ کے بارے میں کہا تھا: کہ بظاہر وہ اپنے حکمراں کے تابع اور وفادار ہیں لیکن بباطن وہ دشمن ہیں۔ اس وقت ابن زبیر نے مختار سے جواباً عرض کیا: یہ تو بدترین غلاموں کی علامت ہے، کہ جب وہ اپنے مالکوں کو دیکھتے ہیں تو خدمت میں لگ جاتے ہیں اور اطاعت شعاری کا اظہار کرتے ہیں لیکن جب وہ مالکان چلے جاتے ہیں تو انھیں سب وشتم کرتے اور معلون ٹھہراتے ہیں۔ ❸

مختصر ایں کہ بہر آئینہ اہل کوفہ کو پڑھنے کے بعد یہ بات کوئی عجیب وغریب نہیں رہ جاتی کہ انھیں غداری

---

❶ فتح الباری (۷/ ۱۲۰)

❷ انساب الاشراف (۳/ ۲۲۷) طبری (۵/ ۲۵) بروایت ابومخنف نیز (۵/ ۴۱۱) بروایت عوانه

❸ الاعلام/ یوسف البیاسی (۲/ ۳۰۰)

اور خیانت کی صفت سے متصف کیا جائے، خاص طور سے اس پس منظر میں کہ وہاں کے باشندوں میں ایک بڑی تعداد اعراب، زنادقہ، ناصبہ، شیعہ اور غالی روافض کی تھی۔ چناں چہ یہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں جو اہل کوفہ کے ایک وفد سے اس طرح ہم کلام ہوتی ہیں: تمھیں وہ لوگ ہو جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں؟ شرکاء وفد نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی گالی دے سکتا ہے۔ آپ کہنے لگیں: نہیں، بلکہ میں درست کہہ رہی ہوں، کیا تم علی رضی اللہ عنہ پر لعنت نہیں بھیجتے، اور اس پر بھی جس سے آپ محبت کرتے تھے؟ حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان (علی) سے محبت کرتے تھے۔ [1] یہ ان میں سے نواصب کا ایک گروہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے۔

اسی طرح کوفہ میں زندیقوں اور ابن زیاد کے لشکر میں حقوق حسین سے نادانوں کے وجود کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ اس کے لشکر کا ایک آدمی کھڑا ہوا اور حسینی لشکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا: بتاؤ کیا حسین تمھیں میں سے ہیں؟ اہل لشکر نے جواب دیا: ہاں۔ وہ کہنے لگا: تحفۂ آتش کے لیے تمھیں بشارت ہے۔ حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: بلکہ تجھے میری طرف سے اس رب کی بشارت ہے جو رحیم، شفیع اور مطاع ہے۔ لوگ کہنے لگے: تو ہے کون؟ اس نے کہا: میں حویزہ کا بیٹا ہوں۔ حسین رضی اللہ عنہ کہنے لگے: "اللھم احزہ الی النار" اے اللہ اسے جہنم کی طرف دھکیل دے۔ پھر اس کی سواری اسے لے کر بدک گئی، جس کی وجہ سے اس کا ایک پاؤں پالان میں پھنس گیا۔ پھر اللہ کی قسم اس کے پیر کے علاوہ سواری کے جسم پر اس کا کوئی عضو نہیں بچ سکا۔ [2]

بلکہ ابن زیاد کے لشکر کے کچھ افراد نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے سے پہلے آپ پر تیروں کی بارش شروع کردی۔ [3] اور جب حسین رضی اللہ عنہ کو یہ محسوس ہوا کہ یہ لوگ میرے قتل ہی کے درپے ہیں تو آپ نے اپنے

---

[1] المعجم الاوسط / طبرانی (۱/ ۲۲۸) ھیثمی (۹/ ۱۳۰) پر لکھا ہے کہ طبرانی نے اسے تینوں معاجم میں نقل کیا ہے۔ اور ابوعبداللہ کے علاوہ اس کے سارے رجال صحیح کے ہیں۔ ابوعبداللہ ثقہ ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ طبرانی نے ثقات رجال کی سند سے ام سلمہ تک نقل کیا ہے۔ نیز ابویعلی نے بھی۔

[2] مصنف ابن ابی شیبۃ (۱۵/ ۹۸، ۹۹) ثقہ رجال کی سند سے، البتہ عطاء بن سائب صدوق ہیں۔ آخری عمر میں ان کا حافظہ بدل گیا تھا اور اختلاط کے شکار ہو گئے تھے۔ المعجم الکبیر/ طبرانی (۳/ ۱۱۷) ہیثمی نے مجمع الزوائد (۹/ ۱۹۳) میں لکھا ہے: کہ رواہ الطبرانی و فیہ عطاء بن السائب و ھو ثقۃ لکنہ اختلط۔ کرامات الاولیاء/ اللالکائی ص (۱۳۸) تاریخ دمشق، ابن عساکر ص (۲۱۹) کنز العمال ھندی (۷/ ۱۱۱) بسند ابن ابی شیبۃ۔ جب عطاء بن سائب اختلاط کا شکار تھا تو پھر اس کی روایت کا اعتبار کیوں کر ہوگا اور اس کی روایت کی بنیاد پر کوئی مفروضہ قائم کرنا کہاں تک صحیح ہوگا؟

بلا شبہ کوفیوں کی شرارت سے یہ حادثہ جانکاہ پیش آیا، طرفین میں یہ گھسے ہوئے تھے اسی لیے بچ بچاؤ کی ساری کوششیں ناکام رہیں اور حفاظتی لشکر کو مورد الزام ٹھہرا دیا گیا۔ (ش)

[3] تاریخ ابوزرعۃ (۱/ ۶۲۶) بسند صحیح، تاریخ دمشق/ ابن عساکر، ترجمۃ الحسین ص (۲۱۱) بسند ابوزرعۃ، بغیۃ الطالب/ ابن العدیم (۶/ ق ۹۶۶، ۹۷۶)۔

ساتھیوں سے ایک معمولی سا بے وقعت کپڑا لانے کا حکم دیا تا کہ اپنی پوشاک کے اندر نیچے سے پہن لیں مبادا کوئی ظالم آپ کو بے لباس نہ کر دے، چناں چہ جب وہ لوگ آپ کے پاس کپڑا لے کر آئے تو آپ نے اسے پھاڑ کر ٹکڑوں میں کر لیا، اور لباس کے نیچے پہن لیا، اور جب آپ شہید کر دیئے گئے تو وہی ہوا جس کا آپ کو خدشہ تھا، کہ ظالموں نے جرات کا مظاہرہ کیا اور آپ کو بے لباس کر دیا۔ ❶

مذکورہ واقعات کے علاوہ میرے اس قول کی تصدیق کہ حسین رضی اللہ عنہ سے لڑنے والی فوج کے بعض افراد میں زندیقیت اور جہالت کا زبردست غلبہ تھا اور یہ کہ خود اہل کوفہ کی شرست میں یہ بات داخل ہو چکی تھی، ابو رجاء العطاردی کا یہ واقعہ کہ کوفہ سے ان کا ایک پڑوسی وراد ہوا اور کہنے لگا: کیا تم اس فاسق بن فاسق کو نہیں دیکھتے؟ کس طرح اللہ نے اسے (حسین بن علی رضی اللہ عنہما) قتل کیا، راوی کا بیان ہے: کہ پھر اللہ نے اس کی دونوں آنکھوں پر ستاروں سے مارا اور اس کی آنکھ ماری گئی۔ ❷

بہرحال اگر ہم شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری کے تعلق سے اقوال صحابہ کا بغور مطالعہ کریں تو اس سیاہ کارنامے کا سارا کردار اہل عراق کے سر جاتا ہے، چناں چہ یہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں کہ جب آپ کے پاس شہادت حسین کی خبر پہنچی تو آپ نے اہل عراق پر لعنت بھیجتے ہوئے کہا: "قتلوہ قتلھم اللہ عزوجل، غَرّوہ و دلوہ لعنھم اللہ" ❸ انھوں نے اسے مار ڈالا، اللہ انھیں غارت کرنے انھوں نے اسے دھوکہ دیا اور تاریکی میں رکھا، اللہ ان پر لعنت کرے۔

اسی طرح جب عراقیوں کے ایک وفد نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے حالت احرام میں مچھر مارنے کے بارے میں فتویٰ پوچھا تو آپ نے انھیں یوں جواب دیا:

((عجباً لکم یا اھل العراق! تقتلون ابن بنت الرسول، و تسالون عن دم

---

❶ طبرانی (۳/ ۱۱۷) ھیثمی نے (۹/ ۱۹۳) پر لکھا ہے اس کے رجال "قائلۃ" تک ثقہ ہیں، میں کہتا ہوں کہ قائلہ سے مراد عبدالرحمٰن بن ابویعلی انصاری کوفی ہیں۔ جو ثقہ تھے اور ۸۳ھ میں وفات ہوئی۔ دیکھئے (التقریب/۲۴۹) اور جس نے یہ اثر عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے وہ جبیر بن عبدالحمید بن قرطہ ہیں جو کہ ثقہ ہیں، البتہ ۱۱۰ھ کے بعد ان کی وفات ہوئی۔ دیکھئے: تقریب (۱۳۹) بنا بریں انقطاع پائے جانے کی وجہ سے یہ سند ضعیف ہے۔ دیکھئے: طبقات ابن سعد باسناد جمعی اور ابن عساکر نے (۲۲۱) پر طبرانی ہی کی سند سے نقل کیا ہے۔

❷ طبقات ابن سعد(۹/ ۴۰۹) باسناد صحیح۔ طبرانی (۳/ ۱۱۲) ھیثمی نے (۹/ ۱۹۶) پر لکھا ہے کہ رجالہ رجال الصحیح۔ الشجری (۱/ ۱۶۴) باسناد صحیح۔

❸ الفتح الربانی (۲۳/ ۱۷۶) فضائل الصحابۃ، احمد (۲/ ۷۸۲) باسناد حسن، طبرانی (۳/ ۱۰۸) ہیثمی نے (۹/۱۹۴) پر لکھا ہے کہ رواہ الطبرانی و رجالہ موثقون۔

البعوض)) ❶

''اے عراقیو! تم پر ہمیں حیرت وتعجب ہے، تم بنت رسول ﷺ کے بیٹے کو قتل کرتے ہو اور مچھر کے خون کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہو۔''

نیز سلمان بن صرد رضی اللہ عنہ کا وہ خطبہ جس میں آپ نے اعتراف کیا ہے کہ شہادت حسین کا بنیادی سبب اہل کوفہ ہیں۔ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ شہادت حسین کی ذمہ داری اہل کوفہ ہی کے سر جاتی ہے۔ ❷

واضح رہے کہ دور حاضر کے ایک معروف مصنف عبدالمنعم ماجد نے ''تاریخ الدولة العربية'' میں شہادت حسین کے متعلق کوفیوں کے کمزور اور خود غرضانہ موقف کی مثبت تاویل کرنے کی کوشش کی ہے، وہ لکھتے ہیں: حسین رضی اللہ عنہ کی نصرت وتائید سے پیچھے ہٹ جانے کی وجہ سے ہم اہل کوفہ کی مذمت نہیں کر سکتے، کیوں کہ ایک طاقتور اموی حکومت کے سامنے وہ لوگ بے دست و پا تھے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ ❸

لیکن یہ تاویل قابل قبول نہیں ہے کیوں کہ اہل کوفہ ہی وہ لوگ تھے جنھوں نے نصرتِ حسین رضی اللہ عنہ کے لیے ہر اعتبار سے پختہ وعدہ کیا تھا، اور بہر صورت آپ کا ساتھ دینے کو پہلے سے تیار تھے، لیکن جب آپ رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو یہی لوگ تماشہ بیں ہو گئے اور گھڑیال کے آنسو بہانے لگے، جب کہ فرزدق شاعر نے حسین رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے وقت کہا تھا کہ ''الناس معك و سيوفهم عليك'' ❹ وہ بظاہر آپ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں آپ کے سر پر ہیں۔

اور یہی اہل عراق تھے جنھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کے والد کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچایا، حالاں کہ ان (علی رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر یہ لوگ بیعت کیے ہوئے تھے، آپ کی اطاعت کا قلادہ ان کی گردنوں میں پڑا ہوا تھا اور وجاہت و مرتبہ کے اعتبار سے وہ ان کوفیوں کے نزدیک حسین کے مقابلہ میں زیادہ باوزن تھے، جب کہ حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر امامت کے لیے کوئی بیعت نہیں تھی، ہاں یہ ضرور تھا کہ عراق میں آپ کے کچھ امراء اور کارکنان موجود تھے، پس جب شر و فساد کے محرکوں نے بعض خطوط آپ کے پاس روانہ کیا تو آپ رضی اللہ عنہ ان کے دھوکے میں آ گئے، اپنے اہل وعیال کی معیت میں کوفہ کے لیے چل نکلے، اور وہاں پہنچے تو ان عراقیوں کے

---

❶ صحیح البخاری مع الفتح (۷/ ۱۱۹) مسنداحمد (۷/ ۲۷۱) برقم (۵۵۶۸) محقق نے لکھا ہے: کہ یہ اس کی سند صحیح ہے۔ سنن الترمذی، المناقب، حدیث نمبر (۳۷۷۰) ترمذی نے کہا اسے حدیث صحیح کہا ہے۔ ترتیب صحیح ابن حبان/ ابن بلبان اثر نمبر (٦٩٣٠) مسند ابویعلی (٥/ ٢٨٧) اثر نمبر (٥٧١٣)

❷ طبری (٥/ ٥٥٢، ٥٥٣)

❸ تاریخ الدولة العربية / عبدالمنعم ماجد ص (٧)

❹ العراق فی العصر الاموی، ثابت الراوی (١٩٤) نیز تاریخ الدولة العربية/ ثابت الراوی (١٥٣)

علاوہ کسی نے آپ سے قتال نہیں کیا جو چیخ چیخ کر شیعان علی ہونے کا دم بھرتے تھے۔ ❶

اسی طرح محمد کرد علی بھی شہادت حسین کی ذمہ داری اہل کوفہ پر ڈالتے ہیں وہ لکھتے ہیں: ''اہالیان کوفہ نے جب خلیفۂ راشد علی اور ان کے بیٹے حسن رضی اللہ عنہما کو رسوا کر دیا تو حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلانے اور پھر ان کی مدد کر کے یزید کے ہاتھوں سے اقتدار چھیننے کا حوالہ دے کر انھیں ورغلانے کی مختلف شکلیں اپنانے لگے، سوء اتفاق کہ حسین رضی اللہ عنہ ان کے دھوکے میں آگئے، اور جب کربلا پہنچے تو انھوں نے آپ کے ساتھ بے وفائی کر دیا۔'' ❷

یوجینا غیانہ نے حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ روانگی پر آمادگی، اور پھر وہاں پہنچ کر جان کی قربانی تک دینے پر انتہائی تعجب کا اظہار کرتی ہیں، کہتی ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ موقف کیوں کر اختیار کیا تھا حالاں کہ آپ کے باپ اور بھائی کے ساتھ کوفیوں کا جو سلوک تھا وہ آپ کی آنکھوں کے سامنے تھا؟ یوجینا بالآخر اس نتیجہ پر پہنچتی ہیں کہ دراصل غداری و بدعہدی کی روح کوفیوں پر غالب تھی، حتی کہ حسین رضی اللہ عنہ کی آمد تک وہ اس بری عادت سے نہ بچ سکے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جو لشکر حسین رضی اللہ عنہ سے برسرپیکار ہوا اس کے تمام فوجی اسی کوفہ کے تھے جہاں کی اکثریت کو اس دعوے پر ناز تھا کہ ہم ہی شیعانِ علی ہیں۔ ❸

جب کہ محمد جابر عبدالعال جیسے عرب مصنف کا خیال ہے: کہ حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفیوں کی غداری کے علاوہ امیر کوفہ ابن زیاد کا خوف بھی ان پر مسلط تھا، اس لیے بھی انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو سونپنے اور ان کے عدم تعاون میں کوئی تردد نہیں کیا۔ ❹

بہرحال حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفیوں کے برتاؤ اور بدسلوکی سے لے کر قتل تک کی اس سے بڑی شہادت اور کچھ نہیں ہو سکتی جسے بغدادی نے شیعان کوفہ کی خصلت کے بارے میں نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: کہ کوفہ کے روافض میں بخل اور غداری کی خصلت اس قدر رچی بسی ہے کہ انھیں دونوں خصلتوں کے حوالے سے ان کی مثل دی جانے لگی، اور کہا گیا: ''أبخل من کوفي واغدر من کوفي'' یعنی کوفی سے بھی زیادہ بخیل اور غدار۔

واضح رہے کہ ان کی تین غداریاں شہرت یافتہ ہیں:

۱۔ علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انھوں نے حسن رضی اللہ عنہ پر بیعت کیا اور ساباط مدائن میں ان کے ساتھ غداری

❶ محاضرات فی الدولۃ الامویۃ، الخضری (۲/ ۱۲۹)

❷ الاسلام والحضارۃ العربیۃ/ محمد کرد علی (۲/ ۳۹۷)

❸ تاریخ الدولۃ الاسلامیۃ و تشریعھا/ یوجینا غیانۃ ص (۱۰۹) نیز اسی سے ملتی جلتی عبارت کے لیے الدولۃ الامویۃ فی المشرق/ طیب نجار ص (۹۲)

❹ حرکات الشیعہ المتطرفین/ محمد جابر عبدالعال ص (۱۲)

کیا، جس کے نتیجہ میں سنان الجعفی نے انھیں نیزہ مار کر شہید کر دیا۔

۲۔ حسین رضی اللہ عنہ کے نام خطوط ارسال کیے اور انھیں کوفہ آنے کی دعوت دی کہ یزید کے مقابلے میں وہ آپ کی مدد کریں گے۔ حسین رضی اللہ عنہ دھوکہ میں آگئے اور ان کی طرف چل پڑے، پھر جب آپ کربلا پہنچے تو آپ کے ساتھ انھوں نے غداری کیا اور سب کے سب ایک مشت عبید اللہ بن زیاد ساتھ ہو گئے، یہاں تک کہ حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے خاندان کے کئی لوگ کربلا میں شہید کر دیئے گئے۔

۳۔ زید بن علی بن حسین کے ساتھ ان کی غداری کہ انھوں نے آپ کی بیعت توڑ دی، اور جب جنگ کی شدت ہوئی تو آپ کو دشمن کے حوالے کر دیا۔ [1]

ب۔ قائدین جنگ

أ۔ عبید اللہ بن زیاد:

اس میں قطعاً شک و شبہہ نہیں کہ اس حادثہ جانکاہ کی ذمہ داری کا ایک بڑا حصہ عبید اللہ بن زیاد کے سر جاتا ہے، کیوں کہ حادثہ کے انجام پانے میں راست طور سے وہی سبب تھا، چناں چہ جیسا کہ سابقہ صفحات میں یہ بات گزر چکی ہے کہ یزید بن معاویہ کے حکم پر عبید اللہ بن زیاد کوفہ آئے، اور جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ حالات انتہائی پیچیدگی اور انتشار کے شکار ہیں، اور بہت قریب ہے کہ ان بگڑے ہوئے حالات میں اقتدار کی رسی حکومت کے ہاتھوں سے نکل جائے، بنابریں ابن زیاد نے ذاتی طور پر ایسا منصوبہ تیار کیا جس کے پس پردہ حکومت کا رعب و دبدبہ دوبارہ بحال ہو جائے۔ اس کی ایک ہی شکل تھی کہ داخلی بحران کو ہوا دینے والوں کا ہر ممکن طریقے صفایا کر دیا جائے، چناں چہ اپنے منصوبہ کو روبہ عمل لاتے ہوئے ابن زیاد نے فسادی تحریک کے دوعمائدین یعنی کوفہ میں حسین رضی اللہ عنہ کے نائب اول مسلم بن عقیل، اور ان کے سب سے بڑے موید قبیلہ مراد کے مشہور قبائلی لیڈر ہانی بن عروہ کو گرفتار کر لیا، اور ان دونوں شخصیتوں کو دنیا سے ختم کر دینے کا حکم صادر کر کے حکومتی رعب و دبدبہ کو دوبارہ بحال کرنے میں بڑی کامیابی حاصل کی، پس ابن زیاد کا یہ اقدام اور پختہ فیصلہ صرف ان شخصیتوں کو قتل کرنے کے لیے نہیں تھا بلکہ ان دیگر لوگوں کے لیے چیلنج و آگاہی تھی جو کوفہ میں حسین رضی اللہ عنہ کے موید و حامی تھے، اور گویا انھیں صاف لفظوں میں یہ پیغام تھا کہ اگر ان کی کسی بھی منصوبہ بندی یا مشکوک کردار کا پردہ فاش ہوا، یا ردعمل میں کسی جدید تحریک نے سر ابھارا تو اس کا انجام ان دونوں قائدین سے بھی برا ہوگا۔ ادھر ابن زیاد کے اس عمل کو یزید بن معاویہ نے سراہا اور ابن زیاد کی اس سیاسی تدبیر پر اپنی

---

[1] الفرق بین الفرق/ البغدادی ص (۳۷)

خوشی کو چھپا نہ سکے، اور ابن زیاد کے جوابی خط میں لکھا: اما بعد! تم نے اپنی مرضی و پسند سے جس طرح چاہ رہے تھے صبر آزما اور پختہ ہمت انسان کا کام انجام دیا، ایک بے باک بہادر کی طرح جوانمردی کا ثبوت دیا، معاملہ کے لیے تم کافی ہوگئے اور کسی کی ضرورت نہ پڑی، تم نے اپنے بارے میں میرا گمان سچ کر دکھایا۔[1]

دراصل کوفہ میں ابن زیاد کی کامیابی خود اس کی نگاہ میں ایک جزئی کامیابی تھی، خاص طور سے جب اسے معلوم ہوگیا کہ حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے راستے میں ہیں۔

صحیح بات تو یہ ہے کہ اللہ کی مشیت و ارادہ ہر چیز پر غالب ہے، اور بالآخر وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے چناں چہ ابن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ روانگی سے صرف ایک دن پہلے مسلم بن عقیل کو گرفتار اور قتل کیا، جب کہ بہت ممکن تھا کہ اگر مکہ سے نکلنے سے پہلے ہی حسین رضی اللہ عنہ کو مسلم بن عقیل کی گرفتاری اور قتل کی خبر ملتی تو شاید آپ رضی اللہ عنہ کوئی دوسرا ہی موقف اختیار کرتے۔ لیکن اللہ نے جو مقدر کیا تھا وہی ہوا۔ ابن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے پورا زور لگا دیا کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ اگر حسین رضی اللہ عنہ کوفہ میں داخل ہوگئے تو ریاست کے حالات ایسے مشکل اور بدتر ہو جائیں گے جن کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔[2] اسی لیے حسین رضی اللہ عنہ اور اہل کوفہ کے درمیان حائل ہونے کے لیے اس نے حالات سے موزوں ترتنظیم و ترتیب کی شروعات کر دی۔ اور اپنی منصوبہ بندی کو عملی جامہ پہنا کر حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ سے کافی دور کی مسافت پر روکنے میں کامیاب ہوگیا، اور پھر اپنی اس کارروائی کو ایک بڑی سیاسی مدد اور کامیابی شمار کیا۔ پھر جب حسین رضی اللہ عنہ نے معاملہ کو مزید طول دینے کی بجائے اس کے حل کی قابل عمل شکلیں پیش کرنا شروع کیا کہ (۱) وہ مدینہ واپس لوٹ جاتے ہیں۔ (۲) یا دیگر مسلمانوں کے ساتھ سرحدی حفاظت پر چلے جاتے ہیں۔ (۳) یا خود ہی یزید کے پاس جانے کی اجازت چاہتے ہیں۔ تو ابن زیاد کو اپنی مہم میں ابتدائی کامیابی کے آثار نظر آنے لگے، اور بہت قریب تھا کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے مطالبات کو تسلیم کر لیتا، لیکن برا ہو شمر[3] بن ذی الجوشن کا کہ اس نے معاملہ

---

[1] الطبری (۵/ ۳۸۰) بروایت ابی مخنف۔ ابو مخنف جیسے دروغ گو رافضی راویوں کی روایت کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرنا اور رائے قائم کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ اور پھر جو لوگ حکومت کا تختہ الٹنے کے درپے ہوں ان کے ساتھ حکومت کا کیا رویہ ہونا چاہئے وہ اپنی کرسی چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہو یا پھر اپنی کرسی کو بچانے کا جتن کرے اور مخالفین سے اچھی طرح نمٹے؟ کامیاب حاکم کون ہوگا؟ (ش)

[2] حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے بلاشبہ پہرہ بٹھایا گیا تھا تاکہ اس فتنے کا تدارک کیا جاسکے جو داخلہ سے رونما ہونے والا تھا لیکن جب اس کا علم سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ہوا تو انھوں نے خود نیا راستہ دمشق کی طرف موڑ لیا اور کربلا پہنچ گئے کسی کو روکنے اور کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہ آئی لیکن سبائی ظالموں نے وہاں سے آگے نہ بڑھنے دیا اور آپ کو قتل کر ڈالا اور الزام حکومت پر ڈال دیا۔ (ش)

[3] ابن درید، الاشتقاق ص (۲۹۷) پر رقم طراز ہیں: شمر یا تو تشمیر سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے کسی چیز میں کمر کس کے کوشش کرنا، یا تشمیر الثوب سے ہے۔ تہذیب ابن عساکر (۶/ ۳۴۰، ۳۴۱) میں ہے کہ یہ امراء اندلس میں ایک یعنی صمیل بن حاتم کا دادا تھا۔ دیکھئے لسان الدین بن الخطیب/ الاحاطة فی اخبار الغرناطه (۳/ ۶/ ۳۴۶) لسان الخطیب نے لکھا ⇦⇦⇦

میں دخل دیتے ہوئے ابن زیاد کو مشورہ دیا کہ حسین کے ان مطالبات کو وہ تسلیم نہ کرے تا آنکہ وہ پہلے ابن زیاد کے حکم پر جھک جائیں، پھر اپنی بات رکھیں۔

اب ابن زیاد نے سوچا کہ اپنی امارت کی ایک نئی کارروائی کو کامیابی سے ہمکنار کرکے سیاسی مہارت کی تاریخ رقم کرے، اس لیے اس نے فوجی قائد عمر بن سعد کو حکم دیا کہ حسین کو میرے حکم کے تابع کرو، اور اگر وہ نہیں مانتے تو انھیں قتل کردو۔ ❶

اس مقام پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بلا شبہ شمر بن ذی الجوشن کا مشورہ ابن زیاد کی نفسانی خواہش، اور اس کے قہر وتسلط یعنی سخت گیر مزاج سے بہت ہم آہنگ نکلا، ورنہ اتنی آسانی سے اور اس انداز میں ابن زیاد اس رائے کی طرف ہرگز مائل نہ ہوتا۔ بہرکیف حالات کا تقاضا تھا اور ابن زیاد کا فرض بھی بنتا تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ کے مطالبات کو تسلیم کرلے، اور انھیں یزید کے پاس یا اور کسی جگہ جانے کی اجازت اس شرط پر دے دیتا کہ وہ کوفہ میں ہرگز داخل نہ ہوں گے۔

ابن کثیر نے لکھا ہے: ''یہ اس کی جرات ہی تھی کہ حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے سامنے حاضر کرنے کا حکم دیا خواہ وہ قتل ہی کردیئے جائیں۔ حالاں کہ اس پر فرض تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ کے مطالبات کو سنتا اور تسلیم کرتا۔'' ❷ حافظ ابن الصلاح اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: ''تاریخی حوالے سے جو بات محفوظ ہے وہ یہ کہ ان -حسین رضی اللہ عنہ- سے جنگ کا حکم دینے والا ابن زیاد ہی تھا کہ جس کے نتیجہ میں آپ کی شہادت ہوئی۔ ❸

⇦⇦⇦ ہے کہ جب مختار بن ابی عبید ثقفی قتل حسین کا بدلہ لینے کے لیے آیا تو شمر بھاگ نکلا اور شام چلا گیا، پھر وہاں اس نے بڑی محفوظ اور عزت کی زندگی گزاری، لیکن ابن عساکر اس کا انکار کرتے ہیں اور وہ اس بات کے قائل ہیں کہ شمر مختار کے ہاتھوں ہی قتل کیا گیا۔ تهذيب ابن عساكر (٣٤٧٦)

مختار بن ابی عبید ثقفی انتہائی کذاب اور جعل ساز شخصیت کا حامل تھا۔ آل بیت کی جھوٹی محبت کا دعوی کرکے اپنے باطل کو پھیلانا چاہتا تھا، نبوت کا دعوی دار تھا کہتا تھا مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اس نے کوفہ میں قتل وخونریز کا بازار گرم کیا تھا تاکہ اپنے باطل کو بروئے کار لاسکے اور اس کے لیے اس نے اپنے مخالفین کو قتل حسین سے متہم کرکے ختم کرنے کا پروگرام بنایا تھا تاکہ آل رسول کی محبت میں لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہوں اور لوگوں پر اس کا جادو چل سکے۔ آخر کار جب اس نے وحی کے نزول کا دعویٰ کیا تو لوگوں پر اس کی مکاری عیاں ہوگئی اور اس کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ آخر کار وہ خود ۶۷ھ میں قتل کردیا گیا۔ (ش)

❶ یہ ابومخنف جیسے کذاب اور دروغ گو راویوں کی کذبیانی کا نتیجہ ہے۔ ابن زیاد اور ابن سعد کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے کوئی ذاتی عداوت نہ تھی کہ شمر کے کہنے پر اس حد کو اتر آئیں اور نواسۂ رسول کو قتل کا پلان بنائیں اور اس کا حکم جاری کریں اور نہ ہی اس دور میں اہل ایمان سے یہ سوچا جاسکتا ہے یہ تو سبائی سازش تھی جو کامیاب ہوئی اور الزام دوسروں پر رکھ دیا گیا۔ (ش)

❷ البداية والنهاية (٨/ ٢٨٨) اس نے سنا تھا اور تسلیم بھی کیا تھا لیکن سبائیوں نے اس کی نہ چلنے دی اور حسین رضی اللہ عنہ کو قتل ہی کرڈالا۔ (ش)

❸ القيد الشديد ق ١٣ ب۔ ابومخنف جیسے رافضی کذاب کی روایتوں پر اعتماد کرکے کسی کو یقینی طور پر متہم کرنا انصاف نہیں ہے۔ (ش)

جب کہ یوسف العش کا کہنا ہے کہ ہمیں یہ کہنے میں تردد نہیں کرنا چاہئے کہ شہادت حسین کا ذمہ دار اولاً شمر ہے اور ثانیاً عبید اللہ بن زیاد۔ ❶

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ابن زیاد کے قریب ترین ساتھیوں نے بھی اس کے اس گھناؤنے کارنامے پر اسے ملامت کیا، چناں چہ اس کے بھائی عثمان بن زیاد نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ بنو زیاد کا کوئی فرد ایسا نہ بچے کہ قیامت تک جس کی ناک میں نکیل نہ لگی ہوئی ہو، اے کاش کہ حسین کا قتل نہ ہوتا، اللہ کی قسم! افسوس و حیرت ہے کہ عبید اللہ کو یہ چیز بری نہیں لگی۔ ❷ اسی طرح اس کے اس اقدام کا مسلمانوں میں انتہائی غم و غصہ اور برا ردعمل رہا، بالآخر نتیجہ بھی وہی ہوا کہ اسے اپنے اس کردار کے عوض اپنی زندگی کی قیمت چکانی پڑی، اللہ نے بالکل اسی جیسے حالات اور ٹھیک اسی منظر میں اسے بھی قتل کیا۔ ❸

ب۔ عمر بن سعد بن ابی اوقاص:

یہ معلوم ہے کہ جہاں ایک طرف ابن زیاد کوفہ کے امیر تھے اور کسی بھی معاملے میں آخری قرار داد طے کرنے اور فیصلہ لینے کے مجاز تھے۔ وہیں دوسری طرف عمر بن سعد فوجی قائد اور ابن زیاد کے حکم کو عملی جامہ پہنانے والے تھے، رہے ان کے باپ سعد بن ابی وقاص سو وہ محتاج تعارف نہیں ہیں، آپ جلیل القدر صحابی رسول اور جنت کے دس بشارت یافتہ لوگوں میں سے ایک تھے، صحابہ کرام کے نامور شہسواروں میں شمار ہوتے تھے، وہ نبی اکرم ﷺ کو کافی عزیز تھے، ان کے بیٹے کی ولادت عہد نبوت میں نہیں ہوئی تھی کیوں کہ حدیث مشہور ثابت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لڑکی کے علاوہ سعد کا کوئی وارث نہیں تھا۔ ❹

عمر بن سعد کی سوانح حیات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے فوجوں کی قیادت میں مہارت و ترقی حاصل کی تھی، اور امویوں کے خیر خواہوں اور ان کے طرف داروں میں سے ایک تھے، حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ آمد سے قبل انھوں نے اہل کوفہ کے چار ہزار فوجیوں کو اہل دیلم سے جہاد کرنے کے لیے تیار کر رکھا تھا، لیکن ابن زیاد نے اسی فوج کو حسین سے جنگ کرنے ❺ کے لیے کربلا کی طرف موڑ دیا، اور باوجودیکہ انھیں حسین رضی اللہ عنہ

---

❶ الدولة الاموية/ يوسف العشى ص (١٧٢)

❷ الطبری (٥/ ٤٦٧) بروایت ابی عوانہ ❸ الطبری (٦/ ٨٦) اور اس کے بعد کے صفحات

❹ صحیح البخاری مع الفتح (٥/ ٤٣٤، ٤٣٥) صحیح مسلم حدیث نمبر (١٦٢٨) باب الاحکام اور خاص طور سے باب الوصیہ میں بڑی مشہور حدیث ہے۔

❺ بنیادی غلطی یہی رہی ہے کہ امت کو انتشار و اختلاف سے بچانے اور امن عامہ کو برقرار رکھنے کی تدابیر کو جنگ کی شکل اور جنگی تدابیر سمجھ لیا گیا اور سبائی کذب بیانی اور دروغ گوئی نے اس کو چار چاند لگایا، حقائق کے دبیز چادر چڑھ گئی اور سبائی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ (ش)

کی قرابت اور ان سے اپنی محبت کا احساس تھا، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امارت اور قیادت کی حرص وتمنا ان کے موقف میں غالب تھی، کیوں کہ ان کے خیر خواہان میں سے بعض نے انھیں اس فوج کی قیادت سے دست برداری کا مشورہ دیا، اور وہ ایک حد تک اس مشورہ سے مطمئن بھی ہو چکے تھے، اور ابن زیاد کے سامنے حسین رضی اللہ عنہ سے نبرد آزما ہونے والی فوج کی قیادت سے استعفیٰ کی پیشکش کرتے ہوئے گزارش کیا تھا کہ میری جگہ پر اشراف کوفہ میں سے کسی اور کو قائد مقرر کر دیا جائے، لیکن ابن زیاد اتنا کم ظرف اور نادان نہیں تھا کہ عمر بن سعد کی اس پیشکش کو آسانی سے مان لیتا، اس لیے کہ حسین رضی اللہ عنہ کی طرف پابہ رکاب فوج کی سب سے اعلیٰ قیادت کرنے والے عمر بن سعد جیسے قائد کا وجود خاص طور سے فوج کے لیے بڑی معنویت وتاثیر کا حامل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ابن زیاد نے فوج کی قیادت سے ان کی دست برداری کے بارے میں انھیں کچھ بھی سوچنے کا موقع نہ دیا، بلکہ راست طور پر دھمکی دیا کہ اگر تم یہ اقدام کرتے ہو تو ہمیشہ کے لیے قیادت سے محروم کر دیئے جاؤ گے، اس وقت عمر بن سعد ابن زیاد کے حکم پر جھک گئے، اور فوج کو ساتھ لے کر حسین رضی اللہ عنہ کی طرف کوچ کر دیا۔

واضح رہے کہ عمر بن سعد کی حب ریاست اور قائدانہ حرص کے ثبوت کو تقویت اس واقعہ سے بھی ملتی ہے کہ جب شہادت عثمان کا فتنہ پیش آیا تو مسلمان باہمی جدال وقتال اور آپسی رسہ کشی میں الجھ گئے، اور سعد رضی اللہ عنہ نے دونوں فریقوں -مویدین ومخالفین- سے علیحدگی ہی میں عافیت سمجھی، اس لیے علی اور معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کے گروہ سے الگ رہے اور اپنا اونٹ لے کر مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے، اس وقت آپ کے یہی صاحبزادے عمر آپ کے پاس آئے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنی طرف آتے دیکھ کر کہا: ''اعوذ باللہ من شر ہذا الراکب'' میں اس سوار کے شر سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ عمر سواری سے نیچے اترے اور اپنے والد کو مخاطب کر کے کہا: آپ نے اپنے اونٹ اور بکریوں میں غنیمت سمجھا، اور لوگوں کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے کہ وہ اقتدار وسلطنت کے بارے میں آپس میں لڑیں جھگڑیں؟ سعد رضی اللہ عنہ نے انھیں پیچھے دھکا دیا اور کہا: خاموش رہو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((ان الله يحب العبد التقى الغنى الخفى .)) [1]

''اللہ تعالیٰ اپنے متقی، غیروں سے بے نیاز اور (دنیا میں) گمنام بندوں سے محبت کرتا ہے۔''

بایں ہمہ جو روایتیں ہم تک پہنچی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمر بن سعد، حسین رضی اللہ عنہ اور ابن زیاد کے درمیان ایسا قابل قبول حل نکالنے کے شدید حریص تھے جس میں وہ خود حسین رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے سے بچ

[1] صحیح مسلم (٤/ ٢٢٧٧) حدیث نمبر (٢٩٦٥) الزهد، نیز اسی معنی میں حلية الاولياء (١/ ٩٤)

جائیں، بلکہ انھوں نے شہادت حسین کی ذمہ داری اپنے سر لینے سے بھاگنے کی پوری کوشش کیا، اور اسے ابن زیاد کے گردن پر ڈالنا چاہا، جیسا کہ عوانہ کی روایت سے یہ بات کافی حد تک مترشح ہوتی ہے، چناں چہ بروایت عوانہ ''حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے عمر بن سعد سے کہا: اے عمر! میرا وہ مکتوب کہاں ہے جو میں نے قتل حسین کے بارے میں تمھیں تحریر کیا تھا؟ عمر نے کہا: میں نے آپ کے حکم کی پابندی کیا اور مکتوب کہیں ضائع ہوگیا، ابن زیاد نے کہا: وہ مکتوب ضرور لاؤ، عمر نے کہا: وہ ضائع ہو گیا، ابن زیاد نے کہا: اللہ کی قسم! تمھیں وہ مکتوب لانا ہی ہوگا۔ عمر نے کہا: اسے وہیں چھوڑ دیا گیا، اللہ کی قسم! مدینہ میں معذرت نامہ کے طور پر قریش کی عمر رسیدہ خواتین کو پڑھ پڑھ کر سنایا جارہا ہے۔ سنئے اللہ کی قسم! میں نے حسین کے بارے میں آپ کو جس طرح نصیحت کی تھی اگر میں اپنے باپ سعد سے اس طرح الحاح وگزارش کرتا تو یقیناً میں ان کا حق اطاعت پالیتا۔ [1]

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ابن سعد کی روایت کے حوالے سے یہ بات ملتی ہے کہ جب ابن مطیع نے عمر بن سعد کے اس کام پر ان کی سرزنش کیا تو عمر نے انھیں جواب دیا: یہ سب اس لیے ہوگیا کہ آسمان میں اس کا فیصلہ ہو چکا تھا، میں نے حادثہ سے پہلے اپنے عم زاد بھائی سے معذرت کی تھی لیکن وہ کسی صورت میں ماننے کو تیار نہ ہوئے۔ [2]

بہر حال حادثہ پیش آنا ہی تھا، اس لیے اب عمر بن سعد کے سامنے حسین کو بچانے کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہ تھا کہ رات کی تاریکی میں انھیں اپنی فوج سے پیچھے ہٹ جانے اور حسب منشا بھاگ نکلنے کا مشورہ دیتے، اور کہہ دیتے کہ میں آپ کا پیچھا نہیں کروں گا۔ عمر بن سعد کی اس رائے کے ثبوت کو تقویت اس بات سے ملتی ہے کہ قبل از جنگ حسین رضی اللہ عنہ عمر بن سعد کی راتوں میں ملاقات اور طویل گفتگو ہوئی تھی۔ [3]

بہر حال عمر بن سعد کی طرف سے یہ ساری ندامتیں اور معذرتیں اسے بحیثیت ایک قائد شہادت حسین کی ذمہ داری سے بری الذمہ نہیں کرسکتیں کہ وہی ابن زیاد کے حکم کو نافذ کرنے والا تھا، اور وہ اگرچہ اس وقت حسین رضی اللہ عنہ کے قریب ترین رشتہ داروں میں سے تھا لیکن قیادت و سیاست کی حرص اور ابن زیاد کی اندھی اطاعت نے اسے اس مجرمانہ کارروائی پر مجبور کردیا۔ امام احمد رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: اس کے بارے میں گفتگو کرنا مناسب نہیں ہے، کیوں کہ وہی فوجیوں کا قائد اور خون کا ذمہ دار تھا۔ [4] پھر مرور ایام کے

---

[1] طبری (٥/ ٤٦٧) بروایت عوانه

[2] طبقات ابن سعد (٥/ ١٤٨) یہ روایت بہت ہی ضعیف سند سے مروی ہے۔

[3] طبری (٥/ ١٤٨) بروایت ابی مخنف [4] السنة/ الخلال ص (٥١٨، ٥١٩)

ساتھ سنت الٰہی کا نفاذ ہوا، اور جگر گوشۂ رسول کے فرزند ارجمند کے قاتلوں سے رب کائنات نے اس طرح بدلہ لیا کہ ان پر ایک انتہائی ظالم اور جھوٹے حاکم یعنی مختار بن ابوعبید الثقفی کو مسلط کر دیا، جس نے قاتلین حسین کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر گرفتار اور قتل کیا، اور مشہور تابعی امام شعبی کا یہ خواب سچ ثابت ہوا کہ جیسے آسمان سے کچھ مرد میدان آرہے ہیں، ان کے ساتھ جنگی ہتھیار ہیں، اور قاتلین حسین کو ڈھونڈھ رہے ہیں۔ اس خواب پر ابھی چند دن بھی نہ گزرے تھے کہ مختار آیا اور اس نے ایک ایک کر کے انھیں تہ تیغ کیا۔ [1]

۳۔ یزید بن معاویہ:

یزید بن معاویہ کو اس بات سے متہم کرنا کہ شہادت کا اصل سبب وہی تھے، ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ان کے تعلق سے اس موضوع کا ہم انتہائی باریک بینی سے تحقیقی جائزہ لیں۔ چناں چہ جیسا کہ معلوم ہے کہ یزید بن معاویہ خلیفۃ المسلمین بن چکے تھے، اور عوام ان کے تابع ہو چکی تھی، بیشتر صحابہ و تابعین اور ریاستوں کے شہری باشندگان ان کی وفات تک ان کی خلافت کے معترف تھے، صرف صحابہ میں سے دو حضرات حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان کی بیعت نہیں کی تھی۔ اور عراق میں اہل تشیع حسین کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دے رہے تھے، پھر مسلم بن عقیل نے بیعت کرنے والوں کی کثرت اور حالات سازگار دیکھ کر جب حسین رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھا تو آپ رضی اللہ عنہ عراق کے لیے نکل پڑے۔ اگر ہم شعبان، رمضان، شوال اور ذی قعدہ کے اس طویل عرصہ میں کہ جس میں حسین بن علی رضی اللہ عنہما علی الاعلان یزید کی بیعت سے انکار کر رہے تھے، یزید بن معاویہ کے موقف کو غور سے دیکھیں تو محسوس ہوگا کہ اس مدت میں یزید نے دونوں مخالفین کی گرفتاری کے لیے کوئی فوج بھیجنے کی کوشش نہیں کیا، بلکہ حالات کو جوں کا توں چھوڑ دیا، جیسے ان کی نگاہ میں صرف ان دو حضرات کی بیعت یا عدم بیعت کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی۔ بایں ہمہ یزید ہمیشہ اس کوشش میں رہتے تھے کہ سیاست کے باب میں اپنے والد کے نقش قدم پر چلیں اور آخری دم تک صبر وتحمل اور بردباری ہی کو ترجیح دیں، بالخصوص حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کی وصیت پر کاربند رہیں، جس میں انھوں نے حسین کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنے اور قرابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ان کے مقام و مرتبہ اور حقوق کی ملکی پاسداری کرنے کی تلقین کی تھی۔

غالبًا یہی وجہ تھی کہ یزید نے عراق پر اپنی توجہ مرکوز رکھی، خاص طور سے کوفہ پر کہ جہاں کسی بھی وقت برے انجام کے حامل ناگہانی حوادث کے رونما ہونے کے آثار نظر آنے لگے تھے، اور ملک میں وہاں سے خانہ

---

[1] المعجم الکبیر / طبرانی (۳/ ۱۱۳) ہیثمی نے (۱۹۵/۵) پر لکھا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔ سیر اعلام النبلاء (٤/ ٣٥٠)

جنگی کا آغاز ہوسکتا تھا۔ ❶ چناں چہ حالات کو قابو میں رکھنے کے لیے انھوں نے قبل از وقت اپنے ابن عم عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا امیر مقرر کر دیا، جو کہ اپنی فطری سیاسی مہارت، ثابت قدمی اور رعب و دبدبہ کی بنا پر کوفہ کے حالات کو قابو میں کرنے میں کامیاب رہے، اور علمبر داران شیعیت کا صفایا کرنے میں ابن زیاد کی یہ کار روائی یزید کی نگاہ میں ایک خوش آئند اور اطمینان بخش کارروائی رہی۔ ❷ جب کہ خود یزید بن معاویہ حسین رضی اللہ عنہ کی نقل وحرکت سے غافل نہ تھے۔ اسی لیے جب حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ جانے کا عزم مصمم کر لیا تو یزید نے ابن زیاد کے نام ایک ناصحانہ خط لکھا: کہ مجھے خبر ملی ہے کہ حسین کوفہ کے لیے روانہ ہو چکے ہیں اور اب تک کے ادوار میں تمھارا یہ دور نیز ملک ان کی وجہ سے آزمائشی دور اور ملک ہے۔ دیگر امراء کے مقابلے میں تم ان کی وجہ سے زیادہ آزمائش میں ہو، یاد رکھو کہ اس وقت یا تو تم اپنی آزادی پر بحال رہو گے یا غلامی میں لوٹ جاؤ گے جس طرح غلاموں سے غلامی کا حق لیا جاتا ہے۔'' ❸

سرحد پر حفاظتی گشت تیز کر دو، نگرانی بڑھا دو، بدگمانی سے بچو اور پورے شہر کو اپنے قبضہ میں کرلو، البتہ صرف اسی سے قتال کرنا جو تم سے قتال کرے، اور آگے جو کچھ پیش آتا ہے اس کے بارے میں مجھے لکھتے رہو۔'' والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ❹

مذکورہ خط میں یزید کی ہدایت کے پہلے ٹکڑے پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے وہ ابن زیاد کو حسین کی قدر ومنزلت اور ان کے توقیر واحترام کو ملحوظ رکھنے کی تلقین کر رہے ہیں، ورنہ ان کے اس قول کا کیا معنیٰ: کہ اب تک کے ادوار میں تمھارا یہ دور اور ملک ان کی وجہ سے بڑا آزمائشی دور ہے۔ اور دیگر امراء کے مقابلہ تم زیادہ آزمائش سے دوچار ہو۔

پس اگر یزید کو حسین سے پرخاش اور ان کے قتل کی حرص ہوتی تو اپنے امیر ریاست کو اس قدر خوفناک لب ولہجہ میں ان کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین نہ کرتے۔ اسی طرح حسین رضی اللہ عنہ کی شان وعظمت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کا یہ مقصد بھی نہ تھا کہ ابن زیاد کو پوری طاقت کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے تیار کریں، کیوں کہ یزید کو اچھی طرح معلوم تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ معمولی تعداد کے ساتھ مکہ سے نکلے ہیں۔ بہرحال جہاں یزید نے اپنے امیر ابن زیاد کو حسین رضی اللہ عنہ کی قدر ومنزلت سے خبردار کیا ٹھیک اسی وقت اسے مکمل چوکنا اور

❶ العراق فی العصر الاموی / ثابت الراوی (۱٦۱)
❷ الطبری (٥/ ۳۸۰) بروایت ابی مخنف۔
❸ طبرانی (۳/ ۱۱٥) ہیثمی نے مجمع (۱۹۳/۹) میں لکھا ہے کہ اس کے رجال ثقہ ہیں۔ البتہ ضحاک اس واقعہ میں شریک نہیں تھے۔ العقد الفرید (٤/ ۳۸۲) ابن عساکر ص (۲۰۸) بسند زبیر بن بکار۔ ہاں ضحاک سے ابن کثیر نے (۱٤۹/۹) پر نقل کیا ہے۔
❹ الطبری (٥/ ۳۸۰) بروایت ابی مخنف۔ ابن کثیر (۹/ ۱۹٤)

خبردار رہنے کی تلقین بھی کیا۔ اس لیے کہ اگر معاملہ سے نمٹنے میں اس نے ذرہ برابر سستی سے کام لیا، اور حکیمانہ اسلوب سے حل نہیں کیا، اور حسین اندرون کوفہ داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے تو بلاشبہ سلطانی گرفت انھیں کے ہاتھ میں ہوگی، اور تم اپنی اصل حسب نسب یعنی غلامی کی طرف لوٹنے پر مجبور ہوجاؤ گے۔ اور ان امیرانہ خصوصیتوں و دیگر قیادتوں سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ یزید کی تحریر میں کسی اعتبار سے یہ بات نہیں لگتی کہ انھوں نے ابن زیاد سے حسین رضی اللہ عنہ کے صفایا کرنے کا مطالبہ کیا ہو، بلکہ یزید کا دوسرا خط ابن زیاد کو اس بات کا مکلّف بناتا ہے کہ کسی سے اس وقت تک ہرگز ہرگز قتال نہ کرے جب تک کہ مقابل کا دشمن اس کا آغاز نہ کرے۔ اسی طرح اس میں ابن زیاد کو اس بات کا تاکیدی حکم ہے کہ ہر نیا حادثہ پیش آنے پر وہ یزید کو مطلع کرے۔ کیوں کہ فیصلے کا آخری اختیار یزید کے ہاتھ میں ہوگا۔ بہرحال یہ واضح ہے کہ جس خط کے موضوع پر ابھی ہم نے گفتگو کی ہے یزید نے وہ خط ابن زیاد کو اس وقت بھیجا تھا جب حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے راستے میں تھے۔ پھر جب آپ رضی اللہ عنہ کوفہ سے قریب ہوئے تو ابن زیاد نے مذکورہ تدابیر کے ذریعہ ان کا سامنا کیا، حتی کہ چار ہزار فوجیوں پر مشتمل اپنے قائد عمر بن سعد کو حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، جنھوں نے آپ کو کربلا جانے کے لیے مجبور کردیا، یہ تین محرم جمعرات کا دن تھا۔ [1]

اس طرح ابن زیاد اور حسین رضی اللہ عنہ کے درمیان مذاکرات ہوتے رہے اور بالآخر آپ دس محرم کو شہید کر دیئے گئے، گویا مذاکرات کا یہ دور تقریباً ایک ہفتہ جاری رہا، اور یہ بات معلوم ہے کہ دمشق (جو دارالخلافہ تھا) اور کوفہ کے درمیان کم ازکم دو ہفتہ سفر کرنے کا فاصلہ تھا، پس فاصلے کی یہ طوالت اور مذاکرے کی قلیل مدتی اس بات کی دلیل ہے کہ خلیفۂ وقت یزید سے مراجعہ کیے بغیر قتل حسین کا فیصلہ ابن زیاد کا ذاتی فیصلہ تھا اور اس سلسلہ میں اس نے یزید سے کوئی مشورہ نہیں لیا تھا، یہی وجہ تھی کہ یزید اسی بات کا حوالہ دے کر علی بن حسین کو بار بار یقین دلاتے تھے کہ مجھے شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا کوئی علم نہیں تھا، ان کی شہادت کی خبر مجھے بعد میں ملی۔

اب شاید ہمارے پیش کردہ مذکورہ دلائل اس بات کی وضاحت کے لیے کافی ہوں گے کہ ابن زیاد نے شہادت حسین کے لیے جو پیش قدمی کیا یزید اس سے بالکل نہ واقف تھے، مزید برآں صحابہ کرام کے وہ مذکورہ اقوال میرے تجزیے کی تصدیق کرتے ہیں جن میں انھوں نے شہادت حسین کی ذمہ داری بنیادی طور پر اہل کوفہ کے سر ڈالی ہے، اصحاب رسول میں سے ہمیں کوئی بھی ایسا نہیں ملتا جو شہادت حسین کا راست ذمہ دار یزید کو ٹھہراتا ہو، لہٰذا اس حادثہ کا پورا منظر ہمیں دلیل فراہم کرتا ہے کہ شہادت حسین کی ذمہ داری کسی بھی ناحیے سے یزید کے سر نہیں تھوپی جاسکتی ہے؟ ہاں، ان کے سینوں میں کیا تھا؟ اور حادثے کی پوری کارروائی کس نیت

[1] الطبری (۵/ ٤٩)

سے انجام دی گئی اس کا راز داں اللہ تعالیٰ ہے، وہ اس کے بارے میں ہم سے زیادہ جاننے والا ہے، ہم لوگوں کی نیتوں اور سینے کے بھیدوں پر حکم لگانے کے مکلّف نہیں ہیں، بلکہ انسانوں کے ظاہر کو دیکھ کر ہم نے ان پر یہ حکم لگایا ہے، واللہ یتولی السرائر و ہو علیم بکل شئ۔ اسی لیے یزید کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: انھوں نے حسین رضی للہ عنہ کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا، اور نہ ان کی شہادت پر کسی خوشی کا اظہار کیا۔ ❶

نیز منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں: ''تمام مورخین اس بات سے متفق ہیں کہ یزید نے قتل حسین کا حکم نہیں دیا، بلکہ ابن زیاد کو خط لکھا کہ عراق کی سیاسی باگ ڈور سنبھالنے یعنی وہاں کی امارت پر حسین کو قابض ہونے سے روکیں، جب کہ حسین رضی اللہ عنہ کا گمان تھا کہ اہل عراق آپ کی مدد وتائید میں ہیں اور وہ وعدہ وفائی سے کام لیں گے، لیکن جب رات کو ظالم فوجی قافلے نے آپ کو گرفتار کرلیا تو آپ نے اس سے یزید کے پاس جانے، یا سرحدی مورچہ سنبھالنے، یا اپنے شہر واپس ہو جانے کی درخواست کی۔ لیکن انھوں نے آپ کے تمام مطالبات کو ٹھکرا دیا تا آنکہ آپ رضی اللہ عنہ اس کے لیے قیدی بن جائیں۔ چناں چہ آپ نے اس سے انکار کیا، اور انھوں نے آپ سے جنگ کیا، یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ مظلومیت کے عالم میں جام شہادت نوش کیا۔ پھر جب یزید کو اس واقعہ کے خبر ملی تو وہ بہت رنجیدہ ہوئے، اور اپنے گھر میں ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے، انھوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی کسی خاتون کو قیدی نہیں بنایا بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کے اکرام واحترام اور توقیر کی مکمل پاسداری کرتے ہوئے انھیں ان کے شہر (مدینہ) پہنچا دیا۔'' ❷

آپ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں: جو بات کئی ایک لوگوں نے لکھی ہے وہ یہ کہ یزید نے قتل حسین کا حکم نہیں دیا تھا، اور نہ انھیں اس سے کوئی واسطہ تھا، بلکہ وہ تو اس بات کو پسند کرتے تھے کہ اپنے والد معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حسین رضی اللہ عنہ کی تکریم وتوقیر کریں۔ ❸

اور ابن طولون یزید کے بارے لکھتے ہیں: ''یہ بات کہیں سے صحیح نہیں ہے کہ انھوں آپ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہو، اور نہ ہی آپ نے اس کا حکم دیا تھا، اور نہ اس حادثہ کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا، اور نہ وہ شہادت حسین کے وقت وہاں موجود تھے، پس یہ ساری تہمتیں آپ کے بارے میں صحیح نہیں ہیں اور نہ کبھی آپ کے بارے میں یہ گمان ہی کیا جاسکتا ہے۔'' ❹

یوسف العش لکھتے ہیں: ''یزید نے حسین رضی اللہ عنہ اور کوفہ میں آپ کے مویدین کے درمیان فاصلہ رکھنے کے لیے کئی تدبیریں ضرور اختیار کیں، لیکن قتل حسین کا ارادہ نہیں کیا، اور نہ یہ ان کی تمنا تھی، پس اللہ دونوں کی

---

❶ الوصیة الکبری ص (٤٥)
❷ منہاج السنة (٤/ ٤٧٢)
❸ منہاج السنة (٤/ ٥٥٧)
❹ القید الشرید ق ١٣أ

مغفرت فرمائے اور دونوں کی خطاؤں کو درگزر فرمائے۔'' [1]

طیب النجار لکھتے ہیں: ''قتل حسین کا بوجھ عبید اللہ بن زیاد، شمر بن ذی الجوشن اور عمر بن سعد بن ابی وقاص کے سر جاتا ہے، یزید بن معاویہ کا اس میں کوئی حصہ نہیں، وہ اس تہمت سے بالکل بری ہیں کہ قتل حسین پر انھوں نے قاتلین کو ابھارا تھا۔'' [2]

ہاں یزید بن معاویہ اس وجہ سے مورد الزام ٹھہرائے گئے کہ انھوں نے ابن زیاد یا ان لوگوں کے بارے میں واضح معترضانہ موقف نہیں اختیار کیا جنھوں نے شہادت حسین کا آغاز کیا تھا، اسی لیے ابن تیمیہ فرماتے ہیں: لیکن انھوں نے -یزید- نے شہادت حسین پر اظہار رنج وغم کے باوجود ان کی مدد کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا، اور نہ آپ کے قاتلین کو قتل کرنے کا حکم دیا، اور نہ ہی ان سے انتقام لیا۔ [3]

ابن کثیر فرماتے ہیں: ...... لیکن انھوں نے ابن زیاد کو معزول نہیں کیا، نہ اسے سزا دیا، اور نہ کسی کے ذریعہ اسے معتوب کیا، واللہ اعلم۔ [4]

جیسا کہ یوسف العش نے شہادت حسین پر یزید کی ندامت اور آپ کے اہل خانہ کے ساتھ ان کے اکرام وتوقیر کے ذکر کے بعد لکھا ہے: لیکن انھوں نے صرف یہیں تک اپنا معاملہ موقوف رکھا، وہ ابن زیاد جس نے ان کے حکم سے سرتابی کی تھی اسے معزول کرنے کے لیے کچھ نہیں کیا، اور نہ کسی خط کے ذریعہ ہی اس کی کوئی سرزنش کیا، اور کوفہ کی منصب امارت پر انھیں باقی رکھا۔ [5]

بلاشبہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور دیگروں کے یہ اعتراضات بجا، قابل قدر نیز اپنی جگہ اہمیت کے حامل ہیں، لیکن جن حالات وظروف میں یہ حادثہ جانکاہ پیش آیا تھا، ان کے نشیب وفراز اس بات کے متقاضی ہیں کہ ہم اس رائے پر بھی بحث ومباحثہ کریں۔ چناں چہ کوفہ کی ریاست جیسا کہ معلوم ہے، اس دور میں تشیع کا مرکز تھی، اور یہ ایسی ریاست ہے کہ تاریخ کے کسی بھی دور میں اسے ثبات وقرار اور استحکام نہیں ملا، انقلابات ہوئے، فتنوں نے جنم لیا، گروہ بندیوں اور مختلف فرقوں کو بھی عروج ملتا رہا، اور جس وقت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ وہاں کے امیر تھے تو بہت قریب تھا کہ وہ حالات پر قابو نہ پاسکیں اور ریاست ہاتھوں سے نکل جائے، لیکن

---

[1] الدولة الاموية ص (٦٩)

[2] الدولة الاموية ص (١٠٣)

[3] منهاج السنة (٤/ ٥٥٨) اس حادثہ فاجعہ کے بعد لوگوں نے بغاوت کی ایسی لہر پیدا کر دی جس کو دبانا حکومت کا اولین فریضہ ٹھہرا، اس کو فرصت کہاں دی لوگوں نے کہ وہ قاتلین حسین کی خبر لے سکے؟ اس لیے اس کی بنیاد پر یزید کو مورد الزام ٹھہرانا بے بنیاد ہے۔

[4] البداية والنهاية (٩/ ٢٠٤)

[5] الدولة الاموية ص (١٧٥)

جب یزید نے ابن زیاد کو وہاں کا امیر مقرر کیا تو بہت مختصر سی مدت میں اس نے وہاں کی انقلابی تحریک کو نکیل لگا دیا، اور حالات کو قابو میں کر کے کوفہ کو مکمل طور سے اپنی گرفت میں رکھا، حتیٰ کہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد بھی، کہ جب کوفہ کے امن و امان کو مزید چیلنج لاحق ہوا اس وقت بھی اس نے وہاں کسی فتنہ کو سر اٹھانے کا موقع نہیں دیا، میرے خیال میں ایسے وقت میں شاید یزید کو ابن زیادہ جیسا دور اندیش اور سخت گیر قائد نہ ملتا، اس لیے انھوں نے ابن زیاد کو معزول کرنا مناسب نہیں سمجھا، اور پھر شیعہ روافض کے سینوں میں حکومت کے خلاف حسد و غصہ کی جو آگ بھڑک رہی تھی وہ بجھنے والی نہیں تھی، اور نہ ہی وہ خوش ہونے والے تھے خواہ ابن زیاد کو معزول کر دیا جاتا یا اسے باقی رکھا جاتا۔ پس اگر یزید بن معاویہ معزولی کی طرف قدم اٹھاتے تو اس کے نتیجہ میں حکومتی سطح پر زبردست خسارہ کا سودا کرنا پڑتا، یعنی مستقبل میں حالات مزید دھماکہ خیز ہو جاتے اور یہ حادثہ ایک بڑے انقلاب کا رخ اختیار کر لیتا جس کی زمام قیادت روافض شیعہ اور شہادت حسین پر ظاہری کف افسوس ملنے والوں کے ہاتھوں میں ہوتی، اور بالفعل تھوڑی ہی مدت کے بعد ایسا ہوا بھی جسے تاریخ ''تحریک توابین'' کے نام سے جانتی ہے۔

رہی یہ بحث کہ یزید نے قاتلین حسین کو تلاش کیوں نہیں کیا کہ ان سے بدلہ لیا جاتا؟ تو صحیح بات یہ ہے کہ جس ماحول میں اس وقت کی رعایا و حکومت سانس لے رہی تھی اس میں یہ کارروائی بہت آسان نہ تھی، اگر یزید ایسی کارروائی کی طرف قدم بڑھاتے تو قاتلین عثمان کی تلاش و گرفتاری کے بارے میں حسین رضی اللہ عنہ کے والد مکرم علی رضی اللہ عنہ کو جو مشکلات درپیش تھیں بعینہ وہی مشکلات یزید بن معاویہ کو بھی درپیش ہونے کا امکان تھا، چناں چہ اگر آپ ایک ''تحریک توابین'' کی زمام قیادت سنبھالنے والے سلیمان بن صرد کے تصرفات و کارروائی پر غور کریں گے تو یہ مسألۃ کافی حد تک آپ کے سامنے واضح ہو جائے گا، سلیمان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ قاتلین حسین کوفہ میں ہیں، اس کے باوجود اس نے انھیں چھوڑ کر ابن زیاد سے محاذ آرائی شروع کر دی۔ اور اپنے ساتھیوں سے کہا: میں نے تمھاری باتوں پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قاتلین حسین تو اشراف کوفہ اور شہسواران عرب ہی ہیں۔ اور وہی حسین رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ بھی چاہتے ہیں، پس اگر انھیں تمھارے ارادے کا علم ہو گیا اور یہ جان گئے کہ ہمیں لوگ مطلوب ہیں تو تم پر اور بھی سخت ہو جائیں گے۔ جب کہ تم میں سے جو لوگ میرے تابع ہیں جب میں نے ان کی صلاحیتیوں کا جائزہ لیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ اگر یہ لوگ باہر نکلے تو نہ قصاص لے سکتے ہیں نہ انھیں قلبی اطمینان ہو سکتا ہے، اور نہ ہی اپنے دشمن کو زخم لگا سکتے ہیں، بلکہ یہ ان دشمنان کے لیے خبرداری کا علامت بن جائیں گے۔ [1] سلیمان کی اس تقریر سے قاتلین حسین کی عدم تتبع کا

[1] الطبری (٥/ ٥٥٨، ٥٥٩) الکامل/ ابن الاثیر (٤/ ١٦٢)

سبب بہت اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر اموی حکومت کی طرف سے اس جانب کوئی کارروائی آسان نہ تھی کیوں کہ ان کے ساتھ ایسے بڑے بڑے قبائل مربوط تھے جن کا اپنا سیاسی و معاشرتی وزن اور مقام تھا اور پھر ان کی تمام ہی تگ و دو اور سیاست کا مقصد تو یہی تھا کہ پوری مملکت اسلامیہ ان کی خدمات کا فیض حاصل کرے۔ بنابریں بہت ممکن تھا کہ یہ کارروائی ملکی امن و استقرار کی چولیں ہلا دیتی، خاص طور پر عراق جیسی ریاست اس سے زیادہ ہی متاثر ہوتی۔

علاوہ ازیں یہ گوشہ بھی قابل التفات ہے کہ ملکی سطح پر مسلسل چھوٹی بڑی تحریکات و انقلابی اقدامات نے یزید کو اتنا موقع ہی نہیں دیا کہ وہ اپنے امراء ریاست کا محاسبہ کرتے، جہاں عبداللہ بن زبیر کی مخالفت روز بروز تیز تر اور بڑھتی جا رہی تھی وہیں اہل حجاز دل کے ساتھ یزید کے موید نہیں تھے، مزید برآں ملکی سطح کی خارجی مشکلات اپنی جگہ قائم تھیں، لہٰذا یہ اسباب وعوامل یزید کے لیے قطعاً اس بات کی اجازت نہیں دے رہے تھے کہ وہ اپنے ریاستی امراء و حکام یا حسین رضی اللہ عنہ کے حق میں ایسی مجرمانہ گستاخی کرنے والوں کے ساتھ کوئی سخت موقف اختیار کرتے۔

پھر ہم یہ نہ بھولیں کہ یزید حسین کو اس نگاہ سے بھی دیکھ رہے تھے کہ ان کا یہ اقدام میرے اقتدار حکومت کے خلاف بغاوت ہے، اور اگر ان کے مویدین -شیعہ- غالب آ گئے تو یزید سمیت پورے بنو امیہ کا انجام اس سے کہیں زیادہ برا ہوگا جتنا حسین کا ہوا ہے۔ شاید اس اندیشے کی زیادہ واضح تصویر خود آل بیت یعنی عباسیوں کے اس برتاؤ میں آپ کو دیکھنے کو ملے جو انھوں نے امویوں کے تئیں روا رکھا، یعنی بعد کے ایام میں انتہائی بھیانک انداز میں انھوں نے امویوں کو جس طرح بے دردی سے قتل کیا اور انھیں ذلت کی دھول چٹائی وہ ہمیں قرون وسطیٰ کے یورپ میں بربریوں کی قتل وخونریزی کو یاد دلاتا ہے۔

۹...... حسین رضی اللہ عنہ کے سر کا مدفن

دراصل عوام الناس میں حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے مدفن کے بارے میں اختلاف کی وجہ مسلم ممالک اور بستیوں میں منتشر وہ مزارات ومشاہد ہیں جو فکری اور اعتقادی زوال کے دور میں جگہ جگہ قائم ہوئے، اور سب کا یہ دعویٰ رہا کہ یہی آپ رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کا مدفن ہے۔

لیکن اگر ہم آپ رضی اللہ عنہ کے سر کے بارے میں تحقیقی نقطۂ نظر سے بحث کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ معرکہ کربلا کے اختتام ہی سے آپ کے سر کی جستجو کریں۔ چناں چہ تاریخی حوالے سے یہ بات ثابت ہے کہ جب حسین رضی اللہ عنہ کا سر ایک پلیٹ میں رکھ کر ابن زیاد کے پاس لایا گیا تو وہ اپنی ہاتھ کی چھڑی سے آپ کے سر

کوضرب لگانے لگا، انس بن مالک رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: "لقد کان اشبھھم برسول الله صلی الله علیه وسلم" یقین جانو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وشباہت کے سب سے زیادہ قریب تھے۔ [1]

اصل معاملہ کی تہ تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ ان روایتوں پر تحقیقی بحث ہو جن میں اس بات کا ذکر ہے کہ ابن زیاد نے آپ رضی اللہ عنہ کا سر یزید بن معاویہ کے پاس بھیجا تھا، چناں چہ کچھ روایتیں اس بات پر مشتمل ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کا سر یزید بن معاویہ کے پاس بھیجا گیا، اور وہ اپنے ہاتھ میں لی ہوئی چھڑی کے ذریعہ آپ رضی اللہ عنہ کے منہ کو کریدنے لگے، جسے دیکھ کر ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بھڑک اٹھے اور یزید کے اس کرتوت پر اسے ٹوک دیا۔

لیکن یہ روایت کہ جس میں یزید کے پاس آپ کے سر کے جانے کا تذکرہ ہے اور اس انداز میں یزید کے برتاؤ کا بیان ہے بالکل ہی ضعیف ہے۔ [2]

---

[1] صحیح البخاری مع الفتح (۷/ ۱۱۹) مسند احمد (۳/ ۱٦۱) الفتح الربانی (۲۳/ ۱۷٦) سنن ترمذی المناقب، هذا حدیث حسن صحیح غریب۔ مسند ابی عوانه (٤/ ۱۰۸) مسند ابی یعلی (۲/ ۱٤۲) زوائد البزار، هیثمی (۳/ ۲۳٤) المعجم الکبیر (۳/ ۱۳٥) انساب الاشراف ۳۲۲، ۲۲۳) موارد الظمان (۲۲٤۳) سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو چھڑی سے ضرب لگانے کی بات صحیح نہیں ہے صحیح بخاری کے الفاظ ہیں فجعل ینکت (وہ لکڑی سے زمین کریدنے لگا) ینکت کا معنی غم وسوچ میں انگلی یا لکڑی سے زمین کو کریدنا ہوتا ہے یہ اہل عرب کا معمول تھا اور حدیث میں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ دیکھئے النهایة فی غریب الحدیث والاثره (٥/ ۱۱۳) و لسان العرب (۲/ ۱۰۰) نیز دیکھئے: صحیح البخاری (٦۲۱۷) "کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازه فجعل ینکت الارض بعود" چناں چہ علامہ عینی بخاری کی روایت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے سلسلے میں جو وارد ہے اس کی شرح میں فرماتے ہیں: "قوله: (فجعل ینکت) ای جعل عبید الله بن زیاد ینکت ای یضرب بقضیب علی الارض فیوثر فیها" (عبید اللہ بن زیاد چھڑی سے زمین کریدنے لگا) عمدة القاری (۱٦/ ۲٤۱) یعنی عبید اللہ بن زیاد حسین رضی اللہ عنہ کا سر دیکھ کر غم میں ڈوب گیا اور اپنی چھڑی سے زمین کریدنے لگا اور پھر آپ کے چہرے کی طرف اشارہ کرکے آپ کے حسن کی تعریف کرنے لگا جس پر انس رضی اللہ عنہ نے شہادت دی کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔ کریدنا زمین کے ساتھ تھا اور اشارہ سر کی طرف تھا لیکن راویوں نے اس اشارہ کو بیان کرتے وقت کسی نے آنکھ، کسی نے ناک، کسی نے دانت، کسی نے ہونٹ کا ذکر کیا ہے۔ یہ اختلاف بتلاتا ہے کہ کریدنے کا عمل زمین کے ساتھ تھا اور اشارہ سر کی طرف تھا لیکن راویوں نے اپنے اپنے اندازے کے مطابق اعضاء کا ذکر کیا۔ یہاں مارنے اور تحقیر وتذلیل کا معاملہ نہیں تھا چناں چہ اشارہ کی صراحت بعض روایتوں میں وارد ہے سنن ترمذی کے الفاظ ہیں: فجعل یعقول بقضیب فی أنفه و قال ما رایت مثل هذا حسنا (۳۷۷۸) (یعنی وہ آپ کی ناک کی طرف لکڑی کے اشارہ سے کہنے لگا اور کہا میں نے ایسا حسین نہیں دیکھا) علامہ مبارک پوری اس کی شرح میں فرماتے ہیں: فجعل یقول: ای فجعل عبید الله بن زیاد یشیر بقضیب (تحفة الاحوذی ۱۰/ ۱۹۲) یعنی عبید اللہ آپ کی ناک کی طرف لکڑی کے اشارہ سے کچھ کہنے لگا۔ اور پھر ترمذی کی یہ روایت اور اسی طرح صحیح ابن حبان کی روایت (۱۵/۴۲۹) میں صراحت موجود ہے کہ ابن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ کے حسن و جمال کی تعریف فرمائی کسی طرح کی گستاخی آپ کی شان میں نہیں کی تھی اسی لیے انس رضی اللہ عنہ نے آپ کے حسن و جمال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ قرار دے کر ابن زیاد کی تائید فرمائی تھی۔ (ش)

[2] المعجم الکبیر، طبرانی (۳/ ۱۰٤) مجمع الزوائد میں ہے کہ "رجاله ثقات" لیکن میری تحقیق میں روایت منطقع ⇦⇦⇦

غالب گمان ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ انھیں اسناد کے پیش نظر اس بات کا انکار کیا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سرمبارک یزید کے پاس پہنچا ہو۔ دراصل اس روایت کے ضعیف اور غیر معتبر ہونے پر شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا اس بات سے استدلال تھا کہ یزید کے ہاتھوں چھڑی سے کریدتے وقت جن اصحاب رسول کی موجودگی کا تذکرہ اس روایت میں ہے وہ اس وقت شام میں تھے ہی نہیں، بلکہ وہ سب عراق میں تھے۔ ❶

ہم بھی اس روایت کے متن کی تنقید میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے موقف و استدلال کی تائید میں ہیں، بلکہ مزید اس روایت کے متن کے بطلان پر ہماری ایک دلیل یہ ہے کہ یہ ان صحیح ترین روایتوں کے یکسر خلاف ہے، جن میں یزید کے ہاتھوں آل حسین کی تکریم اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا تذکرہ ہے۔ اور یہ کہ شہادت حسین کی خبر سن کر وہ رونے لگے، اور شدید تکلیف سے دوچار ہوئے۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ لکھتے ہیں: حسین رضی اللہ عنہ کا سر ابن زیاد کے پاس لایا گیا، اور اسی نے اپنی چھڑی سے آپ کے سر پر ٹھوکریں ماری تھیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ ❷ رہی یہ بات کہ وہ سرمبارک یزید کے پاس لے جایا گیا تو یہ بات یکسر باطل ہے اور اس کی سند منقطع ہے۔ ❸

⇦⇦⇦ ہے کیوں کہ اس واقعہ کے راوی لیث بن سعد اور اس حادثہ جانکاہ کے درمیان ایک طویل مدتی فاصلہ ہے۔ الطبری (۴۶۵/۵) عن ابی مخنف۔ اس کی سند میں بھی ایک ضعیف اور رافضی راوی ہے جس کا نام ابوحمزہ الثمالی ثابت بن ابوصفیہ ہے، ابوصفیہ کا نام دینار ہے اور ایک روایت کے مطابق سعید ہے جو کہ کوفی ہے۔ التقریب (۱۳۲) اس کے بارے میں ابن حبان کہتے ہیں یہ کثیر الوہم ہے جب یہ منفرد ہو تو اس کی روایت سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی ہے اس پر مزید غالی درجہ کا شیعہ ہے۔ المجروحین (۱/ ۲۶۹) الامالی الخمسیة/ ابن الشجری (۱/ ۱۷۸) بسند طبرانی عن لیث۔ المحن (۱۵۸) اس کی سند میں حرام بن عثمان الانصاری ہے، جس سے روایت کو محدثین نے حرام ٹھہرایا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں: انتہائی متعصب شیعہ تھا، سندوں میں ہیرا پھیری کرتا تھا اور مرسل روایتوں کو مرفوع بناتا تھا۔ المجروحین (۱/ ۲۶۹) میزان الاعتدال (۱/ ٤٦٨) ابن کثیر (۹/ ۱۹٤) دو سندوں سے اور دونوں سندیں بروایت ابن ابی الدنیا ہیں۔ پہلی سند میں خالد بن یزید بن اسد البجلی القشری ہے جس کے بارے میں ابن عدی کہتے ہیں: اس کی تمام احادیث متابعت سے خالی ہیں سند و متن دونوں اعتبار سے اور میرے نزدیک یہ ضعیف ہے۔ الکامل فی الضعفاء (۲/ ۸۸۷، ۸۸۸) اور دوسری سند میں مسلم بن شبیب ہے جس کی سوانح نامعلوم ہے، جب کہ سالم بن ابوحفص کے بارے میں ابن حجر کہتے ہیں: حدیث میں صدوق ہے لیکن غالی درجہ کا شیعی ہے۔ التقریب (۲۲٦)

❶ منهاج السنة (٤/ ٥٥٧)

❷ منهاج السنة (٨/ ١٤١) اس کی وضاحت آچکی ہے کہ ابن زیاد نے چہرہ پر مارا نہیں تھا بلکہ غم سے نڈھال ہو کر زمین کریدنے لگا تھا اور آپ کے چہرہ کی طرف اشارہ کر کے آپ کے حسن کی تعریف کی تھی چناں چہ صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ پڑھیے: اتی عبد الله بن زیاد برأس الحسین بن علی علیه السلام فجعل فی طمست فجعل ینکت و قال فی حسنه شیئا فقال انس کان اشبهم برسول الله ﷺ (البخاری ٣٧٤٨) عبداللہ بن زیاد کے پاس حسین رضی اللہ عنہ کا سر لا کر ایک تھالی میں رکھا گیا تو وہ زمین کریدنے لگے اور آپ کے حسن کی تعریف کی تو انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔ (ش)

❸ منهاج السنة (٨/ ١٤٢) رأس الحسین (١٨٠)

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام کی نگاہ میں اس روایت کی سند کے عدم ثبوت کو تقویت حصین بن عبدالرحمٰن السلمی کی اس روایت سے ملی جس میں حصین کا بیان ہے: کہ مجھ سے یزید بن معاویہ کے ایک غلام نے بیان کیا کہ جب یزید کے سامنے حسین رضی اللہ عنہ کا سر رکھا گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ رونے لگے، اور کہا: ابن مرجانہ پر لعنت ہو، اللہ اس کے ساتھ ایسا ہی کرے، اگر اس کے اور ان ۔حسین رضی اللہ عنہ ۔ کے ساتھ اس کی قرابت ہوتی تو وہ ایسا نہ کرتا۔ اس روایت کو بلاذری، ❶ طبری ❷ اور جوزقانی ❸ نے نقل کیا ہے۔

اول الذکر مختلف فیہ وضعیف ترین روایت کے مقابلہ میں جب ہم اس روایت کے متن کو دیکھتے ہیں تو ابناء حسین کے ساتھ یزید کے حسن تعامل اور شہادت حسین پر ان کی ندامت وافسوس والی ثابت شدہ روایت کے بالکل موافق پاتے ہیں۔ البتہ اس روایت کی اسناد میں ایک مبہم راوی ہے جس کی وجہ سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس روایت کی صحت کا انکار کیا، اور کہا کہ "فی اسنادہ مجھول" ❹ لیکن انساب الاشراف میں اسنادی اعتبار سے درجہ حسن کو پہنچنے والی ایک روایت میں اس بات کا خلاصہ ہے کہ ابن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک یزید بن معاویہ تک پہنچایا تھا، ❺ علاوہ ازیں ایک روایت طبری ❻ نے نقل کی ہے جس میں اگرچہ کچھ ضعف ہے لیکن اس سے بلاذری کی مذکورہ روایت کو تقویت ملتی ہے مزید برآں دیگر تاریخی وحدیثی روایتیں بھی اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کا سر مبارک یزید تک پہنچایا گیا تھا۔ ❼

مختصر اینکہ بلاذری، طبری، اور جوزقانی سے منقول حصین بن عبدالرحمٰن والی روایت پر نظر ثانی کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں بلاذری نے جس مبہم راوی کا ذکر کیا ہے وہ یزید بن معاویہ کا غلام ہے۔ جب کہ طبری اور جوزقانی نے یہ صراحت کی ہے کہ وہ یزید کا نہیں بلکہ معاویہ بن ابوسفیان کا غلام تھا۔ بہرحال وہ معاویہ کا غلام رہا ہو یا یزید کا اس سے صحت روایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور اسی وجہ سے میرا رجحان اس بات کی طرف غالب رہا کہ اس سے مراد قاسم بن عبدالرحمٰن الدمشقی ہیں جو کہ یزید بن معاویہ کے غلام تھے۔ اور

❶ انساب الاشراف (۳/ ۲۲٦) حصین بن عبدالرحمن تك بسند صحیح۔

❷ الامم والملوك (٥/ ۳۹۳) حصین تک دوسندوں کے ذریعہ، ان میں ایک بلاذری کی سند ہے۔

❸ الاباطیل والمناکیر (۱/ ۱٦٥) حصین بن عبدالرحمن تك بسند صحیح۔

❹ منهاج السنة (٤/ ٥٥٧)

❺ انساب الاشراف (۳/ ۲۲۰) باسناد حسن، ولید بن رباح تك۔

❻ المعجم الکبیر (۳/ ۱۱٥) ہیثمی نے (۹/۱۹۳) میں کہا کہ یہ اس کے رجال ثقہ ہیں، البتہ ضحاک واقعہ میں شریک نہ تھے۔

❼ الطبرانی (۳/ ۱۱٦) هیثمی (۹/ ۱۹۸، ۱۹۹) پر لکھتے ہیں کہ اس میں محمد بن حسن بن زبالہ نامی ضعیف راوی ہے۔ نیز دیکھئے: ابن عساکر جلد نمبر ٤، سوانح عبدالحمید بن حبیب عبدالله بن عبدالله ص (۲۲۲) بسند ابن زباله۔ انساب الاشراف (۳/ ۲۱۸) بسند عوانه ۔ الکنی/ حاکم بسند ضعیف۔

اسنادی حیثیت سے ''صدوق'' [1] ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ابومخنف نے معمولی اختلاف کے ساتھ بعینہ یہی روایت نقل کی ہے، جیسا کہ ابومخنف کا کہنا ہے کہ ''حدثنی صقعب بن زهير [2] عن القاسم بن عبد الرحمن مولى يزيد بن معاويه'' یعنی مجھ سے صقعب بن زہیر نے یزید بن معاویہ کے غلام قاسم بن عبدالرحمٰن سے بیان کیا کہ جب شہداء کربلا کے سروں کے درمیان حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کا سرمبارک یزید کے سامنے رکھا گیا تو یزید نے کہا:

نُفلّقن هاما من رجال أعزة
علينا و هم كانوا اعق و اظلما

''ہماری تلواریں اپنے ہی پیاروں کے سر اڑا دیتی ہیں، وہ بھی تو بڑے نافرمان اور بڑے ظالم تھے۔''

اے حسین! اللہ کی قسم اگر میں تمھارا مصاحب ہوتا تو تمھیں قتل نہ کرتا۔ [3] پس یہ روایت شہادت حسین کے بارے میں یزید کے پُرتاسف وغمناک موقف پر مشتمل صحیح ترین روایات کے بالکل موافق ثابت ہوتی ہے اور یہیں سے یہ بات کافی بعید از قیاس ہو جاتی ہے کہ ابومخنف نے اس روایت میں کوئی تحریف کیا ہوگا یا اس میں کمی وبیشی کی ہوگی۔

چناں چہ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ غلام سے مراد قاسم بن عبدالرحمٰن دمشقی ہیں تو طبری، بلاذری اور جوزقانی کی روایت اسنادی حیثیت سے درجہ حسن تک پہنچ گئی، اور اگر اس پر مستزاد سابقہ روایات کا اضافہ کر دیا جائے تو ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہ ہوگا کہ حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو یزید کے پاس لے جایا گیا تھا، اور شاید انھیں روایتوں کی بنا پر حسین رضی اللہ عنہ کے سرمبارک کے بارے میں ابن کثیر نے آخر میں اپنی رائے بدل دی تھی، جب کہ ابتدا میں وہ بھی شیخ الاسلام کی رائے سے اتفاق کرتے تھے۔ چناں چہ لکھتے ہیں: صحیح بات یہ ہے کہ ابن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ کا سر ملک شام بھیجا ہی نہیں تھا۔ [4] پھر اسی کے برخلاف دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''حسین رضی اللہ عنہ کے سرمبارک کو شام بھیجنے کے بارے میں علماء کی دو مختلف رائیں ہیں، دونوں میں زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس نے آپ رضی اللہ عنہ کے سرمبارک کو یزید کے پاس بھیجا تھا، کیوں کہ اس سلسلے میں بہت ساری روایتیں وارد ہیں۔'' واللہ اعلم [5]

---

[1] التقريب (٤٥٠)
[2] صقعب بن زہیر سے ان کا بھانجا لوط بن یحییٰ (ابومخنف) روایت کرتا ہے۔ اور صعقب ثقہ ہیں۔ التقریب (٢٧٧)
[3] الطبرى (٥/ ٤٦٠)
[4] ابن كثير (٩/ ١٩٧)
[5] ابن كثير (٩/ ١٩٤) عقد الجمال/ العينى ق ٢٨٣ الف۔

علامہ ذہبی کا بھی یہی رجحان ہے۔ [1]

بہرحال جب دلائل سے اس موقف کی تائید و رجحان حاصل ہوا کہ حقیقت میں ابن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ کا سر یزید کے پاس بھیجا ہی تھا، اور وہ سر دمشق تک لے جایا گیا، تو اس سے آگے کا سلسلہ یعنی سر کے مدفن کا موضوع ہمیں کافی اختلاف اور پیچیدگیوں میں الجھا ہوا نظر آتا ہے، چناں چہ اس سلسلے میں چھ شہروں یعنی (۱) دمشق، (۲) رِقہ، (۳) عسقلان، (۴) قاہرہ، (۵) کربلا اور (۶) مدینہ کا نام ملتا ہے۔ پس انتہائی تحقیق و باریک بینی پر مبنی آپ کے سر کے مدفن کی بالتحدید نشاندہی کے لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موضوع سے متعلق ان تمام شہروں پر مختصر گفتگو کرتے چلیں اور جو روایتیں ان شہروں میں آپ کے سر کے مدفن کا ثبوت دیتی ہیں انھیں بحث و تحقیق کی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے آپ کے سر مبارک کے مدفن کی تحدید کی جائے۔

دمشق:

امام بیہقی نے ''المحاسن والمساوی'' میں لکھا ہے: کہ یزید نے سر دھلنے کا حکم دیا، اور اسے ایک ریشم کے کپڑے میں رکھا، پھر اس پر ایک خیمہ نصب کر کے پچاس محافظوں کو اس کی نگرانی پر لگا دیا۔ [2]

ابن کثیر فرماتے ہیں: ابن ابی الدنیا نے بسند عثمان بن عبدالرحمٰن عن محمد بن عمر بن صالح - جب کہ یہ دونوں ضعیف ہیں- ذکر کیا ہے کہ سر یزید کی وفات تک ان کے محافظ خانہ میں محفوظ رہا، ان کی وفات کے بعد اسے وہاں سے نکالا گیا، اور شہر دمشق کے باب الفرادیس میں اس کی تکفین و تدفین عمل میں آئی۔ آج یہ جگہ باب الفرادیس کے اندر مسجد الرأس یعنی سر والی مسجد کے نام سے جانی جاتی ہے۔ [3]

متاخرین میں سے نعیمی نے دمشق کی مساجد کے تذکرہ میں مسجد راس کا بھی ذکر کیا ہے، جس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ اس میں حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک مدفون ہے۔ [4]

جب کہ ابن عساکر نے اپنی سند سے یزید بن معاویہ کی دایہ ''ریا'' سے روایت کیا ہے: کہ اموی خلیفہ

---

[1] تاریخ الاسلام (۶۱-۸۱) ص (۱۰۶) ابومخنف جیسے کذاب کی روایت پر اعتماد کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ روایات کی تصحیح کا اگر یہی طریقہ اختیار کرلیا جائے تو پھر کوئی روایت ضیف نہ بچے گی لہٰذا صحیح بات وہی ہے جس کی صراحت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کی ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر یزید کے پاس نہیں لایا گیا اور لانے کا کوئی تک نہیں تھا شہادت حسین رضی اللہ عنہ سے ابن زیاد خود حیران و غمگین تھا، آخر پھر وہ یزید کے پاس کیسے بھیجے گا؟ اور کیوں بھیجے گا؟ یہ سب روافض اور سبائیوں کی کارستانیاں ہیں جس سے ذہبی جیسے لوگ بھی چکر کھا گئے۔ (ش)

[2] المحاسن والمساوی ص (۸٤) بلااسناد۔

[3] البداية والنهاية (۹/ ۲۰۵) ابن الجوزی نے بعینہ اسی سند سے الرد علی المتعصب العنید ق ۱۷ب میں اسے لکھا ہے، اور کہا ہے کہ عثمان اور محمد محدثین کے یہاں "لیس بشی" یعنی غیر معتبر ھیں۔ ق ۱۸أ

[4] الدارس فی تاریخ المدارس (۲/ ۳۳۰)

سلیمان کے اقتدار میں آنے کے وقت تک سر یزید کے اسلحہ خانہ میں رکھا ہوا تھا، جب سلیمان خلیفہ ہوئے تو اسے نکال کر لایا گیا جس میں صرف ہڈیاں رہ گئی تھیں، سلیمان نے اسے صاف ستھرا کیا اور تکفین کر دیا، لیکن جب مُسوَّدہ [1] یعنی عباسیوں کی فوج وہاں پہنچی تو اس نے پہلے حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کے بارے میں دریافت کیا، اور اسے زمین سے کھود نکالا، پھر اللہ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ انھوں نے اس کے ساتھ کیا کیا۔ [2]

امام ذہبی نے اس واقعہ پر یہ نوٹ لکھا ہے: "ھی قویة الاسناد" [3] یعنی اس کی سند قوی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذہبی آخری وقت تک اس واقعہ کی سند کی تقویت کے قائل رہے، جیسا کہ ابن ایبک الصفوی کے شاگرد نے ان سے نقل کیا ہے۔ [4] لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب ہم اس قصہ کی اسنادی حیثیت دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ابن عساکر نے اسے یزید کی دایہ "ریا" کی سوانح حیات کے ضمن میں لکھا ہے، اور صرف ایک ہی سند پر کل اعتماد کر لیا ہے جو یوں ہے: "احمد بن محمد بن حمزہ الحضرمی عن ابیہ عن جدہ عن ابی حمزہ بن یزید الحضرمی" [5] جب کہ ابن عساکر کی یہ سند ضعیف ہے، مجھے حیرت ہے کہ امام ذہبی نے کس وجہ سے اس روایت پر اعتماد کر لیا اور اس کی تقویت کو سراہا، حالاں کہ آپ خود اس راوی کو ضعیف بھی ٹھہراتے ہیں۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ احمد بن محمد بن یحییٰ بن حمزہ الحضرمی البتلہی نامی یہ راوی ضعیف ہے۔

حافظ ابن حبان رحمہ اللہ اس کے والد محمد بن یحییٰ کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ''بذات خود تو ثقہ ہیں، لیکن ان سے جب احمد بن محمد بن یحییٰ بن حمزہ اور اس کا بھائی عبید روایت کرے تو "یُتقی حدیثه ، فانما یدخلان علیه کل شی" ان کی حدیث سے بچا جائے کیوں کہ وہ دونوں ان کی طرف ہر چیز جوڑ دیتے ہیں۔'' [6]

چوں کہ یہ قصہ ان کے بیٹے احمد سے مروی ہے اس لیے اس سے بچنا اور اسے چھوڑنا ضروری ہے۔ امام

---

[1] امویوں کے خلاف انقلابی بغاوت میں عباسیوں نے یہی شعار بلند کیا تھا۔ اور اپنی فوج کو یہی نام دیا تھا۔

[2] ابن عساکر، تراجم النساء ص (۱۰۱، ۳۳۰) الامالی الخمسية/ ابن الشجری (۱/ ۱۷۵-۱۷۶) بسند احمدبن یحییٰ بن حمزہ الخضری، ابن عساکر میں بعینہ یہی سند ہے۔ تھذیب التھذیب (۲/ ۳۰۸) میں بھی بعینہ اسی سند سے منقول ہے۔

[3] سیر اعلام النبلاء (۳/ ۳۹۱) تاریخ الاسلام حوادث سنه ٦١-٨٠ ص (۱۰۷)

[4] خلال بن ایبك الصفوی، تمام المنون فی شرح رسالة ابن زیدون ص (۲۰۵)

[5] ابن عساکر ترجمة النساء ص (۱۰۱)

[6] ثقات ابن حبان (۹/ ۷٤) نیز ملاحظه ہو المجروحین (۱/ ۷۷)

ذہبی ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ''لہ مناکیر'' ان کی منکر روایتیں ہیں، جب کہ امام حاکم فرماتے ہیں ''فیه نظر'' (اس پر کلام ہے)❶

علاوہ ازیں ابن یزید الحضرمی یعنی ان کے باپ کے دادا ایسے راوی ہیں جن کی سوانح مجھے کسی کتاب میں نہیں ملی۔ پس اس واقعہ کی اسنادی حیثیت آپ کے سامنے ہے، جب کہ متن کے اعتبار سے اس میں جھوٹ صاف طور سے نظر آ رہا ہے۔ نیز سیاق واقعہ میں نکارت بھی ظاہر ہے، کیوں کہ یہ ان تمام ترصحیح روایات کے یکسر خلاف ہے جس میں ابناء حسین اور ان کے خاندان کے ساتھ یزید کے حسن سلوک کا تذکرہ ہے۔ اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ موضوع قصہ میں رافضی رجحان بالکل عیاں ہے، بایں طور کہ روایت میں مزید یہ تذکرہ ہے کہ اس وقت جب یزید کے پاس اصحاب رسول ﷺ میں سے ایک صاحب آئے تو یزید سے وہ یوں ہمکلام ہوئے: اللہ نے تمھیں اپنے دشمن پر غلبہ دیا، اور تمھارے باپ کے دشمن پر بھی، لہٰذا اس لڑکے یعنی علی بن حسین کا سر قلم کردو، تاکہ اس خانوادے کی جڑ ہی ختم ہو جائے۔❷

خلاصہ کلام یہ ہے اس قصہ کی راویہ یعنی ''ریا'' کو ابن عساکر نے ذکر کیا، لیکن اس کے بارے میں کوئی جرح اور تعدیل نہیں کیا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ مجہول الحال راویہ ہے، اور اسی بنا پر ابن عساکر کی یہ روایت جس کو ذہبی نے قوی کہا ہے ساقط الاعتبار ہے، کسی بھی صورت میں یہ قابل استدلال نہیں ہوسکتی۔

امام ذہبی نے اپنی سند سے ابوکریب سے روایت کیا ہے کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے دمشق میں ولید بن یزید کے خلاف آواز بغاوت بلند کیا تھا، میں نے اس حملہ میں ایک ٹوکری پائی اور اپنے دل میں کہنے لگا، بس اب اسی میں میری ضرورت پوری ہو جائے گی، چناں چہ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور باب ''توما'' سے نکل کھڑا ہوا، جب اسے کھولا تو اس میں ایک سر رکھا ہوا تھا، جس پر تحریر تھا کہ یہ حسین بن علی کا سر ہے۔ پھر میں نے اپنی تلوار سے گڈھا کھودا اور اس میں اسے دفن کر دیا۔❸ یہ روایت بے حد ضعیف ہے اور اس حکایت کی سند میں ایسے راوی ہیں جن کی سوانح حیات مجھے کہیں نہ مل سکی، اور محقق کتاب نے اس واقعہ پر یہ نوٹ لکھا ہے: ''لا یصح ، فيه من لا يُعرف'' یہ روایت صحیح نہیں اور اس میں ایسے راوی ہیں جن کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔

---

❶ میزان الاعتدال (٤/ ١٥١) اور ابن عراق نے تنزیه الشریعة (١/ ٤) پر متهم بالوضع رواة کی فہرست میں اس کو رکھا ہے۔ لسان المیزان (١/ ٢٩٥)، الانساب / السمعانی (٤/ ١٨١)

❷ ابن عساکر، ترجمة النساء ص (١٠٢)

❸ سیر اعلام النبلاء (٣/ ٣١٦) سمط النجوم العوالی / العصامی (٣/ ٨٦) بسند ذهبی۔

بہرحال متن اور اسناد کی حیثیت سے اس روایت کی خامی اپنی جگہ، اس پر مستزاد ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو اپنے اسلحہ خانے میں چھپانے سے یزید کو فائدہ ہی کیا ملنے والا تھا کہ اسے تسلیم کر لیا جائے؟

کربلاء:

فرقہ امامیہ کے علاوہ کوئی بھی مورخ یا محقق اس بات کا قائل نہیں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا سر کربلاء میں مدفون ہے۔ امامیہ کا کہنا ہے کہ شہادت حسین کے چالیس دن بعد آپ کا سر کربلاء میں واپس لوٹا دیا گیا تھا، اور آپ رضی اللہ عنہ کے جسد خاکی کے بغل میں دفن کر دیا گیا تھا۔ [1] پھر یہ تدفین جس دن عمل میں آئی تھی وہ ان کے یہاں معروف ہے جس میں زیارت کرنے کو "زیارۃ الاربعین" کہتے ہیں۔ [2] اس روایت کے غیر معتبر ہونے کے لیے بس یہی کافی ہے کہ اس کے ناقل صرف شیعہ امامیہ ہیں۔ کہیں اور سے اس کی توثیق نہیں ہوتی۔ حالاں کہ ابونعیم (فضل بن دکین) ایسے تمام لوگوں کی تردید کی ہے جن کا یہ گمان ہے کہ وہ حسین رضی اللہ عنہ کی قبر سے واقف ہے۔ چہ جائیکہ وہ آپ کے سر کا مدفن بتائے۔ [3] جب کہ ابن جریر وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی جگہ کے نشانات مٹا دیئے گئے ہیں حتی کہ کسی کو اس کی معین جگہ معلوم نہیں۔ [4]

رقہ:

سبط بن الجوزی اس روایت کو بیان کرنے میں منفرد ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک 'رقہ' میں مدفون ہے۔ چناں چہ ان کا بیان ہے کہ دریائے فرات کے ساحل پر مسجد "رقہ" میں آپ کا سر مدفون ہے۔ جب اسے یزید بن معاویہ کے سامنے لایا گیا تو انھوں نے کہا میں اسے آل ابی معیط کے پاس ضرور بھیجوں گا عثمان رضی اللہ عنہ کے سر کے بدلے۔ وہ لوگ اس وقت رقہ میں تھے، چناں چہ انھوں نے اسے اپنے کسی گھر میں دفن کر دیا، پھر وہ گھر جامع مسجد میں شامل کر لیا گیا، وہ وہاں ایک چہار دیواری کے قریب میں ہے۔ [5] اس روایت کی صحت بعید از قیاس ہے، کیوں کہ یہ روایت سنداً ثابت نہیں، اور نہ ہی ہمیں یہ معلوم ہے کہ سبط بن الجوزی نے یہ

---

[1] التذکرۃ / القرطبی (۲/ ۲۹۵) نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار۔ مومن بن حسن الشبلنجی ص (۱۲۱) مشاهد الصفا فی لموفونین بمصر من آل المصطفی/ مصطفی الصفوی ق ۱۰ ، الحسین بن علی سید اهل الجنة/ حسین محمد یوسف ص (۱٤٥)

[2] التذکرہ (۲/ ۲۵۵)

[3] تاریخ بغداد (۱/ ۱٤۳) ابن عساکر ترجمة الحسین (۲۷٦) البدایة والنهایة / (۹/ ۲۰۵) تاریخ الاسلام حوادث من ٦۱-۸۰

[4] ابن کثیر (۹/ ۲۰۵)

[5] شخصیات اسلامیة/ عقاد (۳/ ۲۹۸)

رائے لکھتے ہوئے کس پر اعتماد کیا ہے۔ مزید برآں سبط بن الجوزی واقعہ کے بہت بعد میں پیدا ہوئے اور ان کی وفات ۶۵۴ھ میں ہوئی، علاوہ ازیں اس روایت کی نکارت بالکل واضح ہے کیوں کہ یہ ان صحیح ترین روایتوں کے خلاف ہے جن میں یہ بات ثابت ہے کہ یزید نے خانوادہ حسین کے ساتھ انتہائی حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہادت حسین رضی اللہ عنہ پر رنج والم کا اظہار کیا تھا۔ بہر حال روایت تو جیسی بھی ہو اس سے قطع نظر خود سبط بن الجوزی کے بارے میں ذہبی کا بیان ہے کہ میں نے اس کی تصنیفات دیکھی ہیں جو اس کے تشیع پر دلالت کرتی ہیں۔ [1]

عسقلان:

شبلنجی کا بیان ہے کہ ایک گروہ کے خیال میں یزید نے حکم دیا کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک شہروں میں گھمایا جائے، چناں چہ اسے گھمایا گیا یہاں تک کہ جب وہ عسقلان پہنچا تو وہاں کے امیر نے اسے وہاں دفن کر دیا۔ [2] غالباً شبلنجی تنہا ایسا راوی ہے جس نے مذکورہ انداز میں سر مبارک کو عسقلان پہنچنے کی بات کہی ہے جب کہ دیگر لوگوں نے مذکورہ انداز کو ذکر کیے بغیر صرف عسقلان میں سر کے وجود کا تذکرہ کیا ہے۔ [3] بہر حال تحقیق کی کسوٹی پر شبلنجی کی روایت منکر اور بعید از تصور ہے۔

مزید برآں یہ ان صحیح ترین روایتوں کے بالکل خلاف ہے جن میں خانوادہ حسین کے ساتھ یزید کے حسن سلوک کا ذکر موجود ہے۔ پس یہ روایت ایک ایسا تصور پیش کر رہی ہے جو اس وقت کے مسلمانوں کے دینی مزاج وصورت حال سے بالکل بعید تر ہے۔ بھلا یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے کہ یزید نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے ساتھ ایسا قبیح برتاؤ کرے یعنی اسے شہروں میں گھمائے اور سارے کے سارے مسلمان اس گھناؤنے کردار پر ناراض نہ ہوں؟ اور پھر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے سر مبارک کو عسقلان میں دفن کرنے کا مقصد کیا تھا؟ وہ علاقہ تو اس وقت اسلامی سلطنت کا سرحدی خطہ ہوا کرتا تھا جہاں سرحدی محافظین قیام کرتے تھے؟ پس اگر ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے سر مبارک کے نشان کو مٹا دیا جائے تو عسقلان میں چھپانے سے زیادہ اظہار کا سبب موجود تھا، کیوں کہ اللہ کے راستے کے مجاہد یعنی سرحدی محافظین کی بکثرت وہاں آمد و رفت رہتی تھی اور اگر یہ مان لیا جائے کہ اس علاقے کی برکت کی وجہ سے ایسا کیا گیا تو سوال یہ پیدا

---

[1] سیر اعلام النبلاء (۳۲/ ۲۹۷)

[2] نور الابصار ص (۱۲۱) مشاهد الصفا/ مصطفی صفوی ق ۸

[3] تاریخ میارفین/ الفارقی ص (۷۰) مآثر الانافة، السائح الهروی القلقشندی ص (۱۱۹) المختصر فی اخبار البشر (۱/ ۱۹) الخطط المقریزی (۲/ ۱۸۳)

ہوتا ہے کہ ایک ایسے شخص کے بارے میں یہ کیوں کر تصور کیا جاسکتا ہے جسے حسین رضی اللہ عنہ کا سخت ترین دشمن، اور ان کے خون کا پیاسا سمجھا جاتا ہو۔ ❶ اس طرح عقلاً وعملاً ہر اعتبار سے یہ بات بعید تر ہی نہیں ناممکن ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر عسقلان میں دفن کیا گیا ہو۔ اسی لیے محققین کی ایک بڑی تعداد اسے ماننے سے انکار کرتی ہے، چناں چہ قرطبی کہتے ہیں: عسقلان کے بارے میں جو یہ چرچا ہے بالکل باطل ہے۔ ❷ شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی عسقلان میں سر مبارک ہونے کے منکر ہیں۔ ❸ اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ بھی اس سلسلے میں آپ کے موید ہیں۔ ❹

قاہرہ:

ایسا لگتا ہے کہ عبیدی (فاطمی) شیعوں نے اس سلسلے میں جو ڈراما رچا وہ بیشتر لوگوں کے یہاں رواج پا گیا۔ چناں چہ اس ملمع سازی کی تفصیل یہ ہے کہ ۵۴۹ھ میں جب صلیبیوں نے عسقلان پر قبضہ کرنے کا عزم کیا تو صالح طلائع بن زریک نامی فاطمی وزیر پا پیادہ اپنے لشکر کے ساتھ صالحیہ کی طرف نکل پڑا، وہاں سے سر لے کر اسے ہرے رنگ کے ایک ریشمی تھیلے میں رکھا، اور پھر اسے ایک ساج کی کرسی پر رکھ دیا جس کے نیچے مشک وعنبر اور دیگر خوشبوئیں بچھا دیں۔ پھر اسے ''خان الخلیلی'' کے قریب حسینی مزار میں آپ کی طرف منسوب ومعروف قبر میں دفن کر دیا، یہ جمادی الاخری ۵۴۹ھ میں اک شنبہ کا دن تھا۔ ❺

جب کہ الفارقی کے بقول: فاطمی خلیفہ نے خود سر وہاں سے منتقل کیا۔ ❻ حالاں کہ الشبلنجی کی تحقیق میں وزیر صالح طلائع نے استعماری فرنگ سے اسے اس وقت حاصل کرنے میں کامیابی پائی جب کہ عسقلان پر ان کا تسلط تھا، اس وزیر نے سر کے بدلے کافی خطیر رقم انھیں فدیہ میں دی تھی۔ ❼

واضح رہے کہ بعض مورخین نے یہ بات درجہ یقین تک پہنچانے کی کوشش کی ہے کہ حقیقت میں آپ کا سر عسقلان سے مصر منتقل کیا گیا تھا، اور یہ کہ مصر کا حسینی مزار ہی حقیقت میں آپ رضی اللہ عنہ کے سر کا مدفن ہے۔

تعجب ہوتا ہے قلقشندی جیسے مورخ پر کہ انھوں نے درج ذیل واقعہ سے مصر میں آپ کے سر کے مدفن

---

❶ رأس الحسين / ابن تيمية (١٨٣٢١٨٢) ❷ التذكره (٢/ ٢٩٥)

❸ تفسير سورة الاخلاص / ابن تيمية (٣٦٤) ❹ البداية والنهاية (٩/ ٢٠٥)

❺ المقريزى (١/ ٤٢٧) اتعاظ الحنفاء (٣/ ٤٢٢) بدائع الزهور/ ابن اياس (١/ ٢٢٧) العقد الثمين/ الفاسى (٤/ ٢٠٣) الكواكب السيارة / ابن الزيات ص (١٦٤) تاريخ الخلفاء/ نخله بك ص (٤٦) شخصيات اسلامية / العقاد ص (٧٠)

❻ تاريخ ميافين الفارقى ص (٢٠)

❼ نور البصائر/ الشبلنجى ص (١٢١) مشاهد الصفا/ مصطفى صفوى ق (٨)

ہونے پر استدلال کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: ''قاضی محبّ الدین بن عبدالظاہر نے اپنی کتاب ''خطط القاہرۃ'' میں لکھا ہے: کہ جس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی فاطمیوں کے محل پر قابض ہوئے تو وہاں کا ایک خادم گرفتار کر لیا گیا، سلطان نے سزا کے طور پر اس کے سر کے بال منڈوا دیئے، اور اس پر گوبر یلے بھونروں سے بھرا ایک بڑا پیالا رکھ دیا، پھر اسے تین دن اسی حالت میں کھڑا رکھا، لیکن خادم پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ سلطان نے اسے بلایا، اور پوچھا کہ تمھیں کوئی تکلیف کیوں نہیں ہوئی؟ کیا تم نے کوئی جادو وغیرہ کروا رکھا ہے؟ اس نے کہا: میں نہیں جانتا، صرف یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ جب حسین کا سر حسینی مزار تک لایا گیا تو میں ہی اپنے سر پر اٹھا کر اسے لایا تھا۔ چناں چہ سلطان نے اسے آزاد کر دیا، اور اس کے ساتھ حسن سلوک کیا۔''❶

رہے صوفیہ تو ان کا خیال ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا سر ''قاہری مزار'' میں پایا جاتا ہے، وہ لوگ اس بات کے ثبوت میں متعدد بے سرو پا باتیں نقل کرتے ہیں۔ انھیں میں سے ایک یہ ہے کہ روزآنہ ''قطب عالم'' اس کی زیارت کرتے ہیں۔❷ جب کہ متاخرین میں سے حسین محمد یوسف نے یہ ثابت کیا ہے کہ حسینی مزار میں حقیقت میں آپ رضی اللہ عنہ ہی کا سر پایا جاتا ہے۔ ان کا استدلال کسی تاریخی حقیقت پر نہیں بلکہ ان کشف ومنامات پر قائم ہے جو بعض مجذوب صوفیوں پر وا ہوا ہے، اور انھوں نے بتایا کہ مشہد حسینی میں آپ ہی کا سر پایا جاتا ہے، نیز اپنے قول کی تائید میں اپنے ہی وضع کردہ ایک منطقی اصول کا سہارا لیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ سر مبارک قاہرہ میں ہی پایا جاتا ہے، کیوں کہ اس مسئلہ میں شکوک وشبہات یقین سے متعارض ہیں، یعنی اصحاب کشف وکرامات کے بیانات یقینی ہیں بقیہ شک پر قائم ہیں۔ پس یقین کو ترجیح حاصل ہے۔❸

واضح رہے کہ مذکورہ اقوال وبیانات سے قطع نظر اس موقف کی تائید میں وطنیت کا بھی بڑا دخل ہے، جیسا کہ سخاوی نے اس سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔❹

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قاہرہ میں سر کے وجود کا کل ثبوت واستدلال اس بات پر قائم ہے کہ وہ پہلے عسقلان میں تھا، اور وہاں سے یہاں منتقل کیا گیا، لیکن جیسا کہ چند ہی صفحات پیشتر ہم ثابت کر چکے ہیں کہ کسی بھی نقطہ نظر سے یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی کہ سر کبھی بھی عسقلان میں رہا ہو، بنابریں جو سر عسقلان سے قاہرہ اٹھا کر لایا گیا، اور جس پر آج حسینی مزار قائم ہے وہ یکسر جھوٹ اور بے بنیاد ہے۔ حسین رضی اللہ عنہ کے

❶ مآثر الانافة/ قلقشندی (۱/ ۱۲۰) الخطط المقریزیة (۱/ ٤۲۷) اور لکھا ہے کہ میں نے حکایت بیان کرنے والے سے سنا۔
❷ مشاهد الصفا/ مصطفی الصفوی ق (۱۰)
❸ الحسین سید شباب اهل الجنة/ حسین محمد یوسف ص (۱٤۹-۱۵۳)
❹ التحفة اللطیفة/ السخاوی (۱/ ۵۱۳) نیز نور الابصار میں شبلنجی کی بکواس دیکھئے جس میں اس نے اس مزار کی زیارت کے لیے دعوت دی ہے جو کہ حقیقت میں شرک اور گمراہی کی دعوت ہے۔

سر مبارک سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، پس جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ عسقلان میں مدفون سر حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک نہیں تھا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ شوشہ کہاں سے پیدا ہوا کہ آپ کا سر مبارک عسقلان میں ہے؟ اور پھر یہ کہ وہ سر کس کا تھا؟ چناں چہ شیعہ مصنف نویری لکھتا ہے: عسقلان میں ایک شخص نے خواب دیکھا کہ وہاں فلاں مقام پر حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک مدفون ہے، وہ وہاں گیا اور اس جگہ کو کھودا، یہ مصر کے عبیدی فاطمی حاکم مستنصر باللہ کا دور تھا، اور بدر الجمال کی وزارت تھی، بدر الجمال نے اس خواب کا اہتمام کرتے ہوئے عسقلان میں آپ رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کی طرف منسوب کرتے ہوئے وہاں ایک مزار بنوا دیا۔ ❶

مقریزی لکھتے ہیں: ''اس کے بعد ''افضل'' نے اس سر کو وہاں سے نکالا اور معطر کیا، پھر عسقلان ہی میں دوسری جگہ رکھ کر وہاں ایک بڑا مزار بنوا دیا۔'' ❷

شاید آپ کو تعجب ہو کہ فقط ایک آدمی کے خواب کی بنیاد پر اس سر پر مزار تعمیر کرنے میں عبیدیوں نے کس قدر عجلت بازی سے کام کیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر عبیدیوں کی تاریخ دیکھیں گے تو یہ بات کوئی بہت حیران کن نہیں رہ جائے گی۔ چناں چہ جب انھیں یہ احساس ہوا کہ لوگ حسین رضی اللہ عنہ کی طرف اس سر کی نسبت ان کی زبانی جلدی تسلیم نہیں کریں گے تو انھوں نے اپنا عیب چھپانے کے لیے عسقلان میں حسین رضی اللہ عنہ کے سر کی موجودگی کا شوشہ چھوڑ دیا، اور اس پر انتہائی پرشکوہ اور خوبصورت مزار تعمیر کرنے پر بھاری رقم خرچ کر کے لوگوں میں یہ تاثر دیا کہ ہم اپنی بات میں سچے ہیں، اگر ہمارا اس سے کوئی مذہبی رشتہ نہ ہوتا تو ہم اس کا اتنا زبردست اہتمام کیوں کرتے؟

مزید برآں دیگر علاقوں کو چھوڑ کر صرف عسقلان میں آپ رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کے وجود کو ثابت کرنے کا ایک سیاسی پہلو بھی تھا، وہ یہ کہ بلاد شام میں جو سنی ریاستیں قائم ہو چکی تھیں انھیں یہاں سے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی جائے، اور تاریخ کے حوالے سے یہ مشہور و معروف ہے کہ مستنصر باللہ العبیدی کی حکومت سلجوقیوں کی سنی حکومت سے ٹکرا گئی تھی جس میں سلجوقی حکومت کا قائد طغرل بک سلجوقی ۴۴۷ھ میں بغداد میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ ❸

علاوہ ازیں عسقلان میں حسین رضی اللہ عنہ کی قبر ثابت کر کے عبیدی گروہ مصر کی حمایت چاہتا تھا، تاکہ شمال کا یہ خطہ اس کی آخری سرحد بنے، اور خاص طور سے جب عبیدی حکومت کی فوجی کارروائی بلاد شام تک منحصر ہوگی

❶ نهاية الارب/ النويري (۲۰/ ۴۷۸)

❷ اتعاظ الحنفاء/ المقريزي (۳/ ۲۲)

❸ النجوم الزهراة/ الاتابكي (۵/ ۵۷)

اور وہاں سلجوقیوں سے نبرد آزمائی ہوگی تو اس موقع پر یہاں قبر حسین کا وجود فوج میں جنگی روح اور دفاعی قوت پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوگی۔

چناں چہ جب صلیبیوں نے بلاد شام پر حملہ کیا، چھوٹی چھوٹی سنی ریاستوں پر وہ قابض ہوتے رہے، فلسطین پر قبضہ کرلیا اور قدس پر غالب آ گئے تو عبیدیوں کو خطرہ لاحق ہوا کہ یہ صلیبی کہیں عسقلان پر قابض نہ ہو جائیں، اس لیے انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے لیے قاہرہ میں نئی جگہ کی تلاش شروع کردی، تاکہ عوام الناس میں پیغام جائے کہ وہ اپنے دادا کے سر مبارک کے تئیں انتہائی ذمہ دار ہیں، اس طرح ان کی طرف سے شکوک وشبہات کے سارے بادل چھٹ جائیں گے۔

میری اس تحقیق کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مصر میں مستنصر باللہ فاطمی کی حکومت سے پہلے کی تاریخ میں کسی بھی کتاب میں اس بات کا ثبوت نہیں ملتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک عسقلان میں پایا گیا، اس سے عبیدیوں کی کذب بیانی مزید واضح ہو جاتی ہے، اور یہ معمہ حل ہو جاتا ہے کہ انھوں نے مخصوص اپنے مقاصد کے لیے یہ ڈھونگ رچا تھا۔ اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے: کہ یہاں جس سر کے بارے میں گمان ہے کہ یہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر ہے وہ حقیقت میں ایک راہب کے سر کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ [1]

نیز عمر بن ابوالمعالی نے اس بات کی تردید کی ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر کبھی عسقلان میں یا مصر میں رہا ہو، اس لیے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کی تاریخ میں کہیں یہ بات نہیں ملتی کہ اسے عسقلان یا مصر میں منتقل کیا گیا تھا، ہمارے اس موقف کو تقویت اس بات سے بھی ملتی ہے کہ شام اور مصر میں اس وقت کوئی بھی علوی نسب کا شیعہ نہ تھا کہ کہا جائے وہاں یہ سر لے جایا گیا ہوگا۔ [2]

ابن وحید نے اپنی کتاب "العلم المشھور" میں اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ عسقلان یا مصر میں آپ رضی اللہ عنہ کے سر کا وجود ایک جھوٹ ہے، نیز اس پر بھی اجماع ہے کہ قاہرہ میں موجود حسینی مزار بھی ایک فریب پر قائم ہے، یہ عبیدیوں کی من گھڑت چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے اس عبیدی شیعی حکومت کو اس کی نیت کے برعکس زوال سے دوچار کیا اور وہ ذلیل ہوئے۔ [3]

واضح رہے کہ صرف ابن دحیہ ہی نہیں بلکہ ابن دقیق العید، ابومحمد بن خلف الدمیاطی، ابومحمد بن العسقلانی

[1] تفسیر سورۃ الاخلاص/ ابن تیمیه ص (۲٦۵) راس الحسین ص (۱۸۷) بحواله قسطلانی

[2] نهاية الارب/ النويری (۲۰/ ٤۸۱) حتی کہ موفق الدین مکی شافعی جیسے وہاں کے عالم نے اپنی کتاب میں "مرشد الزوار الی قبور الابرار"، میں کہیں یہ شارہ تک نہیں کیا ہے کہ قاہرہ میں حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک موجود ہے۔ عارف حکمت (۲۰۳/ ۹۰۰)

[3] راس الحسين/ ابن تيمية ص (۱۸٦)

اور ابو عبداللہ القرطبی وغیرہم نے بھی مصر میں آپ کے سر مبارک کے موجودگی کی تردید کی ہے۔ ❶

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فاطمی نامی جماعت جو کہ ۴۰۰ھ سے ۵۶۰ھ تک مصر پر حکمراں رہی ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر مصر کی سرزمین تک پہنچا، اور انھوں نے اس کی تدفین کرکے اس پر ۵۰۰ھ کے بعد ایک مزار تعمیر کیا جس کا نام تاج الحسین ہے، ائمہ اہل علم میں سے کئی ایک نے صراحت سے لکھا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، دراصل اس بات کو رواج دے کر وہ نسب شریف سے متعلق اپنے مبنی بر کذب دعویٰ کی تشہیر کرنا چاہتے ہیں، حالاں کہ وہ اس سلسلے میں جھوٹے اور خائن ہیں۔ قاضی باقلانی وغیرہ ائمہ علمائے اسلام نے اپنے اپنے ملکوں میں اس بات کی تصریح کی ہے، میں کہتا ہوں کہ عوام الناس کی اکثریت میں یہی بات مشہور ہے کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے سر کو اٹھا کر لائے اور مذکورہ مسجد کی جگہ پر اسے دفن کرکے کہنے لگے کہ یہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر ہے، پھر یہی بات لوگوں کے ذہن وعقیدہ میں راسخ ہوگئی۔ واللہ اعلم۔ ❷

واضح رہے کہ یہی مزارات اللہ کے ساتھ شرک تک پہنچانے والے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: اسلام میں جو مزارات اور آثار واستھان نکالے گئے وہ سراسر بدعت ہیں، اس میں وہی شخص ملوث ہوتا ہے جس نے اسلامی شریعت کو نہیں جانا، اور نہ ہی کمال توحید اور خلوص وللّٰہیت پر مبنی دعوت محمدی کو پہچانا، نہ یہ جان سکا کہ بنو آدم کے لیے شرک کے دروازوں کو بند کرنے کے لیے رسول تشریف لائے تھے، یہ برائی دوسروں کے مقابلہ میں روافض میں زیادہ پائی جاتی ہے، وہ شرک و بدعت کے بڑے مرتکب ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ مساجد سے زیادہ مزارات کی تعظیم واحترام کرتے ہیں، دوسروں کے مقابل مساجد کو زیادہ ویران کرتے ہیں۔ مساجد میں خال خال ہی پنج وقتہ نماز کا اہتمام کرتے ہیں، ان کے نزدیک مزارات کی زیارتیں خانہ کعبہ کے حج سے افضل واولیٰ ہیں، اسے وہ حج اکبر کا نام دیتے ہیں، ان کے ایک مصنف ابن المفید ❸ نے "مناسك حج المشاهد" نامی ایک کتاب ہی اس موضوع پر تحریر کی ہے، اس نے اس کتاب میں ایسے اکاذیب واقوال لکھے ہیں جو دیگر شیعی جماعتوں میں دیکھنے کو نہیں ملتیں، اگرچہ دوسروں کے یہاں بھی شرک و بدعت اور کذب کا وجود ہے، لیکن ان کے یہاں زیادہ ہی ہے۔ ❹

---

❶ راس الحسین/ ابن تیمیة ص (١٨٦-١٨٧)

❷ البدایة والنهایة (٩/ ٢٠٥) عقد الجمان/ العینی ق ٢٨٣ ب

❸ اس کی کنیت ابوعبدالرحمٰن محمد بن نعمان العکبری ہے ابن المعلم کے نام سے مشہور ہے۔ اپنے وقت میں شیعیت کا سب سے بڑا سردار تھا۔ تاریخ بغداد (٣/ ٢٣١) سیر اعلام النبلاء (١٧/ ٣٤٢) لسان المیزان (٤/ ٣٠٠) الاعلام (٧/ ٢١) معجم المولفین (١١/ ٢٠٦)

❹ تفسیر سورة الاخلاص/ ابن تیمیه ص (٢٦٤)، نیز راس الحسین ص (١٨٩)

اگر حقیقت میں کوئی شخص قاہرہ کے حسینی مزار میں حسین رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قبر اور سر کا طواف کرنے والوں کو دیکھے جو کہ اللہ کے علاوہ انھیں سے امیدیں وابستہ کرتے ہیں اور استغاثہ کرتے ہیں، تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں کے ملک میں شرکیہ اعمال کس حد تک کیے جا رہے ہیں۔ اور وہیں یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ حق کی بیان و توضیح میں علماء کس حد تک پیچھے جا چکے ہیں، شیخ الاسلام فرماتے ہیں: بعض نصاری بعض مسلمانوں سے کہتے تھے ''لنا سید وسیدہ ولکم سید وسیدہ'' ہمارے پاس ایک سید اور سیدہ ہیں اور تمھارے پاس بھی۔ ''لنا السید المسیح والسیدۃ مریم'' ہمارے سید مسیح ہیں اور سیدہ مریم۔ ''ولکم السید حسین والسیدۃ نفیسۃ'' جب کہ تمھارے سید حسین اور سیدہ نفیسہ ہیں۔ ❶

مدینہ منورہ:

سابقہ صفحات میں جن شہروں کا ذکر گزرا ان میں کہیں کسی بھی پہلو سے اس بات کی ادنی دلیل بھی ثابت نہیں ہوتی کہ وہاں کبھی حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک رہا ہو، دریں صورت حال اب ہمارے سامنے صرف مدینہ منورہ بچتا ہے۔ چناں چہ ابن سعد نے باسناد جمعی ذکر کیا ہے کہ یزید نے آپ رضی اللہ عنہ کا سر والی مدینہ عمرو بن سعید کے پاس بھیج دیا، اور انھوں نے اسے آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی بغل میں تکفین کے بعد دفن کر دیا۔ ❷ بلاذری کہتے ہیں: مجھ سے عمر بن شبّہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ مجھ سے ابوبکر عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ انھوں نے کہا: سر یزید کے ذریعہ والی مدینہ عمرو بن سعید کے پاس بھیجا گیا۔ ❸

واضح رہے کہ آخر الذکر روایت اہل بیت کے ایک فرد سے مروی ہے، اور بلاشبہ حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے آپ کے سر کے بارے میں دیگر لوگوں سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں، اس طرح آپ رضی اللہ عنہ کے سر کے بارے

---

❶ راس الحسین/ ابن تیمیه ص(١٦٤) اہل تشیع کا وہ عمل جو وہ بقیع، کربلا اور قم وغیرہ میں قبروں کی تعظیم کے تعلق سے کرتے ہیں وہ انھیں اسلام سے خارج کر دیتا ہے، ہم ان کے لیے اللہ سے ہدایت کی دعا کرتے ہیں۔ بریلوی بھی روافض ہی کے بھائی ہیں کسی طرح ان سے کم نہیں ہیں۔ (ش)

❷ انساب الاشراف (٣/ ٢١٧) باسناد ضعیف، کیوں کہ اس میں ابوبکر عیسیٰ بن عبداللہ العلوی ضعیف ہے۔ دارقطنی اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ متروک ہے۔ الضعفاء/ ذهبی (٢/ ٤٩٨) ابن حبان کہتے ہیں: فی حدیثه بعض المناکیر، الثقات۔ (٨/ ٤٩٢) اور دوسری جگه فرماتے هیں: یروی عن ابیه عن آبائه اشیاء موضوعة لایحل الاحتجاج به۔ وهم پن میں مبتلا تھا، غلطیاں کرتا تھا، اپنے اسلاف سے من گھڑت باتیں لاتا تھا، لهٰذا اس سے احتجاج باطل هے۔ المجروحین (١/ ١٢١) میزان الاعتدال (٣/ ٣١٧) لسان المیزان/ ابن حجر (٤/ ٤٠٠٠)

❸ ابن سعد (٥/ ٢٣٨) ط ٥/ ٩٨-٤٠٠) تاریخ الاسلام حوادث (٦٠-٨١) تمام المنون ص (٢٠٥) السمهردی (٣/ ٩٠٩)

میں ان کی بات دوسروں پر بہر حال مقدم ہوگی۔

پھر اگر آل حسین کے ساتھ یزید کے حسن تعامل اور شہادت حسین پر اس کے رنج و ندامت پر غور کیا جائے تو یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ یزید نے آل حسین کے سامنے ان کے باپ کے سر کے احترام کے تعلق سے جس دلی تمنا کا اظہار کیا تھا اس عمل کے ذریعہ انھوں نے اسے پورا کر دیا، یعنی حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو والی مدینہ کے پاس بھیج کر اور انھیں یہ حکم دے کر کہ آپ رضی اللہ عنہ کا سر ان کی ماں کی قبر کے بغل میں دفن کر دیا جائے یزید نے حسین کے سر اور آل حسین بلکہ مدینہ میں موجود آپ رضی اللہ عنہ کے اقرباء اور جلیل القدر صحابہ و تابعین کے احترام و تعظیم کا حق ادا کر دیا۔

مزید برآں اس دور فتن میں ان کی عادت و عمل اس بات پر شاہد ہے کہ سر کی تدفین بقیع ہی میں عمل میں آئی، چناں چہ دشمن کے ساتھ ان کا یہی برتاؤ عام تھا کہ اگر اس کا کوئی فرد قتل کر دیا جائے تو اس کے سر اور جسم کو اس کے اہل و عیال کے حوالے کر دیتے تھے، جیسا کہ حجاج نے زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے قتل و تختہ دار پر لٹکانے کے بعد کیا تھا، کہ بعد میں آپ رضی اللہ عنہ کا نعش آپ کے اہل و عیال کے حوالے کر دیا تھا اور یہ معلوم ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کے لیے حجاج نے کتنی کوشش کی تھی اور دونوں میں جو جنگ بپا ہوئی تھی وہ حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے دشمن کے مقابلہ میں کہیں بڑی اور مہلک تھی۔ [1]

مذکورہ دلائل و توجیہات کے علاوہ یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ ہمیں آل بیت، اصحاب رسول یا تابعین رحمہم اللہ میں سے کسی کی طرف سے حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے ساتھ یزید کی بدسلوکی اور گستاخی پر کہیں کوئی تنقید نہیں ملتی۔ پس میرا خیال ہے کہ اگر ویسا ہی معاملہ ہوتا جیسا کہ بعض روایتوں میں ملتا ہے کہ اس نے سلطنت اسلامیہ کے مختلف شہروں میں ان کا سر گھمایا، اور اس کے ساتھ بدسلوکی کیا، تو اصحاب رسول اور تابعین کرام رحمہم اللہ عنہ اس کے اس گستاخانہ حرکت پر شدید رد عمل ظاہر کرتے، اور ان کی معزز و معتبر ہستیاں معرکۂ حرّہ کے موقع پر یزید کے خلاف بغاوت کرنے سے انکار نہ کرتیں۔ اور ہم یہ ضرور دیکھتے کہ یہ لوگ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی جماعت میں شامل ہو گئے ہوتے، کیوں کہ آپ اس موقع پر یزید کے بنیادی مخالف اور معارض تھے۔ میرے اس خیال کو بھرپور تقویت حافظ ابو یعلیٰ الہمدانی کے قول سے ملتی ہے چناں چہ وہ کہتے ہیں: ''سر ان کی ماں فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے بغل میں دفن کر دیا گیا، یہی بات اس بحث میں صحیح ترین ہے۔'' [2] زبیر بن بکار اور محمد بن حسن المخزومی جیسے علماء نسب کا رجحان بھی اسی طرح ہے۔ [3]

---

[1] راس الحسین/ ابن تیمیہ ص (۱۸۳) [2] التذکرۃ/ قرطبی (۲/ ۲۹۵)

[3] التذکرۃ القرطبی (۲/ ۲۹۵) نور الابصار/ الشبلنجی (۱۲۱)

اور عمر بن ابوالمعالی اسعد بن عمار اپنی کتاب ''الفصل بین الصدق والمین فی مقر راس الحسین'' میں ذکر کیا ہے، کہ ثقہ علماء کی ایک جماعت مثلاً ابن ابی الدنیا، ابوالموید الخوارزمی اور ابوالفرج بن الجوزی وغیرہ نے اس بات پر یقین دلایا ہے اور تاکید کی کہ سر مدینہ کے بقیع قبرستان میں مدفون ہے۔ [1]

قرطبی بھی انھیں علماء کی تائید میں ہیں۔ [2]

نیز زرقانی کہتے ہیں کہ ابن دحیہ نے کہا ہے: ''و لا یصح غیرہ'' اس کے علاوہ کوئی بات صحیح نہیں ہے۔ [3]

شیخ الاسلام کا میلان بھی اسی طرف ہے کہ سر کو یزید نے والی مدینہ عمرو بن سعید کے پاس بھیج کر انھیں حکم دیا تھا کہ اسے ان کی ماں فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے بغل میں دفن کر دیں، اس میلان و رجحان کا سبب شیخ الاسلام کی نگاہ میں یہ ہے کہ سر کی مدینہ منتقلی کے ناقل کتاب الانساب کے مصنف زبیر بن بکار اور واقدی کے کاتب صاحب الطبقات اور ان جیسے دیگر معتمد علماء و مورخین ہیں، جو علم، ثقاہت اور ادراک و معرفت میں سند تسلیم کیے جاتے ہیں، اور یہ لوگ اس بارے میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں، اور دیگر مجہول و غیر معروف جھوٹوں اور تاریخ دانی کے غیر معتبر وعویداروں سے زیادہ سچے ہیں، بالکل ممکن ہے کہ ایک شخص اپنی بات میں سچا ہو لیکن اسے اسانید کے بارے میں کچھ بھی مہارت نہ ہو، کہ وہ مقبول اور مردود روایت میں فرق کر سکے، یا اس کے راوی کا حافظہ خراب ہو، کذب سے متہم ہو، یا زیادہ سے زیادہ روایت دانی و بیانی کا اسے شوق ہو، جیسا کہ بہت سارے مورخین اور واقعہ نگاروں کا حال ہے۔ [4]

اس طرح یہ بات درجہ یقین کو پہنچ جاتی ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر ان کی ماں فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے بغل میں مدفون ہے، اور یہی بات ان روایتوں کے موافق ہے جن میں آل حسین کے ساتھ یزید کے حسن تعامل کا ذکر ہے، پھر یہ بات اس وقت کی صورت حال سے بھی قریب تر ہے کیوں کہ یزید کے دل میں بطور ہمدردی یہ بات یقیناً آئی ہوگی کہ اسے مدینہ بھیج دے تاکہ ان کی ماں کے بغل میں انھیں دفن کر دیا جائے۔ افسوس کی بات ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کی سیرت نگاری کے باب میں بعض سنی علماء نے شیعہ گروہ کی رائے پر اعتماد کر لیا، اور اس خطرناک حادثہ کی تحقیق نہیں کیا، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے فاسقوں کی تصدیق سے ڈرایا ہے، فرمایا:

---

[1] الرد علی المتعصب العنید، ابن الجوزی ق ۱۷ ب۔ نہایۃ الارب/ التویجری (۲۰/ ۴۸۰-۴۸۱) جواھر العقدین/ السمهودی ق ۱۷ ب۔

[2] التذکرہ (۲/ ۲۹۵)

[3] مشاهد الصفا/ مصطفی الصفوی ق ۱۰

[4] راس الحسین ص (۱۷۰)

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِن جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيْبُوا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَo ﴾ (الحجرات : ٦)

''اے ایمان والو! اگر تمھارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ لاعلمی میں کسی قوم کو تکلیف دے دو اور پھر اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔''

پس بلاشبہ اس حالت میں احتیاط کے تقاضے دو گنے ہو جاتے ہیں، لہٰذا عالم دین کو ہمہ وقت اپنے فتویٰ اپنی گفتگو وغیرہ میں محتاط ہونا چاہیے۔ مثلاً ابن الجوزی رحمہ اللہ جو کہ اپنی علمی جلالت اور عظمت میں شہرت کے حامل ہیں فرماتے ہیں: ''ابن زیاد کی حسین رضی اللہ عنہ سے جنگ آزمائی پر حیرت نہیں ہے، حیرت تو یزید پر ہے جس نے ان کو رسوا کیا، اور ان کے دندان مبارک کو چھڑی سے مارا، اور آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قیدی بنا کر اونٹوں کے پشت پر بٹھا کر گھمایا، اور پھر آپ کا سر مدینہ بھیج دیا۔'' ظاہر ہے کہ اس کی نیت سوائے آل حسین کی رسوائی اور حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ تھی۔ اگر اس کے دل میں جاہلی حقد وحسد اور ان کے خلاف کینہ کپٹ نہ ہوتی تو آپ رضی اللہ عنہ کا سر پہنچنے کے بعد اس کا احترام کرتا، اور آل رسول کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتا۔[1] چناں چہ اس طرح کے غیر محتاط علماء نے اپنی اس ناقص تحقیق پر متعدد شرعی احکام نافذ کر دیئے، مسلمان کی تکفیر کو جائز ٹھہرایا اور اس طرح کے اقوال واکاذیب کی وجہ سے یزید کو مرتدین کے فہرست میں شامل کر دیا۔ نسأل الله السلامة۔

۱۰......سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی مزاحمت اور شہادت کا تجزیہ اور اس کے نتائج

ا۔ مزاحمت:

امت مسلمہ جن مصائب اور فتنوں سے دوچار ہوئی ان کا منصفانہ تجزیہ وتحقیق ضروری ہے تاکہ ہمارے سامنے یہ واضح ہو جائے کہ ان میں کس قدر اجتہادات اور کتنی مبالغہ آرائیوں اور غلطیوں کا دخل ہے اور معلوم ہو جائے کہ حق کے اصولوں پر مبنی اسلامی منہج اور سطحی جذبات و بے محابا اندھی محبت میں کتنا فرق ہے؟ چناں چہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ ہے کہ یزید بن معاویہ سے حسین رضی اللہ عنہ کی مزاحمت اور خلافت کے مطالبے میں آپ کی عراق روانگی، پھر وہاں پہنچ کر آپ کی شہادت نے امت مسلمہ میں بہت سارے اشکالات و مسائل پیدا کر دیئے۔ پس آپ کی شہادت سے جو نتائج وتفصیلات سامنے آئیں انھیں دیکھیں یا سنت نبویہ کے نصوص کو

---

[1] الرد على المتعصب العنيد/ ابن الجوزى ق ١٨ ب۔ جواهر العقدين/ السمهودى ق ١٧ ب۔ الصواعق المحرقة/ ابن حجر الهيثمى ص (٣٣٠)

سامنے رکھتے ہوئے شرعی بحث و تجزیہ کو سامنے رکھیں دونوں حالتوں میں یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے کہ آپ کی یزید سے مزاحمت پر کون سا حکم لگایا جائے؟ چناں چہ اس مزاحمت پر گہری ادراک و معرفت کے فقدان اور اس حادثہ فاجعہ کے متعلق خاص تاریخی روایات پر عدم تامل و ناواقفیت نے بعض مورخین کے ذہنوں میں یہ رجحان پیدا کر دیا کہ حسین رضی اللہ عنہ نے امام وقت (یزید) کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا جو کہ شرعاً ناجائز ہے اور یہ کہ انھیں جن مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا یہ ان کے عمل کا ٹھیک ٹھیک بدلہ تھا، چناں چہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے:

((من اراد ان یفرق بین المسلمین و هم جمیع فاضربوه بالیسف کائنا من کان.))[1]

''جو شخص مسلمانوں میں تفریق ڈالنا چاہئے درانحالیکہ وہ سب -ایک امام پر- متحد ہوں تو سارے تلوار سے ماردو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔''

علامہ سیوطی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''حدیث کی عمومیت اس بات کی دلیل ہے کہ (باغی کو) اسے تلوار سے ماردو خواہ وہ شریف و اعلیٰ درجہ کا آدمی ہو یا گھٹیا اور ادنی درجہ کا۔'' جب کہ امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں جو شخص امام وقت کے خلاف خروج (اعلان بغاوت) کرے یا مسلمانوں کو متحدہ جماعت کو منتشر کرنا چاہئے اس سے قتال کرنے کا حکم ہے، اسے ایسی حرکت سے روکا جائے گا، اگر وہ باز نہیں آتا تو اس سے قتال کیا جائے اور اگر قتل کے علاوہ کوئی تدبیر اسے روک نہیں سکتی تو اسے قتل ہی کیا جائے گا اور اس کا خون رائیگاں ہوگا۔''

اس حدیث میں اور اس کے ہم معنی دیگر روایتوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تاکیدی حکم ہے کہ امام المسلمین کے خلاف خروج کرنے والے کا بدلہ قتل ہے کیوں کہ اس کا مقصد مسلمانوں کے اتحاد کو منتشر کرنا ہے۔ چناں چہ انھیں نصوص حدیث کے ابتدائی و مختصر معلومات پر اکتفا کرنے کی وجہ سے بہت سارے لوگ ابوبکر بن العربی کے بارے میں یہ گمان کرنے لگے کہ آپ خود اس بات کے قائل تھے:

((الحسین قتل بسیف جده رسول الله ﷺ.))[2]

---

[1] صحیح مسلم بشرح النووی (۱۲/ ۲٤۱)، مسند احمد (٤/ ۲٦۱) السنة/ ابن ابی عاصم (۲/ ۵۲٦)، سنن نسائی (۲/ ۱٦٦)، مسند طیالسی (۱۲۲٤)

[2] العواصم من القواصم / ابن العربی ص (۲٤٤-۲٤۵) اور ہیثمی کا گمان تھا کہ یہ قول ابن خلدون کا ہے، وہ⇦⇦⇦

یعنی حسین تو اپنے نانا ہی کی تلوار سے قتل کئے گئے۔ اور اس نوع کی صرف انھیں چند احادیث کے ناقص مطالعہ کی وجہ سے کرامیہ یہ کہنے لگے کہ حسین تو یزید کے خلاف باغی تھے، ان کے حق میں یہی بدلہ اور قتل مناسب تھا۔ ❶

جب کہ بعض دیگر نے حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کو شرعاً جائز خروج ٹھہرایا کہ آپ نے یزید کی ناشائستہ حرکتوں کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ ❷ وہ یزید سے افضل تھے اور یزید سے ان کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ ❸ لیکن جب ہم آپ کے خروج اور شہادت کو تحلیل و تجزیہ کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ دونوں فریقوں کا خیال ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ نے یزید سے اصلاً بیعت کی ہی نہیں تھی۔ ❹ اور مکہ میں الگ ہی ٹھہرے رہے یہاں تک کہ آپ کے پاس اہل کوفہ کے خطوط آنے لگے جس میں آپ سے ایک ہی مطالبہ تھا کہ آپ کوفہ تشریف لے آئیں اور جب آپ نے بیعت کرنے والوں کی کثرت دیکھی مزید برآں آپ کے عم زاد بھائی مسلم بن عقیل نے اہل کوفہ کی صداقت کی توثیق کر دی تو آپ کو یہ گمان ہو چلا کہ اہل کوفہ حقیقت میں یزید کو نہیں چاہتے۔ اور پھر آپ ان کی طرف نکل پڑے۔ ظاہر ہے کہ یہاں تک حسین رضی اللہ عنہ نے کوئی ایسی شرعی غلطی نہیں کی تھی جو نصوص کے خلاف ہو۔ خاص طور سے ان احادیث کے پس منظر میں جن میں حرام خروج کی نوعیت واضح کی گئی ہے۔ چناں چہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے فرمایا:

⇐⇐⇐ ان پر لعنت بھیجتے، برا بھلا کہتے اور روتے تھے۔ الضوء اللامع (٣/ ١٤٧) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہیثمی کے کلام پر نوٹ لکھتے ہیں کہ آج کی موجودہ تاریخ میں یہ عبارت نہیں ملتی، سابقہ نسخہ میں انھوں نے یہ لکھا تھا لیکن اس سے رجوع کر لیا، دیکھئے رفع الاصر، القسم الثانی (۳۴۷) احمد تیمور پاشا نے اپنی تحقیق میں اسی نسخے کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ ابن خلدون نے یہ قول ابوبکر ابن العربی ہی سے نقل کیا ہے اور اپنی تاریخ کے مقدمہ میں ولی عہدی کی اہمیت وفضیلت کے باب میں اسے ذکر کیا ہے، پھر اس کی تردید کی ہے اور اس کے قائل کو غفلت کی طرف منسوب کیا ہے، آپ غور کریں کہ کس طرح ایک شخص کی طرف وہ بات منسوب کی جا رہی ہے جو اس نے نہیں کہی ہے، اور اسے طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، حالاں کہ وہ اس سے بری ہے۔ دیکھئے: الاعلان بالتوبيخ ص (٧١) نیز مقدمہ ابن خلدون (١/ ٢٧٢) واضح رہے کہ العواصم میں ابن العربی کے کلام سے یہ تعجب خیز مفہوم مستنبط نہیں ہوتا ہے جب کہ حضری بک نے بھی ابن العربی کی تردید کی ہے۔ (محاضرات فی تاریخ الدولة الاموية (٢/ ١٢٩) الدول الاموية في الشرق ص (٩٢)

❶ نيل الاوطار (٧/ ٣٦٢)

❷ الدرة فيما يجب اعتقاده، ابن حزم (٣٧٦) مقدمه ابن خلدون (١/ ٣٧١)

❸ نيل الاوطار (٧/ ٣٦٢)

❹ کیا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یہ موقف صحیح تھا؟ جب کہ چند افراد کے علاوہ پوری امت یزید کی بیعت میں داخل ہو چکی تھی۔ کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "و إن أُمِّر عليكم عبد حبشي فاسمعوا له وأطيعوا" (الترمذی ٢٦٧٦) (اگر حبشی ⇐⇐⇐

((مـن نزع يدا من طاعة فلا حجة له يوم القيامة ، و من مات مفارقاً للجماعة فقد مات ميتة جاهلية .)) ❶

''جس نے اطاعت (امیر) سے ہاتھ کھینچ لیا اس کے پاس قیامت کے دن کے لیے کوئی دلیل نہیں اور جو مرا اس حال میں کہ وہ جماعت سے الگ ہونے والا تھا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الصلاة المكتوبة الى الصلاة التى بعدها كفارة لما بينهما والجمعة الى الجمعة والشهر الى الشهر يعنى رمضان۔ كفارة لما بينهما.......... الا من ثلاث ، قال: فعرفت ان ذلك الامر حدث: الا من الاشراك بالله ، و نكث الصفقة ، و ترك السنة ، قـال: امـا نـكـث الـصـفـقة ، ان تبايع رجلا ثم تخالف اليه ، تقاتله بسيفك ، واما ترك السنة ، فالخروج من الجماعة .))❷

''فرض نماز اپنے بعد کی (فرض) نماز تک (کے درمیان ہونے والے گناہوں) کے لیے کفارہ ہے۔ اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے لیے اور ماہ رمضان دوسرے رمضان تک کے لیے ......مگر تین عمل۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر میں نے جان لیا کہ وہ چیز ہو چکی ہے یعنی اللہ کے ساتھ شرک کرنے، بیعت توڑنے اور سنت چھوڑنے سے (ان گناہوں کا کفارہ نہیں ہوتا) راوی کہتے ہیں: بیعت توڑنے کا مطلب ہے کہ تم کسی آدمی سے بیعت کرو پھر اس کی مخالفت کرو، اپنی تلوار سے اس سے قتال کرو، اور سنت چھوڑنے کا مطلب ہے کہ مسلمانوں کی متحدہ جماعت سے تم علیحدگی اختیار کرو۔''

چناں چہ باوجودیکہ حسین رضی اللہ عنہ کو اکابرین صحابہ کرام نے ڈرایا تھا اور انھیں خیر خواہانہ مشورے دیئے تھے

⇦ ⇦ ⇦ غلام بھی امیر بنا دیا جائے تو اس کی سننا اور اطاعت کرنا۔) کی خلاف ورزی نہیں ہے؟ صرف عقیدت ومحبت کے پیش نظر تاویل کا سہارا لینا تحقیق کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ حسین رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے یہ آپ سے اجتہادی چوک ہوئی جس سے سبائیوں کو آپ سے کھیلنے کا موقع ملا اور پھر کیا جو بیعت میں شریک نہ ہو اس کے لئے یہ روا ہے کہ وہ امارت کی خاطر اٹھے اور بیعت لے۔ کیا دونوں کے مفاسد میں فرق ہے؟ آخر مسلم بن عقیل نے کوفیوں سے کس بات پر بیعت لی تھی؟ اگر آپ کا قدم اصلاح امت کی طرف اٹھا تھا تو پھر صحابہ نے آپ کا ساتھ کیوں نہیں دیا؟ کیا صحابہ اصلاح امت کے خواہاں نہیں تھے؟ اگر آپ کا یہ اقدام حکومت مخالف نہیں تھا تو پھر حکومت نے کوفہ میں داخلہ پر پابندی کیوں لگائی؟ یہ بنیادی امور ہیں جن پر غور کرنا انتہائی ضروری ہے تبھی ہم صحیح نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔ (ش)

❶ صحيح مسلم مع النووى (٢٢/ ٢٣٣-٢٣٤) مسند احمد ٧/ ٢٠٥) باسناد صحيح۔

❷ مسنداحمد (١٢/ ٩٨) باسناد صحيح۔

لیکن آپ نے ان سب کی بات نہیں مانی، حالاں کہ تمام تر مشیران حالات کو دیکھتے ہوئے جان رہے تھے کہ آپ اپنی ذات کو خطرے میں ڈال رہے ہیں اور وہاں قتل کر دیئے جائیں گے کیوں کہ اہل کوفہ کو کذب و غدر کسی کی نگاہ سے پوشیدہ نہ تھی۔ پس حسین رضی اللہ عنہ یزید سے قتال و جنگ کی نیت سے نہیں نکلے تھے بلکہ آپ کا یہی خیال تھا کہ لوگ آپ کی بات مانیں گے، لیکن جب دیکھا کہ جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے اور بہی خواہی کا دم بھرنے والے آپ کی حمایت سے پلٹ گئے تو مقابل سے یہی مطالبہ کیا کہ مجھے اپنے وطن لوٹنے دیا جائے، یا کسی اسلامی سرحد پر بھیج دیا جائے یا موقع دیا جائے کہ میں خود یزید کے پاس چلا جاؤں۔ [1]

لیکن ابن زیاد کی تعنت و سرکشی نے حسین رضی اللہ عنہ کی اس پیشکش کو ٹھکرا دیا، [2] حالاں کہ اس کا فرض بنتا تھا کہ آپ کے کسی ایک مطالبے کو قبول کر لیتا پس اس نے ایسا نہ کر کے حسین رضی اللہ عنہ سے ایک بڑی بات کا مطالبہ کیا وہ یہ کہ آپ اس کے حکم پر اس کے سامنے خود سپردگی کریں، ایسے موقع پر حسین رضی اللہ عنہ کا اس مطالبے کو ٹھکرا دینا ایک فطری بات تھی اور حقیقت میں آپ کو اسے ٹھکرانے کا حق بھی پہنچتا تھا کیوں کہ اس وقت اگر آپ ابن زیاد کے سامنے خود سپردگی کر دیتے تو انجام کار کیا ہوتا اللہ ہی اسے بہتر جانتا ہے، بہت ممکن تھا کہ وہ آپ کی گردن زدنی کا حکم دے دیتا، مزید آپ کی جو تذلیل واہانت ہوتی وہ اس سے بھی بڑی بات تھی۔ ابن زیاد کا یہ ایسا مطالبہ تھا جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دشمنان اسلام کفار کے سامنے پیش کرتے تھے۔ معاذ اللہ۔ حسین رضی اللہ عنہ اس جماعت کے تو نہیں تھے، بلکہ آپ مسلمانوں کے اکابرین و افاضل میں سے اور ان کے سردار تھے۔ اسی لیے شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

> ''اس نے اپنے ماتحتوں سے انھیں (رضی اللہ عنہ) قید کرنے کا حکم دیا حالاں کہ یہ اس پر واجب نہیں تھا۔'' [3]

افسوس ہے کہ محمد دروزہ جیسے مصنفین نے ابن زیاد کے اس مطالبہ اور اقدام کو شرعی جواز کا جامہ پہنانے

---

[1] منهاج السنة/ ابن تيميه (٤٥/ ٤٢) سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اس آخر موقف نے آپ کا دامن داغ دار ہونے سے بچا لیا اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (ش)

[2] اس سے قبل ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ طرفین میں صلح و مصالحت کی بات ہو چکی تھی لیکن سبائیوں نے اس کو کامیابی سے ہمکنار نہ ہونے دیا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے یزید و ابن زیاد اور عمر بن سعد کو متہم قرار دے دیا اور قیامت تک کے لیے فتنہ کا دروازہ کھول دیا۔ (ش)

[3] منهاج السنة/ ابن تيميه (٤/ ٥٥) اگر قید کرنے کا حکم ہوتا تو کربلا نہ پہنچ جاتے کوفہ کے قریب ہی قید کر لیے جاتے آپ کا اپنے ساتھیوں سمیت کربلا پہنچ جانا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ کو قید کرنے کا یا قتل کرنے کا کوئی حکم نہیں تھا صرف کوفہ میں داخلہ ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ اور آپ دمشق جانے کے لیے کربلا پہنچ چکے تھے لیکن سبائیوں نے فتنہ برپا کر کے آپ کو قتل کر دیا اور پھر ابو مخنف جیسے کذاب رافضیوں نے اسے حکومتی عملہ کے سر ڈال دیا۔ (ش)

کی کوشش کی ہے چناں چہ لکھتے ہیں: ''چوں کہ حسین رضی اللہ عنہ نے -یزید سے- بزور قوت مقابلہ کیا اس لیے ان سے قتال ومحاذ آرائی شرعی اور سیاسی دونوں اعتبار سے جائز ہوگی۔'' ❶

پس ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "......فان جاء آخر ینازع فاضربوا بوا عنق الآخر" ❷ کہ اگر دوسرا آکر زمام حکومت چھیننے لگے تو دوسرے کی گردن ماردو- کی زد میں حسین رضی اللہ عنہ نہیں آتے کیوں کہ آپ نے مصالحت کی پیشکش کی تھی لیکن بالمقابل قائدین ❸ نے اسے نہیں مانا، علاوہ ازیں آپ نے کوفہ جانے کا ارادہ خود نہیں کیا تھا بلکہ اہل کوفہ کے مطالبہ پر آپ وہاں سے نکلے تھے۔ ❹

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہی: ''فاضربوا عنق الآخر'' یعنی دوسرے کی گردن مارنے کا معنی یہ ہے کہ دوسرے کو پیچھے دھکیل دو کیوں کہ وہ امام کے خلاف بغاوت کر رہا ہے، پس اگر وہ جنگ اور قتال کے علاوہ کسی صورت میں پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہے تو اس سے قتال کرو اور اگر اس کے مؤیدین فوجی جنگ کی دعوت دیں جس کا وہ قائل ہو تو اسے قتل کرنا جائز ہے اس کا خون رائیگاں ہے، اس کا کوئی فدیہ نہیں، اس لیے کہ وہ ظالم ہے اور اپنے جنگی پیش قدمی میں حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔ ❺

خلاصہ کلام یہ کہ ظالم تو ابن زیاد اور اس کے لشکر والے ہیں، ❻ جنھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کی مصالحتی پیش کش کو رد کر کے آپ کے قتل کی طرف ہاتھ بڑھایا، لہٰذا ضروری ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کے تئیں صحابہ کرام کے خیر خواہانہ مشوروں کو ''خروج علی الامام'' یعنی بغاوت پر محمول نہ کیا جائے اور یوسف العش ❼ جیسے مصنّفین کی

---

❶ تاریخ الجنس العربی/ دروزة (٨/ ٣٨٣٣، ٣٨٤) ایسا لگتا ہے کہ محبّ الدین الخطیب رحمہ اللہ بھی اسی رائے کی طرف مائل تھے اور اس نظریہ کا دفاع کرتے تھے۔ دیکھئے: العواصم (٢٣٣/ ٢٣٤)

❷ صحیح مسلم مع النووی (١٢/ ٢٣٣، ٢٣٤)

❸ ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ قائدین نے مان لیا تھا لیکن سبائیوں نے اس مصالحت کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ (ش)

❹ خلیفۂ وقت کے خلاف اگر کسی بستی یا شہر کے لوگ بغاوت کرنا چاہیں تو کیا ان کا ساتھ دینا جائز ہے؟ اہل کوفہ نے انھیں کس لیے طلب کیا تھا؟ اور اگر کوفیوں کے مطالبہ پر کوفہ جانا صحیح تھا تو آخر دیگر صحابہ نے آپ کا ساتھ کیوں نہیں دیا اور الٹے آپ ہی کو روکتے رہے؟ (ش)

❺ صحیح مسلم مع النووی (١٢/ ٢٣٤)

❻ ظالم ابن زیاد اور اس کے ساتھی نہیں بلکہ سبائی کوفی تھے جنھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ بلایا اور پھر جب دیکھا کہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے اور حسین رضی اللہ عنہ اور ابن زیاد کے درمیان مصالحت ہوگئی اور نواسۂ رسول نے یزید کی طرف رخت سفر باندھ لیا ہے تو ان کی جان کے درپے ہوگئے اور کربلا میں ان پر ہاتھ صاف کر کے ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں بلکہ امیر المومنین یزید کو متہم قرار دے دیا واقعہ کربلا کے بعد حکومت کے ساتھ آل بیت کے تعلقات اور آپس کی رشتہ داریاں اس کا واضح ثبوت ہیں اگر حکومتی عملہ حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل ہوتا تو کبھی بھی یہ تعلقات قائم نہ ہوتے۔ (ش)

❼ الدولة الامویة/ یوسف العش (١٦٨)

طرح یہ نہ کہا جائے کہ آپ کا خون رائیگاں ہے۔ بلکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین حسین رضی اللہ عنہ کے تئیں اہل کوفہ کی پرخطر سازشوں کو سمجھ رہے تھے اور انھیں سابقہ تجربات سے معلوم تھا کہ اہل کوفہ جھوٹے ہیں۔ چناں چہ یہ بات واضح ہوگئی کہ اس مقام پر حسین رضی اللہ عنہ سے محض ایک غلطی اور بھول ہوگئی تھی لیکن یہ ایک دنیوی معاملہ تھا جس میں ایسی لغزش سے آپ کی جلالت وعظمت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ رہا شرعی حکم تو اس زاویہ سے آپ نے کسی غلطی کا ارتکاب نہیں کیا تھا کیوں کہ آپ نے اپنے ذاتی تجزیہ وگمان کی بنا ئر یہ اقدام کیا تھا اور آپ کو غالب گمان تھا کہ معاملہ کو سر کرلیں گے۔ ❶

رہے وہ صحابہ کرام جو حجاز، مصر، عراق اور شام وغیرہ میں مقیم تھے اور حسین کی تائید میں آگئے نہیں آئے تھے سو انھوں نے نہ تو آپ پر اعتراض کیا اور نہ ہی آپ کو گنہگار مجرم ٹھہرایا، کیوں کہ آپ مجتہد تھے اور آپ اجتہاد کرنے والے دیگر مجتہدین کے لیے نمونہ تھے۔ ❷

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیثیں جن میں جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والوں کو قتل کردینے کا حکم ہے حسین رضی اللہ عنہ پر صادق نہیں آتیں کیوں کہ آپ مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی نہیں اختیار کی تھی اور آپ کی شہادت بھی ہوئی تو ایسی حالت میں کہ جب آپ اپنے وطن لوٹنے کی درخواست کر رہے تھے، یا یہ چاہتے تھے کہ کسی اسلامی سرحد کی حفاظت پر ہمیں مامور کردیا جائے یا کہ راست طور سے یزید سے ملنے کا موقع دیا جائے پس ان تمام تر مطالبات کے ساتھ آپ مسلمانوں کی جماعت میں شامل تھے۔ امت مسلمہ کی تفریق و انتشار سے اعراض کرنے والے تھے، تقاضا تو یہ تھا کہ اگر کم سے کم تر درجے کا انسان یہ درخواست کرتا تو اس کی ہی درخواست واجب القبول ہوتی پھر بھلا حسین رضی اللہ عنہ کی عذر داری اور اس کی قبولیت ابن زیاد پر کیوں نہیں واجب تھی؟'' ❸

حسین رضی اللہ عنہ نے منصب ولایت کی خاطر قتال نہیں کیا تھا، بلکہ مذکورہ تین باتوں سے کسی ایک کے قبولیت کی درخواست کرنے کے بعد آپ شہید کیے گئے بلکہ یوں کہیے کہ آپ کی شہادت اس حالت میں ہوئی کہ آپ اپنی طرف سے اسیری کا دفاع کر رہے تھے، پس آپ نے مظلومیت کی شہادت پائی۔ ❹

---

❶ مقدمة ابن خلدون (١/ ٢٧١) ❷ مقدمة ابن خلدون (١/ ٢٧١)

❸ منهاج السنة (٤/ ٥٥٦) بتصرف

❹ منهاج السنة (٦/ ٣٤٠) بتصرف ۔ یقیناً آپ کی شہادت مظلومیت کی شہادت تھی لیکن تحقیق طلب بات یہ ہے ⇦⇦⇦

۲۔شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہمارا عقیدہ:

سابقہ مباحث میں جب ہم اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ حسین رضی اللہ عنہ نے بغاوت و عداوت کی نہیں بلکہ مظلومیت اور شہادت کی موت پائی تو ہمیں آپ کی شہادت کے بارے میں بقول ابن تیمیہ یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ بلاشبہ آپ مظلومیت کی حالت میں شہید کیے گئے جس طرح کہ دیگر بہت سارے مظلوم شہدائے اسلام قتل کیے گئے، آپ کا قتل ان لوگوں کی طرف سے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور گناہ ہے جنھوں نے آپ کو قتل کیا یا اس میں معاون رہے، یا اس سے خوش ہوئے، یہ ایسی معصیت تھی جس سے خانوادۂ حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر مسلمانوں کو شدید تکلیف پہنچی، اور مظلومیت کی یہ موت آپ کے حق میں شہادت بلندی درجات اور رفعت شان کا سبب ہے۔ آپ اور آپ کے برادر گرامی (حسن) رضی اللہ عنہما کے لیے اللہ کی طرف سے ایسی سعادت نے استقبال کیا جو کچھ بلائیں جھیلنے کے بعد ہی نصیبے میں آتی ہیں جن قربانیوں اور کار خیر کا موقع ان دونوں کے خانوادے کو ملا تھا وہ اِنھیں نہیں مل سکا تھا، کیوں کہ ان دونوں کی نشو ونما اسلام کی گود میں پوری عزت وامان کے ساتھ ہوئی تھی۔ پس ایک کی شہادت مسمومیت [1] میں اور دوسرے کی مظلومیت میں ہوئی تا کہ ان قربانیوں کے ذریعہ یہ دونوں بھی خوش بختوں کی منزل اور شہداء کی پرمسرت زندگی پا سکیں۔ [2] یہی اہل سنت وجماعت کا قول ہے اور اس مسئلہ میں افراط وتفریط کے درمیان یہی معتدل رہے ہے۔ [3] اور جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

⇦⇦⇦ کہ ظالم کون تھا حکومتی عملہ یا سبائی کوفی۔ اسی لئے جب سبائی کوفی حادثۂ کربلا کے بعد روتے ہوئے علی بن حسین زین العابدین رحمہ اللہ کے پاس آئے تو انھوں نے کہا تھا جب تمھیں رو رہے ہو تو بھلا بتاؤ میرے باپ کا قاتل کون ہے؟ اور خود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے آخری وقت میں اس کو واضح کر دیا تھا "فإنهم دعونا لينصرونا فعدوا علينا فقتلونا" ان لوگوں نے ہمیں بلایا کہ ہماری مدد کریں گے لیکن اب یہی ہمارے خلاف سرکشی کر رہے ہیں اور ہمیں قتل کر رہے ہیں۔ (الطبقات الكبرى، الطبقة الخامسة ١/ ٤٧١ و سير اعلام النبلاء ٤/ ٣٦٥)(ش)

[1] مشہور یہی ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی وفات زہر دیئے جانے کے نتیجہ میں ہوئی تھی لیکن آج تک یہ ظاہر نہ ہو سکا کہ کس نے زہر دیا تھا؟ اس سلسلہ میں جن کے نام لیئے جاتے ہیں وہ جھوٹ ہے۔ راجح بات یہ ہے کہ آپ کی موت عادی موت تھی آپ کو کسی نے زہر نہیں دیا تھا، چناں چہ یعقوب بن سفیان کا بیان ہے، وہ جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد محمد الباقر سے روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کو جب قتل کیا گیا تو ان کی عمر ۵۸ سال تھی اور حسن رضی اللہ عنہ کی عمر وفات کے وقت یہی تھی اور حسین رضی اللہ عنہ جب قتل ہوئے تو ان کی عمر بھی یہی تھی۔ (دیکھئے البداية والنهاية ١١/ ٢٠٩-٢١٢) یہاں محمد باقر رحمہ اللہ نے علی وحسین رضی اللہ عنہما کے قتل کئے جانے کا ذکر کیا لیکن حسن رضی اللہ عنہ کے لئے وفات پانے کا ذکر کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی موت طبعی موت تھی آپ کو زہر نہیں دیا گیا تھا۔ (ش)

[2] منهاج السنة (٤/ ٥٥٠) غالب ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس جیسے کلام سے ان لوگوں کی تردید مقصود ہے جو آپ رضی اللہ عنہ کو ''نواصب'' کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص محض نفس پرستی کا دلدادہ ہو اور بلا عقل وتدبر اپنے پرکھوں کا تابع ہو۔ تعصب اور کینہ اسے اندھا کر دیا ہو، جہالت و بغاوت کی چوٹیوں پر زندگی گزار رہا ہو، وہ کیوں کر ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بکھرے ہوئے موتیوں کو چن سکتا ہے۔

[3] منهاج السنة (٤/ ٥٥٣)

سے ثابت ہے ان کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے کہ حسن اور حسین نوجوان اہل جنت کے سردار ہیں۔ ❶ ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے محبت کرتے تھے اور کہتے تھے:

((حسین منی و انا منه ، احب الله من احبه ، الحسن والحسین سبطان من الاسباط .)) ❷

''حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں، اللہ اس سے محبت کرے جو ان -حسین- سے محبت کرے، حسن اور حسین نواسوں میں سے دو (خاص) نواسے ہیں۔''

بنابریں ہم بھی اس سے محبت کرتے ہیں جس سے رسول اللہ ﷺ محبت کرتے رہے۔

آل بیت کے بارے میں عقیدہ اہل سنت وجماعت کا تذکرہ کرتے ہوئے بغدادی لکھتے ہیں: یہ لوگ حسین اور حسین سے موالات وعقیدت کے قائل ہیں نیز نواسہ رسول سے نسب سے جو مشہور شخصیتیں ہیں مثلاً حسین بن حسن، عبداللہ بن حسن، علی بن الحسین (زین العابدین) باقر کے نام سے مشہور محمد بن علی بن حسین اور الصادق سے معروف جعفر بن محمد رحمہم اللہ تعالیٰ ان سب سے عقیدت وموالات کے قائل ہیں۔

اسی طرح علی رضی اللہ عنہ کی بقیہ صُلبی اولاد جیسے عباس، عمر، محمد بن الحنفیہ اور وہ سارے لوگ جو اپنے پاک رو آباء واجداد کے طریقوں پر قائم رہے سب کے بارے میں ان کا یہی عقیدہ ہے، صرف وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو اعتزال یا رفض وتشیع کی طرف مائل ہوئے، یا خود کو علوی وحسینی کہتے ہوئے ظلم وعدوان کا طرز عمل اختیار کیا۔ ❸

---

❶ مسند احمد (۳/ ۳، ۶۲، ۶۴، ۸۲، ۵/ ۳۹۱، ۳۹۲)، سنن ترمذی (۵/ ۶۵۶) (هذا حديث صحيح) الاحسان بترتيب صحيح ابن حبان، ابن بلبان (۹/ ۵۵) اثر نمبر (۶۹۲۰) مستدرك حاكم (۳/ ۱۶۷) تاريخ بغداد (۲/ ۱۸۵، ۴/ ۲۰۷، ۶/ ۳۷۲، ۹/ ۲۳۲، ۱۱/ ۹۰) مجمع الزوائد (۱۸۲) المقاصد الحسنة / السخاوی (۴۰۷) كشف الخفاء عجلوبی (۱۱۲۹) یہ حدیث متواتر حدیثوں میں سے ہے، فيض القدير / مناوی (۳/ ۴۱۵) نظم المتناثر / كتانی (۲۳۵)

❷ مسند احمد (۴/ ۱۷۲) فضائل الصحابة/ احمدبن حنبل (۲/ ۷۷۲) الادب المفرد/ البخاری ص (۱۳۳) التاريخ الكبير/ البخاری (۴/ ۲/ ۴۱۴، ۴۱۵) سنن ترمذی (۵/ ۶۵۹) و قال: هذا حديث حسن۔ سنن ابن ماجه (۱/ ۱۵۱) الاحسان بترتيب صحيح ابن حبان/ ابن بلبان (۹/ ۵۵) حديث نمبر (۶۹۳۲) المعجم الكبير/ طبرانی (۳/ ۳۲) مستدرك حاكم (۳/ ۱۷۷) مسند احمد (۲/ ۲۸۸، ۴۴۰، ۵۳۱) فضائل الصحابة (۲/ ۷۷۱) (۱۳۵۹) ابن ماجه (۱/ ۵۱) المعجم الكبير (۳/ ۴۱) مستدرك حاكم (۳/ ۱۷۱) تمام تر روایتیں بروایت ابوہریرہ صحیح سندوں سے ثابت ہیں۔

❸ الفرق بين الفرق/ البغدادی (۳۶۰)

نواب صدیق حسن خان فرماتے ہیں:

''اہل سنت و جماعت اہل بیت رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے اور ان سے عقیدت موالات کے معترف ہیں اور ان کے بارے میں اس قول رسول ﷺ کی پوری حفاظت و پاسداری کرتے ہیں جو آپ نے ''غدیر خُم'' ❶ کے موقع پر فرمایا تھا: ''اذکر کم الله فی اهل بیتی ، مرتین'' ❷ میں تمھیں اپنے اہل بیت کے بارے میں خیر خواہی کی نصیحت کرتا ہوں۔ آپ نے دوبارہ یہ بات فرمائی۔ اور جب آپ کے عم محترم عباس نے آپ ﷺ سے بعض اہل قریش کی خاطر خواہ نگاہ التفات وتوجہ سے بے اعتنائی کی شکایت کیا تو آپ نے ان سے فرمایا:

((والذی نفسی بیده لا یومنون حتی یحبوکم لله ولقرابتی .)) ❸ ، ❹

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ اللہ کے لیے اور میری قرابت کے احترام میں وہ تم سے محبت نہ کریں۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''چاہیئے کہ ہر مسلمان حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے غمگین ہو، کیوں کہ آپ سادات المسلمین اور علماء صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے تھے۔ رسول پاک ﷺ کی افضل ترین بیٹی کے لخت جگر تھے، وہ عابد، بہادر اور سخی انسان تھے۔'' ❺

چناں چہ اس میں کوئی شک نہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا گناہ کبیرہ کا ارتکاب تھا، اسے انجام دینے والا اس سے خوش ہونے والا اور اس میں تعاون دینے والا ایسے سارے لوگ اللہ کے عتاب وعقاب اور سزا کے مستحق ہیں۔ یہی وجہ رہی کہ ہمارے اسلاف نے حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کی بے انتہا مذمت کیا اور اسے رسوا کن عمل قرار دیا۔ ابراہیم النخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر میں قاتلین حسین میں شامل ہوتا اور جنت میں داخل ہوتا تو مجھے شرم آتی کہ اپنے اس گھناؤنے کردار کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ کا سامنا کرتا۔'' ❻

---

❶ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے اس کے اور جحفہ کے درمیان دو میل کا فاصلہ ہے۔ (معجم البلدان ٤/ ١٨٨)

❷ صحیح مسلم ص (٢٤٨)

❸ مسند احمد (١/ ٢٠٧ ، ٢٠٨) احمد شاکر نے کہا ہے کہ اسنادہ صحیح۔ اسی سے ملتی جلتی عبارت مسند ابوبکر الصدیق ص (۶۴) پر بھی ہے۔

❹ قطف الثمر فی بیان عقیدة اهل الاثر/ الصدیق حسن خان ص (١٠١ ، ١٠٢)

❺ البدایة والنهایة (٩/ ٢٠٥)

❻ المعجم الکبیر/ طبرانی (٧/ ١٩٥) ہیثمی نے (۱۹۳/۹) پر لکھا ہے کہ اس کے رجال ثقہ ہیں۔ ابن عساکر/ ترجمة الحسین ص (٢٦٠) العقد الفرید/ ابن عبد ربه (٤/ ٣٨٣) تهذیب الکمال (٦/ ٤٣٩) تهذیب التهذیب (٢/ ٣٠٦)

بہرحال جہاں ہمیں یہ تسلیم ہے کہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ امت مسلمہ کے لیے ایک المناک حادثہ تھا وہیں شہادت کے باب میں یہ گوشہ بھی انتہائی توجہ طلب اور قابل غور ہے کہ آپ رصی اللہ عنہ کی شہادت سابقین اولین انبیاء کی شہادت نیز مسیلمہ کذاب کے مجاہدین، شہدائے احد اور بئر معونہ کے شہدائے سے بڑی نہیں تھی، نہ ہی عثمان اور علی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے بالاتر تھی۔ ❶

اس سلسلہ میں ہمارا عقیدہ حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں اہل تشیع کے عقیدہ سے مختلف ہے کیوں کہ شیعہ حضرات شہادت حسین رضی اللہ عنہ کو دنیا کی عظیم ترین مصیبت و امت کے سب سے بڑی آزمائش مانتے ہیں، اس کے لیے جزع وفزع کرتے ہیں جس میں شاید زیادہ تر کام دکھاوے اور ریاکاری پر مبنی ہوتے ہیں۔ ❷ حالاں کہ حسین رضی اللہ عنہ کے والد محترم ان سے افضل تھے اور وہ ۴۰ھ میں ماہ رمضان المبارک کی سترہ (۱۷) تاریخ کو فجر کی نماز کے لیے جاتے ہوئے جمعہ کے دن شہید کئے گئے تھے، اس کے باوجود رفض وتشیع کا یہ ٹولہ آپ کی شہادت پر اس طرح ماتم نہیں کرتا جیسا کہ شہادت حسین پر کرتا ہے۔

اس طرح اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے مطابق عثمان رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ سے افضل تھے، اور آپ ۳۶ھ کے ذی الحجہ کے مہینہ میں ایام تشریق میں اپنے ہی گھر میں محصور کرکے مارے گئے، گردن سے شہ رگ کاٹ دی گئی، ان پر مظالم کے پہاڑ حسین سے بڑھ کر توڑے گئے، اور آپ کا صبر وتحمل زیادہ کامل تھا حالاں کہ دونوں ہی مظلوم شہید ہوئے تھے۔ ❸ آپ یہ بھی نہ بھولیں کہ شہادت حسین کے بالمقابل شہادت عثمان پر پوری امت مسلمہ زیادہ ہیجان میں مبتلا ہوئی اور اسے براٹھہرایا، اور ان کی شہادت پر جس طرح اسلامی فوج مدد کے لیے آگے بڑھی حسین رضی اللہ عنہ کے لیے نہیں آئی، اور جس طرح عثمان رضی اللہ عنہ کے اعوان وانصار نے ان کے دشمنوں سے انتقام لیا حسین رضی اللہ عنہ کے اعوان وانصار نے ان کے دشمنوں سے ایسا انتقام نہیں لیا، اور جس طرح شہادت عثمان کے نتیجہ میں شر وفساد اور فتنوں نے جنم لیا اس طرح شہادت حسین سے شر وفساد اور فتنے پیدا نہیں ہوئے، اور شہادت عثمان جس طرح اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کے نزدیک مستحق مذمت رہی، شہادت حسین رضی اللہ عنہ اس سے بڑھ کر نہیں رہی، پس عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلام کی طرف اولین سبقت کرنے والے سرکردہ افراد میں سے ایک تھے۔ آپ خلیفۃ المسلمین رہے، ان کے بیعت متفقہ رہی، ان سے پہلے امت مسلمہ میں مخالفت کی تلوار نہیں اٹھی، اور نہ ہی منصب خلافت پر فائز رہتے ہوئے آپ نے کسی کو قتل کیا۔

آپ مسلمانوں کو لے کر تلوار کے ذریعہ کافروں سے جہاد کرتے تھے، آپ کی خلافت میں تلوار کی وہی

---

❶ منهاج السنة / ابن تيمية (٤/ ٥٥٩، ٥٦٠) بتصرف

❷ ابن كثير (٩/ ٢٠٤) ❸ منهاج السنة (٢/ ٦٧)

جگہ تھی جہاں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں تھی، یعنی کفار کے لیے وہ بے نیام ہوتی تھی اور اہل قبلہ (مسلمانوں) کے مقابل اندر نیام رہتی تھی، مزید برآں خلیفہ ہوتے ہوئے آپ کو قتل کی دھمکی ملی لیکن آپ نے صبر کیا، اور اپنی جان کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے قتال نہیں کیا، یہاں تک کہ قتل کر دیئے گئے۔

بلاشبہ نواسۂ رسول کے مقابلہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ ثبات قدمی اور صبر کا یہ انداز زیادہ باعث اجر ہے اور آپ کا قتل کرنا اس شخصیت کے مقابلے میں زیادہ بڑا گناہ ہے جو کسی منصب ولایت پر فائض نہ ہوتے ہوئے طالب ولایت بن کر اپنے وطن سے نکلا اور اسے حاصل نہیں کر سکا۔ یہاں تک کہ انھیں لوگوں نے آپ سے جنگ و قتال کیا جن سے وہ رخصت کے طالب ہوئے پس آپ نے اپنی دفاع میں قتال کیا یہاں تک کہ قتل کر دیئے گئے۔

چناں چہ اس میں کوئی شک نہیں کہ طالب منصب و ولایت کے مقابلے میں ولایت کی طرف سے دفاع کرنے والے کا قتال کرنا حق سے زیادہ قریب ہے کیوں کہ طالب ولایت اقتدار کو دوسرے کے ہاتھ سے لینا چاہتا ہے جب کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی ولایت کی حفاظت و بقا کے لیے بلوائیوں سے قتال نہیں کیا اس طرح آپ کی حالت حسین رضی اللہ عنہ کی حالت سے افضل اور آپ کا قتل حسین رضی اللہ عنہ کے قتل سے زیادہ برا ہے۔

ازاں جملہ یہ پہلو بھی ذہن سے اوجھل نہ ہو کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے معاونین اور بدلہ لینے والوں میں معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام آگے آئے۔ جب کہ حسین رضی اللہ عنہ کے معاونین اور بدلہ لینے والوں میں مختار بن ابوعبیدہ ثقفی کذاب اور اس کے اعوان وانصار جیسے لوگ پیش پیش رہے پس اگر دونوں کے معاونین کا موازنہ کیا جائے تو کوئی بھی عقل مند شک نہیں کر سکتا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ بہر حال مختار سے بہتر تھے، کہ معاویہ کاتب وحی تھے، اور مختار کذاب و مدعی نبوت تھا۔ [1]

اس طرح عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے جو کہ عثمان وعلی رضی اللہ عنہما سے افضل تھے، آپ کی شہادت اس حالت میں ہوئی کہ آپ مصلی پر کھڑے فجر کی نماز پڑھا رہے تھے لیکن لوگوں نے آپ کی شہادت کو ماتم کا دن نہیں بتایا، نیز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو ان سے بھی افضل تھے، لیکن ان کی یوم وفات کو یوم ماتم کوئی نہیں مانتا، اور ان سب سے اعلیٰ و افضل دنیا و آخرت میں سید ولد آدم ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جنھیں اللہ نے وفات دیا، اور آپ سے پہلے دیگر انبیاء جو اس دنیا سے فوت ہوئے ان سب کی یوم وفات پر بطور ماتم وہ سب کچھ نہیں کرتے جو یہ روافض حسین رضی اللہ عنہ کی یوم شہادت پر کرتے ہیں۔ [2]

---

[1] منهاج السنة (٤/ ٣٢٨-٣٢٩)

[2] ابن كثير (٩/ ٢٠٥) لطائف المعارف/ ابن رجب (٥٢-٥٣)

جوشخص کتاب الٰہی اور ثابت شدہ سنت رسول پر غور کرے گا اور اپنے نفس اور آفاق کائنات میں اس سے عبرت حاصل کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی صداقت کو بآسانی اور بخوبی سمجھ جائے گا۔

﴿ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾

(فصلت: ۵۳)

''ہم انھیں آفاق میں اور خود ان کے نفسوں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے تاکہ ان کے لیے یہ واضح ہو جائے کہ وہ حق ہے۔''

پس اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آفاق دنیا اور خود ان کے نفسوں میں اپنی آیتیں اور نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ وہ یقین کر لیں کہ قرآن حق ہے اس کی خبر سچی ہے اور اس کا فیصلہ عدل پر قائم ہے۔

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقاً وَعَدْلاً لاَّ مُبَدِّلِ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ o﴾

(الانعام: ۱۱۵)

''صداقت اور عدل کے اعتبار سے تمھارے رب کا کلمہ پورا ہو چکا ہے، اس کے کلمہ کو کوئی بدلنے والا نہیں وہ سمیع اور علیم ہے۔''

مختصر یہ کہ اس موضوع سے متعلق ایک بات کا علم ضروری ہے کہ صحابہ، تابعین اور اہل بیت ہوں یا ان سب کے بعد قیامت تک آنے والے سارے انسان، ان میں جو شخص بھی علم و دین میں بڑا ہوگا اس سے کبھی کبھار اجتہادی لغزش کا وقوع ممکن ہے جس کے پیچھے ظن یا پوشیدہ خواہش کارفرما ہو پھر اس لغزش اور غلطی کی وجہ سے اس سے ایسا نامناسب عمل صادر ہو جائے جو اس سے پیروکاروں کے لیے مناسب نہیں ہے خواہ وہ شخص اللہ کے تقوی شعار اولیاء ہی میں سے کیوں نہ ہو۔ اور جب کسی عظیم شخصیت سے یہ غلطی ہو جاتی ہے تو وہ دو گروہوں کے لیے باعث فتنہ ہو جاتا ہے۔ ایک گروہ تو اس کی عظمت پر حرف نہیں آنے دینا چاہتا وہ اس کی رائے کو درست ٹھہرانے اور عمل کرنے کو بہرحال صحیح اور جائز ثابت کرنا چاہتا ہے۔ جب کہ دوسرا گروہ اس کی مذمت کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کی ولایت وتقویٰ مجروح ہو جاتی ہے بلکہ اس کے ایمان تک دست درازی کرتے ہوئے ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔ واضح رہے کہ ایسے دونوں گروہ غلطی پر ہیں۔ [1]

۳۔ شہادت حسین کے اثرات ونتائج:

شہادت حسین کے اثرات ونتائج پر گفتگو کرتے وقت ہمیں اس بڑے اثر پر خاص توجہ دینا ضروری ہے جو اہل تشیع کے یہاں بھیانک شکل اختیار کر گیا اور جس کی وجہ سے پیروان شیعیت کو اپنا فلسفہ نئے سانچے میں

[1] منهاج السنة (٤/ ٥٤٢) بتصرف

ڈھالنے اور نیا ماحول تیار کرنے میں کافی مدد ملی، پھر انھوں نے تشیع کے لیے اپنے مخصوص نظام اور خاص مذہبی رسومات وضع کر لئے جو اپنے اصول، مصادر، اور احکام میں اہل سنت و جماعت سے مختلف ہیں۔ چناں چہ اس حادثہ فاجعہ کی وجہ سے جو دور رس اثرات و نتائج امت پر مرتب ہوئے انھیں دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) سیاسی (۲) فکری و اعتقادی۔

(۱)......سیاسی:

امام وقت کے خلاف خروج اور بغاوت کے موضوع پر نبی اکرم ﷺ سے ثابت شدہ صحیح ترین حدیثوں پر جو شخص غور کرے گا وہ جان لے گا کہ نصوص نبویہ کی تعلیمات ہی سب سے بہتر امور ہیں اسی لیے جب حسین رضی اللہ عنہ نے عراقیوں کے خط و کتابت کے بعد وہاں جانے کا ارادہ کیا تو افاضل علماء اور دین کی سرکردہ شخصیات مثلاً ابن عمر، ابن عباس، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام وغیرہ نے آپ کو وہاں جانے سے روکا اور انھیں یہ گمان غالب رہا کہ آپ وہاں جانے کی صورت میں قتل کر دیئے جائیں گے کہ حتیٰ کہ بعض لوگوں نے آپ کو "استودعك الله من قتيل" کہہ کر الوداع کہا، حالاں کہ یہ لوگ آپ کی خیر خواہی کی نیت رکھتے تھے۔ ان کی اور دیگر مسلمانوں کی مصلحت کے طالب تھے اور اللہ اور اس کے رسول خیر و صلاح کا حکم دیتے ہیں نہ کہ فساد و بگاڑ کا، لیکن انسان کی رائے بہرحال رائے ہے کبھی درست رہتی ہے اور کبھی غلطی کر جاتی ہے۔ پس بعد کے حالات نے واضح کر دیا کہ صداقت انھیں لوگوں کی رائے میں تھی جو آپ کو روک رہے تھے، وہاں آپ کے جانے میں نہ دین کی مصلحت تھی نہ دنیا کی۔ وہ ظالم و سرکش لوگ نواسہ رسول ﷺ پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے، اور آپ کو مظلومیت کی حالت میں جام شہادت نوش کرنے پر مجبور کر دیا۔ آپ کے مکہ سے نکلنے اور قتل ہونے سے جو فساد بپا ہوا اگر آپ اپنے وطن میں بیٹھے رہتے تو وہ نہ ہوتا۔ آپ نے مکہ سے کوفہ نکل کر جس خیر کو پانے اور شر و فساد کو مٹانے کا قصد کیا تھا اس میں سے ایک بھی حاصل نہ ہوا بلکہ شر و فساد میں اضافہ ہی ہوا خیر میں کمی ہوئی، اور ایک بڑے فتنے نے دنیا میں جنم لے لیا اور ایسے ہی فتنے در فتنے پیدا ہوئے جس طرح شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ یکے بعد دیگرے متعدد فتنوں نے جنم لیا تھا۔ چناں چہ ان تمام تر تفصیلات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مسلم حکام کے ظلم و جور پر جو صبر کرنے کا حکم اور ان سے قتال و بغاوت کو ممنوع قرار دیا ہے یہی بندوں کے لیے دنیا و آخرت میں سب سے درست اور مناسب بات ہے۔ اور جس نے اس تعلیم نبوی کی جان بوجھ کر، یا غلطی سے مخالفت کیا اس کے عمل سے کوئی اصلاح و تعمیر نہیں بلکہ فساد بپا ہوگا اسی لیے نبی ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ کی یہ فرماتے ہوئے تعریف کی تھی:

((ان ابنى هذا سيد و سيصلح الله به بين فيئتين عظيمتين من المسلمين .))

''میرا یہ بیٹا سردار ہے، اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔''

چناں چہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے نہ تو فتنہ میں جدال وقتال کرنے والوں کی تعریف کیا اور نہ ہی مسلم حکام کے خلاف خروج (بغاوت) کرنے والوں کی، اور نہ ہی آپ نے اس کی تعریف کیا جس نے اطاعت امیر سے ہاتھ کھینچا ہو اور نہ اس کی جو جماعت سے الگ ہونے والا ہو۔ ❶

پس یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو لوگ نازک ترین حالات میں شر وفتن انقلابات اور خونریزیوں کو پسند کرتے ہیں ان کی رائے غلط ہے جیسا کہ اسی خیال کے ایک موید اپنے مقابلے میں لکھتے ہیں:

''حسین رضی اللہ عنہ نے ایک جنگی معرکے میں جو شکست کھائی یا سیاسی محاذ پر جو خسارہ اٹھایا پوری تاریخ میں کسی ہزیمت یا خسارے کے شکست خوردہ لوگوں پر ویسے دور رس اثرات مرتب نہیں ہوئے جس طرح یہاں ہوا۔ آپ کی شہادت نے اہل مدینہ میں انقلابی روش پیدا کر دیا، عبداللہ بن زبیر کا انقلاب وجود میں آیا، مختار بن ابی عبید اور جماعت توابین کے انقلابات زندہ ہو گئے اور معاملہ یہیں نہیں بند ہوا یہاں تک کہ دیگر بہت ساری انقلابی تحریکیں نکل پڑیں۔'' ❷

میرے خیال میں شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد راست طور پر سب سے واضح شکل میں جو نتیجہ سامنے آیا وہ یہ کہ لوگ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے تائید کی طرف متوجہ ہو گئے، اور یزید کے خلاف ان -رضی اللہ عنہ- کے خروج کو درست ٹھہرانے لگے اور وہ وقت آیا جب حجاز میں یزید کی مخالفت کی کمان انھوں نے ہی سنبھالی۔

اسی طرح یہ نتیجہ بھی سامنے آیا کہ کوفہ وغیرہ میں انتقام کے نام پر ۶۴ھ سے ۶۵ھ کے درمیان تحریک توابین اور ۶۷ھ میں تحریک مختار بن ابی عبید ثقفی نام کی متعدد انقلابی تحریکیں قائم ہو گئیں، اور اس کا جھنڈا اسی نام سے اٹھا کہ ہم شہادت حسین کا بدلہ لینے والے ہیں۔ ❸

(۲)......فکری واعتقادی:

کربلاء میں شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد فکری واعتقادی اعتبار سے سب سے اہم نتیجہ یہ سامنے آیا کہ اہل تشیع کے یہاں انتہا پسندی اور مبالغہ آمیزی کا چشمہ پھوٹ نکلا، بلکہ یہ کہا جائے کہ شہادت حسین کے بعد

---

❶ منهاج السنة (٤/ ٥٣٠-٥٣١)

❷ مجلّہ افغانستان میں ایک مضمون جس کے لکھنے والے م عطاء اللہ ہیں سچ بھی یہی ہے کہ ان انقلابات کے نتیجے میں سوائے خوں ریزی، لوٹ مار، اور ہر جگہ خوف وہراس نیز تعطل فی جہاد اللہ کے علاوہ کوئی چیز ہاتھ نہ لگی۔

❸ یزید بن معاویہ/ العقیلی ص (٥٣) حرکة المختار/ هند عسان ص (١٢٤)

شیعیت کی فکری و اعتقادی تاریخ نے اہم موڑ لے لیا تو بے جا نہ ہوگا کہ اس دردناک حادثہ کے بعد اہل تشیع کے دلوں میں شیعیت کی آگ بھڑک اٹھی، اور ان کی صفوں میں اتحاد کی روح بیدار ہوگئی۔ بلکہ یوں کہیے کہ اس حادثہ سے قبل تشیع اور شیعیت صرف ایک سیاسی نظریہ کے طور پر قائم تھی عقائد سے اس کا تعلق نہیں تھا، لیکن بعدازاں یہی نظریات عقائد میں تبدیل ہوکران کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئے اور وہ دل و جان سے اسے ماننے لگے۔ ❶ حتیٰ کہ بعض مورخین یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ شیعیت کی نشو ونما حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خانوادے کی شہادت کے بعد ہوئی۔ ❷ پھر طرفہ تماشا یہ رہا کہ فارسیوں نے شیعی اصول وقواعد کو گلے لگایا اور شیعی عقیدہ حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کی پاکیزہ نسل کے اردگرد ایک ہالہ بن گیا، حسن رضی اللہ عنہ اور ان کی نسل کا اس سے تعلق نہیں رہا، اور شیعیت کے اساسی عقیدہ میں یہ بات شامل ہوئی کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور ان کی ذریت کا خلافت پر الٰہی حق ہے اور امامت کے ثبوت کا اعتبار نص سے ہوگا نہ کہ انسانوں کے انتخابات واختیار سے۔ ❸ بلکہ اہل تشیع نے میدان کربلا میں حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو راہ حق کی ایسی قیمتی سرفروشی وقربانی سے تعبیر کیا جو مسیحیوں کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی قربانی کے مشابہ ہے۔ ❹

واضح رہے کہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد فکری و اعتقادی اختلافات صرف اہل سنت و جماعت اور اہل تشیع کے درمیان ہی محدود نہیں رہے بلکہ خود اہل تشیع میں ان کے نظریات وعقاید میں ایسے اختلافات رہے کہ وہ کئی فرقوں اور جماعتوں میں تقسیم ہوگئے۔ ❺

چوں کہ انہیں شہادت حسین کو ایک خاص قالب میں ڈھالنا اور اسے خاص اہمیت دینا مقصود تھا اس لیے انھوں نے یوم عاشوراء (دس محرم) کو خوب خوب اہمیت دی، اس دن اظہار رنج وغم کے لیے مختلف اسلوب اپنائے، اور اس دن کے فضائل میں لاتعداد احادیث و روایات کو وضع کیا۔ صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ عاشوراء کے دن غم حسین میں آنسو بہاتے اور ماتم کرنے کو سابقہ گناہوں کی معفرت کا ذریعہ قرار دیا، اور اسی نقطۂ نظر سے یوم عاشوراء کو جلوس ومجالس کا اہتمام ایک دینی فریضہ بن گیا، جسے حکام ورعایا سبھی یکساں طور پر

---

❶ نظرية الامامة، احمد محمود صبحى ص (٤٧) الفكر الشيعى، كامل مصطفى ليثى ص (٢٢) تاريخ الدولة الحربية/ فلهاوزون ص (١٤٤)، الوثائق السياسية للجزيرة العربية/ محمد ماهر حمادة ص (١٩) الشيعة و التصحيح/ موسى لموسوى ص (١٣)

❷ فصة الحضارة/ وِل ديورانت (٢/ ٣٢)

❸ الوثائق السياسية للجزيرة العربية/ محمد ماهر صادق ص (١٩-٢٠)

❹ التاريخ السياسى/ عبدالمنعم ماجد (٢/ ٧٧)

❺ فرق الشيعة/ النوبختى ص (٢٣)

کرنے لگے اور رنج والم سے ڈوب ہوئے اس دن میں اپنے مذہبی جذبات کے اظہار میں مبالغہ کرنے لگے۔ ❶
شیعیت کے اصول وعقائد مرتب کرنے والوں نے اول دن سے اس بات کی کوشش کی ہے کہ یوم عاشوراء کو پرزور طریقے سے نمایاں کریں۔ ❷ اور اس راستے سے شیعیت اپنے متبعین کے سینوں میں ہمہ وقت سرگرم رہے، یہی وجہ رہی کہ شیعی حکومتیں ہمیشہ اس دن کا اہتمام کرتی رہی ہیں، مثلاً بویہی حکومت کے دور میں بغداد اور اس کے قرب وجوار میں عاشوراء کے دن توپ داغے جاتے، عام شاہراہوں اور بازاروں میں ریت اور دھول اڑائے جاتے، دوکانوں میں کالے کرتے لٹکائے جاتے، لوگ رنج والم اور آہ وبکا کا مظاہرہ کرتے، بہت سارے تو ایسے ہوتے جو اس رات حسین رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں پانی نہیں پیتے تھے کہ آپ کی شہادت پیاس کی حالت میں ہوئی تھی۔

پھر ان کی عورتیں چہرہ کھولے اسے پیٹتے ہوئے، سینہ کوبی کرتے اور نوحہ کرتے ہوئے ننگے پیر بازاروں میں چلتیں، اس کے علاوہ نامعلوم کیا کیا قبیح ترین بدعتیں، منگھڑت، خلاف شرع امور اور نفس پرستیوں کا مظاہرہ کرتیں۔ ❸ مصر میں عبیدیوں کی دور حکومت میں ایسا ہوا کرتا تھا۔ ❹ خود ساختہ زعم کے مطابق شیعوں نے قبر حسین کے تعلق سے بڑی مبالغہ آرائی سے کام لیا اور اس کی زیارت کو خانہ کعبہ کے حج سے افضل قرار

---

❶ ایران فی ظل الاسلام/ عبدالمنعم حسنین ص (۱۰٤)

❷ شیخ الاسلام فرماتے ہیں: شہادت حسین کی وجہ سے شیطان نے لوگوں میں دو بدعتیں ایجاد کرنا چاہیں۔ ایک تو عاشوراء کے دن نوحہ وماتم کی بدعت جس میں سینہ کوبی کرتے ہیں گریبان چاک کرتے ہیں، روتے ہیں اور پیاسے رہتے ہیں۔ مرثیہ خوانی کرتے ہیں اور پھر اسلاف صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں، ایسے میں دوسری بدعت ان کے فرح وسرور کی ہے...... (منهاج السنة (٤/ ٥٥٤-٥٥٦) رسالة فی الرعد علی الرافضة/ ابن عبدالوهاب ص (۱۹) حالاں کہ یہ بالکل واضح ہے کہ یوم عاشوراء کو سرمہ لگانے، لباس زینت پہننے اور سخاوت کرنے وغیرہ کے تعلق سے جو فضائل وارد ہیں ان میں ایک بھی صحیح نہیں ہیں۔ نہ اس میں روزہ رکھنے والی حدیثوں کو چھوڑ کر کوئی صحیح حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ المنار المنیف/ ابن القیم (۱۱۱-۱۱۲) نیز یوم عاشوراء کے بارے میں موضوع روایات کے نمونوں کو دیکھنے کے لیے رجوع کریں۔ المقاصد الحسنة/ السخاوی (٤٤۱) اللآبی المصنوعة (۲/ ۱۱۱-۱۱٤) تنزیه الشریعة/ ابن عراق (۲/ ۱۵۷-۱۵۸) فیض القدیر / المناوی (٦/ ۲۳۵) کشف الخفاء/ عجلونی (۲/ ۲۸۳-۲۸۳) الآثار المرفوعة/ للکنوی ص (۲۲۵-۲۳۱) التذکرہ/ زرکشی (۱۸۸) سلسلة الاحادیث الضعیفه (۲/ ۱۸۹) اثر نمبر (٦۲٤) تعجب ہے کہ حکیم ترمذی یوم عاشوراء کی فضیلت میں موضوع روایتیں نقل کرتے ہیں اور ان کی تشریح بھی کرتے ہیں۔ دیکھئے: نوادر الاصول ص (۲٤٦)

❸ ابن کثیر (۹/ ۲۰٤)

❹ الخطط، المقریزی (۱/ ٤۳۱) اخشیدیین کے زمانے ہی سے مصر میں یوم عاشوراء کی وجہ سے فتنے ہوتے رہے ہیں، عبید کافور وغیرہ وہاں اہل تشیع کے خلاف تھے وہ عاشورا کے دن عام شاہراہ پر کھڑے ہوجاتے اور ہر گزرنے والے سے پوچھتے کہ تمھارے ماموں کون ہیں؟ اگر وہ کہتا: معاویہ، تو اسے چھوڑ دیتے اور احترام کرتے اور اگر خاموش رہتا تو اس کی خیر نہیں ہوتی، اس کے کپڑے اور سامان چھین لئے جاتے۔ اتعاظ الحنفاء / المقریزی (۱/ ۱٤٦)

دیا۔ ❶ بلکہ ان کا منصوص عقیدہ ہے کہ قبر حسین کی زیارت کرنے والا گویا عرش کے اوپر اللہ کی زیارت کر رہا ہے۔ ❷ اللہ تعالیٰ ان عقائد سے پاک اور برتر و بہت بالا ہے۔ اس طرح منجملہ خلفاء راشدین اور یزید و معاویہ رضی اللہ عنہ کی تکفیر اس قوم کا عقیدہ ٹھہرا، اور اگر اس عقیدہ سے اعتراف و اقرار کی وجہ سے کوئی شیعہ اہل سنت کے ہاتھوں قتل کیا گیا تو وہ اہل تشیع کے نزدیک درجہ شہادت سے سرفراز ہوا۔ ❸

واضح رہے کہ جذبات کو بھڑکانے میں شعراء کا بھی بڑا اہم اور خطرناک کردار رہا کہ انھوں نے شہادت حسین اور ان کی مظلومیت پر دل سوز الفاظ کے ساتھ شاعرانہ طبع آزمائی کی۔ ❹ اور شہادت حسین پر اپنے اظہار رنج وغم، مرثیہ خوانی اور قصائد کی تخلیق کو اپنی کمائی کا آسان طریقہ بنایا۔ ❺ بالکل اسی طرح خوابوں کو بھی جذبات کو برانگیختہ کرنے میں بڑا اہم کردار رہا۔ ❻

شیعی عقائد صرف یہیں پر بس نہیں ہوتے، بلکہ اہل سنت کے خلاف کھڑے ہونے والے ہر دشمن کی مدد کے لیے تیار رہنا ان کا مذہبی شعار ہے ❼ وہ دشمن کیسا بھی ہو، شہادت حسین کے نتیجہ میں جیسے اہل سنت و جماعت کے خلاف عداوت انہیں وراثت میں ملی ہے حالاں کہ انھیں لوگوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو دھوکا دیا، اور

---

❶ تهذيب الاحكام/ ابوجعفر طوسی (٦/ ٤٧)

❷ تهـذيـب الاحكام/ ابوجعفر طوسی (٦/ ٤٦) حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کی مبالغہ آرائی کا ایک عکس ان کے ان اقوال میں بھی دیکھ سکتے ہیں: ''قبر حسین کی زیارت بیس (٢٠) حج کے برابر ہے، بلکہ بیس حج اور بیس عمرہ سے افضل ہے۔ جس نے یوم عرفہ کو قبر حسین کی زیارت کی اسے مہدی منتظر کے ساتھ دس لاکھ حج وعمرہ کا، رسول اللہ کے ساتھ دس لاکھ عمرہ کا، دس لاکھ گردن آزاد کرنے کا، اور اللہ کے راستے میں دس لاکھ گھوڑے دوڑانے کا ثواب ملے گا، اللہ تعالیٰ اس کا صدیق نام رکھتا ہے اور کہتا ہے میرا بندہ میرے وعدوں پر ایمان لایا، تب فرشتے کہتے ہیں: فلاں تو صدیق ہے اللہ نے عرش سے اس کی تصدیق کی ہے، اور اہل زمین کے لیے اس کا نام کروبی رکھا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ یوم عرفہ کو میدان عرفہ میں کھڑے ہونے والوں سے پہلے قبر حسین کی زیارت کرنے والوں پر نگاہ ڈالتا ہے کیوں کہ عرفات میں قیام کرنے والوں میں اولاد الزنا (حرامی) ہوتے ہیں لیکن قبر حسین کے زائرین میں حرامی نہیں ہوتے۔ دیکھئے تهذيب الاحكام (٦/ ٤٧، ٤٩ - ٥٧)

❸ الـصـواعق المحرقة ص (٢٧٦) باطنیہ کے عقائد دیکھنے کے لیے دیکھیں: یـحـیـیٰ علوی کی کتاب مشکوٰۃ الانوار ص (٦٤-٧٣) المصطلح الشريف/ فضل الله العمری ص (٢٠٢) مرآة الزمان/ سبط ابن الجوزی (١/ ١٢٦)

❹ الاوراق فی اخبار الشعراء المحدثين/ ابوبكر الصولی (١٨١-١٨٢) طبقات الشعراء/ ابن المعتز (٣٢، ٣٤، ٢٤٣) خـريدة القصر/ القسم العراقی/ الاصفهانی (٢٢/ ٣٠٣) عقد الجمان / العينی ص (١٣٤) ابن كثير (١٢) الدارس فی تاريخ المدارس / النعيمی (١/ ٤٧٩) نفخ الطيب/ المقری (٥/ ٧٠، ٧/ ٣٦٥)

❺ ارشاد الاريب/ ياقوت (٤/ ٥٧-٥٨)

❻ شذرات من كتب مفقودة/ احسان عباس ص (١٥٨)

❼ امریکہ افغانستان اور امریکہ عراق جنگ اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ (مترجم)

آپ کی شان میں گستاخیاں کیں (رضی اللہ عنہ) [1] ...... اہل سنت سے بیزاری اور انھیں ایذا پہنچانا اہل تشیع کے نزدیک اللہ سے تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ اور حسین وآپ کے اہل بیت کے ساتھ دہرائی گئی مظلومیت کی یادآوری کا سبب ہے۔

چناں چہ ہلاکو کی آمد سے کچھ پہلے بغداد میں شیعہ سنی فساد ہوا تو وزیر ابن العلقمی نے اربد میں نائب خلیفہ تاج الدین محمد بن حلایا (شیعی) کے نام ایک خط لکھا: ''مکرم ومحترم خانوادہ علویہ کی خدمت میں میں شاعر کی زبان میں ایک بہترین تمثیل کے ذریعہ اپنی بات عرض کرتا ہوں۔

امــــور تــــضــــحك الســــفهـــــاء مـــــنهـــــا

و يبـــــكـــــى مـــــن عـــــواقبهـــــا الـــــلبيـــــب

''کچھ ایسے مسائل ہیں جن سے احمقوں کو ہنسی آتی ہے۔ حالاں کہ اس کے انجام سے دانا وزیرک لوگ رو رہے ہیں۔''

پس ان سب کے لیے اسوہ ہے حسین کی زندگی میں جن کی عورتوں کو لوٹا گیا اور ان کا خون بہایا گیا۔ [2]

پھر وزیر ابن العلقمی نے تاتاریوں سے خط وکتابت کے ذریعہ اپنے تعلقات مضبوط کئے، انھیں بغداد پر حملہ کرنے کی لالچ دلائی، اور ان کے لیے ماحول سازگار کیا، یہاں تک کہ خلیفہ وقت اور اس کے مصاحبین تک کو دھوکا دیا، چناں چہ تاتاری حملہ آور ہوئے، پورے ملک میں بڑی تباہی مچی، اور پورے بغداد کو ان کے ہاتھوں تہ وبالا کر دیا گیا، یہ سب جرائم ابن العلقمی کی شہ پر وجود میں آئے جس کا گمان یہ تھا کہ وہ اس بربادی کے ذریعہ قاتلین حسین رضی اللہ عنہ سے بدلہ لے رہا ہے۔ [3]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

''حیرت کی بات ہے کہ یہ روافض آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ومحبت کے دعویدار ہیں حالاں کہ انھوں نے دار الخلافہ بغداد پر تاتاری کافروں کو حملہ آور ہونے میں پوری مدد کی، یہاں تک کہ ان کفار کے ہاتھوں مسلمان اولاد بنو ہاشم کی اتنی بڑی تعداد تہ تیغ کر دی گئی جسے صحیح معنوں میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے، اور ان ظالموں کی خونریزی میں اٹھارہ لاکھ ستر ہزار سے کچھ زیادہ ہی لوگ مار ڈالے

---

[1] اسی پر بس نہیں بلکہ دراصل وہی قاتل ہیں انھوں نے ہی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور یزید، عبید اللہ بن زیاد اور عمر بن سعد کو متہم کر دیا۔ (ش)

[2] طبقات الشافعیه/ السبکی (٨/ ٢٦٢) المختصر/ ابن الوردی (٢/ ٢٨٢)

[3] ابن کثیر (١٣/ ٢١٤، ٢١٦)

گئے، انھوں نے عباسی خلیفہ کوقتل کر دیا، ہاشمی عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا، بلاشبہ یہ سب کچھ آل محمد کے ساتھ بغض ونفرت کا مظہر تھا۔ اور یہ سب روافض کی مدد سے تاتاری کافروں کا عمل تھا، انھیں روافض نے اپنے گمان کے مطابق یزید جیسے لوگوں کے پاس ہاشمی خواتین کو قید کر کے پیش کیا، یہ لوگ دوسروں پر جو عیب لگاتے ہیں اس میں سب سے بڑھ کر ملوث ہیں۔'' [1]

بلکہ انھیں شیعی علماء نے اہل دمشق کے خلاف انتقامی کارروائی کے لیے تیمور لنگ جیسے ظالم وسفاک آدمی کو ابھارا، اس لیے کہ یزید دمشق میں تھے، اور دمشق اس وقت اموی سلطنت کا دار الخلافہ تھا، ان شیعیوں کی نگاہ میں یہ ضروری تھا کہ شہادت حسین کا بدلہ چکائیں، اس لیے اس نے بے شمار دمشقیوں کو قتل کیا اور انھیں مختلف اذیتوں سے دوچار کیا۔ [2]

پس یقیناً شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا مسئلہ امت مسلمہ کے لیے ایک مصیبت کی شکل میں باقی رہا، تاہم یہ مصیبت مسلمانوں کے لیے وفات نبوی، ارتحال ابوبکر صدیق اور شہادت عمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم اجمعین سے بڑھ کر نہیں ہے، صحیح بات تو یہ ہے کہ یہ اور اس طرح کے دیگر اہم مصائب کے موقع پر وہی کہا جائے جو علی بن حسین نے اپنے دادا (علی رضی اللہ عنہ) سے اور انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، کہ آپ نے فرمایا:

((ما من مسلم يصاب بمصيبة فيتذكرها و إن تقادم عهدها فيحدث لها استرجاعا الا اعطاة الله من الاجر مثل يوم اصيب فيها .)) [3]

''اگر کوئی مسلمان کسی مصیبت سے دوچار ہو پھر وہ اسے یاد کرے اگرچہ اس پر ایک مدت گزر چکی ہو، اور انا للّٰه و انا اليه راجعون کہے تو اللہ تعالیٰ اسے اسی دن کی طرح ثواب دیتا ہے جس دن اس سے دوچار ہوا تھا۔



[1] منهاج السنة (٤/ ٩٢)

[2] عجائب المقدور فی نوائب تیمور/ ابن عربشاہ ص (١٥٩-١٦٠) المنهل الصافی (٤/ ١٢٤) تاریخ بخاری/ فاجری (٢٤١)

[3] مسند احمد (٣/ ١٧٥) حدیث نمبر (١٧٣٥) احمد شاکر فرماتے ہیں: اس کی سند بے حد ضعیف ہے۔ نیز سنن ابن ماجه (١/ ٥١٠) حدیث نمبر (١٦٠٠) اور شیخ البانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے دیکھئے: تخریج المشكاة (١٧٠٠)

اہل مدینہ کی مخالفت اور معرکہ حرہ

اصل موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے ہم بطور تمہید ان مصادر و مراجع پر گفتگو کرنا مناسب سمجھتے ہیں جن میں اس موضوع پر معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں، کیوں کہ پہلی صدی ہجری میں یہ معرکہ جیسے ''معرکہ حرہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان مصائب و ابتلاءات میں سے ایک اہم آزمائش تھی جس سے امت مسلمہ دوچار ہوئی، بلکہ یوں کہیئے کہ خطرناکی اور فریقین میں سے ایک کے حق بجانب ہونے کے گمان کے اعتبار سے جمل وصفین کے بعد یہ دوسرا بڑا معرکہ رہا ہے، بہرحال اس معرکے کے اہمیت کے باوجود تاریخی کتابوں کے حوالے سے اس سلسلے میں ہمیں جو معلومات پہنچی ہیں وہ اس کے مقام و مرتبہ کے مناسب نہیں ہیں خاص طور سے جب اس کا موازانہ شہادت حسین جیسے واقعہ سے کیا جائے، اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اعتقادی یا جماعت بندی کے ایسے اسباب و محرکات موجود نہیں تھے کہ اس معرکہ پر کئی کتاب کی تصنیف اور قلم کی جنبش تقرب الٰہی اللہ کا ذریعہ بنتی، یا کسی خاص عقیدہ اور مخصوص نظریئے کو جنم دیتی جس طرح کہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا مسئلہ ہے۔ اس کے باوجود ''معرکہ حرہ'' کے بارے میں ہمیں جو تالیفات دستیاب ہیں ان سے ہم اس کے خطوط ونقوش اخذ کرسکتے ہیں بلکہ یوں کہے کہ بہت حد تک قدرے تفصیل سے اس پر گفتگو کی جاسکتی ہے۔

✵ قدیم ترین مورخین میں سے سب سے پہلے ہمیں اس معرکہ کے بارے میں عوانہ بن حکم [1] کی روایتیں ملتی ہیں بلکہ ممکن ہے کہ یہی اس سلسلے کے سب سے پہلے مورخ ہوں، کیوں کہ ''معرکہ حرہ'' کے نام کی اوّلین کتاب پر باوجود یکہ کسی مولف کا نام نہیں ملتا لیکن ابن الندیم نے عوانہ بن حکم کی کتابوں کو شمار کرتے ہوئے، ''سیرۃ معاویہ و بنی امیہ'' نامی کتاب کو ان کی تالیفات میں شمار کیا ہے۔ [2] اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ متاخرین مورخین نے معرکہ حرہ کے بارے میں عوانہ سے جو کچھ اخذ کیا ہے اس کا مصدر یہی کتاب رہی ہو۔

بہرحال اس میں شک نہیں کہ عوانہ کی کتاب ہم تک نہیں پہنچی، اور وہ شاید ماضی کے ایک طویل ترین

[1] ان کی سوانح کے لیے دیکھئے: معجم الادباء/ یاقوت الحموی (۱۶/ ۱۳۴)، سیر اعلام النبلاء (۷/ ۲۰۱) لسان المیزان/ ابن حجر (۴/ ۳۸۶)

[2] الفهرست/ ابن ندیم ص (۱۰۳)

عرصے سے مفقود ہے۔لیکن طبری [1]، بلاذری [2] اور خلیفہ [3] وغیرہ نے عوانہ کی کتاب سے جو عبارتیں نقل کی ہیں گرچہ وہ کم ہی سہی۔ بہت حد تک اس کتاب کے اہم مباحث کی محافظ ہیں۔

* متقدمین مورخین میں سے ''معرکہ حرہ'' پر کتاب تالیف کرنے والوں میں ابومخنف [4] بھی سرخیوں میں ہے،اس کی تالیف کا نام ''وفاة معاويه و ولاية ابنه يزيد و وقعة الحرة و حصار ابن الزبير'' ہے۔ [5] واضح رہے کہ ابومخنف نے اس کتاب میں باجودیکہ عراق کے واقعات وحوادث کو مرکزی عنوان بنایا ہے لیکن معاً معرکہ حرہ کے بارے میں بہت ساری معلومات فراہم کرنے میں بھی بہت حد تک کامیاب رہا ہے، اور دوران محاصرہ امویوں کو کن حالات سے دوچار ہونا پڑا، اس پر مفصل گفتگو ہے۔ [6] ابومخنف کی کتاب کی بعض تحریریں اور چند اقتباسات بسند طبری [7] اور بلاذری [8] ہم تک پہنچی ہیں۔

* ''معرکہ حرہ'' کے چند گوشوں کا خاص اہتمام کرنے والوں میں متقدمین مورخین میں ''ابو اليقظان النسابة'' کا نام بھی آتا ہے۔ [9] لیکن قدیم ترین تاریخی مصادر میں معرکہ حرہ کے تعلق سے ابوالیقظان کی کوئی تالیف نہیں ملتی اور اسے تقویت وترجیح اس بات سے ملتی ہے کہ خلیفہ نے ابوالیقظان کی سند سے جن تحریروں کا اقتباس کیا ہے وہ ابویقظان کی کتاب ''النسب الكبير'' [10] میں ضمناً تحریر تھیں اور عموماً مولفین انساب کے طرز تالیف کے مطابق وہ روایت بھی اسانید سے خالی ہیں۔

* ہیثم بن عدی [11] بھی انھیں مورخین میں سے ایک ہیں جن کے نزدیک معرکہ حرہ کی تفصیلات کافی اہم

---

[1] تاريخ الامم و الملوك (٥/ ٤٨٧ ، ٤٩١ ، ٤٨٩ ، ٤٩٢ ، ٤٩٣ ، ٤٩٤)

[2] انساب الاشراف (٤/ ٣٢٧ ، ٣٢٩ ، ٣٣١)

[3] تاريخ خليفه (٢٣٩-٢٥٠)

[4] سير اعلام النبلاء (٧/ ٣٠١ ، ٣٠٢) ميزان الاعتدال (٣/ ٤١٩)

[5] الفهرست/ ابن النديم ص (١٠٥)

[6] الطبرى (٥/ ٤٨٢-٤٨٣)

[7] تاريخ الامم والملوك (٥/ ٤٨٥ ، ٤٨٧ ، ٤٨٩ ، ٤٩١ ، ٤٩٢ ، ٤٩٣)

[8] انساب الاشراف (٤/ ٣٢٠ ، ٣٣٢)

[9] ان کی سوانح حیات کے لیے دیکھیں: معجم الادباء / ياقوت (١١/ ١٨٩) هدية العارفين/ اسماعيل پاشا (٢/ ٤٣٥) معجم المولفين ، كحالة (٥/ ٥٣) تحقيق كتاب الطبقات للخليفة/ العمرى (٤١٥-٢٣)

[10] الفهرست / ابن النديم ص (١٠٧)

[11] تاريخ بغداد/ ابن الخطيب (١٤/ ٥٠-٥٢) لسان الميزان / ابن حجر (٦/ ٢٠١)

رہیں، اور ان کی چند روایتیں ہم تک صرف بلاذری کی سند سے پہنچی لیکن ان میں قابل ملاحظہ باتیں یہ ہیں کہ جانبداری کا رجحان رکھتی ہیں۔ [1] یا انھوں نے وہ روایتیں بسند عوانہ اخذ کی ہیں، [2] جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ متقدمین مورخین کے نزدیک ہیثم بن عدی اپنے تاریخی بیانات میں ثقہ اور معتمد نہیں مانے جاتے۔

ہیثم بن عدی نے اس موضوع پر کئی کتابیں تالیف کی ہیں جن کا بہت حد تک معرکہ حرہ سے تعلق رہا ہے مثلاً: "بیوتات قریش" تاریخ الاشراف الکبیر، الاشراف الصغیر، تاریخ الخلفاء، التاریخ علی السنین. [3]

* محمد بن عمر بن الواقدی [4] بھی اس معرکہ پر خاص توجہ دینے والوں میں سے ایک ہیں کہ انھوں نے خاص طور سے معرکہ حرہ کی پوری تفصیل پر روشنی ڈالی ہے۔ ان تمام تر تفصیلات کو ان روایتوں کے حوالے سے دیکھا جاسکتا ہے۔ جو ہم تک پہنچی ہیں، ان روایتوں کو پڑھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ واقدی کو اس معرکہ کی تفصیلات پر کس قدر عبور حاصل تھا اور اس کی منظر کشی میں انھوں نے کتنی عرق ریزی اور دقت نظری سے کام لیا ہے۔ واضح رہے کہ ان روایتوں میں مقتولین ''حرہ'' کا بھی تفصیلی ذکر موجود ہے۔ [5] غالباً ان تفصیلات کے حصول میں جو باتیں واقدی کے لیے معاون ثابت ہوئیں، وہ خود ان کی تحقیقی طبیعت، علمی سرگرمی، مدینہ میں نشو ونما، اور واقعات سیرت نبوی وتاریخ خلفاء وراشدین سے ان کی دل چسپی کا نتیجہ رہیں اور ان خصوصیات کی باعث آپ علماء ومفکرین کے نزدیک اس اعتراف و ستائش کے مستحق ٹھہرے کہ وہ حجاز وسیرت کی تاریخی معلومات کے متخصص اول ہیں۔ اس ضمن میں قابل تعریف ہیں ابوالعرب متوفی ۳۳۳ھ کہ معرکہ حرہ کے متعلق انھوں نے ہی واقدی کی معلومات سب سے زیادہ محفوظ کیا، اللہ کے بعد، یہ انھیں کا فضل اور احسان ہے کہ واقدی کی کتاب سے ماخوذ نصوص واقتباسات کے وہ امین ٹھہرے۔ [6]

---

[1] انساب الاشراف (٤/ ٣٣٣، ٣٣٥)

[2] انساب الاشراف (٤/ ٣٢٩)

[3] انساب الاشراف (٤/ ٣٢٩)

[4] طبقات ابن سعد (٧/ ٣٣٤) تاریخ بغداد (٣/ ٣) میزان الاعتدال (٣/ ٦٦٢) مقدمه عیون الاثر/ ابن سید الناس (١/ ١٧-٢١)

[5] المحن/ ابو العرب ص (١٨٧-٢٠٠)

[6] الفهرست/ ابن ندیم ص (١٠٦)

صرف یہی نہیں بلکہ واقدی کے شاگرد ابن سعید کی کتاب "الطبقات الکبری" [1] میں واقعہ حرہ کے متعلق نصوص کو محفوظ کرنے میں ابوالعرب ابن سعد کے شریک کار ہیں۔ نیز بلاذری نے ان سے تین مقامات پر معلومات نقل کی ہیں۔ [2] اگرچہ میری ترجیح یہ ہے کہ بلاذری جب "قالوا" [3] کے صیغہ استعمال کرتے ہیں تو ان تمام سندوں کو مراد لیتے جنھیں واقدی روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح طبری نے ان سے ایک مقام پر مختصر عبارتیں نقل کی ہیں لیکن ان کا تعلق ''حرہ'' سے نہیں ہے۔ [4]

دراصل تاریخی تالیفات کے میدان میں واقدی کی زبردست تالیفات ہیں، جنھیں ابن الندیم کی "الفہرست" میں ''تالیفات واقدی'' کے باب میں دیکھا جاسکتا ہے۔ [5] بہت ممکن ہے کہ واقدی نے جس کتاب میں معرکہ حرہ میں مفصل گفتگو کی ہے وہ کتاب "التاریخ الکبیر" [6] ہو گرچہ اس عنوان پر مستقل تالیفات کا ذکر نہیں کیا ہے۔

واضح رہے کہ اموی تاریخ پر مشتمل واقدی کی کتابیں ایک عرصے تک متوفر رہیں پھر مفقود ہوئیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ ابن ابی اصیبعہ متوفی ٦٦٨ھ نے ان میں ایک کتاب سے کچھ معلومات بطور "وجادہ" نقل کی ہیں۔ [7]

بظاہر واقدی کی تالیف "التاریخ الکبیر" پر بحث وتحقیق کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہی کتاب بعد میں کئی حصوں میں تقسیم ہوگئی، جن میں ایک حصہ "حادثہ حرہ" کے لیے خاص کردیا گیا، چناں چہ سمہودی متوفی ۹۱۱ھ نے واقدی ہی کی کتاب کے حوالے سے ایک کتاب نقل کی ہے جس کا نام "کتاب الحرۃ" ہے۔ [8] اس کتاب کے بارے میں سمہودی کی منقولات سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کتاب انھیں کی حفاظت میں تھی جس سے راست طور پر معلومات اخذ کی ہیں۔ [9] ہاں یہ کتاب کب سے ناپید ہوئی قطعیت کے ساتھ

[1] المحن/ ابوالعرب (١٧١، ١٧٣، ١٧٤، ١٧٥، ١٧٦، ١٧٧، ١٧٨، ١٧٩، ١٨٠، ١٨١، ١٨٢، ١٨٤، ١٨٧، ٢٠٠، ٢٠١)

[2] طبقات ابن سعد ط (٥/ ٦٦، ٦٨، ٧١، ٥/ ١٠٠، ١٢٥، ١٤٦)

[3] انساب الاشراف (٤/ ٣٢٦، ٣٢٧، ٣٣٧)

[4] انساب الاشراف (٤/ ٣١٤، ٣٢٥، ٣٢٦، ٣٢٧)

[5] تاریخ الامم والملوك (٥/ ٤٩٦)

[6] تاریخ الامم والملوك (٥/ ٤٩٦)

[7] طبقایت الاطباء ص (١٧٤)

[8] وفاء الوفاء/ المسهودی (١٢٤، ١٢٥، ١٢٧)

[9] وفاء الوفاء/ المسهودی (١٢٤، ١٢٥، ١٢٧)

اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کہی جاسکتی ہے۔

* شاید ''مدائنی'' [1] ایسے پہلے مولف شمار کئے جائیں جنھوں نے معرکہ حرہ کے بارے میں ''کتاب حرۃ واقم'' [2] نامی کتاب تالیف کیا اور یہ معروف بات ہے کہ ''تاریخی تالیفات'' کے میدان میں آپ صاحب تصانیف کثیرہ کہے جاتے ہیں، [3] بیشتر تاریخی معلومات عوانہ بن حکم سے نقل کرتے ہیں، [4] لیکن ان کی بیشتر معلومات کا اختصاص خراسان، ہندوستان اور فارس کے بارے میں ہے۔ [5] بہرحال باوجودیکہ مدائنی کی تالیفات بہت ہیں لیکن ''کتاب التعازی و المراثی'' کے علاوہ کوئی دوسری کتاب نہیں ہے جو ان کے نام سے محفوظ ہو۔ [6]

ہاں اتنا ضرور ہے کہ مدائنی کے حوالے سے خلیفہ، [7] بلاذری [8] اور ابن عساکر [9] نے معرکہ حرہ کے بارے میں جو چند اہم نصوص نقل کی ہیں وہ مدائنی کی دونوں کتاب ''کتاب حرۃ واقم'' اور کتاب ''اخبار الخلفاء الکبیر'' سے بہت حد تک ماخوذ ہیں، جس میں دیگر خلفاء کے ضمن میں یزید بن معاویہ پر بھی گفتگو کی ہے۔ [10]

* معرکہ حرہ کے بارے میں ہمیں مزید اضافی معلومات جن لوگوں سے دستیاب ہوئی ہیں، ان میں وہب بن جریر بن حازم [11] متوفی ۲۰۶ھ کا نام بھی ملتا ہے، چناں چہ خلیفہ [12] اور ابن ابی خیثمہ نے ''التاریخ الکبری'' [13] میں نیز بلاذری [14] نے ان سے معرکہ حرہ کے بارے میں اہم عبارتیں نقل کی ہیں، اور ان

---

[1] تاریخ بغداد (۱۲/ ۵۵) سیر اعلام النبلاء (۱۰/ ۴۰۰-۴۰۱)

[2] الفہرست/ ابن الندیم ص (۱۱۵) معجم الادباء/ یاقوت (۱۴/ ۱۳۴)

[3] آپ کے مولفات کی فہرست کے لیے دیکھیں: الفہرست/ ابن ندیم ص (۱۱۲-۱۱۷)

[4] معجم الادباء/ یاقوت (۱۶/ ۱۳۷)

[5] الفہرست/ ابن ندیم ص (۱۱۵)

[6] اس کتاب کو بدری محمد فہد نے نشر کیا ہے۔

[7] تاریخ خلیفہ (۲۳۹، ۲۵۰) [8] انساب الاشراف (۴/ ۳۳۱)

[9] تاریخ دمشق، ترجمۃ عبادۃ بن اوفی عبداللہ بن ثوب ص (۸۷)

[10] الفہرست (۱۱۵)

[11] وہب بن جریر بن حازم بن زید، ابوعبداللہ ازدی البصری، ثقہ ہیں، طبقہ تاسعہ سے ہیں۔ ۲۰۶ھ میں وفات ہوئی۔ التقریب (۵۸۵)

[12] تاریخ خلیفہ (۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹)

[13] وہب بن جریر کی روایتیں بسند ابن ابی خیثمہ ہم تک پہنچی ہیں جن سے خلیفہ نے اپنی تاریخ میں ص (۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵) پر نقل کیا ہے۔ نیز طبری (۵/ ۴۹۵) اور انساب الاشراف (۴/ ۳۳۳) میں بھی موجود ہے۔

[14] انساب الاشراف (۴/ ۳۳۴)

معلومات کو وہ اپنے باپ [1] سے اور وہ جویریۃ بن اسماء [2] سے روایت کرتے ہیں۔ جب کہ جویریہ عن مشائخ من المدینۃ سے روایت کرتے ہیں، تاریخی حوالے سے یہ بات بھی ملتی ہے کہ جریر بن حازم نے ''کتاب الازارقہ'' نامی کتاب تالیف کی ہے۔ [3]

- اول دور میں مدینہ کے بارے میں بہت ساری اہم تالیفات تھیں لیکن وہ سب مفقود ہیں، مثلاً انھیں میں سے ایک کتاب کا نام ''تاریخ المدینۃ واخبارھا'' [4] ہے جس کی تالیف محمد بن حسن بن زبالہ [5] نے کیا تھا، طبری [6] نے اس کتاب کے حوالے سے کچھ معلومات فراہم کی ہیں، لیکن ان کا تعلق تاریخ مدینہ کے آخری ایام سے ہے کہ متعدد مقامات پر اس کتاب کے حوالے سے ''محمد النفس الزکیہ'' کی تحریک کے بارے میں بیانات تحریر کرتے ہیں۔ ہم قطعیت سے کوئی بات نہیں کہہ سکتے کہ یہ کتاب کب ناپید ہوئی؟ تاہم اتنا ضرور ہے کہ میری تحقیق میں یہ کتاب نوویں صدی ہجری تک دستیاب تھی، اس کی دلیل یہ ہے کہ بسند محمد بن حسن بن زبالہ، مراغی متوفی ۸۱۶ھ نے بہت ساری عبارتیں مختلف جگہوں پر اس سے نقل کی ہیں جن کی مجموعی تعداد تقریباً (۹۴) تک پہنچتی ہے۔ [7] سخاوی کے بقول وہ ایک ضخیم جلد میں ہے اور ان کی طرز تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے وہ کتاب اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ [8] نیز سمہودی نے بھی ان سے معلومات نقل کی ہیں ان کا تعلق فضائل مدینہ اور وہاں کی قدیم تاریخ ہے۔ [9]
- تاریخ مدینہ کے تعلق سے اہم تالیفات میں عمر بن شبہ کی تالیف ''اخبار المدینہ'' کا بھی شمار ہوتا

[1] جریر بن حازم بن زید ازدی بصری ثقہ ہیں، وہب کے باپ ہیں، اگر اپنے حفظ سے حدیث بیان کرتے ہیں تو واہمہ کے شکار ہو جاتے ہیں، اختلاط ہو جانے کے بعد ۱۷۰ھ میں وفات ہوئی، البتہ اختلاط کے بعد حدیث نہیں بیان کیا۔ التقریب (۱۳۸)

[2] جویریہ بن اسماء بن عبید الضبعی البصری مراد ہیں، صدوق ہیں۔ التقریب (۱۷۳)

[3] الاغانی/ الاصفہانی (۱/ ۲۱)

[4] الفہرست (۱۲۱) کشف الظنون (۱/ ۳۰۲) فہیم شلتوت نے ابن شبہ کی کتاب اخبار المدینہ کی تحقیق کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ فاسٹ فیلڈ مستشرق نے محمد بن حن بن زبالہ کی کتاب سے ماخوذ عبارتوں کو کتابی شکل دے کر اس کا نام ''تاریخ المدینۃ'' رکھ دیا ہے۔

[5] ان کی سوانح کے لیے دیکھیں: میزان الاعتدال (۳/ ۵۱۳) التحفۃ اللطیفہ/ السخاوی (۳/ ۵۵۶، ۵۵۷) ڈاکٹر صالح العلی نے ''مصادر تاریخ المدینۃ والحجاز'' کے ضمن میں ابن زبالہ کے حوالے سے بہت کچھ لکھا ہے جس کے کچھ حصے ہمیں دستیاب ہیں اور انھیں ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری نے ''ازواج النبی'' کے عنوان سے شائع کیا ہے۔

[6] الامم والملوک (۷/ ۵۳۶، ۵۳۹، ۵۴۱، ۵۴۶، ۵۶۱، ۵۸۲، ۵۸۹، ۵۹۱، ۵۹۵، ۶۰۶)

[7] مراغی کی کتاب کی فہرست کے لیے دیکھئے: تحقیق النصرۃ بمعالم دار الهجرۃ ص (۲۲۱، ۲۲۲)

[8] الاعلان بالتوبیخ عن ذم التاریخ ص (۲۷۴)

[9] وفاء الوفاء (۱/ ۶۰) نیز دیگر صفحات

ہے۔[1] اس کتاب کی اہمیت یوں نمایاں ہوتی ہے کہ اس کا مولف ایک حافظ اور سیرت و تاریخ کا ماہر ہونے کے ساتھ احادیث نبویہ کی روایت میں بھی اپنا مقام بنائے ہوئے ہے۔[2] اور صرف تاریخ مدینہ پر ہی اس کی تالیف ختم نہیں ہوتی بلکہ مکہ، کوفہ اور بصرہ پر بھی اس نے علمی تالیفات پیش کی ہیں۔[3] تاریخ مدینہ کے جو اجزاء ہم تک پہنچے ہیں کہ جن کی انتہاء استشہاد حسین پر ہوتی ہے اس کی ورق گردانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمر بن شبہ نے اپنی تحریروں میں وہاں کے سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی حالات و کوائف کو سمیٹنے کا بھرپور اہتمام کیا ہے، جب کہ سُلمی اس بات کے قائل ہیں کہ تاریخ مدینہ کا ایک جزء ناپید ہو چکا ہے اور انھوں نے اس کی دلیل یہ دی ہے کہ طبری نے پورے اموی دور حکومت اور عباسی دور حکومت کے ابتدائی ایام میں مدینہ کی تاریخی حالات وظروف کے بارے متعدد مقامات پر معلومات درج کی ہیں۔[4] لیکن جب تاریخ طبری میں ابن شبہ کی روایت کی میں نے تحقیق و تفتیش کیا تو دیکھا کہ طبری نے عمر بن شبہ کی ایک بھی ایسی روایت نہیں نقل کی ہے جس کا تعلق صرف مدینہ سے ہو، اور بصرہ یا کوفہ سے اس کا کوئی واسطہ نہ ہو، علاوہ ازیں پورے عہد اموی کے بارے میں طبری نے ابن شبہ کی جو روایتیں نقل کی ہیں وہ بصرہ یا کوفہ سے تعلق رکھتی ہیں اور پھر مذکورہ دونوں شہروں کے بارے میں ابن شبہ کی مستقل تالیف بھی موجود ہے............ دراصل بحث و تحقیق سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ کہ عمر بن شبہ رحمہ اللہ فتنہ شہادت عثمان[5] کی وجہ سے یا وفات پا جانے کی وجہ سے "اخبار المدینہ" کو مکمل نہیں کر سکے، میری بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ عمر بن شبہ کی اسی کتاب "اخبار المدینہ" کے بارے میں فرماتے ہیں: "میں نے ان کی نصف کتاب دیکھی ہے وہ آپ کی امامت کے لیے کافی ہے۔"[6]

سخاوی کہتے ہیں:

---

[1] الفهرست (١٢٥) معجم الادباء (١٦/ ١٦)

[2] تاريخ بغداد (١١/ ٢٠٨) تذكرة الحفاظ / ذهبى (٢/ ٥١٦) سير اعلام النبلاء (١٢/ ٣٧٧)، منهج كتابة التاريخ / السلمى (٣٩٩)

[3] وفاء الوفاء (١/ ٦٠) نیز دیگر صفحات

[4] منهج كتابة التاريخ (٤٠٣)

[5] تاريخ بغداد (١١/ ٢٠٩) نیز لکھا ہے کہ انھوں نے آپ کی کتابیں پھاڑ ڈالیں، اور خلق قرآن کا عقیدہ نہ رکھنے کی وجہ سے ایک مہینہ تک آپ بیٹھے رہ گئے کوئی حدیث نہیں بیان کر سکے۔

[6] سير اعلام النبلاء (١٢٢/ ٣٧٩)

''انھوں نے عمر بن شبہ نے اخبار مدینہ کے بارے میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ ہمارے استاذ- غالباً ابن حجر مراد ہیں- جنھوں نے اپنے ہاتھوں سے اس کا ایک نسخہ نقل کیا ہے ان کا بیان ہے کہ آخری اوراق میں بہت سارے بیاض ہیں، اسی سے ہمارے دوست نجم الدین بن فہد نے بھی ایک نسخہ نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس سے زیادہ معلومات مجھے نہیں ملیں۔ آخر الذکر جس نسخ کا آپ نے ذکر کیا ہے اس سے مجھے واقفیت ہوئی ہے، اس میں اطمینان بخش حد تک مکمل طریقے سے معلومات درج ہیں، اور وہ ثقہ ائمہ میں سے بھی ہیں۔'' ❶

ایسا لگتا ہے کہ بعد کے ایام میں اس کتاب کا نام تحریف کی نذر ہوگیا، چناں چہ اس سے سہیلی ❷ متوفی ۵۸۱ھ اور سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے معلومات نقل کی ہیں اور کتاب کا نام ''اخبار المدینة'' ❸ لکھا ہے اسی طرح صالحی نے بھی ''فضائل مدینة'' ❹ میں اس سے معلومات نقل کی ہیں۔

غالباً یہ کتاب مدینہ کی سیاسی تاریخ پر مشتمل نہیں ہے ورنہ مدینہ کے بارے میں اس کتاب کے حوالے سے سیاسی معلومات ہم تک ضرور پہنچیں، کیوں کہ دسویں صدی ہجری تک یہ کتاب موجود ومتوفر تھی۔

- اہم ترین مفقود کتابوں میں سے دو کتابیں اور ایسی ہیں جن سے کچھ بھی معلومات ہم تک پہنچ سکی ہیں، ان میں سے ایک زبیر بن بکار کی کتاب ''نسب قریش'' ہے جس کے بارے میں علامہ ذہبی فرماتے ہیں: ''وہ ایک عمدہ اور بڑی کتاب ہے۔'' ❺ اس کتاب کا صرف ایک خاص جزء موجود ہے جو آل زبیر اور ان کے ساتھ قریش کے بعض خانوادوں کے انساب پر مشتمل ہے، اسی کتاب کو شیخ محمد شاکر نے ''جمھرة نسب قریش'' کے نام سے طبع کیا ہے۔ اور دوسری کتاب ''الموفقیات'' ہے وہ تاریخ و ادب کی جامع ہے اور ہر واقعہ سند کے ساتھ مذکور ہے، مولف نے اسے خلیفہ موفق کے لیے تالیف کیا تھا، یہ پوری کتاب ہم تک نہیں پہنچی، البتہ جو جزء دستیاب ہوا وہ ڈاکٹر سامی مکی العانی کی تحقیق سے طبع ہو چکا ہے۔
- اہم ترین مفقود کتابوں میں ایک نام محمد بن زکریا الغلابی ❻ کی ''الحرة'' ❼ بھی ہے حالاں کہ ہمیں

---

❶ التحفة اللطيفة (٣/ ٣٧٥) تاريخ بغداد (٨/ ٤٦٨) تهذيب الكمال (٩/ ٢٩٣-٢٩٩)

❷ الروض الانف/ السهيلى (٣/ ٢٥٧)

❸ الحجج المبينة فى التفضيل بين مكةو المدينة/ السيوطى ص (٤٩)

❹ فضائل المدينة/ محمد يوسف الصالحى ص (٢٨)

❺ سير اعلام النبلاء/ ذهبى (١٢/ ٣١٢)

❻ سوانح دیکھیے: میزان الاعتدال (٣/ ٥٠٠) میں۔

❼ الفهرست ابن نديم (١٢٧)

معرکہ حرہ کے بارے میں اس کتاب سے ایک بھی عبارت نہیں ملی۔ [1]

- اسی طرح مفقود کتابوں میں سے ''اخبار الخلفاء'' نامی کتاب بھی ہے جو کہ ابو بشر الدولابی کی تصنیف ہے۔ [2] بیّاسی نے اس کتاب کی اہم ترین عبارتوں کو نقل اور محفوظ کیا ہے اور معرکہ حرہ کی تاریخ لکھتے وقت اسی پر اعتماد کیا ہے۔ [3]

ا......اہل مدینہ کی مخالفت اور اس کے اسباب نیز یزید پر لگائی جانے والی تہمتوں کا تجزیہ

ا۔اہل مدینہ کی مخالفت کے اسباب:

ابن زبیر اور اہل مدینہ کی یزید سے مخالفت کی دو الگ الگ واقعات پر محمول کرنا کسی صورت میں درست نہیں ہے کیوں دونوں میں وجہ اختلاف تقریباً یکساں ایک ہی ہے، اگر آپ دونوں کے اختلافات کا تجزیہ کریں گے تو بڑی وضاحت کے ساتھ یہ حقیقت سامنے آجائے گی۔

دراصل ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا سخت موقف اور یزید کا ان کے تساہل اور انھیں مطمئن کرنے کے تعلق سے یزید کی ہر کوشش کی ناکامی سے عموماً پورے حجاز میں اور خاص طور سے اہل مدینہ میں یہ پیغام گیا کہ یزید کی شخصیت اس معیار کی نہیں ہے کہ وہ ذمہ داری کا منصب سنبھال سکیں، مزید ان پروپیگنڈوں سے عوامی وجدان اور شعور کو غذا مل گئی جن میں یزید کو شراب نوش اور دیگر محرمات کے ارتکاب سے متہم کیا گیا تھا، نتیجتاً اہل مدینہ یزید کی خلافت گرانے اور مخالفت کا علم اٹھانے کے لیے تیار ہو گئے، چناں چہ اس تناظر میں ہمیں یہ کہنے میں قطعاً دریغ نہیں ہے کہ اہل مدینہ کا انقلابی اقدام اور یزید بن معاویہ کی خلافت و اموی اقتدار کی مخالفت دراصل ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی مکہ سے آغاز ہونے والی بغاوت کا فطری امتداد تھا، اور اس میں کوئی تعجب نہیں ہے کہ دونوں ہی مخالفتوں کی تہوں میں بعینہٖ وہی افکار و نظریات کار فرما رہے ہوں جو عوامی جذبات کو بھڑکانے کے اصل محرک بنے۔

یہ خیال کرنا غلط ہوگا کہ مخالفت کے دوران اہل مدینہ کے تقاضے و مطالبات عبداللہ بن زبیر کے مطالبات سے مطابقت نہیں رکھتے، کیوں کہ دونوں کے نعروں میں مکمل یکسانیت تھی، اور اہل مدینہ کی مخالفت کا

---

[1] هدية العارفين/ اسماعيل پاشا (٦/ ٣)

[2] المنتظم/ ابن الجوزی (٦/ ١٦٩) وفيات الاعيان/ ابن خلكان (٤/ ٣٥٢) سير اعلام النبلاء (١٤/ ٣٠٩)

[3] الاعلام بالحروب الواقعة فى صدر الاسلام/ البيّاسى (٢/ ١٢٥، ١٢٨، ١٢٩، ١٣٣، ١٣٥)

گہرائی سے جائزہ لیتے ہوئے یہ نکتہ زیادہ ہی توجہ طلب ہے کہ مخالفت کا مزاج صرف ایک ہدف کا حامل نہیں تھا جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس تحریک کے پس پردہ اصلاً دینی غیرت اور مذہبی جنون کارفرما تھے، اور اس باغیانہ روش کا کوئی معین نظام نہ تھا کہ جسے سامنے رکھ کر اس مخالفت کے نتائج واثرات کا تعین کرلیا جاتا، اور انھیں کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے راستے متعین کر لئے جاتے، علاوہ ازیں قراردادیں پاس کرنے میں جو نرمیاں برتی گئیں اور اموی فوج کی جنگ آزمائی میں جس چشم پوشی کو نظر انداز کیا گیا ان دونوں چیزوں کا اہل مدینہ کے موقف پر اس شامی فوج کے تئیں بڑا خطرناک اثر رہا جو محدود اغراض ومقاصد کے تئیں اپنے قدم آگے بڑھا رہی تھی اور کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لیے مکمل طور پر کوشاں تھی، پس یہیں سے ایک منظّم اور بامقصد فوج اور عوام الناس کی اس بھیڑ کے درمیان بڑا فرق نمایاں ہوجاتا ہے جو مختلف نعروں اور جھنڈوں کے تحت اکٹھا ہوئے تھے، وہ حقائق سے ناواقف اور انجام سے بے خبر فقط مذہبی غیرت اور جذباتیت سے مغلوب تھے، آئندہ صفحات میں جہاں اہل مدینہ کے مواقف ونظریات پر بحث ہوگی وہاں یہ چیز بہت واضح انداز میں دیکھی جاسکے گی۔

اسی طرح یزید کے خلاف اہل مدینہ کے بغاوت کے راست اسباب پر گفتگو کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم ان محرکات کا پتہ لگائیں جو اس بغاوت اور مخالفت کے پس پردہ کارفرما تھیں، چناں چہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مدینہ نبویہ شروع اسلام ہی سے مسلمانوں کا روحانی دار الخلافہ رہا یہاں پہنچ کر آپ ﷺ کو امن، پناہ اور انصار رضی اللہ عنہم کی بھرپور تائید حاصل ہوئی اور مدینہ اسلام اور مہاجرین مسلمانوں کا اولین پایہ تخت بنا، اسی طرح مدینہ کی خوش قسمت سرزمین نے وہ وقت بھی دیکھا جب رسول اکرم ﷺ کے ہاتھوں سلطنت اسلامیہ کی بنیاد پڑی، پھر جب آپ ﷺ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے یعنی آپ کی وفات ہوگئی، تو بھی آپ کے بعد کے تینوں خلفاء راشدین ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا دار الخلافہ بنا رہا، مدینہ ہی میں آپ ﷺ کی وہ مسجد ہے جہاں عبادت کی نیت سے سفر کرنا جائز ہے۔

پھر بعد کے ادوار میں جب خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس منتقل ہوئی اور انھوں نے دمشق کو اپنا دار الخلافہ بنالیا تب بھی مدینۃ الرسول اپنی پوری عظمت وجلال اور بہ نگاہ تقدس واحترام مسلمانوں کے دلوں میں باقی رہا، دار الخلافہ کے انتقال مکانی سے مسلمانوں کی نگاہ میں اس کی تقدس پر کوی حرف آیا اور نہ ہی اس کی کوئی خصوصیت متاثر ہوئی، [1] بلکہ وہاں کی سرزمین اور باشندوں کے تئیں مسلمانوں کی عقیدت ومحبت میں مزید

---

[1] اس سے قبل علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو دار الخلافہ بنالیا تھا گرچہ مسلمانوں کے دلوں میں اس کا تقدس واحترام باقی رہا لیکن خلافت کی منتقلی سے اس کی مرکزیت ضرور متاثر ہوئی۔ (ش)

اضافہ ہی ہوتا رہا۔ عہد معاویہ میں وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رہائش پذیر تھے، ان کی اولادیں اور عُباد و زُہاد نیز فقہاء وصالحین قیام کرتے تھے۔ وہاں کا ماحول و معاشرہ عراق، شام اور مصر کے فکری انتشار اور معاشرتی طوفان سے متاثر نہیں ہوا تھا، بلکہ ان تمام نظریات و خیالات سے پاک صاف تھا، صرف کتاب وسنت پر ان کے ایمان وعقیدے اور اطاعت وعبادات کا دار و مدار تھا، یوں کہیے کہ وہاں بہت سارے صحابہ اور ابنائے صحابہ نیز خلفاء راشدین کے رفقاء جنھیں ان کی عادات واخلاق اور احکام و مسائل سے واقفیت تھی، ان کی رہائش کا اس پاکیزہ معاشرہ کو نکھارنے میں بڑا اثر رہا، اور انھیں پاکیزہ نفوس کی وجہ سے پہلی صدی ہجری میں مدینہ کی وہ تصویر ابھر کر سامنے آئی۔ [1]

معاویہ رضی اللہ عنہ اہل مدینہ کی غایت درجہ عزت واحترام کرتے تھے، اور ان کی رائے کو اہمیت دیتے تھے، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جب آپ کے دہن میں یزید کی ولیعہدی کا خیال آیا تو اکابرین مدینہ اور وہاں کے فضلاء ومعتبر شخصیات سے اس خیال کی بابت رائے اور موافقت چاہی یہی نہیں بلکہ اہل مکہ و مدینہ کے بارے میں آپ نے جو وصیت فرمائی ہے اس سے بھی آپ کی نگاہ میں وہاں کے باشندوں کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ نے فرمایا تھا:

((فانهم اهلك و منصبك و من اتاك منهم فاكرمه و من لم ياتك فابعث اليه بصلة............)) [2]

وہ سب تمھارے گھرانے اور منصب کے لوگ ہیں، ان میں جو بھی تمھارے پاس آئے اس کی عزت و تکریم کرنا اور جو نہ آئے تو اس سے اپنی صلہ رحمی اور تعلق خاطر کا مظاہرہ کرتے رہنا۔ لیکن جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کے لیے بیعت ولی عہدی کی ابتدا کی تو بعض ابناء صحابہ جو منصب خلافت پر نگاہ لگائے تھے اس ناگہانی سے بھڑک اٹھے اور انھیں یقین ہو چلا کہ اگر بیعت یزید کو ہماری تائید وموافقت مل گئی تو خلافت فقط اموی گھرانے میں محصور ہو کر رہ جائے گی جسے ہمیں بھی چار وناچار تسلیم ہی کرنا پڑے گا۔ پھر ابن زبیر اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے موقف نے اس شعور کی تصدیق کردی۔ چناں چہ سابقین صحابہ کرام کے بہت سارے ابناء رحمہم اللہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو اپنے لیے خسارہ تصور کیا کیوں کہ ان کے گمان میں بنوامیہ کی حکومت میں انھیں خاطر خواہ مقام نہیں ملا اور نہ ہی کوئی سیاسی قرارداد طے ہونے میں وہ شریک کار رہے اور پھر یکا یک

[1] تراجم صحابہ اور بالخصوص مدینہ میں رہنے والے اصحاب رسول کی سوانح پر مشتمل کتابوں کو دیکھا جائے، خاص طور پر ابن شبہ کی تاریخ المدینۃ اور ابن سعد کی الطبقات الاولی۔

[2] انساب الاشراف (٤/ ١/ ١٠٠) المدائنی عن عوانة، نیز ابن کثیر بروایت واقدی (٨/ ٢٣٢)

حکومتی ذمہ داریاں ایسے شخص کو سونپی جانے لگیں جو نسبتاً ابنائے صحابہ سے کم صلاحیت اور اہلیت کا مالک تھا۔

واضح رہے کہ مکہ اور مدینہ کے ابنائے صحابہ میں اس شعور کو غالباً اس لیے قوت ملی کہ گورنران ریاست کے انتخاب میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست وحکمت عملی کو وہ نہیں سمجھ سکے تھے، جس میں آپ نے اہلیت اور صحبت نبوی کے ساتھ اس بات کی بھی رعایت کی تھی کہ وہ گورنر آپ کا بہی خواہ بھی ہو، پس سیاست معاویہ پر تجزیہ و گفتگو کے وقت یہ نکتہ قابل توجہ ضرور ہے لیکن اگر گہرائی سے دیکھا جائے تو اس نکتہ کو سامنے رکھتے ہوئے بھی آپ کی سیاست کو خلفاء راشدین کی سیاست سے خارج نہیں قرار دیا جاسکتا، کیوں کہ بہت ممکن ہے کہ آپ کی نگاہ میں یہ ترجیحی پہلو حکومت اور امت کی خیر خواہی کے پیش نظر رہا ہے کہ جس سے عموماً معاملات درست رہا کرتے ہیں۔ ❶

اس میں کوئی شک نہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ بنوامیہ کے تجربہ کار اور اصحاب فکر ونظر، اور عمر رسیدہ لوگوں ہی کو حجاز پر حکمراں متعین کرتے تھے، اور غالباً آپ نے مروان بن حکم اور سعید بن عاص کو بحیثیت گورنر بلاد حجاز کے نظم ونسق اور وہاں کی قیادت سونپ کر یہ تاثر دینا چاہا تھا کہ ان دونوں میں اقتدار سنبھالنے کی بھرپور صلاحیت موجود ہے، بالخصوص اس نقطہ نظر سے بھی کہ انھوں نے ماضی میں طویل عرصے سے حتی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت ہی سے اداری معاملات میں بڑی داد ومہارت حاصل کی تھی۔

علاوہ ازیں اس طرز سیاست کا دوسرا پہلو عوام کو یہ باور کرانا تھا کہ بنوامیہ میں منصب خلافت اور نظام سلطنت سنبھالنے کی پوری قدرت اور صلاحیت موجود ہے، پھر اسی راستے سے لوگوں کے ذہنوں میں اموی خانوادے کی اہمیت اور مرتبہ کی تاکید بھی مقصود تھی، کیوں کہ آپ نے حج کی امارت اور حجاج کی خدمت و قیادت کی باگ ڈور اموی گھرانے کو سونپ دیا تھا۔ ❷

چناں چہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر مدینہ پہنچی، اور وہاں کے گورنر ولید بن عتبہ نے یزید کے لیے بیعت خلافت لینا چاہی تو حسین بن علی، اور عبداللہ بن زبیر نے بیعت سے انکار کردیا اور مکہ چلے گئے، تاریخ میں کہیں بھی یہ بات نہیں ملتی کہ اس موقع پر مدینہ کا اور کوئی فرد بیعت سے پیچھے رہا ہو، بایں ہمہ یہ بیعت بہت سارے ابنائے صحابہ کے سابقہ شعور میں کوئی تبدیلی نہیں لاسکی، خاص طور سے یہ احساس انھیں برابر جھنجھوڑتا رہا کہ خلافت یزید بن معاویہ کے ہاتھوں میں جاچکی ہے جو کہ بہرحال ان سے افضل نہیں ہیں۔ مزید برآں ان جذبات واحساسات میں کڑواہٹ اس وقت اور بڑھ گئی جب وہ سوچنے لگے کہ ماضی میں بھی ہمیں گورنری

❶ دراسات و بحوث/ محمد ضيف الله بطاينه ص (١٢٤)

❷ دراسات و بحوث/ محمد ضيف الله بطاينه

وغیرہ کی تفویض میں نظر انداز کیا گیا ہے بایں طور کہ اکثر و بیشتر خلیفہ کے قریبی لوگ ہی منصب ولایت پر قابض رہے، اور یہ ایسی بات تھی جو خلفاء راشدین رحمہم اللہ کے عہد میں نہیں پائی جاتی تھی۔ معاً یزید بن معاویہ (۶۰ ھ) کا زمانہ خلفاء راشدین کے عہد سے قریب تر تھا، اور خاص طور سے عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی خصوصیتیں اور آپ کی صداقت و عدالت جو ابھی چند ہی سالوں پہلی کی باتیں تھی ان تمام باتوں نے ابنائے صحابہ کے شعور کو پختہ تر کر دیا، اور وہ شورائیت کو دوبارہ واپس لانے اور اسے عوام کے ذہنوں میں بٹھانے کے لیے جد و جہد کرنے لگے پھر جب حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ آپ کے برادران و ابنائے عم عبید اللہ بن زیاد (جو کہ یزید کے عم زاد بھائی تھے) کے ہاتھوں بے دردی سے قتل کئے گئے [1] تو بیشتر ابنائے صحابہ اس حکومت سے استبداد و تسلط کو محسوس کرنے لگے چناں چہ اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہمدردی اختیار کرنے لگے جنھوں نے احیائے شورائیت کا علم ایک ایسے وقت میں بلند کیا تھا کہ جب یزید اپنے عم زاد برادر عبید اللہ بن زیاد سے باز پرس نہیں کر سکا تھا جب کہ وہ کربلا میں حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے اہل خانہ کے ساتھ کئے گئے انتہائی گھناؤنے جرم کا راست طور پر ذمہ دار تھا اور عوام الناس نے ابن زیاد کے تئیں یزید بن معاویہ کے اس رویہ کو نرمی اور طرف داری پر محمول کر لیا۔ [2]

ابنائے صحابہ کے دلوں میں شہادت حسین کے بعد بنوامیہ کے تئیں کس قدر نفرت ہو چلی تھی اس کا اندازہ علی بن حسین اور مسور بن مخرمہ کے درمیان ہونے والی گفتگو سے لگایا جا سکتا ہے، چناں چہ حادثہ کربلا کے بعد جب علی بن حسین رحمہ اللہ اور ان کے ہمراہ دیگر لوگ دمشق میں یزید کی ضیافت کے بعد مدینہ واپس لوٹ رہے تھے تو مسور بن مخرمہ سے ملاقات ہوگئی۔ مسور کہنے لگے: اگر آپ کو میری کہیں کوئی ضرورت ہو تو حکم فرمائیں؟ علی بن حسین نے کہا: نہیں کوئی ضرورت نہیں۔ مسور نے کہا: کیا آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار دے سکتے ہیں؟ کیوں کہ مجھے ڈر ہے کہ قوم - مخالفین - اسے تم سے زبردستی لے لے، اللہ کی قسم اگر تم نے یہ تلوار مجھے دے دیا تو میں مرتے دم تک ان کے پاس نہیں جانے دوں گا۔ [3] گویا مسور بن مخرمہ نے بنوامیہ سے پنجہ آزمائی

[1] اس کی حقیقت اس سے قبل واضح کی جا چکی ہے۔

[2] یہ تو یزید کے تئیں لوگوں کا نظریہ ہے۔ لیکن حقیقت شاید اس تصور سے بھی مشکل ترین ہے۔ دیکھیں قتل حسین والی بحث۔ اگر یہ بات صحیح تھی تو پھر آل بیت نے یزید ہی کے خاندان سے واقعہ کربلا کے بعد اپنی بیٹیاں کیوں بیاہی؟ سیدنا علی وحسن وحسین رضی اللہ عنہم کی کتنی بیٹیاں و پوتیاں یزیدی خاندان میں واقعہ کربلا کے بعد بیاہی گئیں جو اس بات کی واضح ترین دلیل ہے کہ حکومتی عملے کا قتل حسین میں ہاتھ نہ تھا بلکہ سبائی کوفیوں نے یہ کام کیا تھا اور ان کی شرارتوں کے سامنے حکومتی عملہ بے دست و پا ہو گیا تھا اور کوشش بسیار کے باوجود نواسۂ رسول کی جان نہ بچا سکے۔ (ش)

[3] صحیح مسلم (۴/ ۱۹۰۳) حدیث نمبر (۲۴۴۹)، مسند احمد (۴/ ۳۲۶) العلل ومعرفة الرجال ⇦⇦⇦

کے خود مکمل طور سے تیار ثابت کیا، اور یہ احساس صرف مسور تک ہی محدود نہ تھا بلکہ مدینہ کے بہت سارے لوگ اس خیال سے متفق تھے، نیز مسور جس عمر میں یہ گفتگو کر رہے تھے، وہ کوئی جوانی کی عمر نہ تھی کہ جس میں حقائق ونتائج سے قطع نظر صرف جوش و جذبہ کا غلبہ ہوا کرتا ہے، بلکہ آپ جلیل القدر صحابہ میں سے تھے اور اس وقت آپ کی عمر تقریباً ساٹھ سال کو پہنچ رہی تھی، اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اہل مدینہ بنوامیہ کی طرف اس طرح رجحان نہیں رکھتے تھے جس طرح اہل شام کا میلان تھا۔'' [1]

بنوامیہ کے خلافت اہل مدینہ کے جذبات میں ہیجان پیدا کرنے کی ایک وجہ قتل حسین کی طرف اقدام کرنے والی فوج کے قائد عمر بن سعد کا وہ خط بھی تھا جس میں ابن زیاد نے اپنی ہٹ دھرمی کی بنا پر اسے اقدام قتل کا حکم دیا تھا اور تلقین کی تھی کہ اس واردات کو انجام دینے میں کسی بات کی پرواہ نہ کرنا، اور پوری جرأت کا مظاہرہ کرنا۔ [2]

پس اس میں کوئی شک نہیں کہ شہادت حسین اور آپ کی رفقاء و دیگر اہل خانہ کی اتنی بے دردی سے قتل کے جرم نے تمام ہی عوام الناس کے جذبات کو غصہ سے بھڑکا دیا تھا اور آپ کی حرمت وعظمت کے ساتھ ان مجرمین کے کھلواڑ نے عوام کے دلوں میں غایت درجہ رنج والم پیدا کر دیا تھا۔ [3]

بیشتر ابنائے صحابہ یہی خیال کرتے تھے کہ وہ یزید اور خانوادہ بنوامیہ سے زیادہ منصب خلافت کے مستحق ہیں، جب کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما اسی خیال کا علی الاعلان مظاہرہ کرتے تھے، آپ حسین رضی اللہ عنہ سے کہتے تھے میں نہیں سمجھتا کہ ہم کب تک ان کو چھوڑے رکھیں گے اور کب تک ان سے رکے رہیں گے ہم مہاجرین کی اولاد ہوتے ہوئے اولوا الأمر ان میں سے ہو۔ [4]

چناں چہ جب یزید کی مخالفت کے عوامل ومحرکات لوگوں کی زبانوں تک آگئی تو ماضی میں خاندان بنوامیہ

⇦⇦(۲/ ۲۸۵) سیر اعلام النبلاء (۳/ ۲۹۲) اس روایت میں یہ وضاحت نہیں ہے اس سے مقصود کون ہیں بنوامیہ یا سبائی؟ بنوامیہ کو مراد لینا محل نظر ہے کیوں کہ یزید نے آل بیت کے ساتھ جس حسن سلوک کا مظاہرہ دمشق میں کیا اور اس کے بعد کرتا رہا وہ اس سے مانع ہے کہ آل بیت کو بنوامیہ سے کوئی خطرہ لاحق ہو۔ سبائی اہل کوفہ تھے جن کی تاریخ آل بیت کے ساتھ غداری سے بھری پڑی ہے۔ علی زین العابدین اور دیگر آل بیت نے ابن مطیع وغیرہ جو بغاوت بنوامیہ کے خلاف شروع کی اس میں ان کا ساتھ نہ دیا، حکومت کے ساتھ رہے اور یزیدی خاندان میں اپنی بیٹیاں دیتے رہے۔ (ش)

[1] منهاج السنة (۲/ ۸۵)

[2] ابن کثیر (۹/ ۲۱۰) بروایت عوانه۔ یہ ابومخنف اور واقدی جیسے کذاب تاریخ نگاروں کی کارستانیاں ہیں، جنھوں نے اسلامی تاریخ کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ (ش)

[3] الدولة الاموية/ یوسف العش ص (۱۷۳)، امبرا طورية العرب، وجلوب ص (۱۰۹)

[4] انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ۱/ ۳۰۱) بروایت ابو مخنف و عوانه

کی سیاسی غلطیوں کی وجہ سے عوام الناس کے دلوں میں پہلے سے پنہاں اسباب نے ان کے باغیانہ تیور میں قوت پیدا کردی۔

معروف مورخ واقدی اہل مدینہ کی راست مخالفت کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ابن منیا مدینہ کے صوافی کا محصل تھا، وہاں اور بھی بہت سے صوافی تھے، نیز معاویہ رضی اللہ عنہ کی وہاں کافی جائداد تھی، یزید نے عثمان بن محمد بن ابوسفیان کو مدینہ کا گورنر بنا دیا، ابن مینا اپنا عادت کے مطابق پیداوار کا تخمینہ لگانے آیا اس سے کسی نے چھیڑ چھاڑ نہیں کیا یہاں تک کہ وہ بلحارث خزرجی کے پاس جا پہنچا، لوگوں نے اس پر اعتراض جتایا اور کہنے لگے: یہ تو نئی چیز ہے اور یہ ہمارے لیے نقصان دہ ہے۔ ابن مینا نے امیر مدینہ عثمان بن محمد کو اس بات کی خبر دی، انھوں نے بلحارث کو مطمئن کرنے کی پوری کوشش کیا اور بالآخر خزرج کے تین اکابرین کے ساتھ اس بات پر اتفاق ہوا کہ وہ ابن مینا کو کچھ نہیں کہیں گے۔

لیکن جب ابن مینا نے اپنا عمل شروع کیا تو دوبارہ رکاوٹ پیش آئی، ابن مینا نے اس مرتبہ بھی امیر مدینہ سے رجوع کیا، اس بار امیر نے بطور حمایت و مدد ابن مینا کے ساتھ چند عسکریوں کو بھیج دیا اور کہا کہ تم اپنا کام پورا کرو اگر چہ اس راستے میں قوت استعمال کرنا پڑے۔ جب انصار نے امیر مدینہ کا یہ حکم سنا تو بنوحارثہ کے اپنے عم زاد برادران کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور قریش نے بھی ان کا ساتھ دیا، چناں چہ پرزور مخالفت کے سامنے ابن مینا اور ان کے ساتھی کچھ نہ کر سکے، اور امیر مدینہ عثمان بن محمد کے پاس واپس چلے گئے، اب عثمان کے سامنے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا کہ حاکم وقت یزید کو صورتحال کی تحریری اطلاع دیں تاکہ اس بڑے چیلنج کے بارے میں اقتدار اعلیٰ کا نظریہ معلوم ہو جائے۔

جب یزید کو اہل مدینہ کے اس چیلنج کا علم ہوا تو سخت غصہ ہوئے اور عثمان کے نام ایک نامہ تحریر کر کے حکم دیا کہ اسے مدینہ والوں کو سنا دیں، خط کا مضمون یہ تھا:

> ''حمد و صلاۃ کے بعد! میں نے تمھیں پہنا یہاں تک کہ بوسیدہ کر دیا، اور تمھاری پیوندکاری کیا یہاں تک کہ پرانا کر دیا، میں نے نہیں اپنے سر پر بیٹھایا، اپنے پیٹ پر باندھا، اللہ کی قسم! اگر میں تم پر غالب آ گیا تو اپنے پیروں سے اتنا روندوں گا کہ تمھاری تعداد کم ہو جائے گی اور عاد وثمود کی طرف عبرت کے لیے یاد کئے جاتے رہو گے، اللہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ میں تمھاری کم سے کم بھی مخالفت نہیں دیکھنا چاہتا، اور نہ ہی یہ کہ تم پر میرا کم سے کم تر عتاب گرے، جس نے دوسرے کو شرمندہ کیا، وہ کامیاب نہ ہو۔''

جب یہ خط پڑھ کر اہل مدینہ کو سنایا گیا تو عبداللہ بن مطیع، ابراہیم بن نعیم بن مخام، محمد بن ابوجہم اور معقل

بن سنان اشجعی نے کافی سخت تیور اپنائے اور بری باتیں کیں۔ ❶

ایک تجزیہ:

واقدی کی اس روایت پر ناقدانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ قول محل نظر ہے کہ ابن مینا مدینہ کے صوافی کے محصل تھے اور مدینہ میں ان دنوں بہت سے صوافی تھے، واضح رہے کہ صوافی اس زمین کو کہتے ہیں جس کا کوئی مالک نہ ہو، خواہ وہ زمین خالی پڑی ہو، یا کوئی مالک رہا ہو اور وہ فوت ہو گیا ہو اس کا کوئی وارث نہ ہو، یا اس کا مالک زمین چھوڑ کر بھاگ گیا ہو یا قتل کر دیا گیا ہو۔ ❷

امام ابو یوسف لکھتے ہیں: ''اس زمین کی حیثیت اس مال کی سی ہے جو کسی کی ذاتی ملکیت نہیں اور نہ ہی کسی کی وراثت میں جائے۔ امام عادل کو چاہئے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق جسے چاہے اسلام کے مفاد میں دے، اس میں ظلم سے کام نہ لے صحیح مقام پر استعمال کرے۔'' ❸

یہ بہت واضح بات ہے کہ یہ صوافی مسلمانوں کے بیت المال کی آمدنی کا مضبوط ذریعہ ہوا کرتی تھیں، لہٰذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ زمینیں اہل مدینہ میں کسی کی ملکیت نہ تھی تو انھیں کیا ضرورت تھی کہ ابن مینا کے عمل پر اعتراض کرتے۔

صحیح بات یہ ہے کہ یہاں روایت کے تداخل میں خلط ملط واقع ہو گیا ہے، چناں چہ روایت میں جہاں اس بات کا ذکر ہے کہ ابن مینا صوافی کے محصول کے ذمہ دار تھے، اس کے فوراً بعد ہی یہ ذکر ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ اور اس کے قرب و جوار سے ایک ہزار پچاس وسق کھجور اور ایک لاکھ وسق گیہوں کاٹتے تھے۔ ❹ پس

---

❶ خط کی اصل عبارت کے لیے دیکھیں: المحن/ ابو العرب ص (۱۷۳) بروایت و سند واقدی، الموفقیات/ زبیر بن بکار ص (۱۹۷-۱۹۸) عیون الاخبار/ ابن قتیبہ (۱/ ۲۰۲) العقد الفرید/ ابن عبد ربہ (٤/ ۳۸۸) صبح الاعشی/ قلقشندی (٦/ ۳۸۰) وفاء الوفاء/ السمهودی (۱/ ۱۲۷) نیز ابن قتیبہ کی طرف منسوب کتاب ''الامامة و السیاسة'' میں بھی اس کے مصنف نے یہ واقعہ معمولی اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ دیکھئے: ص (۲۰٦) البلاذری (٤/ ۳۲۱) البیاسی (۲/ ۲۰۳) لیکن آخر الذکر دونوں نے لکھا ہے کہ اس خط کو یزید نے نعمان بن بشیر کے ہاتھوں اس وقت بھیجا تھا جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت سے اپنا دامن کھینچ لیا تھا۔

❷ الخراج/ ابو یوسف (۵۷، ۵۸) الخراج/ یحییٰ بن آدم ص (٦۰، ٦۱) اثر نمبر (۱۹۹) الاستخراج لاحکام الخراج / ابن رجب ص (٤۳۲) ادارة الحجاز فی العصور الاسلامیة الاولیٰ مقالہ نگار صالح العلی ص (۳۳) مجلة الابحاث الجامعة الامریکیة بیروت ۱۹٦۸ء

❸ الخراج/ ابو یوسف ص (۵۸) اسی سے ملتی جلتی عبارت الاحوال/ ابو عبید ص (۲۹۱، ۲۹٦) میں ہے۔

❹ المحن ص (۱۷، ۱۷۲) عن الواقدی/ العیقوبی (۲/ ۲۳٤، ۲۵۰) السمهودی (۱/ ۱۲۷) عن الواقدی۔ التراتیب الاداریة/ الکتانی (۲/ ۲۵۰) وسق اہل مدینہ کا پیمانہ ہے۔ جو ساٹھ (٦۰) صاع یعنی ۳۲۰ رطل کے برابر قدیم حجازیوں کے یہاں ہوتا تھا۔ الاموال ص (٦۲۷) اسی طرح وسق ۱۹۴ کلو گرام گیہوں کا ہوگا ہے۔

روایت یہ واضح کرتی ہے کہ ابن مینا مدینہ کے صوافی اور وہاں معاویہ رضی اللہ عنہ کے مال کے ذمہ دار تھے۔ یہ بات "کتاب الامامة و السیاسة" کے مصنف کی روایت میں صاف طور سے مذکور ہے وہ لکھتے ہیں: ابن مینا آئے، وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا مال چاہتے تھے، لیکن اس سے روک دیئے گئے، اور اہل مدینہ نے انھیں وہاں سے دور کر دیا حالاں کہ وہ اموال معاویہ کی کمائی کے تھے۔ ❶ اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابن مینا پر اہل مدینہ کا اعتراض صوافی کے محصول کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ معاویہ کے اموال کی حصولیابی پر یہ تنازعہ کھرا ہوا............ علاوہ ازیں واقدی کی سابقہ روایت اہل مدینہ کے اعتراض کی کوئی اطمینان بخش وجہ نہیں پیش کرتی، آپ دیکھیں کہ ابویعرب کی روایت صرف اس بات پر بس کرتی ہے کہ انھوں نے انھیں -ابن مینا کو- روک دیا، اور کہا یہ ہمارے لیے نقصان دہ اور ضرر رساں ہے، جس کے بعد ابن مینا انے عمال کے ساتھ ایک مہینے ٹھہرے رہے۔ کبھی وہ لوگ انھیں روکتے اور کبھی چھوڑ دیتے۔ ❷ "کتاب الامامة و السیاسة" کے مصنف تنہا ایسے ناقل ہیں جو اس سلسلے میں ایک انتہائی عجیب وغریب سبب ذکر کرتے ہیں جس کا صورت واقعہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں: قریش اور انصار کی ایک جماعت امیر مدینہ عثمان کے پاس گئی، انھوں نے آپ سے اموال کے بارے میں بات کیا اور کہنے لگے: تم جانتے ہو کہ یہ سارے اموال ہمارے ہیں، معاویہ نے ہمارے وظائف کے ساتھ ترجیحی طور پر یہ مال دیا تھا، اس کے علاوہ انھوں نے ہمیں کبھی ایک درہم بھی نہیں دیا ہے، یہاں تک کہ ہم انتہائی نازک دور سے گزرے اور ایک لقمے کے لیے ترسنے لگے، تب انھوں نے ہم سے اسے سستے داموں پر خرید لیا۔ ❸

قبل اس کے کہ آگے کچھ لکھا جائے ضروری ہے کہ ہم اس روایت پر تحقیقی نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ "الامامة و السیاسة" کے مصنف نے جو یہ کچھ ذکر کیا ہے کہاں تک صحیح ہے۔

چناں چہ اس کی تفصیل یہ ہے کہ خلفائے راشدین کے عہد میں بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی بڑی زمینیں جاگیر ❹ میں دی گئیں، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زبیر رضی اللہ عنہ کو جرف ❺ سے قناہ ❻ تک کا وسیع علاقہ دے دیا تھا جس کے زرعی اعتبار سے بہت بڑی اہمیت تھی۔ ❼ اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ نے بعض اصحاب

---

❶ الامامة و السياسية، المنسوب لابن قتيبة ص (٢٠٦)

❷ المحن/ ابو العرب (١/ ١٧٢)، السمهودى (١/ ١٢٧) ❸ الامامة والسياسة ص (٢٠٦)

❹ حکام کی جانب سے اپنے ماتحتوں کو بطور عطیہ زمین دیئے جانے کا ایک سسٹم دیکھئے القاموس الوحید، مادہ (قطع) از مترجم)

❺ آج بھی اسی نام سے معروف ایک جگہ ہے وادی عتیق سے مغرب میں احد کے برابر میں واقع ہے۔

❻ مدینہ کی مشہور ترین وادیوں میں سے ایک ہے، احد سے نکل کر جنوب میں وادی عقیق میں آ کر ملتی ہے۔

❼ الخراج/ یحییٰ بن آدم ص (٧٧) باسناد صحیح۔ فتوح البلدان/ بلاذری (١/ ١٣) بسند یحییٰ بن آدم۔

رسول رضی اللہ عنہم کو "عقیق" کا علاقہ عطیہ میں دیا۔ ❶ اور اصحاب رسول کو بطور جاگیر صرف مدینہ ہی کی زمینیں نہیں دی گئیں بلکہ مسلمانوں کے دیگر مفتوحہ ممالک میں بھی انھیں اس طرح کی زمینوں سے نوازا گیا۔ ❷ نیز بلاد شام، عراق اور مصر کی وسیع ترین فتوحات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مال کی آمد کی فراوانی فطری طور پر اس بات کی متقاضی تھی کہ مدینہ میں ان کے زرعی سیکٹر کی اصلاح و آبادکاری میں وسعت پیدا ہو، مزید برآں خلفاء بنوامیہ (معاویہ و یزید) کی طرف سے حجازیوں اور خاص کر اہل مدینہ پر نوازشات کی جو بارش تھی وہ اپنی جگہ۔ معاً یہ بھی واضح رہے کہ یہ ساری املاک ان حکومتی وظائف کے علاوہ تھیں جو انھیں مستقل طور سے ہر ماہ دیوان عطاء سے ملتی تھیں، ❸ جس کا سلسلہ ان کے لیے پوری تاریخ میں ایک سال کے علاوہ کبھی بند نہ ہوا، اور وہ سال ہشام بن عبدالملک کے ایام خلافت میں گزرا، کہ ان حجازیوں نے حکومت کے خلاف بغاوت کرنے میں زید بن علی کے انقلابی اقدام کا ساتھ دیا تھا، لیکن ان کی وفات ہوتے ہی دوسرے خلیفہ ولید بن یزید نے دوبارہ اسے جاری کر دیا۔ ❹ بایں طور اموال کی فراوانی کے اسباب میں یہ عنصر بھی غالب تھا کہ معاویہ اور ان کے بیٹے یزید کی پوری مدت حکومت میں خراج مصر کا بچا ہوا مال مدینہ پہنچایا جاتا تھا، ❺ اسی طرح صحابہ کرام اور ان کی اولادوں کی بلاد شام، عراق اور فارس میں بہت ساری جاگیر کی زمینیں تھیں جنھیں وہ حسب اتفاق و معاہدہ ثلث یا ربع پر دوسروں کو بٹائی پر دیئے ہوئے تھے۔ ❻ اس کے نتیجہ میں متعدد اصحاب رسول اور ان کی بہت ساری اولادیں مدینہ اور خارج مدینہ بڑی بڑی کھیتیوں اور محلات کے مالک ہوگئے۔ ❼

رہی یہ بات کہ مدینہ کی بہت ساری زمینیں معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر تصرف کیسے ہوگئیں تو اس کی دو وجہیں ہیں۔

---

❶ فتوح البلدان / بلاذری (١/ ١٢) بسند یحییٰ بن آدم، عروۃ تک صحیح سند ہے، الخراج/ ابوسفیان ص (٦١) تاریخ المدینة/ ابن شبه (١/ ١٥٠، ١٥١)

❷ الاموال: ابوعبیدة ص (٢٩١)، الخراج/ یحییٰ بن آدم (٧٨-٧٩)، الخراج/ ابویوسف (٦١-٦٢)، الوثائق السیاسیة فی العهد النبوی/ حمید الله (١٢٤، ٢٢٢، ٢١٨، ٢١٦، ٢١٥)

❸ الطبقات الکبری/ ابن سعد (٣/ ٢١٦) الوزراء والکتاب/ ابی شیاری ص (١٦-١٧)، الاحکام السلطانیة / الماوردی ص (١٩٩)

❹ طبری (٧/ ٢١٧) تاریخ الموصل/ الازدی ص (٥٢) الحیاة الاقتصادیة السیف ص (٤٥)

❺ الخراج/ یحییٰ بن آدم ص (٣٣٨)، فتوح البلدان/ بلاذری (١/ ٢٥٣)

❻ الخراج/ ابویوسف ص (٦٢) تنظیم جبایة الصدقات فی القرن الاول الهجری (باحث: صالح العلی) ج / ١٠ مجلة العرب۔

❼ اصلاح المال/ ابن ابی الدنیا ص (٢٩٠) الاغانی (٢٤/ ١٢) السمهودی (١/ ١٠٤٣-١٠٦٣) آثار المدینة/ عبدالقدوس انصاری ص (٢٢٢)، الحیاة الاقتصادیة/ الیف ص (٥٠-٥٤) المدینة فی العصر النبوی/ محمد حسن شراب ص (٤٤٣-٣٥٣)

پہلی وجہ تو یہ کہ وہاں کی کچھ جائدادیں آپ کو اپنے والد ابوسفیان سے وراثت میں ملی تھیں جو کہ زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں سادات قریش میں سے تھے اور تجارت میں شہرت یافتہ شخصیت کے مالک تھے، دریں صورت حال یہ بات قطعاً بعید نہیں کہ وہ وراثت میں طویل و عریض زرعی زمینوں کے مالک ہوں، اور خاص طور سے یوں بھی کہ مکہ میں بھی آپ بڑی جائداد اور کھیتیوں کے مالک تھے۔ ❶

دوسری وجہ یہ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں اپنے مال خاص سے کچھ زمینیں اور کھیتیاں خریدی تھیں، جو آپ کی اور آپ کے بعد آپ کے اہل وعیال کی ملکیت بنیں، مثال کے طور پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے "ثنیة الشرید" نامی پورا علاقہ اپنے پیسے سے خرید لیا تھا، جہاں ابن زبالہ کے بقول انگور اور کھجوروں کی ایسی پیداوار تھی جس کی کوئی مثال نہیں تھی۔ ❷ اسی طرح عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے دوملین درہم میں ینبع کا "بغیبغات" نامی چشمہ خرید لیا تھا۔ ❸ نیز آپ نے حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے تقریباً ایک لاکھ درہم میں وہ پوری جگہ خرید لی تھی جہاں بنوجدیلہ کا محل واقع تھا۔ ❹ اسی طرح آپ نے عمرو بن سعید بن عاص کو تین ملین درہم ان کے باپ کی زمینی جائداد خریدنے کے لیے دیا جو کہ میدان البقل میں تھی۔ ❺

چناں چہ بحیثیت مجموعی آپ نے جو زمین اتنی بڑی بڑی رقموں میں خریدیں وہ اپنی نوعیت اور کیفیت کے اعتبار سے اتنی ملکیت کی نہیں تھیں، آپ دیکھیں کہ یہ حسان بن ثابت انصاری ہیں جو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مہنگی قیمت میں اپنی کھیتی فروخت کرنے کے تعلق سے کہا کرتے تھے: میں کیوں نہ ایک صاع کھجور ایک صاع درہم کے عوض فروخت کروں۔ ❻

مذکورہ متعدد مثالوں سے معاویہ رضی اللہ عنہ کے املاک واراضی کے بارے میں "الامامة والسیاسة" کے مصنف کی پیش کردہ ہفوات کا کذب ودجل واضح اور شذوذ وتفرد میں نمایاں ہو جاتا ہے۔ بہرحال جب ہمیں ان ذرائع کا علم ہو گیا جہاں سے یہ املاک اور کھیتیاں معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں آئی تھیں تو ایک اہم سوال بار

---

❶ تاریخ مکہ/ الازرقی (۲/ ۲۲۷-۲۳۲) جیسے باغ، حمام، خیف الأدین، باغ عوف، باغ مورش، باغ خرمان، باغ مقیصرہ، باغ حراء، باغ ابن طارق، باغ فتح، باغ بلدح۔ دیکھئے: شفاء الغرام/ الفاسی (۱/ ۳۴۵٦) السیف (۵۰)

❷ السمهودی (۳/ ۱۰٦، ۱۰۷)

❸ جمهرة نسب قريش/ زبير بن بكار ص (۳٦۵) معجم البلدان/ ياقوت (۱/ ٤٦۹) وفاء الوفاء (٤/ ۱۱۵۰-۱۱۵۱)

❹ وفاء الوفاء (۳/ ۹٦۱-۹٦۳)

❺ معجم البلدان/ ياقوت ٤/ ۱۰۱-۱۰۲) السمهودی (۳/ ۱۰۵٤)

❻ وفاء الوفاء (۳/ ۹٦۱-۹٦۳)

بار یہ ذہن میں آتا ہے کہ ابن مینا کو اہل مدینہ نے اپنا کام کرنے سے کیوں روکا تھا؟ میرے خیال میں اس کی دو میں سے ایک وجہ ضرور تھی۔

پہلی وجہ یہ کہ ان کھیتیوں کی زبردست پیداوار سے مدینہ کے دیگر لوگوں کی تجارت متاثر ہو رہی تھی اور کساد بازاری کو فروغ مل رہا تھا میرے اس خیال کی تائید اہل مدینہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ انھوں نے ابن مینا کو روکتے ہوئے اعتراض جتایا تھا کہ "**انہ حدث و ضرر علینا**" ❶ یہ تو ہمارے لیے نئی چیز اور باعث نقصان ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ حکومت وقت میں انتشار پیدا کرنا اور یہ تاثر دینا کہ اقتدار کی گرفت اور اس کا دبدبہ کمزور ہو چکا ہے، بالفاظ دیگر اس مختصر اور چھوٹے سے واقعہ کو لے کر حکومت سے ٹکراؤ پیدا کرنا مقصد تھا، اس توجیہ کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ ابن مینا نے اپنے دیگر محصلین کے ساتھ تھوڑا سا اپنا کام انجام دیا تھا کہ مسور بن مخرمہ، عبدالرحمٰن بن اسود بن عبد یغوث، عبداللہ بن مطیع اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابو ربیعہ آپس میں اکٹھا ہوئے اور محصلین کو اپنا کام کرنے سے روک دیا۔ ❷ نیز کچھ انصار بھی آڑے آئے، البتہ چند قریشی تعاون میں آگے آئے لیکن انھیں بھی ان لوگوں نے پیچھے کر دیا۔ ❸

اس مقام پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس روایت میں جن حضرات کا نام مذکور ہے یہی لوگ معرکہ حرہ میں شریک رہے حتی کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے اس میں قیادت کی کمان بھی سنبھالی تھی، چناں چہ جب عثمان بن محمد نے ان لوگوں کی حرکت سے یزید بن معاویہ کو خبردار کیا کہ یزید نے جوابی خط لکھ کر یہ ہدایت کی تھی کہ یہ خط علی الاعلان پڑھ کر سنا دینا، عثمان نے یزید کا خط اہل مدینہ کے سامنے پڑھ کر سنایا ضرور لیکن ان لوگوں سے خائف بھی رہے۔ ❹ اور جب عثمان بن محمد اہل مدینہ کے سامنے خط پڑھ کر فارغ ہوئے تو ابن مطیع، ابراہیم بن نعیم بن نحام، محمد بن ابوجہم اور معقل بن سنان اشجعی نے سخت اور بری باتیں بکنا شروع کر دیا۔ ❺ اس سے اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں کہ اہل مدینہ کے دلوں میں حکومت کا رعب و دبدبہ کس قدر بے وقعت ہو چکا تھا جس کی بنا پر یزید ان کے خلاف اتنا سخت خط لکھنے پر مجبور ہوئے اور پھر یزید اس سخت

---

❶ ابو العرب ص (۱۷۲)، السمهودی (۱/ ۱۲۷)

❷ المحن/ ابو العرب (۱/ ۱۷۲)

❸ السمهودی (۱/ ۱۲۷) ہم بہت حد تک یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ یہ ۶۳ھ کے اوائل ایام کا حادثہ ہے، کیوں کہ یزید نے عثمان کو مدینہ کا امیر اور پھر حج کا امیر ۶۲ھ میں بنایا تھا دیکھئے: ابن عساکر، سوانح ابن زبیر ص ۷۸ بروایت مدائنی عن عوانۃ۔

❹ المحن/ ابو العرب (۱/ ۱۷۳) بروایت واقدی

❺ المحن / ابو العرب (۱/ ۱۷۳) الاعلام بالحروب، البیاسی (۲/ ۱۰۶) بروایت واقدی

تحریری نوٹس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ان کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا، کیوں کہ اہل مدینہ کا دل جیتنے کے لیے انھوں نے ہر تدبیر اختیار کی تھی، اور یہاں تک کہہ دیا کہ میں نے آپ لوگوں کو اپنے سر پر بٹھایا اور اپنے پیٹ پر رکھا، ❶ (یعنی اپنی ضرورت پر تمھیں مقدم کیا) لیکن یہ ساری چیزیں کچھ بھی سود مند نہیں ثابت ہوئیں۔

بہرحال بنوامیہ کے تئیں اہل مدینہ کی اس معاندانہ روش کو غالباً ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی مخالفت سے تحریک ملی جس میں انھوں نے شورائیت کے قیام کا مطالبہ کیا تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تحریک کا بعض ابنائے صحابہ پر اموی حکومت سے انکار میں زبردست اثر رہا، جب کہ بالمقابل ان کی بھاری اکثریت اس حقیقت کے اعلان کی جرأت نہیں کر پا رہی تھی، لیکن اتنا ضرور تھا کہ وہ جذبات سے چور اور صداقت کے تائید کناں تھے چناں چہ عمرو بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ، ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر یزید کی کسی بھی سخت کارروائی کے عدم اقدام کا حوالہ دیتے ہوئے ان کی طرف سے معذرت پیش کرتے تھے اور کہتے: اہل مدینہ کی اکثریت انھیں کے ساتھ تھے، انھوں نے ہی ان کو اپنی رضا مندی دی تھی اور انھیں قبول کیا تھا اور خفیہ و اعلانیہ ہر ایک نے دوسرے کو ان کی موافقت کے لیے بلایا تھا۔ ❷ لہٰذا یہ معقول بات نہیں ہے کہ یہ معمولی حادثہ یا کوئی بات اہل مدینہ کو اموی حکومت سے متصادم کر دے، اور وہ اس حد تک چلے جائیں کہ بیعت یزید سے ہاتھ کھینچنے کی بات کرنے لگیں بایں ہمہ ابن مینا کا معاملہ طول پکڑتا گیا اور یزید کا دھمکیوں بھرا خط آنے کے بعد اشراف مدینہ نے امیر مدینہ سے مطالبہ کیا کہ ان کا ایک وفد یزید سے مل کر معذرت پیش کرنا چاہتا ہے، اور انھیں جو کچھ خبر ملی ہے اس کے بارے میں صفائی پیش کرنے کا ارادہ ہے۔ ❸ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب امیر مدینہ عثمان کو حج سے واپس ہوئے ایک مہینہ کی مدت گزر چکی تھی۔ ❹

ہم نہیں جانتے کہ اہل مدینہ میں یکا یک یہ موڑ کہاں سے آ گیا، گرچہ کہ میرا خیال یہ ہے کہ شاید وہ اس وفد کے ذریعہ یزید کی اخلاقی حالات و چال چلن کے بارے میں معلومات لینا چاہئے تھے، اور خاص طور سے ان پروپیگنڈوں کو سچائی جاننا چاہتے تھے، کہ وہ شراب نوشی جیسی قبیح ترین برائیوں میں کہاں تک ملوث ہے،

---

❶ المحن/ ابو العرب (۱/ ۱۷۳)

❷ طبری، بروایت ابومخنف (۵/ ٤٧٨)، الاعلام/ بیاسی (۲/ ۱۰۱) بروایت ابومخنف

❸ ابن عساکر (سوانح عبادہ بن اوفی۔ عبداللہ بن تواب) ص (۸۷) اپنی سند سے بروایت مدائنی، اور مدائنی کی اسناد دو طرق سے ہے، ان میں سے ایک داؤد بن ابی ہند تک بروایت مشائخ المدینۃ حسن ہے جب کہ دوسری روایت عوانہ اور یزید بن عیاض سے ہے۔ ابن کثیر (۸/ ۲۱۷)

❹ تاریخ خلیفہ ص (۲۳٦)

چناں چہ امیر مدینہ عثمان بن محمد نے اشراف مدینہ کے دس افراد پر مشتمل ایک وفد تیار کیا جس میں قریش اور انصار کے لوگ تھے ان میں عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب، عبداللہ بن ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ المخزومی، آل سراقہ سے تعلق رکھنے والے بنوعدی کا ایک آدمی، عثمان بن عطاء بن تویث، محمد بن عمرو بن حزم انصاری، غسیل الملائکہ کے بیٹے عبداللہ بن حنظلہ، عباس بن سہل بن سعد الساعدی اور معقل بن سنان الاشجعی شامل تھے۔ ❶

یہ وفد جب یزید کے یہاں پہنچا تو اس وقت حوارین میں تھے، وفد نے ولید بن عتبہ کے یہاں قیام کیا، اور دس دنوں تک قیام رہا، لیکن نہ یزید کے پاس پہنچے اور نہ ہی ان کا سامنا کیا، دس دن گزرنے کے بعد جمعہ کے دن یزید نے ان کا استقبال کیا، اور کیفیت یہ تھی کہ چارپائی پر اپنے دونوں پاؤں پھیلائے اور ان پر چادر ڈالے ہوئے تھے، جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ پیروں کی تکلیف اور درد اب تک ان حضرات کے استقبال سے مانع تھی، اس وقت یزید کے پاس ولید بن عتبہ اور عمرو بن سعید بھی تھے، سابقہ روایت میں یہ بھی ہے کہ یزید نے ارکان وفد کو مرحبا کہا، اور پوری خوش دلی سے ان کا استقبال کیا اور پھر استقبال میں اپنی دیری و تاخیر کی معذرت کرتے ہوئے کہا میرے پیر میں اب بھی بہت تکلیف ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی مکھی آ کر اس پر بیٹھ جاتی ہے تو لگتا ہے کہ پتھر گر گیا ہے۔ ❷ غالباً ان کے پیر میں نقرس کی بیماری تھی جس سے وہ اسی وقت سے دوچار تھے جب یہ خبر ملی تھی کہ مدینہ والے بیعت سے ہاتھ کھینچ چکے ہیں اور بنوامیہ کو بے دخل کرنا چاہتے ہیں۔

تاہم وفد کے ایک رکن عباس بن سہل الساعدی نے ارادہ کیا کہ دیکھیں یزید کی تاخیر کا یہی سبب ہے جو انھوں نے بیان کیا ہے، یا اور کوئی وجہ ہے چناں چہ وہ اٹھے اور یزید کے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گئے اور یزید کے جس پیر میں بیماری تھی اسی پر ٹیک لگالیا، جس کی وجہ سے شدت تکلیف کے اثرات یزید کے چہرے پر نمایاں ہوگئے، عباس بن سہل برابر اپنی بات کہتے رہے اور وہ جواباً ہاں ہاں کہتے رہے، اس وقت عباس نے تقریباً اپنی بیس ضرورتیں رکھیں۔ ❸ لیکن یہ بات کہ عباس نے یزید کے سامنے اپنی بیسیوں ضرورتیں رکھیں، شاید مبالغہ سے خالی نہیں ہے گرچہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یزید نے وفد کا احترام کیا تھا اور اسے اعزاز سے نوازا تھا۔

پھر عثمان بن عطا بن تویت یزید کے پاس کھڑے ہوئے اور اپنی پیٹھ سے کپڑا اتارتے ہوئے کہا: اے امیر المومنین! میری پیٹھ پر اس احمق -ولید بن عقبہ- کی مار کے نشانات دیکھیں۔ یہ منظر دیکھ کر عمرو بن سعید کو یقین ہ وگیا کہ عثمان بن عطاء نے ولید بن عتبہ کو جس بات سے متہم کیا ہے وہ بالکل درست ہے۔ اور اب عمرو

---

❶ ابن عساکر (سوانح عبادہ بن اوفی۔ عبدالله بن تواب) ص (۸۷-۸۸) ابن کثیر (۸/ ۷۲۱)

❷ ابن عساکر (سوانح عبادہ بن اوفی۔ عبدالله بن تواب) ص (۸۸)

❸ ابن عساکر (سوانح عبادہ بن اوفی۔ عبدالله بن تواب) ص (۸۸) طبری بروایت ابومخنف (۵/ ٤٨٠)

بن سعید اور ولید بن عتبہ کے درمیان مباحثہ نے نزاع کی صورت اختیار کرلیا،حتی کہ دونوں ایک دوسرے پر تہمت لگانے لگے،تب یزید نے دونوں کو باہمی جھگڑے اور مباحثے سے منع کیا،روایت میں مزید مذکور ہے کہ یزید نے ارکان وفد سے اپنی ضرورتیں پیش کرنے کو کہا،اس وقت جس نے کوئی بھی ضرورت پیش کی تو یزید نے اسے پورا کیا۔ ❶

روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ بقیہ ارکان وفد کے کیا مطالبات تھے،صرف اتنا ذکر ہے کہ ان کے مطالبے پورے کئے گئے، یہ شوشہ کہیں نہیں ملتا کہ اس وقت ارکان وفد اور یزید کے درمیان کوئی اختلاف تھا۔

اس وفد کے ساتھ عبداللہ بن حنظلہ بھی تھے جیسا کہ گذرا، اور ان کے ساتھ ان کے آٹھ بیٹے بھی تھے۔ یزید نے عبداللہ کو ایک لاکھ درہم سے نوازا اور ہر بیٹے کو دس دس ہزار درہم دیئے، یہ ساری نوازشیں کپڑے اور سواریوں کے علاوہ تھیں۔ ❷ اسی طرح منذر بن زبیر کو ایک لاکھ درہم ❸ اور معقل بن سنان اشجعی کو ایک ہزار درہم عطا کیا۔ اس طرح یہ وفد اپنے پیچھے عبداللہ بن جعفر کو چھوڑ کر مدینہ کے لیے واپس ہوگیا۔ ❹ یہاں تک تو حیرت و استعجاب کی کوئی بات نہیں تھی لیکن یقیناً کافی حیرت وتعجب کی بات ہے کہ اس کے آگے حالات کے تئیں روایت کی منظر کشی یکسر مخالف نظر آتی ہے چناں چہ لکھا ہے کہ ان لوگوں کی واپسی یزید کی مذمت کرتے ہوئے ہوئی، اور سب اس بات پر متفق تھے کہ بیعت سے دست اطاعت کھینچ لی جائے۔ ❺ اور جب مدینہ پہنچے تو اعلانیہ طور پر یزید کو برا بھلا کہا، اس سے اپنی برأت و بیزاری کا اعلان کیا اور کہا کہ ہم اس کی بیعت سے رشتہ توڑ چکے ہیں، اب لوگ عبداللہ بن حنظلہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے یزید کے بارے میں پوچھنے لگے، انھوں نے جواب دیا: میں ایک ایسے شخص کے پاس سے واپس آیا ہوں کہ اللہ کی قسم اگر میں اپنی اولادوں کے علاوہ کسی کو نہ پاؤں تو انھیں کو لے کر اس کے خلاف جہاد کروں، عبداللہ کی یہ بات سن کر لوگ کہنے لگے کہ ہم نے سنا ہے یزید نے آپ کا بڑا احترام واکرام کیا ہے اور عطیات سے نوازا ہے، تو انھوں نے کہا: ہاں اس نے ایسا ہی کیا ہے، لیکن میں نے صرف اس لیے لے لیا کہ اسے اُسی کے خلاف استعمال کروں گا۔ ❻

ایسا لگتا ہے کہ انھوں نے جان بوجھ کر عبداللہ بن حنظلہ سے یہ سوال کیا تھا کیوں کہ وہ ان کی نگاہوں

---

❶ تاریخ خلیفہ ص (۲۳٦) جویریہ تک باسناد صحیح بروایت اشیاخ من اهل المدینة۔ طبری (۵/ ٤۹۵) باسناد صحیح بسند جویریة عن اشیاخ من اهل المدینة، ابن عساکر (۲۰۹، ۲۱۰) بسند خلیفه

❷ ابن عساکر ترجمة عبدالله بن حنظلة ص (۸۸)

❸ طبری (۵/ ٤۸۰) ترجمه مسلم بن عقبه (١٦/ ق۷۷)

❹ نسب قریش، مصعب زبیری ص (۲٤۵) طبقات فحول الشعراء ابن سلام (۱/ ۱۵۳) بسند مصعب الزبیری، انساب الاشراف (٤/ ۳۲۰) بسند ابو مخنف، طبری (۵/ ٤۸۰) بسند ابو مخنف

❺ ابن عساکر، سوانح عبدالله بن حنظه ص (۸۸)

❻ طبری (۵/ ٤۸۰) ابن عساکر، سوانح مسلم بن عقبه (١٦/ ق٤۷۷) طبری ہی کی سند سے۔

میں آپ کا فضل و مرتبہ مسلّم تھا۔ حسن اتفاق کہیے یا سوئے اتفاق کہ انھیں ایام میں منذر بن زبیر بصرہ گئے ہوئے تھے، آپ نے وہاں ابن زیاد کے یہاں قیام کیا اور ابن زیاد بھی ان کا بڑا قدرداں اور احترام کرنے والا تھا کیوں کہ منذر کا اس کے باپ زیاد بن ابوسفیان سے تعلق تھا، جب یزید کو خبر ملی کہ ان کے ساتھیوں نے مدینہ پہنچ کر ہمیں سب وشتم کیا ہے، تہمتیں لگائیں ہیں اور بیعت سے ہاتھ کھینچ لینے کا اعلان کیا ہے تو عبید اللہ بن زیاد کے نام خط لکھا کہ منذر بن زبیر کو قید کرلو، لیکن ابن زیاد نے منذر کو بصرہ سے نکل جانے کا راستہ دکھا دیا، کیوں کہ آپ ابن زیاد ہی کے یہاں مہمان تھے اور پھر اس کے والد سے ان کے سابقہ تعلقات تھے، پھر جب منذر بن زبیر مدینہ پہنچے تو بصرہ کی کارروائی کے نتیجہ میں لوگوں کو یزید کے خلاف بھڑکانے لگے اور جس طرح ان کے ساتھیوں نے اسے عیوب کا پلندہ شمار کیا تھا انھوں نے بھی وہی کچھ کیا، بلکہ اس سے بھی سخت رویہ اختیار کیا۔ [1] مختصر یہ کہ جو روایتیں بھی اہل مدینہ کے بغاوت کے اسباب سے بحث کرتی ہیں ان میں واضح طور سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ اس کا اصل محرک یزید بن معاویہ کی قلتِ دینداری تھی، جس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ امت کی قیادت کے لائق نہیں ہے۔ [2] اس بغاوت کا محرک معرکۂ کربلا ہرگز نہیں تھا کہ جس کی کڑواہٹ اہل مدینہ برداشت نہ کرسکے، اور حسین و آل بیت کے حق میں ابن زیاد نے جس گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا تھا اس کے بدلے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، اسی طرح یزید سے اس وفد کی ملاقات کا مقصد اور سبب یہ نہیں تھا کہ آل حسین کو انصاف دلانے کی کوشش کریں، جیسا کہ سید امیر علی کا گمان ہے۔ ہاں ہمیں اس حقیقت سے قطعاً انکار نہیں کہ باشندگان مدینہ اور دیگر مسلمان معرکہ کربلا سے بہت غمگین اور متاثر ہوئے لیکن ایسا ہرگز نہیں تھا کہ یزید سے اہل مدینہ کی بغاوت، اور بنوامیہ سے دامن چھڑانے کا اصل و بنیادی سبب بھی یہی تھا، اگر ایسا ہی ہوتا تو ۶۱ھ میں ہی یہ سب کچھ منظر عام پر آجاتا۔ ۶۳ھ تک یہ معاملہ طول نہ کھینچتا۔ بایں ہمہ کہ یزید کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا گیا، اہل مدینہ نے امویوں کو بھگا دیا، اور معرکہ حرہ پیش آیا، لیکن صحیح سندوں سے ثابت کسی بھی روایت میں ہمیں ان عیوب کا ثبوت نہیں ملتا، جنھیں اس وفد نے دیکھا تھا، کہ پھر یہی چیزیں یزید سے ہاتھ کھینچے، اور بنوامیہ کو نکال باہر کرنے کا سبب بنی ہوں، ہر درست ہے کہ کتب تاریخ و سوانح میں ایسی روایتیں وارد ہیں جن میں یزید پر مذکورہ عیوب وتنقیدات کا تذکرہ ملتا ہے لیکن تحلیل و تجزیہ کی کسوٹی پر وہ ساری روایتیں مجموعی اعتبار سے ضعیف اور ناقابل اعتبار ہیں۔ تاہم ان روایتوں کو بحث و تحقیق کی

---

[1] مروج الذهب/ مسعودی (۳/ ۷۸)، تاريخ الاسلام/ ذهبی، حوادث (۶۱-۸۰) سير اعلام النبلاء (٤/ ۳۷، ۲۸)، ابن كثير (۸/ ۲۱۷) فتح الباری (۱۳/ ۷۵) تعجيل المنفعه (٤٥٣) تهذيب التهذيب (۱۱/ ۳۱٦)، تاريخ الخلفاء (۳۰۹) النجوم الزاهرة/ الاتابكی (۱/ ۱٦۳) شذرات الذهب (۱/ ۷۰) سمط النجوم العوالی/ العصامی (۳/ ۸۸)

[2] مختصر تاريخ العرب ص (۹۳) التاريخ السياسی للدولة العربية میں عبدالمنعم ماجد نے بھی یہی تاثر دیا ہے۔ (۸۲/۲)

کسوٹی پر لانے کے لیے میں یہاں پیش کر رہا ہوں۔

- ابومخنف کا بیان ہے کہ محمد بن عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن بن عوف نے ہم سے بیان کیا کہ منذر بن زبیر جب بصرہ سے واپس لوٹے تو باشندگان مدینہ نے ان سے یزید کے بارے میں پوچھا، آپ نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم یزید نے مجھے ایک لاکھ درہم دیئے، لیکن اس نے جو کچھ میرے ساتھ کیا اسے بیان کرنے سے مجھے کوئی چیز مانع بھی نہیں ہے، میں جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا، اللہ کی قسم! وہ شراب نوش ہے، اور مدہوش رہتا ہے، یہاں تک کہ نماز کو چھوڑ دیتا ہے، مزید آپ نے وہی عیوب بتائے جو آپ کے ساتھیوں نے بتائے تھے، بلکہ اس سے بھی سخت اور زیادہ۔ روایت میں مزید ذکر ہے کہ جب یہ خبر یزید کو پہنچی تو اس نے کہا: ائے اللہ میں نے اسے ترجیح دیا، اور اکرام واعزاز سے نوازا، تو اس نے جو کچھ کیا ہے تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اسے جھوٹا اور قاطع رحم مشہور کر دے۔ [1]
- اسی طرح ابومخنف ہی کی ایک دوسری روایت جو عبداللہ بن نوفل بن مساحق سے مروی ہے کہ انھوں نے بنوامیہ کے ایک علام حمید بن حمزہ سے روایت کیا ہے: کہ ''جب وہ ارکان وفد مدینہ پہنچا تو عوام میں یزید کو سب وشتم کیا اور کہا: ہم ایک ایسے آدمی کے پاس سے آرہے ہیں جو دین سے عاری اور شراب نوش ہے، گانے باجے کا شوقین ہے کتوں سے کھیلتا ہے، آوارہ اور عیاش جوانوں کے ساتھ دیر رات گئے ناچنے والی عورتوں کے ساتھ ہوتا ہے، ہم تمھیں گواہ بناتے ہیں کہ اس کی بیعت سے ہم دست کش ہو چکے ہیں، یہ سن کر لوگ بھی ان کے تابع ہو گئے۔ [2]
- تیسری روایت جویریہ بن اسماء کی ہے جو اپنی ضعف کے باوجود غالباً اس بات میں سب سے صحیح روایت ہے کیوں کہ یہ اشیاخ مدینہ سے منقول ہے، چناں چہ اس روایت میں ہے کہ جب لوگوں نے عبداللہ بن حنظلہ سے یزید کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: میں تمھارے پاس ایک ایسے آدمی کے یہاں سے آرہا ہوں کہ اگر میرے ساتھ میرے ان بیٹوں کے علاوہ کوئی اور نہ ہو تو بھی میں انھیں لے کر اس سے جہاد کرتا۔ [3] اور اسی روایت پر خلیفہ، [4] ابن کثیر، [5] ذہبی [6] اور ابن حجر [7] نے اعتماد کیا ہے۔

---

[1] الطبری (٥/ ٤٨٠) بروایت ابی مخنف

[2] طبری (٥/ ٤٨٠) بروایت ابی مخنف، ابن کثیر (٨/ ٢١٧)

[3] تاریخ خلیفه بن خیاط (٢٣٦) جویریہ تک بروایت اشیاخ اہل مدینہ صحیح سند سے۔ طبری (٥/ ٤٩٥) بسند جویریه۔ العقود الاعتذار، ابوالحسن العبدی (١/ ١٣٨) ابن عساکر، تراجم حرف عین۔ عبدالله بن حنظله ص (٢٠٩)

[4] التاریخ/ خلیفه ص (٢٣٦) [5] البدایة والنهایة (٨/ ٢١٨) [6] سیر اعلام النبلاء (٤/ ٣٢٢)

[7] فتح الباری (١٣/ ٧٥)

واقدی لکھتے ہیں:

''جب اہل مدینہ اور عبداللہ بن حنظلہ کے پاس جمع ہوئے، اور ان سے موت پر بیعت کیا تو انھوں نے خطاب کرتے ہوئے کہا: اے لوگو! اس اللہ سے ڈرو جو وحدہ لاشریک لہ ہے، ہم نے یزید کے خلاف محض اس ڈر سے بغاوت کیا ہے کہ مبادی ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش نہ کردی جائے، وہ تو ماؤں، بیٹیوں، اور بہنوں تک کو اپنے نکاح میں رکھتا ہے، شراب نوش اور تارک نماز ہے، اگر چہ میرا کوئی ساتھ نہ دے میں تو اللہ کے لیے اس کی بغاوت میں خود کو قربان کردوں گا۔''[1]

مذکورہ روایتوں کی حقیقت (تحلیل و تجزیہ):

یہ ساری روایتیں جو میں نے ذکر کی ہیں کوئی ایک بھی اس لائق نہیں ہے کہ یزید کے تعلق سے اہل مدینہ کے اس موقف کی تائید کے بارے میں اس پر اعتماد کیا جاسکے، مزید برآں یزید بن معاویہ کی بد دینی کے تعلق سے ان روایتوں میں جو کچھ بھی مذکور ہے وہ قطعاً نا قابل اعتناء ہے۔ ہاں اس حقیقت کا پختہ ثبوت ان روایتوں سے ضرور ملتا ہے کہ یزید کے خلاف اہل مدینہ کی بغاوت کا اصل محرک ان کا یہ تصور تھا کہ یزید میں بہرحال دین داری اور اسلامی مزاج کی کمی ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دین داری کی کمی کے حدود اربعہ کیا ہیں؟ نگاہ، چھوٹے گناہوں کا ارتکاب، بڑے گناہوں کا ارتکاب یا کہ کفر صریح کا ارتکاب؟؟ دینداری کی کمی کی سرحد کہاں ہے؟؟ اگر ہم کسی اطمینان بخش نتیجہ تک پہنچنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ واقدی سے مروی صرف اس ایک روایت کی تحقیق کرلی جائے جس میں یزید کے بارے میں ابن حنظلہ کی یہ بات منقول ہے:

''کہ وہ ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کرتا ہے، شراب پیتا ہے، اور نماز چھوڑتا ہے۔''

چناں چہ عقل وشعور میں یہ بات کیوں کر آسکتی ہے کہ وہ ماؤں، بیٹیوں، اور بہنوں سے نکاح کرے گا؟ اسے اس گھناؤنے اور غیر انسانی عمل پر اقدام کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ دور قدیم کے بت پرست اور جاہل عرب حتی کہ آج کے بے دین وملحد، بلکہ یوں کہیے کہ دور حاضر کے بد سے بدتر لوگ بھی اس طرح کے برے عمل سے بچتے ہیں اور گھن کھاتے ہیں، پھر بھلا یزید کے بارے میں یہ بات کیوں کر سوچی جاسکتی ہے کہ وہ رونگٹے کھڑا کردینے والے ان جرائم کا مرتکب رہا ہوگا؟ ذرا غور کیا جائے وہ سلطان المسلمین تھے، عالی حسب ونسب کے مالک اور صاحب جاہ و دولت تھے، کیا ان میں یہ طاقت اور صلاحیت نہیں تھی کہ اپنے دور کی

[1] الطبقات الکبری/ ابن سعد (٥/ ٦٦) باسناد صحیح بروایت واقدی عجیب معاملہ ہے واقدی کے ہوتے ہوئے بھی سند صحیح ہوجاتی ہے۔ (ش)

سب سے خوبصورت عورت سے شادی کر لیتے؟ بھلا انھوں نے اللہ کی حلال کردہ ایک چیز کو چھوڑ کر حرام کاری کا سہارا کیوں لیا کہ اس روایت کے مطابق اپنی ماں، بہنیں اور بیٹی سے نکاح رچائی؟

پھر ایک پہلو اور قابل توجہ ہے کہ اگر وہ ایسے ہی تھے تو ان کا یہ کردار ان اہل شام پر پوشیدہ کیوں رہا، جس میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور علماء وفقہاء تک موجود تھے بھلا ہمیں اہل شام کے کسی فرد کی طرف بطور گواہی یہ بات سننے میں کیوں نہیں آتی کہ یزید ان قبیح ترین جرائم کے مرتکب تھے؟ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ اس روایت میں صداقت کی معمولی بو بھی نہیں آتی، جب کہ ضعیف سندوں سے اس کا آنا اپنی جگہ خود ایک بحث رکھتی ہے، اور اس کے بعض راوی ایسے ہیں جو معرکہ حرہ میں اپنے اقرباء ہی کو قتل کرنے سے متہم ہیں۔ لہٰذا کوئی تعجب کی بات نہیں کہ انھیں لوگوں نے واقعہ کو رنگ روغن لگا کر حذف واضافہ کے ساتھ اس لیے پیش کیا ہوگا کہ ان کا عیب چھپ جائے اور دوسروں کو یہ بتاسکیں کہ وہی حق پر ہیں اور دوسرے لوگ باطل پر۔

اب ہم ابومخنف کی دوسری روایت پر آتے ہیں جس میں یزید کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ''وہ شراب نوش اور تارک صلاۃ ہونے کے ساتھ ناچ گانے کا شوقین ہے.....'' چناں چہ اگر ہم یزید کی طرف منسوب کردہ تمام تر روایتوں کا باریکی سے جائزہ لیتے ہیں تو ان میں ایک بات مشترک نظر آتی ہے کہ وہ شراب نوش تھا، اور شدت مدہوشی کی وجہ سے تارک نماز بھی تھا، جس سے اس تہمت کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، خاص طور سے جب ہم یہ جان لیں گے کہ یہ تہمت کوئی نئی نہیں تھی کہ ابھی ابھی اس نے جنم لیا تھا یا یہ کہ اس وفد کی زیارت کے بعد یہ بات منظر عام پر آئی تھی؟ نہیں! بلکہ کچھ ایسے دلائل اور اشارے ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس طرح کی تہمت کا آغاز دوسری شکل میں ہو چکا تھا۔ چناں چہ جب حسین رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ میں خطیب کی حیثیت سے کھڑے ہوئے، حسین رضی اللہ عنہ پر کلمہ ترحم پڑھا اور ان کے قاتل کی مذمت کرتے ہوئے کہا: سن لیں! اللہ کی قسم انھوں نے آپ -حسین رضی اللہ عنہ- کو قتل کردیا وہ راتوں رات قیام کرنے والے اور دن میں خوب روزے رکھنے والے تھے۔ وہ جس -منصب خلافت- پر ہیں اس کے وہ ان سے زیادہ مستحق تھے۔ دین میں اولی، اور فضل ومرتبہ میں اعلیٰ تھے، اللہ کی قسم! وہ قرآن کی جگہ گانے کو، خوف الٰہی سے روکنے کی جگہ حدی کو، روزے کی جگہ بنت العنب کے جام کو، اور ذکر الٰہی کی مجلسوں کی جگہ طلب شکار کو کبھی ترجیح نہیں دیا۔ (برائیوں کا اشارہ یزید کی طرف تھا) وہ سب قعر ہلاکت میں جلد ہی ڈالے جائیں گے۔ [1] یہی نہیں بلکہ سعد بن مخرمہ پر تہمت کی حد اسی لیے لگائی گئی کہ وہ یزید کو شراب نوشی سے متہم کر رہے تھے۔ [2]

---

[1] انساب الاشراف (٤/ ٣٠٤) طبری (٥/ ٤٧٥) بسند ابو مخنف، البیاسی (٢/ ١٩٦) بسند ابی مخنف

[2] انساب الاشراف (٤/ ٣٢٠) بروایت عوانه

جب یزید کے بھیجے ہوئے وفد اور ابن زبیر کے درمیان بات چیت کی ساری کوششیں ناکام ہوگئیں تو یزید کی تنقیص و مذمت میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی زبان دراز ہوگئی اور کہنے لگے: مجھے خبر ملی ہے کہ وہ مدہوشی کے عالم میں صبح کرتا ہے اور شام بھی۔ [1]

بالاختصار یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان تمام تر تہمتوں کا اہل مدینہ کی ناراضگی سے گہرا تعلق تھا۔ اور انھیں یہ احساس کھائے جارہا تھا کہ ان قبیح اوصاف کے حامل خلیفہ کی ان پر حکومت ان کے ساتھ ایک دھوکا ہے، خاص کر اس لیے بھی وہ زیادہ فکر مند ہوئے کہ ان کا زمانہ عہد نبوی سے کوئی بہت دور نہیں تھا، پھر کیا تھا جب اپنے اکابرین شرکاء، اور صلحاء کے زبانی اس طرح کی تہمتیں انھوں نے سنیں تو بیعت خلافت سے ہاتھ کھینچنے اور بغاوت کی تحریک چلانے میں بہت جلدی کیا۔

شراب نوشی اور ترک نماز کا سچ کیا ہے؟:

تحقیق کے میدان میں قدم رکھتے ہوئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس تہمت کا گہرائی سے جائزہ لیا اور دیکھا جائے کہ شراب نوشی و ترک نماز کا سچ کیا ہے؟ چناں چہ جیسا کہ ابھی چند سطور قبل ہم نے ذکر کیا ہے کہ ابن زبیر نے کہا کہ یزید شراب پیتا ہے، اور یہ شہادت حسین کے بعد کی بات ہے، اس سے پہلے یزید کے بارے میں یہ تہمت ہمیں کہیں نظر نہیں آتی، سوائے اس ایک روایت کے جسے طبرانی نے اس طرح ذکر کیا ہے:

((حدثنا محمد بن زکریا الغلابی ثنا ابن عائشة عن ابیه قال: کان یزید فی حداثته صاحب شراب...... الخ))

یعنی یزید اپنی عمر نوجوانی ہی سے شراب نوش تھا، اور جوانوں جیسی عادات کا خوگر تھا، جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا احساس ہوا تو نرمی سے اسے سمجھانا چاہا، اور کہا: اے میرے بیٹے! کیا ہی بہتر ہوتا کہ تم بغیر ایسا کوئی نامناسب اقدام کئے ہوئے اپنی ضرورت پوری کر لو جو تمھاری مروت اور مرتبہ کو لے ڈوبے، جس میں تمھارے دشمنوں کو ہنسنے کا موقع اور تمھارے دوست تم سے بدظن ہوں، پھر کہا: اے میرے عزیز! میں تمھیں کچھ ابیات سنا رہا ہوں انھیں یاد کرلو اور ان کی روشنی میں تہذیب و ادب سیکھو:

انصب نهارا فی طلب العلا
و اصبر علی هجر الحبیب القریب

[1] انساب الاشراف (٤/ ٣٠٨) بروایت واقدی۔ اتہامات سے متعلق کوئی بھی روایت صحت کے درجہ کو نہیں پہنچتی ہے ان روایات کو بیان کرنے والے سبائی اور کذاب و دجال راوی ہیں جنھوں نے اسلامی تاریخ کے رخ کو موڑنا چاہا اور افواہوں، غلط بیانیوں کے ذریعہ مسلمانوں کو آپس ہی میں دست وگریباں کردیا اور بڑی چابک دستی سے ان اتہامات کی روایات کو بڑی شخصیتوں کے سر مڑھ دیا۔ العیاذ باللہ (ش)

''بلندیوں کی جستجو میں دن میں محنت کرو اور قریب سے قریب ترین دوستوں کی جدائی پر صبر کرو۔

حتـــی اذا الـــلیـــل اتـــی بـــالـــدجـــا

واکتـــحـــلـــت بـالـغـمـض عیـن الـرقیـب

''یہاں تک کہ جب رات اپنی تاریکی کے ساتھ آجائے اور نگران (حاسدوں) کی آنکھ نیند میں ڈوب جائے۔''

فبـــاشـــر الـــلیـــل بـــمـــا تشتهـــی

فـــانـــمـــا الـــلیـــل نهـــار الأریـــب

''تب رات میں اپنی خواہش پوری کرلو کہ رات تو ضرورت مند محتاج کے لیے دن ہے۔''

کـــم فـــاسـق تـــحسبـــه نـــاسـکـــا

قـــد بـــاشـــر الـــلیـــل بـــأمـــر عـجیـب

''کتنے ایسے فاسق و فاجر ہیں جنھیں تم بظاہر عبادت گزار سمجھتے ہو حالاں کہ وہ رات میں عجیب و غریب کام انجام دیتے ہیں۔''

غـــطـــی عـــلیـــه الـــلیـــل أستـــاره

فبـــات فـــی امـــن و عیـــش خـصیـب

''اس پر رات نے اپنا پردہ ڈال دیا ہوتا ہے اور وہ امن وعیش کے ساتھ رات گزارتا ہے۔''

ولـــذة الأحـــمـــق مـــکشـــوفة

یســعـــی بهـــا کـــل عـــدو مـــریـــب [1]

''جب کہ احمق کی حصول لذت (کا انداز) کھلا ہوا ہے جسے لے کر ہر دشمن اور بدخواہ اچھالتا پھرتا ہے۔''

اس واقعہ کی سند میں محمد بن زکریا غلابی نامی راوی کو امام ذہبی نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے، [2] جب کہ دار قطنی فرماتے ہیں: ''یہ حدیثیں گھڑتا کرتا تھا۔'' [3]

---

[1] ابن عساکر، ترجمة یزید بن معاویه (۸/ ق ۳۹٤) بسند طبرانی، ابن کثیر (۹/ ۲۳۱) بسند طبرانی، القید الشرید/ ابن طولون ق ۳، مصنف نے اس کے بعد لکھا ہے کہ محمد بن زکریا ضعیف ہے۔ طبرانی کی تینوں مطبوعہ کتابوں میں مجھے یہ قصہ نہیں ملا، حتی کہ طبرانی نے جہاں اپنے استاد محمد بن زکریا غلابی کی سوانح لکھی ہے اس قصہ کو ذکر نہیں لیا ہے۔ المعجم الصغیر (۲/ ۱۰۵)

[2] الضعفاء / الذهبی (۲/ ۵۸۱) [3] الضعفاء/ الدارقطنی ص (۳٦۸)

امام ذہبی نے اس کی ایک حدیث نقل کی ہے اور لکھا: "فھذا کذب من الغلابی" ❶ یہ غلابی کا جھوٹ ہے۔

جب کہ اس واقعہ کا راوی محمد بن حفص بن عائشہ کو ابوحاتم نے ذکر کیا ہے لیکن اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ ❷ اور بخاری نے سکوت اختیار کیا۔ ❸ اور ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ❹ کتب رجال کے مصادر میں اس کے وفات کی تاریخ تعین کے ساتھ نہیں بیان
کی گئی ہے۔ البتہ اس کا بیٹا عبداللہ جو اس سے روایت کرتا ہے اس کی وفات ۲۸۸ھ میں ہوئی ہے۔ ❺ جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ محمد بن حفص تقریباً ایک صدی ہجری کے بعد ہی پیدا ہوا ہوگا۔ دریں صورت حال واقعہ کے راوی و ناقل محمد بن حفص اور اس واقعہ کے درمیان -اگر اسے سچ مان لیا جائے تو -ایک لمبا فاصلہ حائل ہے۔ یہ کمی تو سند کے اعتبار سے واضح ہے۔

جب کہ متن کے اعتبار سے اس واقعہ کی تفصیلات اور سیرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں واضح تضاد موجود ہے۔ ذرا غور کریں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے لڑکے کے لیے کب اس بات سے راضی ہو سکتے ہیں کہ وہ شراب پئے اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس پر اس کی ہمت افزائی بھی کریں؟؟ اور وہ بھی صرف رات کی تاریکی میں؟؟

ذرا انسان کی فطری طبیعت پر بھی غور کیا جائے تو یہ بات کتنی بودی لگتی ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر باپ اپنے بیٹے کے لیے بہتر زندگی کا خواہاں ہوتا ہے، پھر بھلا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کے تئیں اس سے چشم پوشی کیوں کر کرسکتے تھے؟ کیا معاویہ رضی اللہ عنہ معاذ اللہ جاہل تھے کہ انھیں شراب نوشی کا حکم نہیں معلوم تھا، اور اس کی تعزیری حد نہیں جانتے تھے؟ اور کیا انھیں اس بری عادت پر مرتب ہونے والے برے اثرات و نتائج کا علم نہیں تھا، یا وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ اکبر الکبائر گناہوں میں سے ہے؟ ان تمام اشکالات کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں سوچنا چاہئے کہ کیا معاویہ رضی اللہ عنہ جیسا جلیل القدر صحابی اپنے لڑکے کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کرسکتا ہے؟، جو کہ شرف صحابیت کے ساتھ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے برادر حقیقی اور وحی مبین (قرآن مجید) کے کاتب امین تھے کیا یہ معاذ اللہ ان کے بارے میں ہم اس طرح کا ناحق عقیدہ رکھ سکتے ہیں، نہیں ہرگز نہیں، وہ احکام شریعت کے کافی جانکار، اللہ سے بہت ہی ترساں و خائف رہنے والے، اور شراب کے حکم کا وافر علم رکھنے والے تھے۔ یاد رکھیں کہ یہی معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں جو حرمت شراب، اس کے برے انجام اور دنیا میں اس کی تعزیری

---

❶ میزان الاعتدال (۳/ ۵۵) لسان المیزان (۵/ ۱۶۸)
❷ الجرح والتعدیل (۷/ ۲۳۶)
❸ التاریخ الکبیر (۱/ ۶۵)
❹ الثقات (۹/ ۶۲)
❺ التقریب/ ابن حجر (۳۷۴)

سزا سے متعلق مشہور حدیث کے راوی ہیں۔ آپ کا بیان ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من شرب الخمر فاجلدوه، قالها ثلاثا، فان شرب الرابعة فاقتلوه.)) ❶

''جس نے شراب نوشی کیا اسے کوڑے لگاؤ۔ آپ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی۔ پھر فرمایا: اگر چوتھی مرتبہ شراب پیئے تو اسے قتل کردو۔''

قابل غور بات ہے کہ شراب سے متعلق حدیث رسول آپ -رضی اللہ عنہ- ہی روایت کریں اور پھر وہی اپنے بیٹے کو شراب نوشی پر ہمت افزائی بھی کریں اور یہ شرط لگا دیں کہ پیو لیکن اس پر کسی کی نگاہ نہ پڑے۔

حیرت وتعجب کی بات ہے کہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد اس کے متعلق لکھتے ہیں: ''میں کہتا ہوں کہ یہ واقعہ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

((من ابتلى بشى من هذه القاذورات فليستتر يستر الله عزوجل.)) ❷

پردہ پوشی کے قابل ہے۔

عمر بن شبہ نے بھی ایک روایت نقل کیا ہے جس میں یزید کے ابتدائی ایام شباب ہی سے جب کہ وہ خلیفہ نہیں بنا تھا اس کی شراب نوشی کا اشارہ ملتا ہے۔ چناں چہ عمرو بن شبہ کا بیان ہے کہ یزید نے جب اپنے باپ کے دور خلافت میں حج کیا تو مدینہ میں شراب کے دسترخوان پر بیٹھا، ابن عباس اور حسین بن علی نے اندر

❶ مصنف عبدالرزاق (١/ ٥٨٧)، مسند احمد (٤/ ٩٥، ٩٦، ١٠١)، سنن ابن ماجه (٢٥٧٣) سنن ابوداؤد (٤٤٥٨)، سنن ترمذی (١٤٦٩)، مسند ابی یعلی (١/ ٣٤٧، ٢/ ٣٤٦) شرح معانی الآثار/ طحاوی (٣/ ١٥٩)، معجم طبرانی الکبیر (١٩/ ٣٣٤)، ابن حبان (١٥١٩)، المحلی (١١/ ٣٦٦)، سنن بيهقی (٨/ ٣١٣) مستدرك حاكم (٤/ ٣٧٢)

❷ ابن کثیر (٥/ ٢٣١) (ترجمہ: ان گندی چیزوں میں سے کسی میں کوئی مبتلا ہو تو چاہئے کہ اسے چھپالے، اگر اسے اللہ نے چھپالیا ہے) اس حدیث کو امام مالک نے الموطا، الحدود (٢/ ٧١٢) میں نقل کیا ہے۔ التمهید/ ابن عبدالبر (٥/ ٣٢١) ابن عبدالبر نے اس سند سے اس حدیث کے ضعف کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حدیث کو اسی طرح سند مرسل سے راویان موطا کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے، میں نہیں جانتا کہ یہ روایت اس لفظ سے کسی بھی سند سے ثابت ہو۔ ابن حزم / المحلی (١١/ ٢٠٧) میں لکھتے ہیں: اس بارے میں وارد تمام تر روایتیں مرسل ہیں، اس میں سب سے زیادہ ضعیف مخرمہ بن بکیر کی حدیث ہے۔ مولف کتاب کہتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ معنی کے اعتبار سے یہ روایت صحیح ہے۔ متعدد احادیث سے حدیث کے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے، چناں چہ صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ''كل امتى معافاة الا المجاهرين الخ'' میری امت کا ہر گناہ گار قابل معافی ہے، سوائے اس شخص کے جو علی الاعلان گناہ کرے، اعلانیہ گناہ کی ایک شکل یہ ہے کہ انسان رات کی تاریکی میں کوئی گناہ کا کام کرے۔'' اللہ اس پر پردہ ڈال دے لیکن وہ انسان صبح دوسرے کو مخاطب کر کے کہے کہ فلاں آج رات میں نے یہ اور یہ گناہ کیا، حالاں کہ اس نے رات گزاری تو اللہ اس پر پردہ کئے رہا، لیکن جب صبح کیا تو اللہ کے پردے کو چاک کردیا۔ صحیح مسلم (٤/ ٢٢٩١، ٢٩٩٠)

آنے کی اجازت مانگی۔ یزید نے اپنا شراب اٹھا لینے کو کہا، پھر اسے اٹھا لیا گیا، پھر حسین بن علی اور ابن عباس اندر داخل ہوئے تو انھیں شراب کی بو محسوس ہوئی، حسین نے یزید سے کہا: ڈرو نہیں اپنا شراب لے لو۔ ابن عساکر نے اس روایت کی قلعی کھولتے ہوئے فرمایا:

''اس بیان میں انقطاع پایا جاتا ہے کیوں کہ عمر بن شبہ اور یزید کے درمیان ایک لمبے عرصے کا فاصلہ ہے۔'' [1]

آخر الذکر دونوں روایتیں اس باب میں قدیم ترین روایتیں ہیں جو ابتدائی ایام شباب سے یزید کی شراب نوشی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ان کی استنادی حیثیت آپ کے سامنے ہے جب کہ سابقہ تمام روایتیں جن میں وفد کی مدینہ واپسی کے بعد یزید سے بیعت توڑنے اور اسے شراب نوشی سے متہم کرنے کا ذکر ہے انھیں بھی آپ نے دیکھ لیا کہ وہ سب کی سب ضعیف اور نا قابل اعتبار ہیں، اس طرح واقعہ و مباحث میں ان سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

- رہ گئی یعقوب بن سفیان کی روایت جو کہ اپنے ضعف کے باوجود یزید کو شراب نوشی سے متہم کرنے والی تمام تر روایتوں کے مقابلے میں سب سے بہتر روایت ہے پس اس روایت کی حقیقت بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔ چناں چہ یعقوب بن سفیان الفسوی کا بیان ہے کہ میں نے ابن عفیر سے سنا، انھوں نے ہمیں ابن فلیح سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ عمرو بن حفص کا وفد جب یزید کے پاس گیا تو اس نے انھیں بڑے اعزاز و اکرام سے نوازا، اور جب وہ مدینہ واپس لوٹے تو منبر کے پہلو میں کھڑے ہو گئے، وہ ایک نیک اور عوام میں مقبول و محترم آدمی تھے، کہنے لگے: کیا مجھے اعزاز و اکرام نہیں ملا ہے؟ کیا میری پذیرائی نہیں ہوئی، لیکن اللہ کی قسم میں نے یزید کو دیکھا کہ وہ شراب کی بدمستی سے تارک صلاۃ رہا، پھر آپ نے مدینہ میں لوگوں کو بلا کر اس سے بیعت توڑنے کا اعلان کیا اور سب نے بیعت توڑ لی۔ [2]

یہ ہے یعقوب بن سفیان کی روایت جس کا ناقل ابن عفیر ہے، ابن عفیر کا نام سعید بن کثیر بن عفیر ہے، وہ ''صدوق'' ہے۔ [3] جب کہ ابن فلیح سے مراد یحییٰ بن فلیح بن سلیمان ہے۔ اس کے بارے میں ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مجہول'' اور دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''لیس بالقوی'' [4] مزید برآں ابن فلیح اس

[1] ابن عساکر، ترجمة یزید (۱۸/ ۳۹۶)

[2] الدلائل/ بیهقی (٦/ ٤٧٤) بسند یعقوب، ابن عساکر، ترجمة عباده بن اوفی -عبدالله بن توب) ص (۳۰۸) بسند یعقوب۔

[3] التقریب/ ابن حجر (۲۰٤)

[4] ذیل میزان الاعتدال/ العراقی ص (٤٢٥) لسان المیزان (٦/ ۲۸۳)

واقعہ کے وقت موجود نہیں تھے بلکہ واقعہ اور ان کے درمیان ایک طویل عرصے کا فاصلہ ہے، دریں صورتحال یہ روایت بھی ضعیف اور ناقابل اعتبار ٹھہرتی ہے۔

بہرحال مجموعی اعتبار سے جس طرح مذکورہ تمام تر روایتیں استنادی اعتبار سے غیر معتبر ہیں متون اور اصل واقعہ کے اعتبار سے بھی ان کی حالت کوئی بہت اچھی نہیں ہے، بلکہ اس طرح کے واقعہ کا وجود ممکن کون کہے مستحیل اور ناقابل یقین ہے کیوں کہ یزید کو یقین تھا کہ اہل مدینہ کا ایک وفد ان کے پاس آ رہا ہے، اور یہ وفد اس اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ وہ اشراف مدینہ اور صلحاء واتقیاء پر مشتمل ہے، بالعموم پورے حجاز اور خاص کر مدینہ کے سیاسی حالات بحران سے دوچار ہیں، یہ ساری باتیں یزید سے یقینی طور پر اس بات کی متقاضی تھیں کہ وہ فد کے سامنے ایک عقلمند اور اپنی رعایا کے لیے خیر خواہ اور حریص خلیفہ کا کردار پیش کرے۔ اس کا پرتپاک استقبال کرے، ادب کا مظاہرہ کرے اور اس کے اعزاز واکرام میں کوئی کسر نہ چھوڑے، پس یزید نے ایسا ہی کیا بھی جیسا کہ وفد سے متعلق ناقل تمام تر روایتیں اس پر متفق نظر آتی ہیں۔ چناں چہ حالات وظروف کے موافق یہی مناسب بھی تھا۔ ورنہ یہ بات کیوں کر معقول ہوسکتی ہے کہ ایسے نازک موڑ پر یزید شراب کے لیے بے تاب رہا ہو، اور اسے وفد کے سامنے کھلم کھلا نوش کیا ہو، اور اس میں اس قدر مدہوش ہو جائے کہ نماز تک چھوڑ بیٹھے؟؟ جیسا کہ روایتوں کے سیاق سے پتہ چلتا ہے۔ ہاں اگر کسی بھی تاریخی مصادر کے حوالہ سے ایک بھی روایت سے یہ ثبوت مل جائے کہ وہ مجنون اور پاگل تھا تو شاید ہم اس کے شراب نوش ہونے کو سچ مان لیتے لیکن ایسا کہیں نہیں۔

وہ خلیفۃ المسلمین تھے، اور خلیفہ کی مرکزیت اس اعتبار سے بڑی حساس اور نازک ہوتی ہے کہ وہ خلیفہ کے نقل وعمل اور جملہ تصرفات کے تئیں سخت ترین محاسبہ ونگرانی کے دائرے میں ہوتی ہے کیوں کہ اس کا موقف انتہائی اہم اور حساس ہوتا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو وہ بڑی آسانی اور تیزی کے ساتھ تنقیدات کا شکار بن کر رہ جائے۔ کیا اس پس منظر میں یزید کے بارے میں یہ بات عقل وذہن تسلیم کرسکتے ہیں کہ وہ بحیثیت خلیفۃ المسلمین اس حساسیت سے غافل رہا ہوگا اور صلحاء، اتقیاء واشراف مدینہ کے وفد کے سامنے شراب پئے گا؟؟

علاوہ ازیں یزید کے سر منڈھی ہوئی شراب نوشی کی تہمت کی غلط ہونے اور اس بات کے ثبوت میں کہ اہل مدینہ کی بغاوت کا محرک صرف یہی تہمت نہیں تھی، ایک بڑا ثبوت اور قرینہ یہ ہے کہ دیگر حوادث –جن کا بیان آگے آ رہا ہے– میں ان کبار شخصیات نے کہیں بھی اس تہمت کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔

۱۔ عبداللہ بن مطیع وغیرہ نے جب یزید بن معاویہ سے بیعت توڑ لیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما ابن مطیع کے پاس آئے، ابن مطیع نے کہا: ابوعبدالرحمٰن کے لیے تکیہ دے دو۔ ابن عمر نے کہا: میں آپ کے پاس بیٹھنے کے لیے نہیں آیا ہوں، بلکہ تمھیں رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سنانے آیا ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ

کوفرماتے ہوئے سنا ہے:

((مـن خـلـع يدا فی طاعة لقى الله يوم القيامة لاحجة له ، ومن مات و ليس فی عنقه بيعة مات ميتة جاهلية .)) ❶

''جس نے اطاعت (امیر) سے ہاتھ کھینچ لیا وہ روز قیامت اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس (براءت کی) دلیل نہ ہوگی اور جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں (خلیفہ کی) بیعت نہیں تھی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

یہاں ابن مطیع اور ان کے ساتھیوں نے اپنی بغاوت کے جواز میں یزید کی شراب نوشی وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں کیا، ورنہ وہ اپنے خروج کا حق بتانے سے خاموش رہنے والے نہیں تھے۔

۲۔ علی بن حسین نے یزید کے پاس تقریباً ایک ماہ قیام کیا، یہ اس وقت کی بات ہے جب ان کے والد و دیگر اقرباء کربلا میں شہید کئے جا چکے تھے۔ علی، یزید کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتے، لیکن ہمیں کسی بھی حدیث یا تاریخی مصادر میں ایک بھی روایت ایسی نہیں ملتی جس میں علی بن حسین نے یزید پر شراب نوشی کی تہمت لگائی ہو۔ مزید تصدیق اس بات سے ہوتی ہے کہ یزید کے خلاف بغاوت کی تحریک میں علی بن حسین شریک نہیں رہے، جب کہ اس سیاست سے سب سے زیادہ متاثر آپ ہوئے تھے۔ اور ان کے کان اس بات سے نا موس نہیں تھے کہ یزید ان کے والد اور دیگر اقرباء کے قتل سے متہم ہے، پس اگر علی بن حسین کو یہ معلوم ہوتا کہ یزید شراب نوش، اور تارک صلاۃ ❷ ہے تو آپ یزید کے خلاف بغاوت کرنے والے ہراول دستہ میں شامل رہتے۔

۳۔ یزید پر شراب نوشی کی تہمت یکسر بہتان ہے اور یہ ایسے لوگوں کی منگھڑت ہے جن کا یزید کی سوانح حیات یا اس واقعہ کا ادنی بھی علم نہیں ہے۔ اس کی ایک قوی دلیل محمد بن الحنفیہ کا یہ بیان ہے کہ جب لوگ غصہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور یزید سے بیعت توڑنے لگے تو ابن مطیع، ابن الحنفیہ کے پاس گیا اور ان سے بھی بیعت توڑ دینے کا مطالبہ کیا، لیکن انھوں نے اس سے انکار کر دیا، ابن مطیع کہنے لگے: یزید شراب نوش اور تارک صلاۃ ہے۔ قرآن کریم کے حکم کو پامال کر رہا ہے۔ ابن الحنفیہ نے کہا: جو تم کہہ رہے ہو وہ بات میں نے ان میں نہیں دیکھی، میں نے ان کے پاس قیام کیا، اور دیکھا کہ وہ نماز کے پابند ہیں، خیر کے محبّ و متلاشی ہیں، دینی مسائل پوچھتے رہتے ہیں، ابن مطیع نے کہا: یہ سب اس کی ریا کاری ہے۔ ❸

---

❶ صحیح مسلم (۳/ ۱٤۷۸)، حدیث نمبر (۱۸۵۱) ❷ یا ان کے باپ کا قاتل ہے۔ (ش)

❸ تاریخ الاسلام/ ذهبی حوادث (٦١-٨٠) ص (٢٧٤) باسناد حسن۔ سیر اعلام النبلاء (٤/ ٤٠)

ایک روایت میں ہے کہ لوگ کہنے لگے: اس نے کفر کیا، فسق و فجور کا مرتکب ہوا، شراب پیا اور دین سے بغاوت کیا ہے، یہ سن کر ابن الحنفیہ نے ان لوگوں سے کہا آپ لوگ ایسی باتیں کہتے ہیں اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے؟ جو کچھ تم کہہ رہے ہو کیا کسی نے اسے اپنی آنکھوں سے کرتے ہوئے دیکھا بھی ہے؟ میں تم لوگوں سے زیادہ ان کے ساتھ رہا ہوں، لیکن کبھی برائی نہیں دیکھی۔ لوگ کہنے لگے: وہ آپ کو دکھا کر کیوں کرتا؟؟ آپ نے پوچھا: پھر کیا آپ لوگوں کو دکھا کر کیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو تم سب اس جرم میں اس کے شریک ہو، اور اگر تمھیں حقیقت کا علم نہیں ہے تو اس کے خلاف غلط گواہی دے رہے ہو۔ [1]

اس مقام پر ہمیں بھولنا نہیں چاہئے کہ محمد بن الحنفیہ کوئی اور نہیں بلکہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں، جو کربلاء میں اپنے برادران و اقرباء کی غیر متوقع شہادت دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے تھے۔ تاہم آپ نے یزید کی طرف سے دفاع کیا اور اس کی بیعت سے ہاتھ نہیں کھینچا، اور نہ ہی معرکہ حرہ میں شریک ہوئے، میں یہ نہیں گمان کرتا کہ اگر آپ کو یزید کی شراب نوشی اور ترک صلاۃ کا پیشگی علم ہوتا تو آپ یزید کی طرفداری اور حمایت میں کھڑے ہوتے، بلکہ ایسے وقت میں تو آپ مخالفین میں پیش پیش رہتے کیوں کہ ذہنی طور پر سب سے زیادہ زخم خوردہ آپ ہی تھے۔

۴۔ جب یزید بن معاویہ نے نعمان بن بشیر کو اپنے اور اہل مدینہ کے درمیان واسطہ بنا کر بھیجا تا کہ آپ انھیں یزید کے خلاف خروج کرنے سے روکیں اور ان پر اپنی نصیحت کا مثبت اثر چھوڑیں، نیز انھیں ان کے موقف کی خطرناکیوں اور برے اثرات سے آگاہ کریں، اس موقع پر اہل مدینہ اور نعمان بن بشیر کے درمیان جو بحث و گفتگو ہوئی اس میں یزید کو شراب نوشی سے متہم کرنے کا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔ [2]

۵۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ نعمان بن بشیر اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما یزید بن معاویہ کے قریب ترین لوگوں میں مانے جاتے تھے، نعمان بن بشیر یزید کی طرف سے کوفہ کے امیر تھے، لیکن جب کوفہ کے حالات بگڑے اور بے قابو ہوتے نظر آئے تو یزید نے ان کی جگہ پر ابن زیاد کو امیر بنا کر بھیج دیا۔ اور حکومتی معاملات میں آئے دن پیش آنے والے نئے نئے حوادث کے لیے انھیں اپنے پاس مشیر خاص کے طور

---

[1] انساب الاشراف (۳/ ۲۷۸-۲۷۹)، ابن کثیر (۹/ ۲۳٦) عقد الجمان ق/ ۱۲۸۷۔ یاد رہے محمد بن حنفیہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں جو یزید کو ان اتہامات سے بری قرار دیتے ہیں، اگر آل بیت اور یزید میں دشمنی ہوتی اور یزید حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل ہوتا یا شرابی و زانی ہوتا تو آل بیت یہ موقف کبھی نہ اختیار کرتے۔ (ش)

[2] طبری (۵/ ٤٨١) بروایت ابو مخنف/ البیاسی، بدون سند (۲/ ۱۰۵)

پر روک لیا، چناں چہ آپ نے اس مدت میں یزید اور ابن زبیر، نیز یزید اور اہل مدینہ کے درمیان واسطے اور ترجمانی کا کام بحسن وخوبی انجام دیتے رہے، یہاں تک کہ یزید ہی کے ساتھ رہتے ہوئے آپ کی وفات ہوئی۔ جب کہ عبداللہ بن جعفر جلیل القدر صحابی رسول ہیں اللہ کے رسول ﷺ ان سے محبت کرتے تھے، اور فرماتے تھے: "و اما عبـد الـلـه فشبيه خلقي و خلقي" ❶ عبداللہ تو شکل و صورت اور اخلاق و عادات میں میری طرح ہیں۔ آپ اہم ترین اوصاف حمیدہ کے مالک تھے، سخاوت، مروت اور شریفانہ اخلاق آپ کی عظیم الشان خوبیوں کا حصہ تھیں، آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دوست تھے، معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو عبداللہ بن جعفر کے حقوق کی رعایت اور ان کے قدر و منزلت کے احترام کرنے کا حکم دیا تھا، وہ یزید کے پاس آتے جاتے رہتے تھے، یزید بھی ان کے اعزاز و اکرام میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے، مدینہ کا جو وفد یزید کے پاس آیا تھا اس میں شریک نہیں ہو سکے تھے، آپ یزید ہی کے پاس رہے یہاں تک کہ معرکہ حرہ ختم ہو گیا۔

مذکورہ آخر الذکر دونوں صحابی رسول ﷺ کی زندگی میں ہمیں کہیں اس بات کا ذکر نہیں ملتا نہ انھوں نے کبھی کہا کہ یزید شراب اور تارک صلاۃ تھا، پھر قابل غور بات یہ ہے کہ وہ اتنے قریبی ہو کر ابن زبیر اور اہل مدینہ کی شراب نوشی و ترک صلاۃ والی خبر سے کیوں کر ناواقف رہتے اور یزید کے مذکورہ نوازشات اور اعزام و اکرام کو قبول کرتے؟؟ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے تئیں محرمات کی پامالی کے وقت ان دونوں کی غیرت کہاں مرگئی تھی؟ اور وہ کیوں نہیں غصہ ہوئے کہ اپنی آنکھوں سے یزید کو شراب نوشی کرتے ہوئے دیکھیں، اور اسے منع کرنا تو درکنار اس کے ساتھ اٹھیں بیٹھیں اور حمایت میں رہیں؟؟ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ شراب نوشی اور ترک صلاۃ کو کیوں کر نظر انداز کر سکتے ہیں جب کہ وہ ایک ایسی صحیح حدیث کے راوی ہیں جو اسلام کے بنیادی ستونوں میں سے ایک ہے یعنی "الـحـلال بين والحرام بين...... الحديث" ❷ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔

صرف اتنا ہی نہیں!! یہ گوشہ بھی قابل التفات ہے کہ یزید، خالد بن معدان الکلابی جیسے اصحاب ورع و

---

❶ مسـنـد احـمد (١/ ٢٠٤)، احمد شاکر نے (٣/١٩٢-١٩٣) حدیث نمبر (١٧٥٠) کی تعلیق میں لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ نیز دیکھیں: مـخـتـصـر سنن ابوداؤد (٤١٩٢)، نسائی (٨/ ١٨٢)، ہیثمی نے مـجـمـع الزوائد (٦/ ١٥٦) میں کہا ہے: روی ابوداؤد وغیرہ بعضه، رواه احمد والطبرانی و رجالهما رجال الصحيح۔

❷ صحيح البخاری مع الفتح (١/ ١٩٣)، حدیث نمبر (٥٢)، صحیح مسلم حدیث نمبر (١٠٩٩)، مسند احمد (٤/ ٢٧٠)، سنن ابوداؤد (٣٣٢٩)، سنن نسائی (٧/ ٢٤١)، سنن ترمذی (١٢٠٥)، ابن حبان (١/ ٤٩٧) سنن کبری/ بیهقی (٥/ ٢٦٤) حدیث کی مفصل شرح کے لیے دیکھیں: جامع العلوم الحکم/ ابن رجب (١/ ١٩٣-٢١٣)

تقویٰ کے گھیرے میں تھے، آپ رحمہ اللہ ان مشہور اور جلیل القدر کبار تابعین میں سے تھے، جنھیں عبادت اور صالحیت میں شہرت حاصل تھی، وہ یزید کے جسمانی محافظ (باڈی گارڈ) تھے۔ ❶ نیز یزید کے بیٹوں میں ایک معاویہ نام کے تھے، جو کہ انتہائی صالح اور عبادت گزار تھے۔ ❷ جب کہ ایک دوسرے بیٹے عبدالرحمٰن قوم کے نیکوکاروں میں سے تھے۔ ❸ غور طلب امر یہ کہ آخر یہ لوگ اتنی قریبی ہونے کے باوجود یزید کے ان برے عادات و خصائل کیوں مطلع نہ ہو سکے؟ اور اہل مدینہ کو اس کا علم ہو گیا!

اس طرح مذکورہ تمام تر دلائل و قرائن سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ یزید کو شراب نوشی اور ترک صلاۃ سے متہم کرنا ثابت نہیں ہے، اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس طرح یزید کے مخالفین اس کے بارے میں ارتکاب فواحش و منکرات کی باتیں کہتے ہیں اس طرح وہ ان فواحش کا اعلانیہ مرتکب نہیں تھا۔ ❹ اور ہم قطعیت و یقین کے ساتھ یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتے کہ وہ شراب نوش ہرگز نہیں تھا، کیوں کہ انسان ہونے کے ناطے امکان سے یہ بات خارج نہیں ہے، لیکن چوں کہ اس تہمت کے ثبوت پر کوئی صحیح دلیل کہیں نہیں ملتی اس لیے فقط گمان اور اندیشوں کے بنیاد پر یہ تہمت نہیں لگائی جا سکتی ہے۔ علامہ ابن العربی فرماتے ہیں: ''اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ یزید شراب کا رسیا تھا، تو ہم اس سے یہ کہیں گے کہ یہ دعویٰ اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ اس پر دو گواہ نہ پیش کیے جائیں، پس سوال یہ ہے کہ کون ہے جس نے ان کے خلاف اس کے ثبوت میں گواہی دی ہو۔ ❺

حقیقت واقعہ کہاں ہے؟

مذکورہ تفصیلات کے پیش نظر ایک سوال ذہن میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ابناء صحابہ نے مدینہ میں اس تہمت کو بلا تحقیق قبول کیسے کر لیا، اور یہ بھی نہیں سوچا کہ اس تہمت کی سچائی معلوم کر لیں؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے دیگر محرمات کے ساتھ شراب کو بھی حرام ٹھہرایا، اسے بڑے بڑے گناہوں میں سرفہرست رکھا اور نصوص قرآن و سنت میں عقل کو کھا جانے والی اس لعنت سے سختی سے منع کیا گیا۔ اسی طرح یہ بھی امر واقعہ رہا ہے کہ بلاد عرب میں مختلف الانواع میوہ جات سے شراب کشید کی جاتی تھی اور بیشتر اہل عرب دور جاہلیت میں

❶ طبقات ابن سعد (٧/ ٤٥٥)، تهذيب تاريخ دمشق (٥/ ٨٦)، تكملة خريدة القصر/ الاصفهانى (قسم شعراء العراق ص ٨٠٧)، سير اعلام النبلاء (٤/ ٣٥٦-٥٤١)

❷ البداية والنهاية/ ابن كثير (٨/ ٢٤٠)

❸ تاريخ ابوزرعه (١/ ٣٥٨)، العقد الفريد (٤/ ٣٧٥)

❹ الوصية الكبرى ص (٢٤)

❺ العواصم من القواصم/ ابن العربى ص (٢٣٣)

شراب کو افضل ترین مشروب سمجھ کر نوش کرتے تھے، عموماً بلاد عرب میں شراب انگور سے یا کھجور یا شہد اور گیہوں اور جو سے کشید کی جاتی تھی۔ [1] چناں چہ طبعی طور پر ممانعت ان مشروبات کی اس شکل میں تھی جو نشہ آور ہو۔ امام طحاوی حنفی لکھتے ہیں: امت کا اتفاق ہے کہ انگور کا رس جب تیز ہو جائے اور ابال کھا کر جھاگ نکال دے تو وہ خمر (شراب) ہے۔ اور اسے حلال سمجھنے والا کافر ہے، البتہ کھجور کے بارے میں ان کا اختلاف ہے کہ جب وہ ابال کھا جائے اور اس میں نشہ پیدا ہو جائے تو اس پر کیا حکم لگایا جائے؟؟ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بروایت یحییٰ بن ابی کثیر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الخمر من هاتين الشجرتين: النخلة و العنبة" شراب انھیں دو درختوں سے کشید کی جاتی ہے، کھجور اور انگور۔ ان کے یہاں یہ حدیث معمول بہ نہ تھی کیوں کہ اگر وہ اس حدیث کو تسلیم کرتے تو ان کھجور کی شراب کے حلال سمجھنے والے کو بھی کافر گردانتے۔ [2]

طحاوی رحمہ اللہ کے اس قول سے صاف ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ ایسا ہے جو کھجور کے مشروب میں نشہ آنے کے بعد بھی اسے پینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ دراصل یہ اختلاف اسلامی معاشرہ کی طبعیت و مزاج کی پیداوارے جو اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور ہی میں محل بحث بن گیا تھا، چناں چہ اس میں کوئی شک نہیں کہ وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلامی فتوحات کا دائرہ کافی وسیع ہو گیا تھا، اور صحابہ کرام مختلف مفتوحہ ممالک میں منتشر ہو کر جہاد و عمل میں مشغول تھے، ان میں بعض اصحاب رسول کے پاس جو حدیثیں ہوتیں دوسرے اصحاب رسول کو اس کا علم نہیں ہوتا، جس کے نتیجہ میں بعض احکامات میں اختلاف کا پیدا ہونا ناگزیر تھا، اسی طرح اسباب اختلاف میں مسئلہ ناسخ و منسوخ کا بھی بڑا دخل تھا، بسا اوقات کوئی صحابی رسول ایک متعین حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے فتوی دیتے جب کہ وہ دوسری حدیث سے منسوخ ہوتی اور انھیں اس کا علم نہیں ہوتا۔ [3] یہ ساری چیزیں مسائل میں اختلافات کا سبب بنیں یہاں تک کہ تیسری صدی ہجری میں جب کہ بہت حد تک جمع احادیث کا کام ہو چکا تھا اس وقت بھی اختلاف رونما ہونے میں ان اسباب کا اثر رہا۔ [4]

یہ بھی ایک معمول بہ عادت تھی کہ مخصوص برتنوں میں ہی شراب تیار کی جاتی تھی کیوں کہ عمدہ نوعیت کی

---

[1] صحيح البخاری مع الفتح (١٠/ ٣٨) حديث (٥٥٨١) صحيح مسلم حديث (٣٠٣٢) مصنف ابن ابی شيبة (٨/ ٩ (٤١٣٣) سنن ابوداؤد، حديث (٣٦٦٩) نسائی (٨/ ٢٩٨)، ترمذی (١٨٧٤) كتاب ذم المسكر، ابن ابی الدنيا ص (٦٦) تسمية ما انتهى الينا من الرواة عن الفضل بن ذكين، ابونعيم اصفهانی (١/ ٢٥٦)

[2] التمهيد/ ابن عبدالبر (١/ ٢٥٦)

[3] مثالوں کے لیے دیکھیں: الناسخ والمنسوخ فی الحديث د۔ ابن شاهين، الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ

[4] دیکھئے: رفع الملام عن الائمة الاعلام/ ابن تيمية

شراب تیار ہونے میں ان برتنوں کا اثر ہوا کرتا تھا، نبی کریم ﷺ نے ان برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا ہے کیوں کہ ان برتنوں میں انگور یا کھجور کے رس میں نشہ تیزی سے پیدا ہوتا تھا۔ ان برتنوں میں سے ایک تو کدو کا برتن ہوتا تھا، جسے اہل ثقیف استعمال کرتے تھے، اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ وہ کدو کو لیتے (یعنی اس کے برتن کو) اور اس میں انگور کے گچھوں کے دانوں کو بھر دیتے پھر اسے مٹی میں دفن کر دیتے، یہاں تک کہ اس میں جوش آ جاتا اور پھر وہ اسی میں ختم ہو جاتا، جب کہ نقیر برتن کھجور کی جڑ سے تیار کیا جاتا، جس میں اہل یمامہ سوراخ کر دیتے، پھر اس میں رطب (تر پختہ کھجور) اور بُسر (نیم پختہ کھجور) ڈال کر اس کا منہ بند کر دیتے اور اس وقت تک کے لیے چھوڑ دیتے کہ اس میں جوش آ جاتا اور ساری کھجوریں اسی میں ختم ہو جاتیں، رہا ''حنتم'' تو سرخ رنگ کے گھڑے ہوتے تھے جن میں شراب رکھی جاتی تھی، اور ''مزفت'' وہ برتن ہوتے تھے جن میں تارکول لیپ کیا ہوتا تھا۔ [1]

واضح رہے کہ اسی باب میں نبیذ کا بھی ذکر ہوا کرتا ہے، جو کہ انگور، کھجور، گیہوں، جو یا شہد کا کشید کیا ہوا رس (نچوڑ) ہوتا ہے۔ یہی نبیذ کبھی کبھی شراب میں تبدیل ہو جاتا ہے جب کہ اس میں نشہ پیدا ہو جائے اسی لیے خمر (شراب) کی اصل نبیذ ہوتی ہے۔ [2]

نبی اکرم ﷺ نبیذ نوش فرماتے تھے، لیکن اگر اس کی مدت تین دن سے زائد ہو جاتی تو اسے نہیں پیتے تھے۔ [3] تین دنوں کے بعد نہ پینے کی حکمت بالکل واضح ہے کہ اس کے بعد نبیذ کے خمر (شراب) میں تبدیل ہو جانے کا اندیشہ رہتا تھا۔ معلوم ہونا چاہئے کہ مذکورہ گھڑوں میں نبیذ تیار کرنے کے بارے میں ان میں اختلاف پایا جاتا تھا، چناں چہ قتادہ کا بیان ہے کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے گھڑے کی نبیذ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ نہیں سنا ہے، البتہ انس رضی اللہ عنہ اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ [4] اور عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے گھڑے کی نبیذ سے منع فرمایا تو میں حاضر تھا اور جب آپ نے اس کے بارے میں رخصت دیا تب بھی حاضر تھا۔

---

[1] مجمع الزوائد/ ھیثمی (٥/ ٦٤-٦٥) اور لکھا ہے کہ اسے بزار نے روایت کیا ہے، نیز اس کے رجال ثقہ ہیں، نیز ان برتنوں کی ممانعت کے لیے دیکھیں: صحیح البخاری مع الفتح (١٠/ ٥٩)، حدیث (٥٥٩٤/ ٥٥٩٥)، مسند احمد (١/ ١٨٦)، حدیث (١٨٥) تحقیق احمد شاکر/ ابن ابی شیبہ (٧/ ٥٢١، ٥٢٢)

[2] لسان العرب/ ابن منظور (٣/ ٥١١)

[3] مجمع الزوائد (٥/ ٦٦-٦٧) رواہ الطبرانی و رجالہ ثقات، بروایت ابن عباس

[4] مجمع الزوائد/ ھیثمی (٥/ ٦١) اور کہا کہ اسے ابویعلی نے روایت کی ہے، اور اس کے رجال صحیح کے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "اجتنبوا المسکر" ❶ نشہ لانے والے سے بچو۔ جب کہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کوفہ کی خواتین کو جو ان سے گھڑے کے نبیذ کے بارے میں پوچھتی تھیں، یہ جواب دیتی تھیں کہ اے عراقیو! گھڑے کی نبیذ کے بارے میں تم لوگوں نے مجھ سے بہت پوچھ ڈالا، (سنو) نبی اکرم ﷺ نے گھڑے کی نبیذ کو حرام قرار دیا ہے، تم ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ کھجور کو پکاؤ، پھر اسے رگڑو اور پھر اس کے اوپری چھلکوں کو صاف کردو، پھر اسے پانی کے برتن میں رکھ دو، اور اوپر سے ڈھکن لگا دو، اگر وہ اپنی اصلی حالت میں درست رہے تو خود نوش کرو اور اپنے شوہر کو پلاؤ۔ ❷

مذکورہ خیالات ونظریات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ گھڑے (مٹکے) کی نبیذ کے استعمال کے بارے میں قدیم اختلاف رہا ہے۔ جب کہ نشہ نہ پیدا کرنے والی نبیذ کو صحابہ کرام نوش کرتے تھے، اس میں سے عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے، حتی کہ آپ نے اسے اس وقت بھی نوش کیا جب دشمن نے آپ کو نیزہ مارا تھا۔ ❸ بہرحال نبیذ میں "سکر" پیدا ہونے کے بعد اس کے استعمال کے بارے میں متقدمن کے یہاں وسیع نظریات پائے جاتے تھے، خاص طور سے عراق میں تو اس کے تئیں زیادہ ہی نرم رویہ اور تساہلانہ برتاؤ تھا، چناں چہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا یہاں تک خیال تھا کہ اگر چہ نبیذ مسکر ہو جائے تو اسے نوش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ظاہر ہے کہ اس خیال کو عالم کی لغزش ہی پر محمول کیا جائے گا ورنہ اس کے جواز کا کیا معنی ہے۔ ❹ درحقیقت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی یہ دانستہ لغزش نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے یہ سبب کارفرما ہے کہ آپ کو انگور اور کھجور کے علاوہ میں "سکر" پائے جانے کی حالت میں نہیں پینے کی حرمت وممانعت والی عام حدیثیں نہیں پہنچی تھیں۔ ❺ علاوہ ازیں آپ قیاس پر اعتماد کرتے ہوئے اسے جائز ٹھہراتے تھے کہ اگر نبیذ سے شراب تیار کرنا مقصود نہ ہوتو وہ خمر (شراب) کے دائرہ سے خارج ہے یعنی اس پر شراب کا حکم نہیں لگے گا۔ ❻ ابراہیم نخعی کے یہ رائے بعض دیگر عراقیوں کے یہاں بھی معمول بہ تھی۔ ❼ چناں چہ ابن سحنون کا بیان ہے کہ

---

❶ مصنف ابن ابی شیبه (۷/ ٤٦٨ ، ٢٨١٦) مجمع الزوائد (٥/ ٦٢) ، احمد اور ان کے رجال ثقہ ہیں، راوی ابوجعف رازی میں اگرچہ کلام ہے وہ نقصان دہ نہیں ہے۔

❷ مجمع الزوائد/ هیثمی (٥/ ٥٩) آگے لکھتے ہیں: اسے احمد، طبرانی اور ابویعلی نے نیز صہرہ نے روایت کیا ہے البتہ صہبرۃ سے میرے علم کے مطابق یعلی بن حکیم کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا ہے، اور بقیہ رجال حدیث صحیح کے رجال ہیں۔

❸ صحیح البخاری مع الفتح (۷/ ۷٥)

❹ التاریخ الکبیر/ ابن ابی خیثمه ق ١٦ ب۔ التمهید/ ابن عبدالبر (١/ ٢٥٥)، نسائی (٨/ ٣٣٥) بسند صحیح۔

❺ مجموع الفتاوی/ ابن تیمیه (٣٤/ ١٨٦) آگے لکھتے ہیں: اس رائے کی اتباع شعبی، ابوحنیفہ اور شریک وغیرہ نے کی ہے، نیز دیکھئے: المحلی (۷/ ٤٩١) آپ نے اس پر خوب مطول گفتگو کی ہے۔

❻ فتح الباری (١/ ٤٦) مصنف ابن ابی شیبة (۷/ ٥٣ ، ٣٩٣٤)

❼ التمهید/ ابن عبدالبر (۷/ ١٢٦) جامع العلوم والحکم/ ابن رجب (٢/ ٤٦٠)

میں تحریم نبیذ پر ایک کتاب تالیف کر رہا تھا کہ اتنے میں میرے والد میرے پاس آ گئے، کہنے لگے: اے میرے بیٹے! تم اہل عراق پر تردید کر رہے ہو حالاں کہ وہ عقل کے بڑے ذہین اور زبان کے بڑے تیز ہوتے ہیں، ہوش میں رہنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارا قلم بہک جائے۔ [1]

اور معاملہ صرف یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ بعض محدثین بھی نبیذ کی کیفیت میں تبدیلی آ جانے اور اس میں نشہ پیدا ہو جانے کے بعد اسے نوش کرتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، چناں چہ خلف بن ہشام الرازی المقری کی سوانح حیات میں درج ہے کہ ابوجعفر النفیلی نے ان کے بارے میں کہا کہ خلف اہل سنت میں سے تھے اگر ان میں ایک مصیبت نہ ہوتی یعنی نبیذ پینا، لیکن بعد میں انھوں نے اس سے توبہ کر لیا، ان کا خود بیان ہے کہ میں نے چالیس دن نماز لوٹائی کہ ان دنوں میں کوفیوں کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے (نبیذ کا) شراب پیتا تھا۔ [2]

جب کہ ایک دوسرے محدث حسن بن ابوبکر کے بارے میں خطیب بغدادی لکھتے ہیں: نبیذ پینے میں مشہور تھے۔ [3]

علی بن خشرم کہتے ہیں کہ میں نے وکیع سے کہا: میں نے ابن علیہ کو دیکھا ہے وہ اس قدر نبیذ نوش کر لیتے کہ انھیں سہارے سے سواری کے گدھے پر بیٹھایا جاتا تھا تو وکیع نے کہا: جب کسی بصری کو نبیذ پیتے دیکھو تو اسے (شراب نوشی سے) متہم کرو۔ میں نے کہا: ایسا کیوں؟ انھوں نے کہا: کوفی اسے دین سمجھ کر پیتا ہے، جب کہ بصری کے نزدیک اس کا چھوڑنا دین ہے۔ [4] اور کوفی کے یہاں نبیذ نوشی متفقہ طور سے کوئی جرح اور عیب نہیں شمار ہوتی تھی۔ [5]

کوفہ کی طرح بلاد شام میں بھی مثلاً تاڑ، یا گاڑھے روغن شراب کی بڑی شہرت تھی، اسے کھجور کی شہد سے تیار کیا جاتا ہے۔ اسے طلائی شراب اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اونٹوں کو لیپ کیے جانے والے گاڑھے روغن کے مشابہ ہوتا ہے۔ [6] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَمِن ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَراً وَرِزْقاً حَسَناً إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ [7]﴾ (النحل: ٦٧) کی تفسیر

---

[1] ترتیب المدارك/ قاضی عیاض (٤/ ٢٠٧، ٢٠٨)

[2] تاریخ بغداد (٨/ ٣٢٧) سیر اعلام النبلاء (١٠/ ٥٧٨) المقصد الارشد/ ابن مفلح (١/ ٣٧٨)

[3] تاریخ بغداد (٧/ ٢٧٩)

[4] تهذیب التهذیب (١/ ٢٤٣)

[5] التنکیل/ المعلمی (٤٣٩)

[6] فتح الباری/ ابن حجر (١٠/ ٦٦)

[7] ترجمہ: اور کھجور اور انگور کے درختوں کے پھلوں سے تم شراب بنا لیتے ہو اور عمدہ روزی بھی جو لوگ عقل رکھتے ہیں ان کے لیے تو اس میں بہت بڑی نشانی ہے۔"

میں لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں ان مشروبات کا ذکر کر رہا ہے جو کھجور اور انگور کے پھلوں سے کشید کیے جاتے ہیں، نیز اس میں اس مُسکر (نشہ آور) نبیذ کا بھی ذکر ہے جسے لوگ اس کی حرمت سے قبل بناتے تھے، اسی لیے اللہ نے اس کے حوالے سے ان پر اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "و من ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منه سکرا" کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے تم نشہ آور مشروب کشید کرتے ہو۔ پس یہ آیت نزول تحریم سے قبل اس کی اباحت پر دلالت کرتی ہے نیز اس بات پر دلالت کرتی ہے [1] کہ نشہ والی مشروب انگور سے کشید کی گئی ہو یا کھجور سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ مالک، شافعی، احمد اور جمہور علماء کا مسلک ہے، یہی حکم بقیہ دیگر مشروبات کا بھی ہے جنھیں گیہوں، جو، مکئی، اور شہد سے کشید کر کے تیار کیا گیا ہو جیسا کہ اس کی تفصیل احادیث میں آئی ہوئی ہے۔ یہاں اسے مفصل و مبسوط انداز میں بیان کرنے کی جگہ نہیں ہے۔

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ کے فرمان "سکرا و رزقا حسنا" کے بارے میں فرمایا: سکرا سے مقصود وہ ہے جو ان دونوں پھلوں سے حرام ہے جب کہ رزقا حسنا سے مراد وہ ہے کہ جو ان دونوں پھلوں سے حلال ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سکر (نشہ) اس کی حرام نوعیت و کیفیت ہے جب کہ رزق حسن اس کی حلال نوعیت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کے ہرے پھل سے نکل کر جو خشک ہو جائے مثلاً خشک کھجور (چھوہارا) اور کشمش اور جو ان سے طلائی (مثل تاڑ) شہد تیار ہوئی سرکہ پیدا ہوا اور نبیذ بنائی گئی یہ سب حلال ہے اسے اس میں جوش آنے اور نشہ پیدا ہونے سے قبل ہی پی لینا چاہیے جیسا کہ سنت نبویہ میں وارد ہے۔ [2]

جب عمر رضی اللہ عنہ ملک شام گئے تو وہاں کے باشندوں نے وہاں کی وبائی بیماری اور زمینی کثافت کی شکایت کرتے ہوئے کہا: ہمارے لیے یہی شراب سود مند ہے۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شہد پیو، انھوں نے کہا: ہمیں یہی شراب سود مند ہے۔ آپ نے فرمایا: شہد پیو، انھوں نے کہا: شہد ہمارے لے مفید نہیں ہے۔ تو وہیں کے باشندوں میں سے ایک آدمی نے کہا: کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ ہم آپ کے لیے اس مشروب (نبیذ) کی تھوڑی سی مقدار تیار کریں کہ وہ نشہ آور نہ ہو، آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، تیار کرو۔ چناں چہ انھوں نے اسے خوب پکایا یہاں تک کہ اس کا دو ثلث (تہائی) بھاپ میں نکل گیا اور ایک ثلث (تہائی) برتن میں بچ گیا، پھر

---

[1] اس آیت کریمہ نے واضح کر دیا کہ نشہ آور چیزیں رزق حسن نہیں ہیں۔ مکی دور ہی میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو ذہن نشین کرا دیا تھا، اسی لیے جب شراب کی حتمی حرمت نازل ہوئی تو اس کو ترک کرنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوئی لیت و لعل نہ کیا بلکہ حرمت نازل ہونے سے قبل اس کی تمنا کرنے لگے تھے۔ (ش)

[2] تفسیر ابن کثیر (٤/ ٥٠٠)

اسے لے کر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، آپ نے اس میں اپنی انگلی ڈالی اور باہر نکال لیا، دیکھا تو مشروب (نبیذ) رال کے مانند انگلی سے لٹک رہی تھی آپ نے فرمایا: یہ تو اونٹ کو لگائے جانے والی روغن کے مانند ہے۔ پھر آپ نے انھیں حکم دیا کہ اسے پی سکتے ہیں۔عمر رضی اللہ عنہ کی اس اجازت کے بعد ان سے عبادہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم آپ نے اسے حلال کر دیا، عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہرگز نہیں، ایسا نہیں ہے۔اللہ کی قسم! میں ان کے لیے ایسی کوئی چیز حلال نہیں کہہ سکتا جسے تو نے ان پر حرام کیا ہے، اور نہ ہی حرام کہہ سکتا ہوں جسے تو نے ان کے لیے حلال ٹھہرایا ہے۔ ❶

اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ کے نام سے خط لکھا کہ حمد و صلاۃ کے بعد! میرے پاس ایک قافلہ آیا ہے جو سیاہ مشروب (نبیذ) لئے ہوئے ہے جیسے وہ اونٹ کو لیپ کیا جانے والا روغن ہو۔ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اسے اتنا پکایا ہے کہ اس کا دو تہائی خراب حصہ نکل گیا ہے یعنی ایک تہائی بھاپ بن گیا اور ایک تہائی جل گیا۔ لہٰذا تمھارے پاس جو لوگ ہوں انھیں بتا دو کہ اسے پی سکتے ہیں۔ ❷ اسی لیے ابوعبیدہ بن جراح، معاذ بن جبل اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہم اجمعین مشروبات میں سے وہ روغنی مشروب (نبیذ) نوش کرتے تھے جس کا دوثلث جل گیا ہو۔ ❸

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خود اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان نبیذ کے بارے میں کس قدر نظریاتی اختلافات موجود تھے، تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ اس کی حرمت کے قائل تھے وہ صرف اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں نبیذ نشہ آور شراب کی شکل نہ اختیار کر لے، نیز سد ذریعہ کے طور پر بھی ان کا یہ موقف اپنی جگہ قائم تھا، کیوں کہ خوف تھا کہ کہیں کچھ لوگ اس رخصت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے شراب کو جائز نہ کر لیں۔عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی اس سے منع فرماتے تھے۔ ❹ پس انگور کی یہ روغنی مشروب (نبیذ) بلاد شام میں بکثرت مستعمل تھی، لیکن عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اس مسئلہ میں بڑے غیور واقع

---

❶ الموطاء، کتاب الاشربۃ، باب جامع تحریم الخمر (۲/ ۸۴۷) اثر نمبر (۱۴)، (۳/ ۱۵۵) شرح الموطا/ الزرقانی (۴/ ۱۷۴ (۱۶۵۴) ۲۵۵، (۱۷۲۰) مصنف ابن ابی شیبۃ (۷/ ۵۳۴) (۴۰۶۲)

❷ سنن نسائی، اشربۃ (۸/ ۳۲۹) حافظ ابن حجر نے تعلیقاً اسے تحریر کیا ہے (۵/۲۴) اور محقق نے اس کی سند پر صحت کا حکم لگایا ہے۔

❸ مصنف عبدالرزاق (۹/ ۲۵۵) (۷۱۲۲) مصنف ابن ابی شیبۃ (۷/ ۵۲۸ (۴۰۳۹) اس کی سند صحیح ہے۔ دیکھیں: تعلیق التعلیق (۵/ ۲۵)

❹ مصنف ابن ابی شیبۃ (۸/ ۵۳۵ (۴۰۶۳)، السنن الکبری/ بیہقی (۸/ ۲۹۵) المنتقی بشرح الموطا/ الباجی (۳/ ۱۵۷) نسائی نے 'ذکر ما یجوز شربہ من الطلاء و مالا یجوز" کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے اور اس میں طلاء کے بارے میں آثار صحابہ نقل کئے ہیں، دیکھئے: سنن (۸/ ۳۲۸)

ہوئے تھے، جس کی وجہ سے آپ اس مشروب (نبیذ) کی حرمت کے قائل تھے اور اتنے سخت تھے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ میں حیرت میں ڈال دیا۔[1] کیوں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اس قسم کے مشروبات میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور اسی نظریہ کی وجہ سے ایک موقع پر آپ نے بریدہ بن حصیب کی رائے کی کوئی اہمیت نہیں دیا بریدہ بن حصیب کے بیٹے عبداللہ کا بیان ہے کہ میرے والد مجھے لے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، تو آپ نے ہمیں بستر پر بٹھایا، پھر ہمیں کھانا پیش کیا جسے ہم نے کھا لیا، پھر مشروب (نبیذ) لائے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود اسے نوش کیا پھر اسے میرے والد نے لیا اور کہنے لگے: جب سے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے تب سے میں نے اسے نہیں پیا ہے۔ پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں شکل وصورت اور چہرے مہرے میں قریش کے خوبصورت ترین نوجوانوں میں سے تھا، جس طرح مجھے اس (نبیذ) میں لذت ملتی تھی، دودھ کے علاوہ کسی اور چیز میں نہیں ملتی تھی، یا یہ کہ کوئی اچھی گفتگو کرنے والا انسان مجھ سے گفتگو کرے۔[2]

بہرحال انگور کی یہ روغنی مشروب (نبیذ) صرف بلاد شام اور کوفہ تک محدود نہ تھی بلکہ مدینہ میں بھی اسے نوش کیا جاتا تھا، جس میں بسا اوقات نشہ پیدا ہو جاتا، اسی لیے عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے عبیداللہ بن عمر کے منہ سے شراب کی بو محسوس کیا، اس نے طلائی مشروب (نبیذ) سمجھ کر اسے نوش کیا تھا، میں اس سے پوچھ رہا تھا کہ کیا پیا ہے؟ تاکہ اگر اس میں نشہ ہو تو کوڑے لگاؤں، چناں چہ آپ نے انھیں پورے پورے تعزیری کوڑے لگائے۔[3] اس طرح ہم دیکھ رہے ہیں کہ نبیذ نوشی اس دور کے فقہا و علماء میں ایک اختلافی مسئلہ تھا خاص کر عہد صحابہ میں اور اس اختلاف کا بنیادی سبب ان کی تقوی شعاری اور دینداری تھی ورنہ نشہ آور ہونے کی حالت میں اس کی حرمت میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں تھا۔

چناں چہ اس پس منظر میں ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ یزید بشمول دیگر اہل شام اِسی انگوری روغنی مشروب (نبیذ) کو پیتے رہے ہوں اور اس میں کوئی قباحت نہ سمجھتے ہوں اور شاید یزید کے مصاحبین نعمان بن بشیر اور عبداللہ بن جعفر جیسے لوگوں کے خیالات سے یہی توجیہ قریب تر ہے ورنہ یہ فضلاء صحابہ نشہ آور شراب کی عادت یا اس کا ایک جام لینے پر یزید کی سخت تردید کرتے، اس کی صحبت چھوڑ دیتے اور دور چلے جاتے، غالبًا یہی وجہ

---

[1] مجمع الزوائد/ ھیثمی (۵/ ۷۱-۷۲) آگے کہا: اسے طبرانی نے اپنے شیخ ابراہیم بن محمد بن عرق سے روایت کیا ہے، جنھیں ذہبی نے ضعیف گردانا ہے اور کہا: غیر معتمد ہیں، لیکن متقدمین میں سے کسی نے بھی ان کی تضعیف نہیں کی ہے۔

[2] مسند احمد (۵/ ۳٤۷)، الفتح الربانی (۱۷/ ۱۱۵) ہیثمی نے مجمع الزوائد میں (۴۲/۵) پر لکھا ہے کہ رواہ احمد و رجالہ رجال الصحیح۔

[3] الموطا (۱/ ۸٤۲) مصنف عبدالرزاق (۹/ ۲۲۸ (۱۷۲۸) امام بخاری نے اسے تعلیقاً نقل کیا ہے دیکھئے مع الفتح (۱۰/ ٦۵) ابن حجر نے کہا: اس کی سند صحیح ہے نیز دیکھئے: تعلیق التعلیق (۵/ ۲٦)

رہی کہ جس نے یزید کو یہ طلائی نبیذ پیتے دیکھا سمجھ لیا کہ وہ شراب نوش ہے، یقیناً یزید اس طلائی نبیذ کے شوقین تھے اور اپنے مہمانوں کو انتہائی عمدہ نبیذ بطور ضیافت پیش کرتے تھے، چناں چہ زیاد الحارثی کا بیان ہے: یزید نے مجھے ایسی نبیذ پلائی کہ میں نے اس طرح کبھی نہ پیا تھا۔ میں نے کہا: اے امیر المومنین! اس طرح میں نے کبھی نہ پیا، وہ کہنے لگے: حلوان کا انار، اصبہان کی شہد، اہواز کی شکر، طائف کی کشمش کا بردی کے پانی سے مخلوط ہے۔ [1]

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یزید کو اپنی تہمتوں کا علم تھا اور یہ بھی جانتے تھے کہ اس تہمت کو میرے سر تھوپنے والے ابن زبیر ہیں، اسی وجہ سے انھوں نے اپنی ذات سے اس عمل کی تردید کیا، اور ابن زبیر و اہل مدینہ سے جنگ آزمائی کے لیے فوج تیار کر کے شراب نوشی کے بارے میں اپنے منفی کردار کو عملی ثبوت فراہم کیا، گویا انھیں یہ پیغام دیا کہ جو شخص شراب نوش ہو وہ لشکر تیار نہیں کر سکتا اور نہ اسے جنگی محاذ پر بھیج سکتا ہے، چناں چہ اس کا اظہار اپنے قصیدہ میں یوں کیا:

ابلغ ابا بكر اذا الامر انبرى
و شارف الجيش على وادى القرى
أجمع سكران من القوم ترى
ام جمع يقظان نفى عنه الكرى [2]

”جب جنگ کی مکمل تیاری ہو جائے اور لشکر وادی قری تک پہنچ جائے تو ابوبکر سے پوچھو کہ یہ بدمستوں کا گروہ ہے جسے تم دیکھ رہے ہو یا بیداروں کی جماعت ہے جس سے نیند رخصت ہو چکی ہے۔“

اس میں کوئی شک نہیں کہ یزید بن معاویہ کے بارے میں معقل بن سنان اشجعی اور ان کے دیگر مصاحبین جو مدنی وفد کے ممبر تھے، ان لوگوں کا جو تصور تھا اس نے مدنی باشندوں میں یہ تاثر قائم کیا تھا کہ یزید فاسق ہے اور وہ شراب نوش ہے۔ [3] اور جیسا کہ ہم نے پچھلے صفحات میں دیکھا کہ نبیذ کے بارے میں بعض صحابہ کے مخصوص نظریات تھے مثلاً عبادہ بن ثابت ہی کو دیکھئے جنھوں نے عمر رضی اللہ عنہ کی اس موقع پر تردید فرمائی جب آپ نے اہل شام کو طلائی نبیذ پینے کی اجازت دے دی تھی اور انھیں شراب نوشی کو حلال کرنے سے متہم

[1] سیر اعلام النبلاء/ ذهبی (٤/ ٣٧) بردی دمشق کا بڑا دریا ہے جو زیدانی بستی سے نکلتا ہے جو دمشق سے ۱۵ میل پر واقع ہے۔ (ش)
[2] ابن عساکر (ترجمه عباد بن اوفی-عبدالله بن توب) ص (٣٠٨)
[3] طبری (٥/ ٣٩٢) بروایت عوانه

کر دیا، اسی طرح عبداللہ بن عمرو بن عاص اور بریدہ بن خصیب کا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنا مستقل موقف تھا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل مدینہ کی طرف سے یزید پر شراب نوشی کی تہمت اسی شبہ کا نتیجہ تھی جس کی وجہ سے اختلافات نے جنم لیا، میرا گمان ہے کہ وفد مدینہ نے یزید کو شراب نوش کرتے نہیں دیکھا تھا، اور اگر دیکھا بھی تو وہ بھی نبیذ یا اس جیسے دیگر مشروب پینے کا معاملہ تھا جسے طلائی نبیذ کہا جاتا ہے اور اسی کو دیکھ کر وہ گمان کرنے لگے کہ یزید شراب نوش ہے۔

بچا معاملہ ترک نماز کی تہمت کا، تو جیسا کہ مدائنی کی روایت میں ہم نے یزید کی جسمانی صحت کی تفصیل دیکھ لیا ہے، اور یہ پڑھ چکے ہیں کہ ارکان وفد نے دس دن وہاں قیام کیا لیکن یزید کے پاس نہیں گئے، پھر فطری بات ہے کہ وہ ان ایام میں انھیں مسجد میں نہ دیکھتے کیوں کہ ان کی طبیعت اس لائق نہیں تھی، مزید آں روایت میں یہ موجود ہی ہے کہ اس نے ارکان وفد کا اس حال میں استقبال کیا وہ اپنی کرسی پر اپنے پیروں کو پھیلائے ہوئے تھا۔ جب کہ عباس بن سہل کی حرکت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے قصداً یزید کے اسی پیر پر ٹیک لگایا جس میں بیماری تھی تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ درد و بیماری کے دعویٰ میں وہ کتنا سچا ہے، پس اس کی وجہ سے وفد نے یہ تاثر دیا کہ یزید نماز نہیں پڑھتا۔

بایں تفصیلات ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یزید پر شراب نوشی کی تہمت دو حال سے خالی نہیں:

۱۔ یا تو یہ صرف تہمت ہی تہمت ہے جسے مخصوص اور واضح اہداف و مقاصد کے لیے گھڑا گیا۔

۲۔ یا تو ایک شبہہ اور غلط فہمی ہے جس کی اساس محض غلط تصور ہے جسے ضرورت سے زیادہ اچھالا گیا، اور پھر وہ اس قدر زبان زد عام ہو گیا کہ اس کی تائید یا دفاع میں کھڑا ہونا خود کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہو گیا۔

ابن خلدون اپنی تحقیق میں لکھتے ہیں: یزید عراقی مسلک اور ان کے معروف فتویٰ کے مطابق کھجور کی نبیذ پیتا تھا، رہی بات خالص شراب پینے کی، تو اس تہمت کی کوئی بھی دلیل نہیں ہے، اس میں واہی تباہی روایتوں کی تقلید جائز نہیں۔ وہ ایسا آدمی نہ تھا کہ اکبر الکبائر جیسے حرام کاری کا یوں ارتکاب کرتا، اس وقت کی پوری قوم مسلم کا یہ مزاج تھا کہ وہ اپنے لباس و پوشاک اور دیگر تصرفات تک میں اسراف وعیش پرستی سے محفوظ تھی، کیوں کہ سادگی اور بداوت کی خشک زندگی میں انھوں نے سانسیں لیں تھیں، جس کے اثرات اب بھی باقی تھے، پس ایسے سادگی پسند اور خشک زندگی گزارنے والے معاشرہ کا یہ شخص جواز کے دائرہ سے نکل کر عدم جواز اور حلال کام چھوڑ کر حرام کاری پر کیسے آمادہ ہو جائے گا۔ [1]

---

[1] مقدمه ابن خلدون (۱/ ٤٧ ، ٤٨)

غالبًا یزید بن معاویہ کے بارے میں مدنی وفد کے بعض افراد کی ناراضگی اور غصہ کی وجہ اس کی سیر وتفریح سے دل لگی اور شکار کی محبت بھی رہی، پس جیسا کہ معلوم ہے کہ اوروں کے بالمقابل یزید نے بڑی خوش حالی کی زندگی گزاری تھی جب وہ پیدا ہوئے تو ان کے والد شام کے امیر تھے، اور جب دس سال کے ہوگئے تو والد محترم خلیفۃ المسلمین بن گے، اس طرح پورے بیس سال تک آپ نے ایک بادشاہ کی اولاد کی طرح زندگی گزاری، اس طرح تعیش نے انھیں فارغ البال اور ہر خواہش کی تکمیل کا انھیں موقع فراہم کیا، اور اپنے میلانات ورجحانات کو عملاً کرگزرنے کے لیے حالات بھی سازگار رہے، پس انھیں میلانات میں سے یہ تھا کہ یزید کو شکار کرنے کا بڑا شوق تھا، اور اسی بے انتہا دلچسپی کی وجہ سے وہ مورد الزام بھی ٹھہرے حتی کہ لوگ انھیں سب وشتم بھی کرنے لگے، اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے یہاں تک کہہ ڈالا کہ شکار کی شوق میں یہ امت کا معاملہ ضائع کررہے ہیں اور خاطر خواہ توجہ نہیں دیتے۔

عوام الناس میں پھیلی ان تمام تر افواہوں، چہ میگوئیوں اور غلط فہمیوں نے یزید کی زیارت کے دوران مدنی وفد میں اضطرابی احساس پیدا کردیا اور یزید کی معزولی کو لازمی ٹھہرانے پر ان کا دل انھیں مجبور کرنے لگا، پھر وہ سوچنے لگے کہ یزید کے بارے میں ابن زبیر کا موقف اپنی جگہ بالکل برحق ہے، مزید برآں احیائے شورائیت کے بارے میں ان کے دلوں میں ایک جذباتی طوفان پیدا ہوگیا، اور ایک بڑی امید نظر آئی کہ خلفائے راشدین کے عہد حکومت میں جس شورائیت کی حکمرانی تھی وہ شاید اب دوبارہ لوٹ آئے، اور ولی عہدی کا جو نظام معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کے تئیں رائج کیا ہے اس کی حد بندی ہو سکے۔ یہ خیالات تمام ارکان وفد میں بلاد شام جانے سے پہلے ایک مشترک رائے کی شکل میں تمام ممبران میں موجود تھی۔ [1] اور اس وفد کے ایک ممبر معقل بن سنان اشجعی رضی اللہ عنہ نے اس خیالی کی ترجمانی واضح انداز میں یزید بن معاویہ کے ایک اہم ترین قائد کے سامنے کیا تھا جن کا نام مسلم بن عقبہ المری تھا، چناں چہ یزید کے پاس سے وفد کے واپس آنے کے بعد معقل نے طبریہ میں ان سے کہا تھا: ہم مدینہ لوٹ کر اس فاسق آدمی سے بیعت توڑ لیں گے، اور مہاجرین کی اولادوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کرلیں، اس سے یہ اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں کہ اہل مدینہ کی بغاوت اس وجہ سے نہیں تھی کہ یزید کافر تھا یا زندیق ہوگیا تھا، بلکہ بغاوت کی وجہ ان کا یہ گمان تھا کہ وہ فسق کا مرتکب ہے، اسی لیے ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جب اہل مدینہ یزید کی اطاعت سے نکل گئے

[1] طبری (۵/ ۳۹۲) بسند عوانہ ابومخنف، الاعلام/ البیاسی (۲/ ۱۲۹) بروایت ابوبشر الدولابی، عوانہ تك بسند حسن، طبقات ابن سعد (۴/ ۸۳) بسند واقدی المحن، ابوالعرب ص (۱۸۲) بسند واقدی مستدرك حاکم (۳/ ۵۲۲)

اسی سے بیعت توڑ لیا، اور اپنی قیادت کی باگ ڈور ابن مطیع اور ابن حنظلہ کے ہاتھوں میں سونپ دیا تو ان دونوں نے جو کہ یزید کے سب سے سخت دشمن تھے، یزید کے تئیں شراب نوشی اور بعض دیگر عیوب کے علاوہ کبھی اس بات سے متہم نہیں کیا کہ وہ زندیق تھا، جیسا کہ بعض روافض انھیں اس سے متہم کرتے ہیں۔ [1] شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں ''............وہ کافر تھا اور نہ زندیق.....'' [2]

۲......اہل مدینہ (مخالفین) کے مطالبات اور ان سے نمٹنا

ا۔ مدینہ میں مخالفین کا ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے تعلق:

جیسا کہ چند ہی صفحات بیشتر ہم نے ذکر کیا ہے کہ مخالفین کی قیادت ابن زبیر کے ہاتھوں میں تھی، چناں چہ ان کی یہ قیادت اور تین سالوں سے زیادہ ایام تک ان کی مسلسل مخالفت نے بہت سارے ابنائے صحابہ کو اموی حکومت کے انکار پر جری اور صریح گو بنا دیا تھا، لیکن کیا کبھی ہم نے یہ بھی سوچا کہ اس باغیانہ تحریک کے پس پردہ اہل مدینہ کے کیا مطالبات تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ تاریخی مصادر اس سلسلے میں کوئی واضح نقطہ نظر پیش کرنے سے خاموش ہیں؟ ہاں اتنا ضرور ہے کہ اس مخالفت کے پیچھے جن محرکات کی طرف اشارہ ملتا ہے وہ بعض ناحیوں سے ان کے مطالبات پر ضرور بحث کرتے ہیں۔ چناں چہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما مکہ میں شورائیت کی تحریک کو مہمیز لگا رہے تھے جب کہ اہل مدینہ نے یزید کی مخالفت کے ذریعہ اس اصول شورائیت کے علم کو بلند کیا۔ [3] واضح رہے کہ مدینہ میں شورائیت کا شعار اس لیے نہیں بلند ہوا تھا کہ وہ لوگ صرف ابن زبیر کی تحریک سے متاثر تھے، بلکہ طرفین کے لیے اس مسئلہ کا تعلق ایک دینی اصول سے تھا، یعنی شورائیت کا قیام شرعی تقاضا

---

[1] البداية والنهاية (۸/ ۲۳۵) القيد الشريد/ ابن طولون ق ۷ [2] الوصية الكبرى/ ابن تيميه ص (٤٤)

[3] تاريخ خليفه ص (۲۳٦) یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شورائیت کو ختم کر دیا تھا؟ کیا امیر یزید کا انتخاب شورائی نظام کے خلاف ہوا تھا؟ یہ دونوں ہی باتیں بے بنیاد ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہ تو شورائیت کو ختم کیا تھا اور نہ ہی امیر یزید کا انتخاب شورائی نظام کے خلاف ہوا تھا بلکہ جس شورائیت کا اہتمام امیر یزید کے انتخاب کے لیے کیا گیا تھا وہ اہتمام کسی کے انتخاب کے لیے نہیں کیا گیا۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عالم اسلامی کے ہر ہر علاقہ میں لوگوں نے بلا کسی اختلاف کے بیعت کی تھی اور ہر جگہ کے وفود تو کید بیعت کے لیے امیر یزید کے پاس حاضر ہوئے تھے۔'' (البدایۃ والنہایۃ ۸۰/۸) چند افراد کو چھوڑ کر پورا عالم اسلام یزید کی ولی عہدی اور خلافت پر متفق تھا وہ کون سی شورائیت تھی جس کی تنفیذ نہیں کی گئی تھی۔ اگر باپ کے بعد بیٹے کا انتخاب قابل اعتراض اور شورائیت کے منافی تھا تو اس سے قبل سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا انتخاب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بعد عمل میں آچکا تھا اس وقت شورائیت کا کوئی اصول نہیں ٹوٹا تھا تو پھر یزید کے انتخاب کے وقت کیوں کر شورائیت ہی ختم ہوگئی کہ اس کو دوبارہ لانے کے لیے تحریک چلانے کی ضرورت پڑ گئی؟

علامہ ابن خلدون مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

''تمام صحابہ کرام ولی عہدی کے جواز پر متفق تھے اور اجماع جیسا کہ معلوم ہے حجت شرعی ہے پس امام اس معاملہ میں متہم نہیں ⇦⇦⇦

تھا، پس ان سب کی تحریک کا اصل منبع و مصدر قرآن سنت تھی۔ معقل بن سنان نے مسلمہ بن عقبہ کے سامنے جس صاف گوئی کا مظاہرہ کیا تھا اس سے اہل مدینہ کے ارادوں اور تقاضوں کا ایک اہم گوشہ نمایاں ہوتا ہے یعنی ابنائے مہاجرین میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لینا اہل مدینہ کی مخالفت کا اساسی مقصد تھا۔ [1]
اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ جس انداز پر یزید کی بیعت سے ہاتھ کھینچا گیا اور اس کے پیچھے جو طوفانی جذبات کارفرما تھے، نیز صلاح و تقویٰ اور عبادت و اطاعت کے بڑے مقام پر فائز اکابرین نے جس طرح مخالفت کی کمان سنبھالی، اس سے مخالفین کی مخالفت کے اس پہلو کو زیادہ تائید ہوتی ہے۔

⇐⇐ ہوسکتا اگر چہ وہ یہ کارروائی اپنے باپ یا بیٹے کے حق میں کیوں نہ کرے، اس لیے کہ جب اس کی خیر اندیشی پر اس کی زندگی میں اعتماد ہے تو موت کے بعد بدرجۂ اولیٰ اس پر کوئی الزام نہیں آنا چاہئے۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ باپ اور بیٹے کو ولی عہد بنانے میں امام کی نیت پر شبہ کیا جاسکتا ہے اور بعض صرف بیٹے کے حق میں رائے رکھتے ہیں مگر ہمیں ان دونوں سے اختلاف ہے۔ ہماری رائے میں کسی صورت میں امام سے بدگمانی کی کوئی وجہ نہیں ہے خاص کر ایسے مواقع پر جہاں ضرورت اس کی داعی ہو مثلاً کسی مصلحت کا تحفظ یا کسی مفسدہ کا ازالہ اس میں مضمر ہو تب تو کسی طرح کے سوءظن کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے جیسے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنے فرزند یزید کو ولی عہد بنانے کا واقعہ ہے۔ اولاً تو معاویہ رضی اللہ عنہ کا لوگوں کے عمومی اتفاق کے ساتھ ایسا کرنا اس باب میں بجائے خود ایک حجت ہے اور پھر انھیں متہم یوں بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے پیش نظر یزید کو ترجیح دینے کے بجز اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ امت میں اتحاد اور اتفاق قائم رہے اور اس کے لیے ضروری تھا کہ اہل حل وعقد صرف یزید کو ولی عہد بنانے پر متفق ہو سکتے تھے، کیوں کہ وہ عموماً بنی امیہ میں سے تھے ا ور بنی امیہ اس وقت اپنے میں سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہو سکتے تھے اس وقت قریش کا سب سے بڑا اور طاقت ور گروہ ان ہی کا تھا اور قریش کی عصبیت سارے عرب میں سب سے زیادہ تھی ان نزاکتوں کے پیش نظر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو ولی عہدی کے لیے ان لوگوں پر ترجیح دی جو اس کے زیادہ مستحق سمجھے جاسکتے تھے۔ افضل کو چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا تاکہ مسلمانوں میں جمعیت اور اتفاق رہے جس کی شارع کے نزدیک بے حد اہمیت ہے۔ قطع نظر اس کے معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں کوئی بدگمانی نہیں کی جاسکتی کیوں کہ آپ کی صحابیت اور صحابیت کا لازمہ عدالت ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے اور پھر آپ کے اس فعل کے وقت سینکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم کا موجود ہونا اور اس پر ان کا سکوت اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس امر میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی نیک نیتی مشکوک نہیں تھی کیوں کہ یہ صحابہ کرام کے حق کے معاملہ میں چشم پوشی اور نرمی کے کسی طرح بھی روادار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہی ایسے تھے کہ قبول حق میں حب جاہ ان کے آڑے آجاتی۔ یہ سب اس سے بہت بلند ہیں اور ان کی عدالت ایسی کمزوری سے یقیناً مانع ہے۔''
(مقدمه ابن خلدون / ۱۷۵-۱۷۶)
سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر جو دعا کی تھی وہ بھی قابل ملاحظہ ہے:
اللهم ان كنت تعلم أني وليته لانه فيما اراه اهل لذلك فاتمم له ما وليته و إن كنت وليته لاني احبه فلا تمم له ما وليته۔
الٰہی تو جانتا ہے اگر میں نے اس (یزید) کو اس لیے ولی عہد بنایا ہے کہ وہ اس کا اہل ہے تو اس کی ولی عہدی کو پورا کر اور اگر میں نے اس کی محبت کی وجہ سے ولی عہد بنایا ہے تو اس کی ولی عہدی کو پورا نہ ہونے دے۔ (البداية والنهاية ۸/ ۸۰، تاریخ الاسلام للذهبی طبقات المشاهير و الاعلام / ۹۲)

[1] طبری (۵/ ۴۹۲) بروایت عوانه و ابو مخنف، الاعلام الیاسی (۲/ ۱۲۹) بروایت ابوبشر دولابی عوانه تك بسند حسن۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعات کی تفصیلات سے اہل مدینہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے درمیان تعلقات کی اصل اساس جس بات پر قائم تھی پہلی نگاہ اسی طرف جاتی ہے یعنی جس وقت سے یزید کے لیے بیعت کی گئی تھی اسی وقت سے دونوں کے مطالبات یکساں تھے، اور اس وقت یزید کے والد معاویہ بن ابوسفیان باحیات تھے۔ [1]

☆ پھر دونوں مخالفین کے درمیان اس گہرے رابطہ اور یہ کہ اہل مدینہ کی مخالفت گویا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف واضح جھکاؤ کی ایک قوی ترین دلیل ابن عمر کے غلام نافع کا یہ بیان ہے کہ جب اہل مدینہ ابن زبیر کی طرف جھک گئے اور یزید کی بیعت سے ہاتھ کھینچ لیا......'' [2] پس یہ بیان اس آدمی کا ہے جو اس واقعہ کے ہم زمانہ اور اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والا تھا۔

☆ علاوہ ازیں ابوقطیفہ عمر بن ولید بن عقبہ بن ابومعیط کے قصیدہ سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اہل مدینہ کے مخالفین ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ گہرے رابطہ میں تھے۔

یہ ابوقطیفہ ان اموی افراد میں سے ایک ہیں جنھیں اہل مدینہ نے وہاں سے نکال کر شام بھگا دیا تھا، پھر انھوں نے مدینہ کی جدائی پر یہ اشعار کہے:

بکی احد لما تحمل اهله
فکیف بذی وجد من القوم آلف

''گریاں کناں ہوگیا جب اس کے باشندے کوچ کیا، پھر قوم کے اس فرد کا کیا عالم رہا ہوگا جو اس کے لیے انتہائی مانوس اور محبت میں ڈوبا ہوا تھا۔''

من اجل ابی بکر حلت عن بلادها
امیه والایام ذات تصارف [3]

---

[1] یہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے ولی عہدی کے وقت زیادہ سے زیادہ صرف پانچ حضرات کو یہ تشویش ہوئی تھی کہ خلافت وراثت میں تبدیل نہ ہو جائے لیکن بیعت میں شریک رہے اور جب تک معاویہ رضی اللہ عنہ زندہ رہے کسی طرف سے کوئی آواز نہیں سنائی دی اور خلافت کے وقت تو صرف دو حضرات رہ گئے جنھوں نے بیعت نہیں کی۔ حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، باقی تمام صحابہ وتابعین اور اہل مدینہ اور پورے عالم اسلام نے یزید کی خلافت کو تسلیم کیا اور بیعت کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''خلافت معاویہ ویزید'' اہل مدینہ کے اندر اختلاف اس وقت شروع ہوا جب واقعہ کربلا کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنی تحریک شروع کی اور عبداللہ بن مطیع جیسے لوگوں نے یزید کے خلاف غلط پروپیگنڈہ شروع کیا اور غلط بیان سے کام لینے لگے پھر بھی آل بیت نے ان کا ساتھ نہ دیا اور عبداللہ بن عمر اور محمد بن حنفیہ یزید کی طرف سے دفاع کرتے رہے اور ابن مطیع اور اس کے ساتھیوں کو اس حرکت سے روکتے رہے۔ (ش)

[2] مسند احمد (٨/ ٦٦) باسناد صحیح، جب کہ احمد شاکر نے یہی حکم لگایا ہے۔ نیز دیکھیں: فتح الباری/ ابن حجر (١٣/ ٧٥) بروایت ابوالعباس السراج فی تاریخه و السند صحیح۔

[3] تاریخ المدینة، ابن شبّه (١/ ٢٩٨) الاغانی / الفرج (١/ ٢٦) الاعلام / البیاسی (٢/ ١١٢)

''یہ سب کچھ ابوبکر کی وجہ سے ہوا کہ خاندان امیہ اپنے وطن سے جلا وطن کر دیا گیا زمانہ تو آنے جانے کا نام ہی ہے۔''

شاعر نے ابوبکر سے عبداللہ بن زبیر کو مراد لیا ہے کیوں کہ ان کی کنیت ابوبکر تھی۔ جب کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ باغی گروہ سے قتال کے متمنی تھے، ان سے پوچھا گیا کہ باغی گروہ کون ہے؟ تو فرمایا: ابن زبیر نے بنو امیہ پر ظلم کیا ہے کہ انھیں ان کے گھروں سے نکال دیا اور اپنے عہد و پیمان کو توڑ دیا۔ [1] بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے امویوں کے اخراج کی ذمہ داری ابن زبیر ہی پر ڈالتے تھے۔

☆ مزید برآں اہل مدینہ اور ابن زبیر کے درمیان باغیانہ روابط و تعلقات کی وضاحت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ یزید نے اہل مدینہ کی طرف جو لشکر روانہ کیا تھا، اور اسے بعد میں وہاں سے ابن زبیر سے مقابلے کے لیے آگے بڑھنا تھا، اس لشکر کو اہل مدینہ نے ابن زبیر کی طرف بڑھنے سے روک دیا، اور اسے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی یہاں تک کہ اس سے جنگ کیا، پھر جو لوگ حرّہ سے بچ نکلے انھوں نے بھاگ کر ابن زبیر ہی کے پاس پناہ لیا، اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ اہل مدینہ کی فوج کا منتظم اعلیٰ یعنی عبداللہ بن مطیع ابن زبیر کے اہم معاونین اور مقربین میں سے تھا۔ پس یزید کی یہ فوج اگرچہ مدینہ کی طرف گئی تھی لیکن یزید حقیقت میں اسے ابن زبیر رضی اللہ عنہ ہی کی طرف مان رہے تھے، فوج کو روانہ کرتے وقت انھوں نے جو اشعار کہے تھے اس سے یہ بات بہت حد تک واضح ہو جاتی ہے، چناں چہ انھوں نے لشکر تیار کرتے ہوئے کہا تھا:

ابلغ ابا بكر إذا الجيش سری
و هبط القوم علی وادی القری

''ابوبکر یعنی ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو بتا دو کہ جب یہ لشکر راتوں رات روانہ ہوگا اور پوری قوم وادی قری میں جا کر پناہ لے گی!!''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مروان بن حکم کی سوانح میں لکھتے ہیں: ''وہ مدینہ ہی میں رہے یہاں تک کہ ابن زبیر نے انھیں وہاں سے نکال دیا، یہ بات بھی معرکہ حرہ کے اسباب میں سے ایک سبب بن گئی۔'' [2] اسی طرح

---

[1] تاریخ الاسلام/ ذهبی، حوادث (٦١-٨٠) ص (٤٦٥) آپ نے صرف اتنے پر اکتفا کیا ہے کہ ''قال الزهری: قال ابن عمر......'' فتح الباری (١٣/ ٧٧) بحواله تاریخ یعقوب، لیکن مجھے ان کی مطبوعہ تاریخ میں یہ بات نہیں ملی، ممکن ہے جو حصہ ابھی مفقود ہے اس میں موجود ہو۔

[2] الاصابة/ ابن حجر (٦/ ٢٥٨)

بلاذری ❶، ابن قتیبہ ❷ اور قضاعی ❸ نے بھی بنوامیہ کو مدینہ سے نکالنے کا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔

۲۔ مدینہ کے لیے لشکر کی روانگی:

مدنی وفد کے مدینہ واپسی کے حادثات یکے بعد دیگرے بڑی تیزی کے ساتھ پیش آتے گئے، اور معاملہ یہاں ختم ہوا کہ یزید بن معاویہ کی بیعت سے ہاتھ کھینچنے کا اعلان ہوگیا، جس کی ابتداء سب سے پہلے عبداللہ بن عمرو بن حفص نے کیا۔ ❹ پھر جس ماحول میں بیعت توڑنے کا اعلان ہوا اس میں خاص بات یہ تھی کہ وہاں کا پورا معاشرہ طوفانی جذبات اور بے قابو احساسات سے مغلوب تھا، مستقبل کے انجام پر کوئی غور نہیں کر رہا تھا اور نہ ہی اس کے اثرات و نتائج کی کسی کو فکر تھی، اور اس احوال میں ایسا ہونا ایک فطری بات تھی کیوں کہ عموماً ایسے مواقع پر مفاد پرستوں، جذباتیوں اور مزاحمت کاروں کا غلبہ ہوتا ہے، اصحاب عقل و دانش اور باشعور افراد کے رائے پر توجہ نہیں دی جاتی بلکہ اگر کوئی انھیں جذباتی اقدام سے منع کرنے کے لیے آگے آئے تو بہت ممکن ہے کہ وہ خیانت اور چاپلوسی سے متہم کر دیا جائے۔

بہرحال مخالفین امیر مدینہ عثمان بن محمد اور بنوامیہ نیز ان کے موالی میں سے جو ان کے ساتھ تھے، نیز اہل قریش میں سے جو ان کے ہم خیال گردانا گیا، ان سب کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے جن کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی، مخالفین نے انھیں مروان بن حکم کے گھر میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا، مروان کا یہ گھر ایک کشادہ محل تھا جو عرصۃ البقل ❺ کے علاقہ میں حرۃ کے ایک کنارے واقع تھا، پھر اس محل کے محاصرہ کیا اور یزید سے بیعت توڑنے کا اعلان چیخ چیخ کر کیا۔ ❻ اس نازک ترین موقع پر امیر مدینہ کی کوئی بھی تدبیریں اور وسیلے انھیں محاصرہ سے روکنے میں کام نہ آئیں، اور نہ ہی انھوں نے کوئی سمجھ داری کی بات سنی۔ ❼ اس وقت مروان بن حکم نے یزید بن معاویہ کے پاس حالات کی منظر کشی کرتے ہوئے یہ خط لکھا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم!

امـا بـعد ! ہم مروان بن حکم کے گھر میں محصور کر دیئے گئے ہیں میٹھا پانی ہم سے روک دیا گیا

---

❶ انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٣٢٨) ❷ المعارف/ ابن قتیبہ (٣٥١)

❸ الابناء/ القضاعی ق ١٦٤

❹ جمہرۃ الانساب العرب/ ابن حزم ص (١٤٩)

❺ ہر کشادہ چیز کو "عـرصـہ" کہا جاتا ہے اور عرصۃ البقل وادی عقیق کا وہ مغربی کنارہ ہے جو جرف سے ملتا ہے۔ وفـاء الـوفـا (٣/ ١٠٥٥) معالم طابۃ ص (٢٥٧)

❻ انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٣٢١) وفاء الوفاء (٣/ ١٠٥٤) بروایت واقدی

❼ الاعلام/ البیاسی (٢/ ١٠٧)

ہے اور گندی جگہ میں ہمیں ڈال دیا گیا ہے، فیاغوثاہ یا غوثاہ ''مدد کے لیے آئیے، مدد کیجئے۔'' عبدالملک نے جب یہ خط حبیب بن کرہ کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ جو بیس گھنٹے کے اندر یزید کے پاس سے خط کا جواب آنا چاہئے، حبیب بن مرہ کا بیانہ ہے کہ وہ خط لے کر یزید کے پاس پہنچے، وہ کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے، اور 'نقرس'' نامی پیر کی بیماری کی وجہ سے دونوں قدم پانی میں رکھے ہوئے تھے۔ جب انھوں نے مروان بن حکم کا خط پڑھا تو شاعر کے اس قول سے مثال دیا:

لقد بدلوا الحلم الذی منی

فبدلت قومی غلظة بلیان

''انھوں نے اس بردباری کو بدل دیا جو میری جانب سے تھی پس میری قوم نے سختی کو نرمی سے بدل دیا۔''

پھر یزید نے مدینہ میں بنوامیہ کے احوال پوچھے، ان کی تعداد معلوم کیا، اور یہ کہ وہ لوگ تھوڑی دیر کے لیے بھی کیسے نہیں اہل مدینہ کا مقابلہ کر سکے، حبیب، بن کرہ نے عذر پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان مخالفین کی تعداد زیادہ تھی جو ان کے مقابل میں کھڑے تھے۔

واقدی لکھتے ہیں:

''عثمان بن محمد نے یزید کے پاس ایک دوسرا خط لکھا جسے دیکھ کر یزید کو مدینہ کے حالات کی خطرناکی کا اندازہ ہوگیا، اس لیے لشکر کی تیاری میں لگ گیا اور عمرو بن سعید کو قیادت سنبھالنے کے لیے کہا، لیکن انھوں نے جدال وقتال کے خوف سے اس قیادت سے معذوری کر دی، اور پھر شاید یہ وجہ بھی رہی کہ اقتدار وقت کے مخالفین میں اکثریت انھیں کے اقرباء کی تھی، پھر یزید نے قیادت مسلم بن عقبہ کے ہاتھوں میں سونپی حالاں کہ وہ کافی عمر دراز، کمزور اور مریض تھے۔

جویریہ بن اسماء متوفی ۱۷۳ھ کی روایت تو یہاں تک بتاتی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اس بات کی وصیت کی تھی کہ اہل مدینہ کی مخالفت کی صورت میں مسلم بن عقبہ کو استعمال کرنا۔''[1]

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت قابل اعتماد نہیں ہے کیوں کہ اس سے اشارہ یہ ملتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو مستقبل میں یزید کے خلاف اہل مدینہ کی بغاوت کا اندیشہ تھا، حالاں کہ صحیح تاریخی حوالے یہ بتاتے ہیں کہ اہل مدینہ کے مقابلے میں اہل عراق سے حکومت کو زیادہ خطرہ تھا، لہٰذا دوسروں کو چھوڑ کر اہل مدینہ کے بارے

---

[1] تاریخ خلیفه (۳۷)، البلاذری (٤/ ٣٣٤)، العفو والاعتذار/ ابوالحسن العبدی (١/ ٣٨)، مجمع الزوائد (٧/ ٢٤٩، ٢٥٠) اس کی سند میں ابن رمانہ مجہول ہے۔

میں خصوصی نگاہ رکھنے کا کیا معنی؟؟

اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کے ذریعہ اہل مدینہ کی سیاسی وعسکری قوت کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جیسا کہ اس روایت سے ایک تاثر یہ بھی ملتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ بھی معرکہ حرہ کے کسی حد تک ذمہ دار ہیں کیوں کہ انھوں نے یزید کو مسلم بن عقبہ کو قیادت سونپنے کی نصیحت کی تھی، اگرچہ ہمیں بھی اس سے انکار نہیں ہے کیوں کہ مسلم بن عقبہ اموی قیادت کے ایک مخلص فرد تھے، اور معرکہ صفین وغیرہ میں علی رضی اللہ عنہ کے خلاف معاویہ کے ساتھ صف آراء تھے۔ [1] پس یہ بات خارج از امکان نہیں ہے کہ اموی پایہ تخت کے امن واستقرار کے وقت آپ یزید کو مسلم بن عقبہ سے مدد لینے کی نصیحت کریں۔

دراصل ہماری نگاہ میں جویریہ کی روایت مشکوک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں یزید کی طرف سے عمرو بن سعید بن عاص کو قیادت سونپنے کی بات کہی گئی ہے جو کہ وصیت کے خلاف ہے، بلکہ بعض روایتیں یہ بتاتی ہیں کہ یہ قیادت عبداللہ بن زیاد کو بھی سونپی گئی تھی لیکن اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ [2]

عبداللہ بن جعفر اہل مدینہ پر اس فوج کی لشکر کشی سے خائف تھے، اس لیے یزید سے اہل مدینہ کو نظر انداز کرنے کی سفارش کیا، اور کہا کہ ان پر لشکر کشی نہ کریں۔ [3] اسی طرح صخر بن عامر بن ابوجہم نے بھی یزید سے معافی کی درخواست کیا، جو کہ مدینہ کے ایک فرد تھے، اور اس وقت یزید ہی کے پاس تھے، [4] چناں چہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی مسلسل سفارش کے بعد اہل مدینہ کے تئیں یزید کا موقف نرم ہو گیا، اور ابن جعفر سے کہا: میں ان -اہل مدینہ- کے بارے میں تم جو کچھ کہو مان لیتا ہوں، لیکن یہ جان لو کہ تمھیں بھی معلوم ہے کہ ابن زبیر نے ہمارے لیے جنگ کھڑی کیا ہے، میں لشکر روانہ کر رہا ہوں، اور فوج کے اعلیٰ کمانڈر کو حکم دیتا ہوں کہ وہ مدینہ کے راستے جائیں اور اہل مدینہ سے قتال وجنگ نہ کریں، پس اگر اہل مدینہ خوشی خوشی مان لیں تو وہ انھیں چھوڑ کر ابن زبیر کے لیے آگے بڑھ جائے لیکن اگر وہ بیعت توڑنے ہی پر آمادہ ہوں، تو ان سے ضرور قتال کرے پھر اگر وہ ان پر غالب آجائے تو تین دن وہاں لوٹ مار کرے [5] یہ اس کو میرا حکم ہے اور

---

[1] تاریخ ابن عساکر/ ترجمة مسلم بن عقبه (١٦/ ق ١٥)

[2] انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٣٢٢) طبری بروایت ابی مخنف (٥/ ٤٨٣) اور دوسری سند سے مروی روایت میں ابن حمید ہے جو کہ ضعیف ہے۔

[3] طبقات ابن سعد، طبقه خامسه (٤٧٣، ٥/ ٤٥) بسند واقدی [4] مختصر تاریخ دمشق/ ابن بدران (٦/ ٤١٠)

[5] ظاہر ہے یہ راویوں کی اضافی چیزیں ہیں یزید جیسا نرم طبیعت انسان ایسا حکم کبھی جاری نہیں کرسکتا۔ فوجی کارروائی ایک مجبوری تھی، بغاوت کو کچلنا حکومت کے فرائض میں سے ہے۔ لیکن حرمین کی حرمت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، اس لیے لوٹ مار کی جو بات کہی گئی ہے صحیح نہیں ہوسکتی۔ (ش)

وہ اس کا پابند ہے۔ عبداللہ بن جعفر کا بیان ہے کہ میں نے اسے اہل مدینہ کے لیے بڑی چھوٹ اور راحت سمجھا اور اپنے گھر واپس آکر اسی رات ابن حنظلہ وغیرہ کو ایک خط لکھا، اور ان سے یزید کی اپنی گفتگو کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ جب ان کے پاس سے لشکر گزرے تو اس سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں اور سمع و طاعت میں داخل ہو جائیں، کیوں کہ ہم اتحاد و جماعت سے بہتر کوئی چیز یا کوئی شعار پسند نہیں کرتے، یہ خط دے کر انھوں نے اپنے ایلچی کو بھیجا کہ صرف دس دن کے اندر فوج سے پہلے اسے مدینہ پہنچا دے، لیکن انھوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہرگز نہیں، اللہ کی قسم وہ قوت کے زور سے یہاں ہم پر غالب نہیں آسکتا۔ ❶

پھر یزید نے لشکر تیار کرنا شروع کر دیا، فوجیوں کی تعداد بارہ ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھی۔ ❷ ظاہر ہے کہ یہ فوج اہل مدینہ کے مقابلہ میں اپنے مقاصد کے حصول کی بھرپور صلاحیت رکھتی تھی لیکن یزید نے اس موقع پر جو قصیدہ کہا اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ لشکر بیس ہزار فوجیوں پر مشتمل تھا۔ قصیدہ کے چند اشعار:

ابلغ ابا بکر اذا الجیش سری
وھبط القوم علی وادی القری

"ابوبکر (ابن زبیر رضی اللہ عنہ) کو بتا دو کہ جب یہ لشکر راتوں رات روانہ ہوگا تو پوری قوم وادی قری میں جا کر پناہ لے گی۔"

عشرون الفا بین کھل وفتی
اجمع سکران من القوم تری

"بیس ہزار فوجیوں کا وہ لشکر نوجوان اور ادھیڑ عمر کے فوجیوں پر مشتمل ہوگا، تیرا کیا خیال ہے وہ بدمستوں کی فوج ہوگی۔"

ام جمع یقظان نفی عنہ الکری
یا عجبا من ملحد یا عجبا

"پائیدار ذہن اور چاک و چوبند فوجیوں کا لشکر کہ
ایسے ملحد پر صد افسوس صد افسوس

مخادع فی الدین یقفوا بالعری ❸

---

❶ ابن سعد، طبقہ خامسہ ص (٤٧٣) بسند واقدی، ابن عساکر (١٦/ ق ٤٧٧)

❷ انساب الاشراف (٤/ ٣٢٢) تاریخ الاسلام/ ذھبی، حوادث (٦١-٨٠) ص (٢٠) بسند مدائنی

❸ طبری (٥/ ٤٨٤) بروایت ابومخنف، الاعلام/ البیاسی (٢/ ١١٤)

''دین کے بارے میں فریب خوردہ ہے۔''

لیکن جب ان ابیات کو بلاذری نے لکھا تو مصرعہ کے پہلے جزء کو جس میں فوجیوں کی تعداد مذکور ہے اسے ذکر نہیں کیا۔ بلاذری کے اشعار اس طرح ہیں:

ابلغ ابا بکر اذا الجیش انبری
و اشرف القوم علی وادی القری
اجمع سکران من القوم تری
ام جمع یقظان اذا حت السری
و اعجبا من ملحدوا عجبا
مخادع فی الدین یقفوا بالفری ❶

اس طرح شعر کا مصرعہ درست ہو جاتا ہے اور وہ زیادتی بھی ختم ہو جاتی ہے جسے بلا سیاق وسباق زبردستی ابیات میں گھسیڑ دیا گیا ہے۔ پھر بلاذری کے اشعار کی تائید ایسے متعدد مورخین سے ہوتی ہے جنھوں نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور اس مناسبت سے یزید کے اشعار کو ذکر کیا ہے۔ ❷ بہرحال ہوا وہی جس پر اہل مدینہ بضد تھے، یعنی جب لشکر کے آمد کی انھیں خبر ملی تو بنوامیہ پر اپنا حصار مزید تنگ کر دیا اور انھیں دھمکیاں دیں کہ اگر تم یہ معاہدہ نہیں کرتے کہ ہم تمھاری خیانت نہیں کریں گے اور شامی لشکر کو یہاں کا راز نہیں بتائیں گے نہ ہی اہل مدینہ کے خلاف شامیوں کی مدد کریں گے، تو تمھیں قتل کر دیا جائے گا۔ ❸ چناں چہ امویوں کی سلامتی اسی میں تھی کہ اہل مدینہ کے مطالبات کو بے چوں وچراں مان لیں خاص کر ایسے وقت میں جب کہ پوری منطق قوت اور جذبات کو گرد گھوم رہی تھی اور عقل وخرد کو پیچھے چھوڑا جا چکا تھا۔ اب اموی لوگ مدینہ سے باہر نکل چکے تھے، اور احمقوں و نادانوں کا جتھا ان کے پیچھے پیچھے انھیں سب وشتم کرتے ہوئے وادی قری تک باہر نکال لے گیا۔ ❹

بلاشبہ اہل مدینہ کا امویوں کو مدینہ سے باہر نکال بھگانا ان کے لیے انتہائی تکلیف دہ بات تھی کیوں کہ یزید سے قربت کے علاوہ ان کا اور کوئی گناہ نہیں تھا کہ انھیں ان کے وطن و جائیداد سے بے دخل کر دیا جاتا۔

❶ انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٣٢٢)

❷ طبقات ابن سعد (٥/ ٣٨) باسناد حسن، خلیفه (٣٢٧) الاخبار الطوال/ دینوری (٢٦٥) التنبه والاشراف/ المسعودی ص (٢٧٩) مروج الذهب (٣/ ٧٩) ابن عساکر ص (٣٠٨) ترجمه عبدالله بن توب

❸ انساب الاشراف (٤/ ٣٢٢) عن ابی مخنف طبری (٥/ ٤٨٥)، عن ابی مخنف الاغانی (١/ ٢٥، ٢٦)

❹ الاغانی/ الاصفهانی (١/ ٢٧)، الاعلام/ بیاسی (٢/ ١١)

ابوقطیفہ نے اس تکلیف دہ اندازہ میں مدینہ کی جدائی پر اپنے رنج والم کا اظہار اس طرح کیا۔

الا لیت شعری هل تغیر بعدنا
جنوب المصلی ام کعهدی

''کاش مجھے معلوم ہوتا کہ کیا ہمارے بعد جنوبی مصلی بدل گیا ہے یا ہمارے زمانے ہی کی طرح ہے۔''

و هل ادور حول البلاط عوامر
من الحی ام هل بالمدینة ساکن

''کیا شاہی محل کے اردگرد کی بستیاں آباد ہیں یا مدینہ میں کوئی ایک فرد بھی قیام پذیر ہے۔''

اذا برقت نحو الحجاز سحابة
دعا الشوق منی برقها المتیامن

''جب حجاز کی جانب کوئی بدلی چمکتی ہے تو اس کی بابرکت چمک میرے شوق کو دعوت دے دیتی ہے۔''

فلم أتر کنها رغبة عن بلادها
و لکنه ما قدر الله کائن [1]

''پس میں نے حجاز کو اس کے شہریوں سے بے اعتنائی و بے رغبتی کی وجہ سے نہیں چھوڑا لیکن اللہ تعالیٰ نے جو مقدر کیا تھا وہ ہو کر رہا۔''

اس طرح مدینہ کی اندرونی حالت عمومی نقل مکانی اور جنگ کی کیفیت جیسی ہوگئی، عبداللہ بن حنظلہ، محمد بن عمرو بن حزم، اور ابراہیم بن نعیم بن نحام وغیرہ مسجد آتے جاتے ہوئے زرہ پوش ہوا کرتے، [2] پورے باشندگان مدینہ پر ایک طرح سے فدائی جذبات اور شدید روحانی تڑپ کا غلبہ تھا، خاص طور پر اس لیے بھی کہ ان کا گمان تھا کہ فرمان نبوی ﷺ ((یعوذ عائذ بالبیت فیبعث الیه بعث ، فاذا کانوا ببیداء من الارض خسف بهم .)) اسی شامی لشکر پر صادق آرہا ہے، جس کا مطلب ہے کہ ایک

---

[1] الاعلام/ البیاسی (۲/ ۱۱۲)، الاغانی/ الاصفهانی (۱/ ۲۷) تاریخ المدینة/ ابن شبّه (۱/ ۲۹۷) ابوقطیفہ سے مراد عمرو بن ولید بن عقبہ بن معیط اموی ہیں جنھیں ابوقطیفہ کی کنیت سے یاد کیا جاتا تھا کیوں کہ ان کے جسم میں بالوں کی کثرت تھی، اموی حجازی شاعری ہیں تقریباً ۷۰ھ میں وفات ہوئی، الاغانی (۱/ ۲۲) من اسمه عمرو من الشعراء، مولف ابن الجراح ص (۲۳)

[2] المحن/ ابوالعرب ص (۱۷۵) عن واقدی

طالب پناہ خانہ کعبہ کی پناہ لے گا، پھر اس کی طرف ایک لشکر بھیجا جائے گا، اور جب اس لشکر کے فوجی مقام بیداء پر پہنچیں گے تو انھیں دھنسا دیا جائے گا، اور ایک روایت میں ہے کہ ((ھی بیداء المدینة)) [1] اس سے مدینہ کا بیداء مراد ہے۔ اسی لیے وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتے اور آپ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھتے۔ [2]

واضح رہے کہ قیادت کا مسئلہ اس وقت تک خود اہل مدینہ میں ختم نہیں ہوا تھا، اکابرین و سادات قریش میں سے جو اقتدار کے خواہاں تھے، ان کے درمیان اس معاملے کو لے کر باہمی چپقلش اولین علامت کے طور پر ظاہر ہو چکی تھی کہ قریش کی قیادت کون کرے گا۔ [3] چناں چہ اس سلسلے میں عبداللہ بن مطیع، ابراہیم بن نعیم، [4] عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی ربیعہ المخزومی [5] اور محمد بن ابی جہم [6] کے نام پیش کئے گئے، جب کہ ان کے علاوہ مہاجرین کے قبائل نے معقل بن سنان اشجعی کا نام منتخب کیا، [7] اور انصار نے عبداللہ بن حنظلہ کو امیر بنانے کے لیے کہا۔ [8]

بظاہر یوں لگتا ہے کہ اموی اقتدار کے مخالفین کو یہ احساس ہو چکا تھا کہ اجزاء مدینہ کی یہ مختصر سی تعداد لے کر شامی فوج کے ساتھ جنگ آزمائی کرنا مشکل ہی نہیں محال ہے، اس لیے بحث و مباحثہ اور رائے مشورے

---

[1] صحیح مسلم (٤/ ٢٢٠٩، ٢٢١٠) المسند/ ابن الجعد (٢/ ٩٦٥)، ابن شبه تاريخ المدينة (١/ ٣٠٩) مستدرك حاكم (٤/ ٤٢٩)، ابن جمع الصیداوی نے اپنی معجم الشیوخ ص (١٩٠) پر اس کی تخریج کی ہے۔ سنن ابی دائود مع العون (١١/ ٣٨٠) تحفة الاحوذی (٦/ ٣٩٢)

[2] امام نووی تهذيب الاسماء واللغات میں فرماتے ہیں کہ ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۹ھ میں ہوا اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور یہی صحیح ہے اور امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں ۶۱ھ کو ترجیح دی ہے اور واقعہ حرہ ۶۳ھ میں پیش آیا ہے۔ اب ایسی صورت میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے رجوع کیا معنی رکھتا ہے کیا یہ جھوٹ نہیں ہے؟ (ش)

[3] طبقات ابن سعد (٥/ ١٤٦) عن الواقدی، المحن/ ابو العرب ص (١٧٤)

[4] ابراہیم بن نعیم بن نحام قبیلہ قریش کی شاخ بنو عدی سے تھے، متقی اور عابد صحابی رسول تھے، معرکہ حرہ میں ۶۳ھ میں شہید ہوئے۔ ابن سعد (٥/ ١٧٠، ١٧١)

[5] عبدالرحمن بن عبدالله بن ابی ربیعه المخزومی، قریش کے شرفاء و اکابرین میں سے تھے، انھیں احول کہا جاتا تھا۔ نسب قریش/ مصعب زبیری ص (٣١٨)

[6] محمد بن ابی جہم بن حذیفہ قریش کی شاخ بنو عدی سے تھے، حرہ کے سرداروں میں سے تھے، مسلم بن عقبہ نے انھیں قتل کیا تھا۔ نسب قریش/ مصعب زبیری ص (٣٧١)

[7] تاريخ خليفه ص (٢٣)

[8] تاريخ خليفه ص (٢٣) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سب قیادت کے بھوکے تھے، ان کی ساری کارروائی قیادت کے حصول کے لیے تھی۔ (ش)

کے بعد اہل مدینہ دو ناموں پر متفق ہوئے، ایک تو عبداللہ بن مطیع جو قریش کی امارت سنبھالیں، اور دوسرے معقل بن سنان اور ان کے ساتھی ان کے ساتھ رہیں۔ ❶ جب کہ انصار کے مطالبہ کے مطابق عبداللہ بن حنظلہ کو ان پر امیر مقرر کیا گیا اور دیگر امیدواروں کو امارت کی جگہ پر میدانی قیادت سونپی گئی کہ جس کے ذریعہ وہ محکم طریقہ پر اپنی جنگی سیاست کو بروئے کار لائیں۔

درحقیت فوجی امارت کے لیے اس طرح اختلاف کا ابھرنا، پھر دو امیروں کی اہلیت پر اتفاق کرنا اور پھر فریقین کا دو دھڑوں میں اس طرح ہونا کہ انصار کا امیر الگ ہو، اور قریش کا الگ، یہ ساری باتیں اس بات کی غماز ہیں کہ ان کے مواقف ونظریات میں ہم آہنگی نہیں تھی، اور معرکہ کے بعد کے نتائج موہوم تھے، بالفاظ دیگر گویا اہل مدینہ اپنے معرکہ میں جس ناکامی کے آثار دیکھ رہے تھے وہ پہلے ہی کھل کر آنکھوں کے سامنے آچکی تھی اور اسی حالت کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو کہ اس فتنہ سے دور طائف میں تھے، کہا تھا: "هلك القوم" ❷ قوم تباہ وبرباد ہوگئی۔

اس تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے آپ یہ نہ بھولیں کہ صرف بلاذری ایک ایسے مورخ ہیں جو کہتے ہیں کہ جب ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ ان کے بھائی عمرو بن زبیر قتل کر دیئے گئے ہیں تو انھوں نے یزید سے بیعت توڑ لیا اور اہل مدینہ کو اس کی اطلاع دی، جس کی وجہ سے باشندگان حجاز ابن زبیر کے حکم اور ان کی اطاعت کے تابع ہوگئے، اور عبداللہ بن مطیع العدوی ❸ نے اہل مدینہ کے ابن زبیر کے لیے بیعت لی۔" بلاذری اس قول کے تنہا ناقل ہیں، اس باب میں ان کا کوئی متابع نہیں ہے، علاوہ ازیں آپ دیکھ چکے ہیں کہ فوجی قیادت سنبھالنے کے بارے میں خود اہل مدینہ میں اختلاف رہا جس سے بلاذری کے اس قول کی تردید ہوتی ہے۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ بلاذری نے مدینہ میں رونما ہونے والے حوادث وواقعات کو ابن زبیر سے اس لیے جوڑا ہے کہ دونوں کی تحریک میں کافی حد تک قربت ومشابہت پائی جاتی تھی، اتنی مشابہت کہ اگر کوئی باریک بینی سے جائزہ نہ لے تو پہلی نگاہ میں اس کا ذہن اسی طرف جائے گا کہ دونوں ہی ایک تحریک تھیں۔

اسی طرح اقتدار وامارت کے اعتبار سے دونوں مخالفتوں (یعنی اہل مدینہ اور ابن زبیر) کے درمیان جو

---

❶ الاصابة/ ابن حجر (٥/ ٢٦) زبير بن بكار

❷ تاريخ خليفه بن خياط ص (٢٣٧) بسند صحيح۔ ابن عساكر، ترجمه عبدالله بن زبير ص (٢١٤) يعقوب سے بسند صحيح۔

❸ انساب الاشراف (٤/ ٣١٩) عن واقدی، اسد الغابة/ ابن الاثير (٣/ ٣٣٩)

تیسری تقسیم منظر عام پر آئی اس نے محمد جمال سرور کے ذہن میں یہ غلط فہمی پیدا کر دی کہ ابن حنظلہ خود خلافت کے دعوی دار بن بیٹھے، وہ لکھتے ہیں: ''لوگ مدینہ میں بھڑک اٹھے، یزید کی بیعت توڑنے کا اعلان کر دیا، اور ابن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کرلیا، اس طرح خلافت کے لیے بیعت کرنے والوں کی تعداد تین تک پہنچ گئی (۱) دمشق میں یزید بن معاویہ (۲) مکہ میں عبداللہ بن زبیر اور (۳) مدینہ میں عبداللہ بن حنظلہ۔ [1]

محمد بن سرور کا یہ نتیجہ اخذ کرنا حقیقت سے بہت دور ہے جسے ہر وہ شخص جان سکتا ہے جسے مخالفت کی طبیعت ومزاج سے واقفیت ہے اور جانتا ہے کہ کن وجوہات پر یہ مخالفتیں پیدا ہوئیں تھیں۔ [2]

بعض تاریخی مصادر میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ یزید بن معاویہ نے نعمان بن بشیر انصاری کو اپنے اور اہل مدینہ کے درمیان واسطہ کے طور پر استعمال کیا تھا یعنی انھیں اہل مدینہ کے پاس اپنا نمائندہ بنا کر یہ پیغام دیا تھا کہ وہ انھیں فتنوں اور ان کے برے انجام سے ڈرائیں اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ باقی رہنے کے لیے انھیں قانع اور مطمئن کریں۔ چناں چہ اس روایت میں آیا ہے کہ ابن مطیع نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما پر اعتراض کرتے ہوئے ان سے کہا: اے نعمان! ہماری جماعت میں پھوٹ ڈالنے، اور ہمارے معاملہ میں فساد وبگاڑ پیدا کرنے کیوں آئے ہو؟ نعمان نے کہا: اللہ کی قسم! میں تمھارے بارے میں گویا یہ محسوس کر رہا ہوں کہ تم نے جس -مصیبت- کو دعوت دی ہے وہ نازل ہو چکی ہے، اور مرد میدان گھٹنوں کے بل کھڑے ہو چکے ہیں جو اپنی تلواروں سے قوم کے سروں اور پیشانیوں کو چیر رہے ہیں، دونوں فریق میں موت کی چکی گھوم چکی ہے، جب کہ تو اپنے خچر پر سوار ہو کر مکہ کی طرف اسے ہنکاتے ہوئے بھاگ نکلا ہے، اور ان مسکینوں -انصار- کو بے یار و مددگار ان کی گلیوں، مسجدوں اور گھروں کے دروازوں پھر چھوڑ دیا ہے کہ وہ بے چارے مارے جائیں، اس وقت سامعین نے نعمان کی بات مانی نہ ان کی رائے پر کوئی توجہ دیا۔ [3]

یہ روایت ایک منفرد طرز فکر کی حامل ہے یعنی کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ مستقبل میں پیش آنے والی معرکہ کا نتیجہ پیشگی محسوس کر رہے تھے، لیکن اہل مدینہ اور یزید کے درمیان واسطے کا یہ عمل نعمان نے کب انجام دیا اس کی تحدید نہیں ہو پاتی۔ ہاں ابن مطیع کے اعتراض سے اتنا اشارہ ضرور ملتا ہے کہ یہ جلد ہی ہوا تھا پھر طبری اور بلاذری کا اسے یزید سے اہل مدینہ کی بیعت شکنی کے بعد ذکر کرنا یہ پتہ دیتا ہے کہ انھوں نے درمیانی نمائندگی

[1] الحیاۃ السیاسیة فی الدولة العربیة الاسلامیة ص (۱۰۷)

[2] تلمسانی کا خیال ہے کہ ابن حنظلہ، ابن زبیر کے کارندے تھے، اور یہ دونوں تحریکوں میں غایت درجہ مشابہت کا نتیجہ ہے۔ الجمان فی اخبار الزمان/ تلمسانی ق ۱۱٤أ

[3] الامم والملوك/ طبری (٥/ ٤١٨١) عن ابی مخنف، انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٣٢١) عن ابی مخنف، البدایة والنهایة (٨/ ٢١٧)

کا یہ عمل اس وقت انجام دیا جب یزید کو یہ خبر ہوگئی کہ اہل مدینہ ان سے بیعت خلافت توڑ چکے ہیں۔ لیکن یہ ثالثی اور درمیانی نمائندگی فطری طور پر مشکوک اور خاص کر اس تاریخ میں جسے طبری اور بلاذری نے ذکر کیا ہے چناں چہ بیعت یزید بن معاویہ سے ہاتھ کھینچنے کے بعد حوادث یکے بعد دیگرے بڑی تیزی سے اور حیران کن انداز میں پیش آتے گئے، مدینہ میں بسنے والے امویوں کا محاصرہ ہوا، اورانھوں نے یزید بن معاویہ سے مدد مانگی، اور ابھی وہ ایلچی یزید کے پاس جانے کے لیے مدینہ سے نکلا بھی نہ تھا کہ اس نے اس لشکر کی تیاری کو دیکھ لیا جو عنقریب مدینہ کی طرف روانہ ہونے والا تھا۔ [1] بلکہ بعض روایتیں یہ ذکر کرتی ہیں کہ لشکر کی تیاری میں صرف تین دن سے زیادہ نہیں لگا تھا۔ [2] یہ ساری باتیں اس تاریخ میں یزید اور اہل مدینہ کے درمیان کسی بھی واسطے کو خارج ازامکان قرار دیتی ہیں۔

علاوہ ازیں یہ بھی بعید از قیاس ہے کہ مدینہ کی اس دھماکہ خیز صورتحال میں یزید اس بات کا انتظار کرتے کہ وہاں اپنا ایک نمائندہ بھیجیں جو ایک مہینہ کے بعد لوٹ کر آئے اور خبر دے کہ مدنیوں نے اپنے مطالبات کے آگے کچھ بھی نہ سننے کا عزم کر رکھا ہے پھر وہ اس کے بھی منتظر نہ رہتے کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما ان لوگوں کو سمجھائیں جنھوں نے بیعت سے ہاتھ کھینچ لیا ہے اور ان کے اقرباء و خاندان والوں کو محاصرہ میں رکھا۔ غالبًا اس سلسلے میں راجح بات یہ ہے کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کی یہ ثالثی یزید بن معاویہ اور ابن زبیر کے درمیان تھی جب وہ مکہ میں تھے، ایسی صورت میں نعمان کا مدینہ سے گزرنا یقینی تھا جہاں یزید کے اقرباء و انصار خاندان کے لوگ بستے تھے، اور اس وقت بیشتر باشندگان مدینہ ابن زبیر کی طرف رجحان رکھتے تھے، اور ان کے موید تھے، لہٰذا وقت کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے نعمان نے انھیں نصیحت کیا اور بدتر حالات سے ڈرایا، خاص طور سے جب آپ نے یہ محسوس کیا یہ لوگ خودمختاری چاہتے ہیں اور یزید کے خلاف بغاوت پر مصر ہیں۔

۳۔ شامی فوج سے مقابلہ کے لیے اہل مدینہ کی تدبیریں:

قیادت کے مسئلہ میں درپیش الجھن ومشکلات سے جب اہل مدینہ فارغ ہوئے اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ عبداللہ بن مطیع قریش اور مہاجر قبائل کی قیادت کی باگ ڈور سنبھالیں گے اور عبداللہ بن حنظلہ انصار کے امیر ہوں گے تو وہاں کی عوامی اکثریت اب اس فکر سے دوچار تھی کہ اہل مدینہ شامی فوج سے مقابلہ کرنے کی کہاں تک طاقت رکھتے ہیں؟ پھر یہ کہ شامی فوج سے معرکہ آرائی کے لیے کون سی تدبیر اختیار کی جائے؟ ایسا لگتا ہے کہ عبداللہ بن حنظلہ کو اس خطرنا کی کا بھرپور احساس تھا جو شامی فوج کے ساتھ معرکہ آرائی کے نتیجہ میں سامنے

---

[1] الامم والملوك/ طبری (٥/ ٤٨٤) عن ابی مخنف

[2] تاریخ خلیفه ص (٢٣٧) عن وهب بن جریر عن ابیه۔

آنے والا تھا، انھیں معلوم تھا کہ ہمارا مقابلہ ایک منظّم اور تجربہ کار شامی فوج سے ہونے والا ہے جسے اس میدان میں صلاحیت اور مہارت حاصل ہے، پس ان کی صلاحیت و تنظیم مدنیوں کی ہزیمت کا سبب بن سکتی ہے، جب اس کے مقابلے میں اہل مدینہ قوی ترین جذبات سے ضرور لبریز ہیں لیکن ان میں نہ کوئی مخصوص جنگی تدبیر و مہارت ہے اور نہ ہی پہلے سے کوئی پیش بندی اور تنظیم، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں نے ابن حنظلہ سے موت پر بیعت کیا، تاکہ شامی فوج کے ساتھ جب معرکہ آرائی ہو تو پھر کامیابی ہاتھ آئے یا لڑتے لڑتے جان دے دیں۔ [1] اس موقع پر عبداللہ بن زید بن عاصم المازنی رضی اللہ عنہ نے موت پر بیعت کرنے سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی سے موت پر بیعت نہیں کر سکتا۔ حالاں کہ معرکہ حرۃ میں آپ کی بھی شرکت رہی۔ [2]

اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی اہل مدینہ کے اقدام کی خطرناکی سمجھ رہے تھے، کیوں کہ انھوں نے ایک طرف یہ شرعی غلطی کی تھی کہ خلیفۃ المسلمین کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا تھا اور مسلمانوں کے اتحاد کو نقصان پہنچایا تھا، اور دوسری طرح یہ جنگ مدینہ جیسی مقدس سرزمین میں اور انھیں کے گھروں میں چھیڑی تھی، پس یہاں جنگ کی ہرتہ میں ہلاکت خیزی اور بربادی پوشیدہ تھی، اور جن کے جو مہلک نتائج اور اس کی ہولناکیاں ہیں انھیں جذباتی لوگ پہلی نگاہ میں نہیں بھانپ پاتے۔

چوں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ابن مطیع سے قرابت داری تھی اور وہ اہل مدینہ کے بڑے گروہ کی قیادت کر رہے تھے اس لیے آپ نے پہلے انھیں ہی سمجھانے کی کوشش کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((من خلع يدا من طاعة لقى الله يوم القيامة لاحجة له، و من مات و ليس فى عنقه بيعة مات ميتة جاهلية.)) [3]

"جس نے (خلیفۃ المسلمین کی) اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال

---

[1] تاريخ خليفه (٢٣٦) جويريه بن اسماء تك بسند صحيح۔ طبرى (٥/ ٤٩٥) جویریہ تک باسناد صحيح ابن عساكر ص (٢٠٩) ترجمه عبدالله بن حنظله، بسند خليفه

[2] صحيح البخارى مع الفتح (٧/ ٨٥٣، ٤١٦٧) مسند احمد (٤/ ٤١) بسند صحيح۔ مستدرك حاكم (٣/ ٥٢٠) آپ نے کہا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے لیکن انھوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔ ابن عساکر، ترجمه عبدالله بن حنظله ص (٢١١)

[3] صحيح مسلم مع النووى (١٢/ ٢٤٠)، مسند احمد (٨/ ٧١، ٥٧١٨) احمد شاکر نے کہا کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔ السنة/ ابن ابى عاصم (٢/ ٥١٤، ١٠٨١) البداية والنهاية (٨/ ٢٣٦) بسند ابوالقاسم البغوى۔

میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت (عذر) نہیں ہوگی اور جو اس حال میں مرا کہ اس کے گردن میں (خلیفۃ المسلمین کی) بیعت نہ رہی وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

لیکن ابن مطیع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی نصیحت نہیں قبول کیا اور ان کے بیٹوں میں سے ایک نے ابن مطیع کو دوبارہ نصیحت کے لیے کہا اور کہا کہ انھیں فتنہ سے ڈرائیں، تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیتے ہوئے کہا: وہ میری بات نہیں سنتے، انھیں جو کرنا تھا کر گزرے، میرے بیٹے! یہ جو کچھ آفت آئی ہے اللہ کی نگاہ میں ہے، اگر اللہ اس میں تبدیلی چاہے گا تو وہی کرسکتا ہے، یہ دروازہ بند نہیں ہوگا تا آنکہ یہ دوسرے کے ہاتھ میں چلا جائے، میرے عزیز! امن وامان اور ناپسندیدگی میں صبر جیسی بھلائی ہم نے اس فتنہ میں نہیں دیکھی جو لوگوں کی کمر توڑ دے اور مال و جائداد بھی چلا جائے۔ ❶

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی نگاہ میں اہل مدینہ کا یزید کی اطاعت سے ہاتھ کھینچنا اور اس کے لشکر سے جنگ لڑنا غداری و بغاوت تھی جس کا کوئی جبر نہ تھا، اسی لیے آپ کو ڈر تھا کہ کہیں میری اولادوں، یا خادموں میں سے کوئی اس فتنہ میں شریک نہ ہو جائے، آپ نے انھیں اکٹھا کیا اور خبردار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((ینصب لکل غادر لواء یوم القیامۃ .))

قیامت کے دن ہر غدار و بدعہد کے لیے (اس کی کمر پر) جھنڈا گاڑا جائے گا۔''

آپ نے انھیں سمجھایا کہ ہم نے اس شخص سے بیعت اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کی بنا پر کی ہے اور میں اس سے زیادہ بدعہدی و غداری کسی اور چیز کو نہیں سمجھتا کہ ایک شخص اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کی بنا پر بیعت کیا جائے پھر اس کے لیے جنگ کھڑی کی جائے، میں تو تمھارے بارے میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا کہ اگر کسی نے بیعت سے ہاتھ کھینچا یا دوسرے سے بیعت کر لیا تو یہی ہمارے اور اس کے درمیان جدائی ہوگی۔ ❷

اہل مدینہ جس جنگ آزمائی کی طرف قدم بڑھا رہے تھے اس کے مہلک انجام کو تنہا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی نہیں بلکہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بھی محسوس کر رہے تھے، وہ اکثر انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھتے اور کہتے تھے یہ تصادم چنندہ واہم ترین لوگوں کو کھا جائے گی۔ ❸

---

❶ الاعلام/ البیاسی (۲/ ۱۰۷) عن طریق الواقدی

❷ صحیح البخاری مع الفتح (۱۳/ ۷٤) مسند احمد (۷/ ۱۱۲، ۸/ ٦٦) طبقات ابن سعد (٤/ ۱۸۳) معجم صغیر طبرانی (۱/ ۲۰۸، ۳۳۳) الاباطیل / جوزقانی (۱/ ۲٦۳) لکھا ہے کہ: ھذا حدیث صحیح۔

❸ المحن/ ابوالعرب (۱۷٤) عن الواقدی

مدینہ میں تیاریاں بڑی زور وشور سے جاری تھیں کیوں کہ انھیں معلوم تھا کہ شامی فوج ان کی طرف راستے میں ہے، لہٰذا ان کی پہلی جنگی منصوبہ بندی میں یہ طے پایا کہ شامی فوج کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کی جائیں اور اسے ہر ممکن طریقے سے مدینہ تاخیر سے پہنچنے دیا جائے، چناں چہ اس منصوبہ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے انھوں نے چند لوگوں پر مشتمل ایک گروہ آگے بھیجا کہ شامی فوج کے راستے میں جو کنویں اور چشمے میں انھیں جہاں تک ممکن ہو سکے مٹی اور ریت سے پاٹ دیا جائے، یا اس کے پانی میں تاڑ کول ملا دیا جائے تا کہ وہ شامی فوج کے استعمال کے لائق نہ رہے، لیکن تاریخ خلیفہ کی روایت بتاتی ہے کہ اہل مدینہ کا یہ منصوبہ ناکام رہا اس لیے کہ شامی فوج کو مدینہ پہنچنے تک کہیں بھی پانی لینے کی ضرورت نہیں پڑی کیوں کہ راستے بھر ان کا سابقہ تیز بارش سے رہا، [1] اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حملہ موسم گرما کے آخری ایام میں ہوا تھا جس میں عموماً زیادہ بارش ہوا کرتی ہے۔

اہل مدینہ کا دوسرا منصوبہ جس کے بارے میں انھوں نے مشورہ کیا تھا وہ یہ تھا کہ شامی فوج سے مقابلہ مدینہ کے اندر ہو یا باہر ایسا لگتا ہے کہ مدینہ کے چاروں طرف خندق کھود کر داخل مدینہ لڑائی کرنا زیادہ لوگوں کا خیال تھا، اسی لیے یہ رائے آنے پر کسی طرف سے کوئی قابل ذکر اعتراض نہیں ہوا۔ دراصل اس رائے پر اتفاق ہونے کے کئی اسباب بھی تھے:

۱۔ ایک تو نبی اکرم ﷺ کی اقتداء و پیروی کہ جب ۵ ھ میں مختلف لشکروں (احزاب) نے مدینہ پر دھاوا بول دیا تو آپ نے خندق کے بارے میں مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کیا اور جیسا کہ آپ ﷺ نے مدینہ کو ایک محفوظ قلعہ قرار دیا تھا وہ ویسے ہی رہا۔ [2]

۲۔ دوسری وجہ یہ کہ ان میں اور شامی فوج میں تعداد و تیاری کے اعتبار سے کافی فرق تھا، شامی فوج کی تعداد بارہ ہزار تھی، جب کہ اہل مدینہ کی تعداد واقدی کی روایت کے مطابق فقط دو ہزار تھی۔ [3] شاید اہل مدینہ کا یہ خیال تھا کہ مدینہ کے اندر رہ کر لڑنا، اور وہاں کھانے پینے کا انتظام نیز ہر جنگجو کا اپنے اہل خانہ کے تئیں اطمینان یہ ساری باتیں جنگ میں اپنے مال و جائداد، اہل وعیال اور اپنی جان کی طرف سے دفاع کرنے میں تقویت کا ذریعہ بنیں گی۔ جب کہ اس کے بالمقابل شامی فوج خاطر خواہ کارروائی سرانجام نہ

---

[1] تاریخ خلیفہ ص (۲۳۸) جویریہ تک بسند صحیح، طبری (۵/ ۴۹۰) جویریہ تک بسند صحیح۔

[2] طبقات ابن سعد (۲/ ۵۴)، ہمارے استاد اکرم العمری اس حدیث پر نوٹ لکھتے ہیں: اس کی سند کے رجال ثقہ ہیں، اس میں ابوزبیر کا عنعنہ ہے اور وہ مدلس راوی ہیں۔ المجتمع المدنی فی عهد النبوة ص (۶۷) الفتح الربانی (۱۷/ ۲۲۱) ساعاتی کہتے ہیں: سند صحیح ہے۔ مسند احمد (۴/ ۱۴۶، ۲۴۴۵) احمد شاکر نے کہا کہ سند صحیح ہے۔

[3] طبقات ابن سعد (۵/ ۱۴۶) بسند واقدی، الاعلام/ البیاسی، بسند واقدی (۲/ ۱۲۴)

دے پانے کی وجہ سے اکتاہٹ کا شکرا ہوگی، اور پھر تاخیر کی وجہ سے فوجیوں کے جذبات رفتہ رفتہ سرد پڑ جائیں گے پھر اہل مدینہ کا ہدف بھی یہی تھا کہ محاصرہ اور جنگ دونوں ہی طول کھینچیں تو بہتر ہوگا تا کہ بلاد حجاز کے دیگر علاقوں سے بھی معاون فوجیں آ جائیں اس کا زبردست اثر یہ ہوگا کہ جنگ کا نقشہ اور نتیجہ دونوں بدل جائے گا۔

چناں چہ اہل مدینہ نے مدینہ کے اردگرد خندق کھودنا شروع کر دیا جو پندرہ دنوں تک جاری رہا، قبائل کے حساب سے ہر قبیلہ کے ذمہ جنگی محاذ سپرد کئے گئے، چناں چہ راتج ❶ سے مسجد احزاب ❷ کا درمیانی علاقہ قبیلہ قریش کے سپرد کیا گیا، اور مسجد احزاب سے بنوسلمہ ❸ تک انصار کے حوالے کیا گیا جب کہ موالی مدینہ کو راتج سے بنوعبدالاشہل ❹ تک ❺ جو کہ دور نبوت کی خندق تھی، کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ❻

بہرحال جس وقت مدینہ نبوی میں جنگی تیاری پوری چستی و درستگی اور پورے جذبے و حرارت سے جاری تھی مسلم بن عقبہ کی فوج مدینہ سے قریب ہو چکی تھی یہاں تک کہ جب وہ وادی القری ❼ پہنچے تو وہاں بنوامیہ کے وہ لوگ آ ملے جو مدینہ سے بھگائے گئے تھے، اس وقت مسلم بن عقبہ نے عمرو بن عثمان بن عفان سے مدینہ اور اہل مدینہ کے بارے میں دریافت کیا، لیکن انھوں نے رہائی کے دوران اہل مدینہ سے کئے ہوئے اپنے عہد و پیمان کی رعایت کرتے ہوئے کسی بھی طرح کی معلومات دینے سے انکار کر دیا، مسلم بن عقبہ نے انھیں دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ اگر تم عثمان بن عفان کے بیٹے نہ ہوتے تو قتل کر دیئے جاتے، پھر مسلم نے قسم کھا لیا کہ ان کے علاوہ اب کسی سے یہ جواب قابل قبول نہیں ہوگا، پھر انھوں نے مروان بن حکم سے مدد چاہی، تو مروان نے اپنے بیٹے عبدالملک کو حکم دیا کہ مسلم بن عقبہ کی مدد کے لیے جاؤ، چناں چہ عبدالملک مسلم کے پاس آئے اور ان سے کہا: میری رائے ہے کہ تمھارے ساتھ جو لوگ ہیں انھیں لے کر مدینہ کی طرف آگے بڑھئے، اور جب وہاں سے قریب تر کھجور کے باغ کے پاس پہنچیں تو وہیں پڑاؤ ڈال دیں، کہ لوگ قیلولہ کر لیں، اور

❶ مدینہ کے قلعہ بند محلوں میں سے ایک محل ہے۔ وادی بطحان کے مغربی سمت میں چھوٹی پہاڑی کی شکل میں واقع ہے۔ شام کی طرف جھکتے ہوئے ذیاب کے مشرق میں ہے۔ وفاء الوفاء (٤/ ١٢١٥) المغانم المطابة (١٤٩)

❷ جبل سلع سے مغرب میں یہی آج مسجد فتح ہے۔ ابن شبہ (١/ ٥٨) المطری (١٤٠) مساجد سبعہ کے بغل میں ہے۔

❸ بنوسلمہ کی آبادی مسجد قبلتین سے، حرہ وبرہ کے کنارے تک پھیلی تھی، السمهودی (١/ ٢٠١)

❹ بنوعبدالاشہل کے مکانات حرہ شرقیہ کے شمالی طرف واقع تھے۔ السمهوی (١/ ١٩١)

❺ الاعلام/ البیاسی (١/ ٢٩) عن الواقدی السمهودی (٤/ ١٢٥-١٢٠٦)

❻ السمهودی، وفاء الوفاء (٤/ ١٢٠٥) عن الواقدی

❼ آج یہ وادی العلا کے نام مدینہ کے شمال میں ٣٠٠ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے، یہ وادی جزل میں گرتی ہے اور وادی جزل وادی حمض (اضم) میں، معجم البلدان، بلاذری (٢٥٠)

وہاں کی کھجوریں کھائیں اور جب رات ہو جائے تو پہرہ داروں کو جگا دیں یہاں تک کہ جب انھیں فجر کی نماز پڑھا دیں تو مدینہ کو بائیں جانب چھوڑتے ہوئے لوٹ آئیں پھر صبح روشن ہوتے ہوئے مدینہ گھوم کر حرہ کی طرف سے ان تک پہنچیں، پھر جب صبح کا سورج نکل چکا ہو تب آپ ان کا سامنا کریں درانحالیکہ سورج پشت سے تمھارے ساتھیوں کے کندھوں سے گزر کر ان کے چہروں کے سامنے ہو اور اس کی گرمی و چمک انھیں تکلیف دے نیز صبح سورج کے اجالے میں جب تم پر ان کی نظر پڑیں تو تمھارے آلات حرب وضرب متحد ہوں، نیزوں کے پھل، تلواروں کی دھاریں، تمھارے ہتھیار اور ڈھالیں تیار ہوں، پھر تم ان سے قتال کرو اور اللہ کی مدد مانگوں وہ تمھارا مددگار ہے کیوں کہ انھوں نے امام المسلمین کی مخالفت کی ہے، اور مسلمانوں کی جماعت سے حروج کیا ہے۔ [1]

اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عبدالملک نے مسلم بن عقبہ کو مدینہ کے صرف سرحدوں اور پناہ گاہوں کی اطلاع نہیں دیا بلکہ ان کے لیے ایک محکم جنگی منصوبہ تیار کیا جس میں اس بات کی بھی رعایت کیا کہ اس منصوبہ کے ذریعہ مدنیوں کو نفسیاتی طور پر توڑ دیا جائے، اس منصوبہ بندی کو دیکھ کر مسلم بن عقبہ عبدالملک سے اپنی خوشی کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے اور ان کے والد مروان بن حکم کے سامنے ہی ان کی تعریف کرنے لگے۔ [2]

بہر حال مسلم بن عقبہ نے عبدالملک بن مروان کے منصوبہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے قدم آگے بڑھائے اور جُرف [3] پہنچے، پھر وہاں سے اپنے فوجیوں کی ایک جماعت کو اہل مدینہ کی تیاریوں کے بارے میں جانکاری حاصل کرنے کے لیے مدینہ میں بھیجا، لیکن اس کے چاروں طرف اہل مدینہ کی تیاری، بیداری اور مستحکم طاقت دیکھ کر مبہوت رہ گئے اور اس کمزور نقطہ (پوائنٹ) کی تحدید نہیں کر سکے کہ جہاں سے گزر کر ان کی فوج وسط مدینہ میں اتر جاتی۔ [4]

ایسا لگتا ہے کہ اہل مدینہ کی جنگی تیاری مدینہ کے چاروں سمت فوجیوں کے چار گروہوں کے سپرد تھی، ہر سمت کا قائد اپنے فوجیوں کے ساتھ اس میں محاذ پر لگا ہوا تھا اس طرح مدینہ سب سے زیادہ محفوظ اور مستحکم جگہ تھی، اسی سلسلہ میں ابن مطیع بھی ایک جہت کے امیر تھے، جب کہ ابن حنظلہ دوسری اور عبدالرحمٰن بن ازہر بن

---

[1] طبقات ابن سعد (٥/ ٢٢٥) بسند واقدی، انساب الاشراف (٤/ ٣٢٣) بسندابو مخنف۔ طبری (٥/ ٤٨٦) عن ابی مخنف، الاعلام/ البیاسی (٢/ ١١٧)، البدایة والنهایة (٨/ ٢٢٢) عقدالجمان/ العینی ق ٢٨٦ ب

[2] طبری (٥/ ٤٨٦) عن ابی مخنف، البیّاسی (٢/ ١١٨)

[3] یہ جگہ آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔ وادی عقیق کے مغرب میں شہدائے احد کے محاذات میں واقع ہے۔

[4] وفاء الوفاء/ سمهودی (١/ ١٢٩) عن واقدی

عوف جو کہ عبدالرحمٰن بن عوف کے ابن عم تھے۔ تیسری جہت میں ایک خندق پر مامور تھے۔ ابن حنظلہ مشرقی سمت میں تھے اسی سمت مسلم بن عقبہ کا نزول ہوا تھا اور عام فوجی قیادت صرف دو امیروں کے ہاتھ میں تھی ایک ابن حنظلہ اور دوسرے ابن مطیع [1] جب مسلم بن عقبہ جوف سے آگے بڑھے تو حرہ شرقیہ میں جا اترے جو کہ حرہ واقم کہلاتا ہے۔ [2] پھر انھوں نے وہاں اہل مدینہ کی چند اہم شخصیات کو بلایا، غالباً یہ وہی لوگ تھے جن کے ہاتھوں قیادت تھی پھر ان سے مخاطب ہوئے اور کہا: بے شک امیر المومنین یزید بن معاویہ کا خیال ہے کہ آپ لوگ اصل ہیں، اور میں تمھاری خونریزی کو ناپسند کرتا ہوں، میں تمھیں تین باتوں کی نصیحت کرتا ہوں، اگر تم نے حق کی اتباع کر لی، اور اطاعت میں داخل ہو گئے تو میں اس ملحد کی طرف چلا جاؤں گا جو مکہ میں ہے، یعنی ابن زبیر کی طرف اور اگر تم نہیں مانتے تو جان لو میں تمھیں معذرت کا موقع دے چکا ہوں۔ [3]

پھر جب مسلم بن عقبہ کی طرف سے مہلت کی تین ایام گزر گئے تو انھوں نے کہا: اے لوگو! امیر المومنین تمھاری خونریزی نہیں چاہتے ایک زمانہ سے وہ تمھیں چھوڑے ہوئے ہیں کیوں کہ وہ تمھارے ہی حسب و نسب سے ہیں، تم ان کے اصل ہو، لہٰذا اپنے متعلق اللہ سے ڈرو، اللہ کے عہد و میثاق کے حوالے سے تمھیں دو حکومتی سطح پر دو عطایا ملتے ہیں ایک موسم سرما میں اور دوسرے گرما میں۔ اور میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ گیہوں کی قیمت تمھارے لیے خبط (درخت کے گرے ہوئے پتے) کی قیمت جیسی کروں گا ان دونوں خبط کی قیمت سات صاع کی صرف ایک درہم ہوتی تھی، لیکن اہل مدینہ نے ایک نہ سنی، انھیں برا بھلا کہا اور یزید کو گالیاں دیتے ہوئے فاسق و فاجر کہہ ڈالا اور بیک زبان کہہ دیا کہ ہم جنگ لڑیں گے، ہم جنگ ہی لڑیں گے۔ [4]

اب اہل مدینہ شامیوں سے مقابلہ کے لیے اکٹھا ہو گئے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کے چاروں سمت میں جو قیادتیں متفرق طور پر موجود تھیں سب سمٹ کر شامی فوج کے مقابلے میں آ گئیں، صرف چند لوگ نگرانی کے لیے ان سمتوں میں باقی رہ گئے، اور پھر مدنیوں کی اکٹھا اتنی بڑی تعداد دیکھ کر اہل شام بھی گھبرا گئے۔ [5]

---

[1] المحاسن و المساوی/ بیہقی (۷/ ۸۸) عن ابی معشر، انساب الاشراف، بلاذری (٤/ ۳۳۳) اس کی سند کے سارے رجال ثقہ ہیں اس میں صرف ابن جعدہ ایک راوی ہے جسے امام مالک وغیرہ نے جھوٹا لکھا ہے۔

[2] ان زبالہ لکھتے ہیں کہ یہ نام بنو عبدالاشہل کے قلعہ بند محلوں کی وجہ سے پڑا ہے، کیوں کہ انھوں نے ان محلوں کا نام واقم رکھا تھا، اسی کی رعایت کرتے ہوئے اس سمت کی زمینوں کو حرہ واقم کہا جانے لگا۔ (تحقیق النضرة/ المراغی ص (۱۵۰)

[3] انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ۳۲۲-۳۲۳) عن ابی مخنف طبری (٥/ ٤٨٧) عن ابی مخنف

[4] انساب الاشراف (٤/ ۳۲۵) طبری (٥/ ٤٨٧)، المحاسن و المساوی/ بیہقی ص (۸۸)

[5] تاریخ خلیفہ ص (۲۳۸) جویریہ تك بسند صحیح۔ انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٤٣٤)، طبری (٥/ ٤٩٥) بن عساکر، ترجمہ ابن حنظلہ (۲۰۹) بسند خلیفہ

۴۔معرکہ حرہ:

جب مسلم بن عقبہ نے اہل مدینہ کی کثرت اور جنگ کے لیے ان کا عزم مصمم دیکھا تو ایک حیلے کا سہارا لیا، یعنی مروان بن حکم سے درخواست کیا کہ اہل مدینہ میں جو لوگ ان کے ملاقاتی ہوں ان سے بات کریں کہ کسی بھی طرف سے وہ مدینہ کی سرحد کھول دیں اور اس راستے سے شامی فوج مدینہ کے اندر گھس کر مدنیوں پر اچانک حملہ آور ہو جائیں۔ اس طرح مروان بن حکم نے بنو حارثہ کے کچھ لوگوں کو اس حوالے سے مطمئن کر لیا کہ وہ یزید کے یہاں ان کے فضائل و مرتبہ کو بیان کریں گے تا کہ گرفت سے بچ سکیں۔ ❶ اور پھر غالباً مسلم بن عقبہ کی طرف سے اہل مدینہ کو دی ہوئی مہلت کی مدت کے اندر ہی بنو حارثہ کے ساتھ مروان کا یہ اتفاق طے ہو گیا تھا کیوں کہ جنگ کی اولین گھڑیوں میں ہی شامی فوج مدینہ کے اندر داخل ہو چکی تھی۔

جب مسلم بن عقبہ نے جنگ آزمائی کے لیے مدنیوں کا اصرار دیکھا تو دونوں فوجوں کے درمیان اپنی چارپائی رکھ کر بیٹھ گئے، اور اپنے فوجی کارندوں سے مطالبہ کیا کہ اب یا تو میری طرف سے دفاع کرو یا مجھے مرنے کے لیے چھوڑ دو۔ ❷ مسلم کی اس تدبیر کا مقصد یہ تھا کہ اپنی فوج کی جوش وحمیت میں جنگ کی آگ لگا دیں تا کہ وہ پوری قوت و جوانمردی کے ساتھ اپنے قائد کی طرف سے دفاع کرے۔

اب دونوں طرف سے سخت جنگ کا آغاز ہو چکا تھا، لیکن یہاں ایک حیرت انگیز اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ اہل مدینہ خندق کو پیچھے چھوڑ کر شامی فوج سے راست مقابلہ کے لیے کیوں آگے نکل گئی؟؟ اس سوال کا جواب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ ان کا مقصد شامی فوج کی ابتدائی جنگی جوش و جذبہ کا اندازہ لگانا تھا، تا کہ اگر مستقبل خطرے میں نظر آئے تو مدینہ میں اندرون خندق پناہ گزیں ہو جائیں۔ مزید برآں اندرون مدینہ جنگ چھڑنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر شامی فوج کے محاصرے کی مدت طول پکڑ گئی تو مدینہ کی طرف سے دفاع کرنے والوں کا جوش و جذبہ رفتہ رفتہ سرد پڑ سکتا ہے جس کے نتیجہ میں مدینہ آسانی کے ساتھ شامی فوج کے ہاتھوں میں چلا جائے گا۔

بہر حال اس جنگی کشاکش میں مدینہ کے چند جوانمرد بہادروں نے سوچا کہ اگر شامی فوج کے قائد اعلیٰ مسلم بن عقبہ کو کسی بھی طرح قتل کر دیا جائے تو وہ فوج افراتفری کا شکار ہو جائے گی اور اس کی جنگی تنظیم خود بخود ناکارہ ہو جائے گی، اس لیے انھوں نے مسلم بن عقبہ تک پہنچنے کے لیے ایسی کارروائیاں انجام دیں جو بہت حد تک فدایانہ تھیں، لیکن مسلم کی چاک و چوبند فوج نے ان کے اس منصوبہ کو ناکام بنا دیا، اور انھیں کا کام

---

❶ وفاء الوفاء/ السمهودی (١/ ١٣٠) بسند واقدی

❷ تاریخ خلیفه ص (٢٣٨) جویریہ تک بسند صحیح۔ طبری (٥/ ٤٩٥) ابن عساکر، ترجمه ابن حنظله (٢٠٩) بسند خلیفه۔

تمام کر دیا۔ [1] طرفین کی جنگی کارروائی سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم بن عقبہ نے اپنی جنگ کا محور کسی ایک مخصوص علاقہ کو نہیں بنایا تھا، بلکہ خندق کی پوری طولانی پر جبل ذباب [2] اور وادی بطحان [3]، [4] تک اپنی فوج کو گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا تاکہ مدنی فوج دور تک منتشر ہو جائے اور طویل جنگی لائن میں الجھ کر رہ جائے جب کہ اس تدبیر میں ہماری فوج کی عددی کثرت ہمارے لیے معاون اور مقابل کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی۔

بہرحال مسلم بن عقبہ نے اپنا پہلا جنگی نشانہ عبداللہ بن حنظلہ کی سمت سادھا، کیوں کہ ان کے پاس قائدین اور جنگجوؤں کی ایک بڑی تعداد تھی اسی لیے شامی لشکر کی تنظیم وتنسیق میں لگ گئے کہ اپنے اس منصوبہ کے مطابق وہ آگے بڑھ سکے، پھر عملاً ایسا ہی ہوا، شامی فوج پوری تنظیم وقوت اور حکمت عملی سے آگے بڑھی، جب کہ اہل مدینہ میں اسی چیز کا فقدان تھا، اب مسلم بن عقبہ کی فوج مدنیوں کے اس لشکر میں گھسنے میں کامیاب ہو چکی تھی، یہاں تک کہ عبداللہ بن حنظلہ اور ان کے ساتھیوں تک جا پہنچی۔ [5] اور جب معرکہ مکمل طور سے گرم ہو گیا تو بنو حارثہ نے مروان بن حکم سے اپنے سابقہ وعدہ واتفاق کے مطابق شامی فوج کے شہسواروں کو اپنی طرف سے اندر گھسنے کا موقع دے دیا۔ [6]

کیوں کہ بنو حارثہ اجمة الشیخین [7] کے پاس مقبرہ شہدائے احد کے مغرب تک بسے ہوئے تھے۔ [8] پھر جس وقت اہل مدینہ کی ساری توجہ سامنے کی ابتدائی محاذ پر مرکوز تھی ٹھیک اسی وقت جب انھوں نے

[1] انساب الاشراف (٤/ ٣٢٥) باسناد جمعی (قالوا) طبری (٥/ ٤٨٨) عن ابی مخنف۔

[2] شمال مدینہ میں ایک پہاڑ ہے جبل سلع کے بغل میں واقع ہے۔ وفاء الوفاء / السمہودی (٣/ ٨٤٧) عمدة الاخبار/ العیاشی (١٨٦-١٨٧) آثار المدینة/ عبدالقدوس انصاری ص (١٢٨)

[3] مدینہ کی چند اہم وادیوں میں سے ایک ہے، حرم مدنی کے مغرب سے گزر کر وادی عقیق میں بئر رومہ کے پاس گرتی ہے۔ (التعریف-المطری ص ٦٠)

[4] وفاء الوفاء/ السمہودی (١/ ١٣٠) [5] انساب الاشراف (٤/ ١٣٦) (قالوا) طبری (٥/ ٤٩٠) عن ابی مخنف۔

[6] تاریخ خلیفہ بن خیاط (٢٣٨) جویریہ تک عن اشیاخ من اهل المدینة باسناد صحیح۔ المعرفة و التاریخ، یعقوب (٣/ ٣٢٧) باسناد صحیح جیسا کہ ابن حجر نے فتح الباری (١٣/ ٧٦) میں لکھا ہے۔ طبری (٥/ ٤٩٥)، المحن/ ابوالعرب ص (١٧٦) بسند واقدی دلائل النبوة، بیهقی (٦/ ٤٧٤) بسند یعقوب، ابن عساکر، ترجمه ابن حنظله (٢٠٩) ابن عساکر ترجمه مسلم بن عقبه (١٦/ ق، ٤٧٨) بسند ابن ابی خیثمه، جویریه تك باسناد صحیح۔البدایة والنهایة (٦/ ٢٣٨) وفاء الوفاء/ السمهودی (١/ ١٣٠-١٣١) بسند جویریه، و بسند یعقوب۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آیت کریمہ ﴿وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا﴾ (احزاب:١٤) کی تفسیر ٦٠ھ میں ہوئی، یعنی بنو حارثہ نے اہل شام کو مدینہ میں گھسنے کا موقع اور راستہ دیا۔

[7] مدینہ اور جبل احمد کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ حرہ سے متصل مشرقی راستے پر احد جاتے ہوئے واقع ہے۔ وفاء الوفاء/ السمہودی (٤/ ١٢٤٩)

[8] وفاء الوفاء/ السمہودی (١/ ١٩١)

اندرون مدینہ نعرہ تکبیر کی آواز سنی تو گھبرا گئے اور جنگ کا نقشہ بدل گیا، وسط مدینہ میں اور مدنی فوج کے پیچھے سے شامی گھوڑوں کی موجودگی مدنی جنگجوؤں کے لئے انتہائی گھبراہٹ اور حواس باختگی کا سبب بن گئی کہ انھوں نے مسلم بن عقبہ کی فوج کو چیلنج کرنے کے لیے پوری تیاری کر رکھی تھی، چناں چہ اب اپنے بال بچوں کی حفاظت کی فکر میں یہ لوگ اپنے محاذ کو چھوڑ کر اندرون مدینہ واپس لوٹ آئے۔ ❶ اور ایسے موقع پر اہل مدینہ کی یہ کارروائی کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے، کیوں کہ کوئی بھی فوج خواہ کتنا ہی عسکری نظم ونسق کا پابند ہو اگر اسے یہ احساس ہو جائے کہ اس کے اہل وعیال خطرہ میں ہیں تو وہ اپنی پوزیشن چھوڑ کر ان کی دفاع میں نکل کھڑا ہوگا۔ پس اہل مدینہ کا دفاعی جیسے انھوں نے ترتیب دیا تھا خلل اور بگاڑ کا شکار ہوگیا، حتی کہ ابن حنظلہ صورین ❷ کی گھاٹی کی طرف سے بڑی تیزی کے ساتھ پلٹے اور اس جگہ جا پہنچے جہاں سے شامیوں کی دراندازی ہو رہی تھی اسی طرح ابن مطیع بھی جو کہ ذباب کی سمت میں تھے پلٹ کر وہاں آ گئے، یزید بن ہرمز موالی میں جا پہنچے اور ابن ربیعہ بھی بطحان سے آ گئے اس طرح اس سرحد کو بند کرنے کی کوشش میں یہ سارے لوگ اکٹھا ہو گئے جہاں سے شامیوں کو اندر آنے کا موقع ملا تھا۔ ❸ لیکن ان قائدین کی غیر منظّم اور بلا ترتیب واپسی نے اپنی اپنی جگہوں پر لمبا کھلا میدان خالی چھوڑ دیا اور ان خالی سرحدی علاقوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شامی فوج نے مکمل طور پر اپنے گھوڑے کو مدینہ میں داخل کر دیا، جس کے نتیجہ میں اہل مدینہ کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا، جب کہ دیگر بہت سارے لوگ خندق کے منہ میں جا گرے، حتی کہ خندق میں گرنے والوں کی تعداد جنگ میں مقتولین کے مقابلے میں کافی زیادہ ہوگئی۔ ❹ ابن حنظلہ، محمد بن سعد بن ابی وقاص، ❺ ابراہیم بن قارظ ❻ اور ابراہیم بن نعیم بن نخام وغیرہ آمنے سامنے مقابلہ میں آ گئے، اور زبردست جنگ لڑی، لیکن شامیوں کی پیش رفت اور مدنیوں

---

❶ تاریخ خلیفه (٢٣٨) جویریه تك باسناد صحیح۔انساب الاشراف (٦/ ٣٣٥) جویریه تك باسناد صحیح۔ فتح الباری (١٣/ ٧٦) بسند جویریه ، وفاء الوفاء (١/ ١٢٩) طبری (٥/ ٤٩٥)

❷ طریق بنو قریظہ سے متصل بقیع سے کافی فاصلہ پر واقع ہے۔ دیکھئے وفاء الوفاء (٤/ ١٢٥٥) عمدة الاخبار/ العیاشی (٣٥٦)

❸ المحن/ ابوالعرب (١٧٦) عن الواقدی، وفاء الوفاء (١/ ١٣٠) عن الواقدی

❹ طبری (٥/ ٤٩٥) جویریه تك باسناد صحیح، ابن عساکر/ ترجمه ابن حنظله (٢١٢) البدایة والنهایة (٩/ ٢٢٤)

❺ آپ محمد بن سعد بن ابی وقاص زہری ہیں ابوالقاسم المدنی کنیت ہے کوفہ میں آ بسے تھے، طبقہ ثالثہ کے ثقہ راویوں میں سے ہیں، حجاج نے شر کے بعد آپ کو قتل کیا تھا۔ (تقریب ٤٨)

❻ آپ ابراہیم بن عبداللہ بن قارظ ہیں صدوق ہیں، طبقہ ثالثہ کے ہیں۔ (تقریب: ٩٨)

کے فرار نے آسانی سے انھیں زیر کرنے کا موقع دے دیا۔ عبداللہ بن حنظلہ کہ جنھوں نے پہلے اپنے بیٹیوں کو آگے بڑھایا تھا اور سب ان کی نگاہوں کے سامنے تہ تیغ ہوئے تھے، وہ بھی قتل کر دیئے گئے نیز عبداللہ بن زید،[1] محمد بن عمر بن حزم[2] اور دیگر سرکردہ لوگ[3] اس جنگ میں کام آ گئے۔ بہرحال اس جنگ میں اہل مدینہ کے تئیں بنوحارثہ کی خیانت نے جنگ کا رخ پلٹنے اور اسے شامیوں کے حق میں کرنے میں کافی اہم کردار ادا کیا، یقیناً اہل مدینہ جوش اور طیش کے جذبات سے بپھرے ہوئے تھے، لیکن صرف جذبات سے نہ کہ معرکہ کو زندگی دی جاسکتی تھی کہ وہ خود بخود جنبش کرے اور نہ ہی معرکہ سر کیا جاسکتا تھا، انھوں نے شدید ترین جذبات کی رو میں آ کر خانوادۂ بنوامیہ کو مدینہ سے نکال تو دیا تھا لیکن مستقبل کے لیے ایسی کوئی تیاری یا پیش بندی نہیں کی تھی جس کے ذریعہ وہ اپنی اس مہم میں کامیاب ہو جاتے۔

بالکل اسی طرح مدینہ سے نکالے گئے بنوامیہ کے بہت سارے افراد نے یہ بالکل نہیں سوچا تھا کہ ہمارے مخالفین کا یہ برتاؤ انھیں دارالخلافہ کی مرکزی فوج سے ٹکر لینے کا سبب بن جائے گا۔

مزید برآں مدنی معاشرے میں یزید کی بیعت توڑنے کے بارے میں جنھیں پیشوائی حاصل تھی ان کے حوصلہ شکن موقف کا بھی ہزیمت کی راہ ہموار کرنے میں بڑا اثر رہا اور پھر کچھ ہی ساعتوں میں مدنیوں کی شکست ہوگئی، اس میں بہت سارے سرکردہ لوگ اور نامور قائدین مارے گئے، اس جنگ کی ہیبت کا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ روایت کے مطابق شامیوں کی چوطرفہ حملہ کے وقت مدنیوں کی فوج بدکائے ہوئے شترمرغوں کی طرح ادھر ادھر اپنا اپنا سر چھپا رہی تھی۔[4] لیکن قابل صد مبارک باد میں اس دور کی یہ شخصیتیں کہ اس خونریزی کے باوجود وہ کسی تہمت یا دشنام طرازی کے مرتکب نہیں ہوئے، بلکہ مروان نے ابن حنظلہ، محمد بن عمرو بن حزم، ابراہیم بن نعیم بن نخام وغیرہ پر اپنے رنج و افسوس کا اظہار کیا، ان کی خوبیوں کو سراہتے رہے اور زبان سے نیک نامی کی چرچا کرتے رہے۔[5]

---

[1] آپ عبداللہ بن زید بن عاصم بن کعب انصاری المازنی ہیں۔ ابومحمد کنیت ہے، مشہور صحابی ہیں حرۃ میں آپ کی شہادت ہوئی۔ تقریب: ٣٠٤)

[2] آپ ابوعبدالملک محمد بن عمرو بن حزم المدنی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ثابت ہے، البتہ سماع صرف صحابہ سے ہے۔ (تقریب:٤٩٩)

[3] طبقات ابن سعد (٥/ ٦٧-١٧١) المعرفة والتاریخ (٣/ ٣٢٦) الاصابة (٦/ ٢٥٥) سمهودی (٣/ ٨٤٣)

[4] طبقات ابن سعد (٥/ ٦٨) بسند واقدی

[5] طبقات ابن سعد (٥/ ٦٨) بسند واقدی۔ انساب الاشراف (٤/ ٣٢٧)، طبری (٥/ ٤٩١) بسندابومخنف۔ المحن / ابوالعرب (١٧٩) بسند واقدی، ابن عساکر، ترجمه ابن حنظله ص (٢٥١) عن مدائنی۔

اس معرکہ میں کئی صحابہ شہید ہوگئے، سعید بن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فتنہ اولیٰ یعنی شہادت عثمان واقع ہوئی تو بدری صحابہ میں سے کوئی نہ بچا، پھر فتنہ ثانیہ یعنی معرکہ حرہ واقع ہوئی تو شرکاء حدیبیہ میں سے کوئی صحابی نہ بچا، پھر فتنہ ثالثہ واقع ہوگئی تو وہ نہیں ختم ہوئی یہاں تک کہ لوگوں -اصحاب رسول- میں سے کوئی نہ رہا۔'' ❶

خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں معرکہ حرہ کے مقتولین کی فہرست ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ انصار صحابہ میں سے کل ایک سو تہتر (۱۷۳) اور قریش و انصار ملا کر کل تین سو چھ (۳۰۶) لوگ اس معرکہ میں قتل کئے گئے۔ ❷ ابوالعرب ❸ اور اتابکی ❹ نے بھی انھیں جیسی فہرست تحریر کیا ہے۔ ابوالعرب اور خلیفہ کی فہرست میں کافی مشابہت موجود ہے، البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ابوالعرب نے اپنی معلومات کے مصادر کو ذکر کر دیا ہے جب کہ خلیفہ کی فہرست مراجع و حوالجات سے خالی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں کی معلومات کا منبع ایک ہے۔

ابوالعرب واقدی تک اپنی سند کے حوالے سے لکھتے ہیں: ❺

''میں نے ابراہیم بن اسماعیل بن ابی حبیبہ کو کتاب میں مقتولین حرہ کے ناموں کو پڑھا اور ابراہیم نے مجھے بتایا کہ یہ کتاب داؤد بن حصن کی ہے جو آل عثمان بن عفان کے موالی میں سے تھے،

---

❶ صحیح البخاری تعلیقاً، المغازی، شھود الملائکة (۷/ ۳۷۵) ابن حجر لکھتے ہیں: ابونعیم نے مستخرج میں بسند احمد بن حنبل عن یحییٰ بن سعید بن قطان عن یحییٰ بن سعید انصاری نحوہ، موصولا روایت کیا ہے، نیز تعلیق التعلیق (۴/ ۱۰۵) میں لکھنے کے بعد محقق نے اس کی سند پر صحت کا حکم لگایا ہے نیز معمولی اختلاف کے ساتھ دیکھیں مصنف عبدالرزاق (۱۱/ ۳۵۸-۳۵۹) السنة/ الخلال (۴۶۵) باسناد صحیح۔ مستدرك حاکم (۴/ ۱۱۲) حاکم نے لکھا ہے کہ بسند احمد اس کے شواہد موجود ہیں البتہ اس میں ہے کہ ''لم یبق من المھاجرین احد'' (یعنی فتنہ کے بعد) سعید بن میبّب رحمہ اللہ کا یہ قول بظاہر حقیقت کے خلاف ہے کیوں کہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بہت سے بدری صحابہ موجود تھے خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور زبیر بن العوام اور طلحہ بن عبید اللہ، سعد بن ابی وقاص وغیرہم رضی اللہ عنہم اور اسی طرح واقعہ حرہ کے بعد بھی بیعت رضوان میں شریک ہونے والے صحابہ موجود رہے ہیں جیسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ لہٰذا اس کو ظاہر معنی پر محمول کرنا بالکل غلط ہے اسی لیے حافظ ابن حجر فتح الباری میں رقم طراز ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ ''شہادت عثمان کے بعد سے لے کر واقعہ حرہ تک بدری صحابہ وفات پا گئے اور واقعہ حرہ کے وقت کوئی بدری صحابی باقی نہ تھا چناں چہ بدری صحابہ میں آخری صحابی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے جو واقعہ حرہ سے چند سال پہلے وفات پا گئے۔'' اور یہی مفہوم واقعہ حرہ کے بعد کسی بیعت رضوان میں شریک صحابی کے باقی نہ رہنے کا ہے یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ واقعہ حرہ میں تمام حدیبیہ میں شریک صحابہ کام آ گئے اور نہیں بچے۔ اور تیسرے فتنہ سے کیا مراد ہے یہ مختلف فیہ ہے۔ (ش)

❷ تاریخ خلیفہ ص (۲۵۰) نیز فہرست کے لیے دیکھیں ص (۲۴۰-۲۵۰)

❸ المحن/ ابوالعرب (۱۸۷-۲۰۰)

❹ النجوم الزاھرة / اتابکی (۱/ ۱۶۰)

❺ المحن/ ابوالعرب ص (۱۸۷)

اس طرح یہ بات درجہ یقین تک پہنچ جاتی ہے کہ خلیفہ نے بھی اسی فہرست کا مراجعہ کیا اور اسے اپنی تاریخ میں بلاسند نقل کر دیا، اور سند کو حذف کرنے کی وجہ یہ رہی کہ اس فہرست کا ناقل واقدی ہے اور خلیفہ نے اپنی تاریخ میں واقدی کی روایتیں دو جگہوں کی علاوہ کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔'' [1]

یہ دو جگہیں بھی ایسی ہیں جن کا اہم ترین حوادث اسلامیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ اسلامی تاریخ پر اس کا کوئی اثر پڑتا ہے۔ پس بہت ممکن ہے کہ اسی اہتمام کے پیش نظر خلیفہ نے اس اہم ترین تاریخی حادثہ میں واقدی کا نام ذکر کرنا پسند نہ کیا ہو۔

بتاتے چلیں کہ اس فہرست کے اولین ناقل ابراہیم بن اسماعیل بن ابوحبیبہ الانصاری مولاہم ابواسماعیل المدنی کو امام احمد نے ثقہ قرار دیا ہے جب کہ بقیہ ناقدین اسماء الرجال نے ''ضعیف'' ٹھہرایا ہے۔ [2] حافظ ابن حجر کا حکم ہے کہ وہ ''ضعیف'' ہے۔ [3] اسی طرح ناقدین کے جرح کو دیکھتے ہوئے یہ روایت منکر ٹھہرتی ہے جو قابل احتجاج نہیں ہے۔ [4] حتیٰ کہ داؤد بن حصین اموی مولاہم ابوسلیمان المدنی متوفی ۱۳۵ھ کو باوجودیکہ ابن حجر نے ''ثقہ'' [5] لکھا ہے لیکن ابن ابی حاتم اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اگر مالک نے ان سے روایت نہ کیا ہوتا تو ان کی حدیث متروک ہوتی۔ [6]

چناں چہ جرح و تعدیل کے استنادی معیار پر واقدی کی یہ روایت جس پر ابوالعرب اور خلیفہ نے اعتماد کیا ہے بہت ہی ضعیف ہے، لیکن اس قابل ضرور ہے کہ اس کے ذریعہ معرکہ حرہ کے مقتولین کے ناموں کا ادراک ہو جائے کیوں کہ یہ معلومات عام ہو چکی تھیں اور اہل مدینہ کے معاصرین اسے جانتے تھے، پس یقینی طور پر انھوں نے نسلاً بعد نسل ایک دوسرے کو یہ معلومات فراہم کی ہوں گی، اور اس میں جھوٹ کا شائبہ نہ ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ داؤد بن حصین فرقہ خوارج کا ایک فرد ہونے سے متہم ہے، جس کا ایمانی عقیدہ ہے کہ جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے اسے کسی صورت میں حلال نہیں مانا جاسکتا۔ علاوہ ازیں اس فہرست کو محل نزاع بنایا جانا کوئی معقول بات بھی نہیں ہے کیوں کہ یہ فقط ایک تاریخی بیان ہے، اسلامی عقیدہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، لہٰذا واقدی اور اس جیسے دیگر مورخین جنھیں تاریخی معلومات میں شہرت حاصل ہے ان

---

[1] تاریخ خلیفه بن خیاط (۱۳۳-۲۳۰)
[2] تهذیب التهذیب / ابن حجر (۱/ ۹۰)
[3] تقریب التهذیب (۸۷)
[4] تهذیب التهذیب (۱/ ۹۰-۹۱)
[5] تقریب (۱۹۸)
[6] التهذیب (۳/ ۱۵۷)

سے معلومات اخذ کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے اگرچہ احادیث وسنن کے باب میں وہ ثقہ نہیں ہیں۔ ❶

واضح رہے کہ شہدائے معرکہ حرۃ کی تعداد کے بارے میں امام مالک کی ایک مستند روایت وارد ہے جس میں سات سو (۷۰۰) حفاظ قرآن کی تعداد مذکور ہے، راوی کا بیان ہے کہ میرے خیال میں ان کے ساتھ تین یا چار اصحاب رسول بھی تھے۔ ❷ امام مالک کی یہ روایت ❸ خلیفہ کی روایت کے مقابلے میں صحت سے قریب تر ہے، اس لیے کہ امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے مدینہ میں پرورش پائی اور اپنی یہ روایت انھوں نے اپنے استاذ یحییٰ بن سعید انصاری ❹ سے کیا ہے جیسا کہ ابوبشر دولابی ❺ کی روایت میں اس کی تصریح آئی ہے۔ اور یحییٰ بن سعید متوفی ۱۴۴ھ کا شمار ان لوگوں میں ہے جنھوں نے اس واقعہ کو بہت قریب سے دیکھا ہے اس لیے کہ آپ مدنی ہیں اور انصاری ہیں، پس ان کی روایت دوسروں پر بہر حال مقدم ہے، مزید برآں آپ کی بات حسن بصری رحمہ اللہ کے قول کے موافق بھی ہے جس میں آپ نے کہا ہے کہ جب معرکہ حرہ پیش آیا تو بہت سارے اہل مدینہ قتل کر دیئے گئے، ایسا لگ رہا تھا کوئی بچ نہیں پائے گا۔ ❻

حیرت ہے کہ بعض مورخین نے مدنی مقتولین حرہ کی تعداد کا اندازہ لگانے میں انتہائی مبالغہ سے کام لیا ہے، مثلاً واقدی ہی کی روایت کو لے لیں کہ جس پر بیشتر متقدمین ومتاخرین نے اعتماد کیا ہے، چناں چہ عبداللہ بن جعفر سے روایت کرتے ہوئے واقدی لکھتے ہیں کہ انھوں نے زہری سے پوچھا کہ معرکہ حرہ میں مقتولین کی تعداد کتنی تھی؟ تو انھوں نے کہا: قریش، انصار، عرب مہاجرین اور دیگر شرفائے مدینہ کو لے کر کل سات سو (۷۰۰) جب کہ بقیہ دیگر مقتولین کی تعداد تقریباً دسیوں ہزار تھی، اس میں عورتیں اور بچے بھی قتل کئے گئے۔ ❼

---

❶ واقدی، ابومخنف، کلبی وغیرہ جیسے مورخین پر اعتماد کی وجہ سے ہی اسلامی تاریخ مسخ ہو کر رہ گئی اور روافض، خوارج اور بے دینوں کو اسلامی شخصیات کو داغ دار کرنے کا موقع فراہم ہوا ہے۔ (ش)

❷ الاصابة/ ابن حجر (۳/ ٤٥٢) بسندیعقوب، المعرفة و التاريخ (۳/ ۳۲٥) دلائل النبوة/ بيهقى (٦/ ٤٧٤) المحن/ ابوالعرب ص (۲۰۰) باسناد صحيح، الجمان باخبار الزمان ق ۲٤/ أ

❸ آپ مالک بن انس بن مالک بن ابوعامر اصبحی ہیں کنیت ابوعبداللہ المدنی ہے فقیہ ہیں، امام دار الہجرۃ کہے جاتے ہیں، متقیوں کے امام اور بڑے تحقیق پسند تھے، یہاں تک کہ امام بخاری کہتے ہیں کہ سندوں میں صحیح ترین سند مالک عن نافع عن ابن عمر ہے، طبقہ سابعہ سے ہیں۔ ۱۷۹ھ میں وفات ہوئی ۹۳ھ میں پیدائش ہوئی، واقدی کے بقول نوے سال کی عمر پائی۔ تقریب: ٥١٦)

❹ آپ ابوسعید القاضی یحییٰ بن سعید انصاری المدنی ہیں، ثقہ اور ثبت ہیں طبقہ خامسہ کے ہیں ۱۴۴ھ میں وفات ہوئی۔ تقریب (٥٩١)

❺ الاعلام/ البياسى (۲/ ۱۲٥) باسنادحسن

❻ دلائل النبوة/ بيهقى (٦/ ٤٧٤) بروايت يعقوب بسند صحيح۔

❼ المحن/ ابوالعرب (۱۸٤) الرد على المتعصب العنيد/ ابن الجوزى ق ۲۰أ۔ وفاء الوفاء (۱/ ۱۳۲) الاصابة و السياسة/ ابن قتيبه (۱/ ۲۱٦) مقتولین کی تعداد میں تناقض دیکھنے کے لیے مطالعہ کریں: انساب الاشراف (٤/ ۳۳۳) مروج الذهب / المسعودى (۳/ ۷۹) البدء والتاريخ/ ابن طاهر مقدسى (٦/ ۱۳)، غاية الامانى/ يحيىٰ بن قاسم (۱/ ۱۰۲)

پس واقدی کی یہ روایت جیسا کہ گزرا منکر ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ مالک سے مروی صحیح ترین روایت سے معارض بھی۔ علاوہ ازیں اسی روایت کو اگر باریک بینی سے دیکھا جائے تو اس کا پہلا حصہ مکمل طور سے مالک کی روایت سے متفق ہے کہ جس میں قریش، انصار، مہاجرین عرب اور دیگر شرفاء کے مقتولین کی تعداد سات سو بتائی گئی ہے اور روایت کا نصف آخر جس میں دیگر مقتولین کی تعداد سات ہزار بتائی گئی ہے وہ مبالغہ پر مبنی ہے جسے عمداً واقدی کی روایت میں ناقلین کی طرف سے داخل کر دیا گیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اگر ہم نصف آخر کو تحقیق کے معیار پر رکھیں تو یہ تعداد محض ایک خیالی عدد ہوگی کیوں کہ وقوع معرکہ کے وقت کل باشندگان مدینہ کی تعداد بھی اتنی نہیں پہنچتی تھی۔ آپ دیکھیں کہ نبی ﷺ نے غزوہ احد کے موقع پر بشمول منافقین فقط ایک ہزار صحابہ کو جنگ کے لیے تیار کیا، اور جب صلح حدیبیہ میں عمرہ کے لیے اپنے صحابہ کو لے کر نکلے تو ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ چودہ سو سے سولہ سو کے درمیان تھی اور اگر ہم یہ تسلیم ہی کر لیں کہ وفات نبوی ﷺ کے وقت مدینہ میں دس ہزار جنگجو صحابہ کی تعداد تھی تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وفات نبوی کے بعد روم و فارس کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کا جو دائرہ بڑھا اور یکے بعد دیگرے مفتوحہ ممالک پر فتح کا جو پرچم لہرایا گیا اس کے نتیجے میں مدینہ کی آبادی متاثر نہیں ہوئی یعنی مجاہدین کے مختلف ممالک میں چلے جانے کے بعد کیا صرف مدینہ ہی نہیں پورے جزیرہ عرب میں یہ تعداد کم نہیں ہوئی۔

حتی کہ اگر ہم یہ تصور کر لیں کہ معرکہ حرہ کے وقت مدینہ میں پندرہ ہزار جنگجو ہوا کرتے تھے اور ہر جنگجو کی اپنی فیملی تھی جو صرف پانچ افراد پر مشتمل تھی، تو مدینہ کی کل آبادی پچھتر ہزار سے متجاوز نہ ہوگی، ظاہر ہے کہ مذکورہ روایت کے حوالہ سے اگر ہم یہ مان لیں کہ اتنی بڑی تعداد مدینہ میں موجود تھی تو میں نہیں سمجھتا کہ ابتدائی چند لمحوں میں ہی اہل مدینہ کی یہ فوج شکست کھا جاتی۔ [1] چناں چہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے واقدی کے اس قول کی

[1] المطری اپنی کتاب (ما انست الهجرة من معالم دار الهجرة ص ٦٣) میں لکھتے ہیں: ''سعید بن عاص اموی کے دور حکومت میں وادی عقیق کے باشندوں کی تعداد چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔'' لیکن یہ بات بعید از عقل ہے اور میں نہیں جانتا کہ انھوں نے کس بنیاد پر یہ بات کہی ہے اور خاص طور سے اس دور میں، کیوں کہ عقیق ایک زرعی وادی ہے، اس کے اندر اور کنارے بسنے والے بیشتر لوگ کھیتی کرنے والے ہیں، اگر ہم زیادہ سے زیادہ مبالغہ کرتے ہوئے یہ کہیں کہ وہ عقیق جو عرصہ سے جرف تک طویل ہے اس میں سو کھیتیاں تھیں اور ہر کھیتی پر بیس لوگ تھے تو بھی یہ تعداد ہزار سے متجاوز نہیں ہوتی، پھر یہ بات کیوں کر عقل میں آ سکتی ہے کہ وادی عقیق میں چالیس ہزار لوگ بستے تھے، اور اگر مطری کی بات کو معیار بنا لیا جائے تو ایسی صورت میں اندازہ کریں کہ مسجد نبوی کے کنارے قباء، عوالی، حرہ شرقیہ، اور وادی قناۃ نیز احد تک بسنے والی آبادی کی تعداد کتنی زیادہ ہو جائے گی؟ جب کہ یہی مطری اپنے دور کے وادی عقیق کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: آج وادی عقیق میں کوئی آبادی نہیں ہے، بلکہ وہ ویران ہے، اس میں گرے پڑے مکانات ہیں آخر الذکر بات کو ابن النجار نے ٦٤٣ھ میں اپنی کتاب "مدینة الرسول" ص (٤٠) میں لکھی ہے۔ ایک مستشرق محقق فورسٹر ڈیسر نے انیسویں صدی عیسوی کے آخری میں سکان مدینہ کی تعداد بالتحدید آٹھ ہزار لکھی ہے۔ (رحلة عبر شبة الجزيرة العربية، فورسٹر ⇦⇦⇦

صحت تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اتنی بڑی تعداد ہونا بعید از عقل ہے۔ ❶ پس حقیقت یہ ہے کہ مالک کی روایت میں سات سو کی جو تعداد منقول ہے اور واقدی سے مروی روایت کا نصف اول دو ہی واقدی کے اس بیان سے میل کھاتے ہیں جسے انھوں نے اپنی ہی سند سے عبداللہ بن مطیع سے روایت کیا ہے کہ مسلم بن عقبہ سے مقابلہ کرنے والی مدنی فوج کی تعداد دو ہزار تھی، ❷ کیوں کہ اگر یہ تسلیم کر لیں کہ اس لشکر کا ایک تہائی قتل کر دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مدنی فوج کا بڑی تیزی سے صفایا ہوا، اور یہی بات حسن بصری کے سابقہ قول سے بھی متفق ہے۔

۳......معرکہ حرہ کے بعد مسلم بن عقبہ کے کام

ا۔ مدینہ کو لوٹنا:

معرکہ حرہ کے تذکرے میں یہ بات مشہور ہے کہ مسلم بن عقبہ المری نے مدینہ ہی میں مسلسل تین دنوں تک یعنی ذی الحجہ کے آخری تین دنوں میں خوب لوٹ مار اور غارت گری کیا، یہاں تک کہ جب محرم کا چاند دیکھ لیا تو لوگوں کو رک جانے کا حکم دیا۔ ❸ واضح رہے کہ اس بحث میں سب سے معتبر روایت نافع مولیٰ ابن عمر کی ہے جس میں اس بات کی تنصیص ہے کہ مدینہ میں غارت گری کا واقعہ پیش آیا۔ چناں چہ نافع کا بیان ہے کہ مسلم بن عقبہ اہل مدینہ پر غالب ہوگئے وہ قتل کئے گئے اور تین دن مدینہ میں غارت گری مچائی گئی۔ ❹ اسی

⇦⇦⇦ ساڈلیر ص ۱۱۸) واضح رہے کہ ابن عبدالحکیم نے جو یہ اشارہ کیا ہے کہ معاویہ نے اسکندریہ پر اپنے گورنر علقمہ بن یزید کی چار ہزار مدنی فوج سے مدد کیا جن پر ابن مطیع امیر تھے۔ (فتوح مصر ص۱۹۲) تو اس کا یہ مفہوم نہیں کہ یہ پورے چار ہزار فوجی سب کے سب اہل مدینہ سے تھے، بلکہ اس کا اعتبار یونہی ہے جیسے خاص کا اطلاق عام پر ہو، مدینہ چوں کہ بلاد شام و مصر سے سب سے قریب تھا، وہاں فوج میں شرکت کرنے والوں کے نام کا اندراج ہوتا تھا، جس میں صرف باشندگان مدینہ ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ ہر وہ شخص جو مدینہ اس مقصد سے آتا تھا کہ وہاں فوجی رجسٹر میں اپنا نام درج کروائے وہ اپنا نام لکھاتا تھا، اور یہ سب کچھ حکومتی ادارہ کے تابع ہوتا تھا، مدینہ ہی سے بلاد شام عراق، مصر، یا شمال افریقہ تک کے لیے فوجیں روانہ ہوتی تھیں۔ التاریخ خلیفہ (۲۱۰) نیز دیکھیں: التطور العمرانی فی المدینۃ، صالح لمعی۔ اور "المدینۃ و تطورھا العمرانی و تراثھا العمرانی" اسی طرح "المظاھر الحضریۃ للمدینۃ المنورۃ/ خلیل السامرائی۔"

❶ منهاج السنة/ ابن تيمية (٤/ ٧٧٥)

❷ طبقات ابن سعد (٥/ ١٤٦) بسند واقدی۔ الاعلام/ البیاسی (٢/ ١٢٤)

❸ المعرفة والتاريخ/ يعقوب (٣/ ٣٢٦) انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٣٣٢) عن الواقدی۔ المحن/ ابو العرب ص (١٨٤) تاريخ مولد العلماء و وفياتهم/ ابن زبير (١/ ١٧٥)، ابن عساكر، ترجمة ابن زبير ص (٣٠٩) بعض مورخین کا خیال ہے کہ معرکہ حرہ ذی الحجہ کی آخری دوراتوں میں پیش آیا۔ تاریخ ابی زرعة (١/ ٢٣٢) عن احمد۔ طبری (٥/ ٤٩٤) عن ابی معشر و ابن سعد، مشيخة قاضی القضاة ابن جماعة، البرازی ص (١/ ٨٦)

❹ طبقات ابن سعد (٥/ ٣٨) باسناد حسن۔

طرح اہل مدینہ کے بارے میں استباحت یعنی لوٹ مار اور غارت گری کو جائز ٹھہرانے کا لفظ دیگر سلف کے یہاں بھی وارد ہے جیسا کہ عبداللہ بن یزید بن شخیر نے کہا کہ لما استبحیت المدینة...... الخ یعنی معرکہ حرہ کے موقع پر جب مدینہ کی غارت گری کو جائز ٹھہرا لیا گیا، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مدینہ چھوڑ کر ایک غار میں جا چھپے...... [1]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ "استباحت" اور "نہب" دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے ہیں اور بیشتر قدیم مصادر میں اس واقعہ کے تعلق سے انھیں الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔ [2]

اس معرکہ کی تفصیلی روداد سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوٹ مار وسیع پیمانے پر پہلے دن اس وقت ہوئی تھی جب بنو حارثہ کی جانب سے شامی فوج اندر گھسنے میں کامیاب ہوئی تھی اور مدنیوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا، اس طرح یہ پہلا دن لوٹ مار ہی کا دن تھا۔ [3]

بہرحال مدینہ کی لوٹ مار اور غارت گری کے تعلق سے جو بات خاص قابل توجہ ہے وہ مسلم بن عقبہ کی یہ قرارداد ہے کہ تین دنوں تک مدینہ میں خوب غارت گری اور لوٹ مار کی جائے۔ سوال یہ ہے کہ کیا مسلم بن عقبہ کی یہ ذاتی قرارداد تھی جسے انھوں نے مدنیوں سے نفرت کی وجہ سے اختیار کیا تھا یا کہ یزید بن معاویہ نے یہ قرارداد پاس کیا تھا اور مسلم بن عقبہ کو نصیحت کی تھی کہ وہ مدینہ میں پوری طاقت سے اسے نافذ کریں؟ اگر ہم معرکہ حرہ کے اسباب و وجوہ کا بغور جائزہ لیں تو بآسانی اس سوال کا جواب ہمیں یہی ملے گا کہ اس قرارداد کا محرک و منفذ خود یزید بن معاویہ تھے، چناں چہ مسلم بن عقبہ کو مدینہ روانہ کرتے ہوئے یزید نے وصیت کی تھی: ''مخالفین کو تین بار مصالحت کی دعوت دینا، اگر وہ تمھاری بات مان جاتے ہیں تو بہتر ہے، ورنہ انھیں قتل کرنا اور جب ان پر غالب آ جاؤ تو "فابحها ثلاثا" تین دن اسے (قتل و غارت گری) کے لیے مباح کر لینا۔ وہاں جو مال، غلام، ہتھیار، یا غلہ جات ہاتھ لگیں وہ فوج کے لیے ہیں۔ جب تین دن گزر جائیں تو

---

[1] طبقات ابن سعد (۷/ ۲۸ ط ۵/ ٤٧٤) باسناد حسن

[2] طبقات ابن سعد (۵/ ۲۲۵ ط ۵/ ۲۷٤) من طریق الواقدی۔ مجمع الزوائد/ الهیثمی (۷/ ۲٤۹-۲۵۰) ہیثمی کا قول ہے کہ "رواہ الطبرانی و فیه عبدالملك بن عبدالرحمن الزماری، ضعفه ابوزرعه و ثقه ابن حبان و غیره۔ و ابن رمافة لااعرفه" انساب الاشراف (٤/ ۳۳٤)، المحن ص (۱۸٤) عن الزهری۔ مروج الذهب (۳/ ۷۸) المحاسن و المساوی / البیهقی ص (۸۸) الدلائل (٦/ ٤٧٥) بیهقی من طریق یعقوب۔ ابن عساکر (۱٦/ ق ٤٧٨) البدء و التاریخ/ ابن طاهر المقدسی (٦/ ١٤) البدایة والنهایة (۸/ ۲۲۳) العقد الثمین الفاسی (۲/ ۳۹-٤٠) عن زبیر بن بکار۔ تعجیل المنفعة (٤٥۳) بدون سند تاریخ الخلفاء / السیوطی (۳۰۹)

[3] انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ۳۲۷) عن عوانة

لوگوں سے اپنا ہاتھ روک لینا۔ ❶

واقدی کی روایت میں ہے کہ اگر ان -اہل مدینہ- پر کامیابی وغلبہ ملے تو پیش پیش رہنے والوں کو قتل کرو، اور تین دن وہاں غارت گری مچاؤ، پھر ابن زبیر کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ ❷

چناں چہ یہ دونوں روایتیں جن میں اگر چہ ضعف ہے اور صرف انھیں کی بنا پر محض کسی فرد واحد کو مدینہ کی قتل وغارت گری کا ذمہ دار تو نہیں ٹھہرایا جاسکتا لیکن چوں کہ یزید نے مدنی وفد کا بڑا ہی اعزاز واکرام کیا تھ، اور ان کے مطالبات پورے کیئے تھے، اور اس کا بدلہ وفد کی طرف سے یہ ملا کہ اس نے مدینہ پہنچ کر خود یزید اور ان کے کارندوں کے خلاف عوام الناس کو بھڑکایا اور یزید کو شراب نوش اور بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب سے متہم کیا جس کا فطری تقاضا یہ تھا کہ ان کے تعلق سے سخت موقف اپنانے کے لیے سوچیں، اور اہل مدینہ کو سخت ترین سزا کا مستحق ٹھہرائیں، تجزیہ کا یہ پہلو اس لیے زیادہ قوی نظر آتا ہے کہ اگر مسلم بن عقبہ نے یہ قرار داد من مانی پاس کیا ہوتا تو تاریخ کے کسی نہ کسی گوشے میں یزید کی اس سے برأت اور لاتعلقی کا بیان ہمیں ضرور ملتا، جیسا کہ انھوں نے شہادت حسین کے معاملہ میں عبید اللہ بن زیادہ سے اپنی براءت کا اظہار کیا تھا۔

واضح رہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یزید ہی کو مدینہ کی لوٹ مار اور وہاں کی قتل وغارت گری کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے، چناں چہ مہنا بن یحییٰ المشامی السلمی نے جب آپ سے یزید کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے کہا: مدینہ میں جو کچھ ہوا اسی نے کیا، میں نے کہا: اس نے کیا کیا تھا؟ آپ نے فرمایا: اسے لوٹا تھا۔ ❸

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''اس (یزید) نے اہل مدینہ کی طرف ایک لشکر روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ اگر تین دن کے بعد بھی وہ مطیع نہ ہوں تو تلواروں کے ساتھ وہاں داخل ہو جاؤ اور تین دن کے لیے خوب لوٹ مار کرو۔'' ❹ ابن کثیر، ❺ ابوالفداء، ❻ ابن حجر ❼ اور تلمسانی ❽ وغیرہ بھی اسی بات کے قائل ہیں۔

---

❶ طبری (٥/ ٤٨٤) بسند ابی مخنف، انساب الاشراف (٤/ ٣٢٢)

❷ طبقات ابن سعد ط (٥/ ٤٧٣) بروایت واقدی مجموعة من الاسانید، ابن عساکر (١٦/ ق ٤٧٧) بسند واقدی۔ لوٹ مار اور مدینہ کو تین دن تک مباح کر لینے کی تمام روایات ابومخنف اور واقدی جیسے دروغ گو راویوں کی ہیں اس کی بنیاد ہر کسی کو مورج الزام ٹھہرانا قطعاً صحیح نہیں۔ (ش)

❸ السنة/ الخلال (٥٢٠) طبقات الحنابلة/ ابویعلی (١/ ٣٤٧) بحر الدم/ ابن عبدالهادی (٤٧٤)

❹ الوصية الكبرى/ ابن تیمیه ص (٤٥٣)

❺ البداية والنهاية (٨/ ٢٢٣، ٢٢٥)

❻ المختصر فی اخبار البشر (١/ ١٩٢)

❼ تهذيب التهذيب (١١/ ٣١٦)

❽ الجمان باخبار الزمان/ تلمسانی ق ١٤٤أ

مجھے حیرت ہے یوسف العش پر کہ انھوں نے کس اساس پر اعتماد کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ یزید کی یہ وصیت جو اس نے مسلم بن عقبہ کو کیا تھا اپنے پہلو میں انتہائی سخت لب ولہجہ کی حامل تھی، اس میں مدینہ میں تین دن تک مسلسل غارت گری کرنے کی تلقین تھی جسے اسلام کبھی پسند نہیں کرتا، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس اقدام کے لیے شرط لگا دی تھی کہ اگر اہل مدینہ نے بنو امیہ کے لوگوں پر تلوار کھینچی ہوگی تب ایسا کرنا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے خاندان اور قبیلہ کے لیے کس قدر متعصب تھا، اور ان کے لیے دوسروں پر کس طرح غصہ تھا۔ ❶

چناں چہ غور طلب پہلو یہ ہے کہ اگر بات یہی تھی تو مسلم بن عقبہ کو کسی بھی مدنی باشندہ پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا کیوں کہ امویوں کا کوئی فرد اس سے قبل مدنیوں کے ہاتھوں میں قتل نہیں ہوا۔

بہر حال مدینہ پر شامی فوج کے حملہ کے نتیجہ میں وہاں کے بعض علاقوں کی معاشی حالت ابتر ہوگئی اور قیمتوں کا توازن بگڑ گیا حتی کہ وہاں کے بعض باشندگان اصحاب رسول سے مدینہ چھوڑنے کے بارے میں مشورہ لینے لگے۔ ❷ اس طرح مدینہ معرکہ کے اول دن فقط قتل و غارت گری کا میدان بنا رہا، مدنیوں کی شکست اور وہاں کی گلیوں میں ان کے ادھر ادھر چھپنے سے شامی فوج نے ایک ایک کر کے انھیں گرفتار کیا، امن وامان کی ابتر حالت اور خوف و دہشت کی وجہ سے بعض لوگ مدینہ سے بھاگ نکلے اور قرب و جوار کی پہاڑیوں میں پناہ لیا، حالات ایسے ہوگئے تھے کہ مجرمین اور غیر مجرمین کے درمیان تمیز کرنا مشکل ہوگیا، جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا کہ انھوں نے مدینہ سے فرار اختیار کیا اور بھاگ کر ایک غار میں جا چھپے اس وقت تلوار ان کی گردن میں لٹک رہی تھی، ایک شامی ان کا تعاقب کرتے ہوئے جا پہنچا اور کہا: باہر نکلو، انھوں نے کہا: میں نہیں نکلوں گا اور اگر تم اندر آئے تو تمھیں قتل کردوں گا۔ چناں چہ وہ غار میں اتر گیا، تو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار نکالی اور کہا: جا تو میرے اور اپنے گناہ کے ساتھ واپس لوٹ (یعنی آپ نے اس پر تلوار سونتی) وہ کہنے لگا کیا آپ ابوسعید خدری ہیں؟ آپ نے جواب دیا: ہاں۔ اس نے کہا: پھر تو آپ میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں، اور وہ باہر نکل گیا۔ ❸ واقدی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ شامی فوج نے انتقام

---

❶ الدولة الاموية/ یوسف العش ص (۱۷۵) مجھے ابن اعثم کی الفتوح (۴/ ۲۹۰) میں اس شرط کو ذکر کیا ہے، لیکن ابو یوسف نے مطلقاً اس کے مصدر و مرجع کی طرف اشارہ نہیں کیا اور غالباً ابن اعثم تنہا ایسے مورخ ہیں جنھوں نے یہ شرط ذکر کی ہے۔ اور یہ ان کی عجائبات میں سے ہے جیسا کہ بیشتر مورخین کے مخالفت میں وہ ایسا کرتے رہتے ہیں۔

❷ صحیح مسلم (۲/ ۱۰۰۲-۱۰۰۴) الفتح الربانی (۱۷۹۲۳) سنن ترمذی (۵/ ۷۱۹ (۳۹۱۸)

❸ طبقات ابن سعد (۷/ ۲۸ ط ۵/ ۴۷۵) اس کی سند حسن ہے۔ تاریخ خلیفہ (۲۳۹) بسند صحیح۔ انساب الاشراف (۴/ ۳۳۵) خلیفہ ہی کی سند سے۔ طبری (۵/ ۴۹۱) بسند ابو مخنف۔ العقد الفرید (۴/ ۳۹۰) الاصابة (۳/ ۷۹) بسند ابن سعد۔

میں ان کی داڑھی کے بال تک اکھاڑ لئے تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی صحیح سند سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ [1]

واضح رہے کہ لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا یہ بازار پورے اہل مدینہ کو شامل نہ تھا، کیوں کہ ہمیں کہیں یہ بات نہیں ملتی کہ ابن عمر، علی بن الحسین یا ان کے علاوہ کسی اور ایسے مدنی باشندہ کا گھر لوٹا گیا ہو جو مخالفین کے ساتھ نہیں کھڑا تھا، یہ سب کچھ صرف انھیں مقامات پر ہوا جہاں خونریزی ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ وہاں کے لوگ اموی حکومت کے مخالف ہیں، اس لیے کہ شامی فوج کے لیے ایسے لوگوں کی شناخت و معرفت چنداں مشکل نہ تھی جنھوں نے مدینہ میں خاندان بنو امیہ کا محاصرہ کیا تھا اور خلافت کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکائی تھی، بایں طور کہ مدینہ سے نکالے گئے اموی خاندان کے لوگوں نے وادی القری میں شامی فوج کا استقبال کیا تھا اور ان کے ساتھ مدینہ میں آئے تھے، وہ خوب اچھی طرح اہل مدینہ اور ان کے مکانات سے واقف تھے۔

اس بات میں سب سے آخری اور اہم ترین بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ مدینہ میں قتل و غارت گری کا یہ بازار تمام ہی شامی فوجیوں کی طرف سے نہیں گرم ہوا، بلکہ ان میں چند افراد پر مشتمل ایک مخصوص ٹولہ تھا جو یہ عمل انجام دے رہا تھا۔ ورنہ اس شامی جماعت میں کبار تابعین اور صلحاء کی بھاری تعداد موجود تھی جنھیں اہل مدینہ کی قدر و منزلت، اصحاب رسول کی عظمت، اور ان کے بیٹوں کے شان و تقدس کا بخوبی علم تھا، پس اس لشکر میں ان نفوس قدسیہ کا وجود ہمیں یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ قتل و غارت گری کا یہ سیاہ عمل انتہائی محدود دائرہ میں تھا، اور صرف ان چند ہاتھوں نے اسے انجام دیا جو اخلاق و سلوکیات اور احترام و تقدس میں اس معیار کے حامل نہیں ہیں جو اس دور کے پاکیزہ ترین معاشرہ کی تمیز میں شامل ہوا کرتا تھا۔

شامی فوج کی تعداد بارہ ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھی جس میں یقینی طور پر مختلف طبائع کے لوگ رہے ہوں گے۔ اس میں کچھ ایسے لوگوں کا وجود بھی بعید از عقل نہیں ہے۔ جن کا مطمح نظر دنیا طلبی رہی ہو اور وہ ایسی قتل و غارت گری اور لوٹ مار سے احتیاط نہ کرتے رہے ہوں، خاص طور پر جب کہ ان جیسے کم عقلوں اور احمقوں کو پہلی ہی آزادی و اجازت مل چکی ہو، پھر ہم یہ نہ بھولیں کہ اہل شام بہر حال اہل مدینہ کو اسی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ یہ لوگ بیعت خلافت توڑنے والے ہیں اور اصلاً انھیں کی وجہ سے ہمارے خاندانی و قبائل کو مدینہ چھوڑ کر دوسری جگہ جانا پڑا ہے۔

---

[1] المحن ص (١٨١) بسند واقدی، مجمع الزوائد (٧/ ٢٥٠) ہیثمی کہتے ہیں: رواہ الطبرانی و ابوھارون متروك۔ ابن عساکر (١٦/ ق٤٧٨) بسند طبرانی

۲۔عزتیں لوٹنے کی حقیقت:

کتب سنت یا فتن و ملاحم کے موضوع پر تالیف کردہ کتابوں میں ہمیں کہیں بھی یہ اشارہ تک نہیں ملتا کہ اس معرکہ میں کہیں کسی مدینہ کی رہنے والی خاتون کی عزت پامال کی گئی ہو اسی طرح اس دور سے متعلق بحث کرنے والی دو اہم ترین تاریخی مصادر یعنی تاریخ طبری اور بلاذری کی انساب الاشراف میں اس طرح کے کسی حادثہ کے وقوع کی طرف اشارہ نہیں ملتا ہے۔ حالاں کہ ان دونوں نے مشہور ترین تاریخی روایات کے ناقلین، عوانہ بن حکم اور بومخنف جیسے لوگوں پر اعتماد کیا ہے حتی کہ خلیفہ بن خیاط نے بھی اس سلسلے میں کچھ ذکر نہیں کیا ہے حالاں کہ وہ انتہائی باریک بینی اور اختصار کو ترجیح دیتے ہیں، اس بحث میں ابن ابی خیثمہ کی تاریخ بھی خاموش ہی ہے حالاں کہ اس کا بیشتر حصہ مفقود ہو چکا ہے اور بیشتر مصادر سابقہ و متقدمہ کا اسی پر اعتماد رہا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ طبقات رجال پر گفتگو کرنے والی سب سے اہم اور مفصل کتاب طبقات ابن سعد نے بھی اس سلسلے میں اپنے قلم کو جنبش نہیں دیا جب کہ یہ معلوم ہے کہ ابن سعد نے اپنے استاد واقدی کی کتابوں پر اعتماد کیا ہے جو کہ معرکہ حرہ کے بارے میں سب سے اہم مورخ مانے جاتے ہیں کیوں کہ انھوں نے اسی نام سے ایک کتاب ہی لکھ ڈالی ہے۔ ❶

ایسا لگتا ہے کہ جس مورخ نے سب سے پہلے مدنی خواتین کی ہتک عزت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ مدائنی ہیں جن کی وفات ۲۲۵ھ میں ہوئی، چناں چہ مدائنی عن ابی وقرۃ عن ہشام بن حسان روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں ''معرکہ حرہ کے بعد ایک ہزار عورتوں نے بلا شوہر اپنے بچوں کو جنم دیا، پھر ابن الجوزی نے سب سے پہلے اس روایت کو اپنی تاریخ میں جگہ دیا۔ ❷ اور اپنے اس کتابچہ میں بھی لکھا جسے خاص طور سے یزید بن معاویہ کی مذمت اور ان کے نقائص و عیوب کے اظہار کے لیے تحریر کیا تھا۔ ❸

پھر مورخ مدینہ سمہودی متوفی دسویں صدی ہجری نے ابن الجوزی سے نقل کرتے ہوئے اسے اپنی تاریخ میں جگہ دیا۔ ❹ اسی طرح اس خبر کو ابن کثیر نے بھی لکھا ہے لیکن راست طور پر مدائنی کی سند سے۔ ❺ البتہ ابن الجوزی نے اسے نقل کرتے ہوئے یہ ذکر کر دیا ہے کہ میں نے اسے مدائنی کی کتاب الحرہ سے نقل کیا ہے۔ واضح رہے کہ مدائنی کی تاریخی مولفات کے ناموں کی فہرست میں معرکہ حرہ کے متعلق آپ کی ایک کتاب بھی ملتی ہے۔ ❻

---

❶ المنتظم/ ابن الجوزی (٦/ ١٥)
❷ رسالة فی جواز لعن یزید/ ابن الجوزی ق ٢٠أ
❸ وفاء الوفاء/ السمهودی (١/ ١٣٤)
❹ البداية والنهاية/ ابن كثير (٨/ ٢٢٤)
❺ رسالة فی جواز لعن یزید ق ٢٠أ
❻ الفهرست/ ابن ندیم ص (١١٥)

بہرحال ان تمام تر حوالہ جات کو سامنے رکھنے سے ایک اہم ترین سوال یہ ابھرتا ہے کہ طبری، بلاذری، خلیفہ اور ابن سعد وغیرہ کہ جنھوں نے اپنی متعدد تالیفات میں بہت سارے مقامات پر مدائنی سے معلومات اخذ کیا ہے آخر اس واقعہ کو انھوں نے مدائنی سے کیوں نہیں اخذ کیا؟ اس کے جواب میں دو باتوں کا امکان ہے:

☆ پہلی تو یہ ممکن ہے کہ اس خبر کو مدائنی کے تالیفات میں بعد میں گھسیڑ دیا گیا ہو، اس امکان کو خاص طور سے اس لیے قوت حاصل ہے کہ بلاد عراق کے مختلف علاقوں میں مدائنی کی کتابیں منتشر تھیں اور ان میں ایسے عملی مواد کی معتد بہ نسبت موجود تھی جنھیں بہرحال شیعوں کی نگاہ میں ایک مقام حاصل تھا اور وہ اس کی توہین نہیں کر سکتے تھے، پس ایک ایسے وقت میں جب کہ ان کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں عراق، شام، اور مصر کے مختلف علاقوں پر باک وقت قابض تھیں، ان کی یہ کارستانی کوئی بہت بعید اور حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ واضح رہے کہ یہ ۴ھ یعنی ابن الجوزی کی ولات سے پہلے کا واقعہ ہے۔ مزید برآں ایسا کرنا ان کے لیے یوں بھی آسان تھا کہ مدائنی کی کتابیں اس دور میں ''وجادۃ'' یعنی بلاسند نقل کی جاتی تھی۔

☆ دوسری بات یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حقیقت میں یہ خبر مدائنی کی کتاب الحرہ میں رہی ہو، لیکن طبری، بلاذری اور خلیفہ وغیرہ نے اس کی استنادی حیثیت کمزور اور صحیح نہ ہونے کی وجہ سے اسے قابل اعتناء نہ سمجھا ہو، اور عمداً اسے نظر انداز کیا ہو۔

بہرحال مذکورہ دونوں امکانات میں سے میرا رجحان آخر الذکر توجیہ کی طرف ہے اس لیے کہ یہ خبر امام بیہقی کی دلائل النبوۃ میں بسند یعقوب بن سفیان یوں مروی ہے:

((حدثنا یوسف بن موسی حدثنا جریر عن المغیرہ قال: انهب مسلم بن عقبة المدینة ثلاثة ایام فزعم المغیرة انه اقتض فیها الف عذراء .))[1]

یعنی مسلم بن عقبہ نے مدینہ میں تین دن لوٹ مار اور غارت گری جاری رکھا، اسی عمل کو مغیرہ نے یہ سمجھ لیا کہ اس کی وجہ سے وہاں ایک ہزار کنواری لڑکیاں جبراً ناجائز حاملہ ہوگئیں۔ پھر جب ہم دونوں روایتوں کے ناقلین کو تحقیق کی کسوٹی پر رکھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ مدائنی کی روایت ہشام بن حسان البصری متوفی ۱۴۸ھ پر، اور یعقوب کی روایت مغیرہ بن مقسم الضبی الکوفی متوفی ۱۳۶ھ پر ختم ہوتی ہے اور دونوں ہی روایتوں میں بظاہر زبردست مشابہت پائی جاتی ہے یعنی کہ ایک ہزار عورتوں کی تعداد دونوں میں مذکور ہے۔ لیکن حقیقت میں دونوں روایتوں میں ہزار عورتوں کی نوعیت کے بیان میں اختلاف پایا جاتا ہے بایں طور کہ مدائنی اپنی روایت میں ہزار عورتوں کی ولادت کا ذکر کرتے ہیں جب کہ یعقوب ایک ہزار کنواری لڑکیوں کے پردہ بکارت کے

[1] دلائل النبوۃ (٦/ ٤٧٥)، تاریخ دمشق (١٦/ ق٤٧٨)، بعینہ بیہقی کی سند۔

زائل کرنے کا تذکرہ کرتے ہیں، پس ممکن ہے کہ پردہ بکارت کے زوال پر زیادتی کر کے ولادت تک پہنچا دیا گیا ہو اور اس زیادتی میں یا تو راویوں کا دخل ہو یا ناقلین کا- اور چوں کہ ہشام بن حسن کی وفات مغیرہ بن مقسم الضبی کی وفات سے متاخر ہے۔ اس لیے یہ احتمال بھی موجود ہے کہ ہشام نے یہ خبر مغیرہ بن مقسم الضبی سے ہی اخذ کر کے نقل کیا ہو۔

بہر حال ہمیں مزید تفصیل میں نہ جا کر صرف مغیرہ بن مقسم کی روایت کو دیکھنا ہے کیوں کہ وہ ایک بڑے جلیل القدر محدث یعنی یعقوب بن سفیان کی سند سے وارد ہے اور اس میں ادنی شک نہیں کہ مدائنی کی مقابلہ میں یعقوب کی روایت ''اثبت'' ہے کیوں کہ مدائنی نے جس راوی کے حوالے سے یہ خبر نقل کیا ہے اس کا نام ابوقرۃ ہے اور تاریخی اعتبار سے اس کی سیرت وحالت یکسر معلوم نہیں ہے جب کہ مغیرہ بن مقسم الضبی ثقہ اور متفق راوی ہیں، البتہ وہ تدلیس ضرور کرتے تھے، ابن حجر نے انھیں طبقہ ثالثہ کے مدلسین میں شمار کیا ہے اور یہ وہ طبقہ ہے جن کی حدیث اس وقت تک نا قابل اعتبار ہے جب تک سماع کی وصاحت نہ کر دیں۔ [1] قاضی اسماعیل کا قول ہے کہ مغیرہ بن مقسم اپنی لقاء والوں سے روایت کرنے میں قوی نہیں ہیں اس لیے وہ تدلیس کرتے ہیں تو بھلا ان کی مرسل روایت کا کیا اعتبار ہے۔ [2] مغیرہ نے یہاں اس روای کا نام ہی ذکر نہیں کیا ہے جس سے یہ خبر نقل کیا ہے چہ جائے کہ تدلیس کی بات آئے۔ علاوہ ازیں مغیرہ سے روایت کرنے والا راوی جریر بن عبدالحمید بن قرط ہے جو کہ اپنی موت سے قبل اختلاط کے شکار ہو گئے تھے، اور ہمیں یہ نہیں معلوم کہ انھوں نے یہ روایت مغیرہ سے کب نقل کیا ہے۔ آیا اختلاط سے پہلے یا اس کے بعد۔ [3]

اسی طرح متن روایت پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی بھی صداقت مشکوک ہے، کیوں کہ مغیرہ کی یہ روایت صیغہ تضعیف واحتمال سے ان الفاظ میں وارد ہے: فزعم المغیرۃ ...... پھر اس زاویہ سے بھی تجزیہ کریں کہ یعقوب کی روایت ایک کوفی یعنی مغیرہ کے حوالے سے ہے جس نے یہ نہیں واضح کیا کہ اس نے اپنی سند سے یہ روایت کہاں سے اخذ کیا ہے، پس ان کا کوفی ہونا اس روایت کو شک کے دائرے میں لا کھڑا کرتا ہے اس لیے کہ ان کا شہر کوفہ امویوں کے تئیں حقد وحسد اور ناپسندیدگی وکراہت کے لیے مشہور ہے۔ خاص کر ایسے خطرناک معاملے میں اور ایسے عظیم جرم کے بارے میں تو بہر حال اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کا ثبوت مذکورہ مشکوک روایا سے نہیں بلکہ صریح وصحیح ترین دلائل سے ہو اور اس دور کے لوگ یا اس جگہ کے

---

[1] تعریف اھل التقدیس/ ابن حجر ص (١١٢)

[2] تھذیب التھذیب / ابن حجر (١٠/ ٢٤١-٢٤٢)

[3] الکواکب النیرات/ ابن الکیال ص (١٢٠)

باشندے اس کی صداقت پر گواہ ہوں، فقط زعم وگمان پر مبنی روایت کی وجہ سے اسے نہیں قبول کیا جاسکتا اور نہ اس کی طرف مائل ہوا جاسکتا ہے۔

چلتے چلتے بتا تا چلوں کہ دو اور روایتیں ملتی ہیں جن سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اس موقع پر خواتین مدینہ کے ساتھ چھیڑ خانی اور زنا بالجبر کے واقعات پیش آئے تھے۔ پہلی روایت ابن الجوزی نے اس طرح ذکر کی ہے کہ محمد بن ناصر نے اپنی اسناد سے عن ابوعبدالرحمٰن القرشی عن خالد الکندری عن عمتہ ام الہیثم بنت یزید یوں بیان کیا کہ ام الہیثم نے کہا: میں نے قریش کی ایک خاتون کو طواف کرتے دیکھا، دوران طواف ایک کالا آدمی اس کے سامنے آگیا، تو اس خاتون نے اس کو بوسہ دیا اور اسے گلے لگا لیا، میں کہنے لگی، اے اللہ کی بندی! اس کالے کے ساتھ تمھارا یہ کردار؟ اس نے کہا: یہ میرا بیٹا ہے، معرکہ حرہ کے دن کے اس کے باپ نے مجھ سے زنا کیا تھا۔ [1] اس روایت کی استنادی حیثیت یہ ہے کہ خالد الکندی اور اس کی پھوپھی ام الہیثم بنت یزید کی حالات زندگی تلاش و بسیار کے باوجود مجھے کہیں نہ مل سکی۔ [2]

دوسری روایت زبیر بن بکار کی ہے انھوں نے کہا کہ مجھ سے میرے چچا نے بیان کیا کہ ابن مطیع قریش کا جوانمرد، طاقتور اور مضبوط قد وقامت کا آدمی تھا، جب وہ معرکہ حرہ میں شکست کھا گیا اور ابن حنظلہ شہید کردیئے گئے تو ابن مطیع وہاں سے بھاگ نکلا، اور ایک عورت کے گھر میں جا چھپا، پھر جب شامی فوج نے اہل مدینہ کے گھروں پر حملہ شروع کیا اور ان کی لوٹ مار کی تو ایک شامی فوجی اس گھر میں بھی جا گھسا جہاں ابن مطیع چھپا ہوا تھا، اس نے گھر میں ایک خاتون کو دیکھا جو بہت پسند آگئی بالآخر وہ خاتون پر چڑھ دوڑا، خاتون نے اسے پیچھے دھکیلا، لیکن وہ مجبور رہی اور فوجی نے اسے پٹخ دیا، جب ابن مطیع کی اس پر نگاہ پڑی تو اس نے خاتون کو فوجی سے آزاد کرایا اور فوجی کو وہیں مار ڈالا۔ [3]

اس واقعہ کا ناقل مصعب بن زبیر متوفی ۲۳۶ھ ہے جب کہ معرکہ حرہ ۶۳ھ میں پیش آیا تھا، اس طرح دونوں کے درمیان ایک طویل مدت کا فاصلہ ہے اور سند کا انقطاع سورج کی طرح واضح ہے، مزید برآں زبیر

[1] رسالة فی جواز لعن یزید/ ابن الجوزی ق ۲۰ب۔نیز: المنتظم (۶/ ۱۵) وفاء الوفاء (۱/ ۱۳۴)

[2] امام بخاری نے خالد بن یحییٰ الکندی کا تذکرہ عن حماد بن ابی سلیمان کے حوالے سے کیا ہے جنھوں نے معن بن عیسیٰ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح یہ روایت منقطع ہے، دیکھیں: التاریخ الکبیر (۲/ ۱۸۴، ۶۲۳) اور ابن ابی حاتم نے بھی اسے نقل کیا ہے پھر لکھا ہے کہ محله الصدق، یکتب حدیثه، کان یری الارجاء (الجرح والتعدیل ۳/ ۳۶۲-۱۶۴) لیکن جب میں نے باریک بینی سے حماد بن ابی سلیمان کی سوانح ڈھونڈھا تو مجھے اس نام کا کوئی راوی نہیں ملا، پس ممکن ہے کہ سند میں خالد الکندی نام کا راوی خالد بن یحییٰ الکندی کے علاوہ کوئی اور راوی ہے۔

[3] الاصابة، ابن حجر (۵/ ۲۶)

بن بکار اور اس کے چچا مصعب بن زبیری دونوں ہی ابن زبیر کی نسل کے ہیں، جن کے آباء واجداد کو امویوں کے ہاتھوں قتل وخونریزی کا سامنا کرنا پڑا تھا، دریں صورت حال امویوں کے تعلق سے ان کی روایت میں حقد وحسد اور غایت درجہ کی قلبی رنجش کا شائبہ ہونا عین ممکن ہے جب کہ ان توجیہات سے قطع نظر یہ بات اپنی جگہ ثابت ہے کہ اس سند سے یہ واقعہ قطعاً درجہ صحت کو نہیں پہنچتا، کیوں کہ واقدی نے جہاں ابن مطیع کے بچ جانے اور معرکہ کے بھاگ نکلنے کا تذکرہ کیا ہے اس میں خاتون کے ساتھ شامی فوجی کے واقعہ کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے۔ چناں چہ واقدی کہتے ہیں: مجھ سے اسحاق بن طلحہ [1] نے بیان کیا کہ عیسیٰ بن طلحہ [2] سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن مطیع سے پوچھا کہ معرکہ حرہ والے دن تم کیسے بچ نکلے؟ تو اس نے کہا ہم کہتے تھے اگر شامی فوج ایک مہینہ تک ٹھہری رہی تو بھی وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، لیکن جب وہ سب کچھ ہوگیا جس کا ہمیں تصور نہیں تھا اور لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے تو مجھے حارث بن ہشام کا یہ شعر یاد آ گیا:

وعلمت إن اقاتل واحدا

أقتل ولا يضرر عدوى مشهدى [3]

''اور مجھے یقین ہوگیا کہ اگر میں تنہا لڑتا رہا تو مار ڈالا جاؤں گا اور میرے موجود رہنے سے میرے دشمن کو چنداں تکلیف نہ ہوگی۔''

اس لیے میں چھپ گیا اور ابن زبیر سے جا ملا۔ [4] چناں چہ اس موقع پر اگر ابن مطیع نے خاتون کو شامی فوج سے چھٹکارا دلانے میں اگر کوئی کردار ادا کیا ہوتا جیسا کہ عیسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے تو وہ اپنی روداد سناتے ہوئے اسے ضرور بیان کرتا۔ خاص طور سے اس لیے بھی اسے امویوں سے شدید نفرت تھی، لہٰذا یہ بات انتہائی قابل توجہ ہے کہ خاتون کا یہ واقعہ کہ جس سے شامی فوج کی حق سے دوری، بے دینی اور قلت ورع کا اظہار ہو رہا تھا بھلا ابن مطیع اسے کیسے نظر انداز کر سکتا تھا۔

مختصر یہ کہ مذکورہ چاروں روایتیں جن کا میں نے ذکر کیا ہے یہ قدیم ترین روایات ومصادر ہیں جو معرکہ

---

[1] اسحاق بن یحییٰ بن طلجه بن عبيد الله التيمی مراد ہیں جو پانچویں طبقہ کے ہیں اور ضعیف ہیں۔ (التقریب:۱۰۳)

[2] عیسیٰ بن طلحه بن عبدالله تیمی مراد ہیں جو ثقہ ہیں اور فاضل ہیں ۱۰۰ھ میں وفات ہوئی۔ دیکھئے: التقریب (۴۳۹)

[3] یہ حارث بن ہشام بن مغیرہ مخزومی رضی اللہ عنہ کے اس قصیدے کا ایک بیت ہے جسے انھوں نے حالت کفر میں بدر سے فرار اختیار کرنے پر معذرت کرتے ہوئے کہا تھا۔ السیرۃ النبویة/ ابن هشام (۳/ ۱۸) مصعب الزبیری (۳۰۲)، الاشتقاق/ ابن درید (۱/ ۱۸۸)

[4] طبقات کبری/ ابن سعد (۵/ ۱۴۶) الاعلام/ البیاسی (۱/ ۱۲۴) تاریخ الاسلام، حوادث ۶۱-۸۰، ذهبی ص (۴۶۹-۴۷۰)

حرہ کے بعد قتل و غارت گری اور عزت و ناموس لوٹنے کے حوالے سے بحث کرتی ہیں جو کہ تعداد کے اعتبار سے انتہائی کم یعنی نہ ہونے کے برابر ہیں اور مزید برآں کوئی صحیح سند سے ثابت نہیں ہیں۔ قابل ذکر بات ہے کہ جنھوں نے بھی معرکہ حرہ میں اہل مدینہ کی عزت و ناموس لوٹنے کی بات کہی ہے سب کا دار و مدار صرف یعقوب کی روایت پر ہے یا پھر مدائنی۔ پس کبھی ابن خلکان جیسے لوگ مدائنی کی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے کہتے ہیں: کہ مدینہ کی ہزار سے زیادہ غیر شادہ شدہ لڑکیاں معرکہ حرہ کی فسق و فجور کی وجہ سے حاملہ ہوئیں اور بچوں کو جنم دیا۔ [1] اور کبھی سیوطی جیسے لوگ یعقوب کی روایت کو اساس مانتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مدینہ میں ایک ہزار کنواری لڑکیوں کی بکارت زائل ہوگئی۔ [2] جب کہ ایک تیسرے مولف نے دونوں روایتوں کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جس کا کہنا ہے کہ اس حادثہ میں کثرت فسق و فجور کے نتیجہ میں اہل مدینہ کی ہزار سے زائد کنوری لڑکیاں اولاد والی بن گئیں۔ [3] اور بعض لوگوں نے وہاں پر زنا بالجبر کے نتیجہ میں غیر شادی شدہ آزاد حاملہ لڑکیوں کی تعداد جن سے بچے پیدا ہوئے، آٹھ سو بتائے ہیں جنھیں ''اولاد الحرہ'' کہا جاتا تھا۔ [4] حتی کہ بعض لوگوں نے اس وقت مدینہ میں موجود شیعہ جنھیں ''نخاولہ'' کہا جاتا ہے، کو معرکہ ''حرہ'' کی اولاد بتایا ہے۔ [5]

اور کچھ مولفین ایسے ہیں جنھوں نے ہتک عزت کے واقعات پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ یہاں تک کہہ گزرے کہ شامی فوج نے خواتین مدینہ کے پیٹوں کو چاک کر دیا۔ [6] اور یہ کہ اہل شام نے بچوں اور عورتوں کو قید کر لیا۔ [7] مہاجرین اور انصار کی اولاد قیدی بنا کر ان کے سامنے لائی گئی۔ [8]

اے کاش کہ اس تاریخی ابہام کی اٹکل بازیاں یہیں ختم ہو جاتیں، لیکن افسوس کہ عصامی جیسا مولف اس باب میں ایک ایسی افترا پردازی کر گیا جس کی ماضی میں کوئی مثال نہ تھی، چناں چہ لکھتا ہے، اس معرکہ میں ایک ہزار کنواری لڑکیوں کی عزت سے کھیلا گیا، اور وہ بھی پاکیزہ چہروں کے سامنے اور جب عزت کے ان لٹیروں کو (زوال بکارت) کا خون پونچھنے کے لیے کچھ نہ ملا تو ایک نے اپنے بغل میں رکھے ہوئے مصحف

---

[1] الوفیات/ ابن خلکان (٦/ ٢٢٧)

[2] تاریخ الخلفاء/ السیوطی ص (٢٠٩)

[3] القول المختار فی معرفة الصحابة لابرار / مولف مجھول ھے۔ (٤/ ق٢٣٠ب)

[4] معجم البلدان/ یاقوت الحموی (٢/ ٢٤٩)

[5] تحفة المحبین و الاصحاب / عبدالرحمن انصاری ص (٤٨٠)

[6] البدء والتاریخ/ ابن طاهر مقدسی (٦/ ١٣)

[7] وفاء الوفاء/ السمهودی (١/ ١٣٢)

[8] الامام زید/ ابوزهرة ص (٩٧)

قرآنی کو کھولا اور اس سے ایک ورق پھاڑ کر خون صاف کیا، اللہ کی پناہ، یہ تو صریح اور انتہائی گھناؤنا کفر ہے، ❶ جس کی توقع ہرگز نہیں کی جاسکتی ہے۔

غور کریں! کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی خواہشات اور نفس پرستی کو بے لگام چھوڑ دیا ہے اور واقعہ اگرچہ جھوٹا ہی نقل کیا لیکن اس کی کوئی دلیل اور اساس نہیں بتائی کہ اہل شام نے باشندگان مدینہ کی آل واولاد اور ذریت کو قید کر لیا تھا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ساری باتیں مخصوص اہداف اور متعین خواہشات کی برآری کی خاطر اچھالی گئی ہیں جو کہ حقیقت میں پہلی صدی ہجری کے اوائل مسلمان کے اوصاف وخصائل کے یکسر منافی ہیں واضح رہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن حجر رحمہما اللہ نے بھی اس معرکہ میں عزتوں کی پامالی کے وقوع کا اعتراف کیا ہے ،لیکن انھوں نے یہ معلومات کہاں سے اخذ کی ہیں اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا، حالاں کہ میں نے اس موضوع پر سابقہ صفحات میں جن روایتوں کا ذکر کیا ہے ان کے علاوہ ہمیں استنادی اعتبار سے کوئی روایت نہیں ملی، اور وہ روایتیں بھی اس حادثہ کے تعلق سے غیر معتبر ہیں جیسا کہ تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ ❷

مزید برآں معرکہ حرہ کے اسباب وقرائن بھی اس طرح کے کسی حادثہ کے وقوع کو خارج از امکان ٹھہراتے ہیں کیوں کہ اس حقیقت میں ادنی بھی شک نہیں کہ انسان کی نگاہ میں ہتک عزت کا معاملہ بربادی مال سے بڑھ کر ہے۔اور خاص طور پر اہل عرب زمانہ جاہلیت میں اپنی عورتوں اور ان کی عزتوں کے تئیں زیادہ ہی غیرت مند ہوا کرتے تھے، پھر جب اسلام آیا تو اس میں اس پہلو کو مزید قوت دی گئی، اور تاکیدی حکم و اہتمام سے نکھارا گیا زنا جیسے جرم کو اسلام نے بہت بڑا گناہ ٹھہرایا، اور اس کی ایسی سخت سزا متعین فرمائی جس میں شادی شدہ زانی وزانیہ کو پتھروں سے مار کر ہلاک کرنے اور غیر شادی شدہ کو کوڑے مارنے اور ملک بدر کرنے کا حکم دیا گیا۔ ❸

بہر حال اس معرکہ میں مدینہ کی لوٹ مار اور وہاں کی غارت گری کے بیان پر مشتمل درجہ حسن تک پہنچنے والی جو روایتیں سابقہ صفحات میں گزر چکی ہیں ان میں کسی بھی خواتین مدینہ کی عزتیں لوٹنے کا کوئی ذکر نہیں ہے اور آخر الذکر روایات کے بموجب یہ معلوم ہو رہا ہے کہ بڑے وسیع پیمانے پر زنا بالجبر کے واقعات پیش آئے، پس وسعت وکثرت کے اعتبار سے غارت گری کے مقابلے میں عزتوں کی پامالی کی واقعات زیادہ اہم اور بھیانک تھے، دریں صورت حال یہ بات فہم سے بالاتر ہے کہ وہ راویان واقعات جن کی اکثریت مدینہ کی

---

❶ سمط النجوم العوالی (۳/ ۹۲) ❷ الوصیة الکبری/ ابن تیمیه ص (٤٥)

❸ الاصابة/ ابن حجر (٦/ ٢٩٥)

سکونت سے تعلق رکھتی ہے اور وہ معرکہ حرہ کے معاصر رہے ہیں، وہ کیسے زنا بالجبر اور ہتک عزت کے حالات کو بیان کرنے سے غافل رہ گئے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ مدائنی اور یعقوب کی روایتوں کے بموجب اگر اس طرح کی کوئی بات پیش آئی تھی تو یہ مدنی راویان واقعہ اسے بیان کرنے کے زیادہ ہی حریص رہتے، تاکہ شامیوں سے ان کی جنگ کے لیے ایک وجہ جواز بھی فراہم ہو جاتی، یعنی اہل مدینہ یہ ضرور کہہ سکتے تھے کہ چوں کہ شامی فوج اپنی ظلم و بربریت میں مسلم خواتین کی حرمت و تقدس کا بھی پاس و لحاظ نہیں کرتی تھی، اس لیے اس سے لڑنا ہمیں ناگزیر ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ مدینہ میں جب یہ معرکہ پیش آیا تھا اس وقت وہاں بہت سارے صحابہ و تابعین بستے تھے، اور ان میں سے بعض نے اس جنگ میں بالکل شرکت نہیں کی تھی بلکہ ابن عمر، علی بن حسین، محمد بن حنفیہ، سعید بن مسیّب، اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم جیسے افاضل صحابہ و تابعین کا مخالفین کے تئیں اپنا مخصوص موقف تھا، غور طلب ہے کہ یہ لوگ اپنی آنکھوں کے سامنے بڑی تعداد میں مسلم و مومنہ خواتین کی عزتیں پامال ہوتے ہوئے کیسے دیکھتے رہے یہاں تک کہ بعض مولفین کے گمان کے مطابق جائز اور ناجائز اولادیں اس طرح خلط ملط ہوگئیں کہ ان کی تمیز مشکل ہوگئی، حالاں کہ یہ لوگ آزاد تھے اور ہاتھوں میں بیڑیاں نہیں پڑی ہوئی تھیں۔ [1]

مزید آپ یہ بھی دیکھیں کہ ان سب کے باوجود معرکہ حرہ کے بعد بھی امویوں کے بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، بلکہ ان کے بارے میں یہاں تک منقول ہے کہ ابن مطیع جب مدینہ سے بھاگنے لگے تو آپ نے ان سے کہا: اے برادر عم زاد! کہاں جا رہے ہو؟ انھوں نے کہا: میں ان (شامی فوجیوں) کی کبھی اطاعت نہیں کر سکتا۔ آپ نے پھر کہا: اے برادر عم زاد! مان جائیں، انھوں نے پھر کہا: میں ان کی کبھی اطاعت نہیں کر سکتا، آپ نے پھر فرمایا: اے برادر ایسا نہ کرو! میں گواہ ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((من مات ولا بیعة علیه مات میتة جاهلیة)) [2]

''جو شخص اس حال میں مرا کہ اس پر کسی کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ تادم حیات اپنے اس موقف پر قائم رہے اور ان کا

---

[1] غایة الامانی فی اخبار القطر الیمانی / یحییٰ بن قاسم (۱/ ۱۰۲)

[2] طبقات ابن سعد (۵/ ۱٤٤) عطاف بن خالد تك باسناد حسن، اور اس واقعہ کے راوی امیہ بن عبداللہ بن مطیع میں جو کہ ابن مطیع کے پوتے ہیں، ان کی سوانح مجھے نہیں مل سکی، لیکن چوں کہ یہ روایت نفس واقعہ کے موافقت رکھتی ہے اور خود ان کے پوتے کا یہ بیان ہے اس لیے میں نے استئناسا اسے بیان کر دیا ہے۔

یہی خیال رہا کہ درپیش معاملہ میں اہل مدینہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما امویوں کے باغی ہیں، چناں چہ آپ نے فرمایا: اس امت کے معاملہ میں جس طرح حکم الٰہی کے مطابق اس باغی گروہ سے قتال کرنے کی میرے دل میں تڑپ ہے کسی اور چیز میں اتنی نہیں ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا: باغی گروہ آپ کسے سمجھتے ہیں؟ تو فرمایا: ابن زبیر نے ان لوگوں -امویوں- پر ظلم کیا اور انھیں ان کے گھروں سے نکال دیا اور ان کے عہد و میثاق کو توڑ دیا۔ [1]

چناں چہ ابن عمر رضی اللہ عنہ تو اپنی جگہ پر، خود علی بن حسین، سعید بن مسیّب اور ابوسعید خدری جیسے اکابرین صحابہ و تابعین سے ہمیں یہ بات کہیں نہیں ملتی کہ انھوں نے کبھی بھی وہاں عزتوں کی اس پامالی کا کوئی ذکر کیا ہو، اور اسی طرح کتب تراجم و مصادر تاریخ میں ہمیں کہیں ایک ایسے شخص کا بھی ذکر نہیں ملتا جس کے بارے میں کہا گیا ہو کہ وہ معرکہ حرہ کی ہزار اولاد الزنا کے نطفے کی اولاد ہے جیسا کہ مدائنی لکھتے ہیں۔

بایں ہمہ اگر ہم شروع اسلامی دور کے معاشرتی اور انسانی تہذیب و تمدن کے پس منظر میں اس واقعہ پر تجزیاتی گفتگو کریں تو بھی اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اس معرکہ میں ہتک عزت یا مسلم خواتین کی عزتوں کی پامالی کا قطعاً کوئی حادثہ پیش نہیں آیا ہوگا، چناں چہ وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی سے مسلمان اپنے فاتحانہ قدموں کو آگے بڑھاتے رہے اور یہ سلسلہ کئی مراحل سے گزرتا ہوا یزید بن معاویہ اور ما بعد کے دور تک پہنچا۔ دور دراز کے ممالک پر انھوں نے فتح کے پرچم لہرائے، بلاد مشرق کے ایک کنارے سے لے کر مغرب میں حدود فرانس تک اپنی قیادت و حکمرانی کو لوہا منوایا، اور اتنے شہر و بستیوں کو زیر کرتے چلے گئے جنھیں ایک ایک کر کے شمار کرنا انتہائی مشکل ہے، اس کے باوجود مورخین نے ان فتوحات کے احوال و وقائع اور حوادث و تغیرات کو اپنے تاریخی ذخائر میں یکجا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اور ایک مسلمان مجاہد فوجی ان فتوحات میں کن کن اعلیٰ اخلاقی و کردار اور اسلامی اقدار و روایات کا حامل رہا اسے بھی انتہائی اہتمام اور دقت رسی سے دیکھا، بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ ان مسلم مجاہدین کے حسن اخلاق اور اعلیٰ اسلامی اقدار و روایات کی حفاظت نے انھیں دشمنوں کی نگاہ میں محبوب بنا دیا، اور یہی کردار مسلمانوں کی کامیابی اور مفتوحین کی جانب سے ان کے استقبال کا بہت بڑا سبب ثابت ہوا اور مفتوحہ قوموں میں یہی پیغام گیا کہ یہ فاتحین اپنے دامن میں امن و سکون اور عدل و سلامتی کا خزینہ لئے ہوئے ہیں۔ [2] پس مسلمان کی اس طویل ترین فاتحانہ تاریخ میں ہمیں کہیں یہ بات نہیں

---

[1] تاریخ الاسلام/ ذھبی، حوادث (٦٠-٨١) ص (٤٦٥) لیکن آپ نے صرف اتنے پر اکتفا کیا ہے کہ (قال الزھری)۔ فتح الباری (١٣/ ٧٧) صرف یعقوب کا حوالہ دیتے ہوئے۔ طبقات ابن سعد (١٨٥/٤) میں بسند صحیح وارد ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: باغی گروہ ''حجاج'' ہے لیکن ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (٣/ ٢٣٢) میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ بعض راویوں کا گمان ہے ورنہ حقیقت یہی ہے کہ آپ نے فرمایا: الفئة الباغية ابن الزبير۔

[2] حضارة العرب گوسٹف لورن ص (١٣٤-١٣٥)

ملتی کہ انھوں نے اگر کسی کافر ملک کو فتح کیا تو وہاں لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرنے کے ساتھ وہاں کی خواتین کی عزتیں لوٹیں ہوں!! حالاں کہ ایسی تمام تر قبیح حرکتوں کے لیے حالات ان کے حق میں تھے، کہ انھوں نے جنگوں میں پامردی کا ثبوت دیتے ہوئے ملکوں کو فتح کیا تھا اور مفتوحین کا معاشرہ خلاف مذہب یعنی کفر کا معاشرہ ہوتا تھا، لیکن قربان جایئے ان مسلم مجاہدین کی خشیت الٰہی اور تقویٰ شعاری پر کہ انھوں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے احکامات پر ثبات قدمی اور اسلامی نظام زندگی کی بقا کو ترجیح دیا، اور وہ امن و سلامتی کی بشارت دینے والے عظیم الشان فاتحین کی مثال بن کر دنیا کے سامنے آئے۔

پس اسلامی جنگ و جہاد کے اس تناظر میں کیوں کر یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ جو مسلم فوج کافر قوموں کے لیے ایسے بلند ترین اخلاق کا آئینہ دار رہی ہو وہ اپنوں میں آکر اپنی ہی بہن بیٹیوں اور مسلم خواتین حتی کہ اصحاب رسول کی پوتیوں اور نواسیوں کی عزتوں کو پامال کرے گی؟ ایسا نہیں ہوسکتا۔

علاوہ ازیں آپ یہ بھی دیکھیں یہ لڑائی کفر اور اسلام کی لڑائی نہیں تھی، جس میں اس طرح کے امکانات پیدا کئے جائیں، بلکہ اس لڑائی کی بنیاد تو صرف یہ تھی کہ اہل مدینہ بیعت امام کے منکر اور جماعۃ المسلمین کے باغی ہوگئے ہیں جنھیں جماعت کی طرف لوٹانا اور بیعت امام کے تابع کرنا ضروری ہے۔ اس کی تائید و توثیق کے لیے بنوامیہ کے سب سے بڑے قائد مروان بن حکم کے کلمہ ترحم اور رنج و افسوس کے ان مظاہر پر نگاہ ڈلی جاسکتی ہے جو پچھلے صفحات میں میں نے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے مدینہ کے مقتولین حرہ پر اپنے رنج والم کا اظہار کیا ان کے لیے رحمت کی دعائیں کیں، ان کے صلاح و تقویٰ اور خوبی و منقبت کا اعتراف کیا، اور پھر اہل مدینہ سے قتال کرنے میں شامی فوج کو کسی صعوبت کا سامنا نہیں کرنا پڑا، اور نہ اس جنگ نے طویل ہی کھینچا کہ زیادہ دنوں تک یہ معرکہ جاری رہا ہو، بلکہ صرف چند گھڑیوں میں شامیوں کو فتح کے ساتھ معرکہ ختم ہوگیا، پس دریں صورت حال سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل شام کو ایسی کون سی ضرورت لاحق ہوگئی کہ وہ خواتین مدینہ کی عزتیں لوٹنے لگیں اور وہ بھی مذکورہ روایات کے بموجب اتنی بڑی تعداد میں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل مدینہ کے اموال و جائداد میں غارت گری کر کے انھیں تکلیف دی گئی تھی، اور شامی فوج صرف اتنی ہی کارروائی ان کے سزا کے لیے کافی سمجھتی تھی پھر اس میں شامی فوج کے اعلیٰ قائدین موجود تھے، جو حسن اخلاق اور اعلیٰ کردار سے مالا مال ہونے کی وجہ سے اہل شام کے فضلاء میں شمار ہوتے تھے۔ اس طرح یہ فوج مختلف جماعتوں اور فرقوں پر مشتمل تھے، اور ہر جماعت کا ایک امیر مقرر تھا، چناں چہ عبداللہ بن مسعدہ الفزاری دمشق والوں کی قیادت کر رہے تھے، جب کہ حمص والوں پر حصین بن نمیر السکونی مقرر تھے، اہل اردن پر حبیش بن دلجہ القینی اور اہل فلسطین پر روح بن زنباع الجذامی اور شریک الکنانی مقرر

تھے اور قنسرین والوں کی زمامہ قیادت طریف بن حسحاس الہلال سنبھالے ہوئے تھے اور پوری فوج کے قائد اعلیٰ (جنرل کمانڈر) مسلم بن عقبہ تھے جو قبیلہ غطفان سے تعلق رکھتے تھے۔ ❶

واضح رہے کہ عبداللہ بن مسعدہ جو کہ دمشق کے فوج پر امیر مقرر تھے وہ صغار صحابہ میں سے تھے۔ ❷ اور روح بن زنباع الخذامی جو کہ فلسطین والوں کی قیادت کر رہے تھے وہ اشراف تابعین اور سادات شام میں سے تھے، انتہائی عابد و زاہد اور جہاد فی سبیل اللہ کے شیدا تھے۔ ❸ جب کہ حصین بن نمیر السکونی جو کہ حمص کی فوج کے امیر تھے وہ امراء و سادات شام میں سے تھے۔ ❹ یہ تمام ہی قائدین اور شامی فوج کی اکثریت عرب قبائل سے تھے، جن کے دور نزدیک کہیں نہ کہیں سے مدنی معاشرہ سے تعلقات اور رشتہ داریاں تھیں اور ایک دوسرے سے لگاؤ تھا، پس یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اپنے ہی اعزاء و اقراء اور رشتہ کی خواتین پر اس طرح کی دست درازی ہوتے ہوئے یہ لوگ دیکھتے اور خاموش رہتے؟

بلاد شام کوئی فسق و فجور اور اوباشوں کا اڈہ نہیں تھا، بلکہ وہاں بہت بڑی تعداد میں مجاہدین، علماء، اور عباد و وزہاد رہائش پذیر تھے اور وہاں کے صالح معاشرہ کو دیکھ کر عائشہ رضی اللہ عنہا بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں، جنھوں نے اہل شام کی مدح و منقبت کو سراہا۔ ❺ اور اوزاعی جیسے تابعی جلیل نے بھی ان کی تعریف کیا۔ ❻ مذکورہ نقطہ ہائے نظر سے ہٹ کر ایک عام زاویہ سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ مذکورہ چند راویوں تک ہی یہ بات سمٹ کر کیوں رہ گئی محدثین اور فقہائے اسلام کی اتنی بڑی تعداد جسے تاریخ نے اپنے دامن میں بڑے عزت واحترام سے جگہ دیا ہے بھلا وہ کیوں کر اسے نہ جان سکے، اور واقعہ حرہ کا ذکر کرتے ہوئے عزتیں لوٹنے کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ امام احمد بن حنبل سے ایک شخص نے یزید بن معاویہ اور اہل شام کے شرکاء معرکۂ حرہ سے روایت کرنے کے بارے میں استفسار کیا تو آپ نے جواب دیا: "باعظم ذنب اقترفوه و هو انتهاب المدينة" ❼ انھوں نے ان کا سب سے بڑا گناہ مدینہ کا لوٹ مار بتایا۔ پس اگر امام احمد رحمہ اللہ جانتے کہ خواتین مدینہ کی عزتیں بھی پامال کی گئی تھیں تو یہاں اس کا بھی ضرور تذکرہ کرتے، اور اسے لوٹ مار سے بڑا گناہ ٹھہراتے۔ بہر حال مذکورہ دلائل و قرائن سے اب یہ بات درجہ یقین کو پہنچ جاتی ہے کہ خواتین مدینہ

---

❶ البداية والنهاية/ ابن كثير (٨/ ٢٢٠) عن المدائنی

❷ ابن عساكر (ترجمة ابن مسعده ص ٤٣٣-٤٣٥)۔ الاصابة/ ابن حجر ٤/ ٣٤٠-٣٣١ عن عوانة

❸ الانساب / السمعانی (٣/ ٢٢٥) سير اعلام النبلاء (٤/ ٢٥١) تعجيل المنفعه (١٣١-١٣٢)

❹ تهذيب تاريخ دمشق/ ابن بدران (٤/ ٣٧٤-٣٧٦)

❺ المعرفة والتاريخ/ يعقوب (٢/ ٧٥٦) ❻ المعرفة والتاريخ/ يعقوب (٢/ ٧٥٦)

❼ الطبقات/ ابويعلى (١/ ٣٤٧)، المنهج الاحمد/ ابواليمن العليمی (١/ ٤٥١) بحر الدم/ ابن عبدالهادی ص (٤٧٥)

کی آبروریزی کے تعلق سے ذکر کی جانی والی روایات کی کوئی اساس نہیں، اور انھیں کسی بھی اعتبار سے صحت واعتبار کا درجہ حاصل نہیں ہے۔ یہ سب بعد کے ادوار کی پیداوار ہیں جن کے پس پردہ حقد وحسد سے بھرپور فرقہ بندی کارفرما ہے اور ہر اعتبار سے اموی تاریخ کی کردارکشی مطلوب ہے۔ نیز اس کا مقصد یہ ہے کہ شامی فوج جو کہ اموی فوج کی ترجمان اور مظہر تھی اسے ایک ظالم و بربر فوج کی حیثیت سے نمایاں کر کے یہ بتایا جائے کہ وہ ہر طرح کی دینی، اعتقادی اور اخلاقی روش سے عاری تھی۔ واضح رہے کہ اس تہمت کے پس پردہ صرف اموی لشکر کو بدنام کرنا مقصد نہ تھا بلکہ اس کا دائرہ اموی لشکر کے راستے پوری اسلامی فوج تک محیط ہو رہا تھا کہ جس نے اس مدت میں دور دراز کے ناقابل تسخیر علاقوں تک کو فتح کر لینا تھا۔ چلتے چلتے بتاتے چلیں کہ بحث وتحقیق کے معیار پر مذکورہ واقعہ کی تردید صرف مسلم مورخین ومولفین ہی نہیں بلکہ فلہاوزن [1] جیسے مستشرق نے بھی کیا ہے اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نبیہ عاقل [2]، عریان [3] اور عقیلی [4] جیسے لوگ بھی اسی کے قائل ہیں۔

۳۔اہل مدینہ سے یزید بن معاویہ کے لیے بیعت:

اہل مدینہ سے بیعت لینے کے لیے مسلم بن عقبہ نے جو طریقہ کار اختیار کیا تھا مورخین وتجزیہ نگاروں کی نگاہ میں وہ سب سے زیادہ محل اعتراض موضوع رہا ہے، چناں چہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ مسلم بن عقبہ نے یزید بن معاویہ کے لیے یہ کہہ کر بیعت لیا کہ وہ یزید کے غلام ہوں گے اور یزید ان کی جان و مال میں حسب مرضی تصرف کا حق رکھیں گے، پس اس میں کوئی شک نہیں اگر حقیقت میں یہ بیعت اسی طرح ہوئی تھی تو ہماری اسلامی تاریخ میں شاید یہ سب سے بھیانک اور پرخطر روایت ثابت ہوگی۔ لہٰذا اس بیعت کی حقیقت یا اس کے بارے میں مخصوص حکم لگانے کے لیے ہمارے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ اس بات میں وارد ہونے والی روایات پر بحث وتحقیق کر لی جائے۔

چناں چہ ایک مجمل روایت کے حوالے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسلم بن عقبہ نے اہل مدینہ سے یزید بن معاویہ کے غلام ہو کر رہنے کی بیعت لی اور یہ معرکہ حرہ کے اختتام پر عمل میں آیا نیز روایت میں یہ اضافہ ہے کہ یزید بن معاویہ کو ان -اہل مدینہ- کے جان و مال اور اہل وعیال میں تصرف کرنے کا

[1] تاریخ الدولة العربیة فلهاوزن ص (١٥٤-١٥٥)

[2] تاریخ خلافة بنی امیه/ نبیه عاقل ص (١١٢)

[3] اباحة المدینة و حریق الکعبه/ العرنیال

[4] یزید بن معاویه حیاته و عصره عمر العقیلی ص (٦٩)

اختیار کلی ہوگا۔ ❶

جب کہ ایک دوسری روایت اسی بات کو دوسرے انداز میں یوں پیش کرتی ہے کہ انھوں نے - اہل مدینہ- نے اس بات پر بیعت کی کہ اللہ کی اطاعت ومعصیت میں وہ یزید کے غلام ہوں گے۔ ❷ پس معلوم ہونا چاہیئے کہ ان روایتوں کی تمام تر سندیں انتہائی ضعیف ہیں اور ان کی متون میں غموض وابہام کی دبیز چادر چڑھی ہوئی ہے، بایں طور کہ ان روایتوں میں کہیں بھی بیعت کی یہ تفصیل منقول نہیں ہے اور نہ اس بات کا بیان ہے کہ اس انداز پر کس سے بیعت ہوئی اور اگر بفرض محال ایسا ہوا تھا تو کیا تمام ہی باشندگان مدینہ بشمول ابن عمر، علی بن حسین، ابوسعید خدری، اور سعید بن مسیّب وغیرہ جو کہ شامیوں کے خلاف جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے، ان لوگوں نے بھی بیعت کی تھی، یا اس انداز کی بیعت صرف چند مخصوص لوگوں تک محدود تھی؟؟ یہ اور اس طرح کے بے شمار اہم ترین سوالات پیدا ہوتے ہیں، مختصر یہ کہ اس بات کی صحیح ترین روایات کے خلاصے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ معرکہ حرہ کے فوراً بعد مسلم بن عقبہ نے لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا اور بلاتفریق وامتیاز سبھی لوگوں نے بیعت لی۔ ❸ اور غالبًا لوگوں کے لیے اسوہ ونمونہ پیش کرتے ہوئے بنو امیہ کے لوگوں نے بیعت میں سب سے پہلے پیش رفت کیا، تاکہ یزید کی اطاعت کو بقا واستمرار حاصل رہے، وہ لوگ کتنے بھی معرکے پیش آئے لیکن یزید کی اطاعت سے انھوں نے کبھی ہاتھ نہیں کھینچا۔ ❹ یہاں تک کہ جب علی بن حسین کو مسلم بن عقبہ کے پاس لایا گیا تو مسلم نے ان کا بڑا احترام کیا جن کی سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ یزید نے مسلم کو مدینہ بھیجتے ہوئے یہ نصیحت کی تھی کہ علی بن حسین کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں کسر نہ چھوڑنا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام ہی اہل مدینہ خواہ وہ یزید کے مخالف رہے ہوں یا اس کی اطاعت کے قائل، دونوں ہی بیعت کے لیے مسلم بن عقبہ کے پاس بلائے گئے تھے۔ ❺

---

❶ تاریخ خلیفه (٢٣٩) جویریه بن اسماء تك باسناد صحیح، انساب الاشراف (٤/ ٣٣٥) طبری (٥/ ٤٩٥) باسناد صحیح۔ العقود الاعتذار۔ ابوالحسن العیدی (١/ ١٤٢) العقد الفرید (٤/ ٤٨٩) ابن عساکر، ترجمه مسلم بن عقبه (١٦/ ق، ٤٨٧) بسند جویریه۔

❷ مجمع الزوائد (٧/ ٢٤٩) نیز لکھا ہے: رواه الطبرانی و فیه عبدالملك بن عبدالرحمن الذماری، ضعفه، ابوزرعة، و وثقة بن حبان وغیره وابن رمّانة لا اعرفه۔

❸ ابن عساکر ترجمه معقل بن سنان ١٦/ ق ١٤

❹ طبقات ابن سعد ص (١٠٤-١٠٥) بروایت واقدی، الامامۃ والسیاسۃ، جو کہ ابن قتیبہ کی طرف منسوب ہے ص (٢١٤) بدون اسناد

❺ طبقات ابن سعد (٥/ ١٢٥) بسند واقدی، طبری (٥/ ٤٨٢) بسند ابو مخنف (٥/ ٤٩٣) بسند عوانه۔ سیر اعلام النبلاء (٣/ ٣٢٠) عن المدائنی باسناد کل رجاله ثقات الا ابراهیم بن محمد شیخ المدائنی، ⇦⇦⇦

بایں ہمہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس بیعت پر مفصل گفتگو کرنے والی کچھ روایتیں تاریخ کے صفحات میں ضرور ملتی ہیں جن سے یک گونہ یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس طرح کی مخصوص بیعت کچھ مخصوص لوگوں سے لی گئی تھی، جن کا محرک اس گروہ کے تئیں مسلم بن عقبہ کا وہ غصہ تھا جس کے ذریعہ آپ ان شدید مخالفین کی ہمت پشت کر کے انھیں اعصابی طور پر مفلوج کر دینا چاہتے تھے، چناں چہ واقدی کی روایت میں ہے کہ مسلم بن عقبہ نے جب لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا اور امویوں نے ان سے بیعت کرلیا، تو آپ نے بنواسد بن عبدالعزی کو بلایا، آپ ان پر بہت کافی ناراض تھے، ان سے کہا: تم لوگ اللہ کے بندے یزید امیر المومنین اور ان کے بعد جو خلیفہ ہوگا سب کے لیے اس وعدہ کے ساتھ بیعت کرو کہ تمھاری جان اور مالوں پر انھیں اختیار ہوگا۔ وہ اپنی مرضی سے جو چاہیں گے تصرف کریں گے اور بعض راویوں کا کہنا ہے کہ بنواسد کے سبھی لوگوں سے اس طرح کی بیعت نہیں لی تھی بلکہ صرف یزید بن زمعہ سے خاص طور پر ان الفاظ میں بیعت لی تھی کہ "بـايـع لـي انك عبدالعصا۔"[1]

ابومعشر کی روایت میں ہے کہ مدینہ کے جنگجوؤں میں سے کچھ لوگوں نے سعید کے آنگن میں پناہ لی تھی۔ انھیں میں محمد بن ابوجہم اور دیگر لوگ بھی تھے، مسلم نے ان سب کو بیعت کے لیے بلایا، اور کہا: تم لوگ اللہ کے بندے، امیرلمومنین یزید کے لیے اس بات پر بیعت کرو کہ تم سب انھیں خدام وغلاموں میں سے ایک ہو جنھیں اللہ نے مسلمانوں کی تلواروں کے ذریعہ بطور غنیمت یزید کو دیا ہے اب وہ اگر چاہیں تو تمھیں آزاد کریں اور چاہیں تو غلام بنائیں یہ سن کر ان میں سے کچھ لوگوں نے آپ سے اسی بات پر بیعت کرلیا۔[2]

واقدی کی دوسری روایت میں ہے کہ "مسلم بن عقبہ نے قیدیوں کو لانے کا حکم دیا، پھر معقل بن سنان اشجعی، محمد بن ابوجہم بن حذیفہ، اور یزید بن عبداللہ بن زمعہ بن اسود کو بلایا۔ آپ ان سب لوگوں پر بہت ناراض تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا: کیا تم لوگ اللہ کے بندے یزید امیر المومنین اور ان کے بعد کے خلیفہ کے لیے اس شرط پر بیعت کرتے ہو کہ تمھارے خون اور جان و مال ان کے سپرد ہوں گے وہ اس میں جس طرح چاہیں گے تصریف کریں گے۔"[3]

⇐⇐ جن کے بارے میں میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہیں۔ البداية والنهاية (٨/ ٢٣٦) مسعودی نے اس حادثہ کا ذکر کیا ہے لیکن اس میں شیعی رجحان بالکل واضح ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ معرکہ کے وقت علی بن حسین نے قبر رسول کی پناہ لیا، مسلم نے انھیں بلایا وہ مسلم پر بہت غصہ تھے، مسلم انھیں دیکھتے ہی کانپ اٹھے۔ مروج الذهب (٣/ ٨٠)

[1] طبقات ابن سعد، آحری جزء، ص (١٠٤، ١٠٥) بروایت واقدی ۔ الجمهرة/ ابن حزم (١٤٨)، ابن عساکر (١٦/ ق ٤٧٨) بسند ابن سعد ۔

[2] المحاسن والمساوی (٨٨-٩٨) بیهقی [3] المحن/ ابوالعرب ١٨١

اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مذکورہ انداز کی بیعت عمومی نہیں تھی بلکہ چند افراد پر مشتمل ایک مخصوص گروہ سے اس طرح کی بیعت کی گئی تھی اور یہ لوگ تھے جو دوران جنگ گرفتار کئے گئے تھے اور ان میں مخالفین کے سپہ سالار بھی موجود تھے۔ اسی طرح روایات کے تفصیلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان قیدیوں میں سے کچھ لوگوں کے لیے مسلم بن عقبہ سے پیشگی امان کی اجازت لے لی گئی تھی، لیکن چوں کہ مسلم کہ خواہش تھی کہ ان سر براہوں کو قتل ہی کرنے میں فساد سے چھٹکارا پانا ممکن ہے اس لیے ان سے اس طرح کی سخت بیعت لے کر ہی ان کے امان کو واپس لیا جا سکتا ہے تا کہ انھیں کیفر کردار تک پہنچانے کا ہمیں کوئی ادنی عذر ہی مل جائے۔

اسی لیے عوانہ اپنی روایت میں کہتے ہیں، مسلم بن عقبہ نے لوگوں کو قبا میں بیعت کے لیے بلایا، اور قریش کے دو آدمی یزید بن عبداللہ بن زمعہ بن اسود، محمد بن ابوالجهم، بن حذیفہ العدوی اور معقل بن سنان اشجعی کے لیے امان کا مطالبہ کیا گیا، اختتام جنگ کے ایک دن بعد انھیں لایا گیا، ان سے مسلم نے کہا: تم دونوں بیعت کرو؟ دونوں نے کہا: ہم تم سے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت پر بیعت کرتے ہیں۔ مسلم نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم اس طرح نہیں، تمھیں کبھی رہا نہ کروں گا۔ پھر انھیں آگے کیا اور قتل کر دیا، لیکن مروان نے ان دونوں کے قتل کو ناپسند کیا۔ [1] معلوم ہونا چاہئے کہ یہی تینوں افراد مدینہ والوں کو یزید بن معاویہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنے میں پیش پیش تھے، اسی لیے جب مسلم نے یزید بن عبداللہ بن زمعہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو کہنے لگے: اللہ کی قسم! اب اس کے بعد امیر المومنین کے خلاف تو کوئی گواہی نہیں دے سکے گا۔ انھوں نے ایسا اس لیے کہا تھا کہ یزید کے پاس جانے والے وفد میں یہ بھی شامل تھا اور یزید نے بشمول اس شخص کے پورے وفد کو عطایا و اکرام سے نوازا تھا، لیکن جب یہ واپس لوٹا تو یزید کو فاسق و فاجر کہا اور اس کے شراب نوش ہونے کی گواہی دی۔ [2]

اسی طرح معقل بن سنان اشجعی رضی اللہ عنہ کو جب قید کر کے لایا گیا تو مسلم نے انھیں ان کی وہ بات یاد دلائی جو شام سے لوٹتے ہوئے انھوں نے یزید کے بارے میں کہی تھی۔ انھوں نے طبریہ [3] میں مسلم بن عقبہ سے ملاقات کی تھی اور بتایا تھا کہ مدینہ جانے کا ہم نے عزم مصمم کر رکھا ہے وہاں پہنچ کر یزید کی بیعت سے ہم ہاتھ کھینچ لیں گے، مسلم نے انھیں یہ بات یاد دلاتے ہوئے قتل کر دیا۔ [4]

---

[1] طبری (٥/ ٤٩١) بسند عوانہ [2] المعرفة والتاريخ، يعقوب (٣/ ٤٢٥) انساب الاشراف (٤/ ٣٢٨)

[3] طبریہ نامی جھیل پر واقع ایک گاؤں ہے جبل طور کے ایک کنارے اس کے دامن میں واقع ہے۔ جہاں سے دمشق کے لیے تین دن کا راستہ ہے۔ اسی طرح بیت المقدس بھی تین دن کی دوری پر ہے۔ معجم البلدان/ یاقوت حموی (٤/ ١٧)

[4] طبقات ابن سعد (٤/ ٢٨٢) بسند واقدی۔ طبری ٥/ ٤٩٢) بسند ابو مخنف و عوانہ، المحن ص (١٨٢) بسند واقدی، مستدرك حاكم (٣/ ٥٢٢) بسند واقدی الاعلام/ بیاسی (٢/ ١٢٩) عوانہ تك بسند حسن۔

علاوہ ازیں اس حقیقت کی دلیل کہ تمام ہی باشندگان مدینہ سے اس طرح بیعت نہیں لی گئی تھی، جابر بن عبداللہ کا یہ بیان ہے کہ جب مسلم بن عقبہ مدینہ آئے، یعنی معرکہ حرہ کے بعد، تو لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کیا، جابر کہتے ہیں پھر مسلم کے پاس بنوسلمہ کے لوگ آئے، تو مسلم نے کہا: میں تم سے اس وقت تک بیعت نہ لوں گا جب تک کہ جابر نہ آجائیں۔ راوی یعنی جابر کا بیان ہے کہ پھر میں ام سلمہ کے پاس گیا تاکہ اس سلسلے میں ان سے مشورہ کرلوں؟ ام سلمہ کہنے لگیں میں تو اس بیعت کو گمراہی کی بیعت سمجھتی ہوں، حالاں کہ میں نے اپنے بھائی عبداللہ بن ابی امیہ سے کہہ دیا ہے کہ مسلم کے پاس جائیں اور بیعت کرلیں، جابر کہتے یں، پھر میں بھی مسلم کے پاس آیا اور ان سے بیعت کرلیا۔ [1]

بتاتے چلیں کہ اس بیعت کے بارے میں ام سلمہ کے قول کہ ''یہ تو گمراہی کی بیعت ہے'' کا یہ مفہوم نکالنا درست نہیں کہ آپ نے یزید کے لیے مسلم کی بیعت کو غلامی کی بیعت سے تعبیر کیا، کیوں کہ جابر رضی اللہ عنہ جیسے غیور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ تصور کرنا بعید از عقل ہے کہ آپ اس طرح کی ذلت آمیز اور ناپسندیدہ بیعت کو بخوشی قبول کرلیں گے، حالاں کہ ام سلمہ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ سب پر یزید کے لیے بیعت کو واجب ٹھہرانا، اور وہ بھی ایسے انداز جبر وتشدد میں جسے دل سے ماننے کو ہر کوئی تیار نہیں ہے، بہرحال یہ بیعت ضلالت اور ظلم و بربریت کی بیعت ہے جس میں کسی شخص کے ذاتی اختیار کا کوئی حق نہیں ہے اور اگر کوئی اس میں پس وپیش کرے تو اس کی گردن ماردی جائے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ صحابہ وتابعین میں کسی نے اس انداز میں مذکورہ بیعت کی صفت کا ذکر نہیں کیا ہے، لیکن چوں کہ حادثات باہم خلط ملط رہے اور زمانہ گزرتا گیا تاآنکہ ایک طویل فاصلہ ہوگیا، اس لیے مورخین نے اس باب میں واردشدہ روایت کے اجمالی ذکر پر ہی اکتفا کیا اور اس کی تفصیل میں نہیں گئے، حتی کہ زبیر بن بکار اور ان کے چچا عبداللہ بن مصعب زبیری نے اس بیعت کا سرے سے کوئی تذکرہ نہیں کیا، حالاں کہ ان دونوں کا اس بیعت سے گہرا ربط ہونا چاہئے تھا کیوں کہ عبداللہ بن زبیر سے ان کے گہرے مراسم تھے، اور بنوامیہ کے حریف تھے، لیکن ان لوگوں نے اس طرح کی بیعت کو محمد بن ابوجہم اور یزید بن عبداللہ بن زمعہ

---

[1] الاصابة (٤/ ١٢) باسناد حسن۔ ابن حجر فرماتے ہیں: اس میں صحیح بات یہ ہوسکتی ہے کہ آپ نے یہ کہا ہو کہ میں نے اپنے بھتیجے سے کہا۔ یہ روایت محل نظر ہے اس میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر صحیح نہیں ہے کیوں کہ امام نووی اپنی کتاب تہذیب الاسماء واللغات میں ابن سعد کے بیان ذکر کیا ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۹ھ میں ہوئی اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی پھر امام نووی ابن سعد کے اس بیان کو صحیح قرار دیا اور اسی طرح امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۶۱ھ میں راجح قرار دیا ہے جب کہ واقعہ حرہ ۶۳ھ میں پیش آیا ہے۔ ایسی صورت میں ان سے سوال کرنے کا کوئی امکان نہیں رہتا ہے۔ (ش)

تک ہی اسے محدود مانا۔ [1]

باتمام کلام ہم آخر میں بتاتے چلیں کہ بنو اسد بن عبدالعزی یا معرکہ حرہ کے مدنی سپہ سالاروں کے ساتھ مسلم بن عقبہ نے جس قساوت قلبی کا مظاہرہ کیا تھا اس کے پس پردہ کیا اسباب تھے، چناں چہ بنو اسد بن عبدالعزی کے لوگ عبداللہ بن زبیر کے خاندان کے تھے، جن کے بارے میں مسلم بن عقبہ کا خیال تھا کہ یہی حقیقت میں تمام تر فتنوں اور مخالفتوں کی جڑ ہیں اور ابن عقبہ کی نظر میں بنو اسد کے لوگوں نے ابن زبیر کی تائید وحمایت کی تھی، اور معرکہ حرہ میں شریک ہوئے تھے۔ جب کہ اس معرکہ کے اہم سپہ سالار مثلاً محمد بن ابوالجہم، معقل بن سنان، اور یزید بن زمعہ جیسے لوگ مسلم بن عقبہ کی نگاہ میں یزید کی بیعت توڑنے کے حقیقی ذمہ دار تھے اور یزید کے بارے میں شراب نوشی کے پروپیگنڈہ کو یہی لوگ اصل ہوا دینے والے اور یزید بن معاویہ کے خلاف بغاوت کی تحریک چلانے والے یہی لوگ تھے، یہی وجہ تھی کہ مسلم بن عقبہ نے ان لوگوں کو قید کر کے قتل کیا۔ [2]

دور حاضر کے ایک مشہور مصنف یوسف العش نے اس بیعت کے متعلق تمام مجمل روایتوں کو سامنے رکھ کر یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ معرکہ حرہ کے اختتام کے بعد مسلم بن عقبہ نے تمام ہی سازش کاروں اور مدبرین فتنہ کو یکجا حاضر کیا اور ان سے یزید کی بیعت کا یوں مطالبہ کیا کہ وہ یزید کے سپرد ہوں گے اور وہ - یزید - ان کے جان و مال اور اہل وعیال میں حسب منشاء تصرف کریں گے، لیکن ان لوگوں نے ایسی بیعت سے انکار کر دیا، جس کی وجہ سے مسلم نے انھیں قتل کیا، مسلم بن عقبہ اس انداز میں بیعت کی پیش کش کر کے ان کے فتنوں کا خاتمہ اس طرح کرنا چاہتے تھے کہ وہ لوگ ذلیل و مجبور ہو جائیں اور ان کی عظمت وحیثیت اور وقار و وجاہت کو دھول چٹا دیں۔ وہ ایسے بے دست و پا رہیں جیسے کہ وہ اور ان کے تمام ماتحتین گویا یزید کے غلام ہیں۔ [3]
دراصل مسلم بن عقبہ نے اپنے اہم سرکردہ مخالفین کے ساتھ جو یہ برتاؤ کیا یہ ان کا ذاتی عمل تھا، جس پر ان کی سنگ دلی، سختی اور بیعت توڑنے کی وجہ سے اہل مدینہ کے تئیں ان کے غصہ نے انھیں مجبور کیا تھا اگر اہل مدینہ کا برتاؤ یزید اور مسلم کے ساتھ نرم اور خوش کن ہوتا تو ایسا کچھ بھی نہ ہوتا۔

---

[1] نسب قریش/ مصعب الزبیری ص (۳۷۱) نسب قریش/ زبیر بن بکار ص (٤٧٤) المعرفة والتاریخ/ یعقوب (۳/ ۳۲۵) العقد الثمین/ الفاسی (۲/ ٤۹) عن زبیر بن بکار۔

[2] ابن عساکر (١٦/ ق١٥)

[3] الدولة الامویة/ یوسف العش ص (١٧٦)

۴......معرکہ حرہ کے نتائج کے بعد اہل مدینہ کی تحریک

(تحلیل و تجزیہ)

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلم بن عقبہ نے مخالفین بیعت کے ساتھ جو سلوک روا رکھا اسلاف امت نے اسے ''اسراف'' کا نام دیا۔ اور مسلم بن عقبہ "مُسْــرِف"[1] کہلائے۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بذات خود اس حادثہ میں بڑی مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے یعنی اس معرکہ کے مقتولین کی تعداد کئی گنا بڑھا کر پیش کی گئی، اور شامی فوج کو دین و اخلاق سے عاری ایک ظالم و جابر جماعت کی حیثیت سے یوں دکھایا گیا کہ اسے زخمیوں، گھروں میں بیٹھے رہنے والوں اور خواتین تک پر رحم نہ آیا، اس نے چالیس دنوں تک مسجد رسول میں سفا کیت کے گھوڑے دوڑائے، پورا مدینہ کتوں کی پناہ گاہ اور بھیڑیوں کی چراگاہ بن گیا وغیرہ وغیرہ۔[2]

یہ ساری باتیں ایسی ہیں جو اس دور کے مسلم معاشرہ سے میل کھاتی ہیں اور نہ ہی ان کی طبیعت و مزاج کے یہ موافق ہیں، خصوصاً اس لیے بھی کہ وہ عہد نبوت سے انتہائی قربت کا دور تھا۔[3]

ہمیں اس میں ادنی بھی شک نہیں ہے کہ یہ حادثہ بڑا ہی افسوسناک تھا اور اس میں بہت بڑی غلطی ہوئی، لیکن اس میں جن غلطیوں کا ارتکاب ہوا انھیں ہم آنکھیں موند کر نظر انداز نہیں کر سکتے، نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسا کہ بعض معاصر مستشرقین نے کیا ہے۔[4] جب کہ بالمقابل جس طرح بھاری بھرکم اور ہولناک بنا کر جھوٹے لبادے میں جس طرح اس حادثہ کی بعض مورخین نے منظر کشی کی ہے ہم اسے بھی تسلیم نہیں کرتے، مثلاً کچھ لوگوں نے یزید بن معاویہ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ معرکہ حرہ کے بعد جب اسے اہل مدینہ کے شکست کی خبر ملی تو اس نے ابن الزبعری کے ان اشعار کو مثال دیتے ہوئے پیش کیا ہے:

---

[1] طبقات ابن سعد، آخری جزء تکمله ص ۱۰۵ ، جمهرة نسب قریش ٤٧٤ ، الدلائل / بیهقی(٦/ ٤٧٥)، سیر اعلام النبلاء (٣/ ٣٢٣) البداية والنهاية (٨/ ٣٢٣) الجامع لاحكام القرآن (٧/ ١١٠) القاموس المحيط (١٥٠٨) شفاء الغرام/ الفاسی (٢/ ١٦٨) تاج العروس (٦/ ١٣٧) ماده سرف۔

[2] اس کی مثالیں دیکھیں: المحاسن و المساوی / بیهقی ص (٩٠)، جوامع السيرة/ ابن حزم (٣٥٧، ٣٥٨) مروج الذهب/ مسعودی (٣/ ٧٨) المكافأة وحسن العقبى / احمد يوسف كاتب (٨٢، ٨١) وفاء الوفاء/ السمهودی (١/ ١٣١) التذكرة/ قرطبی (٢/ ٣٣٥)

[3] طبقات بن سعد / تعليق العلمى، ط (٥-٤٧٤)

[4] النزاع بين افراد البيت الاموی، رياض نعسان (٧٥) الحسين امام محكمة التاريخ، عبدالعزيز غنيم (٢١٦) تاريخ الجنس العربی، محمد عزت دروزة (٨/ ٤٥١)، اباحة المدينة، محمد العريان ص (٤١) يزيد بن معاويه العقيلی ص (٦٩) تاريخ الدولة العربية/ فلهاوزن (١٥٥)

الا لیـــت اشیـــاخـی ببـدر شهـدوا
جـزع الـخـزرج مـن وقـع الاسـل [1]

''کاش میرے بوڑھے بزرگ مقام بدر میں نیزے (تلوار) کے وار سے قبیلۂ خزرج کے آہ وبکا وجزع فزع کا مشاہدہ کرتے۔''

واضح رہے کہ ابن زبعری نے یہ شعر حالت کفر میں معرکہ احد کے بعد کہا تھا جس میں وہ مسلمانوں کے قتل کو (بطور بدلہ) باعث سکون ثابت کر رہا تھا۔ بلاذری نے اس خبر کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

((و قالوا: ان یزید لما بلغه خبر وقعة الحرة تمثل بهذا البیت .)) [2]

''انھوں نے کہا کہ جب یزید کو حادثہ حرہ کی خبر ملی تو اس نے اس شعر سے مثال دیا۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی یہ بات نقل کیا ہے لیکن اس کے فوراً بعد لکھتے ہیں:

''اگر حقیقت میں یزید بن معاویہ نے یہ بات کہی ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو، اور تمام لعنت بھیجنے والوں کی لعنت ہو، اور اگر اس نے نہیں کہا ہے تو اس شخص پر اللہ کی لعنت نازل ہو جس نے اسے گھڑا ہے تا کہ اسے بدنام زمانہ ثابت کرے۔'' [3]

دوسری جگہ اس شعر کی نسبت یزید کی طرف ہونے کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''یہ تو روافض کی طرف سے من گھڑت ہے۔'' [4]

جب کہ ابن طولون پورے یقین سے کہتے ہیں کہ یہ روافض کی خود ساختہ بات ہے۔ [5]

رہے ابن تیمیہ رحمہ اللہ تو آپ فرماتے ہیں: ''اس کے کذب و بطلان کو ہر عقل مند سمجھ سکتا ہے۔'' [6]

نویری کا بھی یہی قول ہے۔ [7]

بہر حال جس نے بھی اس شعر کو یزید کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کی ہے وہ صحیح مقصد تک نہیں پہنچ

---

[1] السیرة النبویة/ ابن هشام (۲/ ۱۳۷) طبری (۲/ ٤۳٦)، العقد الفرید (٤/ ۳۹۰، ٥/ ۸٦، ٦/ ۱٥۳) الزهرة/ ابـوداؤد مـحـمـد اصبهانی (۲/ ۱۰٤) البدء و التاریخ ابن طاهر مقدسی (٦/ ۱۲) الشذرات/ ابن العماد الحنبلی (۱/ ٦۹)

[2] انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ۳۳۳)

[3] البدایة والنهایة/ ابن کثیر (۸/ ۲۲۷)

[4] البدایة والنهایة / ابن کثیر (۸/ ۲۳۷)

[5] القید الشرید/ ابن طولون ق ۸

[6] منهاج السنة/ ابن تیمیة (٤/ ٥٥۰)

[7] نهایة الارب/ نویری (۲۰/ ٤۹٥)

سکا، کیوں کہ ابن الزبعری نے یہ قصیدہ معرکہ احد کے بعد کہا تھا جس میں اس نے صراحت سے انصار کی جماعت (اوس وخزرج) سے انتقام لینے کا تذکرہ کیا ہے جب کہ اہل مدینہ میں سے جن لوگوں نے یزید کے خلاف خروج کیا تھا وہ سب صرف انصار کے نہیں تھے بلکہ ان قریشیوں کی عددی فیصد انصار کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی جو رشتہ میں یزید کے عم زاد بھائی ہوا کرتے تھے اور ان کے بڑی تعداد اس معرکے میں مناصب قیادت پر فائز تھی۔ لہٰذا ابن الزبعری کے شعر اور یزید کے اس سے استدلال کے درمیان کوئی تعلق نہیں رہ جاتا ہے۔

اسی طرح ریاض نعسان کی یہ بات بھی صحیح نہیں ہے جن کا گمان ہے کہ اہل مدینہ کی سرکوبی کے لیے جو اقدام ہوا اس کا ہدف انصار تھے مہاجرین نہیں۔ [1]

رہے مستشرقین، سو انھوں نے اس معرکہ کے حوالے سے اسلامی معاشرہ کی خصوصیات و طبائع کو سلب کرنے کی کوشش کیا، اور عربوں کی زندگی میں اسلام نے جو نئی طرز زندگی دے کر ایک بڑا انقلاب پیدا کیا تھا، اور جاہلی افکار ونظریات کی جن زنجیروں سے اس نے انھیں نجات دلایا تھا، اس کو بھول گئے، چناں چہ اکوست مولیر کہتا ہے:

> ''حرہ کی جنگ جاہلی اور اسلامی نظریات میں تصادم کا نتیجہ تھی، جس میں اہل شام، مدینہ والوں سے اپنے آباء و اجداد اور اقارب کے خون کا بدلہ لینا چاہتے تھے جو معرکہ بدر میں اور دیگر معرکوں میں شرک کی حالت میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کیے گئے تھے، یا یوں کہیے کہ یہ ایک صاحب ایمان مسلم جمہوریت کے خلاف جاہلیت میں ڈوبی ہوئی مشرکانہ ڈکٹیٹر شپ کا انقلابی اقدام تھا۔'' [2]

جب کہ دوزی اس معرکہ کو مکہ اور مدینہ کے درمیان دور قدیم سے چلی آرہی چپقلش کا امتداد مانتا ہے، وہ لکھتا ہے:

> ''یزید جو کہ مکہ میں قدیم ڈکٹیٹر شپ کا ابھرا ہوا نمائندہ تھا، عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت دیکھ کر بہت متاثر ہوا، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے اہل مدینہ کے ہاتھوں اس کے دادا ابوسفیان کی جو ہزیمت و رسوائی ہوئی تھی اس پر اندرون سینہ برانگیختہ تھا، اور رہ رہ کے کوستا تھا کہ وہ مدینہ جو ایک ویران زمین تھی، اور طویل عرصے تک وہاں انسانوں کے بجائے کتے اور دیگر وحشی جانور رہتے

---

[1] النزاع والتخاصم بین افراد البیت الاموی/ ریاض نعسان ص (۷۵)

[2] الاسلام فی المشرق وا لمغرب، بحوالہ: تاریخ الامة العربیة/ محمد اسعد اطلس ص (۴۱، ۴۲)

بستے تھے، وہ اب صرف انصار کا مدینہ رہ گیا، وہاں کے بیشتر اصلی باشندے دور دراز کی نئی نئی سکونت کے متلاشی ہونے لگے کچھ تو افریقی فوجوں سے جا ملے، اور کچھ مدینہ ہی میں ایسی خستہ حالت میں رہ گئے کہ ان پر مرثیہ کہنے کو دل چاہتا ہے۔'' ❶

افسوس ناک بات یہ ہے کہ یہ تصورات صرف مستشرقین تک محدود نہ رہے بلکہ اسلام کی طرف منسوب بعض دیگر مولفین نے بھی اسی عجیب و غریب اور اس دور کے اسلامی معاشرہ کے روح و مزاج سے بعید تر خیالات کا اظہار کیا ہے، چناں چہ سید امیر علی لکھتا ہے: اس طرح امویوں نے الفت و ہمدردی کا وہ قرض چکا دیا جو فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کے غلبہ کے وقت انھیں ملا تھا، یعنی نوجوانوں کے مسکراتے چہرے قتل کر دیئے گئے اور شرفاء و پاکیزہ شخصیتوں کو دور دراز کے شہروں میں بھگا دیا، رہے کالجز، اسپتال، اور عوامی رہائش گاہیں جو خلفاء کے زمانے میں تعمیر کی گئی تھیں، انھیں مقفل کر دیا گیا، یا ڈھا دیا گیا، اور جزیرہ عرب اپنے ماضی کی تاریکی میں لوٹ گیا، تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بعد میں جعفر الصادق جیسے لوگوں کو مسلط کیا۔ ❷ اور عبود شالجی اموی خلفاء کی تکفیر کرتے ہوئے کہتا ہے: ابوسفیان اسلام نہیں لائے تھے، وہ تاحیات اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کینہ پرور رہے جس کا عملی نمونہ مظہر اس وقت سامنے آیا جب ان کے پوتے یزید بن معاویہ نے اہل مدینہ کے ساتھ وہ کچھ کیا جسے کرنا تھا۔ ❸ جب کہ فلیب ہٹی ان سب سے آگے بڑھ کر یہاں تک لکھ گیا کہ شام سے یزید کی جو فوج مدینہ کے لیے نکلی تھی اس میں بہت سارے شام کے نصاریٰ بھی شامل تھے۔ ❹ یہ جھوٹ لکھتے ہوئے فلیپ یہ بھول گیا کہ مسلمانوں کی طویل تاریخ میں ان کی صفوں میں شامل ہو کر کبھی کسی غیر مسلم نے قتال نہیں کیا تو بھلا ایسے لشکر میں نصاریٰ کی شمولیت بھلا کیسے ہو سکتی ہے جو مکہ و مدینہ جیسے مقدس ترین مقام کو روانہ ہو رہی ہو جس میں کفار کا داخلہ ہی ممنوع ہے اور ارض حرم ہے۔ رہے ابراہیم بیضون، سو ان کا خیال ہے کہ حرہ کی یہ جنگ خالص سیاسی اور اقتصادی تھی۔ ❺

بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل مدینہ نے صرف امویوں کو مدینہ سے نکال کر اور پھر یزید کی بیعت توڑ کر انھیں رسوا کیا تھا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اہل مدینہ کی طرف سے امویوں کی اس محصوریت نے اہل شام کے دلوں میں مدینہ ہی میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کی یاد تازہ کر دی تھی۔ ❻

---

❶ تاریخ مسلمی إسبانیا (۱/ ۷۳) بحوالہ تاریخ الدولة العربیة، فلھاوزن (۱۵۹)

❷ مختصر تاریخ العرب، سید امیر علی ص (۹٤) نیز نقد المودودی فی رسائلہ مع مریم جمیلہ۔

❸ الفرج بعد الشدة (۱/ ۸۳، ۸٤) تعلیق علی کتاب التنوخی

❹ تاریخ العرب/ فلیب حتی (۱/ ۲٥٤۸٤)

❺ الحجاز والدولة الاسلامیة/ ابراھیم بیضون (۲۷۱)

❻ تاریخ الدولة الامویة/ یوسف العش (۱۷٤، ۱۷٥)

دراصل عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے وقت بلوائیوں نے مدینہ پر اپنا جو موقف تھوپا تھا اور جس دردناک انداز میں آپ اور آپ کے ساتھ دیگر افاضل صحابہ کو نظر بند کیا تھا ان کارستانیوں نے اہل مدینہ کے خلاف شامیوں کے جذبات کو غصہ ونفرت سے بھڑکا دیا تھا، خاص طور سے جب خون شہادت میں ملوث عثمان رضی اللہ عنہ کی قمیص، اوران کی زوجہ محترمہ نائلہ بنت فرافصہ کی انگلیوں کے کچھ حصے بلاد شام منتقل کئے گئے تو پورے شامی معاشرہ پر ایک ہیجانی کیفیت طاری ہوگئی، پھر حالات کے اس اتھل پتھل کی درمیانی مدت میں اہل شام کے دلوں میں بہت ساری غلط فہمیوں، التباسات اور قیاس آرائیاں پیدا ہوگئیں، اور وہ مدینہ کے بارے میں یہ سوچنے لگے کہ یہ لوگ بھی شہادت عثمان میں شریک ہیں۔

اس کا اندازہ یوں لگائیے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج کے قائد بسر بن ارطاۃ جب یمن جاتے ہوئے مدینہ سے گزرے تو وہاں منبر پر چڑھے اور چیخ چیخ کر کہنے لگے کہ اے دینار! اے رزیق! ایک انتہائی نرم دل اور مہربان بوڑھا جس سے ابھی کل تک میں یہیں ملتا تھا، اس کے ساتھ کیا ہوا؟؟ اے مدینہ کے لوگو! اگر امیر المومنین کے حکم کا پابند نہ ہوتا تو آج میں یہاں کسی کو زندہ نہ چھوڑتا، پھر بسر بن ارطاۃ آگے بڑھ گئے۔ [1]

جب کہ معاویہ رضی اللہ عنہ [2] نے اور عمرو بن سعید بن العاص نے جب وہ مدینہ کے گورنر تھے، کھل کر یہ بات کہہ دی تھی کہ مدینہ والوں نے بلوائیوں کے ساتھ نرمی اور مداہنت سے کام لیا ہے، [3] اسی طرح عبدالملک کہا کرتے تھے کہ اے قریش کی جماعت جب تک تمھیں معرکہ حرہ یاد رہے گا تم ہم سے کبھی محبت نہیں کرو گے، اور ہمیں جب تک عثمان کی شہادت یاد رہے گی ہم تم سے کبھی محبت نہیں کریں گے۔ [4] اسی طرح بنو امیہ کا محاصرہ اور مدینہ سے ان کی جلاوطنی کا درد عبدالملک کے ذہن میں باقی تھا اور جب جب اسے یاد کرتے تو کہتے: اہل مدینہ کے ہمارے ساتھ جو برتاؤ رہا اسے سوچ کر میں ان کے خلاف کچھ انتقامی کارروائی کا ارادہ کرتا ہوں، لیکن مجھے ابوبکر بن عبدالرحمٰن یاد آجاتے ہیں، اور میں ان سے شرما جاتا ہوں، پھر اپنے ارادے سے باز آجاتا ہوں۔ [5]

جب اہل مدینہ اور وہاں کے بچوں کی شکست ہوئی تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے قسم کھاتے ہوئے کہا: "بعثمان و

---

[1] الاستعیاب، ابن عبدالبر (١/ ١٦٢) مختصر ابن عساكر/ ابن بدران (٣/ ٢٢٥)، سير اعلام النبلاء (٣/ ٤١٠) عن ابن اسحاق سخاوى، التحفة اللطيفه (١/ ٣٧٠)

[2] طبرى (٥/ ٢٣٩)

[3] العقد الفريد (٤/ ١٣٢)

[4] الموفقيات/ زبير بن بكار ص (٥٧٤)

[5] طبقات ابن سعد (٥/ ٢٠٩)

رب الکعبۃ‘‘...... ’’رب کعبہ کی قسم یہ عثمان کا بدلہ ہے۔‘‘ [1]

متعدد روایتوں میں یہ بات ملتی ہے کہ مسلم بن عقبہ نے اہل مدینہ کے ساتھ جو برتاؤ کیا تھا وہ دین اور عقیدہ سمجھ کر کیا تھا وہ اپنے بارے میں یہی گمان کرتے تھے کہ میں حق پر ہوں، اور جو شخص بھی خلیفۃ المسلمین کی بیعت اطاعت سے دست بردار ہو اس سے جنگ کرنا واجب ہے تاوقتیکہ وہ جماعت المسلمین کی طرف لوٹ نہ آئے۔ [2] اسی طرح بہت ممکن ہے کہ مسلم بن عقبہ اور ان کے ساتھیوں کے اقدام میں وہی محرک کارفرما رہی ہو جو اہل مدینہ کے خلاف بسر بن ارطاۃ کے دل میں تھی۔ [3]

ان مباحث کو پڑھتے ہوئے ہمیں اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہئے کہ مدینہ والوں کے خلاف اہل شام کے اقدامی عمل کا جاہلیت سے کوئی تعلق تھا، یا کہ اہل شام اور اہل مدینہ کے درمیان طلب اقتدار کا مقابلہ تھا جیسا کہ مستشرق مورخ فلہوزون کہتا ہے۔ [4] بلکہ ان تجزیاتی مباحث اور تنقیحات کے ذریعہ ہم اس معرکہ کے بارے میں صحیح نقطہ نظر قائم کرنے کے ساتھ اس کے اسباب و مثبت نتائج کا تدارک بھی کر سکتے ہیں۔

چناں چہ جب ہم یہ دیکھنا اور متعین کرنا چاہتے ہیں کہ اس معرکہ کا اصل ذمہ دار کون تھا؟ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک حادثہ جانکاہ کو انجام دینے میں شریک رہا، یہ بہت مشکل اور غیر معقول بات ہے کہ اس کی پوری ذمہ داری یزید کے سر تھوپ دی جائے اور مدنیوں کو اس سے مکمل بری کر دیا جائے، کیوں کہ جس وقت اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑنے اور بنوامیہ کو مدینہ سے باہر نکالنے کا اقدام کیا تو فضلاء صحابہ و تابعین جو اپنی صداقت و امانت، حسن ایمان، اصابت رائے اور علم و عمل میں مسلم تھے سب نے ان پر اعتراض کیا، اور ایسے اقدام سے منع کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی کو لے لیجئے جو اپنے زمانے کے بلا اختلاف شیخ الصحابۃ تھے، لوگوں میں سب سے نیک اور پرہیزگار، دینی فقہ و بصیرت میں سب پر فوقیت رکھنے والے، جن کے صلاح و تقویٰ کی شہادت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ [5] ان کا موقف ایسے فتنوں کے تعلق سے انتہائی ٹھوس اور درست تھا، جس پر غیروں نے بھی ان کی تعریف کیا اور دیگر معاصرین پر آپ کی بصیرت و موقف کی برتری کو

---

[1] المنتظم / ابن الجوزی (٦/ ١٦)

[2] طبقات ابن سعد (٥/ ٤٧٤) عن الواقدی، انساب الاشراف (٤/ ٣٣١) عن المدائنی عن ابی جعده، طبری (٥/ ٤٩٧) عن عوانة۔

[3] انساب الاشراف (٤/ ٣٣١) عن المدائنی، ابن عساکر (١٦/ ق ٤٧٧) عن الواقدی التعازی والمراثی/ المرد (٢٥١)

[4] تاریخ الدولة العربیة/ فلهاوزن ص (١٥٥)

[5] صحیح البخاری مع الفتح (٦/ ١١٣، ٣٧٤١)، صحیح مسلم(٤/ ١٩٢٧، ٢٤٧٨)، ابن سعد (٤/ ١٤٧)

سراہا گیا، جابر بن عبداللہ جیسے صحابی رسول ﷺ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اگر مجھے یہ کہنا ہو کہ فتنے میں ابن عمر کو چھوڑ کر سب ملوث ہوئے تو میں یہ کہہ سکتا ہوں۔'' ❶

موسیٰ بن طلحہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''اللہ رحم فرمائے عبداللہ بن عمر پر۔ اللہ کی قسم! میں ان کے بارے میں سمجھتا ہوں کہ وہ عہد نبوت کی شاہراہ پر قائم ہیں، کسی فتنے سے متاثر نہیں ہوئے، نہ آپ میں کوئی تبدیلی آئی، اللہ کی قسم! قریش آپ کو اپنے اولین فتنہ میں ملوث نہ کر پائے۔'' ❷

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''پہلے عہد (عہد نبوت) کے اصولوں کو ابن عمر سے زیادہ برتنے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔'' ❸

سعید بن المسیب کہتے ہیں: ''اگر مجھے کسی کے بارے میں جنت کی گواہی دینا ہو تو ابن عمر کے بارے میں دوں گا۔'' ❹

جب کہ علی بن حسین آپ کی منقبت میں فرماتے ہیں کہ ''ابن عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ زاہد اور صوابدید تھے۔'' ❺

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وفات نبوی ﷺ کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہما ساٹھ سال تک زندہ رہے، حج کے موسم میں فتویٰ دیتے، وہ ائمہ دین میں سے تھے۔'' ❻

یہ تھے جلیل القدر عالم و فاضل صحابی رسول جن کا موقف اہل مدینہ کے بالکل مخالف تھا، بلکہ صحیح روایت ثابت ہے کہ آپ نے انھیں حدیث رسول سناتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ بہت بڑی غلطی پر ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ اپنے فرزندان و اقارب کو اپنے پاس بلایا اور انھیں یزید بن معاویہ کی بیعت توڑنے سے منع کیا۔

رہے اہل بیت نبوی، سو انھوں نے اطاعت و فرمانبرداری کا بھرپور مظاہرہ کیا، اور یزید کے خلاف مدینہ والوں کا ساتھ نہیں دیا، نہ آل ابوطالب کا کوئی فرد نکلا، اور نہ ہی بنو عبدالمطلب کا۔ ❼

---

❶ طبقات ابن سعد (٤/ ١٤٤) السنة/ ابن ابی عاصم (٢/ ٣٤٦)، مصنف ابن ابی شيبة (١٥/ ٧) فضائل الصحابة (٢/ ٨٩٤)، المعرفة و التاريخ، الفسوی (١/ ٤٩٠) مستدرك حاكم (٣/ ٥٦٠)

❷ طبقات ابن سعد (٤/ ١٤٦)

❸ مستدرك حاكم (٣/ ٥٥٩)

❹ فضائل الصحابة، احمد بن حنبل (٢/ ٨٩٥، ١٧٠٣) المعرفة والتاريخ (١/ ٤٩١)

❺ مستدرك حاكم (٣/ ٥٦٠)

❻ طبقات الفقهاء/ الشيرازی (٥٠)

❼ الطبقات الكبری/ ابن سعد (٥/ ٢١٥) عن الواقدی

علی بن حسین بن علی بن ابی طالب خود اہل مدینہ کے خلاف رہے، اور ان کا ساتھ نہیں دیا، یزید کی اطاعت پر جمے رہے، ان کے بارے میں امام زہری فرماتے ہیں: اہل بیت میں سب سے افضل اور اطاعت شعار تھے، ایک جگہ لکھتے ہیں: ''میں نے آل بیت میں علی بن حسین سے افضل کسی کو نہیں پایا۔''[1]

آپ کے بارے میں ابوحازم کہتے ہیں: ''میں نے علی بن حسین سے افضل کسی ہاشمی کو نہیں دیکھا۔''[2]

یہ محمد بن الحنفیہ ہیں جنھوں نے یزید کے تئیں اہل مدینہ کی تہمتوں کو لے کر ان سے حجت و مباحثہ کیا، ان کی غلط فہمیوں کی تردید کیا، خروج میں ان کا ساتھ نہیں دیا، نہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو اہل مدینہ کے ساتھ نکلنے کے لیے کہا اور جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ مسلم بن عقبہ کی فوج مدینہ سے قریب ہو چکی ہے تو آپ مکہ چلے گئے۔[3]

مذکورہ افاضل شخصیات کے ساتھ امت مسلمہ کے مستند فقیہ اور علم کے سمندر ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھئے، وہ بھی وہیں باحیات تھے لیکن یہ ثبوت نہیں ملتا کہ آپ نے مدینہ والوں کی تائید کی ہو یا یزید بن معاویہ کی بیعت سے ہاتھ کھینچ لیا ہو۔

یہ ہیں آل بیت نبوی کے فی زمانہ عبقری شخصیتیں جنھوں نے خروج میں مدینہ والوں کا ساتھ نہیں دیا، حالاں کہ دوسروں کے مقابلے میں ان کے پاس یزید کے خلاف اعلان بغاوت کے اسباب اور جواز کی وجوہات زیادہ موجود تھیں، یعنی حسین رضی اللہ عنہ اور اکثر آل بیت کو یزید کے ایک گورنر عبیداللہ بن زیاد کے ہاتھوں جام شہادت نوش کرنا پڑا تھا، اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ یہ آل بیت النبی اپنے گھروں میں ٹھہرے رہے، اور مدینہ والوں کو خروج کے برے انجام سے ڈراتے رہے جیسا کہ ابن الحنفیہ نے کیا۔

زینب بنت ابی سلمہ [4] کو لے لیجئے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ تھیں، اور جن کا ایک بیٹا اہل شام سے قتال کے نتیجہ میں ہلاک ہو گیا تھا ان کا خیال یہ تھا کہ کہیں وہ بری موت والوں کے زمرے میں نہ آ جائے، اس طرح گویا آپ اہل مدینہ کے خروج اور ان کے قتال میں کوئی شرعی رنگ نہیں پاتی تھیں۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''معرکہ حرہ میں زینب کے دولڑکے کام آ گئے جب انھیں اٹھا کر زینب کے پاس لایا گیا تو انھوں

---

[1] ابن عساکر (١٢/ ق٣٥) [2] ایضًا

[3] طبقات ابن سعد (٥/ ١٠٠) عن الواقدی، سیر اعلام النبلاء (٤/ ١١٧، ١١٨)

[4] آپ زینب بنت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد المخزومیہ ھیں، ان کی ماں کا نام ام سلمہ بنت ابی امیہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ماں سے شادی کی تھی جب کہ یہ زینب کو دودھ پلا رہی تھیں۔ (الاصابۃ ٧/ ٦٧٥-٦٧٦)

نے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا ان دونوں کی وجہ سے مجھ پر کتنی بڑی مصیبت نازل ہوئی، اس میں ایک مصیبت دوسرے سے بڑھ کر ہے ایک نے (اس فتنہ میں) اپنا ہاتھ پھیلایا اور قتال کیا یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا، پس میں اس کے بارے میں (برے انجام سے) ڈرتی ہوں، جب کہ دوسرے نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا (نہیں شریک ہوا) یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا، پس میں اس کے لیے (خیر کی) امید کرتی ہوں۔''[1]

بتا تا چلوں کہ زینب بنت ابی سلمہ کے کلام سے میں نے یہاں اس لیے استدلال کیا ہے کہ وہ اپنے دور میں خواتین مدینہ میں سب سے زیادہ فقہ وبصیرت کی مالک تھیں۔[2]

انہیں محترم واصحاب بصیرت شخصیات کی طرح ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور سعید بن مسیّب بھی شام والوں کے خلاف احتجاج وقتال میں شریک نہیں ہوئے، یہاں تک کہ عصامی کا کہنا ہے: یزید کی بیعت توڑنے پر کسی بھی صحابی رسول نے اہل مدینہ کی تائید یا موافقت نہیں کیا۔[3]

چنانچہ یہ دلائل اور ثبوت واضح کرتے ہیں کہ وہاں فقہ وبصیرت، علم وفضل، اور صلاح وتقوی سے مالا مال ایک مضبوط تحریک موجود تھی جس نے یزید کے خلاف خروج نہیں کیا اور اس میں یہی عقیدہ کارفرما رہا کہ اہل مدینہ غلطی کے مرتکب ہورہے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی دلیل اس تحریک کے افراد کی وہ نصیحت اور خیر خوا ہیاں ہیں جنھیں وہ موقع بہ موقع بیان کرتے رہے۔

مختصراً پورے واقعہ کی حقیقت یہ ہے کہ یزید اہل مدینہ کے احتجاج ومخالفت کا سیدھے طریقہ سے حل نکالنا چاہتا تھا، اور خونریزی سے بچنے کی اس نے پوری کوشش کیا۔[4] لیکن مدینہ والوں کو اپنے موقف پر بضد اور اصرار نے حالات کو بگاڑ دیا اور پھر جو کچھ ہونا تھا وہ پیش آیا۔ تاہم محمد عزت دروزہ[5] جیسے مولفین کی طرح یزید کو مکمل طور سے اس حادثہ کی ذمہ داری سے بری نہیں کرسکتے، بلکہ مدینہ کی لوٹ مار کا اول ذمہ دار وہی ٹھہرئے گا، کیوں کہ مسلم بن عقبہ کو اس اقدام کی اجازت دے کر اس فاش غلطی کا دروازہ اسی نے کھولا تھا۔[6]

---

[1] تاریخ خلیفہ (۲۲٦) باسناد صحیح۔ بیہقی (٦/ ٤٧٤) عن یعقوب باسناد صحیح۔ ابن عساکر (٦/ ق٤٧٨) تاریخ یعقوب (۳/ ۳۲۷، ۳۲۸) میں زینب اور ان کے دونوں لڑکوں کا بسر بن ارطاۃ کے ساتھ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے، وہاں اس معرکہ سے متعلق کذب بیانیاں واضح ہوتی ہیں۔

[2] الاصابۃ/ ابن حجر (۷/ ٦۷٦)

[3] اسی سے قریب ترمعنی دیکھئے: الروض الانف (۳/ ۲۵٦)، سمط النجوم العوالی (۳/ ۹۱)

[4] الوثائق السیاسیۃ للجزیرۃ العربیۃ/ محمدماھر حمادۃ ص (۲٤)

[5] تاریخ الجنس العربی/ محمد عزت دروزہ (۸/ ٤۵۱)

[6] البدایۃ والنہایۃ/ ابن کثیر (۸/ ۲۲۵) القید الشرید / ابن طولون ق ۸

لیکن یہ بھی یاد رکھیں کہ اہل مدینہ بھی اس حادثہ کے کم ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اپنے معاندانہ اور نامناسب موقف کی وجہ سے ان کے سر بھی اس کی ایک بڑی ذمہ داری جاتی ہے۔ [1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی یزید کو اس حادثہ کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ [2] چوں کہ فریقین کا ہر گروہ اپنے موقف کو برحق سمجھتا تھا، اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں اور ضرورت بھی ہے کہ خاص طور سے اس حادثہ کو لے کر اسلاف میں جو نظریاتی اختلاف رہے اس سلسلے میں کتاب وسنت کے شرعی کلی قواعد کی روشنی میں اسلام کا حکم بیان کرتا چلوں کہ جنھیں علماء امت نے خوب واضح طور بیان کیا ہے۔

ا۔ امام المسلمین کے خلاف خروج کے احکام:

جیسا کہ معلوم ہے کہ اسلام حقانیت وصداقت، عدل ومساوات، نظام وضابطہ اور عہد ووفا کا دین ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ امام وقت یعنی خلیفۃ المسلمین کی بیعت اس بات کو لازم ہے کہ عہد وپیان کی مکمل وفاداری کی جائے، اسے توڑا نہ جائے بلکہ اس کا پورا پورا التزام ہو، تاکہ اسلامی معاشرہ ایک جان دار قالب بن کر رہے اور اتحاد ویگانگت پروان چڑھے، اختلاف وتفرقہ، باہمی نزاع اور جدال وقتال کا وہاں شائبہ نہ ہو، کیوں کہ اس کا راست فائدہ دشمن کو ملے گا، اور مسلمانوں کے حق میں یقینی خسارہ کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آئے گا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عہد کی پابندی اور اطاعت کے التزام کو بڑے واضح انداز میں پیش کیا ہے۔ فرمایا:

☆.... ﴿وَأَوْفُواْ بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولًا﴾ (الاسراء: ۳۴)

''عہد وپیان کو پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں جوابدہ ہونا پڑے گا۔''

☆.... ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَوْفُواْ بِالْعُقُودِ﴾ (المائدۃ: ۱)

''اے ایمان والوں عہد وپیان کو پورا کرو۔''

☆.... ﴿وَأَوْفُواْ بِعَهْدِ اللّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلاَ تَنقُضُواْ الأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا﴾ (النحل: ۹۱)

''اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم آپس میں قول وقرار کرو اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو حالاں کہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو۔''

---

[1] خطط الشام، محمد کرد علی (۱/ ۱۱۳) محاضرات فی الدولۃ الامویۃ، الخضری (۲/ ۱۳۲) موسوعۃ التاریخ الاسلامی/ احمد شلبی (۲/ ۵۲)، تاریخ الاسلام، شاہ معین الدین (۲/ ۶۰) تاریخ الدولۃ الاسلامیۃ، حوجینا غیانۃ ص (۱۱۰)

[2] الوصیۃ الکبری/ ابن تیمیہ ص (٥٤)

ان آیات قرآنیہ کے علاوہ بہت ساری نبی اکرم ﷺ سے متواتر ❶ اور صحیح حدیثیں ثابت ہیں جو اس تعلیم پر بہت زور دیتی ہیں، اور خلیفہ وقت کی سمع و طاعت پر سختی سے عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتی ہیں، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے سے ڈرایا ہے اور واضح کیا ہے کہ جو ایسا اقدام کرے وہ جاہلیت کی موت کے زیادہ قریب ہے۔ ❷

رسول اللہ ﷺ نے اسلام میں حکومت کی اہمیت کو بھی خوب واضح کر دیا ہے اور بتایا ہے ک جو حاکم کو تقویت دیتا ہے اسے اللہ تقویت دیتا ہے اور جو حاکم کو ذلیل کرتا ہے اللہ اسے ذلیل کرتا ہے۔ ❸ معاً حاکم کی اطاعت کو آزاد نہیں چھوڑ دیا گیا ہے بلکہ نبوی احکامات و فرامین کے ذریعہ اطاعت کی ان حدود کو بھی واضح کر دیا گیا ہے جن کی پیروی رعایا پر واجب ٹھہرائی گئی ہے، پس امیر المومنین کی اطاعت ہر چیز میں بقدر استطاعت اس وقت تک واجب ہے جب تک وہ معصیت کا حکم نہ دے۔ ❹ آپ ﷺ نے ان مسلم امراء و حکام کی حالت بھی صحابہ سے واضح کر دی ہے جو بعد کے ادوار میں آئیں گے اور بتا دیا ہے کہ ان امراء و حکام کے ساتھ ہمارا تعامل کیسا ہونا چاہیے، خاص طور سے ان حالات میں جب ہم ان سے خلاف شرع امور دیکھیں، اور وہ معصیت کے کام ہوں چناں چہ آپ نے فرمایا:

((ستکون امراء فتعرفون و تنکرون، فمن عرف بری، و من انکر سلم، و لکن من رضی و تابع۔ قالوا یا رسول الله أفلا نقاتلهم قال: لا ما صلوا.)) ❺

''عنقریب امراء و حکام ہوں گے جن سے تم معروف و منکر دیکھو گے۔ جس نے پہچانا بچ گیا جو نا

❶ الدراری المضیئة/ الشوکانی (۲/ ۳۰۱، ۳۰۲)

❷ صحیح البخاری مع الفتح (۱۳/ ۳۷، ۳۸، ۳۹)، صحیح مسلم مع نووی (۱۲/ ۲۳۸، ۲۴۰)، مسند احمد (۴/ ۱۹۷، (۲۸۳۶)، ۷/ ۲۰۵ (۵۳۸۶)، ۸/ ۵۱ (۵۶۴۹)، ۱۵/ ۸۷ (۷۹۳۱)، سنن ابن ماجة (۳۹۴۸) سنن دارمی (۲/ ۱۵۸) سنن نسائی (۷/ ۱۳۹)، معجم اوسط طبرانی (۱/ ۱۷۵)، مجمع الزوائد (۲/ ۱۷) موارد الظمان (۳۷۱)، الدر المنثور/ السیوطی (۲/ ۱۸۵) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: جاہلیت کی موت سے مراد موت کی وہ حالت جس میں اہل جاہلیت ایسی ضلالت و گمراہی پر مرتے تھے کہ ان کا کوئی امام مطاع نہیں ہوتا تھا، کیوں کہ یہ لوگ اس طریقہ حیات کو جانتے ہی نہیں تھے، یہ مراد نہیں ہے کہ وہ کافر کی موت مرا، بلکہ وہ گنہگار ہو کر مرا۔ یہاں تشبیہ اپنے ظاہری معنوں پر محمول ہے۔ (الفتح ۱۳/ ۹)

❸ مصنف ابن ابی شیبة (۱۱/ ۳۴۴، ۱۵/ ۱۲۶)، مسند احمد (۵/ ۱۶۵)، ابوداؤد مع عون المبعود (۱۳/ ۱۹۲) ابن ابی عاصم السنة (۲/ ۴۹۲) و حسنه الالبانی، مجمع الزوائد/ الهیثمی (۵/ ۲۲۲)

❹ صحیح البخاری مع الفتح (۶/ ۱۳۵، ۱۳/ ۱۱۹، ۱۳۰)، مسلم مع النووی (۱۲/ ۲۲۶، ۲۳۳) مصنف ابن ابی شیبة (۱۱/ ۳۳۵)، مسند احمد (۸/ ۵۱ (۵۶۷۹) ۱۱/ ۶۲ (۶۸۱۵)، المنخثب/ ابن حمید (۲۴۶)، السنة ابن ابی عاصم (۲/ ۴۸۸ (۱۰۱۵) مسند ابوعوانه (۴/ ۴۷۱، ۴۸۵)

❺ صحیح مسلم، الامارة، باب وجوب الانکار علی الامراء فیما یخالف الشرع ۱۸۵۴

پسند کیا محفوظ رہا لیکن جو راضی رہا اور پیروی کی۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا (ایسی صورت میں ہم) ان سے قتال نہ کریں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، جب تک وہ نماز پڑھیں۔''

پھر آپ ﷺ نے اسے مزید واضح کرتے ہوئے فرمایا:

((انکم سترون بعدی اثرۃ واموراً تنکرونہا .))

''تم لوگ میرے عہد بے جا ترجیحات (بمعنی ظلم) دیکھو گے اور ایسی چیزیں دیکھو گے جنھیں تم ناپسند کرو گے۔''

صحابہ نے دریافت کیا: آپ ہمیں ایسے وقت میں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

((اَدّوا الیہم حقہم وسلوا اللہ حقکم .)) [1]

''انھیں ان کا حق دو، اور اپنا حق اللہ سے مانگو۔''

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أثـــرۃ'' کا معنی ہے دنیا کے معاملات کے ذریعہ تم پر ظلم کرنا، یعنی ان کی بات سنتے اور اطاعت کرتے رہو گرچہ وہ امراء دنیاداری کو ترجیح دیں اور تمھیں اس سے تمھارا حق نہ دیں۔'' [2]

نبی اکرم ﷺ نے امیر المسلمین کی اطاعت کو واجب العمل ٹھہرایا ہے حتی کہ وہ اگرچہ حقیر النسب ہو، چناں چہ فرمایا:

((اسمعوا و اطیعوا وان استعمل علیکم عبد جیشی کان راسہ زبیبۃ .)) [3]

''سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ تم پر کوئی ایسی حبشی غلام ہی عامل بنا دیا گیا ہو جس کا سر کشمش جیسا ہو۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے بتایا کہ اگر سلطان المسلمین کی طرف سے مسلمانوں کو ظلم کا سامنا کرنا پڑے تو وہ کیا کریں؟ اور اگر تنبیہ و مشورہ کے بعد بھی وہ اپنی ظالمانہ حرکت پر بضد رہے اور رعایا کو اس کے واجبی حقوق سے محروم رکھے تو بھی رعایا پر یہی فرض ہے کہ وہ تنازل اختیار کر لے، آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری مع الفتح (۱۳/ ۷ ج ۷۰۵۳)، مسلم مع نووی (۱۲/ ۲۳۲، ۲۳۶) اسی معنی سے قریب تر کے لیے دیکھیں: مسند احمد (۵/ ۲۳۵ (۳۶٤۱)، مصنف ابن ابی شیبۃ (۱۵/ ۵۹) سنن دارمی (۲/ ۳۲٤)، معجم الاوسط/ طبرانی (۱/ ۱۹٦)، السنن الکبریٰ/ البیہقی (۸/ ۱۵۸)

[2] صحیح مسلم مع نووی (۱۲/ ۲۲۵)

[3] صحیح بخاری مع الفتح (۱۳/ ۱۳۰)، مسلم مع نووی (۱۲/ ۲۲۵) بمعناہ، مسند احمد (٤/ ۱۲۰، ۱۲۷) سنن ابی دائود (٤٦۰۷)، ابن ماجہ (٤٤)، سنن ترمذی (۲۸۱۷)، الحلیۃ/ ابونعیم (۵/ ۲۲۰، ۱۰/ ۱۱۵)، سنن بیہقی (۱۰/ ۱۱٤) مستدرک حاکم (۱/ ۹٦) شرح السنۃ/ بغوی (۱/ ۱۰۵)

((اتانی جبریل فقال: ان امتك مفتتنة بعدك .))

تمھاری امت تمھارے بعد فتنوں کی شکار ہوگی، تو میں نے کہا: من این؟ کہاں سے؟ انھوں نے فرمایا:

((من قبل امراء هم و قراء هم یمنع الامراء الناس الحقوق ، فیطلبون حقوقهم فیفتنون و یتبع القراء هولاء الامراء فیفتنون .))

''اپنے امراء اور علماء کی طرف سے، وہ امراء لوگوں کو ان کے حقوق سے روکیں گے۔ (جس کے نتیجہ میں) لوگ ان سے اپنے حقوق کی بازیابی کا مطالبہ کریں گے، پس وہ فتنے میں پڑ جائیں گے، اور علماء ان امراء وحکام کے پیچھے چلیں گے، اس طرح وہ فتنے میں پڑ جائیں گے۔''

میں نے دریافت کیا: ایسی صورت میں ان سے جو بچے گا وہ کیسے بچ پائے گا؟ آپ نے فرمایا:

((بالكف والصبر إن أُعطوا الذى لهم أخذوه و إن منعوه تركه .))

''صبر کر کے، اور ہاتھ روک کر، کہ اپنا جو حق پایا اسے لے لیا اور اگر حق تلفی ہوئی تو اسے چھوڑ دیا۔'' [1]

صرف اسی پر بس نہیں بلکہ آپ ﷺ نے یہاں تک واضح کر دیا ہے کہ ایسے بھی امراء ہوں گے جو میری ہدایت سے مستفیض نہیں ہوں گے اور نہ ہی میری سنت کی راہ اپنائیں گے۔ دریں صورتحال جس کا سامنا ایسے امراء سے ہو اسے صبر کرنا چاہئے اگرچہ اس کا مال چھین لیا جائے اور اس پر کوڑے برسائے جائیں۔ [2]

یہ نبی رحمت ﷺ کی شان رحمت ہی ہے کہ خلافت کے طلبگاروں کی کثرت کے وقت مسلم رعایا کی ذمہ داری کی مجہول نہیں چھوڑا کہ وہ حیران و پریشان رہیں بلکہ آپ ﷺ نے صاف لفظوں میں یہ واضح کر دیا ہے ان حالات میں امراء کے ساتھ تعامل و برتاؤ کا صحیح راستہ کیا ہے۔ فرمایا: بنواسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کرتے تھے، جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو اس کے پیچھے دوسرا نبی ہوتا البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ عنقریب خلفاء ہوں گے، اور ان کی کثرت ہوگی، صحابہ نے عرض کیا: آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

((فوابيعة الاول فالاول و اعطوهم حقهم فان الله سائلهم عما استرعاهم .)) [3]

---

[1] مصنف ابن ابی شیبة (۱۱/ ۳٤٤، ۱۵/ ۱۲٦)، مسند احمد (۵/ ۱٦۵)، ابوداؤد مع العون (۱۳/ ۱۹۲، ۲۲۲)

[2] صحیح مسلم مع نووی (۱۲/ ۲۳۷، ۲۳۸) مواردالظمان/ هیثمی ص (۳۷۱)

[3] صحیح مسلم مع نووی (۱۲/ ۲۳۱)، مسند احمد (۱۵/ ۱۰۸، ۷۹٤۷)

''اول بہ اول خلیفہ کی بیعت کی وفاداری کرو، اور انھیں انکا حق دو، بے شک اللہ تعالیٰ ان سے ان کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھنے والا ہے۔''

ہم آپ کو بتاتے چلیں کہ امام وقت کی سمع و طاعت پر ابھارنے والی ان احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا مقصد یہ نہیں کہ ایک مسلمان بحیثیت رعایا اپنے حاکم کے سامنے ہمہ وقت خندہ زن رہے، اپنے اختیارات اس کے حوالے کردے، برائیوں کی تردید میں چشم پوشی سے کام لے، یا اس کی غلطیوں پر انکار نہ کرے، اور صرف ایک اندھا مقلد بن کر رہ جائے کہ اس کے ہر حکم پر جھک جائے اور جس سے منع کرے، اس سے بلا چوں چرا رک جائے، بلکہ آپ ﷺ نے حق بات کہنے کو واجب ٹھہرایا، اور تلقین کیا کہ اس سلسلے میں کسی ملامت گر کے ملامت کی پرواہ نہ کرے۔ [1] لیکن شرط اولین یہ ہے کہ یہ سب کچھ اطاعت کے جھنڈے تلے ہو، اور اسلام کے متعین کردہ خطوط وقواعد کے مطابق ہو، یعنی جسے اسلام میں ''**الدین النصیحة**'' سے تعبیر کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((الدین النصحیة ثلاثا .))

''دین خیر خواہی کا نام ہے۔'' آپ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس کے لیے؟ آپ نے فرمایا:

((لله و لکتابه ولرسوله ولائمة المسلمین و عامتهم .)) [2]

''اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، اور مسلم حکام کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔''

دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((ثلاث لا یغل علیهن قلب مومن: اخلاص العمل لله، والنصیحة لولاة الامر و لزوم الجماعة .)) [3]

''تین چیزوں میں مومن کا دل خیانت نہیں کرتا، اللہ کے لیے خلوص عمل، امراء وحکام (مسلمین)

---

[1] صحیح البخاری مع الفتح (۱۳/ ۲۰٤)، مسلم مع النووی (۱۲/ ۲۲۸)، مسند حمیدی (۱/ ۱۹۲)، مسند احمد (۵/ ۳۹)، نسائی (۷/ ۱۳۹)

[2] صحیح مسلم (۱/ ۷٤، ۹۵)، مسند احمد (۱۵/ ۹۹، ۷۹٤۱)، قدرے اختلاف۔ السنة/ ابن ابی عاصم (۲/ ۵۲۰)

[3] مسند احمد (٤/ ۸۲)، سنن ابن ماجه (۳۰۵٦)، السنة / ابن ابی عاصم (۲/ ۵۱٦) مححق کتاب (۱۰۹٤) نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ مسند ابو یعلی (٤/ ۱۷۰)

کے لیے خیر خواہی اور جماعت کو لازم پکڑنا۔''

آگے چل کر آپ ﷺ نے اس نصیحت و خیر خواہی کے طریقہ کار کو بھی واضح کر دیا۔ فرمایا:

((مـن اراد ان ینصح لذی سلطان فلا یبده علانیة و لکن یاخذ بیده فیخلوبه فان قبل منه فذالك و الا کان قد ادی الذی علیه .)) ❶

''جو کسی حاکم وقت نصیحت کرنا چاہے تو اسے (ادھر ادھر) اعلان نہ کرے، بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ لے اور تنہائی میں لے جائے (وہاں کہے) اگر وہ اس نصیحت کو مان لے تو بہتر ہے، ورنہ اس پر (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا) جو حق تھا اسے ادا کر دیا۔''

رہی لوگوں کی وہ قسم جو حاکم کے منہ پر اس کی تعریف اور منقبت کے گن گاتا ہے اور جب وہاں سے ہٹتا ہے تو اسے گالیاں دیتا ہے اور بے عزتی کرتا ہے سو اس کے بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ نفاق کا کام ہے، اور اس پر ہمارے رسول ﷺ کا یہ قول صادق آتا ہے:

((ان شر الناس ذو الوجهین الذی یاتی هولاء بوجه و هولاء بوجه .)) ❷

''لوگوں میں سب سے برا شخص وہ ہے جو دو رخا ہو کہ ایک کے پاس ایک رخ سے آئے اور دوسرے کے پاس دوسرے سے۔''

۲۔ اطاعت امام کے حدیں، اور اس کی بیعت کب توڑی جا سکتی ہے؟

رسول اکرم ﷺ سے آپ کے صحابہ کی بیعت ہر حال میں تنگی میں آسانی میں، پسندیدگی و ناپسندیدگی میں، دنیاوی ترجیحات میں، سمع و طاعت کی بیعت کی تھی اور یہ عہد تھا کہ ولی امر سے ہم دست باگریباں نہیں ہوں گے۔ ❸

ہم سابقہ سطروں میں بیان کر چکے ہیں کہ حسب استطاعت ہر مسلمان پر اپنے امیر کی اطاعت اس وقت تک واجب ہے جب تک کہ وہ معصیت کا حکم نہ دے، اسی طرح ہم نے سابقہ روایات میں یہ بھی دیکھا کہ اس کی اطاعت بسا اوقات اس بات کی متقاضی بلکہ مستلزم ہوتی ہے کہ اگر وہ حد سے تجاوز کرے یا ظلم کرے تو اپنے حق سے تنازل اختیار کر لیا جائے، تاکہ امت کی وحدت باقی رہے وہ زیاں کا شکار نہ ہو، اور نہ ہی اس میں انتشار و تفرقہ واقع ہو۔ رسول اکرم ﷺ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ حاکم کے جرائم اور اس کی بداعمالیوں پر

---

❶ معرفة الصحابة/ ابونعیم الاصبهانی، باب من اسمعه عاصمه۔ الطبرانی، مسند الشامیین (۲/ ۹٤)

❷ صحیح مسلم مع النووی (۱۲/ ۲۲۸)، موارد الظمآن/ الهیثمی (۳۷۱)

❸ صحیح البخاری مع الفتح (۱۳/ ۷، ۷۰۵٦)، مسلم مع النووی (۱۲/ ۲۲۸)

کس طرح تنقید واعتراض کیا جائے، اور یہ کہ اس کے کتنے درجات ومراتب ہیں، فرمایا:

((ستکون علیکم امراء بعد، فیعملون اعمالا تعرفون و تنکرون، فمن انکر فقد برئ، و من کرہ فقد سلم و لکن من رضی و تابع......)) [1]

''مستقبل میں تمھارے اوپر ایسے امراء و حکام ہوں گے جو معروف ومنکر کام کریں گے پس جس نے ان کے منکر کا انکار کیا وہ بری الذمہ ہوگیا اور جس نے ناپسند کیا وہ محفوظ رہا، لیکن جو اس سے راضی رہا اور اس کے پیچھے چلا (وہ خسارہ میں پڑا)''

دریں صورت حال جب امام کفر صریح کی حد تک پہنچ جائے تو اس کی بیعت توڑ دینا واجب ہو جاتا ہے۔[2] اور اس کفر کی حد کیا ہے؟ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے واضح کر دیا:

((ما اقاموا فیکم الصلاۃ.))[3]

''جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں (اس وقت تک ان پر کفر کا اطلاق نہیں ہوگا)''

علامہ قنوجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''خلاصہ یہ کہ جب خلیفۃ المسلمین دین اسلام کے اساسی وضروری تعلیمات میں سے کسی کا انکار کے کفر کا ارتکاب کرے تو اس سے جنگ جائز ہی نہیں واجب ہ وجاتی ہے بصورت دیگر ایسا کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ اسے ارتکاب کفر سے منصب خلافت کا مقصد فوت ہوجائے گا بلکہ پوری قوم اس کے نقصانات کی لپیٹ میں آجائے گی، پس اس سے قتال وجنگ کرنا جہاد فی سبیل اللہ کا ایک حصہ ہے۔''[4]

سفاقسی فرماتے ہیں: ''تمام علماء امت کا اجماع ہے کہ اگر خلیفۃ المسلمین کفر یا بدعت کی دعوت دے تو اس کے خلاف احتجاج کیا جائے گا۔''[5]

چوں کہ فسق اور ظلم کبھی کبھی کفر سے اس قدر قریب ہوتے ہیں کہ دونوں میں التباس وشبہہ پیدا ہو جاتا ہے، اس لیے علماء اسلام نے صحیح احادیث نبویہ کے معنی ومستفاد کے عین مطابق دونوں میں فرق واضح کرتے

---

[1] صحیح مسلم مع النووی (۱۲/ ۲۳۲، ۲۴۳)، مصنف ابن ابی شیبۃ (۱۱/ ۳۳۰)، سنن ترمذی (۳/ ۲۴٦)

[2] صحیح البخاری مع الفتح (۱۳/ ۷ (۷۰۵٦)، مسلم مع نووی (۱۲/ ۲۲۸)

[3] صحیح مسلم مع نووی (۱۲/ ۲۴۳)، مسند احمد (۳/ ۲۸، ۲۹)، سنن دارمی (۲/ ۳۲۴)، السنۃ/ ابن ابی عاصم (۲/ ۵۱۲ (۱۰۷۷)، مسند ابو یعلی (۱/ ۳۵٦)، الشریعۃ / آجری (۳۸)

[4] العبرۃ مما جاء فی الغزو/ القنوجی (۳۳)

[5] ارشاد الساری/ القسطلانی (۱۰/ ۲۱۷)

ہوئے کفر کے ساتھ لفظ ''صـــریـح'' کو اصل فاصل ٹھہرایا ہے یعنی وہ کفر اس قدر واضح ہو جس کا کفر ہونا کسی سے پوشیدہ نہ ہو اور پھر کفر کی نوعیت میں اختلاف کو دیکھتے ہوئے اور حاکم کی تکفیر کے وقت ممکنہ شبہات کے سر اٹھانے کے پیش نظر آپ ﷺ نے کفر کی حدوں کو واضح کر دیا، جس کی سب بڑی پہچان نماز ہے، پس اگر حاکم وقت نماز کو معطل کرنے کی دعوت دے، یا دیگر ارکان اسلام میں سے کسی ایسے رکن کو معطل کرنے کا اعلان کرے جس کے بارے میں قطعیت سے یہ بات معلوم ہے کہ اس کا تارک کافر ہو جاتا ہے تو ایسی حالت میں اس (حاکم) سے جنگ کرنا اور مسلمانوں کے منصب ولایت وخلافت سے اسے دور کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

مذکورہ تین مضامین پر مشتمل یعنی اطاعت امام اور جماعۃ المسلمین کے التزام، پھر اختلاف و انتشار سے روکنے والی تعلیمات اور صرف صریح کفر کی صورت میں امام کے خلاف خروج کی اجازت دینے والی احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے علماء اسلام و اسلاف امت نے خاص طور سے حکام المسلمین کے خلاف بغاوت کے متعلق چند احکامات کا استنباط کیا ہے، جو اس طرح ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ظالم اور فاسق حکام کے خلاف خروج کرنا باجماع امت حرام ہے، اس معنی کی تائید میں بے شمار احادیث موجود ہیں، نیز اہل سنت کا اجماع ہے کہ سلطان المسلمین فسق کی وجہ سے معزول نہیں کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں ہمارے بعض اصحاب کے یہاں فقہ میں اس کی معزولیت کی جو وجہ مذکور ہے اور معتزلہ سے بھی یہی منقول ہے وہ غلط ہے اور اجماع کے خلاف ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ اسے معزول نہ کرنے اور اس کے خلاف خروج کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں فتنے جنم لیں گے، خونریزی ہوگی، آپسی فساد و بگاڑ پروان چڑھے گا، پس اس کو معزول کرنے سے جو فساد برپا ہوگا وہ اس کے ظلم پر بقا سے کہیں زیادہ بڑا اور وسیع ہوتا ہے۔ [1]

قاضی عیاض کہتے ہیں: ''فقہاء، محدثین اور متکلمین کے جمہور اہل سنت کا خیال ہے کہ امام المسلمین اپنے ظلم، فسق اور دوسروں کی حق تلفی کی وجہ سے معزول نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کی بیعت توڑی جائے گی۔ نہ ہی اس کے خلاف خروج جائز ہے، بلکہ اسے آخرت کے برے انجام سے ڈرانا اور خیر کی طرف نصیحت کرنا واجب ہے کیوں کہ اس سلسلے میں اس طرح کی حدیثیں وارد ہیں۔'' [2]

جب کہ حافظ ابن حجر نے داؤدی سے نقل کیا ہے کہ ''ظالم حکمرانوں کے بارے میں علماء اسلام کا جو موقف ہے وہ یہ کہ اگر اس کی بیعت توڑنے سے کسی فتنے اور ظلم کا اندیشہ نہ ہو تو یہ اقدام کیا جا سکتا ہے ورنہ صبر کرنا واجب ہے۔'' [3]

---

[1] شرح النووی لصحیح مسلم (۱۲/ ۲۲۹)
[2] شرح النووی علی مسلم (۱۲/ ۲۲۹)
[3] فتح الباری/ ابن حجر (۱۳/ ۱۰)

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سلطان وقت کے جھنڈے تلے صبر کو ترجیح دینا واجب ہے وہ ظلم اور عدل جیسی بھی اوصاف سے متصف ہو، امراء کے حکومت تلوار کے ذریعہ خروج بہر حال جائز نہیں ہے گرچہ وہ ظلم ہی کریں۔'' [1]

علماء اہل سنت والجماعت نے اسلامی عقائد کا یہ بنیادی جزء ٹھہرایا ہے کہ مسلمان اپنی جماعت کو لازم پکڑیں اس سے افتراق اور شذوذ، ہرگز اختیار نہ کریں اس سلسلے میں انھوں نے اپنی کتابوں میں متعدد ابواب باندھے ہیں۔ [2]

آپ یہ نہ بھولیں کہ علماء امت ہر دور میں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے تئیں اس باب میں حریص رہے کہ وہ مسلم حکام کی اطاعت کا التزام کریں، اور اس کی حفاظت ک لیے کوشاں رہیں اگرچہ ان کے حکام اپنے دور میں کمزور ہوں اور ملک و بلاد میں فتنوں اور فساد کی کثرت ہو۔ [3] انھوں نے عوام الناس کو ان تعلیمات پرکار بند کرنے کے لیے ایسی دل چسپی اور کوشش اس لیے کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو یہ امت اور اس کا مطلوبہ مثالی معاشرہ انتشار اور افتراق کا شکار ہو جائے، بدامنی پھیلے اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہو اور پھر نتیجہ یہ نکلے کہ جس حالت کی اصلاح کے لیے انھوں نے انقلابی تحریک کا سہارا لیا وہ پہلے سے بدتر ہو جائے۔

۳۔ مسلم حکام کے خلاف خروج کرنے والوں کے احکام:

علامہ دبیجی کی تقسیم سے واضح ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ خوارج کا گروہ: ...... یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، ان کا مذہب و عقیدہ معروف ہے۔ ان سے قتال کا حکم یہ ہے کہ واجب ہے۔

۲۔ محاربین کا گروہ: ...... اس سے مراد لٹیرے اور راہ اچکے ہیں نیز وہ لوگ بھی جو روئے زمین میں کسی بھی طرح فساد برپا کریں، اللہ تعالیٰ نے ان کے قتال کا حکم اور ان کا بدلہ سورہ مائدہ میں واضح کر دیا ہے۔ [4]

---

[1] طبقات الحنابلة/ ابویعلی (۱/ ۱۳۰، ۲۳۰، ۲/ ۲۱، ۲۲)

[2] شرح العقیدة الطحاویة/ ابن ابی العز لحنفی (۳٦۷)، السنة/ ابوبکر خلال ص (۷۳) اور اس کے بعد، الابانة/ العکبری (۲۷٦، ۲۷۷)، الشریعة/ الآجری (۳۸)، شرح اصول اعتقاد اهل السنة والجماعة (۱/ ۹٦، ۱۱۳)، التمهید/ الباقلانی (٤۷۸)

[3] صحیح البخاری مع الفتح (٦/ ٦٦)، باب الجهاد ماض مع البر والفاجر کے ضمن میں۔ مسائل الامام احمد، ابوداؤد (۲۳٤)، الطبقات / ابویعلی (۲/ ۳۰۵)، شرح السنة/ بر بهاری (۵۱)، فضائح الباطنیة/ الغزالی (۱۸۰، ۱۸۲)، السیاسة الشرعیة/ ابن تیمیة (۱۷۷) الدرر المضیئة (۲/ ۳۰۱، ۳۰۲) نیل الاوطار (۷/ ۳٦۱)

[4] المائدة: ۳۳

۳۔ باغیوں کا گروہ:...... یہ وہ لوگ ہیں جو حکومت واقتدار کی خواہش میں عدل پرور امام کے خلاف جائز و ناجائز تاویلات کا سہارا لے کر تحریک انقلاب چلاتے ہیں۔

ایسے لوگوں سے فوراً جنگ نہیں چھیڑی جائے گی بلکہ ان انقلابی اور امام کے درمیان پہلے مفاہمت واتحاد کی کوششیں کی جائیں گی، پس اگر وہ مظلوم ہوں گے تو اسے ان سے دور کیا جائے گا۔ اگر کسی شبہہ اور غلط فہمی کا شکار ہوں گے تو اس میں حق کا راستہ واضح کیا جائے گا اور اگر ان کا کوئی حق بنتا ہوگا تو اسے دیا جائے گا، یہ سب کچھ پانے اور شکایتوں کے ازالے کے باوجود اگر وہ نہیں مانتے اور اصلاح کے لیے تیار نہیں ہوتے اور قتال شروع کر دیتے ہیں تو ایسی صورت میں ان سے قتال کیا جائے گا۔

۴۔ اہل حق کا گروہ:......یعنی عدل وانصاف پر قائم وہ لوگ جنھوں نے امام ظالم کے خلاف خروج کیا۔ ❶

درحقیقت تیسری اور چوتھی قسم میں تفریق کرنا ممکن نہیں کیوں کہ دونوں گروہ کے یہاں خروج کے محرکات یکساں ہیں یعنی تاویل کے ذریعہ امام کے خلاف خروج۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ باغیوں کی تعریف یوں کرتے ہیں: ''اہل حق کی وہ جماعت جو امام کی اطاعت سے نکل جاتی ہے اور کسی معقول تاویل کے ذریعہ اس کے افراد امام کی بیعت توڑ دیتے ہیں، ان میں ایسا اتحاد ہوتا ہے جنھیں ان کے اقدام سے روکنے کے لیے فوج اکٹھا کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔'' ❷

امام قرافی لکھتے ہیں: ''باغی وہ لوگ ہیں تو امام کے خلاف خروج کرتے ہیں، اس سے بیعت توڑ دینا چاہتے ہیں یا اس کی اطاعت میں داخل ہونے سے رکتے اور روکتے ہیں، یا تاویل کے سہارے واجبی حق کو روکنے کے لیے خواہاں ہوتے ہیں۔ یہ امام شافعی، ابوحنیفہ، اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا قول ہے، اور مجھے اس کے بارے میں اختلاف کا کوئی علم نہیں ہے۔'' ❸

نیز جس امام کے خلاف خروج ہو رہا ہے اس کا عادل ہونا شرط نہیں ہے، وہ عادل بھی ہوسکتا ہے اور ظالم بھی جیسا کہ بقاعی اور قفال نے ذکر کیا ہے۔ ❹

ان تحریروں اور بیانات کو سامنے رکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ حکام المسلمین کے خلاف خروج کرنے والوں کو اس وقت تک باغی نہیں کہہ سکتے اور نہ ان پر بغاوت کے احکام نافذ ہو سکتے ہیں جب تک کہ ان میں تین

---

❶ الامامة العظمیٰ/ الدمیجی (٤٩٤)

❷ العدة فی شرح العمدة/ ابن قدامة (٥٧٥) المغنی (٨/ ٥٢٦)

❸ الفروق/ القرافی (٤/ ١٧١)

❹ فیض الاله المالك/ البقاعی (٢/ ٣٠٢)

شرطیں نہ پوری ہو جائیں:

۱۔ ایسے امام کے خلاف خروج ہو جس کی بیعت تمام مسلمانوں کی طرف سے یا ان میں اہل حل وعقد کی طرف سے منعقد ہوئی ہو، پس اگر وہ کسی غیر امام کے خلاف خروج کر رہے ہوں تو وہ باغی نہیں کہے جائیں گے۔

۲۔ ایسے خروج کرنے والے بھاری تعداد میں ہوں، اور ان میں قوت و دفاع کی صلاحیت ہو کہ جنھیں توڑنے کے لیے امام کو فوج یکجا کرنے کی ضرورت پڑے۔ اس کے برعکس اگر وہ قلت تعداد میں ہوں، یا انھیں قوت وشوکت نہ حاصل ہو تو امام وقت انھیں بزور طاقت منتشر کر سکتا ہے اور بلا فوجی قوت استعمال کئے ہوئے انھیں اطاعت کی طرف لوٹا سکتا ہے۔

۳۔ خروج کے وقت وہ جائز تاویل کا سہارا لئے ہوں پس اگر ان شبہات واعتراضات معقول نہ ہوں اور تاویلات میں معنویت ودم نہ ہو تو انھیں باغی کہا جائے گا بلکہ وہ ایسی قوم ہوں گے جو امام کے خلاف خروج کر کے مسلمانوں اوران کے اہل وعیال کے خون کو رائیگاں کر رہے ہیں۔ ❶

ایسے باغیوں کا امام کے خلاف خروج اس وقت بغاوت کے دائرہ میں داخل ہوگا جب وہ تین میں سے کسی ایک چیز کا مطالبہ کریں:

۱۔ امام سے منصب کی علاحدگی اوراس کی بیعت سے دست کشی۔

۲۔ لوگوں کو ورغلانا اور ابھارنا کہ وہ امام کی اطاعت قبول نہ کریں۔

۳۔ امام کی طرف سے کسی واجب العمل مطالبہ کی بجا آوری سے انکار کر دینا۔ ❷

چناں چہ ان تفصیلات سے میرے خیال یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دہریجی کی تقسیم کی کسی نے تائید نہیں کیا ہے بلکہ یہ واضح کیا گیا ہے کہ امام کے خلاف خروج کرنے والوں کی بنیادی طور پر تین ہی قسمیں ہیں۔ (۱) لٹیرے اور راہ اچکے (۲) خوارج (۳) بغاوت کرنے والے۔ ❸ ایسا لگتا ہے کہ دہیجی نے حافظ ابن حجر

❶ الاقناع فی حل الفاظ ابی شجاع/ الشربینی (۲/ ۲۰۲، ۲۰۳) التنقیح المشبع/ المرداوی (۲۸۳) صحابة رسول الله/ عیاده الکبیسی (۲۳٦)

❷ معالم الدولة الاسلامیة/ محمد سلام مذکور (۲۲۳، ۲۲٤) صحابة رسول الله/ عیادة الکبیسی (۲۳٦)

❸ المغنی/ ابن قدامة (۸/ ۱۰۰۵)، شرح فتح القدیر / ابن الهمام الحنفی (٤/ ۱۰۸) حاشیة بن عابدین (٤/ ۲۱۲)، کتاب قتال اهل البغی/ ابوالحسن ماوردی (۷۵)، تحریر الاحکام/ ابن جماعة (۳۵۲)، احکام القرآن/ قرطبی (۲۱٦/ ۳۱۷، ۳۲۲)، البدائع/ الکاسانی (۷/ ۱٤۰)، فتح الوهاب/ ابویحییٰ انصاری (۲/ ۱۵۳)، المنهج السلوک فی سیاسة الملوک/ الشیرازی (٦۵۷، ٦٦۱)

کے اس اشارے پر اعتماد کیا ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ جو شخص کسی ایسے ظالم حاکم کی اطاعت سے خروج کرے جو اس کی جان، مال اور اہل وعیال پر غلبہ وتسلط چاہتا ہے وہ معذور ہے اس سے قتال کرنا جائز نہیں ہے، اسے حق ہے کہ اپنی جان، مال اور اہل وعیال کی طرف سے، بقدر استطاعت دفاع کرے، حسین بن علی کے ساتھ جو کچھ ہوا اسے اس صورت پر محمول کیا جائے گا، نیز یہی حکم اہل مدینہ اور پھر ابن زبیر کے لیے ہے جنھوں نے یزید کے خلاف خروج کیا ہے اور پھر وہ علماء بھی اسی حکم میں ہیں جنھوں نے حجاج کے خلاف آواز اٹھائی۔ [1]

واضح رہے کہ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ بات جوں کا توں قابل قبول نہیں ہے بلکہ اس کے بحث و تجزیہ کی ضرورت ہے، جسے آئندہ صفحات میں ذکر کیا جائے گا۔ اسی طرح لفظ ''باغی'' سے یہ نہ گمان کیا جائے کہ وہ ایسی صفت مذمت ہے جس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے بلکہ ایسے لوگ مسلمان کہے جائیں گے، حاکم وقت کی اطاعت سے تمرد اور اس کے خلاف خروج کرنے سے ان پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا، وہ صفت ایمان سے متصف کئے جائیں گے، البتہ وہ اپنی باطل تاویلات و توجیہات کی وجہ سے انھوں نے جو اقدام کیا ہے اس میں انھیں غلط کار ٹھہرائے جائیں گے [2] اور ان کی سرزنش درست ہوگی، اس کی دلیل یہ ہے کہ فرمان الٰہی میں اہل بغاوت سے صفت ایمان کو سلب نہیں کیا گیا ہے:

﴿ وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴾ (الحجرات: ۹)

''اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرا دیا کرو۔ پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرا دو، اور عدل کرو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((تمرق مارقة عند فرقة المسلمين يقتلها اولى لطائفتين بالحق .)) [3]

---

[1] فتح الباری/ ابن حجر (۱۲/ ۳۱۵)

[2] روضة الطالبين، نووی (۱۰/ ۵۰)، مجموع الفتاوی/ ابن تيميه (۳۵/ ۵۷)

[3] صحيح مسلم بشرح النووی (۷/ ۱۶۸)

''مسلمانوں کا افتراق کے وقت ایک گروہ (مسلمانوں کی جماعت سے) نکل جائے گا، جسے دو گروہوں میں سے حق سے قریب تر گروہ قتل کرے گا۔''

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: ''اس حدیث میں صراحت ہے کہ دونوں گروہ مومن ہوں گے، قتال کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں کیے جائیں گے اور نہ فاسق گردانے جائیں گے۔''[1] اسی بنا پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی جنھوں نے آپ کی حمایت کی تھی انھیں باغی کہنا درست ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل والوں کے بارے میں فرمایا تھا: "اخواننا بغوا علینا" [2] ہمارے بھائیوں نے ہم سے بغاوت کیا، پس ہم بتاتے چلیں کہ اسلامی تاریخ میں باغیوں سے قتال کرنے والے اولین فرد اور جن کے واسطے سے باغیوں کے احکامات متعارف ہوئے وہ علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ فقہائے اسلام نے باغیوں کے احکامات انھیں سے اخذ کیے ہیں، چناں چہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے مناقب الشافعی میں لکھا ہے کہ یہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو بتایا گیا کہ یحییٰ بن معین امام شافعی کو تشیع کی طرف منسوب کرتے ہیں، تو امام احمد بن حنبل نے ان سے کہا: تم ایسی بات مسلمانوں کے ائمہ علم وفن میں سے ایک جلیل القدر امام کے بارے میں کہہ رہے ہو؟ یحییٰ نے کہا: میں اہل بغاوت کے تعلق سے ان کی کتاب پڑھی ہے انھوں نے اس میں اول تا آخر علی بن ابی طالب سے ہی استدلال کیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرمانے لگے: تم پر حیرت وتعجب ہے؟ بھلا اہل بغاوت کے قتال کے تعلق سے امام شافعی کس سے دلیل اخذ کرتے؟ کیوں کہ ان سے قتال کے بارے میں علی بن ابی طالب ہی سب سے پہلے آزمائش کے شکار ہوئے؟ اور انھوں نے ہی ان سے قتال کیا اور اس کے احکامات کو نافذ کیا اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت تھی نہ ان کے علاوہ کسی دیگر خلیفہ راشد کی۔ ایسی صورت میں کس کی سنت اپنائی جاتی؟ یہ سن کر یحییٰ شرمندہ ہو گئے۔[3]

ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بظاہر قرآن میں چار تلواروں کا ذکر ہے۔ ایک تلوار جو مشرکین کے خلاف بے نیام ہو، تاوقتیکہ وہ اسلام نہ لے آئیں، یا قید کر دیئے جائیں، پھر یا تو بطور احسان رہائی پائیں یا فدیہ دے کر۔

---

[1] صحیح مسلم بشرح النووی (٧/ ١٦٨)

[2] مصنف ابن ابی شیبة (١٥/ ٢٥٦، ٢٥٧)، المحن/ ابو العرب (١٢٤)، السنن الکبری/ بیهقی (٨/ ١٨٢)، ابن عساکر (١/ ٣٢٨، ٣٢٩)، بتحقیق المنجد، اس واقعہ کی بیشتر روایتیں ضعف سے خالی نہیں ہیں، لیکن متعدد طرق کی وجہ سے انھیں باہم تقویت مل جاتی ہے۔

[3] مناقب الشافعی (١/ ٤٥٠، ٤٥١)

دوسری تلوار منافقین کے خلاف ہو جو زندیقوں کے خلاف بے نیام ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ براءت، سورہ تحریم، اور سورہ احزاب کے آخر میں ان سے جہاد کرنے اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور تیسری تلوار اہل کتاب کے خلاف بے نیام ہوتا وقتیکہ وہ جزیہ نہ دینے لگیں، جب کہ چوتھی تلوار اہل بغاوت کے خلاف ہو کہ جس کا ذکر سورہ حجرات میں ہوا ہے، یہ تلوار حیات نبوی ﷺ میں نہیں سونتی گئی، بلکہ اسے علی رضی اللہ عنہ نے اپنی دور خلافت میں سونتا آپ فرماتے تھے: میں نے لوگوں کو یہ سکھایا کہ اہل قبلہ سے قتال کس طرح کیا جائے۔'' [1]

رہا مسئلہ باغیوں سے قتال کرنے کے حکم کا سو یہ واجب ہے۔ [2] لیکن امام المسلمین پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ان سے قتال کرنے سے قبل ان کے اعتراضات کا معقول جواب دے، اور حق واضح کر دے اگر وہ مان جائیں تو ان پر تلوار سونتنے سے باز آ جائے، اور اگر انکار کریں یہاں تک کہ ان سے جنگ کرنا ضروری ہو جائے تو امام المسلمین دیگر مسلمانوں کو ان کے خلاف جنگ کے لیے بلائے، پھر جب وہ ان سے جنگ کرے تو پیٹھ پھیر کر بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کرے نہ ان کے مجروحین اور زخمیوں کو تہ تیغ کرے، نہ ان کی کھال کھینچے، اور نہ ان کی ذریت کو قید کرے، اور نہ ہی ان کے قیدیوں کو قتل کرے، ان کے درختوں کو نہ کاٹے، نہ کسی مشرک کے بدلے انھیں قتل کرے۔ [3]

۵......معرکہ حرہ کے نتائج وعبر

اس میں کوئی نہیں کہ پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں میں باہمی جدال وقتال کے جو مظاہر ہوئے وہ مصائب وفتن کا حصہ تھے، فِتن، بکسر ''فاء'' فتنہ کی جمع ہے جس کی تعریف فاضل صحابی رسول ابن مسعود رضی اللہ عنہ

---

[1] الحکم الجدیرة بالاذاعة/ ابن رجب الحنبلی ص (۹-۱۰)

[2] الدراری المضیئة/ الشوکانی (۲/ ۲۹۹)

[3] اس موضوع سے متعلق ایک حدیث وارد ہے جسے بعض محدثین نے مرفوع ٹھہرایا ہے، اس میں باغیوں سے قتال کے حکم کی نوعیت محدود کی گئی ہے۔ دیکھئے: المطالب العالیه/ ابن حجر (٤/ ۲۹٦) اثر نمبر (٤٤٥٩)، اسے آپ نے مسند احمد بن منیع کی طرف منسوب کیا ہے۔ ابن حجر نے بلوغ المرام میں اسے ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ صحّ ن علی من طرق نحوه مرفوعا۔ اخرجه ابن ابی شیبة والحاکم۔ سبل السلام (۳/ ٥۲٤) میں کہتا ہوں: بیہقی نے السنن الکبریٰ (۸/ ۱۸۲) میں بسند کوثر بن حکیم بھی نقل کیا ہے۔ احکام البغاة کے بارے میں مزید معلومات کے لیے دیکھیں: المغنی (۸/ ٥۲۹)، المقدسی ۔ العدة فی شرح العمدة (٥٧٦)، الفروق/ القرافی (٤/ ۱۷۱)، الجامع لاحکام القرآن/ قرطبی (۱٦/ ۳۲۰) نهایة المحتاج/ محمد بن احمد الرملی (۷/ ٤۰٥، ٤۰۷)، سبل السلام الصنعانی (۳/ ۲۲٥)، الدراری المضیئة (۲/ ۲۹۹، ۳۰۱)

نے اس طرح کی ہے: ''حق اور باطل کا اس طرح مشتبہ ہو جانا کہ تم نہ جان سکو ان میں سے کس کی اتباع کی جائے۔''[1]

جب کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس کی تعریف میں فرماتے ہیں: ''حکومت و اقتدار کی طلب میں اٹھنے والا ایسا اختلاف کہ جس میں یہ تمیز مشکل ہو جائے کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر ہے۔''[2]

جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فتنوں کے توقف اور اس کے چلن کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: فتنوں کا چلن تلواروں کا کھنچ جانا ہے۔ جب کہ ان کا توقف یہ ہے کہ وہ نیام میں چلی جائیں۔[3] بہت سارے صحابہ نے جنگ جمل و صفین میں شرکت کرنے سے اسی لیے توقف اختیار کیا تھا کہ ان کے سامنے معاملہ مشتبہ تھا، حق واضح نہیں تھا، اور مقابلے میں وہ مسلمان تھے جن کا خون، مال اور عزت حرام تھی۔

ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فتنہ پھوٹ پڑا، اور دس ہزار اصحاب رسول موجود تھے۔''[4]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ معلوم ہے کہ اکثر علماء صحابہ نے فریقین میں سے کسی کے ساتھ قتال کرنے کو جائز نہیں سمجھا، سلف و خلف کے جمہور اہل سنت و اہل حدیث، جمہور اہل مدینہ و بصرہ نیز بہت سارے اہل شام و مصر اور باشندگان کوفہ کا یہی قول ہے۔''[5]

ان صحابہ کرام کے سامنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تحذیری حدیث تھی جسے انھوں نے آپ سے سنا تھا، یعنی آپ نے فرمایا تھا:

((انها ستكون فتنة القاعد فيها خير من القائم و القائم خير من الماشى ، و الماشى خير من الساعى .))

''عنقریب فتنے ہوں گے، جس میں بیٹھنے والا کھڑے رہنے والے سے بہتر ہوگا، اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا، اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔''

ایک صحابی نے عرض کیا: آپ کا کیا خیال ہے اگر وہ میرے گھر میں گھس جائے اور مجھے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھائے؟ آپ نے فرمایا:

---

[1] مصنف ابن ابی شيبة (١٥/ ٧٠) [2] فتح البارى/ ابن حجر (١٣/ ٣٤)

[3] مصنف ابن ابی شيبه (١٥/ ١٩)، الفتن/ نعيم بن حمادة ق (١٦١) الحلية (١/ ٢٧٤)

[4] مصنف ابن ابی شيبه (١١/ ٣٥٧)، السنة/ خلال (٤٦٦) باسناد صحيح۔

[5] نقد مراتب الاجماع/ ابن تيميه، ابن حزم (١٢٥)

[6] مسند احمد (٣/ ٩٨، (١٦٠٩) سنن ترمذى، الفتن (٢١٩٤) بروایت سعد بن ابی وقاص نیز صحيح البخارى مع الفتح بنحوه (١٣/ ٣٣)

((کن کابن آدم))

''ابن آدم (ہابیل) کی طرح ہو جا۔''❸

اور صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

((کسروا فیھا قسیکم و قطعوا فیھااوتارکم والزموا فیھا اجواف بیوتکم و کونوا کابن آدم .))❶

''فتنوں میں اپنی (کمان کی) تانتوں کو کاٹ دو، گھروں میں بیٹھنے کو لازم کرلو، اور ابن آدم کی طرح بن جاؤ۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے مسلمان بھائی کے خلاف ہتھیار اٹھانے والے کی بہت سخت وعید فرمائی اور کہا:

((من حمل علینا السلاح فلیس منا .))❷

''جو ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں۔''

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض .))❸

''میرے بعد تم کافر نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردن مارے۔''

ان صریح نصوص نبویہ کے علاوہ اگر آپ دیکھیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو کچھ نبوی پیشینگوئی تھی اور پھر معرکہ حرہ میں جو کچھ پیش آیا ان تمام حوادث کو آپ ﷺ نے لفظ ''فتنہ'' سے تعبیر کیا اور ان کا ہو بہو واقع ہونا آپ کے دلائل نبوت میں ایک دلیل بنی۔ اسامہ بن زید فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کے قلعہ بند گھڑیوں کی طرف نگاہ دوڑائی، اور پھر فرمایا:

((ھل ترونما اری؟ إنی اری مواع الفتن خلال بیوتکم کمواقع القطر .))❹

---

❶ الفتح الربانی، الساعتی (٢٤-١٥) سنن ترمذی (٤/ ٤٩١ (٢٢٠٤) ترمذی نے کہا: حسن غریب صحیح۔ مسند ابو یعلی (٣/ ٩٣)، محقق کتاب نے کہا کہ اس کی سند ضعیف ہے، مستدرک حاکم (۱۱۲/۴) پھر لکھا ہے ھذا حدیث صحیح الاسناد و لم یخرجاہ و وافقہ الذھبی، سنن بیھقی (٨/ ١٩١)

❷ صحیح البخاری مع الفتح (١٣/ ٢٦) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ہم میں سے نہ ہونے کا مطلب ہے کہ ہماری سنت اور طریقہ کا متبع نہیں ہے کیوں کہ میری سنت میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں، ان کی دفاع میں اتریں، نہ کہ قتل کے ارادہ سے ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار اٹھالیں۔

❸ صحیح البخاری مع الفتح (١٤/ ٢٩) مجمع الزوائد/ ھیثمی (٤/ ٢٤)

❹ صحیح البخاری مع الفتح (١٣/ ٢٢١١(٨٨٥)، مسند حمیدی (١/ ٢٤٨) الفتح الربانی (٢٣/ ١٨٠)

''کیا تم وہ چیز دیکھ رہے ہو جسے میں دیکھ رہا ہوں، میں تمھارے گھروں میں بارش گرنے کی جگہوں کی طرح فتنوں کے واقع ہونے کی جگہوں کو دیکھ رہا ہوں۔''

یہی وجہ تھی کہ ماضی میں مسلمانوں کے درمیان جو جنگیں اور لڑائیاں ہوئیں اس میں بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا موقف مثالی اور سنت کے عین موافق رہا، آپ دیکھیں کہ جب لوگوں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ تو خلیفہ کے انتخاب میں مجلس شوری کے ایک ممبر تھے، اور دوسروں کے مقابل آپ اس کے زیادہ مستحق بھی ہیں، پھر آپ قتال کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا:

((لا اقاتل حتی تاتونی بسیف له عینان ، و لسان و شفتان ، یعرف الکافر من المومن......الخ .))[1]

''میں نہیں قتال کروں گا یہاں تک کہ میرے پاس ایسی تلوار لاؤ جس کی دو آنکھیں، ایک زبان اور دو ہونٹ ہوں، وہ کافر اور مومن میں فرق کر سکتی ہو، میں نے جہاد کیا ہے اور جہاد کو اچھی طرح پہچانتا ہوں، اگر کوئی شخص مجھ سے بہتر ہے تو اس کے آگے میں خود کو ہلکان نہیں کروں گا۔''

ایک دوسرے صحابی رسول ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیشہ فتنہ و اختلاف سے ڈراتے رہتے تھے اور لوگوں کو اتحاد و شیرازہ بندی پر ابھارتے رہتے تھے۔[2] آپ فرماتے تھے:

''لوگ جب فتنہ میں واقع ہو گئے تو کہنے لگے: آپ بھی نکلئے کہ آپ لوگوں کے لیے نمونہ ہیں، میں نے کہا: میں برائی کے لیے اسوہ و نمونہ نہیں بنتا۔''[3]

چناں چہ محمد بن مسلمہ، سعد بن ابی وقاص، ابن عمر، اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم جیسے اصحاب رسول نے فتنوں کے وقت ان سے الگ رہنے کا عملی ثبوت و اسوہ پیش کیا۔ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد جب فتنہ رونما ہوا تو محمد بن مسلمہ گھر سے نکلے اور لوگوں سے خطاب کیا۔[4]

---

[1] مصنف عبدالرزاق (١١/ ٣٥٧)، طبقات ابن سعد (٣/ ١٤٣)، مصنف ابن ابی شیبة (٢٥/ ١٣ ، ١٥/ ١٨٣) ، الفتن ، نعیم بن حماد ق (١٨) مستدرك حاكم (٤/ ٤٤٤) بسند عبدالرزاق۔

[2] مصنف ابن ابی شیبة (١٥/ ٨٦) باسناد حسن ، المعرفة و التاریخ ، یعقوب بن سفیان (٣/ ٢٤٤ ، ٢٤٥)، مستدرك حاكم (٤/ ٥٠٦)، الفقیه و المتفقه/ خطیب بغدادی (١/ ١٦٧) شرح اصول اعتقاد اهل السنة و الجماعة/ اللالكلائی (١/ ١٠٩)، مجمع الزوائد (٥/ ٢١٨)، الدر المنثور ، السیوطی (٦/ ٥٩)، كنز العمال ، هندی (١/ ٣٤٥)

[3] المعجم الكبیر ، طبرانی (١٣٨٩)

[4] المسند ، بترتیب الساعاتی (٢٤/ ١٣ ، ١٤) الابانة/ ابن بطة (٢/ ٢٧٧)

جب ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ اگر آپ لوگوں کی حکومت قائم کریں تو سب آپ سے راضی ہو جائیں گے آپ نے جواب دیا کہ کیا تم لوگوں نے غور کیا کہ اگر مشرق میں کوئی شخص مخالفت کرے (تو کیا ہوگا) لوگوں نے کہا: جو شخص مخالفت کرے گا وہ قتل کیا جائے گا، امت کی خیر خواہی میں کسی کا قتل (گناہ) نہیں ہے۔ ابن عمر نے کہا: واللہ اگر ساری دنیا میرے لیے ہو جائے تو یہ مجھے پسند نہیں کہ امت محمدیہ نیزے کا دستہ لے اور اس کی انی سے کسی کو قتل کر دے۔ ❶

اسی لیے ابن عمر رضی اللہ عنہ فتنہ کے دور میں ہر امیر کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، اور اپنے مال کی زکوۃ اسے دیتے تھے۔ ❷ آپ کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے درمیان جو قتال بپا ہے وہ فتنہ اور طلب حکومت کے لیے ہے۔ ❸ جندب رضی اللہ عنہ کا بھی یہی خیال تھا۔ ❹

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ میں قتال کے تعلق سے جو یہ مفہوم سمجھا تھا وہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مفہوم کے عین موافق تھا اور اس سے ان کے موقف کی مکمل تائید ہوتی تھی۔ چناں چہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ان کا بیان ہے کہ لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر و بھلائی کے بارے میں پوچھتے تھے، اور میں شر و فتن کے بارے میں اس خوف سے پوچھتا تھا کہ مبادہ وہ مجھے اپنی گرفت میں نہ لے لے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم جاہلیت اور شر میں تھے، اس کے بعد اللہ نے ہمیں یہ خیر عطا کیا، تو کیا اس خیر کے بعد پھر کوئی شر ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میں نے کہا: کیا اس شر کے بعد پھر خیر ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اس میں دھواں ہے، پوچھا اس کا دھواں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایسی قوم ہوگی جو میری ہدایت کے علاوہ دوسرے طریقہ کو اپنائے گی، تم ان میں بھلائیاں دیکھو گے، اور برائیاں بھی، میں نے پوچھا: کیا اس خیر کے بعد پھر شر ہے؟ فرمایا: ہاں! جہنم کے دروازوں پر بلانے والے ہوں گے، جو ان کی دعوت قبول کرلے گا وہ اسے اس میں ڈال دیں گے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، مجھے ان کے اوصاف و عادات بتا دیں، آپ نے فرمایا:

((هم من جلدتنا و يتكلمون بالسنتنا .))

''وہ ہمیں میں سے ہوں گے اور ہماری ہی زبان سے بولیں گے۔''

❶ طبقات ابن سعد (٤/ ١٥١) باسناد حسن

❷ طبقات ابن سعد (٤/ ١٥١)

❸ صحيح البخاری مع الفتح (٨/ ٣٢) (٤٥١٣)، طبقات ابن سعد (٤/ ١٦٤) مسند احمد (٨/ ٥٧)، الفتن، نعيم بن حماد ق ٨١، المعجم الاوسط، طبرانی (١/ ٢٦٥)

❹ المسند بترتيب الساعاتی (٢٣/ ١٨٤)، سنن بيهقی (٨/ ١٩١)

میں نے پوچھا: اگر مجھے وہ شر وفساد کا وقت آ پکڑے تو آپ مجھے کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((تلزم جماعة المسلمين و امامهم .))

''مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑو۔''

میں نے پوچھا: اگر ان کی جماعت اور امام نہ ہو؟؟ آپ نے فرمایا:

((اعتزل تلك الفرق كلها و لو ان تعض باصل شجرة حتى يدركك الموت و انت على ذلك .)) ❶

''ان تمام فرقوں سے الگ رہو، اگرچہ کسی درخت کی جڑ چبا کر زندگی گزارنی) پڑے، یہاں تک کہ تمھیں اسی حالت میں موت آ جائے۔''

دوسری حدیث عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی ہے، ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ''فتنہ'' کا ذکر چھڑا، آپ کے پاس فتنہ کے بارے میں کچھ کہا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اذا رايت الناس قد مرجت عهودهم و خفت اماناتهم وكانوا هكذا .))

''جب تم دیکھو کہ لوگوں کے عہد و پیمان بے معنی اور ان کی امانت داریاں بے وزن ہوگئیں ہیں اور وہ آپس میں اس طرح گتھم گتھا ہو جائیں۔''

پھر آپ نے انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال دیا- کہتے ہیں کہ پھر میں آپ کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہا: اللہ مجھے آپ پر قربان کرے، فرمائیں کہ اس وقت میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((الزم بيتك ، وامسك عليك لسانك ، و خذ ما تعرف ، و دع ما تنكر ، و عليك بامر خاصة لفسد و دع عنك امر العامة .)) ❷

''اپنے گھر کو لازم پکڑو، اپنی زبان کو روک رکھو، جسے تم بہتر سمجھو اسے لے لو، اور جسے برا جانو اسے چھوڑ دو خاص اپنی ذات سے واسطہ رکھو، عوامی معاملہ سے اپنے کو دور رکھو۔''

چوں کہ ''فتنہ'' ایسی بلا ہے جس میں حق واضح نہیں ہوتا، اور ہر ایک اس گمان سے لڑتا ہے کہ وہی حق پر ہے، اس لیے جو بھی اتلاف و بربادی ہوگی وہ رائیگاں ہے۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

❶ صحيح البخاری مع الفتح (١٣/ ٣٨، ٣٩)، صحيح مسلم (٣/ ١٤٧٥) (١٨٤٧)

❷ مسند احمد (١١/ ١٧٢) (٦٩٨٧) باسناد صحيح۔ صحيح ابوداؤد (٥/ ٥١٤) حديث نمبر (٤٣٢٤)

''فتنے بھڑک اٹھے، جب کہ اصحاب رسول ﷺ بھاری تعداد میں موجود تھے، وہ سب اس بات پر متفق رہے کہ اس میں کسی سے قصاص نہیں لیا جائے گا، اور قرآن کی بے جا تاویل کے سہارے کسی کا مال نہیں لوٹا جائے گا سوائے اس کے جو لڑنے والے کے ساتھ پایا گیا، ان سب کا اجماع ہے کہ ہر خون و مال جس کا قرآن کی تاویل کے سہارے اتلاف ہوا، وہ رائیگاں ہے، انھیں جاہلیت کے حکم میں ڈال دو۔'' [1]

ایسا اس لیے کہ قاتل کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ اس نے حرام کام کا ارتکاب کیا ہے، اور اس لیے کہ باغیوں سے قتال کرنا اس نیت پر مبنی ہوتا ہے کہ انھیں بغاوت سے روک کر حق کی طرف لوٹایا جائے، ان سے قتال کفر کی بنیاد پر نہیں ہوتا۔ [2]

جمہور علماء کہتے ہیں: ''تاویل کے سہارے اہل عدل کے خلاف بغاوت کرنے والے تلف شدہ اموال و نفوس کے ضامن نہیں ہوں گے، بالکل اسی طرح تاویل کی اساس پر بغاوت کرنے والوں سے خلاف اقدام و اتلاف کے اہل عدل ضامن نہیں ہوں گے۔'' [3]

چوں کہ امام المسلمین کے خلاف خروج سے کوئی خیر و بھلائی نہیں آتی اور اس کے نتائج واضح و معلوم نہیں ہوتے، اسی لیے متعدد احادیث نبویہ میں اس طرح کے نامناسب عمل پر اقدام کرنے سے ڈرایا گیا ہے۔ حتی کہ اگر یہ خروج (بغاوت) کرنے والے اپنے بعض مقاصد میں کامیاب بھی ہو جائیں تو بھی اس کے ساتھ جو مصائب اور المناکیاں جنم لیتی ہیں اور اس پر جو نتائج مرتب ہوتے ہیں وہ قطعی طور پر اس مصلحت سے کہیں بڑے ہوتے ہیں جن کی خاطر خروج کو روا رکھا گیا، اسی لیے ابن الحنفیہ کے رفقاء سے جب ان سے بنوامیہ کے زوال کی تمنا اور خواہش ظاہر کیا تو فرمایا: ان فتنوں سے بچو، اگر کوئی ان کی طرف جھانکتا ہے تو وہ بڑھ کر اسے اپنے گرفت میں لے لیتے ہیں۔ اس قوم (بنوامیہ) کی بھی ایک مدت ہے اگر پوری روئے زمین کے لوگ اس بات کے لیے اکٹھا ہو جائیں کہ ان کے اقتدار سے بے دخل کر دیں تو نہیں کر سکتے، مگر یہ کہ جب اللہ اس کی اجازت دے دے، بھلا بتاؤ کیا تمھارے اندر ان پہاڑوں کو ہٹانے کی طاقت ہے؟ [4]

آپ رحمہ اللہ فرماتے تھے: ''اللہ رحمت نازل کرے اس شخص پر جو اپنی ذات کو بے نیاز رکھے، اپنے ہاتھ کو

---

[1] السنة/ ابوبکر خلال (۲۵۲) سنن البیهقی (۸/ ۱۷۵)، سنن صغری بیهقی (۲/ ۲۲۹) ارواء الغلیل/ البانی (۸/ ۱۱٦)

[2] المغنی ابن قدامه (۸/ ۵۳٤)

[3] الفتاوی ابن تیمیه (۱۵/ ۱۷۱)

[4] مصنف ابن ابی شیبة (۱۱/ ۱۳۲، ۱۵/ ۸۰) باسناد حسن۔

روک لے، اور زبان کو قابو میں کر لے، اپنے گھر میں بیٹھا رہے، وہ جو کچھ بھی نیکی کرے اس کا اجر پائے، اور قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کیا۔''[1]

ایک دوسرے جلیل القدر تابعی جس کے علم وعمل کا کہنا ہی کیا ہے، یعنی حسن بصری رحمہ اللہ لوگوں کو حکم دیتے تھے کہ یزید بن مہلب[2] اور ابن اشعث[3] کے فتنہ میں مت پڑو، انھیں اس بات کے لیے ابھارتے تھے کہ ان کے لیے اپنے گھروں کے دروازوں کو بند کردو، فرماتے تھے: اللہ کی قسم! جب لوگ اپنے حکام وسلاطین کی طرف سے آزمائے جائیں اگر اس وقت وہ صبر سے کام لے لیں تو بہت جلد اللہ ان سے آزمائش کو اٹھالے گا، لیکن وہ ایسا نہ کرکے گھبرا جاتے ہیں، اور تلوار کا سہارا لیتے ہیں پھر اسی کے حوالے کردیئے جاتے یں، اللہ کی قسم! ایسے لوگ کبھی کوئی خیر نہیں لائے، پھر اس آیت کریمہ کی تلاوت کیا:

﴿ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ﴾ (الاعراف:۱۳۷)[3]

''اور ہم نے ان لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے، اس سرزمین کے پورب پچھم کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے، اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنو اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہوگیا، اور ہم نے فرعون کے اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم برہم کردیا۔''

آپ فرماتے تھے: ''حجاج بن یوسف اللہ کا عذاب بن کر مسلط ہے، لہٰذا تم اللہ کے عذاب کو اپنے ہاتھوں سے نہ دھکیلو، بلکہ تضرع اور توبہ وصبر کو لازم پکڑو، اللہ فرماتا ہے:

---

[1] طبقات ابن سعد (۵/ ۷۱)، مصنف ابن ابی شیبۃ (۱۱/ ۱۰۳)

[2] یہ امیر ابوخالد یزید بن مہلب بن ابوصفرۃ الازدی ہیں، اپنے باپ کے بعد مشرق کے والی بنے، پھر سلیمان بن عبدالملک کے زمانے میں بصرہ کے والی رہے، شہسواروں اور بے دروں میں سے تھے، جب یزید بن عبدالملک خلیفہ بنائے گئے تو بصرہ پر غالب آگئے، انھیں قحطانی کہا جاتا ہے، پھر ان سے جنگ کے لیے مسلم بن عبدالملک گئے، جنھوں نے ۱۰۳ھ میں یزید کو قتل کردیا۔ سیر اعلام النبلاء (۴/ ۵۶)

[3] یہ عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث بن قیس الکندی ہیں، انھیں حجاج نے سجستان بھیجا تھا، نتیجتاً انھوں نے بغاوت کردیا اور بڑی تعداد لے کر آگئے ان کے ساتھ بہت سارے علماء وصلحاء تھے، حجاج نے ان سے جنگ کیا اور کئی مہینے لڑائی ہوئی، پھر شاہ رتبیل کے پاس بھاگ نکلے اس نے قید کرکے حجاج کے پاس بھیج دیا، راستے میں انھوں نے بلندی سے کود کر خودکشی کرلی۔ ۸۴ھ میں وفات ہوئی۔ سیر اعلام النبلاء (۴/ ۱۸۳)

[3] طبقات ابن سعد (۷/ ۱۶۵)، الشریعۃ/ الآجری (۳۸)

﴿وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ﴾

(المومنون: ٧٦) [1]

''اور ہم نے انھیں عذاب میں بھی پکڑا تاہم یہ لوگ نہ تو اپنے پروردگار کے سامنے جھکے اور نہ ہی عاجزی اختیار کی۔''

واضح رہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ اس معاملہ میں تنہا ایسے نہیں تھے جو حاکم کے ہزاروں ظالم کے باوجود جماعت کو لازم پکڑنے کا حکم دیتے رہے ہوں، بلکہ اس موقف میں بہت سارے اصحاب علم وفضل اور طاقتور لوگ ان کے شریک تھے، چناں چہ امام اوزاعی فرماتے تھے: پانچ چیزوں پر تمام صحابہ اور تابعین متفق تھے، لزوم جماعت، اتباع سنت، مسجدوں کی آبادی، قرآن کی تلاوت، اور جہاد فی سبیل اللہ۔ [2]

آیئے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو دیکھیں جنھوں نے فتنۂ ''خلق قرآن'' کی وجہ سے حاکم وقت کی طرف سے آلام ومصائب اور تکلیف وعذاب کو برداشت کیا، لیکن جب واثق باللہ کی حکومت میں آپ کے پاس فقہاء بغداد اکٹھا ہوئے اور آپ سے واثق کی مخالفت اور اس کی امارت سے انکار کے بارے میں مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا: اپنے دلوں میں اس سے نفرت کرو، لیکن اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو، مسلمانوں کے اتحاد کو نہ توڑو، اور نہ ہی اپنے اور دیگر مسلمانوں کے خون بہاؤ۔ [3]

ہمارے اسلاف رحمہم اللہ کو اس بات کا بخوبی علم واحساس تھا کہ امام کی اصلاح کی کوشش کرنا اس کے خلاف بغاوت کرنے سے بہتر ہے۔

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اگر مجھے کسی دعا کی قبولیت کا پروانہ ملتا تو میں اسے صرف امام کے لیے خاص کر دیتا، کیوں کہ امام کی درستگی میں پورے ملک اور رعایا کی درستگی مضمر ہے۔'' [4]

پس اسی پر اہل سنت وجماعت کا عقیدہ قائم ہے، اسلام کی ابتدائی درخشندہ تاریخ میں اسی عقیدہ ومنہج نے خانہ جنگی، خونریزی، اور فرقہ بندی سے اسلامی معاشرہ کو محفوظ رکھا۔ اگر یہ خرابیاں مسلم معاشروں میں سرایت کر جاتیں تو ماضی کی طویل ترین صدیوں میں انھیں بیرونی حملوں اور ہجوم سے ٹکر لینے کی طاقت نہ ہوتی، اس دور کے مسلمان ایک فاتح قوم کے نمائندہ تھے اور ان کا معاشرہ اپنے دور کا سب سے ترقی یافتہ معاشرہ ہوا کرتا تھا، علاوہ ازیں باوجودیکہ وہ سیاسی فساد اور کمزوری سے دوچار تھے، لیکن علمی، ثقافتی اور معاشرتی ہر اعتبار سے

---

[1] طبقات ابن سعد (٧/ ١٦٤) باسناد صحیح، قدرے اختلاف کے ساتھ۔ منهاج السنة، ابن تيميه (٤/ ٥٢٩)

[2] التاریخ الکبیر/ ابن ابی خیثمه ق ١٨ أ، تذکرة الحفاظ/ ذهبی (١/ ٨٠)

[3] طبقات الحنابلة/ ابویعلی (١/ ١٤٤)

[4] سیر اعلام النبلاء/ الذهبی (٨/ ٤٣٤)

ترقی پر فائز تھے۔

پس اس میں کوئی شک نہیں کہ معرکۂ حرہ بھی اپنی نوعیت میں انھیں فتنوں کا ایک حصہ تھا، بقول ابن تیمیہ فتنہ کی برائیاں اس وقت معلوم ہوتی ہیں جب وہ ختم ہو جاتا ہے، لیکن جب وہ نمودار ہوتا ہے تو پورے سج دھج کے ساتھ آتا ہے اور یہی گمان کیا جاتا ہے کہ اس میں خیر ہے، لیکن جب لوگ اس کی تلخیوں، آزمائشوں اور مصیبتوں کو چکھ لیتے ہیں تو اس کے نقصانات واضح طور پر سمجھنے لگتے ہیں، اور وہ فتنہ اس بات کے لیے باعث عبرت بن جاتا ہے کہ وہ دوبارہ ایسی حرکت کریں۔ [1]

کوئی بھی شخص اگر ماضی میں مسلمانوں میں رونما ہونے والے فتنوں کے احوال وکوائف کا استقرار وتتبع کرے اوران کا بغور جائزہ لے تو اس کے لیے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جو شخص بھی ان میں ملوث رہا اس کا انجام اچھا نہیں رہا، کیوں کہ اس سے دینی و دنیوی نقصانات کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ اسی لیے آیت کریمہ میں اس سے رک جانے اور ہاتھ کھینچ لینے کو واجبی حکم ٹھہرایا گیا۔

﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضاً قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذاً فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (النور: ۶۳)

''رسول کے بلانے کو اپنے درمیان اس طرح نہ بنالو جیسے تمھارے بعض کا بعض کو بلانا ہے۔ بے شک اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے کھسک جاتے ہیں۔ سو لازم ہے کہ وہ لوگ ڈریں جو اس کا حکم ماننے سے پیچھے رہتے ہیں کہ انھیں کوئی فتنہ آپہنچے، یا انھیں دردناک عذاب آپہنچے۔''

فتنے میں ایسی بہت سی مشتبہ چیزیں ہوتی ہیں جو حق کو باطل کے ساتھ گڈ مڈ کر دیتی ہیں یہاں تک کہ بہت سارے لوگ اس میں تمیز نہیں کر پاتے، نیز ان میں ایسی بہت سی نفسانی خواہشات اور شہوتوں کو دخل ہوتا ہے جو حق کی تلاش وجستجو سے مانع ہوتی ہیں، شر و فساد کی قوت کو جو ظہور و غلبہ ملتا ہے وہ خیر و بھلائی پر ثابت قدم رہنے کی قوت کو مضمحل اور کمزور بنا دیتا ہے۔ [2]

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی نگاہ میں ولاۃ المسلمین کے خلاف بغاوت کرنے والوں میں دو میں ایک سبب ضرور پائی جائے گی:

---

[1] سیر اعلام النبلاء/ ذہبی (۸/ ۴۳۴)

[2] سیر اعلام النبلاء (۴/ ۵۴۲)

۱۔ یا تو فاسد خیالات و تصور کی وجہ سے امام کے خلاف بغاوت ہوگی، اہل بدعت اسی عقیدہ کے حامل ہوتے ہیں۔

۲۔ یا اہل سنت و جماعت کے خلاف اپنے فکر و عقیدہ کی بنا پر امام کے خلاف خروج ہوگا، جیسے معرکہ جمل، صفین، جماجم، اور حرہ کے شرکاء میں رہا، لیکن گمان یہ ہو کہ اس قتال کے ذریعہ مطلوبہ مصلحت حاصل ہو جائے گی۔

آپ رحمہ اللہ نے واضح کر دیا کہ ایسوں کے خروج کی سبب یہ گمان ہے کہ قتال کے ذریعہ ان کی مطلوبہ مصلحت و مفاد حاصل ہو جائے گی، حالاں کہ قتال سے وہ مصلحت نہیں حاصل ہوتی بلکہ فساد اور نقصانات پہلے سے زیادہ بڑھ جاتے ہیں اور آخر میں انھیں سمجھ میں آتا ہے کہ شارع نے جس چیز کی طرف شروع میں رہنمائی کی تھی وہی بہتر تھا۔[1]

اب یہاں ایک سوال خود بخود یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کے خلاف خروج کیوں کیا تھا؟ جب کہ اس کی ممانعت کے بارے میں واضح نصوص نبویہ پہلے سے موجود تھے؟ چناں چہ جن احوال و عوارض میں یہ معرکہ پیش آیا تھا ان کے مدنظر اس سوال کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ اس خروج کے کئی اسباب تھے، مثلاً:

۱۔ اہل مدینہ کو گمان غالب تھا کہ یزید کے خلاف خروج کرنے سے وہ مطلوبہ مصلحت حاصل ہو جائے گی جس کی وجہ سے انھوں نے یہ اقدام کیا ہے اور پھر مسلمانوں کی زندگی اور معاشرے میں شورائیت کا چلن ہو جائے گا اور اقتدار کی کرسی پر اس سے بہتر شخص فائز ہو جائے گا۔

۲۔ ان شرکاء میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنھیں ائمۃ المسلمین کے خلاف خروج اور بغاوت کی حرمت بتانیوالی حدیثیں معلوم نہیں تھیں۔

۳۔ ان میں بعض ایسے تھے کہ خروج علی الامام کی ممانعت پر دلالت کرنے والی روایتوں کا اس جیسے حادثہ سے تعلق نہیں ہے۔ اور یہاں ان کا استدلال بے محل ہے۔

۴۔ جب کہ ان میں سے بعض لوگوں کا عقیدہ تھا کہ یہ نصوص منسوخ ہو چکے ہیں۔

واضح رہے کہ آخر الذکر دو اسباب نے ابن حزم وغیرہ کو اس نظریہ کی طرف مائل کر دیا تھا کہ منکر (برائی) کا انکار ہر صورت میں لازم ہے اگر چہ اس کے لیے طاقت و قوت کا سہارا ہی کیوں نہ لینا پڑے۔ آپ کے خیال میں اسی نظریہ کے تحت صفین، جمل اور حرہ کے شرکاء نیز حسین، ابن زبیر رضی اللہ عنہم اور ان کے حامیوں نے

[1] منهاج السنة/ ابن تيميه (٤/ ٥٣٨)

جو کچھ کیا تھا کیا تھا۔ [1]

ابن حزم رحمہ اللہ کا خیال تھا کہ حاکم وقت اگر ظالم ہو تو اسے معزول کرنا ضروری ہے، اگر چہ اس میں طاقت کی ضرورت پڑے۔ [2] کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدة: ٢)

''اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو، گناہ اور سرکشی پر ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو۔''

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی ابن حزم سے پہلے ہی اس خیال کے قائل رہے ہیں۔ [3]

امام الحرمین کی بھی یہی رائے ہے، چناں چہ فرماتے ہیں: اگر حکمراں ایسا آئے جس کا ظلم اور بے جا تصرف عیاں ہو تو اہل حل و عقد کو چاہیئے کہ اسے معزول کرنے کے متحد ہو جائیں اگر چہ اس کے لیے اسلحہ لہرانے اور جنگ لڑنے کی ضرورت پڑے۔ [4]

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رہا وہ شخص جس نے کسی ظالم امام کے خلاف اس نیت سے خروج کیا تا کہ وہ اس کی جان، مال، یا اہل وعیال پر غالب آجائے، دریں صورت حال وہ معذور ہے اور اس سے قتال جائز نہیں، حاکم کو چاہیئے کہ اپنی جان، مال اور اہل وعیال کی طرف سے بقدر استطاعت دفاع کرے؟؟ میرے خیال میں حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اور معرکہ حرہ میں اہل مدینہ نے جو کیا، پھر عبداللہ بن زبیر اور وہ علماء وقراء جنھوں نے عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کے واقعہ میں حجاج کے خلاف خروج کیا، ان سب کو اسی معنی پر محمول کیا جائے۔'' [5]

مذکورہ عبارت میں ابن حجر رحمہ اللہ کا پہلا کلام تو کسی بحث و مباحثہ کا محتاج نہیں ہے، لیکن آپ کی جو ذاتی رائے ہے کہ اسی معنی پر حسین بن علی رضی اللہ عنہما وغیرہ کے واقعہ کو محمول کیا جائے، بحث وتمحیص کا محتاج ہے کیوں کہ وہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یزید کے خلاف خروج کرنے والوں نے اس کا کون سا ظلم و جور دیکھا تھا، اور خاص طور سے حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم پر کیا مظالم ہوئے تھے کہ انھوں نے یہ اقدام کیا؟ دراصل یزید بن معاویہ کے خلیفہ بننے سے پہلے ہی حسین بن علی اور ابن زبیر اس کے خلاف تھے، انھوں نے یزید کے ظلم و جور کی وجہ سے اس کے خلاف خروج نہیں کیا تھا بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ ان کے اپنے خیال میں

---

[1] الدرة فيما يجب اعتقاده/ ابن حزم (٣٧٦)

[2] الفصل، ابن حزم (٤/ ١٨٠) [3] التنكيل/ المعلمى (٢٨٨)

[4] شرح النووى على صحيح مسلم (٢/ ٢٥-٢٦)

[5] فتح البارى (١٢/ ٣١٥)

یہ تھا کہ ہمیں لوگ خود اس منصب کے اہل ہیں اور ہم فضل وخیر میں یزید پر فوقیت رکھتے ہیں۔

بتاتے چلیں کہ جو لوگ ظالم حکام کے خلاف قتال و بغاوت کے جواز پر شرعی نصوص سے استدلال کرتے ہیں علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے:

''ان لوگوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں کتاب وسنت کے اوارد شدہ عمومی نص سے استدلال کیا ہے، جب کہ اس میں ذرہ برابر شک وشبہہ کی گنجائش نہیں ہے کہ زیر بحث موضوع سے متعلق جو حدیثیں کتب سنن وغیرہ میں آئی ہیں وہ ان عمومی نصوص سے خاص کی ہوئی ہیں اور یہ معنی درجہ تواتر تک پہنچتی ہیں، جسے علم سنت سے ادنی بھی شغف ہے اسے یہ بات خوب معلوم ہے۔'' ❶

جب کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے حسین رضی اللہ عنہ، اہل حرہ اور ابن اشعث جیسے اسلاف امت کے خروج کی توجیہ اس طرح کی ہے:

''ائمہ کے خلاف خروج کے جواز وعدم جواز کا اختلاف شروع شروع میں تھا، لیکن بعد میں ان کے خلاف خروج کی حرمت وممانعت پر سب کا اجماع ہوگیا۔ واللہ اعلم۔'' ❷

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اپنی تحریروں میں دوسری جگہ یہی جوابدیا ہے، چناں چہ حسین بن صالح کی سوانح حیات کے ضمن میں جہاں ان کی طرف سے اس تہمت کی تردید کی ہے کہ وہ تلوار سے جنگ کرنا چاہتے تھے، لکھتے ہیں:

''وہ -حسین بن صالح- ظالم ائمہ کے خلاف تلوار کے ذریعہ خروج جائز سمجھتے تھے، اور اسلاف امت کا یہی قدیم مذہب تھا، لیکن بعد میں جب انھوں نے دیکھا کہ اس سے معاملہ میں مزید ابتری پیدا ہو جاتی ہے تو اس منہج کو چھوڑنے پر وہ متفق ہوگئے، واقعہ حرہ اور واقعہ ابن اشعث وغیرہ میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے عبرت وموعظت ہے۔'' ❸

نیز میں یہ نہیں سمجھتا کہ تمام اسلاف امت کا یہی مستقل مسلک تھا، کیوں کہ اموی حکمرانوں کے خلاف خروج کرنے والوں کی رائے سے اس دور کے بہت سارے علماء وفقہاء متفق نہیں تھے، اور پھر بذات خود وہ معاشرہ اس قدر بیدار اور حساس تھا جسے خروج کے برے انجام اور اس کی ہلاکت خیزیوں سے واقفیت تھی، اس

---

❶ نیل الاوطار/ شوکانی (۷/ ۳٦۷)

❷ شرح النووی علی صحیح مسلم (۱۲/ ۲۲۹)

❸ تهذیب التهذیب/ ابن حجر (۲/ ۲۵۰)

کی دلیل ابن سعد کی وہ وضاحت ہے جوانھوں نے مسلم بن یسار ❶ بصری کی سوانح حیات میں کی ہے۔ لکھتے ہیں:

''وہ -مسلم بن یسار- لوگوں کی نگاہ میں حسن بصری سے زیادہ قدر و منزلت رکھتے تھے، یہاں تک کہ جب انھوں نے ابن اشعث کے ساتھ خروج کیا تو لوگوں کی نگاہ سے گر گئے۔'' ❷

پس بشمول صحابہ و تابعین تمام ہی اسلاف امت کے افعال کو اس بات پر محمول کرنا مناسب ہے کہ وہ درپیش مسائل و معاملات میں مجتہد اور بظاہر حق کے طالب رہے، ان میں صحابہ و تابعین بھی تھے جو کہ تمام صدیوں میں افضل ترین صدی کے لوگ تھے، رحمہم اللہ و رضی اللہ عنہم۔ انھوں نے جو بھی اختلاف کیا وہ دلیل اور بینہ کی روشنی میں کیا، اور جو بھی قتال کیا یا قتل کئے گئے وہ سب جہاد کے راستے میں یا اظہار حق کے لیے کیا۔ ❸

چناں چہ اس میں شک نہیں کہ اہل حرہ کے جن لوگوں نے یزید کے خلاف خروج کیا تھا وہ خاصے متقی و پرہیزگار لوگ تھے، سنت رسول کے شیدا و متبع تھے، اور ان کے بعد اہل علم کی جو جماعت آئی ان سے زیادہ اطاعت رسول کے گرویدہ تھے۔ ❹

آپ دیکھیں کہ اس میں غسیل الملائکہ عبداللہ بن حنظلہ شامل رہے جو کہ صغار صحابہ میں سے تھے۔ ❺ زاہد، متقی، خشوع و خضوع کے پیکر، اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ ❻

اس میں عبداللہ بن مطیع القرشی تھے، جن کی روایت امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے۔ ❼ آپ بھی صغار صحابہ میں سے تھے۔ ❽

ان کے علاوہ مدینہ کے دیگر صلحاء و عابدین رحمہم اللہ بڑی تعداد میں اس میں شریک رہے۔ ❾

---

❶ آپ مسلم بن یسار بصری ہیں، مکہ میں جا بسے تھے، آپ کا لقب ابوعبداللہ الفقیہ ہے، آپ کو مسلم سکرہ اور مسلم المصبح بھی کہا جاتا ہے، ثقہ اور عابد ہیں، طبقہ اربعہ کے ہیں، ۱۰۰ھ یا اس کے بعد وفات ہوئی۔ التقریب (٥٣١)

❷ طبقات ابن سعد (٧/ ١٦٥) تهذيب التهذيب/ ابن حجر (١٠/ ١٢٨)

❸ مقدمة ابن خلدون (١/ ٢٧٣، ٢٧٣) ❹ العبرة مما جاء فى الغزو و الشهادة/ صديق حسن خاں ص (٣٣)

❺ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اونٹنی پر بیٹھ کر طواف کعبہ کرتے دیکھا۔ سنن دارمی (٢/ ٦٢) سنن ابن ماجه (٢/ ١٠٠٩) سنن ترمذی (٣/ ٢٦٤) ابن عساكر، تراجم حرف عين عبدالله بن حنظلة (٢٢٠)

❻ طبقات ابن سعد (٥/ ٦٥)، الطبقات/ خليفه (٥٩٣)، الاستيعاب/ ابن عبدالبر (٣/ ٨٩٢)، اسد الغابة/ ابن الاثير (٣/ ١٤٧) سير اعلام النبلاء (٤/ ٨٢) الاصابة/ ابن حجر (٣/ ٢٩٩)

❼ صحيح مسلم (٣/ ١٤٠٩) (١٧٨٢) ❽ الاصابة، ابن حجر (٥/ ٢٦)

❾ ایک خبر میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حرۃ زہرۃ سے گزرے وہاں تھوڑی دیر ٹھہرے، اور پھر انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھا، پھر فرمایا: یہاں میرے صحابہ کے بعد میری امت کے بہتر لوگ قتل کئے جائیں گے۔ المعرفة والتاريخ (٣/ ٣٢٧)، بیہقی کہتے ہیں: یہ روایت مرسل ہے۔ الدلائل (٦/ ٤٧٣) ابن کثیر کا بھی یہی قول ہے۔ البداية (٩/ ٢٣٨)، الواقدی نے کتاب الحرۃ میں بھی لکھا ہے۔ وفاء الوفاء (١/ ١٢٤) اس طرح یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ٹھہرتی ہے۔

یہ بات معلوم ہے کہ اہل حرّہ کی تحریکی اساس بہرحال تاویل پر مبنی تھی جس میں متاول غلطی کرسکتا ہے لیکن کتاب وسنت کی روشنی میں وہ مغفور اور ناقابل گرفت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی دعا کی تعلیم میں فرمایا:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ (البقرة:٢٨٦)

''اے ہمارے رب اب ہم بھول جائیں، یا غلطی کر جائیں تو ہمارا مواخدہ نہ کرنا۔''

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

((ان اللہ عزوجل قال: قد فعلت .))[1]

''اللہ نے کہہ دیا کہ میں نے ایسا ہی کر دیا۔''

نیز آپ ﷺ کا دوسری جگہ ارشاد ہے:

((ان اللہ تجاوز عن امتی الخطا و النسیان .))[2]

''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے بھول چوک اور (غیر دانستہ) غلطی کو معاف کر دیا ہے۔''

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((واللہ ما اخشی علیکم الفقر و لکن اخشی علیکم التکاثر، و ما اخشی علیکم الخطا و لکن اخشی علیکم العمد .))[3]

''اللہ کی قسم میں تمھارے بارے میں فقر ومحتاجگی سے نہیں ڈرتا لیکن (دولت دنیا کی) کثرت سے ڈرتا ہوں اور تمھارے بارے میں (نادانستہ) غلطی سے نہیں ڈرتا لیکن دانستہ گناہ سے ڈرتا ہوں۔''

چوں کہ یزید اور حجاج بن یوسف کے خلاف خروج کرنے والے اپنی امت کے لیے خیر چاہتے تھے، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کے متمنی تھے، اسی لیے ان کے بارے میں علماء رحمہم اللہ فرماتے تھے: ''جماجم اور اہل حرہ والوں سے بہتر کسی خروج کرنے والے نے خروج نہیں کیا۔''[4]

---

[1] صحیح مسلم (١/ ١٦١) (٢٠٠)، مسند احمد (٣/ ٣٤١)، (٣٤٢)، (٢٩٧٠)، تفسیر طبری (٦/ ١٤٢-١٤٥)

[2] سنن ابن ماجه (١/ ٦٥٩)، البانی صحیح الجامع الصغیر (٢/ ١٠٢)

[3] مسند احمد (١٥/ ١١٤) (٨٠٦٠)، محقق کتاب فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد (٣/ ١٤١) میں لکھا ہے کہ رواہ احمدو رجاله ثقات، رجال الصحیح، ترغیب و ترهیب (٤/ ١٠٥، ١٠٦)

[4] المعلل والمعرفة الرجال، احمد (٢/ ٢٩١)

پس یہ سب لوگ اللہ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، خیر و بھلائی کرنے کے خواہاں تھے، منکر کا انکار ان کے پیش نظر تھا، لیکن افسوس کہ جس منکر کے انکار کے لیے انھوں نے خروج کیا اس سے بڑے منکر یعنی قتل و خونریزی لوٹ مار، اور جہاد بندی و سرحدی حفاظت کی کوتاہی جیسے مفاسد میں جا پڑے۔

اسی لیے شریعت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اگر کسی (منکر) برائی کے ازالہ کا حل اس کے علاوہ کچھ نہ ہو کہ اس سے بڑے منکر کا ارتکاب کیا جائے، تو اس انداز میں بڑے منکر کا ارتکاب خود منکر ہے، اور جب کوئی معروف یعنی خیر و بھلائی ایسے ارتکاب منکر کے بغیر حاصل نہ ہو رہی ہو جس کے مفاسد و نقصانات مصلحتوں پر بھاری ہوں تو اس معروف کا حصول اس انداز میں ایک منکر ہے۔ ❶

پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ منکر کا انکار فرض کفایہ ہے، اگر اس کی بجا آوری سے جان، مال، یا دیگر (واجبات خمسہ) کے ضیاع کا خدشہ ہو تو ہاتھ اور زبان سے منکر کا انکار ختم ہو جائے گا، اور واجب ہوگا کہ اسے دل میں برا جانا جائے، اسی پر علماء امت کا اجماع ہے۔ ❷

چناں چہ امراء و حکام المسلمین کے خلاف خروج و بغاوت کی حرمت میں بعینہ یہی حکمت پوشیدہ ہے جس کی اسلامی شریعت نے پوری پوری رعایت کی ہے۔ اور ''فتنہ'' جیسے حالات میں قتال کرنے کو صرف مستحب ٹھہرایا ہے، اگر چہ خروج کرنے والے یہ سوچتے ہوں کہ ہمارا مقصد شر و فساد نہیں بلکہ بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے جیسے کہ وہ لوگ تھے جنھوں نے ''حرہ'' میں یزید کے خلاف خروج کیا۔ ❸

یہ حرمت اس لیے بھی ہے کہ احوال فتن میں قتال و جدال کے نتیجہ میں جنم لینے والا فساد حکمرانوں کے ظلم سے اٹھنے والے فساد کے مقابل میں کہیں بڑا ہے۔ لہٰذا دو ہلکے فسادوں میں سے کسی ایک کو بڑے فساد کے ارتکاب کے ذریعہ زائل نہیں کیا جائے گا۔ ❹

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسل کو مصالح کے حصول اور ان کی تکمیل نیز مفاسد کے ازالہ اور ان کی تخفیف کے لیے مبعوث فرمایا ہے، ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کسی نے امام وقت کے خلاف بغاوت کی ہو اور خیر کے مقابلے میں شر نے زیادہ نہ جنم لیا ہو، غور کیجیے کہ یہی اہل حرہ، ابن اشعث، اور ابن المہلب وغیرہ کو خروج کے عوض اس کے علاوہ کون سی چیز ہاتھ لگی کہ خود وہ لوگوں اور ان کے رفقاء شکست دیئے گئے، نہ دین قائم کر سکے،

---

❶ منهاج السنة/ ابن تيميه (٤/ ٥٣٦)

❷ شرح النووی علی صحيح مسلم (١٢/ ٢٣٠)

❸ منهاج السنة (٤/ ٥٣٦) معمولی تصرف کے ساتھ۔

❹ منهاج السنة (٤/ ٥٤٢) معمولی تصرف کے ساتھ۔

اور نہ دنیا کو خیر کے ساتھ باقی رکھ سکے، ظاہر ہے کہ معرکہ شرکاء حرہ جو کچھ بھی تھے لیکن علی، عائشہ، اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم سے افضل نہ تھے، تاہم ان لوگوں نے جو بھی باہمی جنگیں لڑیں اس پر وہ مدح وستائش سے نہیں نوازے گئے نہ کسی نے اسے سراہا، حالاں کہ اللہ کے نزدیک ان کا بڑا مرتبہ تھا اور دوسروں کے مقابلے ان کی نیتوں میں زیادہ خلوص وللّٰہیت تھی۔ [1] بالاختصار یہ سمجھئے کہ بیشتر علماء سلف کے نزدیک ظالم امام کی اطاعت پر صبر وتحمل کرنا اس کے خلاف بغاوت کرنے سے زیادہ بہتر ہے، اس لیے کہ اس سے بغاوت اور حکومت کی چھینا جھپٹی کی وجہ سے امن کی بہاریں خوف و دہشت میں تبدیل ہوجاتی ہیں، خونریزی عام ہوتی ہے، کم عقلوں اور نادانوں کے ہاتھ کھلے ہوتے ہیں، مسلمانوں پر ہجوم ہوتا ہے اور زمین فساد وبگاڑ کی آماجگاہ بن جاتی ہے۔ [2]

اس سلسلے میں امام ابن القیم رحمہ اللہ نے کتنی اچھی بات کہی ہے: اسلامی شریعت کی اساس زندگی و معاش کے بارے میں بندوں کی مصلحت و مفاد اور حکمتوں کے خزینوں پر قائم ہے، پوری شریعت عدل وانصاف سے عبارت ہے، الٰہی رحمتوں سے بھرپور ہے، اس میں حکمتیں اور مصلحتیں ہی مصلحتیں ہیں، پس ہر وہ مسئلہ جو عدل سے جور وظلم کی طرف، اور رحمت سے زحمت وفساد کی طرف، مصلحت سے مفسدہ کی طرف اور حکمت سے عبث و بے معنی کی طرف مائل ہوجائے تو اس کا شریعت سے کوئی رشتہ نہیں رہ جاتا اگرچہ انھیں جائز کرنے کے لیے تاویلات کا سہارا لیا جائے۔ پس شریعت اللہ کے بندوں کے درمیان میزان عدل ہے، اور مخلوق کی درمیان اسی کی رحمت کا خزینہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے منکر (برائی) کا انکار مشروع ٹھہرایا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اللہ اور اس کے رسول کی محبوب نظر نیکیاں سامنے آئیں، اگر اس میں انکار منکر سے ایسی برائی لازم آرہی ہو جو پہلے سے بڑی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں مبغوض ہو تو اس برائی کو اپنی حالت پر چھوڑنا بہتر ہے، اس کی تردید جائز نہیں ہے اور اگر برائی اس نوعیت کی ہو کہ اللہ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہو، اور اس کے مرتکبین لوگوں کی نگاہ میں مبغوض ہوں، مثلاً بادشاہوں اور حکمرانوں پر نکیر وتنقید کرنا اور ان کے خلاف بغاوت کرنا، ت و یہ تاقیامت ہر شر وفساد کی جڑ ہے۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے ان امراء سے قتال کرنے کی اجازت مانگی تھی جو نماز کو اس کے وقت سے موخر کرکے پڑھتے ہیں، انھوں نے کہا تھا:

((أفلا نقاتلهم .))

''کیا ہم ان سے قتال نہ کریں؟''

تو آپ نے فرمایا:

---

[1] منهاج السنة (٤/ ٤٢٧، ٤٢٨)

[2] الجامع لاحکام القرآن/ قرطبی (٢/ ١٠٩)

((لا ما اقاموا الصلاۃ.))

''نہیں، جب تک وہ نماز قائم کریں، (ان سے قتال نہ کرو)''

اور فرمایا:

((من رای من امرہ ما یکرھه فلیصبر و لا ینزعن یدا من طاعة.))

''جو شخص اپنے امیر سے ایسی چیز دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو چاہئے کہ وہ صبر کرے اور اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔''

اسلامی تاریخ کے چھوٹے بڑے فتنوں میں جو شخص بھی غور کرے گا وہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ ان کی وجہ صرف یہ رہی کہ اسلام کے اس اصل الاصول کو نظر انداز کر دیا گیا، حکمرانوں کی بے اعتدالیوں پر صبر نہیں کیا گیا، اسے مکمل طور پر بے وقعت کرنے کی کوشش کی گئی لیکن ہوا یہ کہ اس سے بڑی برائی تولد پذیر ہوئی۔ ہمارے رسول ﷺ مکہ میں رہتے ہوئے بڑی سے بڑی برائیوں کو دیکھتے تھے جنھیں بدلنے اور مٹانے کی آپ میں طاقت نہ تھی، لیکن جب اللہ نے مکہ کو آپ کے لیے فتح کر دیا اور وہ دار السلام بن گیا، تو آپ نے خانہ کعبہ کو اصلی حالت میں لوٹانے کا عزم کیا اور اسے قواعد ابراہیمی پر دوبارہ لوٹانا چاہا، لیکن قدرت رکھنے کے باوجود آپ نے ایسا نہیں کیا، کیوں کہ آپ ڈر رہے تھے کہیں اس سے بڑا فتنہ نہ واقع ہو جائے، یعنی قریش جو ابھی نئے نئے اسلام لائے تھے، اور زمانہ کفر سے قریب تر تھے، کہیں یہ چیز ان کے لیے گراں و تکلیف دہ نہ ثابت ہو۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ نے امراء و حکام پر انکار منکر کے لیے ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دی کہ اس سے اور بڑا فساد واقع ہو جاتا ہے۔ [1]



[1] اعلام الموقعین / ابن القیم (٣/ ١٤، ١٦)

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی مخالفت

تمہید

واقعہ سے متعلق مصادر ومراجع پر ایک نظر:

اس باب میں طبعی طور پر ایسا ہونا بہت ممکن ہے کہ ہمیں یکجا ایسی معلومات نہ مل سکیں جو ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی مخالفت اور اموی حکومت کے ہاتھوں مکہ میں ان کے پہلے محاصرہ کے بارے میں وافر معلومات دے سکیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ حادثہ کی طبیعت ونوعیت ہی کچھ ایسی تھی اور اس کا انجام کیا ہونا تھا یہ واضح نہ تھا۔

پس یزید جب تک خلیفہ رہے ان کے اور عبداللہ بن زبیر کے درمیان کسی ٹکراؤ کی نوبت نہیں آئی اگر چہ وہ یزید کی خلافت کے خلاف تھے، البتہ اس مدت میں یزید کی اس قرارداد کو اہم ترین حادثہ قرار دیا جاسکتا ہے جس میں انھوں نے عمرو بن زبیر [1] کی قیادت میں ابن زبیر کے پاس ایک جماعت بھیجی تھی، اور پھر اس کے پیچھے ہی مسلم بن عقبہ کا لشکر روانہ کیا جس کے نتیجہ میں معرکہ حرہ پیش آیا اور پھر تقریباً دو مہینے ابن زبیر محاصرہ میں گھرے رہے لیکن اسی دوران یزید بن معاویہ کی وفات کے سبب حصین بن نمیر، ابن زبیر کے معارضہ کو ختم نہ کرسکے۔ اور معاملہ بلا کسی لڑائی کے ختم ہوگیا۔

اس دو ماہ کے محاصرہ کی مدت میں ابن زبیر اور حصین بن نمیر کے درمیان یکا دکا معمولی چھڑپ اور خانہ کعبہ کی آتش زدگی کے علاوہ کوئی اہم حادثہ پیش نہ آیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی قابل ذکر واقعہ کے نہ ہونے کی وجہ سے جس طرح مورخین نے حصار ثانی کے احوال وحوادث کو نقل کرنے کا اہتمام کیا حصار اول کا اس طرح اہتمام نہیں کیا کیوں کہ دونوں محاصروں کے حالات وظروف اور نتائج ایک دوسرے سے مختلف رہے۔

اس باب میں ہم یہ بات واضح طور سے محسوس کرتے ہیں کہ جن راویوں نے معرکہ حرہ کی تاریخ رقم کی ہے انھیں لوگوں نے ابن زبیر کی مخالفت اور محاصرہ اولیٰ کی تاریخ بھی لکھی ہے، چناں چہ آپ عوانہ بن حکم کو لے لیجئے جنھوں نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے راست تعلق رکھنے والے چند اہم حوادث و واقعات کو نقل کیا ہے، اور

[1] عمرو بن زبیر، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے سوتیلے بھائی اور خالد بن سعید بن العاص اموی کے نواسے اور پولس افسر تھے، گورنر نے انھیں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو سمجھانے اور نہ ماننے کی صورت میں گرفتار کرنے کا آرڈر دیا تھا لیکن یہ خود گرفتار ہوگئے اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے انھیں سولی دے دی۔ (دیکھئے: انساب الاشراف للبلاذری (ج ٤/ ٢٣-٣٦) (ش)

پھر انھیں سے طبری ❶ اور بلاذری ❷ نے بھی اخذ کر لیا۔ طبری ❸ نے ابومخنف کی ایک روایت نقل کی ہے جس کا تعلق ابن نمیر کے ہاتھوں ابن زبیر کے محاصرہ سے ہے۔ رہا عمرو بن زبیر کی وہ جماعت جسے یزید نے روانہ کیا تھا طبری نے اسے قطعاً ذکر نہیں کیا ہے، پھر انھیں سے بلاذری نے متعدد روایتوں کا اقتباس کیا ہے۔ ❹ جس کے بارے میں بلاشبہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ روایتیں آپ کی اس تاریخی کتاب کا حصہ ہیں جو ابن زبیر کے محاصرہ کے بیانات پر مشتمل ہیں۔ ❺ رہے ہیثم بن عدی تو ان سے بلاذری نے مختلف عبارتیں لی ہیں اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی مخالفت کے تعلق سے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ❻

اور جہاں تک وہب بن جریر کا معاملہ ہے تو ان سے بلاذری ❼ نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے متعلق دو روایتیں نقل کی ہیں، ان دونوں میں سے ایک روایت ابن ابی خیثمہ کی سند سے مروی ہے۔ واقدی بھی متعدد روایات کے ذریعہ ان مورخین کی فہرست میں شریک ہیں خاص طور سے کعبہ کی آتش زدگی کے بارے میں جو معلومات ہیں ان کا غالب اعتماد انھیں پر ہے۔ ان سے طبری، ❽ بلاذری، ❾ ازرقی ❿ اور ان کے شاگرد ابن سعد ⓫ نے روایتیں نقل کی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ بعض حوادث کو بیان کرتے ہوئے بلاذری ⓬ نے "قالوا" کا جو صیغہ استعمال کیا ہے وہ اس سے واقدی کی وہی روایتیں مراد لیتے ہیں جو باسناد جمعی وارد ہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ متاخرین نے جن روایتوں کا اقتباس کیا ہے ان کا مصدر واقدی کی "اخبار مکہ" ⓭ نامی کتاب ہے۔

---

❶ تاريخ الامم والملوك (٥/ ٤٦٩، ٤٩٧، ٥٠١)

❷ انساب الاشراف (٤/ ٣٠٥، ٣٠٧، ٣٢٠، ٣٤٤)

❸ تاريخ الامم والملوك (٥/ ٤٩٦)

❹ انساب الاشراف (٤/ ٣٠٧، ٣٠٩، ٣١٢، ٣١٣، ٣٣٧، ٣٣٩)

❺ الفهرست ابن نديم (١٠٥)

❻ انساب الاشراف (٤/ ٣٠٦، ٣١٦، ٣٢٧، ٣٤٠، ٤٤٣)

❼ انساب الاشراف (٤/ ٣٠٩، ٣١٠)

❽ الامم والملوك (٥/ ٤٩٨) حول حريق الكعبة۔

❾ انساب الاشراف (٤/ ٣٠٧، ٣٠٩، ٣١١، ٣١٤، ٣٣٨، ٣٤٧، ٣٤٩)

❿ اخبار مكه (١/ ١٩٧، ١٩٨، ١٩٩) عن حريق الكعبة

⓫ الطبقات الكبرى (٥/ ١٤٥، ١٥٨، ١٥٩، ط ٥/ ٤٧٣، ٤٧٦، ٤٥٧)

⓬ انساب الاشراف (٤/ ٣٠٤، ٣٣٨، ٣٤٤، ٣٤٥)

⓭ الفهرست / ابن نديم ص (١١١)

ان مورخین کے بالمقابل ہمیں مدائنی جیسے مورخ بھی ملتے ہیں جن کی عمرو بن زبیر کے قافلے کے تعلق مستقل تالیف ہے، لیکن انتہائی حیرت وتعجب کی بات یہ ہے کہ اس میں خاص اس جماعت کے بارے میں کچھ بھی منقول نہیں ہے۔ ❶ اور مدائنی کی جن روایتوں سے بلاذری ❷ اور خلیفہ ❸ وغیرہ نے جو کچھ استفادہ کیا ہے وہ ابن زبیر کے محاصرہ اولیٰ کی معلومات تک محدود ہیں، جس سے لگتا ہے کہ غالبًا ان تمام روایتوں کا مصدر و مرجع انھیں کی کتاب ''الخلفاء الکبیر'' ہے جس میں یزید اور ابن زبیر کی سوانح سے بحث ہے۔ ❹

مذکورہ مورخین کی طرح ابن زبیر کے واقعات کے ناقلین میں عبدالملک بن جریج ❺ متوفی ۱۵۰ھ بھی شریک رہے ہیں، ان سے خلیفہ ❻ نے تین مقامات پر روایتیں اخذ کی ہیں جن کا تعلق حریق کعبہ سے ہے۔ نیز ازرقی ❼ نے ان کی ایک اہم اور طویل ترین روایت بیان کی ہے جس میں یزید بن معاویہ اور ابن زبیر کے درمیان اختلافات میں روز افزوں اضافہ ہونے کا ذکر ملتا ہے، پھر یہ کہ ان اختلافات کے نتیجہ میں یزید نے کس طرح عمرو بن زبیر اور حصین بن نمیر کی جماعت روانہ کی اور کعبہ کی تقدس کو آگ کے ذریعہ ٹھیس پہنچائی گئی۔ ❽ اگر ہم امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی مانیں تو معلوم ہوگا کہ اس موضوع پر ابن جریج، اور ابن ابی عروبہ نے سب سے پہلے کتاب تصنیف کیا۔ ❾

غالبًا گمان ہے کہ خلیفہ اور ازرقی نے حریق کعبہ کے تعلق سے ابن جریج سے جو کچھ نقل کیا ہے وہ اسی کتاب سے ماخوذ ہے کیوں کہ اس وقت کا یہی سب سے عظیم اور اہم حادثہ تھا اور چوں کہ ابن جریج نے مکہ میں زندگی گزاری، اور جس دور میں یہ حادثہ پیش آیا انھیں قریب سے دیکھا اس لیے کوئی حیرت واستعجاب نہیں

❶ الفهرست ص (۱۱۵)

❷ انساب الاشراف (٤/ ۳۷۷، ۳۳۹، ۳٤۰، ۳٤۲، ۳٤۳، ۳٤٤، ۳٤٥، ۳٤٦)

❸ (تاريخ خليفه (۲٥۱، ۲٥۲)

❹ الفهرست/ ابن نديم ص (۱۱٥)

❺ آپ امام وقت، علامہ وحافظ شیخ الحرم عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہیں، احادیث میں تدلیس وارسال کرتے تھے۔ ۱۵۰ھ میں وفات ہوئی، تاریخ بغداد (۱۰/ ٤۰۰)، سير اعلام النبلاء (٦/ ۳۲٥) تقريب التهذيب/ ابن حجر (۳٦۳)

❻ تاریخ خليفه (۲٥۲)

❼ سير اعلام النبلاء / الذهبی (٦/ ۳۲۷)

❽ کعبہ کی آتش زدگی سے متعلق بلاذری کا بیان ہے: ابن زبیر کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے جس کو مسلم کہتے تھے برچھی کی نوک پر ایک انگارہ اٹھایا تھا اس دن ہوا تیز چل رہی تھی اس کی چنگاری غلاف کعبہ پر جا پڑی جس سے وہ جل گیا۔ (انساب الاشراف للبلاذری ۵۵/۴) طبری میں بھی یہ روایت بتغیر الفاظ کئی سندوں سے بیان کی گئی ہے دیکھئے الطبری (۱۰/۷) حریق کعبہ کی یہ حقیقت ہے جسے یزید کے سر مڑھ دیا گیا ہے۔ (ش)

❾ سير اعلام النبلاء / الذهبی (٦/ ۳۲۷)

ہے کہ یہ روایتیں انھیں سے اخذ کی جائیں اور انھیں ترجیح بھی دی جائے۔

ا...... بیعت یزید کے متعلق ابن زبیر کا موقف اور کوفہ روانگی

ا۔ بیعت یزید کے متعلق ابن زبیر کا موقف:

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں جب آخری حج کیا اور ابن عمر، حسین بن علی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے یزید کے لیے ولی عہدی کی بیعت لینا چاہی اسی وقت سے ابن زبیر اپنے موقف میں انتہائی سخت تھے، اور یزید کے لیے بیعت کو تیار نہ تھے، انھوں نے اپنی مخالفت کی وجہ یہ ظاہر کی تھی کہ ایک ہی وقت میں دو خلفاء کے لیے جب کہ دونوں باحیات ہوں، بیعت کیوں کر جائز ہوسکتی ہے؟ انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بحث ومباحثہ کے دوران اس کے علاوہ یزید کی شخصیت پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ [1]

لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن زبیر کی اس توجیہ اور ظاہری موقف کو شک کے دائرہ میں رکھا اور مکمل طور پر اس سے مطمئن نہ ہوئے، کیوں کہ وہ ابن زبیر کی طبیعت ومزاج سے بخوبی واقف تھے اور یہی سوچتے تھے کہ وہ یزید کے حق میں ہرگز بیعت نہیں کریں گے، اسی لیے آپ نے یزید کو ان الفاظ میں وصیت کی تھی، ابن زبیر انتہائی زیرک اور شاطر دماغ شخص ہیں، اگر مدمقابل آئیں تو مقابلہ کے لیے ڈٹ جانا، ہاں اگر صلح کے متلاشی ہوں تو اسے قبول کر لینا۔ [2]

دراصل ابن زبیر رضی اللہ عنہ بہت ساری خوبیوں میں ممتاز تھے، جس کی وجہ سے وہ معاویہ کی وفات کے بعد خود کو منصب خلافت کا سب سے زیادہ حقدار سمجھتے تھے جب کہ اعلیٰ حسب ونسب کے مالک تھے ہی، ان کے والد محترم زبیر بن عوام جنت کے دس بشارت یافتہ لوگوں میں سے ایک تھے، مسلمانوں کے مشہور ترین شہسواروں میں آپ کا منفرد مقام تھا، حواریٔ رسول کا لقب ان کی خوش قسمتی کو چار چاند لگائے ہوئے تھا، [3] جب کہ ابن زبیر کی والدہ محترمہ اسماء بنت ابوبکر صدیق تھیں، جنھیں ذات النطاقین ہونے کا تمغہ ملا تھا۔ [4] ان کے نانا رسول اکرم کے رفیق غار یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوا کرتے تھے۔ آپ کی شخصیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا کی افضل ترین شخصیت تھی، اور کہتے جائیے کہ وہ بے مثال شجاعت وبہادری کے مالک، بے باک اور بلاخوف وخطر اسلام کے راستے میں ہلاکتوں کو مول لے لینے والے تھے۔ [5]

---

[1] پچھلے مباحث میں بیعت والی بحث کی طرف رجوع کریں۔
[2] انساب الاشراف (٤/ ١/ ١٤٥) بسند عوانہ، طبری (٥/ ٢٢٣) العقد الفرید (٤/ ٣٢٧، ٣٢٨) عن ھیثم بن عدی
[3] فضائل الصحابة (٢/ ٧٣٤)، صحیح البخاری مع الفتح (٧/ ٩٩)، صحیح مسلم (٤/ ١٨٧٩)
[4] سیر اعلام النبلاء/ ذھبی (٣/ ٣٧٠، ٣٧١)
[5] صحیح البخاری مع الفتح (٧/ ٢٧٢)

یہ وہی عبداللہ بن زبیر بن عوام ہیں جو ہجرت نبوی کے بعد امت میں سب سے پہلے تولد پذیر ہوئے۔ ❶ اس وقت خوشی کا عالم یہ رہا کہ پورا مدینہ ان کی ولادت کی خوشی سے جھوم اٹھا، ان کے پیٹ میں سب سے پہلے جس بابرکت غذا نے جگہ پائی وہ تحنیک نبوی کے ذریعہ آپ ﷺ کا لعاب مبارک تھا۔ ❷ یہ عبداللہ بن زبیر کی توقیر وتشجیع ہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے حکم سے ان کی خالہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام عبداللہ کی کنیت سے پکاری جاتی تھیں۔ ❸ آپ چنندہ فقہاء صحابہ میں سے تھے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی خوبیاں تھیں جو آپ کی شخصیت میں جمع تھیں۔ ❹

صرف اسی پر بس نہیں ہے بلکہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا جاتا تو فرماتے: وہ اللہ کی کتاب قرآن مجید کے عالم ہیں، اسلام میں ہمیشہ پاک دامن رہے، ان کے باپ زبیر بن عوام ہیں، ماں اسماء بنت ابوبکر ہیں، نانا ابوبکر اور پھوپھی خدیجہ ہیں، خالہ عائشہ، اور دادی صفیہ ہیں۔ اللہ کی قسم میں (نے یہ سوچا تھا کہ) ان کے لیے ایسی محنت و مشقت کروں گا جو ابوبکر و عمر کے لیے نہیں کی۔ ❺

معاویہ رضی اللہ عنہ ابن زبیر کے مقام ومرتبہ کو خوب جانتے تھے، اسی لیے ان کے اعزاز واکرام میں خوب خوب ہاتھ بڑھاتے، اور کہتے رسول اکرم ﷺ کی پھوپھی کے نور نظر کو مرحبا ہے۔ ❻ وہ ابن زبیر کی سختی کو نظر انداز کرتے، اور ان کے ناپسندیدہ اقدام پر بردباری کا مظاہرہ کرتے اور برابر کہتے رہتے: ابن زبیر کو میری طرف سے کون سمجھا جائے گا۔ اللہ کی قسم جب بھی میں نے کسی چیز کا ارادہ کیا تو انھوں نے اس میں میری ضرور مخالفت کیا۔ ❼

معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوشش تھی کہ ابن زبیر سے کسی طرح قربت ہو جائے، اور اسی مقصد سے آپ نے اپنے بیٹے یزید کے لیے ام حکیم بنت عبداللہ کو شادی کا پیغام بھیجا تھا، لیکن ابن زبیر نے اسے ٹھکرا دیا۔ ❽ معاویہ رضی اللہ عنہ

❶ صحیح مسلم (٣/ ١٦٩١) مسند احمد (٦/ ٣٤٧) الاوائل/ ابوبکر بن عاصم (٦٢، ٦٣)

❷ صحیح البخاری مع الفتح (٧/ ٢٩٢) الفتح الربانی (٢٣/ ١٨٤، ١٨٥)

❸ مسند احمد (٦/ ١٠٣، ١٨٦، ٢٦٠)

❹ طبقات الفقهاء/ الحمد الشيرازى (٥٠)، سير اعلام النبلاء (٣/ ٣٦٣، ٣٦٤)

❺ صحیح البخاری مع الفتح (٨/ ١٧٧) حلية الاولياء/ ابونعيم (١/ ٣٢٢٤) مستدرك حاكم (٣/ ٥٤٩) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے سلسلہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے یہ احساسات ابتداء میں تھے، اور یزید کی وفات کے بعد ان کو مستحق خلافت مانتے تھے، لیکن خود ان کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا گیا اس سے نالاں رہے اور حرم میں قتل وخونریزی کو برداشت نہ کر سکے۔ مکہ چھوڑ کر طائف میں سکونت اختیار کر لی۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی بیعت نہ کی اور ٦٨ھ میں وفات پا گئے۔ دیکھئے: فتح الباری۔ (ش)

❻ طبقات ابن سعد (٥/ ٤٥٣) محقق کتاب نے کہا: اس کی سند مرسل ہے، اور رجال ثقہ ہیں، تهذيب تاريخ ابن عساكر، ابن بدران (٧/ ٣٩٩) سير اعلام النبلاء/ ذهبى (٣/ ٣٦٧)

❼ انساب الاشراف، بلاذرى (٤/ ١/ ٧١، ٧٧)، مدائنى

❽ طبقات ابن سعد (٥/ ٣٣٥) جمهرة نسب قريش، زبير بن بكار (٢٦٤) ضعیف سند کے ساتھ، کیوں کہ ⇦⇦⇦

ایک مردم شناس شخص تھے، انھیں ابن زبیر کی شخصیت و مزاج سے بہت حد تک واقفیت تھی، اور جانتے تھے کہ ابن زبیر امارت و اقتدار کے کتنے خواہاں ہیں، اس لیے انھیں ڈراتے رہتے اور کہتے: بے شک کنجوسی اور حرص تمھارا پیچھا اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتے، جب تک وہ تمھیں تنگ مقام تک نہ پہنچا دیں، پس جب ابن زبیر محصور ہوگئے، تو معاویہ کی یہی بات دہراتے اور کہتے: اے کاش آج معاویہ زندہ ہوتے، انھوں نے یہی بات مجھ سے بہت پہلے کہی تھی۔ ❶

کبھی کبھار معاویہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما میں زبردست نوک جھونک بھی ہو جاتی، حتیٰ کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ اس وقت یزید کی خلافت کو چیلنج کرنے کی دھمکیاں بھی دے دیتے، لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ ان کا جواب دیتے ہوئے کہتے: جان لو! کہ میں تمھاری جان کے بارے میں خائف ہوں، مجھے لگتا ہے کہ تم پھانسی کا پھندا اپنے گردن میں ڈال رہے ہو، اور اس کی گرہیں ابھی ڈھیلی رکھی ہیں، اے کاش کہ میں اس وقت باحیات رہوں اور پھندا تمھارے گلے سے کھول سکوں، افسوس کہ اس وقت تم کتنے بدقسمت والی (حکمراں) رہو گے۔ ❷

بہرحال ابن زبیر رضی اللہ عنہ جیسے بھی تھے، تاہم انھیں معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ اور بردباری کا بعد میں احساس ہوا، اور جان گئے کہ وہ کس طرح ان کی سختی کا نرمی سے اور قساوت کا محبت سے، نیز عداوت وتعنت کا الفت وعقیدت سے جواب دیتے تھے۔ اسی لیے معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ابن زبیر رضی اللہ عنہ اکثر کہا کرتے تھے: معاویہ میں خوبیاں کتنی عجیب تھیں، وہ عرب کے سب سے دور اندیش لوگوں میں سے ہونے کے باوجود ہمارے سامنے خود کو فریب خوردہ ظاہر کرتے تھے، بردباری ایسی تھی کہ چھوٹے بچے کو بھی نام سے نہیں پکارتے تھے، ہمیں کئی گنا نوازشات سے نوازتے تھے حالاں کہ وہ عرب کے سب سے طاقتور اور بے باک لوگوں میں سے تھے۔ ❸

۲۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی مکہ روانگی اور وہاں ٹھہرنا:

ابن زبیر رضی اللہ عنہ خلافت یزید کی بیعت کے لیے اس وقت تک منکر ہی رہے جب تک کہ معاویہ رضی اللہ عنہ باحیات تھے، لیکن حقیقت میں اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد وہ یزید کے لیے واجبی بیعت کے قائل ہو جائیں گے، بلکہ نرم معذرت کی یہ ایک شکل تھی جس میں کئی تاویلات کی گنجائش موجود

⇐⇐ اس میں زبیر بن خبیب راوی ہے، لیکن چوں کہ یہ راوی کذب سے متہم نہیں، اور نہ کہیں اس کا ثبوت ہے، اس لیے اس روایت کا بہرحال اس اعتبار سے وزن ہے کہ اس کا تعلق اس کے دادا ابن زبیر سے ہے۔

❶ انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٣٤٦، ٣٤٧) بسند حسن۔

❷ انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٧٥) عن المدائنی۔

❸ انساب الاشراف / بلاذری (٤/ ٨٣) عن المدائنی۔

تھی، اور معاویہ رضی اللہ عنہ اسے اچھی طرح جانتے تھے بنابریں وہ ابن زبیر کی طرف سے قطعاً مطمئن نہیں تھے۔

بلاشبہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید کی خلافت پر عدم بیعت کا پختہ ارادہ کر لیا تھا، اور اس احساس وفکر میں حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے شریک کار ہو کر ان کا ہاتھ بٹا رہے تھے، اس طرح دونوں ہی یزید کے مقابلے میں خود کو خلافت کا زیادہ اہل اور مستحق سمجھتے تھے، پھر جب معاویہ کی وفات کی خبر آئی تو ابن زبیر اور حسین بن علی دونوں ہی نے آپس میں مدینہ سے مکہ نکل جانے پر اتفاق کر لیا اور مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ کے سامنے عذر و معذرت کی شکلیں پیدا کرنے کی کوشش میں لگ گئے تاکہ وہ یزید کی بیعت کے لیے ان دونوں کو مجبور نہ کر سکیں، چناں چہ جس رات یزید کے لیے بیعت لی جا رہی تھی اس رات ابن زبیر نے ولید بن عتبہ کے سامنے بیعت نہ کرنے کی یہ عذر بتائی مجھے معلوم ہے کہ یزید کے دل میں میرے خلاف ضرور کچھ ہے، کیوں کہ میں نے ان کے والد محترم کی زندگی میں یزید کے لیے ولی عہدی کی بیعت سے انکار کر دیا تھا، پس اگر آج اس حالت میں میں ان پر بیعت کر لیتا ہوں تو وہ سمجھیں گے کہ مجھے زبردستی بیعت کے لیے مجبور کیا گیا ہے، لہٰذا جب صبح ہوگی اور لوگ اکٹھا ہوں گے تو ان شاء اللہ اعلانیہ طور پر میری بیعت ہوگی۔ [1]

اس اطمینان بخش و معقول معذرت کے سامنے ولید بن عتبہ نے اس رات انھیں بیعت دینے سے آزادی دے دی، لیکن وہ مروان بن حکم کہ جنھوں نے ایک طویل عرصے تک امارت کی کرسی سنبھالی تھی، اور جو ایک ماہر سیاسی اور طاقتور شخص تھے، وہ اپنی دور رس نگاہوں سے انجام کو بھانپ لیتے تھے، انھیں ابن زبیر کی شخصیت کے خدوخال کا بخوبی علم تھا، اور ان کی آرزوؤں سے وہ اچھی طرح واقف تھے، اس لیے آپ نے ولید بن عتبہ کے اس تصرف پر اعتراض کیا، اور کوشش کیا کہ اپنی رائے بدل دیں، یہ سن کر ابن زبیر نے موقع کی نزاکت کو اپنے حق میں کرنے کے لیے مروان سے بحث و مباحثہ شروع کر دیا، دونوں میں گالی گلوج تک کی نوبت آ گئی، پھر ولید بن عتبہ نے دونوں کے درمیان حائل ہو کر معاملہ کو رفع دفع کیا اور ابن زبیر کو چلے جانے کی اجازت دے دی۔ [2]

بہرحال مروان بن حکم کی جو بھی رائے رہی ہو لیکن ابن زبیر کے ساتھ اس نرم رویہ پر ولید بن عتبہ کو ملامت کرنا مناسب نہیں ہے، کیوں کہ ولید بزور طاقت یزید کے لیے بیعت نہیں لینا چاہتے تھے، اور انھیں یہ

---

[1] تاریخ خلیفہ (۲۳۲، ۲۳۳) عن جویریہ عن مشائخ المدینۃ۔ ترجمۃ ابن زبیر، ابن عساکر ص (۴۷۴) عن مصعب زبیری۔

[2] تاریخ خلیفہ (۲۳۳)، طبری (۵/ ۴۳۰) عن ابی مخنف، ابن عساکر ترجمہ ابن زبیر (۴۷۴) عن مصعب زبیری۔

بھی معلوم تھا کہ ابن زبیر ہوں یا حسین بن علی ان دونوں کا مدینہ میں کیا مقام و مرتبہ ہے، اگر سختی کا کوئی ہلکے سے ہلکا راستہ بھی اس سلسلے میں اختیار کیا جاتا ہے تو گویا جنگ و جدال کی جنگاریوں کو آگ لگانا ہے اور پھر ابن زبیر کی رائے میں کافی معقولیت و اطمینان بخشی کی بات تھی جس سے ان کا موقف صاف ظاہر ہو رہا تھا، لہٰذا قطعاً اس بات کی ضرورت نہ تھی کہ ولید بن عتبہ ابن زبیر کی بات کو کسی اور معنی پر محمول کرتے۔

اس طرح ابن زبیر اور علی بن حسین رضی اللہ عنہما بیعت والی رات ہی میں فُرع [1] کے راستے مکہ کے لیے نکل گئے اور جثجاثہ [2] میں جعفر بن زبیر کے یہاں پہنچ گئے، اور پھر یہاں سے دونوں نے ایک ساتھ مکہ کے لیے اپنا سفر جاری رکھا۔ [3]

دوسری طرف جب ولید بن عتبہ کو ان دونوں کے نکل جانے کی خبر ملی تو اپنی زبردست جھٹکا لگا، اور انتہائی ذہنی تکلیف کے شکار ہوئے، اور ایسا ہونا ضروری بھی تھا، کیوں کہ اس وقت انھیں مروان کی وہ نصیحت بار بار یاد آتی جس میں مروان نے ابن زبیر اور حسین کے ساتھ نرم رویہ اپنانے پر انھیں ڈرایا تھا، اور یہاں تک کہہ گئے تھے کہ اگر وہ دونوں گھر سے نکل گئے تو ہمیشہ تمھیں ان دونوں سے شر و فساد ہی کا سامنا کرنا ہوگا۔ [4]

چناں چہ ولید بن عتبہ نے اب ابن زبیر اور حسین کو مدینہ لوٹانے کے قواعد شروع کر دیئے، اور ان کے پیچھے ہی تیس شہسواروں کو بھیجا، لیکن یہ لوگ اپنی مہم میں ناکام رہے، اور ان دونوں کا کوئی نشان نہ پا سکے۔ [5]

مکہ جاتے ہوئے راستے میں ان دونوں کی ملاقات ابواء [6] میں ابن عمر اور عبداللہ بن عیاش [7] سے ہوگئی۔ یہ دونوں عمرہ سے واپس ہو رہے تھے، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان دونوں کو دیکھ کر کہا: میں تمھیں اللہ کو یاد دلاتے ہوئے کہتا ہوں کہ واپس چلو، اور جس معاملے میں سارے لوگ داخل ہو رہے ہیں تم بھی اس کے مفاد

---

[1] فرع مدینہ کے نواحی علاقہ میں مکہ کی راہ پر مدینہ سے آٹھ برید پر واقع ایک بستی ہے۔ (معجم البلدان/ یاقوت ٤/ ٢٥٢)

[2] یہ ایک گاؤں ہے جو حمراء الاسد سے پہلے وادی عقیق کے کنارے مدینہ سے سولہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ معجم ما استعجم/ البکری (٢/ ٣٦٧)

[3] ابن عساکر، سوانح ابن زبیر (٤٤٧) عن مصعب زبیری (١٠/ ق ٧٧٢) بسند واقدی العقد الثمین / الفاسی (٥/ ١٥٧) عن مصعب زبیری

[4] تاریخ خلیفه (٢٣٣) بسند جویریه عن اشیاخ من اهل المدینة، انساب الاشراف (٤/ ٣٠٠) عن عوانه

[5] انساب الاشراف (٤/ ٣٠٠) بسند ابو مخنف و عوانه

[6] مدینہ کی ماتحت بستیوں میں سے ایک بستی کا نام ہے، اس کے اور جحفہ کے درمیان مدینہ کی طرف ۲۳ میل کا فاصلہ ہے۔ یاقوت (١/ ٧٩)

[7] آپ عبداللہ بن عیاش بن ربیعہ ہیں، جلیل القدر صحابی رسول ہیں، حبشہ میں ولادت ہوئی۔ ۶۴ھ میں وفات ہوئی، الاصابة (٤/ ٢٠٤، ٢٠٥)

میں شریک ہو جاؤ، اور چل کر دیکھو کہ اگر لوگ اس معاملہ پر متفق ہو رہے ہیں تو ان سے ہٹ کر شذوذ و انفرادیت کا راستہ نہ اپناؤ، اور اگر ان میں اتفاق نظر آئے تو وہی ہوگا جو تم دونوں چاہتے ہو۔ [1]

واضح رہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی وحدت و شیرازہ بندی کے انتہائی حریص تھے، اختلاف اور گروہ بندی سے بہت ہی خائف رہتے تھے، اس لیے انھیں یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ حسین بن علی اور ابن زبیر کا برتاؤ کیا گل کھلائے گا، اور مستقبل میں اس موقف کا کیا انجام ہوگا، لیکن ابن زبیر اور حسین بن علی نے اپنے موقف کی درستگی و اصابت رائے پر ابن عمر سے جو باتیں کیں وہ ابن عمر وغیرہ کے مشورہ پر غالب رہیں۔ اس طرح ابن زبیر اور حسین بن علی مکہ پہنچ گئے، اور وہاں قیام کرنے کی وجہ سے ان دونوں کے مقام و مرتبہ کی مزید پذیرائی ہوئی، نیز اموی اقتدار کے دباؤ سے بھی دور رہے، کیوں کہ مدینہ کے بالمقابل مکہ میں اموی اقتدار کی گرفت کم تھی، جس کی خاص وجہ اطاعت کا فقدان نہیں بلکہ حکومتی نظم ونسق کا مزاج اور تنفیذ کا رکھ رکھاؤ تھا، پس مکہ خود مستقل ریاست نہ ہوکر مدینہ کی ریاست کے تابع تھا، اور پھر اس کے علاوہ ہاشمیوں اور اسدیوں میں ابن زبیر اور حسین بن علی کی جو رشتہ داریاں تھیں ان دونوں کی موقف کو قوت اور تحریک ملی۔

چناں چہ اس موقع پر یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ابن زبیر اور حسین بن علی جس وقت مکہ کے لیے روانہ ہوئے تھے حرم مکی اور خانہ کعبہ کے تقدس کو سامنے رکھا تھا اور خوب جانتے تھے کہ یہاں رہ کر تحریک چلانے میں مسلمانوں کی نگاہوں میں ہماری توقیر و احترام کی پذیرائی ہوگی اور اور ہمیں امن وسکون کی فضا بھی میسر آجائے گی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہاں رہ کر ہم اموی ہاتھوں کی گرفت سے بھی محفوظ رہیں گے، بصورت دیگر اگر انھوں نے ہمارے خلاف کوئی فوجی کارروائی کیا بھی تو عوامی سطح پر پوری حکومت بدنامی کا شکار ہوگی، اور پھر اسی راستے اموی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا ہمیں موقع بھی مل جائے گا۔ یہ ابن زبیر کی ذہانت و ہوشیاری ہی تھی کہ حرم مکی کی خصوصیت اور اس کی شرعی حیثیت کو نمایاں کرنے اور خانہ کعبہ میں پناہ لینے کی وجہ سے خود ''عائذ'' کا لقب دیتے تھے۔ [2] خانہ کعبہ کے پاس دن دن بھر نماز پڑھتے اور اس کا طواف کرتے۔ [3]

---

[1] ابن سعد ط (٥/ ٣٧٠) طبری (٥/ ٣٤٣) بسند واقدی، ابن عساکر، سوانح حسین (٢٠١) بسند ابن سعد، تهذيب الكمال (٦/ ٤١٦) بغية الطالب/ ابن العديم (٦/ ق١١٩)

[2] انساب الاشراف (٤/ ٣٠١) بروایت ابومحنف و عوانه، البداية والنهاية

[3] انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٣٠١) بروایت ابومخنف و عوانه۔ طبری (٥/ ٤٤٣)، ابن عساکر، سوانح ابن زبیر (٢٢٣-٤٤٤)

۲......ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی مخالفت کو فرو کرنے کے لیے یزید بن معاویہ کی مثبت کوششیں

والی مکہ عمرو بن سعید اشدق [1] کے پاس حسین بن علی اور ابن زبیر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہ تھی، جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ ان دونوں کو گرفتار کرنے کے لیے قرار داد پاس کرنے اور انھیں یزید کی بیعت کے لیے مجبور کرنے کی ان میں صلاحیت نہ تھی، یزید بن معاویہ کی نرم سیاست کے تناظر میں یہاں یہی بات زیادہ معقول اور یقینی معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ یزید کی سیاست میں کسی بھی معاملہ کے ابتدائی مرحلے میں سختی برتنے کا رجحان نہیں تھا، لیکن جب یزید نے سنا کہ ابن زبیر اور حسین بن علی بیعت کرنے سے پہلے مدینہ چھوڑ کر چلے گئے ہیں تو انھیں ولید بن عتبہ کی کمزوری، اور دونوں کے تئیں ان کے نرم موقف کا احساس ہوا، اور مروان بن حکم کا وہ خط پہنچتے ہی ولید کو مدینہ کی گورنری سے معزول کر دیا جس میں مروان نے صورتحال کی خطرناکی اور ولید کے نرم رویہ کی طرف اشارہ کیا تھا اور ان کی جگہ پر مکہ کے گورنر عمرو بن سعید بن عاص کو متعین کر دیا، جو کہ ''اشدق'' کے لقب سے معروف تھے، اور پھر مکہ کی گورنری کو بھی انھیں کے تابع کر دیا۔ [2]

---

[1] عمرو بن سعید اشدق، سادات المسلمین میں سے تھے، مشہور ترین شرفاء و بزرگوں میں شمار ہوتے تھے، عبدالملک بن مروان نے ۷۰ھ میں انھیں قتل کیا تھا، علی بن زید بن جدعان کہتے ہیں: مجھے اس شخص نے خبر دیا جس نے ابوہریرہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''لیرعفن علی منبری جبار من جبابرة بنی امیہ، یسیل رعافه'' میرے منبر پر بنوامیہ کے ظالموں میں سے ایک ظالم کی ناک سے خون بہہ نکلے گا، راوی کا بیان ہے کہ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جس نے عمرو بن سعید بن عاص کو دیکھا کہ منبر رسول پر ان کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ مسند احمد (۲/ ۳۸۵، ۵۲۲) الفتح الربانی/ الساعاتی (۲۳/ ۱۸۲، ۱۸۳) یہ حدیث اس سند کے ساتھ ضعیف ہے کیوں کہ سند میں ایک مبہم راوی ہے جس کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ مزید برآں وہ دوسرا شخص جس کے بارے میں علی بن زید بن جدعان کا کہنا ہے کہ اس نے عمرو سعید بن عاص کی ناک سے منبر رسول پر نکسیر پھوٹتے ہوئے دیکھا۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۵/ ۲۴۰) میں لکھا ہے کہ اسے احمد نے روایت کیا ہے اور اس میں ایک راوی ہے جس کا نام نہیں لیا گیا ہے۔
اس کے علاوہ خود علی بن جدعان ایک شیعہ راوی ہے۔ امام ذہبی نے اس کی کئی روایتیں نقل کی ہیں اور ان سب پر شذوذ و نکارت کا حکم لگایا ہے۔ میزان الاعتدال (۳/ ۱۲۸، ۱۲۹) اس کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں: "لا یحتج به" اس کی روایت قابل حجت نہیں۔ میزان الاعتدال (۳/ ۱۲۸) حافظ ابن حجر نے التقریب (۵۴۱) پر اس کی تضعیف کی ہے جب کہ بغیة الباحث من زوائد مسند الحارث (۳/ ۷۷۳) پر ہیثمی نے یہ روایت نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے المطالب العالیه (۴/ ۳۳۳) پر یہ حدیث لکھی ہے اور آگے فرماتے ہیں: "رواہ الحارث و احمد بن منیع و ابویعلی و رجاله ثقات الا انه ینقطع۔" شیخ اعظمی محقق کتاب لکھتے ہیں: بلکہ اس میں داؤد بن محبر راوی ہے جس کی توثیق نہیں کی گئی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس خبر کے بارے میں فرماتے ہیں: علی بن زید بن جدعان کی روایت میں غرابت، نکارت اور تشیع پایا جاتا ہے۔ اس عمرو بن سعید کو اشدق کہا جاتا ہے جو سادات المسلمین اور دنیا کے شرفاء میں سے تھے دین کے نہیں۔ البدایة والنهایة (۶/ ۱۴۰)

[2] انساب الاشراف/ بلاذری (۴/ ۳۰۷) بروایت ابومخنف و عوانه۔ طبری (۵/ ۴۴۳) ابن عساکر، سوانح ابن زبیر (۴۴۳، ۴۴۴)

یہ یزید بن معاویہ کی فراست ہی تھی کہ اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود انھوں نے ابن زبیر اور حسین بن علی کو بھڑکانے کی کوشش نہیں کیا بلکہ دور ہی سے ان کے موقف کی نگرانی کرتے رہے، بلکہ بسا اوقات ان کی یہی کوشش رہتی کہ مخالفین کے تئیں اپنے والد محترم کی سیاست کے نقش قدم پر چلیں، جس میں آپ دشمن کے لیے عفو و احسان اور بردباری کا مظاہرہ کرتے تاکہ آپ کے اور دشمن کے درمیان عداوت کے فاصلے میں کمی آجائے۔

مزید برآں یزید کی طرف سے عدم تشدد کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انھیں عوام الناس کی نگاہوں میں ابن زبیر اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے مقام و مرتبے کا اچھی طرح علم تھا اور اس بات سے واقف تھے کہ خاص طور سے اہل حجاز کے یہاں ان دونوں کی بڑی توقیر و پذیرائی ہے، دریں صورت حال اگر وہ کسی بھی طرح کی فوجی کارروائی کرتے ہیں تو حکومت کے تئیں اہل حجاز کے موقف میں تبدیلی یقینی ہے اور پھر ایک طویل ترین جنگ ہلاکت کے ایسے پنجے گاڑ دے گی جس کی زد میں کون لوگ آئیں گے یہ یزید کو بھی پتہ نہیں۔

میرے خیال میں یزید نے ابن زبیر کی نقل و حرکت کا اتنا اہتمام نہیں کیا جتنا حسین بن علی کا، ان کی تمام تر توجہ کا مرکز حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی کارروائیاں اور کوفہ میں آئے دن رونما ہونے والی تبدیلیاں تھیں، ان کی نگاہ اس پر تھی کہ اس سے پہلے کہ حسین رضی اللہ عنہ کوفہ میں اپنا قبضہ جمائیں وہاں ہمیں اپنی گرفت تیزی سے مضبوط ہونی چاہیے۔ تاریخی روایات میں ہمیں یہ تفصیلات نہیں ملتیں کہ ابن زبیر جب تک مکہ میں حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اس وقت تک ان کی تحریک اور سرگرمیوں کی کیا نوعیت تھی اور کہاں تک وہ اس میں کامیاب تھے، چناں چہ مکہ میں رہتے ہوئے جس وقت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کوفہ کے اپنے معاونین و ہمدردان سے گہرے رابطے میں تھے اس وقت ابن زبیر کی یزید بن معاویہ کی مخالفت میں وہاں کوئی کوشش پائی جاتی تھی یا نہیں، اس سلسلے میں تاریخی مصادر کے حوالے سے ہمیں کوئی بات نہیں ملتی۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی تائید و رفاقت کو اپنے مقصد کی حصولیابی میں ایک اہم کامیابی سمجھتے تھے، کیوں کہ ان کا جو خاندانی مقام و مرتبہ تھا، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جس رشتہ و قرابت کا واسطہ تھا اسے سامنے رکھتے ہوئے ابن زبیر اپنے موقف کی اہمیت کے تئیں قوت و مضبوطی کا احساس رکھتے تھے، اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ اگر یزید بن معاویہ کے خلاف تائید و حمایت پانے میں حسین بن علی کامیاب ہوجاتے تو ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا اس میں بڑا اثر و نفوذ رہتا، لیکن کوفہ میں جو احوال و حوادث رونما ہوئے اور مسلم بن عقیل نے حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دے دی، اور پھر حسین رضی اللہ عنہ نے وہاں جانے کے لیے عزم مصمم کرلیا، ان تمام باتوں نے ابن زبیر کو ان صحابہ اور اکابرین تابعین کا ساتھ دینے پر مجبور کردیا جنھوں نے حسین

کو کوفہ جانے کے عزم سے بار بار روکا تھا۔ درحقیقت ابن زبیر رضی اللہ عنہ بھی اس پُر خطر انجام کو محسوس کر رہے تھے جو کوفہ جانے کی صورت میں حسین رضی اللہ عنہ کو لاحق ہونا تھا، یہ اندازہ خاص طور سے آپ کو اس لیے تھا کہ انھوں نے اپنی خالہ عائشہ اور والد محترم زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جنگ جمل کی تباہیوں کو دیکھا تھا۔ اور وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ کس طرح انھیں اہل کوفہ نے علی رضی اللہ عنہ کو رسوا کرنے کے بعد آپ کو مظلومیت بھری شہادت کے دروازے تک پہنچا دیا، اور پھر حسن رضی اللہ عنہ پر دست درازی کرتے ہوئے انھیں بھی نیزوں سے زخمی کیا، ایسی صورت میں آپ کو یقین تھا کہ حسین بن علی کا انجام ان کے باپ اور بھائی سے بہرحال اچھا نہیں ہوگا، اسی لیے آپ نے انھیں یہ کہتے ہوئے کوفہ نہ جانے کا مخلصانہ مشورہ دیا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ کیا اس قوم کے پاس جا رہے ہیں جنھوں نے آپ کے والد محترم کو قتل کیا، اور بھائی کو نیزہ مارا۔ ❶

ابن زبیر رضی اللہ عنہ محسوس کرتے تھے کہ اگر حسین رضی اللہ عنہ عراق میں شہید کر دیئے گئے تو اس کا الٹا اثر میرے اوپر پڑے گا، اور میں میدان میں تنہا رہ جاؤں گا، پھر مجھے راستے سے ہٹانا یزید کے لیے بہت آسان ہو جائے گا۔ ابن زبیر رہ رہ کر یہ گمان کرتے تھے کہ حسین رضی اللہ عنہ کو مکہ میں اپنی چار مہینے کی اقامت کے دوران کوئی فائدہ نظر نہیں آ رہا ہے، اس لیے انھیں جرات و بے باکی پر مبنی اپنی رائے دینے میں پیش رفت کیا اور کہا: اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہاں قیام کریں اور حاکم بنا دیئے جائیں تو میں آپ کے ساتھ ہوں، ہم سب آپ کی تائید و مدد کریں گے، آپ کے لیے خیر و خواہ رہیں گے اور آپ پر بیعت کر لیں گے۔ ❷

درحقیقت ابن زبیر رضی اللہ عنہ یہ عندیہ دے کر حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی حیثیت کا احساس دلانا چاہتے تھے اور یہ بتانا چاہتے تھے کہ میرے وجود سے آپ کو اہل مکہ کی بھرپور تائید ملے گی، اور خاص کر میں تو آپ کے قدم بہ قدم رہوں گا، اسی طرح یہ بھی بتانا چاہتے تھے کہ ہمیں منصب خلافت کی تمنا نہیں ہے میں اپنی ذات پر آپ کو ترجیح دیتا ہوں، آپ نے اپنا یہ موقف اس لیے واضح کر دیا کہ آپ کو دبے لفظوں میں بعض افراد کی طرف سے اس تہمت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ کو مکہ سے نکالنے میں ابن زبیر کی چالیں کام کر رہی ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ مکہ میں تنہا اقتدار کے مالک رہیں، بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ علی الاعلان اور پوری صراحت سے یہ بات کہا کرتے تھے۔ ❸

شاید ابن زبیر رضی اللہ عنہ اپنی تحریک کے پس پردہ اس بات کے خواہاں تھے کہ جنرل قیادت حسین رضی اللہ عنہ ہی

---

❶ شہادت حسین رضی اللہ عنہما کی بحث میں اس کی تخریج ہو چکی ہے۔

❷ انساب الاشراف (٤/ ١٣) بروایت ابو مخنف و عوانه۔ طبری (٥/ ٣٨٣) بروایت ابو مخنف۔

❸ طبری (٥/ ٣٨٤) بروایت ابو مخنف۔

کے ہاتھوں میں رہے کیوں کہ وہ عظیم المرتبت شخصیت کے حامل ہیں، اور مسلمانوں کی نگاہ میں انتہائی محترم و معزز ہیں، صرف یزید بن معاویہ سے مقابلہ کرنے کی منصوبہ سازی میرے ہاتھوں میں رہے، ابن زبیر کے ذہن میں یہ بات اس لیے تھی کہ شمالی افریقہ میں اسلامی جہاد کی کارروائیوں میں ان کی کامیاب ترین کارگزاریاں تھیں، جو انھیں جنگی معاملے میں پوری مہارت کا ثبوت فراہم کرتی تھیں۔ ❶

اسی طرح ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی منشا یہ بھی تھی کہ یزید کے خلاف اٹھنے والی فوجی تحریک کا آغاز بلاد حجاز سے ہو، کیوں کہ یہاں کے باشندے صدق گو ہیں، یہاں علماء، صالحین اور صحابہ و اکابرین تابعین کے نیکوکاروں کی بڑی تعداد رہتی ہے، مزید برآں حرمین شریفین کا جو مقام و مرتبہ ہے وہ اپنی جگہ پر ہے ہی، پس اگر بلاد حجاز پر ہمارا قبضہ ہو جائے گا تو دیگر اسلامی ریاستوں پر بآسانی قابض ہونے میں اس کا زبردست اثر پڑے گا، کیوں کہ لوگ حج، عمرہ اور زیارت کے لیے حرمین شریفین ہی کا قصد کرتے ہیں، اس طرح جو لوگ یہاں آئیں گے اپنے ساتھ یہاں کے مخالفین کے رجحانات اور بیانات کو دیکھیں اور سنیں گے اور جب اپنی اپنی ریاستوں میں جا کر اسے بیان کریں گے تو اس سے ہمیں وہاں کی تائید و محبت اور وفاداری ہاتھ آئے گی۔ اسی لیے جب حسین رضی اللہ عنہ منع کرنے کے باوجود نہیں مانے اور کوفہ چلے گئے پھر ۶۱ھ میں یوم عاشوراء کو کربلاء میں شہید کر دیئے گئے تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو اس سے بہت بڑا صدمہ ہوا، یعنی انھیں جو خدشہ تھا کہ مخالف کی حیثیت سے امویوں کی نگاہ میں میں تنہا پڑ جاؤں گا، وہی ہوا، اور وہ شخص جو مخالفت کے اس راستے میں مقام و مرتبے کا حامل تھا اب وہ قتل کر دیا گیا تاہم شہادت حسین کے باوجود امویوں کے خلاف کسی عوامی تحریک نے بغاوت کا سر نہیں اٹھایا، شاید یزید کی مخالفت میں ابن زبیر کا تنہا پڑ جانا ہی ابن خلدون کے اس قول کا باعث بنا کہ اس مدت میں -جس میں جمہور یزید پر متحد تھے- ابن زبیر کے علاوہ یزید کا کوئی مخالف نہیں بچا، اور اگر مخالف یکا دکا ہوں تو ان کا اعتبار نہیں ہوتا۔ ❷

ایسی صورت میں ابن زبیر کو اپنے موقف کی خطرناکی کا احساس ہوگیا، لیکن انھوں نے کوشش کیا کہ شہادت حسین کی وجہ سے امویوں کے خلاف عوام الناس کے دلوں میں غصہ و نفرت کی جو آگ لگی ہوئی ہے اس سے فائدہ اٹھائیں چناں چہ مکہ میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، اور قاتلین حسین کی مذمت کیا، پھر حسین رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم! سن لیجئے، کہ انھوں نے آپ کو قتل کر دیا درانحالیکہ وہ لمبی رات تک قیام کرنے والے، اور دن میں بہت روزہ رکھنے والے تھے، وہ قاتلین جس اقتدار کی

---

❶ قادة المغرب العربی/ محمود شیث خطاب

❷ مقدمة ابن خلدون (١/ ٢٦٥)

حالت میں ہیں آپ اس کے ان سے زیادہ مستحق اور اہل تھے، دین وفضل میں ان سے زیادہ لائق و فائق تھے۔
اللہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ وہ تلاوت قرآن کو گانے سے، اور خشیت الٰہی کو آہ و گریہ کو نوحہ و ماتم سے، روزے کو حرام مشروب سے، اور ذکر وفکر کے حالتوں کو گپ شب کی مجالس سے بدلنے والے نہیں تھے، اور نہ ہی شکار کے لیے گھوڑے دوڑانے والے تھے- صاف ظاہر ہے کہ مذمت کے ان کلمات سے وہ یزید کی طرف اشارہ کررہے تھے- پس عنقریب وہ بدبختی کا سامنا کریں گے۔ [1]

بالفاظ دیگر ابن زبیر کی طرف سے یزید پر یہ پہلا ہجوم تھا، جس میں انھوں نے اہل حجاز کے غصہ اور جذباتی انتقام کا فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں کو شورائیت پر مبنی حکومت کے قیام کی دعوت دی، اور یزید کو سب وشتم [2] کرتے ہوئے اس کی شراب نوشی کا ذکر کیا، انھیں اس سے متنفر کیا، پھر رفتہ رفتہ لوگ ابن زبیر کے گرد جمع ہونے لگے، بعض لوگ تو جذبات میں اٹھ کر بنوامیہ کی برائیاں اور خامیاں شمار کرنے لگے۔ [3] اور بعض نے ابن زبیر کے ہاتھوں پر بیعت کے لے تیاری تک کا اظہار کرنا شروع کردیا۔ [4]

اس کے باوجود اب تک یزید نے ابن زبیر کے خلاف کوئی ایسا اقدام نہیں کیا کہ معاملہ میں مزید الجھاؤ اور پیچیدگی پیدا ہو، بلکہ ان کے نام خط ارسال کیا، جس میں اسلام میں ان کی قربانیوں اور فضائل و نیک نامی کا حوالہ دیا اور یہ سمجھانے کی کوشش کیا کہ فتنہ سے دور رہیں، اس میں حصہ نہ لیں، خط کا مضمون یہ تھا:

''آپ کو اپنے بارے میں اللہ سے ڈرنے کا حوالہ دیتا ہوں، آپ قریش کے باشعور اور عمر رسیدہ لوگوں میں سے ہیں، اسلام میں آپ کے عمدہ کارنامے ہیں، اجتہاد وعبادت کا آپ کو وافر حصہ ملا ہے، لہٰذا ماضی کی نیکیوں کی حفاظت کیجئے اور انھیں ضائع نہ کیجئے، جس بات کے سارے لوگ معترف ہو چکے ہیں آپ بھی اس کا اعتراف کرلیں، انھیں فتنہ میں نہ دھکیلیں، اور جس چیز (فتنہ) کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے اسے حلال نہ کریں، لیکن ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید پر بیعت کرنے سے انکار کردیا۔'' [5]

چناں چہ آنے والے دنوں میں ابن زبیر کی یہ تعنت وضد اور اپنے خطبوں میں یزید و بنوامیہ کی مسلسل تنقیص یزید بن معاویہ کے دل میں سخت غصہ وناراضگی کا باعث بن گئی، اور یزید نے قسم کھا لیا کہ وہ ابن زبیر

[1] معرکہ حرہ کی بحث میں اس کی تخریج ہو چکی ہے۔
[2] البلاذری (٤/ ٣٠٤) باسناد جمعی (قالوا) طبری (٥/ ٤٧٥) عن ابی مخنف۔
[3] اخبار مکه، ازرقی (١/ ٢١) ابن جریج تک اس سند کے تمام رجال ثقہ ہیں۔
[4] البلاذری (٤/ ٣٠٤) باسناد جمعی قالوا
[5] انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٣٠٣، ٣٠٤) عن المدائنی

کی بیعت اس وقت تک ہرگز قبول نہ کریں گے جب تک کہ انھیں ہتھکڑیوں میں جکڑ کر نہ لایا جائے۔ [1]

اس موقع پر معاویہ رحمہ اللہ جو کہ یزید کے فرزند ہیں، انھوں نے اپنے والد کو اس قسم سے باز رکھنے کی کوشش کیا کیوں کہ انھیں ابن زبیر کے بارے میں معلوم تھا کہ وہ پابند سلاسل ہوکر ہرگز ہرگز یزید کے پاس جانا گوارا نہیں کریں گے۔ معاویہ رحمہ اللہ صلح پسند طبیعت کے آدمی تھے، مسلمانوں کو خونریزی سے بچانے کے حریص تھے، ان کے اس موقف کی عبداللہ بن جعفر نے بھی تائید کیا، لیکن یزید اپنے فیصلے پر مصر رہے۔ [2]

بہر چند کہ معاملہ ایک نازک موڑ پر پہنچ رہا تھا، تاہم یزید نے ابن زبیر کے تئیں اپنے سخت موقف میں نرمی لانے کی ایک اور کوشش کیا، یعنی شام کے دس اکابرین شرفاء پر مشتمل ایک وفد ان کے پاس بھیجا، اور انھیں چاندی کی ہتھکڑی اور ریشم کی ٹوپی دیا۔ [3] جب کہ دوسری روایت میں ہے کہ یزید نے ابن زبیر کو گرفتار کرنے کے لیے چاندی کی ایک لڑی اور سونے کی زنجیر اور چاندی کی ہتھکڑی بھیجی۔ [4]

بتا تا چلوں کہ بیشتر تاریخی مصادر نے ان دسوں شرفائے شام کا نام ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ اس واقعہ کے ضمن میں اگر کہیں اِکا دُکا نام آئے ہیں تو انھیں کے ذکر پر اکتفا کیا ہے، البتہ ''الاغانی'' اور ''الفتوح'' کے مصنفین نے ان دس لوگوں کے نام ذکر کئے ہیں، جن میں عبداللہ بن عضاۃ اشعری، روح بن زنباع الجذامی، سعد بن حمزہ الہمدانی، مالک بن ہبیرہ السلولی، ابوکبشہ السکسکی، زمل بن عمرو العذری، عبداللہ بن مسعود، یا بن مسعدہ الفزاری، اور ان کے بھائی عبدالرحمٰن اور شریک بن عبداللہ الکنانی، عبداللہ بن عامر الہمدانی کے نام شامل ہیں، اور ان سب کے امیر نعمان بن بشیر تھے۔ [5]

---

[1] انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٣٠٤) باسناد جمعی (قالوا) اخبار مکه، فاکهانی (٢/ ٣٥١) محقق کتاب کے نزدیک اس کی سند حسن ہے۔ طبرانی (١٣/ ٩٢)، ہیثمی کہتے ہیں: اسے طبرانی نے روایت کیا ہے، اس میں عبدالملک بن عبدالرحمٰن الذماری، راوی ہیں جن کی ابن حبان وغیرہ نے توثیق کی ہے، جب کہ ابوزرعہ نے ان کی تضعیف کی ہے۔ (٧/ ٢٥٥) حلیة الاولیاء (١/ ٣٣١) بسند طبرانی، ابن عساکر، سوانح ابن زبیر (٤٧٣) بسند طبرانی، خلیفہ نے اپنی تاریخ ص (٢٥٢) پر اسے جس سند سے نقل کیا ہے اس میں دو ایسے آدمی ہیں جن کی سوانح سے مجھے واقفیت نہیں ہوسکی، اس میں ہے کہ یزید نے ابن زبیر کو حجاز کی گورنری کی پیشکش اس شرط پر کی تھی کہ وہ بیعت کرلیں اور اس پیشکش پر انھیں نعمان بن بشیر اور ہمام بن قبیصہ نے ابھارا تھا، لیکن مجھے اس پر شک ہے کیوں کہ اس کی سند میں ضعف اپنی جگہ ہے مزید یہ کہ خلیفہ کے علاوہ کسی مورخ نے اسے نقل نہیں کیا ہے، اس کے علاوہ اگر اسے تسلیم کرلیں تو گویا یزید کی طرف سے ایک طرح کا یہ تنازل اور دست برداری ہے جو کہ اس کے مفاد میں کبھی نہ تھا، کیوں کہ یہ اس کی کمزوری پر دلالت کرتا ہے۔

[2] ابن سعد ط (٥/ ٤٥٥) بسند واقدی، ابن عساکر (٤٤٨، ٤٤٩) بسند ابن سعد

[3] تاریخ خلیفه (٢٥١) ابن عساکر ترجمه ابن زبیر (٤٥٢) بسند عبدالله بن مصعب زبیر، باسناد حسن

[4] الآحاد و المثانی/ ابن ابی عاصم (١/ ٤١٦) بسند صحیح۔ حلیة الاولیاء (١/ ٣٣١) بسند ابن ابی عاصم، مستدرك حاکم (٣/ ٥٥٠)

[5] الاغانی/ ابوالفرج اصبهانی (١/ ٢١) عن المدائنی، الفتوح، ابن اعثم (٥/ ٢٧٩) معمولی فرق کے ساتھ

لیکن واقدی کی روایت میں ان دسوں کے ساتھ مزید دو ناموں کا ذکر ملتا ہے، ان میں سے ایک حسین بن نمیر السکونی، اور دوسرے مسلم بن عقبہ ہیں۔ ❶ واضح رہے کہ تاریخی روایات میں ایک تیسرے نام کا بھی ذکر ملتاہ ے، جو مذکورہ تینوں فہرستوں میں کہیں بھی ذکر نہیں ہے، وہ نام ابوالاشعث صنعانی کا ہے، جنھوں نے خود اس بات کی وضاحت کی ہے کہ وہ اس وفد میں شامل تھے جو ابن زبیر کے پاس بھیجا گیا تھا۔ ❷ بہرحال ان ممبران وفد کے ناموں میں اختلاف سے ایسا لگتا ہے کہ ان میں اختلاط و التباس ابن زبیر کے پاس مختلف وفود کی روانگی کی وجہ سے ہوا، کیوں کہ واقدی نے لکھا ہے کہ یزید نے اس وفد سے پہلے بھی نعمان بن بشیر انصاری اور ہمام بن قبیصہ نمیری پر مشتمل دو رکنی وفد ابن زبیر کے پاس بھیجا تھا۔ ❸ جب کہ زبیر بن بکار نے ایک دوسرے وفد کا بھی ذکر کیا ہے، جسے ''وفد سلیمان'' کا نام دیا جاتا ہے۔ ❹

ہر چند کہ یہ وفود ابن زبیر کے پاس گئے ہوں، لیکن ہمیں تو اس وفد سے بحث ہے جو شرفاء و اکابرین شام پر مشتمل تھا، اور جن کے ساتھ یزید نے چاندی کی لڑی اور ریشم کی ٹوپی بھیجی تھی تاکہ وہ ابن زبیر کے تعلق سے اپنی قسم پوری کریں اور ان چیزوں میں یزید کے سامنے پیش ہوں۔ البتہ اس وفد کی قیادت نعمان بن بشیر کے ہاتھوں میں ہونے کے بارے میں شک ہے کیوں کہ اس سے پہلے وہ ابن زبیر کے پاس وفد کی شکل میں جا چکے تھے۔ ❺ مزید یہ کہ واقدی کی روایت میں اس وفد میں ان کی شمولیت کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ ❻ مختصر یہ کہ جب اس وفد کے ممبران مکہ پہنچے تو ابن عضاۃ اشعری ابن زبیر سے یوں ہمکلام ہوئے: ''اے ابوبکر! مظلوم خلیفہ راشد امیر المومنین عثمان بن عفان کے معاملے میں جب وہ اپنے گھر میں بند کر دیئے گئے آپ کی مدد اور قربانیاں کسی کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہیں، امیر المومنین یزید کے ہاتھوں پر بیعت کے بارے میں نعمان بن بشیر کی پیشکش کو آپ نے ٹھکرا کر انھیں ناراض کیا ہے، جس پر انھوں نے قسم کھائی کہ آپ ہلکی ہتھکڑی ہاتھوں میں ڈال کر سامنے حاضر کئے جائیں تاکہ ان کا قسم پورا ہو جائے، لہٰذا آپ اس پر بُرنس ڈال لیں، تاکہ ہتھکڑی نظر نہ آئے۔ امیر المومنین کے نزدیک آپ کو وہ مقام حاصل ہے جس کی بات کسی بھی منصب یا جاہ طلبی میں ٹھکرائی نہیں جائے گی۔ ❼ یہ سن کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس وفد سے چند دنوں کی مہلت مانگی تاکہ غور و فکر کر لیں

---

❶ انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٣٠٨)

❷ مسند احمد (٤/ ١٢٦) بسند حسن۔ الفتح الربانی/ الساعاتی (٢٣/ ١٨٠)

❸ انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٣٠٧) بسند واقدی

❹ الاصابة/ ابن حجر (٤/ ٩٤) بسند صحیح۔

❺ انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٣٠٧) بسند واقدی

❻ ایضًا (٤/ ٣٠٨) بسند واقدی ❼ ایضًا (٤/ ٣٠٨) بسند واقدی

اور اپنے بہی خواہاں سے مشورہ لے لیں، چناں چہ آپ نے اپنی والدہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا سے اس سلسلہ میں رائے لی، تو انھوں نے کہا: ''اے بیٹے! عزت کی زندگی گذارو، اور عزت ہی کی موت مرو، خود کو بنوامیہ کی گرفت میں نہ دو کہ وہ تمھارے ساتھ جس طرح چاہیں کھلواڑ کریں، اس سے بہتر تو موت ہے۔'' [1]

جب کہ دوسری طرف مروان بن حکم کو جب یہ معلوم ہوا کہ ابن زبیر کے پاس یزید کا وفد آیا ہوا ہے تو اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ان کے پاس بھیجا، اور عبدالعزیز سے کہہ دیا کہ جب ابن زبیر کے پاس یزید کے ممبران وفد پہنچیں تو ان کے سامنے جاؤ اور ان ابیات کو سناؤ:

فخذها فليست للعزيز بنصرة
و فيها مقال لامرئ متذلل

''پس اس خط کو لے لو عزیز کا کوئی حامی و مددگار نہیں ہے۔ اس خط میں ایک انکساری کرنے والے شخص کا کلام ہے۔''

أعامر ان القوم ساموك خطة
و ذلك في الجيران غزل بمغزل

''اے عامر بے شک قوم نے تجھے ذلیل و رسوا کیا وہ اس طرح سے کہ وہ اپنے ہمسایوں کے مابین چرخے سے کاتے ہوئے سوت کی مانند ہے۔''

اراك اذا قد كنت ناصحا
يقال له بالدلو ادبر و اقبل [2]

''میں تجھے ایک سینچائی کرنے والا شخص خیال کرتا ہوں جسے ڈول کو اوپر نیچے کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔''

عبدالعزیز بن مروان کا بیان ہے کہ جب وفد کے لوگ ابن زبیر کے پاس آئے تو میں نے یہ اشعار انھیں سنایا اور وہ سنتے رہے، لیکن ابن زبیر نے اس پر یہ جواب دیا:

انی لمن نبعة صم مكا سرها
اذا تفاوحت القصباء و العشر

''بے شک میں پہاڑ پر اُگنے والے سخت درخت کی مانند ہوں جس کا توڑنے والا بہرہ ہوگیا جب بانس کی جھاڑی اور بے وقوف باہم الجھ جائیں۔''

---

[1] اخبار مكه ، ازرقی (۱/ ۲۰۱) اس سند میں ابن جریج تک تمام رجال ثقہ ہیں۔

[2] یہ اشعار عباس بن مرداس کے قصیدے سے ماخوذ ہیں دیکھئے: الاغانی/ اصبهانی (۱۴/ ۲۹۴)

فـلا الیــن یـغــر الــحـق اســألــه
حتـی یـلیـن لـضرس الماضغ الحجز [1]

''اور میں ناحق کے لیے نرم نہیں پڑتا ہوں کہ میں اس کے بارے میں دریافت کروں یہاں تک کہ چبانے والے داڑھ کے لیے پتھر بھی نرم پڑ جائے۔''

ایسا لگتا ہے کہ مروان کے اس عمل کا محرک ابن زبیر کے تئیں ان کی ہمدردی اور قلبی شفافیت کا اظہار تھا، کیوں کہ دونوں میں پہلے سے کچھ رنجش چلی آ رہی تھی، اس کے علاوہ ایک دوسرا سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مروان کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ مبادا ابن زبیر اس وفد کے مطالبات کو تسلیم نہ کرلیں، کہ اس طرح عمرو بن سعید بن عاص کی ولایت کامیابی سے ہمکنار ہوجائے۔ جب کہ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ مروان اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں بخوبی محسوس کر رہے تھے کہ یزید ان کے تئیں اغماض اور تجاہل سے کام لے رہے ہیں، ورنہ ان جیسے دور اندیش اور بالغ نظر سیاست دانوں سے یہ ساری تفصیلات مخفی نہیں ہیں۔

بتاتے چلیں کہ واقدی ہی کی سند سے یہ بھی وارد ہے کہ مروان نے اپنے لڑکے عبدالعزیز کے زبانی ابن زبیر کو یہ بھی کہلوایا: کہ ان سے کہہ دو میرے والد نے مجھے آپ کے پاس آپ کی اہمیت اور احترام و وقار کی تحفظ کے پیش نظر بھیجا ہے، اس لیے آپ امیر المومنین کی قسم کو پوری کردیں، وہ تمھارے پاس چاندی یا سونے کی ہتھکڑی بھیجیں گے، اور اوپر سے تمھیں سر پر برنس ڈالنا ہوگا جس میں اندر سے آواز آئے گی کہ تمھاری ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگی ہیں، چناں چہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے مروان کے اس تجویز کو سن کر ان کا شکریہ ادا کیا۔ [2]

بہرحال وفد کے ساتھ ابن زبیر کے رویہ یعنی اسے تسلیم نہ کرنے سے ایسا لگتا ہے کہ مروان نے عبدالعزیز کو اس بات کی بھی تلقین کی تھی کہ شعر سنانے کے بعد انھیں نصیحت بھی کرنا، چناں چہ ابن زبیر نے وفد کے ایک ممبر رکن ابن عضاۃ سے کہا: سن لو! میں حرم مکہ کے کبوتروں میں سے ایک کبوتر کی حرمت کا درجہ رکھتا ہوں، کیا تم حرم کی کسی کبوتر کو قتل کرو گے؟ اس نے کہا: ہاں میں ایسا کروں گا، حرم مکہ کی کبوتر کی کیا حرمت ہے، اے غلام! میری کمان اور تیروں کو لاؤ، وہ گیا اور کمان و تیروں کو لے آیا، ابن عضاۃ نے ایک تیر نکالی، اور کمان میں رکھا پھر مسجد حرام کی ایک کبوتری کا نشانہ لیا اور کہا: اے کبوتر! یہ بتا کہ کیا یزید شراب نوش ہے؟ تو ہاں کہہ دے، لیکن جان لے کہ اگر ہاں کہتی ہے تو تجھ پر یہ تیر چھوڑ دوں گا، اے کبوتر! کیا تو یزید بن معاویہ کی بیعت سے ہاتھ کھینچ کر امت محمدیہ میں اختلاف و افتراق پیدا کرے گی؟ اور یہ سب کچھ کرتے ہوئے اپنا ٹھکانا حرم کو بنائے گی

---

[1] انساب الاشراف (٤/ ٣٠٥) باسناد جمعی (قالوا) معمولی اختلاف کے ساتھ۔ اخبار مکہ (٢/ ٣٥٢، ٣٥٣) ابن عساکر ترجمہ ابن زبیر (٤٥٢) بسند ابو مصعب زبیری بسند حسن۔ اتحاف الوری/ ابن فهد (٤/ ٥٤-٥٥)

[2] طبقات ابن سعد (٥/ ٥٦) بسند واقدی، ابن عساکر، سوانح ابن زبیر (٤٤٩)

یہاں تک کہ تیرا خون حلال ہو جائے؟ اللہ کی قسم! اگر تو ایسا کرتی ہے تو اس تیر سے تجھے قتل کر دوں گا۔ یہ سن کر ابن زبیر نے کہا: تیرا ستیاناس ہو، یہ کیا حماقت ہے، کیا ایک چڑیا گفتگو کر سکتی ہے۔ اس نے کہا: نہیں، چڑیا تو نہیں کر سکتی لیکن تم تو گفتگو کر سکتے ہو، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ خوشی خوشی یا جبر و اکراہ سے یزید پر بیعت کر لو، اور یا تو جان لو کہ بطحاء کی اس وادی میں اشعریوں کے جھنڈے کا کتنا زور اور دبدبہ ہے، اگر ہمیں تم سے قتال کرنے کا حکم مل گیا اور تم بھاگ کر کعبہ کے اندر داخل ہو گئے تو ہمیں تمھاری گرفتاری کے لیے کعبہ کو ڈھانے یا اسے نذر آتش کرنے میں قطعاً دریغ نہ ہوگا، یہ سن کر ابن زبیر نے کہا: کیا تم مسجد حرام تک میں خون کو حلال کر لو گے؟ اس نے کہا: حلال تو اصلاً اس نے کیا جس نے وہاں بیٹھ کر الحاد کیا۔ [1]

پھر ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے گردن میں یزید کی بیعت تو نہیں پڑ سکتی، تب ابن عضاۃ نے کہا: اے قریش کے لوگو! انھوں نے جو کچھ کہا آپ نے سن لیا، آپ لوگ یزید پر بیعت کر چکے ہو، جب کہ یہ تمھیں اس بیعت سے ہاتھ کھینچنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ [2]

پھر ابن زبیر نے یزید کی مذمت میں اپنی زبان کھول دیا، اور کہنے لگے: مجھے اطلاع ملی ہے کہ ان کی صبح و شام بدمستی کے عالم میں ہوتی ہے، اے ابن عضاۃ! مجھے نہ لوگوں سے کوئی خوف ہے اور نہ جنگ کی گھبراہٹ، میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل اور اپنے دین کی عطا کردہ بصیرت پر قائم ہوں، اگر میں قتل کر دیا گیا تو میں اپنے لیے وہی بہتر سمجھتا ہوں اور اگر اپنی طبعی موت مرا تو اللہ میرے ارادے سے واقف ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ میں اس کی زمین میں گناہ و فساد کو کس قدر ناپسند کرتا ہوں، پھر دیگر لوگوں کو بھی آپ نے یہی جواب دیا۔ [3] اور کہا: اے اللہ میں تیرے گھر کی پناہ چاہتا ہوں، [4] اس طرح انھوں نے اپنا نام ''عائذ اللہ'' رکھ لیا۔ [5] اور ''عائذ'' کے نام سے پکارے جانے لگے۔ [6]

۳......ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف یزید کی محتاط تدبیریں اور کارروائیاں

ا۔عمرو بن زبیر کا عسکری قافلہ

اس میں شک نہیں کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ یزید کی بیعت سے انکار اور اس کے بارے میں زبان کھولنا، نیز اس کی تنقیص کرنے کا انجام کار جنگ ہی ہوگا، اور باشندگان شام بلکہ وہاں

[1] انساب الاشراف (٤/ ٣٠٩) بسند واقدی اور ھیثم بن عدی، الاغانی، الاصفھانی (١/ ٢١) بسند مدائنی
[2] عیوان الاخبار/ ابن قتیبہ (١/ ١٩٦) بسند عتبی۔ [3] انساب الاشراف (٤/ ٣٠٩) بسند واقدی
[4] طبقات ابن سعد (٥/ ٤٥٦) بسند واقدی، ابن عساکر، سوانح ابن زبیر (٤٥٠) بسند ابن سعد۔
[5] الاصابة، ابن حجر (٤/ ٩٤) بسند صحیح۔ [6] طبری (٥/ ٤٩٤) بسند واقدی۔

کے شرفاء و اکابرین کے سامنے میں نے یزید کو جو کچھ کہا ہے اس کی وجہ سے وہ مجھے معاف نہیں کرسکتا۔ اس لیے آپ نے اپنے موالی اور دیگر ہم خیال اہالیان مکہ کو یکجا کیا جنھیں ''زبیریہ'' کہا جاتا تھا۔ ❶

چناں چہ ایسا ہی ہوا کہ جب یزید نے ابن زبیر کے اپنے موقف پر اصرار اور خلافت کے عدم اعتراف پر ان کے پختہ ارادہ کو سنا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب ان کے خلاف محدود فوجی کارروائی کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے، جس کا مقصد صرف ابن زبیر کی گرفتاری یا ان کا خاتمہ ہو، یا کم از انھیں اتنا مجبور کیا جائے کہ وہ یزید کی قسم کے پابند ہو جائیں اور ان کی گردن میں بیڑیاں ڈال دی جائیں، پھر جب اسی سال بلکہ راجح قول کے مطابق ۶۱ ھ میں عمرو بن سعید بن عاص نے حج کیا تو ان کے ساتھ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی حج کیا لیکن ان کے پیچھے نماز پڑھی، اور نہ ہی حج میں ان کے تابع رہے۔ ❷ گویا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا یہ رویہ اس بات کا اظہار تھا کہ حکمران جماعت کے اقتدار سے وہ بالکل الگ ہیں اور اس کی قیادت انھیں تسلیم نہیں ہے، جب کہ خاص طور پر ایک امیر کے ماتحت فریضہ حج کا قیام اور اس کی ادائیگی اس بات کی قوی دلیل فراہم کرتی تھی کہ حکمراں جماعت کی مشروعیت قائم اور اس کے اقتدار کے قوت مسلم ہے۔ اور اس کی مثال جہاد فی سبیل اللہ قائم کرنے کی طرح ہے۔

اس کے بعد ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے حارث بن خالد المخزومی کو اہل مکہ کی امامت سے روک دیا، حالاں کہ وہ مکہ میں عمرو بن سعید بن عاص کے نائب ہوا کرتے تھے۔ ❸ اور مصعب بن عبدالرحمٰن کو مکہ والوں کی امامت کرنے کا حکم دیا، پھر وہ اہل مکہ کی امامت کرنے لگے۔ ❹ اس طرح ابن زبیر رضی اللہ عنہ ملکی انتظام میں ایسے ہی ذاتی تصرف و دخل اندازی کرنے لگے جیسے کہ حکمراں اقتدار سے ہٹ کر ان کا مستقل ایک نظام حکومت ہے۔ واضح رہے کہ وہ جب بھی اس طرح کا کوئی اقدام کرتے تو مسور بن مخرمہ، ❺ مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف ❻، جبیر بن شیبہ اور عبداللہ بن صفوان بن امیہ ❼ سے ضرور مشورہ لیتے اور یہ تاثر دیتے کہ ان کا کوئی بھی

---

❶ تاریخ مکہ، ازرقی (۱/ ۲۰۲) اس کی سند کے تمام رجال ابن جریج تک ثقہ ہیں۔

❷ انساب الاشراف (٤/ ۳۰۷) بروایت ابی مخنف و عوانہ

❸ البدایۃ والنھایۃ/ ابن کثیر (۹/ ۱۵۱) بروایت واقدی۔

❹ ابن عساکر، سوانح ابن زبیر ص (٤٥۰) بروایت واقدی

❺ آپ مسور بن مخرمہ بن نوفل ہیں، ابوعبدالرحمٰن کنیت ہے۔ آپ خود اور آپ کے باپ دونوں صحابی رسول ہیں، پہلے محاصرے میں ابن زبیر کے ساتھ ۶٤ھ میں وفات ہوئی۔ تقریب (۵۳۲)

❻ آپ مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں، معاویہ بن ابی سفیان کے زمانے میں مدینہ کے پولس محکمہ کے اعلیٰ ذمہ دار تھے، انتہائی بہادر تھے، پہلے محاصرے میں ابن زبیر کے ساتھ قتل کئے گئے۔ نسب قریش (۲۶۸۵)

❼ آپ عبداللہ بن صفوان بن امیہ الجمحی المکی ہیں، عہد نبوت میں پیدائش ہوئی خود اور آپ کے باپ صحابی ہیں، ابن زبیر کے ساتھ اس حالت میں مارے گئے کہ ۷۳ھ میں کعبہ کے پردے سے لٹکے ہوئے تھے۔ التقریب (۳۰۸)

کام بغیر شورائیت کے نہیں طے پاتا ہے۔ انھیں لوگوں کو لے کر جمعہ اور جماعت قائم کرتے اور حج کرتے۔ [1]

یہ سب کچھ ہوتا دیکھ کر یزید نے والی مدینہ عمرو بن سعید بن عاص کے نام خط لکھا کہ ابن زبیر کی طرف ایک محدود جماعت پر مشتمل فوجی دستہ روانہ کریں۔ [2]

چناں چہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے عمرو بن سعید بن عاص نے اس عسکری قافلہ کی قیادت عبداللہ بن زبیر کے بھائی عمرو بن زبیر بن عوام کے ہاتھوں میں سونپی، کیوں کہ آپ اس وقت مدینہ میں عمرو بن سعید کی ماتحتی میں مدینہ کے محکمہ پولیس کے اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے، نیز انھیں اس معاملے میں اپنے بھائی سے سخت نفرت تھی، اور خود عمرو بن زبیر نے اس مہم کے لیے اپنے کو جانے کی پیشکش کی تھی۔ [3]

اب کیا تھا، عمرو بن زبیر نے اپنی کارروائی شروع کیا، اور ابن زبیر کے ساتھ جن جن لوگوں کی ہمدردیاں تھیں انھیں ایک ایک کر کے مارا، ان میں منذر بن زبیر، [4] ان کے بیٹے محمد بن منذر، [5] عبدالرحمٰن بن اسود بن عبد یغوث، [6] عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام، [7] خبیب بن عبداللہ بن زبیر، [8] اور محمد بن عمار بن یاسر خاص طور سے قابل ذکر ہیں، اس طرح مارے جانے والوں کی تعداد چالیس، پچاس سے ساٹھ تک پہنچ گئی، جب کہ عبدالرحمٰن بن عثمان اور عبدالرحمٰن بن عمرو بن سہیل وغیرہ نے بھاگ کر مکہ میں ابن زبیر کے پاس پناہ لی۔ [9]

اب عمرو بن زبیر نے ایک ہزار [10] لوگوں پر مشتمل اپنا گروہ لے کر مکہ کا رخ کیا، اس میں چار سو فوجی تھے

---

[1] طبقات ابن سعد (٥/ ٤٥٨) بسند واقدی، ابن عساکر، سوانح ابن زبیر (٤٥٠) بسند ابن سعد۔

[2] طبقات ابن سعد (٤٥٧) بسند واقدی، انساب الاشراف (٤/ ٣٣١) بسند واقدی

[3] انساب الاشراف (٤/ ٣١٢) بسند ابو مخنف، طبری (٥/ ٣٤٤، ٣٤٥) بسند واقدی، طبری نے ایک اور روایت نقل کی ہے جس میں ہے کہ عمرو بن زبیر کی تقرری یزید کے مطالبہ پر ہوئی تھی۔ (۳۴۵/۵)

[4] منذر بن عوام عمر میں عبداللہ کے بعد تھے، اور معاویہ کے دوست تھے، پہلے محاصرے میں ابن زبیر کے ساتھ قتل کئے گئے۔ نسب قریش (٢٤٥)

[5] محمد بن منذر بن زبیر آل زبیر کے سرکردہ لوگوں میں سے تھے، اپنے چچا عبداللہ بن زبیر کے ساتھ دوسرے محاصرے میں حاضر ہوئے، اس کے بعد زندہ رہے۔ جمهرة قریش، زبیر بن بکار (٢٤٣)

[6] عبدالرحمٰن بن اسود بن عبد یغوث، پہلے محاصرے میں ابن زبیر کے ساتھ رہے، جب قید کئے گئے تو عمرو بن زبیر سے دیت کا مطالبہ کیا۔ نسب قریش (٢١٤، ٢١٥)

[7] آپ عثمان بن عبداللہ بن حکیم بن حزام اسدی قرشی ہیں، سادات و اشراف قریش میں سے تھے، پہلے محاصرے میں ابن زبیر کے ساتھ قتل کئے گئے، نسب قریش (٢٣٣)

[8] آپ خبیب بن عبداللہ بن زبیر ہیں، عبداللہ کے بڑے لڑکے، ٢٦ھ میں پیدا ہوئے، عمر بن عبدالعزیز کی مار میں جب وہ مدینہ کے گورنر تھے ان کی وفات ہوئی۔ نسب قیش (٢٣٩، ٢٤٠)

[9] طبقات ابن سعد (٥/ ٨٥) ابدون سند۔ انساب الاشراف (٤/ ٣١٢) بسند واقدی۔ طبری (٥/ ٣٤٤) بسند واقدی، تاریخ الاسلام، ذهبی حوادث ٦١-٨٠، ص (١٩٨)

[10] طبقات ابن سعد (٥/ ٤٧٥) بسند واقدی، تاریخ اسلام، ذهبی حوادث ٦١-٨٠ ص(١٩٩) بسند واقدی

اور کچھ بنوامیہ کے موالی تھے، جب کہ بقیہ لوگ وہ تھے جن کا رجسٹر میں اندارج نہ تھا، ❶ انھوں نے اس دستہ کے مقدمہ پر سات سوفوجیوں کے ساتھ انیس بن عمرو اسلمی کو متعین کیا ❷ اور انیس اسلمی انھیں لے کر آگے بڑھے یہاں تک کہ ذی طوی میں جا کر پڑاؤ ڈالا۔ ❸ جب کہ عمرو بن زبیر اپنے ساتھ کچھ لوگوں کو لے کر ابطح میں اترے اور وہاں سے اپنے بھائی عبداللہ (بن زبیر) کے پاس پیغام بھیجا کہ یزید بن معاویہ کی قسم کی اتباع کر لیں اور بلد حرام میں قتال نہ کریں۔ ❹

عمرو بن زبیر اپنے معسکر سے نکلتے اور اپنے بھائی عبداللہ سے بحث وگفتگو کرتے ہوئے آگے بڑھتے اور پھر لوگوں کو نماز پڑھاتے، جب کہ عبداللہ بن زبیر بھی ان کے ساتھ ساتھ چلتے اور اپنی طرف سے نرمی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے: میں تمھاری بات مان رہا ہوں، اور تمھاری اطاعت کا قائل ہوں، حالاں کہ آپ یزید کے کارندے اور ذمہ دار ہیں، میں آپ کے پیچھے نماز پڑھوں گا، مجھے اس سے کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن رہی یہ بات کہ آپ میری گردن میں ہتھکڑیاں ڈال دیں، پھر میں اسی حالت میں شام لے جایا جاؤں تو اس سلسلے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ایسا ہرگز ہرگز نہ کروں۔ لہٰذا آپ اپنے حاکم کو یہ بات لکھ کر بتا دیں، اور اس سلسلے میں نظر ثانی کریں۔ ❺

لیکن عمرو بن سعد نے یزید کے نام کسی تحریر لکھنے سے معذرت کر دیا، کیوں کہ وہ ایک محدود کارروائی کے لیے مکلّف کئے گئے تھے جسے انھیں نافذ ہی کرنا تھا، اس طرح طرفین سے جب کوئی مصالحتی حال سامنے نہ آیا عبداللہ بن زبیر نے عبداللہ بن صفوان جمحی اور ان کے ساتھ چند فوجیوں کو کارروائی کے لیے آگے بڑھایا، جس میں ان لوگوں نے مکہ کے زیریں علاقے کو اپنا ہدف بنایا اور انیس بن عمرو السلمی کو ایسی خاموشی سے گھیر لیا کہ انھیں احساس تک نہ ہوا، پھر وہ قتل کر دیئے گئے اور ان کے ساتھی شکست کھا گئے۔

جب کہ ٹھیک اسی وقت مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف اپنی تنظیم کی ایک دوسری فوجی ٹکڑی لے کر عمرو بن زبیر کی طرف بڑھے جو کہ ابطح میں اپنا معسکر بنائے ہوئے تھے، یہاں عمرو بن زبیر کو شکست کا سامنا ہوا، اور وہ بھاگ کر علقمہ نامی ایک شخص کے گھر میں جا گھسے۔ تب ان کے پاس ان کے بھائی عبیدہ بن زبیر آئے اور

---

❶ انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٣١١) بسند واقدی

❷ طبری (٥/ ٣٤٢، ٣٤٥) بسند واقدی

❸ معلّاۃ کے قبرستان کی گھاٹی سے شروع ہو کر مقام خضراء تک جہاں مہاجرین کی قبریں شروع ہوتی ہیں فتح سے کچھ پہلے، اس درمیانی علاقہ کو ذوطوی کہتے ہیں۔ تاریخ فتح مکه، ازرقی (٢/ ٢٩٧)

❹ طبقات ابن سعد (٥/ ٤٥٧) عن الواقدی، تاریخ الاسلام، ذهبی حوادث ٦١-٨٠ ص (١٩٩)

❺ طبقات ابن سعد (٥/ ٤٥٧) عن الواقدی، تاریخ الاسلام، ذهبی حوادث ٦١-٨٠ ص (١٩٩)

انھیں اپنی پناہ دیتے ہوئے عبداللہ بن زبیر کے پاس لے گئے اور کہا کہ میں نے انھیں پناہ دے رکھی ہے اس موقع پر عبداللہ بن زبیر نے کہا: جہاں تک میرے حق کی بات ہے تو میں اسے معاف کرسکتا ہوں، لیکن جو لوگوں کے حقوق ہیں تو انھوں نے مدینہ میں جن لوگوں کو تکلیف دی ہے اس کا میں ضرور قصاص لوں گا۔[1] پھر عبداللہ نے عمرو بن زبیر کو کھڑا کیا، اور جس کسی نے کہا کہ انھوں نے میرے ساتھ مدینہ میں فلاں فلاں ظالمانہ برتاؤ کیا ہے، ان سے کہا کہ ان کے ساتھ ویسا ہی کرلو جیسا انھوں نے تمھارے ساتھ کیا ہے، تاریخی مصادر میں یہ بات ملتی ہے کہ اس کارروائی کے نتیجے میں عمرو بن زبیر کو انتہائی شدید تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا، اور اسی مار سے وہ مر گئے، پھر عبداللہ بن زبیر کے حکم سے انھیں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔[2]

● **عمرو بن زبیر کی کارروئیاں کی ناکامی کے اسباب:**

عبداللہ بن زبیر کی مذکورہ کارروائی نے یہ ثابت کردیا تھا کہ وہ ذہانت و بہادری جیسی دو عظیم صلاحیتوں کے بھرپور مالک ہیں، اور پھر اسی وجہ سے اب بہت حد تک حالات ان کے حق میں جا چکے تھے جب کہ شروع میں یہ گرفت یزید بن معاویہ کے ہاتھوں میں تھی۔ جیسا کہ یہ بات گذر چکی ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنی ابتدائی مخالفت میں اس بات کا اظہار کرتے تھے کہ یزید بن معاویہ کی بیعت عوام الناس کی موافقت و رضا مندی سے نہیں ہوئی ہے اس میں تمام مسلمانوں کی شرکت و رضا مندی ضروری ہے اسی بنیاد پر وہ انتخاب میں شورائیت کی تحریک چلا رہے تھے، لیکن مسلسل دو بلکہ اس سے کچھ زیادہ سالوں کے درمیان انھیں کوئی قابل ذکر کامیابی نہیں ملی تھی اور نہ کوئی ایسا معاملہ پیش آیا تھا کہ جسے حجاز میں کسی تبدیلی سے تعبیر کیا جاتا چہ جائے کہ دیگر خطے اس سے متاثر ہوتے، بس اس وقت تک ابن زبیر کا ایک ہی ہدف تھا کہ امویوں کو اتنا بھڑکائیں جس سے وہ یزید کا دائرہ حیات تنگ کردیں۔

جب کہ یزید نے ابن زبیر کو ہتھکڑیوں کے ساتھ دمشق میں حاضر کرنے کا حکم دے کر ایک بڑی فاش غلطی کی تھی، کیوں کہ ایک ساٹھ سالہ بلکہ اس سے بھی زائد عمر کا جلیل القدر صحابی رسول کے بارے میں یہ بات کیوں کر معقول ہوسکتی تھی کہ وہ یزید بن معاویہ کے ایسے مطالبہ کو تسلیم کرلیں گے؟ پھر اسی حکم کے حوالے سے ابن زبیر رضی اللہ عنہما اہل حجاز کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگئے کہ یزید ایک ظالم و جابر شخص ہے جو بہرحال امت مسلمہ کی حکومت کا اہل نہیں ہے، اس طرح اب تک بہت سارے لوگ جو ابن زبیر کے موقف کے

---

[1] طبقات ابن سعد (٥/ ١٨٥) بسند واقدی، انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٣١٢) عن ابی مخنف طبری (٥/ ٣٤٤- ٣٤٥) بسند واقدی، المحن، ابوالعرب (٣٢٩) عن ابی معشر۔

[2] انساب الاشراف (٤/ ٣١٦) بسند ہیثم بن عدی، تاریخ الاسلام، ذهبی حوادث ٦١-٨٠ ص (١٩٩)

بارے میں تردد کا شکار تھے، اس حادثہ نے ان کے تردد کو اس یقین میں بدل دیا کہ حقیقت میں وہ ایک ایسے حاکم سے حق خلافت کا مطالبہ کر رہے ہیں جو اپنے احکامات و فرامین میں ظالم اور اپنی قرار دادیں منظور کرنے میں انتہائی بے رحم ہے۔

مزید برآں ابن زبیر کو امیر مدینہ عمرو بن سعید کے برتاؤ سے مزید عوامی حمایت و تائید اور اکابرین کی ہمدردیاں حاصل ہوئیں، کیوں کہ جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے وہ مدینہ والوں کے لیے کافی سخت دل تھے، ان کی خیر خواہانہ نصیحتیں قبول نہیں کرتے تھے اور متکبرانہ برتاؤ روا رکھتے تھے۔ [1] پھر عمرو بن زبیر کی وہ فاش غلطی اپنی جگہ پر تھی، وہ خود ناپسندیدہ عادات و اوصاف کے حامل متکبر، خود پسند، سخت دل، اور چال چلن کے غیر مقبول، ہمیشہ تیوری چڑھائے ہوئے شخص تھے، انھوں نے ہر اس شخص کو ستایا اور کوڑوں سے مارا تھا جو عبداللہ بن زبیر کے تئیں ہمدردی رکھتے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اولاً کم بولتے تھے، اور اگر کوئی ان سے ہمکلام بھی ہوتا تو اسے ندامت اٹھانی پڑتی تھی۔ [2] مختصر یہ کہ عمرو بن زبیر کے اس کردار نے بہت سارے لوگوں کو تنگ کر دیا تھا اور وہ ابن زبیر کی طرف جھکنے لگے تھے، بلکہ بعض لوگ تو انھیں ایام میں مدینہ چھوڑ کر مکہ بھاگ گئے اور ابن زبیر کی تحریک میں جا شامل ہوئے۔

مذکورہ غلطیوں کے ساتھ یزید بن معاویہ اور مدینہ کے گورنر عمرو بن سعید بن عاص سے ایک اور بھیانک غلطی یہ ہوئی کہ انھوں نے اپنے لشکر کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کر دی، جس کی وجہ سے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لوگوں کی حمایت و ہمدردی میں مزید شدت پیدا ہوگئی اور ایسا ہونا ایک فطری بات تھی، کیوں کہ مکہ معظّمہ کی حرمت و تقدس زمانہ جاہلیت میں بھی مسلم تھی، اور جب اسلام آیا تو اس نے اس کی عظمت و حرمت میں مزید اضافہ کر دیا، چناں چہ ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((یـا ایها الناس ان الله عزوجل حرم مکه یوم خلق السموات والارض فهی حـرام من حرام الله تعالی الی یوم القیامة ، لایحل لامرئ یومن بالله والیوم الآخر ان یسفك فیها دما و لا یعضد فیها شجرا ، لم تحلل لاحد کان قبلی ، و لا تـحـل لاحـد یـکـون بعدی ، ولم تحلل لی الا هذه الساعة غضبا علی اهـلهـا ، الاثـم قـدر رجـعـت کـحرمتها بالامس ، الا فلیبلغ الشاهد منکم الغائب ، فمن قال لکم: ان رسول الله قد قاتل بها ، فقولوا ، ان الله عزوجل

[1] الموفقیات/ زبیر بن بکار (۱۵۲)

[2] انساب الاشراف (٤/ ۳۱۱) بسند واقدی

قد احلھا لرسولہ و لم یحللھا لکم .))[1]

''اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے جس دن زمین و آسمان کی تخلیق کیا اسی دن سے مکہ کو حرام ٹھہرا دیا، پس یہ اللہ کے حرام کرنے کی وجہ سے قیامت تک کے لیے حرام ہے، جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے حلال نہیں کہ اس میں خون بہائے، اور نہ ہی وہاں کا درخت کاٹا جائے، مجھ سے پہلے کسی کے لیے اسے حلال نہیں کیا گیا تھا، اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہے، اور میرے لیے بھی صرف اِس وقت یہاں کے باشندوں پر غصہ کی وجہ سے حلال کیا گیا، سن لو! پھر اس کی حرمت کل کی طرح لوٹ آئی، چاہیے کہ تم میں جو حاضر ہو وہ غائب کو اس کی اطلاع کر دے، اگر تم سے کوئی یہ کہے کہ محمد نے یہاں پر قتال کیا، تو تم اس سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے لیے اسے حلال کیا تھا اسے تمھارے لیے حلال نہیں کیا۔''

عمرو بن سعید اول دن سے ہی جب وہ مدینہ کے گورنر بنے مسلمانوں کو منبر پر چڑھ کر دھمکانے لگے، اور ابن زبیر کے بارے میں کہا: اس نے مکہ کی پناہ لی ہے، ہم اس سے جنگ لڑ کے رہیں گے، پھر اللہ کی قسم اگر وہ کعبہ کے اندر داخل ہو گئے تو ان کی ناک خاک آلود کرتے ہوئے کعبہ کو بھی جلا دیں گے۔[2]

ابن سعید کے طیش کا یہ عالم تھا کہ جب وہ ابن زبیر پر چڑھائی کرنے کے لیے فوج کی تیاری کر رہے تھے تو بعض صحابہ نے انھیں سمجھایا اور نصیحت کیا اور انھیں کعبہ کی حرمت اور گذشتہ قول رسول کا حوالہ دیا لیکن انھوں نے کسی کی ایک نہ سنی۔[3]

اسی طرح مروان بن حکم جو کہ ایک کہنہ مشق اور بے باک سیاسی امیر تھے، انھوں نے بھی عمرو بن سعید کو خانہ کعبہ میں قتال کرنے سے خبردار کیا، اور کہا: مکہ پر چڑھائی نہ کرو، اللہ سے ڈرو، خانہ کعبہ کی حرمت کو پامال نہ کرو، اور ابن زبیر کو اپنی حالت پر چھوڑ دو، وہ بوڑھے ہو چکے ہیں، یہ دیکھو وہ ساٹھ سال کے اوپر ہو رہے ہیں، کٹ حجتی کرنے والے اور ضدی آدمی ہیں، اللہ کی قسم اگر تم ان کو قتل نہ کرو تو بھی یقین جانو کہ وہ جلد مر جائیں گے۔ عمرو بن سعید نے جواب دیا: اللہ کی قسم ہم تو ان سے جنگ کر کے ہی رہیں گے اور خواہ کسی کو کتنا ہی برا لگے۔ اگر ضرورت پڑی تو خانہ کعبہ کے اندر تک جائیں گے۔ یہ سن کر مروان نے کہا: اللہ کی قسم یہ عمل مجھے بہت برا لگ رہا ہے۔[4]

---

[1] صحیح البخاری مع الفتح (٤/ ٥٦، ٧/ ٦١٤) صحیح مسلم (٢/ ٩٨٦، ٩٨٧) الفتح الربانی (١٣/ ١٨١، ١٨٢)

[2] تاریخ خلیفہ (٢٣٣)، ابن عساکر سوانح ابن زبیر (٢٢٤)

[3] انھیں خیر خواہوں میں سے رافع بن خدیج انصاری بھی ایک تھے، انساب الاشراف (٤/ ٣١٢) بسند واقدی

[4] انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٣١٣) بسند واقدی مع قدرے اختلاف۔ طبری (٥/ ٣٤٤، ٤٥٠) بسند واقدی۔ البدایة والنھایة (٩/ ١٥١)

یہ بات گذر چکی ہے کہ عبداللہ بن زبیر نے اپنا ایک باوزن اور موثر لقب اختیار کر ہی لیا تھی یعنی وہ اپنے کو ''عائذ اللہ'' کہتے تھے۔

اس طرح حرمت مکہ کو ہاتھ لگانا ایک ایسے حساس اور نازک ترین معاملہ کو چھیڑنا تھا جسے صحابہ و تابعین میں سے کوئی تائید نہیں کرسکتا تھا اور عوام میں یہ رجحان پروان چڑھنا شروع ہوگیا کہ ایک ایسی فوج جو بیت اللہ کی حرمت کو پامال کرنے پر تلی ہوا سے مکہ کے دفاع میں پیچھے دھکیلنا واجب ہے، جس شخص میں مکہ کے دفاع کی طاقت نہیں تھی وہ بھی ابن زبیر کے ساتھ ان معنوں میں ہمدردی رکھنے لگا تھا کہ وہ بیت اللہ کی طرف سے دفاع کر رہے ہیں، واقدی کی روایت میں یہاں تک آیا ہے کہ طائف کے مضافات اور قرب و جوار کے علاقوں سے لوگ ابن زبیر کی حمایت میں اس نیت سے اکٹھا ہونے لگے کہ وہ حرم مکہ کی طرف سے دفاع کر رہے ہیں۔ [1]

ان حسّی اور روحانی اسباب و واقعات نے اہل حجاز کے دلوں میں ابن زبیر کی قدر ومنزلت کو دوبالا کردیا جس کی وجہ سے عمرو بن زبیر کی فوج کو ہزیمت دینے میں انھیں زبردست کامیابی ہاتھ لگی۔ مزید براں عمرو بن سعید نے جو فوج مکہ کے لیے روانہ کی تھی، اس کی افرادی ساخت کچھ اس نوعیت کی تھی جس سے کامیابی کی بہت کم ہی امید کی جاسکتی تھی، کیوں کہ اس فوج میں وہ لوگ شامل تھے جو عطایا و وظائف کے بدلے فوج میں بھرتی کیے گئے تھے، اور ان کی اکثریت ابن زبیر کا احترام کرتی تھی۔ [2] علاوہ ازیں بنوامیہ کے موالی اور فوجی دیوان میں غیر مندرج لوگ اس فوج کا حصہ تھے۔ [3] اسی طرح عمرو بن سعید کی ایک بڑی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے ابن زبیر کی قوت کو حقیر اور بے وزن سمجھا اور اس سے مقابلہ کرنے کے لیے لازمی تدابیر کا کوئی انتظام نہیں کیا، چناں چہ عمرو بن سعید کی یہ غلطی یزید بن معاویہ کی نگاہ میں بھی قابل گرفت ٹھہری، کیوں کہ ابن زبیر کے مقابلے میں فوج کی قلت کے باوجود انھوں نے یزید سے اضافی طور پر شامی فوج بھیجنے کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ [4]

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ یہاں دونوں بھائیوں یعنی عبداللہ بن زبیر اور عمرو بن زبیر کے درمیان باہمی نزاع کی حقیقت پر پھر بھی روشنی ڈالتے چلیں تاکہ دونوں کی فوجی کارروائی کا پس منظر دھندلا نہ رہ جائے، چناں چہ اس ضمن میں واقعات وحوادث کے تسلسل اس بات کے غماز ہیں کہ عمرو بن سعید بن عاص اس موقع پر دونوں بھائیوں کی باہمی نزاع و رنجش کو ایسی حقیقی عداوت کا رنگ دینے میں کامیاب رہے جس کی تہوں میں بہت ساری تعبیرات اور مقاصد پوشیدہ تھے، اور اس میں غالباً سب سے اہم مقصد اس حکومت کے جواز کی

---

[1] انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٣١٣) بسند واقدی

[2] ایضًا (٤/ ٣١٢) بسند واقدی [3] ایضًا (٤/ ٣١٣) بسند واقدی [4] ایضًا (٤/ ٣١٨) بسند واقدی

تائید کرنا تھا جس کے لیے عمرو بن زبیر اپنے بھائی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے، حقیقت تو یہ ہے کہ دونوں میں نزاع کی اصل وجہ کیا تھی اس کے بارے میں ہم قطعیت سے تو کچھ نہیں کہہ سکتے، تاہم بعض تاریخی روایات میں یہ اشارے ملتے ہیں کہ دونوں میں باہمی نزاع و چپقلش کافی پرانی تھی۔ اور وہ اس وقت سے چلی آرہی تھی جب انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں اس وقت مدینہ کے گورنر سعید بن عاص کے سامنے آپس میں جھگڑا کیا تھا۔ [1] رہی یہ بات کہ عمرو بن زبیر کا میلان عمرو بن سعید بن عاص کی طرف کیوں تھا، تو اس سلسلے میں کوئی حیرت واستعجاب نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ عمرو بن زبیر کی ماں آمنہ بنت خالد بن سعید بن عاص تھیں، یعنی اس طرح عمرو بن سعید بن عاص، عمرو بن زبیر کے ماموں ہوتے تھے، لیکن یہاں یہ پہلو غور طلب ہے کہ عمرو بن زبیر کے عمرو بن سعید بن عاص سے جو بھی رشتے وتعلقات رہے ہوں وہ ایسے نہیں ہو سکتے تھے کہ انھیں کی بنیاد پر عمرو بن زبیر اپنے بھائی کے خلاف جنگ کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور انھیں زیر کرنے کے لیے فوج کی قیادت کریں، مناسب تو یہ تھا کہ اس مقام پر ایسی فوجی کارروائی کی قیادت کوئی ایسا شخص کرتا جس کا ابن زبیر سے کوئی واسطہ نہ ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ جب عمرو بن زبیر نے اپنے بھائی کے خلاف روانہ ہونے والی فوج کی امارت کی باگ ڈور سنبھالنے کی موافقت دے دی تو انھیں تنقیدوں کا سامنا کرنا پڑا، اوران سے کہا گیا کہ اس مہم کے لیے تمھارے علاوہ کوئی دوسرا شخص زیادہ موزوں تھا، حیرت ہے کہ تم اللہ کے حرم اور اس کے جائے امن کی طرف کوچ کر رہے ہو، اور اپنے بھائی کے خلاف فوج کشی کر رہے ہو حالاں کہ ان کی عمر اور فضل کا تمھیں بھی بخوبی علم ہے۔ [2]

---

[1] مسند احمد (٤/ ٤)

[2] تاریخ الاسلام، ذهبی، حوادث ٦١-٨٠ ص (١٩٩) بسند واقدی۔ واضح رہے کہ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت مکہ کی جو حدیث ارشاد فرمائی تھی اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ مکہ میں قتال جائز نہیں ہے، اسی لیے اپنی صحیح میں ایک باب اس طرح باندھا ہے "باب لایحل القتال بمکه" صحيح بخاری مع الفتح (٤/ ٥٦)۔ معلوم ہونا چاہئے کہ حرم مکہ میں باغیوں سے قتال کے جواز کے بارے میں علماء اسلام کا اختلاف ہے، ماوردی کہتے ہیں: بعض علماء حرمت قتال کے قائل ہیں۔ ان کا موقف ہے کہ ایسے لوگوں کے گرد دائرہ تنگ کیا جائے تا آنکہ وہ اپنی باغیانہ روش سے باز آجائیں، اور اہل عدل کے حکم میں داخل ہو جائیں جب کہ اکثر فقہاء ان سے حرم مکہ میں قتال کے قائل ہیں بشرط یہ کہ وہ قتال کے علاوہ کسی دوسری صورت سے قابو میں نہ آئیں، اس لیے کہ اہل البغی سے قتال کرنا اللہ کا حق ہے، جس کا ضیاع کسی صورت میں قابل قبول نہیں ہے۔ پس اللہ کے حرم میں اس کا حق محفوظ رہے یہ اس بات کے مقابل میں زیادہ مناسب ہے کہ حرم الٰہی ہی میں اس کا ضیاع ہو (الاحکام السلطانية ص ١٦٦) امام نووی نے ماوردی کی رائے پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے: ماوردی نے جو یہ کہا ہے کہ اگر بغاوت کرنے والے حرم کی پناہ لے لیں تو بیشتر فقہائے کے نزدیک ان سے قتال کیا جائے گا، یہی صحیح ہے۔ امام شافعی نے یہی تنصیص کی ہے۔ (تهـذيـب الاسـلامـاء والـلـغـات ٣/ ٨٣، ٨٤، شرح صحيح مسلم ٩/ ١٢٥) امام شافعی نے حرم میں قتال کی حرمت کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ وہیں ان پر قتال تھوپ دی جائے، اور منجنیق وغیرہ ایسے ہتھیار سے قتال ہو جس کا نقصان دوسروں کو پہنچے جب کہ اس ⇦⇦⇦

بتاتے چلیں کہ جتنی تیزی کے ساتھ ابن زبیر کو اپنے بھائی کی ماتحتی میں آگے بڑھنے والی فوج پر غلبہ اور کامیابی ملی تھی اتنی ہی تیزی کے ساتھ ابن زبیر کے موقف کا لوگوں پر الٹا اثر ہونا لگا یعنی انھوں نے اپنے برادر حقیقی عمرو بن زبیر کو قید میں کرنے کے بعد ان کے صفایا کے لیے جو طریقہ اپنایا تھا اس نے عوام الناس کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اس شخص کے اندر شفقت اور رحم دلی کا جذبہ نہیں ہے، چناں چہ ابن زبیر کے طریقہ قصاص کا عوام پر بڑا غلط اثر پڑا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عمرو بن زبیر ہر اس شخص کو مدینہ میں سزا دیتے اور مارتے تھے جس کے تعلق سے یہ بات کہی جاتی کہ یہ عبداللہ بن زبیر کے معاملے میں نرمی اور رحم دلی کا جذبہ رکھتا ہے، مزید عمرو بن زبیر کو حکومت کی تائید بھی حاصل تھی، اسے حکومتی کارروائیوں کو نافذ ہی کرنا تھا، اگر چہ اس میں غلطی اور زیادتی کا احساس صاف ظاہر ہو، لیکن جب عبداللہ بن زبیر نے اپنے بھائی کو انھیں کے ہاتھوں مظلومیت کی مار سہنے والوں کے سامنے قصاص لینے کے لیے پیش کیا تو ہر وہ شخص جس کے دل میں عمرو بن زبیر کے خلاف ادنی کدورت تھی یا اس کے دل میں حسد کی آگ زندہ تھی اسے انھوں نے مارنے اور سزا دینے کی کھلی اجازت دے دی جس میں رحم دلی اور نرمی کی کوئی رعایت نہیں کیا، حالاں کہ یقینی طور پر نہیں سارے لوگ اس بات کے متمنی تھے کہ ابن زبیر اپنے بھائی عمرو کے قید پر اکتفا کریں، اور جو لوگ بھی ان کے ظالمانہ ہاتھوں سے مار سہنے کے دعوی دار ہیں ان سے معافی و درگزری کی درخواست کی جائے تا کہ وہ ان کی غلطیوں کو بھلا دیں اور معاف کر دیں۔

یہی وجہ رہی کہ بعض مورخین ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہاں تک خیال کیا کہ وہ تو محض ایک اقتدار اور حکومت کے طالب ہیں اس لیے ایسا کر رہے ہیں ورنہ اگر ان میں انسانیت ہوتی تو اپنے بھائی کے ساتھ قساوت قلبی نہ کرتے کثیر بن عزہ اس واقعہ کے حوالے سے عبداللہ بن زبیر کی ہجو کرتا ہے اور انھوں نے اپنے بھائی کے ساتھ جو کچھ کیا اسے بار بار دہراتا ہے:

⇦⇦⇦ کے علاوہ طریقوں سے بھی قتال کا امکان موجود ہو، جب کہ اس کے برخلاف اگر کفار کسی دوسرے شہر میں قلعہ بند ہو جائیں تو ہر ہتھیار سے اور ہر طریقے سے ان سے قتال جائز ہے۔ (تهذيب الاسماء واللغات النووى ٣/ ٨٤) القرى بقاصد ام القرى، محب الطبرى ص (٦٣٨) اعلام الساجد، زركشى ص ١٦٢، ١٦٣، فتح البارى ابن حجر ٤/ ٨٥) واضح رہے کہ مکہ میں جو قتال ہوا وہ اللہ کے اس فرمان کے خلاف نہیں ہے، جس میں اشارہ ہے: "اولم يروا انا جعلنا حرما آمنا" (عنکبوت:٦٧) کیوں کہ یہ قتال مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا تھا، دریں صورتحال یہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: "لن يستحل هذا البيت الا اهله" یعنی اس گھر کو اس کے ماننے والوں کے علاوہ کوئی ہرگز کبھی نہیں حلال کرے گا۔ اس طرح اس قتال کا وقوع نبوی پیشین گوئی کی تصدیق ہے، اور یہ علامات نبوت میں سے ہے، آپ کا یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ وہاں (حرم مکہ میں) ہمیشہ امن کی وہی حالت باقی رہے گی جو آیت میں مذکور ہے، فتح البارى (٣/ ٥٣٩، ٥٤٠) اعلام الاعلام بقتال من انتهك حرمة الحرام، منصور البيهوتى الحنبلى۔

تــخبــر مـــن لاقيــت انك عـــائــذ
بــل الــعــائــذ الــمحبوس فی سجن عارم

''تم جن سے ملاقات کرو انھیں بتلا دو کہ تم پناہ کے طالب ہو، بلکہ ایسا پناہ کا طالب جسے سخت قسم کے جیل میں قید کر دیا گیا ہے۔''

فـــمـــا ورق الـــدنيـــا يبـــاق لاهـلهـــا
و لا شـــدة البـــلـوى بـضـربة لازم [1]

''پس دنیا کی رونق و رنگینی دنیا والوں کے لیے باقی رہنے والی نہیں ہے اور نہ ہی مصیبت کی سختی تا دیر رہنے والی ہے۔''

اور یمن کے احرار میں سے ضحاک بن فیروز بن دیلمی نے ان کے بارے میں کہا کہ:

فــلـــو مـا اتـقيـت الـلـــه لا شـئ غيـره
اذاً عـطـفتك الـعـاطـفات على عمرو [2]

''اگر تم صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرو اور کسی سے نہ ڈرو تو عمرو پر شفقت کرنے والیاں تمھیں رحم دل بنا دیں گی۔''

جب کہ عبداللہ بن زبیر اسدی نے کہا:

فيـــا راكبـــا امـــا عـــرضـت فبـلـغـن
كبيـــر بـنـي الـعـوام ان قيـل مـن تـعـني

''پس اے مسافر جب تم مکہ و مدینہ کے آس پاس جاؤ اور تمھارے آنے کا مقصد پوچھا جائے تو تم بنو عوام کے سردار کو باخبر کر دو۔''

فــلـــو انــكـم اجهـــزتـم ان قتـلـتم
و لـكـن قتـلـتم بـــالسيـــاط و بـالسجن

''اے کاش تم قتل کرنے کی خوب تیاری کر لیتے، لیکن تم نے کوڑوں اور جیل کو ذریعہ قتل کیا۔''

جـعـلـتـم لـضـرب الـظهر عنـه عصيكم
تـــراوحـــه و الاصبـــحية لـــلبـطـــن

''تم نے پشت پر مارنے کے لیے لاٹھیوں کو بنایا اور پیٹ پر مارنے کے لیے کوڑوں کو۔''

[1] ديوان كثير عزه (٢٢٤)، انساب الاشراف (٤/ ٣١٥)
[2] انساب الاشراف (٤/ ٣٥١)

و تـخبــر مــن لاقيــت أنك عــائـذ
و تـكثـر قتلـى بيـن زمـزم والـركن ❶

''اور جن سے بھی ملاقات کرو انھیں بتلاؤ کہ تم پناہ کے طالب ہو اور یہ بھی بتلاؤ کہ رکن اور زمزم کے درمیان مقتولین کی کثرت ہوگی۔''

دراصل عمرو بن سعید کے لشکر کو جس ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اس کا دباؤ اتنا زبردست ہوا کہ جلدی اور بآسانی اس کا ایسا کوئی معقول حل نکالنا مشکل ہوگیا جس سے اس ہزیمت کے اثرات کو مٹایا جا سکتا، اسی لیے عمرو بن سعید کے دشمن و حاقدین جو گھات لگائے بیٹھے تھے انھوں نے اس صورت حال کو اپنے مفاد میں استعمال کرتے ہوئے یزید بن معاویہ کے نام تحریر ارسال کرنے میں بڑی عجلت سے کام لیا، ولید بن عتبہ اور ان کے کچھ ساتھیوں نے یزید کو بذریعہ خط عمرو بن سعید کی ہزیمت کی اطلاع پہنچائی اور بتایا کہ وہ عبداللہ بن زبیر کا صفایا کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں۔'' ❷

ادھر جونہی یزید کو اس شکست کی یہ اطلاع ملی انھوں نے عمرو بن سعید کی معزولی کا پروانہ بھیج دیا اور ان کی جگہ ولید بن عقبہ بن ابوسفیان کو مقرر کر دیا، ❸ حالاں کہ یہ وہی ولید تھے جن کی وجہ سے اول اول یہ تمام تر حادثات رونما ہوئے تھے یعنی انھوں نے ہی عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس وقت نرمی اور تساہلی کی تھی جب یہ دونوں یزید کی خلافت پر بیعت کیے بغیر مدینہ سے مکہ چلے گئے تھے۔

بہرحال ہمیں اس مغالطے میں نہیں ہونا چاہیے کہ ہم مکہ اور مدینہ پر عمرو بن سعید بن عاص کی ولایت ناکام ولایت تھی کیوں کہ جس وقت انھوں نے یہ اقدام کیا تھا شرعاً منصب امارت پر فائز تھے، اور بحیثیت امیر انھوں نے ابن زبیر کی جنگی و دفاعی قوت کا اندازہ لگانے میں اجتہاد کیا اور پھر حجاز کے اسلامی معاشرہ کے پر امن مزاج میں کسی سخت بدامنی وخوف کا ماحول پیدا کیے بغیر وہاں اپنے مخالف کو زیر دینے کی پوری کوشش کیا، لیکن بدقسمتی سے وہاں جو تائید اور گرفت ابن زبیر کو حاصل تھی وہ عمرو بن سعید کی طاقت سے کہیں زیادہ تھی، اس لیے انھیں ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا، اگر آپ عمرو بن سعید کی اس معذرت پر غور کریں جو انھوں نے یزید کے اموال اور کوتاہی کی تہمت کی دفاع میں پیش کیا تھا تو شاید آپ کو اس حقیقت کا اچھی طرح اندازہ ہو جائے گا کہ اس وقت ابن زبیر کتنی قوت کے مالک بن چکے تھے، چناں چہ عمرو نے یزید سے کہا: اے امیر المومنین! آنکھوں دیکھنے والا شخص جو حقیقت دیکھتا ہے غائب شخص اسے نہیں دیکھتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ کے

---

❶ انسـاب الاشـراف (٤/ ٣١٣)، الاغـانی (١٤/ ٢٢٤)، نیز اس کے بعض ابیات کو بغدادی کی مـعـاهـد التـنصيص (٣/ ٣١٤) میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ❷ انساب الاشراف (٤/ ٣١٨) عن ابی مخنف۔

❸ طبقات ابن سعد (٥/ ٤٦) ابن عساکر، سوانح ابن زبیر ص (٤٥٠) بسند ابن سعد

بیشتر باشندے ان -ابن زبیر- کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ وہ انھیں کو چاہتے تھے، اور انھیں اپنی تائید و رضا مندی دے چکے تھے، حتی کہ خفیہ و اعلانیہ ہر طرح سے وہ ایک دوسرے کو اس کی دعوت دیتے تھے، جب کہ میرے پاس ایسا کوئی فوجی لشکر نہ تھا کہ اگر مجھے ان سے نبرد آزما ہونا پڑتا تو میں بزور طاقت ان پر غالب آتا، وہ مجھ سے محتاط رہتے ہوئے آزادی چاہتے تھے جب کہ میں ان پر نرمی کرتا اور چشم پوشی سے کام لیتا تھا تاکہ جب ان پر قابو پالوں تو چڑھ دوڑوں، اس کے باوجود میں نے ان کا دائرہ حیات تنگ کیا، اور ایسی بہت ساری چیزوں پر پابندی لگا دی کہ اگر میں انھیں چھوڑ دیتا تو ان کے لیے کافی معاون اور مفید ثابت ہوتیں میں نے مکہ کی شاہراہوں اور تمام راستوں وگھاٹیوں پر اپنے کارندوں کو بٹھا دیا تھا کہ جو شخص بھی باہر سے مکہ میں داخل ہو اس کا نام مع ولدیت و مکمل پتہ اور مکہ میں آنے کی غرض و غایت میرے پاس لکھ کر بھیجو، پس اگر وہاں جانے والا ان -ابن زبیر- کا آدمی نکلا یا میری تحقیق میں اندازہ ہوا کہ یہ انھیں کا موید ہے تو میں نے اسے ذلیل کر کے واپس کیا اور اگر وہ شخص ان کا آدمی نہیں رہا تو میں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔

اس وقت آپ نے ولید کو امیر بنا کر بھیجا ہے، لیکن آپ ان کے برتاؤ اور حالات سے جلد ہی ان شاء اللہ یہ جان لیں گے کہ میں نے آپ کے حکم کی تنفیذ میں جس مبالغہ سے کام لیا ہے اور آپ کی خیر خواہی کی ہے وہی بہتر تھا، اے امیر المومنین! اللہ آپ کا بھلا کرے، اور دشمن کو ذلیل و رسوا کرے۔ [1] واضح رہے کہ یزید نے عمرو بن سعید کی اس بات پر بھی سرزنش کی تھی جب تم نے عمرو بن زبیر کے لیے لشکر تیار کیا تھا اور خاطر خواہ تیاری کی کمی تھی تو دار الحکومت شام سے مزید فوج کا مطالبہ کیوں نہیں کیا؟ [2] دراصل عمرو بن سعید کی تصرفات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن زبیر کے خلاف سخت پہرہ بٹھا رکھا تھا، اور ان کے موید ین و حمایتیوں کے درمیان کافی رکاوٹیں ڈال رکھی تھیں، لیکن ابن زبیر کی قوت اور حجاز میں ان کی تاثیر و گرفت اس بات سے پرے تھیں کہ عمرو بن سعید بن عاص کسی طرح ان پر غلبہ پاسکیں۔ اور جہاں تک بات مدینہ پر ولید بن عقبہ کی ولایت (گورنری) کا ہے تو اس سلسلہ میں تلاش بسیار کے باوجود ہمیں تاریخی مصادر میں کہیں کوئی ایسی تفصیل نہیں ملتی کہ جس میں ابن زبیر کے خلاف ولید کی کسی کارروائی کا تذکرہ ہو، جس کی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ ابن زبیر کی افرادی وعسکری قوت و تاثیر اور حجاز میں ان کی طرف لوگوں کے رجحانات کو دیکھ کر انھوں نے خاموشی ہی میں بہتری سمجھی۔ ابومخنف نے اپنی روایت میں ولید بن عتبہ اور ابن زبیر کے درمیان اس مرحلہ میں باہمی نزادع کی طبیعت و مزاج کو اس طرح ذکر کیا ہے: ولید بن عتبہ بحیثیت ولی الامر ابن زبیر پر قابو پانے کی تلاش میں تھے، لیکن دیکھا کہ وہ ہمیشہ محتاط اور حفاظت و پناہ میں رہتے ہیں۔ [3]

---

[1] طبری (٥/ ٤٧٨) عن ابی مخنف، البدایة والنهایة (٨/ ٢١٧)

[2] انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٣١٨) عن ابی محنف [3] طبری (٥/ ٤٧٩)

یہ حالات تو جیسے تیسے گذر ہی رہے تھے، ولید بن عتبہ کے سامنے نجدہ بن عامر الحنفی [1] مزید ایک مصیبت بن کر اٹھ کھڑا ہوا، وہ خوارج کے سرداروں میں سے تھا، اس نے یمامہ [2] میں حکومت کے خلاف اعلان بغاوت کر دیا، اس طرح ولید کو ناگفتہ بہ حالات کا سامنا تھا، اور ان حالات و حوادث کی وجہ سے حکومت کی ہیبت و گرفت اس قدر محدود ہو چکی تھی کہ جب ولید بن عتبہ دوران حج عرفات سے مزدلفہ لوٹے تو ان کے ساتھ صرف عوام الناس رہ گئی، ابن الزبیر اپنے ساتھیوں کے ساتھ اور نجدہ اپنے ساتھیوں کے عرفہ میں کھڑے رہے، اور ولید کے بعد یہ لوگ وہاں سے مزدلفہ کے لیے لوٹے۔ [3]

دریں حالات ابن زبیر نے یزید بن معاویہ کے پاس خط لکھا کہ تم نے ہمارے درمیان ایک بے وقوف آدمی کو بھیج دیا ہے وہ کسی بھلے کام کی طرف توجہ نہیں کرتا، اور نہ ہی کسی دانشمند کی نصیحت قبول کرتا ہے، اگر تم نے ہمارے درمیان کسی ایسے شخص کو بھیجا ہوتا جو خوش خلق اور نرم دل ہوتا تو میں یہ امید کرتا کہ جو معاملات انتہائی پے چیدہ ہو چکے ہیں اس میں کچھ سدھار آجائے گی، جو انتشار و افتراق ہے وہ اتحاد میں تبدیل ہوگی، لہٰذا اس سلسلے میں غور کرلو، اسی میں ان شاءاللہ ہمارے عوام و خواص سب کی بھلائی ہے...... والسلام۔ [4]

یزید کے نام ابن زبیر کے اس خط میں یہ بات خاص طور سے قابل توجہ ہے کہ ابن زبیر نے ولید بن عتبہ کو سخت دل اور قساوت سے متصف کیا اور بتایا کہ ان کے ساتھ کسی طرح کا معاملہ کرنا دشوار گزار ہے۔ حالاں کہ ولید بن عتبہ نے ابن زبیر اور ان کے ساتھیوں کے خلاف ایک بھی سخت کارروائی نہیں کی تھی۔ غالباً اس تحریر کے ذریعہ ابن زبیر یزید بن معاویہ کی شخصیت کو آزمانا چاہتے تھے کہ دیکھیں میرے ساتھ گفتگو کرنے میں وہ کتنے مستعد ہیں، نیز حکومت کی ہیبت و دبدبہ کو کمزور کر کے حجاز کی امارت پر مرکزی اعتبار سے قبضہ چاہتے تھے، کیوں کہ تین سالوں کی مدت میں یکے بعد دیگرے کئی امراء آتے اور جاتے رہے جس سے ایک طرح سے ابن زبیر کے معاملے کو رہ رہ کر تقویت ملتی رہی، اس لیے ہر امیر جو معزول کیا جاتا اس پر یہی تہمت لگتی تھی کہ ابن زبیر کے مقابلے میں وہ ناکام رہا ہے۔

چناں چہ یہی ہوا کہ یزید بن معاویہ نے ابن زبیر کے مطالبے کو تسلیم کرتے ہوئے ولید بن عتبہ کو مدینہ کی

---

[1] اس کا نام نجدہ بن عامر الحنفی الحروری ہے، فرقہ نجدیہ کا سردار ہے۔ اس کے ماننے والے نجدات کہے جاتے ہیں، خوارج کے بڑے فرقوں میں سے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسے خود اس کے ساتھیوں نے اور ایک قول کے مطابق ابن زبیر نے قتل کیا تھا۔ الفرق بین الفرق (۸۸-۹۰) الاعلام (۸/ ۳۲۴-۳۲۵)

[2] طبری (۵/ ۴۷۹)

[3] انساب الاشراف (۴/ ۳۱۸) باسناد جمعی (قالوا) طبری (۵/ ۴۷۹) عن ابی مخنف، ابن کثیر (۸/ ۲۱۷)

[4] انساب الاشراف (۴/ ۳۱۸) باسناد جمعی (قالوا) طبری (۵/ ۴۷۹)، ابن کثیر (۹/ ۲۱۷) میں ہے کہ ولید بن عتبہ کی معزولی کے تعلق سے جس نے خط تحریر کیا تھا وہ نجدہ خارجی تھا۔

ولایت سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ عثمان بن محمد بن ابوسفیان کو مدینہ کا امیر بنا دیا۔ ❶ ، ❷ لیکن اللہ کی کچھ ایسی مرضی رہی کہ عثمان بن ابوسفیان مدینہ کی ولایت پر آٹھ مہینے ❸ سے زیادہ نہیں رہ سکے، اہل مدینہ ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انھیں وہاں سے نکال باہر کیا، ان کی یہ مختصر مدت ولایت اس بات کی دلیل ہے کہ ان حادثات وشورش کی جڑیں مختلف ادوار سے گزرتی ہوئے معاشرے کے مزاج میں اس قدر پیوست ہو چکی تھیں کہ عثمان بن ابوسفیان کے ابتدائی ایام ولایت ہی میں وہ بے قابو ہوگئے۔ تاریخی روایات کے حوالے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عثمان بن محمد صلح ومصالحت کو ترجیح دینے والے شخص تھے۔ مزید برآں نوجوانی کی عمر سے گزر رہے تھے، نئے نئے حوادث کا سامنا تھا لیکن تجربات سے بے بہرہ تھے، کم عمری نے انھیں دانائی وبصیرت کا موقع نہیں دیا اور نہ ہی تجربہ کاری نے حالات سے نمٹنا سکھایا، اپنی حکومت وامارت پر انھیں گہری نظر نہ تھی۔ ❹ پس اس میں ادنی شک نہیں کہ امراء مدینہ کے انتخاب میں یزید بن معاویہ ناکام رہے کیوں کہ انھوں نے امیر کی ذاتی صلاحیت وحیثیت اور سیاسی قوت پر خاص توجہ نہیں دیا اور نہ اس بات پر غور کیا کہ حجاز جیسے شہر کے لیے کون سا امیر موزوں ہوگا، چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ یزید نے مدینہ کے جن امراء کا انتخاب کیا وہ یا تو انتہائی کمزور گردانے جاتے تھے یا کہ انھیں اس میدان میں کوئی مہارت نہیں ہوتی تھی، اور یا تو ایسے بے جا متشدد رہے کہ جن سے لوگ نفرت کرنے لگے اور ان کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں حکومت کے خلاف غصہ وعداوت پیدا ہوگئی، بہرحال یقیناً یہاں ایک انتہائی حیرت کن بات یہ ہے کہ ایسے نازک حالات میں یزید بن معاویہ اموی گھرانے کے سپوت مروان بن حکم جیسی لائق وفائق شخصیت سے کیسے غافل رہے کہ جنھیں تجربہ ومہارت کے ساتھ بھرپور قائدانہ صلاحیت حاصل تھی اور وہ اتنے بلند پایہ تھے کہ امام ذہبی نے ان کے بارے میں فرمایا: وہ ایک متحمل مزاج، بہادر، زیرک اور بے باک آدمی تھے۔ ❺ صرف یہی نہیں بلکہ آپ عثمان رضی اللہ عنہ کی سیاست میں عملی طور پر شریک کار رہنے والے اہم ترین لوگوں میں سے تھے، اور اتنے معتمد تھے کہ خلیفہ راشد عثمان رضی اللہ عنہ کی تحریروں اور ان کے خط وکتاب کے ذمہ دار تھے۔ ❻ پھر جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو انھوں نے ۴۲ھ میں

---

❶ آپ عثمان بن محمد بن ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف ہیں، مکہ کی امارت پر فائز ہوئے، پھر انھیں یزید نے مدینہ کی ولایت سونپی، پھر بنوامیہ کے ساتھ مدینہ سے نکال دیئے گئے۔ العقد الثمین/ الفاسی (٦/ ٣٧)

❷ انساب الاشراف (٤/ ٤١٨) باسناد جمعی (قالوا)، طبری (٥/ ٤٧٩) عن ابی مخنف ابن کثیر (٨/ ٢١٧)، طبقات ابن سعد (٥/ ٤٦٠) عن الواقدی، تاریخ خلیفه (٢٣٦) الموفقیات، زبیر بن بکار (١٥٢)

❸ اخبار القضاة، وکیع (١/ ١٢٣)

❹ انساب الاشراف (٤/ ٤١٨) باسناد جمعی (قالوا) طبری (٥/ ٤٧٥) عن ابی مخنف۔

❺ سیر اعلام النبلاء/ ذهبی (٤/ ٤٧٧)

❻ الاستیعاب/ ابن عبدالبر (٣/ ١٣٨٧)، العقد الثمین/ الفاسی (٧/ ١٦٦)

آپ کو مدینہ کی امارت سونپ دیا۔ ❶ اس طرح آٹھ سال یعنی ۵۰ھ تک آپ وہاں کے امیر رہے۔ ❷ پھر ایک ایسا وقت آیا کہ ۵۴ھ میں جب سعید بن عاص مدینہ کی ولایت سے معزول کئے گئے تو دوبارہ آپ کو وہاں کی امارت سونپ دی گئی، اور آپ ۵۸ھ تک دوبارہ اس منصب پر وہاں فائز رہے۔ ❸

چناں چہ پس منظر میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجاز کی ولایت کو بنوامیہ کے دو ایسے اکابرین کے حوالے کیا تھا جو عمر، شرافت اور بے باکی میں سب پر فائق تھے، ان میں ایک مروان بن حکم تھے، اور دوسرے سعید بن عاص اور ان دونوں کے انتخاب کا محرک صرف یہ بات نہ تھی کہ انھیں بلاد شام سے دور ہی رکھیں جو کہ کل مستقبل کی سیاسی زندگی میں مرکزی حیثیت و مقام کا حامل ہونے والا ہے۔ ❹ بلکہ ایک دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ بلاد حجاز کی ولایت بنوامیہ کے افضل ترین افراد ہی کو فائز کیا جائے کیوں کہ ان ریاستوں کی جو امتیازی خصوصیات ہیں وہ دیگر ریاستوں سے بالکل منفرد ہیں، یعنی وہاں صحابہ و ابنائے صحابہ، بہت سارے علماء وفقہاء، اور اہل تقویٰ و اصحاب صدق وصفا سکونت کئے ہوئے تھے، اسی لیے معاویہ رضی اللہ عنہ حجاز کے مقام و مرتبہ پر خاص دھیان دیتے اور جسے وہاں کی امارت سونپتے اس کے تعلق سے بھی کافی بیدار مغزی سے کام لیتے۔

بتاتے چلیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاسی تدبیر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مروان بن حکم سے کچھ خائف رہا کرتے تھے، کیوں کہ انھیں دو مرتبہ حجاز کی امارت سے معزول کیا حالاں کہ وہ اپنے کام میں بالکل امتیازی اہلیت وحیثیت کے حامل تھے، اور خوف وخدشات کے احساسات پوشیدہ نہیں رہ پاتے تھے بلکہ کبھی کبھی نمایاں ہو جاتے، اگر آپ وفات معاویہ سے دو سال قبل مروان کی معزولی کے اسرار و رموز پر دھیان دیں گے تو ان شکوک وشبہات کی تائید ہوگی جسے معاویہ رضی اللہ عنہ مروان بن حکم کے بارے میں سوچا کرتے تھے۔ ❺

پھر جب یزید کا دور آیا اور انھوں نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو مروان بن حکم بالکل ہی نظر انداز کر دیا، اور انھیں حجاز کی امارت نہیں سونپی، اور نہ ہی اپنے اور ابن زبیر کے درمیان انھیں ثالثی مقرر کیا، جسے مروان نے بھی واضح طور سے محسوس کیا، خاص طور سے جب شامی وفد یزید کی طرف ابن زبیر سے گفتگو اور بحث کرنے آیا تو حقیقت اور بھی کھل گئی، اسی لیے مروان کی بھی یہی کوشش رہی کہ یہ وفد ابن زبیر کے ساتھ کسی مصالحتی نتیجہ پر نہ پہنچے۔ ❻

---

❶ طبقات ابن سعد (٥/ ٢٣، ٢٤) اخبار القضاة/ وکیع (١/ ١١٦)، تاریخ خلیفه (٢٠٤)

❷ طبقات ابن سعد (٥/ ٢٢) تاریخ خلیفه (٢١٨) طبری (٥/ ٢٣٢)

❸ طبقات ابن سعد (٥/ ٢٤، ٤٤)، تاریخ خلیفه (٢٢٢، ٢٢٤)، انساب الاشراف (٥/ ١٢٥)، طبری (٥/ ٢٤، ٢٩)، الآحاد والمثانی (١/ ١٢٠) التحفة اللطیفه/ السخاوی (١/ ٦٨)، ادارة الحجاز فی العصور الاسلامیة الاولی ص (٤٤)

❹ دراسات و بحوث فی التاریخ الاسلامی، بطانیه ص (١٣٤)

❺ الآحاد و االمثانی/ ابن ابی عاصم (١/ ٣٩٣)، طبری (٥/ ٢٩٥) ❻ ایضًا

بہر حال یزید نے اگر چہ حجاز کے حالات کو قابو میں کرنے کی بڑی کوششیں کیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ حجاز کی ولایت ناتجربہ کار اور کم سن ہاتھوں میں دے کر شروع ہی میں بڑی غلطی کر دیا، جب کہ ان کے درمیان مروان بن حکم جیسے دور اندیش اور باصلاحیت لوگ موجود تھے، جن میں وہ خوبیاں اور صلاحیتیں موجود تھیں کہ اللہ کی اجازت سے وہ ابن زبیر کو قابو میں لیتے اور انھیں زیر کر دیتے بلکہ ایسے منفرد انداز میں اس معاملے کو حل کر دیتے کہ مزید کسی امیر کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ معاویہ بن یزید کی وفات کے معمولی عرصے کے بعد ہی خلافت کو بنوامیہ کے ہاتھوں میں واپس لوٹانے میں مکمل طور سے کامیاب رہے حالاں کہ اس وقت بنوامیہ کی حکومت آخری سانسیں لے رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ اب اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پس اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یقیناً یہ شخص خداداد صلاحیتوں کا مالک تھا، بے باکی، عظمت اور مہارت و تجربہ اس کے نمایاں اوصاف تھے، پس یزید نے انھیں نظر انداز کر کے ایک فاش غلطی کیا تھا۔

۲۔ مسلم بن عقبہ المری کا قافلہ:

جب ہم یزید کے خلاف اہل مدینہ کی مخالفت اور مدینہ کے عثمان بن محمد اور ان کے ساتھ بنوامیہ کے دیگر لوگوں کی دربدری پر نگاہ ڈالتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ وہاں کے حالات پر قابو پانا یزید کی طاقت سے باہر بات تھی، شخصی خواہشات اور جذباتی محرکات نے اکثریت کی آنکھوں پر اس بات سے پردہ ڈال دیا تھا کہ وہ حقیقت کو دیکھ سکیں۔ جب کہ غیرت مند اور بابصیرت لوگوں کی آوازیں اور ان کے پرخلوص نصیحتیں ان جذباتی نعروں میں گم ہو چکی تھی، اہل مدینہ بنوامیہ کو مدینہ سے نکال چکے تھے، یزید بن معاویہ کی بیعت سے ہاتھ کھینچ لیا تھا، وہ اپنے اس برتاؤ سے یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ گویا ہماری مخالفت کا پورا رخ امویوں کی طرف مرکوز ہے، ورنہ سوچنے کی بات ہے کہ بنوامیہ کا کون سا ایسا گناہ تھا کہ وہ مدینہ سے بے گھر کر دیئے جائیں اور اپنی املاک و جائیداد سے ہاتھ دھو بیٹھیں؟

چناں چہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل مدینہ کا یہ برتاؤ ایک خطرناک مستقبل کی آہٹ دے رہا تھا، جس میں ملک کی سیاست اور پوری امت مسلمہ کی آبادی کو ایک طرح چیلنج تھا، دریں صورت حال یزید کے یہ ایک مشکل ترین گھڑی تھی کہ وہ اس واضح اور کھلی بغاوت کو یوں ہی چھوڑ دیں، اور ملک سے علیحدگی اختیار کرنے والوں کو نظر انداز کر جائیں، اور ایسا کوئی اقدام نہ کریں جس سے ملک کی ہیئت و گرفت اور اس کی تاثیر دوبارہ واپس لوٹ آئے، اور امت مسلمہ کا اپنی سابقہ اتحاد و ترابط کو دوبارہ قائم کر لے۔

مدینہ والوں کا یہ عمل اس نگاہ سے نہیں دیکھا جاسکتا کہ اس کے اثرات صرف ان تک محدود رہنے والے تھے اور حجاز کے دیگر شہر اس سے متاثر نہ ہوتے، نہیں! بلکہ قوی امکان تھا کہ یہاں کے بعد مکہ، طائف، اور یمن بھی ان کے پیچھے پیچھے علیحدگی پسندی کا اعلان کر دیتے، چوں کہ ابن زبیر کی مخالفت پر تین سال کا طویل عرصہ

گزر رہا تھا جس نے رفتہ رفتہ ان کے موقف کے مویدین میں اضافہ کا سبب بنتا گیا۔ ❶ اور اسی پس منظر میں یزید بن معاویہ مدینہ والوں کی مخالفت کو مکہ میں ابن زبیر کی مخالفت کا طبعی اثر تصور کرتے تھے، اسی لیے انھوں نے عبداللہ بن جعفر سے گفتگو کرتے ہوئے اپنے موقف کی وضاحت میں ان پر یہ دلیل قائم کی تھی کہ مدینہ والے اپنی مخالفت اور بیعت توڑنے میں ابن زبیر ہی کی پیروی کریں گے، یہ اس وقت کی بات ہے جب انھوں نے اپنے قائد مسلم بن عقبہ کو اس نصیحت کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کیا تھا کہ اہل مدینہ کو یہ پیشکش کرنا کہ ہمیں ابن زبیر کے پاس جانے کی اجازت دے دو، پس اگر وہ اجازت دیتے ہیں اور لشکر بخیر وسلامتی آگے گزر جاتا ہے تو انھیں چھوڑ دینا، اور اگر وہ مزاحمت کریں تو ان سے قتال کرنا۔ ❷

چناں چہ جس وقت مسلم بن عقبہ کا لشکر مدینہ پہنچا، اور یزید کی ہدایت کے بموجب انھوں نے مدینہ والوں کے سامنے درخواست رکھی تو اہل مدینہ نے سختی سے اس کا انکار کردیا، بلکہ جنگ پر آمادہ ہوگئے، اور بالآخر جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے مدنیوں کی زبردست شکست ہوئی اور وہ قتل وغارت گری کے شکار ہوئے۔ ❸

مسلم بن عقبہ مدینہ میں تین روز سے زیادہ نہیں ٹھہرے، کیوں کہ ماہ ذی الحجہ کے اختتام سے تین دن قبل معرکہ حرہ پیش آئی تھی، پھر مسلم بن عقبہ کی ابواء سے قریب سات محرم کو ابن زبیر کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے راستہ میں مُشَلَّل میں وفات ہوگئی۔ ❹

۳۔ حصین بن نمیر السکونی کا عسکری قافلہ:

جب مسلم بن عقبہ کو یہ احساس ہوگیا کہ اب میری موت قریب ہے تو انھوں نے حصین بن نمیر السکونی ❺ حُبیشبن دلجه العُتبی ❻ اور عبداللہ بن مسعدہ الفزاری کو بلایا، پھر کہا: امیر المومنین نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں حصین بن نمیر کو تمھارے معاملات کا امیر بنا دوں، اور اب زندگی کی ان آخری لمحات میں ان کی مخالفت نہیں کرنا چاہتا، پھر حصین سے مخاطب ہوئے اور ان سے کہا: جس معاملہ کا میں نے تمھیں امیر بنایا ہے حُبیش بن دلجہ تم سے زیادہ اس کے لیے موزوں اور اہل تھے، لیکن امیر المومنین کے حکم کی تعمیل کر رہا

❶ المقنع من اخبار الملوك/ الفاسی ص (۳۹)

❷ طبقات ابن سعد (۵/ ۱۴۵)، طبری (۵/ ۴۷۳) عن الواقدی، الاعلام، بیّاسی (۲/ ۱۰۸)

❸ مزید تفصیل کیلئے معرکہ حرہ کی تفصیل دیکھیں۔

❹ انساب الاشراف/ بلاذری (۴/ ۳۳۶) طبقات ابن سعد (۵/ ۴۷۶)، طبری (۵/ ۴۹۶)

❺ آپ حصین بن نمیر السکونی الکندی ہیں، یزید کے مشہور ترین امراء میں سے ہیں، ابراہیم بن اشتر کے ساتھ جب یزید کی آخری جنگ ہوئی تو حصین اس میں میمنہ پر تھے، ابن زیاد کے ساتھ موصل کے قریب قتل کئے گئے۔ الاعلام (۲/ ۲۹۸)

❻ حبیش بن دلجہ شام کے چند اہم شرفاء میں سے تھے، اردن سے تعلق تھا، معاویہ کے ساتھ معرکہ صفین میں شریک رہے، معرکہ حرہ میں اردن میں تھے، ربذہ میں ابن زبیر کے ساتھ قتل کئے گئے۔ مختصر تاریخ دمشق (۴/ ۴۳، ۴۵)

ہوں، میں تم سے جو کہہ رہا ہوں اسے اچھی طرح یاد کرلو، مکہ میں زیادہ دنوں تک قیام نہ کرنا، یہاں کی زمین بنجر ہے، چوپایوں کو زیادہ دن برداشت نہیں کرسکتی، اور تم شام والوں کو حملہ سے منع نہ کرنا، قریش کو اپنے کان سے قریب نہ کرنا (مشیر نہ بنانا) کہ وہ دھوکا باز قوم ہے تم ان کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ پھر جنگی اسلحوں کا مظاہرہ کرو، پھر لوٹ جاؤ...... جان لو کہ تم ایسی قوم پر کھڑے ہو جس کے پاس سامان دفاع وحفاظت ہے اور نہ ہتھیار ہے نہ ہی جنگی تیاری، وہ پہاڑوں کے دامن میں بستے ہیں، منجنیقوں سے ان پر حملے کرو اور اگر خانہ کعبہ کی پناہ لیں تو اس پر پتھروں کی بارش کرو، تمھیں دوبارہ تعمیر کرنے کی کیا ہی عمدہ طاقت اور صلاحیت ہے۔ ❶

پھر مسلم بن عقبہ کی وفات ہوگئی اور وہ مُشَلَّل کی گھاٹی میں دفن کر دیئے گئے۔ ❷ جب کہ لشکر مکہ کے لیے آگے روانہ ہوگیا، اور حصین بن نمیر محرم کا مہینہ ختم ہونے سے چار دن قبل مکہ پہنچ گئے۔ ❸ حصین بن نمیر نے وہاں پہنچ کر حُجون ❹ میں بئر میمون ❺ کے قریب پڑاؤ ڈالا۔

---

❶ طبقات ابن سعد (٥/ ٤٧٦) عن الواقدی، انساب الاشراف (٤/ ٣٣٨) عن المدائنی، اخبار مکه (٦/ ٢٠٢) التعازی و المراثی/ مبرد (٢٥٢) اس گفتگو کا ایک حصہ الحلیة (١/ ٣٣١) میں موجود ہے۔ مجمع الزوائد (٧/ ٢٥٢)، انھوں نے کہا کہ اس طبرانی نے روایت کیا، اس میں عبدالملک نامی راوی ہے جس کو حافظ ابن حجر نے صدوق کہا ہے۔ التقریب (٦٦٣) اور جو سند ابونعیم نے الحلیه (١/ ١٣١) میں، حاکم نے مستدرك (٣/ ٥٥٠) میں، ابن عساکر نے سوانح بن زبیر (٤٧٣) میں ذکر کیا ہے، سب کی سب علی بن مبارک کی سند سے ہیں، جن کی کوئی سوانح مجھے دستیاب نہ ہوئی، حالاں کہ جتنے لوگوں نے بھی زید بن مبارک کی سوانح لکھی ہے، سب نے ان کی استادوں میں علی بن مبارک کا نام لکھا ہے جو کہ ان کے ماموں ہیں، اس سے ان کی شہرت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ طبرانی کے اساتذہ میں سے بھی ہیں۔ المعجم الصغیر (١/ ٣١٩) یہ واقعہ دوسری سند سے بھی منقول ہے۔ جو فاکھانی (٢/ ٣٥١) میں درج ہے، لیکن وہ بھی عبدالملک ذماری کی سند سے اس طرح منقول ہے۔ حدثنا محمد بن اسماعیل قال حدثنا مهدی بن ابی مهدی قال حدثنا عبدالملك الذماری الخ، محقق کتاب نے تو اس پر حسن کا حکم لگایا ہے لیکن سند کے دیگر راویوں کی سوانح کی تلاش وجستجو کے دوران مجھے مہدی بن ابی مہدی کی کوئی سوانح نہیں مل سکی۔ غالباً محقق نے مہدی بن ابی مہدی الہجری المحاربی کو سمجھ لیا جو کہ طبقہ سادسہ کے ہیں اور عکرمہ سے روایت کرتے ہیں ١٣٠ھ میں ان کی وفات ہوئی، اور عبدالملک ذماری نوویں طبقہ کے ہیں، پس کیوں کر ممکن ہے کہ طبقہ سادسہ کا آدمی تاسعہ والے سے روایت کرے۔

❷ واقدی نے لکھا ہے کہ یزید بن زمعہ کی ام ولد لشکر کے پیچھے پیچھے دو تین دن تک چلتی رہی، اس دوران مسلم کا انتقال ہوگیا، اور وہ مشلل کی گھاٹی میں دفن کردئے گئے، جب اس کے پاس مسلم کے انتقال کی خبر آئی تو وہ اس کی قبر کے پاس گئی، اور اس کی لاش کو قبر سے نکال کر مشلل کی گھاٹی میں اسے سولی پر لٹکا دیا۔ طبقات ابن سعد، آخری جزء ص (١٠٥) انساب الاشراف (٤/ ٣٣٦) جویریہ تک بسند حسن، واقدی عبدالرحمٰن بن حارث سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انھوں ے کہا: اللہ کی قسم وہ خاتون اس تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوئی، اس نے قبر کو ضرور کھودا تھا، لیکن جب لحد تک پہنچی تو دیکھا کہ ایک کالا اژدہا اس کی گردن سے لپٹا ہوا ہے، اور منہ کھولے ہوئے ہے، یہ منظر دیکھ کر وہ وہاں سے واپس آگئی۔ وفاء الوفاء/ السمهودی (١/ ١٣٦)

❸ طبقات ابن سعد (٥/ ٤٧٦)، استیعاب/ ابن عبدالبر (٣/ ٢٤٣)

❹ مسجد بیعة کے برابر میں ایک پہاڑ کا نام ہے، اس کے اور حرم کے درمیان ڈیڑھ میل کا فاصلہ ہے، اخبار مکہ/ ازرقی (٢/ ٢٧٣)، یاقوت (٢/ ٢٢٥)

❺ میمون کا کنواں میمون بن حضرمی نے کھدوایا تھا، اور یہ منی کے راستہ میں ہے۔ اخبار مکه/ ازرقی (٢/ ٢٢٢)

اس طرح حصین بن نمیر نے اپنا لشکر دور دراز مسافت تک پھیلا دیا، جس کی وجہ یہ تھی کہ عنقریب مکہ میں پیش آنے والی جنگ کی طبعی تقاضوں سے وہ واقف تھے، مکہ اونچ اونچ اور باہم متصل پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا، آسانی سے اس کا محاصرہ نہیں کیا جا سکتا تھا، نیز ممکن ہے کہ ان کا یہ ہدف بھی رہا ہو کہ ابن زبیر کو نفسیاتی طور پر مرعوب کر دیں اور انھیں یہ بتا دیں کہ ان کی یہ فوجی کارروائی ایسی نہیں ہے کہ جلد از جلد اسے نافذ کر کے واپس چلے جائیں گے بلکہ جب تک کسی قطعی مضبوط نتیجہ پر نہیں پہنچتے ہم واپس جانے والے نہیں ہیں۔

جب کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو شامی فوج سے قتال کرنے پر ابھار رہے تھے، معرکہ حرہ کے شکست خوردہ لوگ بھی ان کے ساتھ ہو گئے تھے، نیز نجدہ بن عامر الحنفی بھی خوارج کے کچھ لوگوں کو لے کر ابن زبیر کی مدد کے لیے آ پہنچا، تاکہ شامیوں کے حملے سے خانہ کعبہ کو بچایا جا سکے۔ (1) واضح رہے کہ تاریخی مصادر میں ہمیں ابن زبیر کے فوج کی تعداد نہیں ملتی، لیکن ابن مطیع کے قول سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ابن زبیر کا ساتھ دینے والے ان جنگجوؤں کے مقابلے میں بہت کم تھے، جنھوں نے معرکہ حرہ میں شرکت کی تھی، اور حرہ میں شرکت کرنے والوں کی تعداد دو ہزار تھی۔ (2) حصین بن نمیر نے ابن زبیر کے ایک امیر عبداللہ بن صفوان سے مصالحت کی پیش کش کیا، اور انھیں جنگ کے انجام سے ڈرایا، لیکن عبداللہ بن صفوان جنگ کے لیے بضد رہے، (3) اور پھر بقیہ لوگوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ (4) دوسری طرف ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کی قلت تعداد کی بھرپائی کرتے ہوئے یہ ترکیب نکالی کہ اسے کئی گروہوں میں تقسیم کر دیا، اور ہر گروہ کو ایک مخصوص محاذ دے کر اس کی حفاظت کی ذمہ داری سونپ دیا، جس کا مقصد یہ تھا کہ پیچھے سے شامیوں کے حملہ سے وہ محفوظ رہ سکیں۔ (5)

مدائنی لکھتے ہیں کہ جنگ کا آغاز بروز اتوار صفر کی تیرہ تاریخ کو ہوا۔ حرم مقدس کی تعظیم کے پیش نظر طرفین سے کچھ لمحے کے لیے جنگ بندی ضرور (6) رہی لیکن پھر ان میں زبردست خونین جنگ ہوئی (7) جو بسا اوقات دیر رات تک جاری رہی۔ (8) واضح رہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کے لیے پیشگی جنگی مراکز قائم

---

(1) انساب الاشراف (٤/ ٣٣٨) باسنادی جمعی (قالوا) طبری (٥/ ٤٩٧) عن عوانه

(2) طبقات ابن سعد (٥/ ١٤٦) عن الواقدی، الاعلام/ بیاسی (٢/ ١٢٥٤) عن الواقدی

(3) انساب الاشراف (٤/ ٣٣٩) عن المدائنی

(4) المحن/ ابوالعرب (٢٠٣) عن ابی معشر)

(5) انساب الاشراف (٤/ ٤٣٤) باسناد حسن (٤/ ٣٤٧) عن الواقدی

(6) انساب الاشراف (٤/ ٣٤٠) عن المدائنی

(7) طبقات ابن سعد (٥/ ٤٧٦) عن الواقدی

(8) انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٣٤٧) عن الواقدی

کر رکھا تھا تا کہ طویل وکشادہ زمین پر قبضہ کر کے وہاں سے جنگی پیش قدمی کرنا آسان رہے۔ ❶

تاریخی مصادر کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگوں کا یہ میدان شمالی سمت میں کعبہ سے ابطح تک وسیع تھا، جب کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ وہاں کی دیگر تمام گزرگاہوں پر قبضہ جمانے میں کامیاب تھے، کیوں کہ وہاں کے اونچے اونچے پہاڑ طبعی طور پر ابن زبیر کی حفاظت کے لیے دیوار کا کام کر رہے تھے، جنگ کی تفصیلی حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابتداء میں ابن زبیر کی فوج کسی حد تک حصین بن نمیر کی فوج ساتھ مقابلہ کرنے میں برابر تھی۔ ❷ لیکن حالات حصین کے حق میں اس وقت بہت تیزی سے بدل گئے جب کہ ابن زبیر کو ان کے چنندہ ساتھی ❸ مثلاً ان کے دونوں بھائی منذر اور ابوبکر، نیز مصعب بن عبدالرحمٰن، حذافہ بن عبدالرحمٰن بن عوام، ❹ اور عمرو بن عروہ بن زبیر ❺ جیسے لوگ میدان میں دور دور تک نظر نہ آئے۔

حصین بن نمیر کو کامیابی ضرور ملی لیکن ایسی واضح برتری نہیں مل سکی کہ معرکہ اپنے انجام کو پہنچ جاتا، جس کی وجہ شاید یہ تھی کہ جس میدان میں یہ جنگ لڑی جارہی تھی اس کا دامن تنگ تھا جس سے خاطر خواہ مقابلہ آرائی نہیں ہو پا رہی تھی، چناں چہ ۶۴ھ کے ماہ ربیع الاول کے تین دن گزر جانے کے بعد حصین بن نمیر نے جنگی چال میں تبدیلی پیدا کیا اور جبل ابی قبیس ❻ وجبل قعیقعان ❼ پر منجنیق ❽ نصب کیا پھر کیا تھا جنگ میں اس جدید طرز قتال نے ابن زبیر کے جنگی مواقع کا دائرہ تنگ کر دیا، اور حصین بن نمیر ان سے ان دو اہم پہاڑوں کو چھیننے میں کامیاب ہو گئے۔ ❾ دراصل حرم کو گھیرے ہوئے ان دونوں پہاڑوں پر منجنیق نصب کرنے سے ان کا

---

❶ انساب الاشراف/ بلاذری (٤/ ٣٤٧) عن الواقدی

❷ طبقات ابن سعد (٥/ ١٥٩) عن الواقدی، المحن (٢٠٤) عن ابی معشر ابن عساکر، سوانح ابن مسعدة ص (٣٣٧) عن ابن سعد۔

❸ انساب الاشراف (٤/ ٤٣٥٠) عن الواقدی

❹ واقدی کی روایت سے ایسے ہی وارد ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کا نام خارجہ بن عبدالرحمٰن بن عوام ہے، جو اپنے چچا ابن زبیر کے ساتھ مکہ میں قتل کئے گئے۔ جمهرة قريش، زبير بن بكار (٣٦٢)

❺ عمرو بن عروہ بن زبیر کافی بہادر تھے، ابن زبیر کے ساتھ قتل کئے گئے۔ جمهرة قريش، زبير بن بكار (٣٦٢)

❻ ابوقبیس مکہ کا وہ معروف پہاڑ ہے جس کے دامن میں صفا پہاڑی واقع ہے۔ اخبار مكه/ ازرقی (١٦٦)

❼ قیقعان یہ مکہ کا دوسرا معروف پہاڑ ہے جو ابوقبیس کے مقابل میں واقع ہے اخشبین انھیں دونوں پہاڑوں کو کہا جاتا ہے۔ سقاء الغرام/ الفاسی (١/ ١٦)

❽ دور سے بڑے بڑے پتھر پھینکنے کے آلہ کو منجنیق کہتے ہیں، اس کو قلعوں اور شہروں کی فصیلوں کو توڑنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کے بارے میں تفصیلی جانکاری کے لیے دیکھیں: الجیش والقتال فی صدر الاسلام/ محمود احمد عواد (٣٩٦-٤٠٦)

❾ انساب الاشراف (٤/ ٣٣٩) عن ابی مخنف، اخبار مکه (١/ ١٩٩)، طبری (٥/ ٣٩٨) عن عوانه، المحن (٢٠٣) عن ابن معشر، العقد الفريد، ابن عبد ربه (٤/ ٣٩٢)

مقصد یہ تھا کہ ابن زبیر کو کعبہ کی پناہ لینے سے بے دخل کر دیں، اور حقیقت میں ایسا ہی ہوا کہ ان کی فوج کا کوئی بھی شخص منجنیق سے گرنے والے پتھروں کے خوف سے کعبہ کے قریب جانے کی ہمت نہیں کر سکا، ابن زبیر کے اہم مشیر کار اور معاون مسور بن مخرمہ انھیں پتھروں کی زد میں آ گئے اور فوت ہو گئے۔ [1] اب حصین بن نمیر کے سامنے ابن زبیر کا جنگی میدان کھل چکا تھا، اور منجنیق کے پتھروں سے بچاؤ کے لیے ابن زبیر کے پاس حجر کے علاوہ کوئی جگہ نہ رہی تھی۔ [2] ابن زبیر شدید ترین محاصرے میں گھر چکے تھے، اور ابطح میں اپنے پیشگی جنگی مواقع کو گنوانے کے بعد صرف مسجد حرام کے مالک رہ گئے تھے۔ [3] بتاتے چلیں کہ ابن زبیر اور حصین بن نمیر کے درمیان جب جنگ کی آگ بھڑکی تو خانہ کعبہ کو آگ لگ گئی، ابھی بلد حرام میں جنگ کی شروعات کو لے کر مسلمان اس فتنہ و مصیبت سے دوچار تھے کہ جس حرم کے اندر اللہ اور اس کے رسول نے جنگ کو حرم ٹھہرایا تھا اس میں قتال کیا جا رہا ہے، ایک دوسری مصیبت ان پر آن پڑی کہ خانہ کعبہ میں آگ لگ گئی۔

ادھر درمیان ربیع الاول ۶۴ھ [4] میں یزید بن معاویہ کی وفات ہو چکی تھی اور مکہ دارالحکومت دمشق کے درمیان طویل مسافت کی وجہ سے اب تک کسی کو اس کی خبر نہ تھی۔ ماہ ربیع الآخر کا چاند نکلنے کے بعد مکہ میں یزید کے وفات کی خبر ملی۔ [5]

۴۔ کعبہ کا نذر آتش ہونا:

عہد نبوی اور عہد صدیقی میں مسجد حرام کی کوئی دیوار نہ تھی کہ جس سے وہ گھرا ہوا ہو، بلکہ قریش والوں کے مکانات اس سے قریب تھے لیکن جب لوگوں کو کعبہ کا طواف وغیرہ کرنے میں تنگی محسوس ہوئی تو عمر رضی اللہ عنہ

[1] طبقات ابن سعد ط (۵/ ۴۷۶) بسند واقدی، نسب قریش مصعب الزبیری (۲۶۳) انساب الاشراف (۴/ ۳۴۴) عن المدائنی، مستدرک حاکم (۳/ ۵۲۳) تاریخ الاسلام حوادث ۶۱-۸۰ (۲۴۵-۲۴۷)

[2] المحن، ابو العرب (۲۰۳) عن ابی معشر

[3] تاریخ خلیفه (۲۵۱) ابن جریج تك باسناد صحیح۔

[4] انساب الاشراف (۴/ ۳۴۴) عن المدائنی، تاریخ خلیفه (۲۵۵) الاستیعاب۔ ابن عبدالبر (۳/ ۳۴۳)، البدایة والنهایة (۸/ ۲۲۸)، تعجیل المنفعة/ ابن حجر (۴۵۳)

[5] طبقات ابن سعد ط (۵/ ۴۷۶) عن الواقدی، طبری (۵/ ۴۹۸)، الازرقی (۱/ ۱۹۷) عن واقدی۔ کچھ روایتیں وارد ہیں جن سے یزید بن معاویہ کے وفات کی نوعیت و کیفیت واضح ہوتی ہے انھیں میں سے ایک یہ ہے کہ اسے بندر بہت پسند تھا، جسے اس نے ایک گدھی پر سوار کیا، اس نے پیچھے سے لات ماری، جس کی چوٹ یزید کو لگی اور وہ گر گیا، پھر اس کے پیر سے یزید کی گردن کچل گئی اور وہ مر گئے۔ اس کے علاوہ اور دیگر روایتیں جو اسے آوارگی اور شراب نوشی سے متصف کرتی ہیں وہ بے بنیاد ہیں، وہ یا تو منقطع ہیں یا حد درجہ ضعیف ہیں جن کے راوی کذاب ہیں، ایسی روایتوں کی تشہیر کا مقصد کسی عاقل سے مخفی نہیں ہے۔ ایسی روایتوں کے لیے علی سبیل المثال دیکھیں: انساب الاشراف (۴/ ۲۸۷)، الحیوان/ جاحظ (۴/ ۶۶)، الامالی / ابو القاسم زجاج ص (۴۵) المخصص/ ابن سیده (۱۳/ ۱۷۷) مروج الذهب (۳/ ۷۷) نهایة الارب (۹/ ۳۳۷)

نے اس سے متصل مکانات کو خرید کر انھیں منہدم کر دیا اور مسجد حرام کی توسیع کر دی، پھر قدِ آدم سے کچھ نیچے ایک چھوٹی دیوار تعمیر کر دیا جس پر رات کی روشنی کے لیے چراغ رکھے جاتے تھے۔ [1]

اور جب عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے مسجد حرام میں مزید توسیع کیا، اس کے قرب و جوار کے گھروں کو خریدا اور پھر انھیں مسجد کے دائرہ میں شامل کر دیا، بیان کیا جاتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے مسجد حرام کے برآمدے بنوائے۔ [2]

بہر حال جب حصین بن نمیر، ابن زبیر اور ان کے ساتھیوں کو گھیرنے میں کامیاب ہو گئے اور کعبہ کے ارد گرد ان پر پتھروں کی بارش شروع کیا تو ابن زبیر نے خانہ کعبہ کے ارد گرد اور مسجد پر پتھر کی بڑی بڑی تختیاں رکھ دیں اور انھیں فرش سے ڈھانپ دیا، تاکہ حرم کو گھیرے ہوئے بلند بالا پہاڑوں کی بلندیوں سے ان پر جو پتھر گریں ان سے حفاظت ہو سکے اور وہ لوگ پورے امن وامان کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف اور مسجد حرام میں نماز ادا کر سکیں۔ [3] ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے مسجد حرام میں خیمہ لگا دیا تھا، جس میں خواتین اس مقصد سے قیام کرتی تھیں کہ وہ مریضوں کو پانی پلائیں گی اور بھوکوں کو کھانا کھلائیں گی۔ [4]

پس حالات کا طبعی تقاضا تھا کہ یہ خیمہ خانہ کعبہ سے قریب اور اس کے مغربی سمت میں ہوگا کہ منجنیق کے پتھروں سے انھیں پوری پوری حفاظت ہو سکے، اس کے علاوہ ابن زبیر نے مسجد حرام میں دیگر خیمے بھی بنا رکھے تھے جو غالباً دوران جنگ جنگجوؤں کو راحت لینے کے لیے تھے، یہی خیموں کی کثرت، اور تختیوں پر بچھے ہوئے کپڑوں کے فرش بعد میں کعبہ میں آگ لگنے کا سبب بن گئے، یہ بات اپنی جگہ متفق علیہ ہے۔ صرف اختلاف اس بات میں ہے کہ آگ لگائی کس نے؟ یا وہ کون تھا جس نے شروع میں ایک خیمہ نذر آتش کیا اور پھر یکے بعد دیگرے دوسرے خیمے جلنے لگے یہاں تک کہ آگ خانہ کعبہ تک پہنچ گئی اور وہ جلنے لگا؟

چناں چہ اس سلسلے میں عروہ بن زبیر کا خیال ہے کہ حصین بن نمیر کی وجہ سے آگ لگی تھی کیوں کہ انھوں نے جب اپنے لشکر سے کہا: کہ اس خیمے سے - جسے ابن زبیر نے زخمیوں کے علاج کے لیے لگائے تھے-

---

[1] صحیح البخاری مع الفتح (۷/ ۱۸۰)

[2] فتوح البلدان (۱/ ۵۳) اخبار مکۃ/ ازرقی (۲/ ۶۸-۶۹)، طبری (۴/ ۲۵۱) شفاء الغرام/ الفاسی (۱/ ۲۲۴)

[3] اخبار مکہ/ ازرقی (۱/ ۱۹۹) عن واقدی، المحن/ ابوالعرب (۲۰۳) عن ابو معشر، العقد الفرید (۴/ ۳۹۲) عن ابی معشر۔

[4] ابن عساکر، سوانح ابن زبیر (۴۷۴) بسند طبرانی، مجمع الزوائد (۷/ ۲۳۵) ہیثمی کہتے ہیں کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے، اس میں عبدالملک بن عبدالرحمٰن الذماری راوی ہیں جنھیں ابوزرعہ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے، جب کہ ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابن حجر نے ان پر صدوق ہونے کا حکم لگایا ہے۔ التقریب (۳۶۲) العقد الفرید (۴/ ۳۹۲) عن ابو معشر۔

یکے بعد دیگرے جوانمرد ایسے نکل رہے ہیں جیسے شیر اپنے کچھار سے نکلتے ہیں (ان کی مراد ابن زبیر وان کے رفقاء تھے) پس کون ہے جو ہماری طرف سے ان کے لیے کافی ہو!! یہ سن کر اہل شام کا ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا: میں، پھر جب رات کی تاریکی نے اپنی چادر پھیلائی تو اس نے اپنے نیزے کی نوک پر چراغ کی بتّی رکھی، پھر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، اور پھر خیمہ کے پاس پہنچ کے نیزہ اس میں دھنسا دیا جس سے آگ کی شعلے پھوٹ پڑے، کعبہ ان دنوں قالین نما خوبصورت دبیز چادر سے ڈھکا ہوا تھا اور اس پر ریشمی چادر ڈالی ہوئی تھی، ہوا کی تیز جھونکوں سے خیموں میں لگنے والی آگ کی یہ لپٹیں خانہ کعبہ تک پہنچ گئیں اور وہ جل گئیں۔ [1]

جب کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ایک ساتھی ابن عون کا بیان ہے کہ خانہ کعبہ میں آگ ہماری ہی وجہ سے لگی تھی۔ مسلم بن ابی خلیفہ مذحجی نام کا ہمارا ایک آدمی تھا، وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر خانہ کعبہ کے بغل میں چولہے کی لکڑی میں آگ جلا رہا تھا، اس نے تیل لگے اپنے نیزے سے آگ اٹھائی، اس دن تیز ہوا چل رہی تھی، اس آگ کی ایک چنگاری اڑی اور خانہ کعبہ پر جا گری اور وہ جل کر خشک لکڑی کے مانند ہو گیا، ہم نے ان سے کہا: یہ تمھارا اپنا کیا کرایا ہے، تم نے اللہ عظیم کے گھر کو آگ اور تیل سے جلا دیا، لیکن انھوں نے اس کا انکار کیا۔ [2] رہے مدائنی، تو آپ ابوبکر الھذلی سے ایک تیسری ہی تفسیر و توجیہ نقل کرتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ جب شام والوں نے ابن زبیر کا محاصرہ کر لیا تو ابن زبیر نے رات میں پہاڑ کی بلندی سے ایک تیز آواز سنی، جس سے وہ ڈرے کہ شاید شام والے ان تک پہنچ گئے ہیں، رات کافی تاریک اور تیز ہواؤں والی تھی، بادل کے گرج اور بجلی کی کڑک اپنی جگہ، چناں چہ انھوں نے لوگوں کو دیکھنے کے لیے اپنے نیزے پر آگ کو روشن کیا، پھر اتفاق سے تیز ہوا میں وہ آگ وہاں سے اڑ کر کعبہ کے پردوں پر جا گری جس سے خانہ کعبہ جل کر خاکستر ہو گیا، لوگوں نے اسے بجھانے کی بڑی جدوجہد کیا لیکن ناکام رہے۔ [3]

---

[1] تاریخ خلیفہ بن خیاط، ابن جریج تك بسند صحیح ص (۲۵۲)، اخبار مکه/ ازرقی (۱۹۹-۲۰۰) بسند ضعیف، طبری (۵/ ٤٨٨) بسند واقدی، المحن (۲۰۳، ۲۰٤) عن ابی معشر، اخبار مکه/ فاکهانی (۲/ ۳٥٤، ۳۵۵) بسند عروه۔ محقق کتاب لکھتے ہیں: اس کی سند حسن ہے حالاں کہ ایسی بات نہیں ہے۔ مستدرك حاکم (۳/ ۵۰۰، ۵۵۱) بسند واقدی، العقد الفرید (٤/ ۲۹۲) عن ابومعشر، ابونعیم (۱/ ۳۳۱) بسند طبرانی، ابن عساکر سوانح ابن زبیر (٤٧٤) بسند طبرانی، مجمع الزوائد/ هیثمی (۷/ ۲۵۳) انھوں نے کہا: اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اس میں عبدالملک زماری نام کے اروی ہیں جن کی ابن حبان نے توثیق کی ہے، جب کہ ابوزرعہ وغیرہ نے ان کی تضعیف کی ہے، ان کے بارے میں ابن حجر لکھتے ہیں: صدوق۔ التقریب (۳٦۳)

[2] اخبار مکه/ ازرقی ص (۱۹۸) بسند واقدی، طبری (۵/ ٤۹۹) بسند واقدی، الاغانی/ الفرج اصبهانی (۲۱/ ۱۰٦)

[3] انساب الاشراف (٤/ ۳٤٨) عن الواقدی۔ الاغانی (۳/ ۲۷۷) ابن الجوزی، المنتظم (٦/ ۲۲) ابن کثیر (۸/ ۲۲۸)

ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ مسجد حرام میں وہ لوگ خانہ کعبہ کے ارد گرد آگ جلاتے تھے، اتفاق سے وہ ایک طرف سے کعبہ کے پردے کو چھو گئی جس سے وہ جل گیا۔ ❶

ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک چوہے نے چراغ کی ایک بتی کھینچی جو اتفاق سے خانہ کعبہ کے ارد گرد رکھے ہوئے سامانوں میں جا گری پھر وہاں آگ لگ گئی، اور تیز ہوا کی وجہ سے اس کی چنگاریاں پردے کے دوسرے حصے تک پہنچ گئیں۔ ❷

مذکورہ تمام روایتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ آگ جیسے بھی لگی ہو بہر صورت کسی کا مقصد خانہ کعبہ کو نذر آتش کرنا ہرگز نہیں تھا، خیموں میں آگ لگنے کی وجہ سے خانہ کعبہ میں آگ لگی اور ہواؤں کے تیز جھونکے اس آگ کو پورے خانہ کعبہ کو اپنی زد میں لینے کا اصل سبب بن گئے، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ کعبہ میں آگ لگنے کی وجہ سے فریقین کے دونوں ہی لشکر اللہ کے ڈر اور گھبراہٹ سے حواس باختہ ہو گئے، ❸ چناں چہ کعبہ کو جلتے دیکھ کر اہل شام میں سے ایک شخص نے بلند آواز سے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے دونوں فریق ہلاک ہو گئے۔ ❹ جب کہ ابن زبیر کے ساتھیوں کا یہ عالم تھا کہ وہ سب کے سب ایک عورت کے جنازے میں اس ڈر سے نکل گئے کہ کہیں ان پر اللہ کا عذاب نہ آ جائے، وہ عورت اسی رات فوت ہوئی تھی جس رات خانہ کعبہ میں آگ لگی تھی، اور ابن زبیر سجدہ ریز ہو کر دعا کر رہے تھے: اے اللہ! یہ جو کچھ پیش آیا میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا، میرے گناہوں کی وجہ سے اپنے بندوں کو ہلاک نہ کر، یہ میری پیشانی تیرے سامنے سجدہ ریز ہے۔ ❺

اہل شام اپنی جہالت کی وجہ سے اگر چہ ابن زبیر اور ان کے مقام و مرتبہ سے ناواقف تھے، ❻ لیکن یہ کہنا ناممکن اور محال ہے کہ وہ کعبہ اور اس کی اہمیت و عظمت سے ناواقف رہے ہوں، ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے، وہ صاحب ایمان تھے، اور ابن زبیر کے محاصرے کے وقت خانہ کعبہ ہی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ ❼

پس یہ بات محال ہے کہ ان میں سے کسی نے خانہ کعبہ کو جلانے کو ارادہ کیا ہو، یا حصین بن نمیر نے اس

---

❶ طبری (٥/ ٤٩٨) عن واقدی، تاریخ اسلام حوادث ٦١-٨٠ ص (٣٤)، ابن کثیر (٨/ ٢٢٨)

❷ انساب الاشراف (٤/ ٣٤٨) عن الواقدی

❸ اخبار مکہ/ ازرقی (١/ ٢٠٣)

❺ تاریخ خلیفہ (٢٥٢) باسناد صحیح، ابن جریج نے عبدالرحمٰن بن ابوعمار سے سماع کی صراحت کی ہے۔

❻ الاغانی/ ابوالفرج (٣/ ٢٢٧) عن مدائنی

❼ اہل شام کے بعض لوگ ابن زبیر کو یا ابن ذات النطاقین کہہ کر پکارتے تھے، طبقات المحدثین باصبہان/ ابو شیخ اصبہانی (١/ ١٩٨) محقق کے بقول ''اس اسناد کے تمام رجال ثقہ ہیں۔''

سلسلہ میں کبھی سوچا بھی ہو۔ ❶

ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بعض اقارب اور بعض اسلاف و علماء محققین نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی اس محاصرہ کے دوران خانہ کعبہ کو نذر آتش کرنے کا انھیں ذمہ دار نہیں ٹھہرایا ہے۔ حتی کہ امام مسلم کے راویوں میں سے کبار تابعین میں سے بھی کسی نے کسی کو خانہ کعبہ کو بالقصد جلانے سے متہم نہیں کیا ہے۔ ❷

ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اس محاصرے کے دوران کعبہ جل گیا۔ ❸

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پھر لشکر ابن زبیر سے جنگ کرنے کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہوگیا، انھوں نے مکہ میں ان کا محاصرہ کرلیا، اور کعبہ جلا دیا گیا۔ ❹

اس طرح خانہ کعبہ میں آگ لگنا ایک حادثاتی واقعہ تھا، اسے جلانے کا کسی نے قصد و ارادہ نہیں کیا تھا، لہٰذا اس بات کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ کعبہ میں آگ لگنے کے تعلق سے اموی لشکر کی طرف سے دفاع کیا جائے اور اسے اس سے بری الذمہ ٹھہرانے کی کوشش کی جائے جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں۔ ❺

خلاصہ کلام یہ کہ بلا شبہ اہل شام میں سے کسی نے بھی کعبہ معظّمہ کی توہین کا ارادہ نہیں کیا بلکہ سارے کے سارے مسلمان اس کی تعظیم کرنے والے رہے، ان کا مقصد صرف ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کرنا اور ان پر منجنیق سے پتھروں کی بارش کرنا تھا نہ کہ وہ کعبہ کو نشانہ بنا رہے تھے، باتفاق مسلمین نہ یزید نے کعبہ کو ڈھایا نہ اسے آگ لگانے کا قصد کیا، اور نہ ہی ان کے ماتحتوں و نائبوں نے ایسا کوئی قدم اٹھایا۔ ❻

زیر بحث موضوع کا ایک رخ یہ ہے کہ کعبہ معظّمہ میں کس وقت آگ لگی تھی؟ سو اس سلسلے میں تاریخی مصادر مختلف معلومات فراہم کرتے ہیں۔ بعض مصادر میں ہے کہ کعبہ کی آتش زدگی اور ابن زبیر کا محاصرہ ٹوٹنے کے درمیان انتیس (۲۹) راتوں کا فاصلہ تھا۔ ❼ اور یزید کے موت کی خبر جیسا کہ معلوم ہے مکہ اس وقت

---

❶ الاصابة/ ابن حجر (٤/ ٩٤) زبیر بن بکار سے بسند صحیح۔

❷ صحیح مسلم مع النووی (٩/ ٩٢)

❸ الاستیعاب (٣/ ٢٤٣)

❹ تعجیل المنفعة ص (٤٥٣)

❺ تاریخ مكه، السباعی ص (٩٦) حریق الكعبه/ العرنیان ص (٥٧) خراب الكعبه/ محمد ابراهیم الشیبانی ص (١٦) دفاع کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ عام طور سے یہ افواہ اس قدر پھیلائی گئی ہے کہ عام لوگ یہی سمجھ بیٹھے کہ یزیدی فوج نے خانہ کعبہ کی حرمت کو پامال کرتے ہوئے اسے نذر آتش کردیا۔ (ش)

❻ منهاج السنة/ ابن تیمیة (٤/ ٥٧٧)

❼ اخبار مكه/ ازرقی (١/ ١٩٧) عن الواقدی

پہنچی تھی جب ربیع الآخر کا پہلا چاند طلوع ہوا تھا، جب کہ بعض مصادر کے اعتبار سے یہ آگ ربیع الاول کی تین راتیں گزرنے کے بعد لگی تھی۔ ❶ اور بعض میں ہے کہ ربیع الاول کی چھ (٦) راتیں گزرنے کے بعد آگ لگی تھی۔ ❷

لیکن جب ہم ان تاریخوں کا بغور جائزہ لیتے ہیں جن میں خانہ کعبہ کی آتش زدگی کا ذکر ہے تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس تعلق سے روایتیں صریح نہیں ہیں، کیوں کہ آگ لگنے کا حادثہ اس وقت پیش آیا تھا جب مسجد حرام میں خیمے نصب کئے جا چکے تھے، اور یہ خیمے اس وقت لگائے گئے تھے جب پہاڑوں پر منجنیقیں نصب کر کے وہاں سے سنگ باری کی جا رہی تھی، اور یہ منجنیق جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے ربیع الاول کی تین تاریخیں گزرنے کے بعد نصب کی گئی تھیں، اس طرح یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ آتش زدگی کا یہ واقعہ اس فترہ کے بعد ہی پیش آیا ہوگا اور روایتوں میں یہ مذکور ہے کہ قتال کچھ عرصہ کے لیے جاری رہا جس میں زخمیوں کا علاج مسجد حرام میں ہوتا تھا، اس موضوع کے تعلق سے ابو معشر کی ایک روایت ملتی ہے جو آتش زدگی کی مدت بالتحدید بیان کرنے میں صحت سے قریب تر معلوم ہوتی ہے چناں چہ انھوں نے کعبہ کی آتش زدگی کے بعد کہا❸ کہ اہل شام کعبہ میں آگ لگنے کے بعد کچھ دونوں تک ٹھہرے رہے۔ ❹ پھر انھیں سے بالتحدید یہ منقول ہے کہ یزید بن معاویہ کی وفات کی خبر آنے سے گیارہ دن پیشتر کعبہ میں آتش زدگی کا حادثہ پیش آ گیا۔ ❺

اس طرح یہ جنگ جو ابن زبیر اور حصین بن نمیر کے درمیان جاری رہی اس کا ایک اہم نتیجہ یہ سامنے آیا کہ کعبہ معظّمہ آتش زدگی کا شکار ہوگیا، اور نبی اکرم ﷺ کی وہ پیشین گوئی بطور معجزہ ثابت ہوگئی جس میں آپ نے فرمایا تھا:

((یبایع رجل بین الرکن والمقام، و لکن یستحل هذا البیت الا اهله .))❻

''رکن اور مقام (ابراہیم) کے درمیان ایک شخص بیعت (خلافت) لے گا اور اس گھر کو کوئی شخص

---

❶ اخبار مکه/ ازرقی (١/ ٢٠٣) عن ابن جریج مرسلاً۔ طبری (٥/ ٤٩٨) عن الواقدی۔ ابن عساکر، سوانح ابن زبیر (٣٥٣) بسند ابوبکر بن عیاش محاضرة الابرار (٨/ ٢٦٣) بسند ازرقی۔

❷ العقد الفرید/ ابن عبد ربه (٤/ ٣٩٢)

❸ المحن/ ابو العرب (٢٠٤)

❹ العقد الفرید/ ابن عبد ربیه (٤/ ٣٩٢)

❺ المحن/ ابو العرب (٢٠٤)، العقد الفرید/ ابن عبدربه (٤/ ٣١٣)

❻ مسند طیالسی (٣١٢، ٣١٣) اثر نمبر (٢٣٧٣) مصنف ابن ابی شیبة (١٥/ ٥٢، ٥٣) (١٩٩١) مسند احمد بن حنبل (٢/ ٩١) (٣١٢، ٣٢٨، ٣٥١)، بروایة علی بن جعد، المسند (٢/ ١٠٠٥) (٢٩١١) مستدرك حاکم (٤/ ٤٥٢، ٤٥٣) سلسلة الاحادیث الصحیحة، البانی (٢/ ١٩٩-١٢٠) ٥٧٩)

ہرگز حلال نہیں کرے گا مگر وہ جو اسی کا ماننے والا ہوگا۔‘‘

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

((كيف انتم اذا مرج الدين و ظهرت الرغبة، واختلفت الاخوان، وحرق البيت العتيق.)) ❶

’’اس وقت تمھاری کیا حالت ہوگی جب دین فتنہ کی زد میں ہوگا، اور خواہشات کا غلبہ ہوگا اور بھائی بھائی آپس میں دست گریباں ہوں گے اور خانہ کعبہ جلا دیا جائے گا۔‘‘

پس یہ نبوی معجزہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد اہل دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

۴......مخالفت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا تجزیہ

جب ہم ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی تحریک کا تجزیہ کرنے اور جس مدت میں یہ تحریک اٹھی اس میں اس معاشرہ پر اس کے اثرات کا تجزیہ کرنے کے لیے قلم اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں اس مخالفت کے ایک ہی پہلو پر اپنی بحث وتمحیص کو سمیٹنا پڑتا ہے کیوں کہ ابن زبیر اور حصین بن نمیر دونوں ہی اس قتال میں جو مکہ میں پیش آئی تھی کسی واضح نتیجہ تک نہیں پہنچ سکے، اور یزید بن معاویہ کی وفات اس مخالفت کے بنیادی سبب کے لیے حد فاصل بن کر کھڑی ہوگئی، یعنی وفات کی خبر پانے کے بعد حصین بن نمیر نے بلاد شام کی طرف اپنی فوج کی واپسی شروع کردی، کیوں کہ اس لشکر کشی جو متعدد اسباب میں سے ایک اصل اور بنیادی سبب کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی مخالفانہ تحریک کو جن نعروں میں پیش کیا گیا ہے اس اعتبار سے اس کا تجزیہ اور اس پر بحث وگفتگو ممکن نہیں ہے، کیوں کہ اس مخالفت میں جو بھی صداقت رہی ہو اور حسن نیت کی جو بھی علامتیں نظر آتی ہوں، تاہم صرف انھیں پر کان دھرتے ہوئے ان نابغہ روزگار اور چیدہ وچنندہ شخصیتوں کے مواقف کو نظر انداز نہیں کر سکتے جنھوں نے اس مخالفت کے دور میں زندگی گزارے اور اس کے خدو خال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، کیوں کہ وہی اس کے حقیقی گواہ ہیں، نیز ابن زبیر کی تحریک کے بارے میں حکم لگانے کے لیے وہی لوگ قاضی وحاکم کے درجہ میں ہیں، بنابریں میں ان میں سے اپنے زمانے کے سب سے زیادہ بابصیرت و دور اندیش اور افضل ترین لوگوں کے مواقف ذکر کروں گا۔

---

❶ مسند احمد (٦/ ٣٣٣)، الفتح الربانی/ الساعاتی (٢٢/ ٣٨٦) المعجم الکبیر، طبرانی (٢٤/ ١٠) ہیثمی نے مجمع الزوائد ٧/ ٣١٠، ٣٢٠) میں فرمایا ہے کہ اسے احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں اتنی زیادتی ہے کہ: و شرف النبیان و اختلف الاخوان اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

ا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا موقف:

ابن عمر رضی اللہ عنہ جو کہ اپنے دور کے افضل ترین اور فقہ و بصیرت کے سرتاج تھے، وہ یزید بن معاویہ کی خلافت کی مخالفت میں ابن زبیر کی تحریک سے راضی نہیں تھے، اس لیے کہ آپ کی نگاہ میں یزید بن معاویہ کی شخصیت مسلمانوں کے لیے شرعی خلیفہ کی نمائندگی کرتی تھی، انھوں نے خود یزید کی خلافت پر بیعت کی تھی اور اس سے خروج کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ آپ اس مخالفت کے بھیانک انجام کو جانتے تھے، اور آپ کو یہ احساس تھا کہ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں میں باہمی جنگ وخونریزی ہوگی، لوگ مارے جائیں گے، امت آزمائش کا شکار ہو جائے گی، سرحدیں معطل اور جہاد فی سبیل اللہ کی تحریک موقوف ہوجائے گی، اس کے علاوہ بھی بہت سے ایسے اندیشے تھے جنھیں لامحالہ واقع ہونا تھا۔

چناں چہ آپ نے لوگوں کو ابن زبیر کی تائید وحمایت سے روکنے کے لیے فرمایا: ابن زبیر کی لڑائی دنیا کے لیے ہے۔ [1] آپ لوگوں کو خبردار کرتے رہتے، اور یہ کہہ کر ڈراتے رہے کہ ابن زبیر کی حمایت ونصرت میں ان کی لڑائی درحقیقت اقتدار کی لڑائی ہے۔ [2] آپ ابن زبیر اور ان کے مویدین کو اس نگاہ سے دیکھتے تھے کہ یہ لوگ خلیفۃ المسلمین کے باغی ہیں۔ آپ ان سے جنگ کی تمنا کرتے تھے کیوں کہ انھوں نے بنوامیہ کے خلاف تحریک بغاوت کا علم اٹھایا تھا۔ [3] آپ نے صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ابن زبیر کو برابر نصیحتیں کرتے رہے اور انھیں فتنوں کے انجام سے ڈراتے رہے، اور تنبیہ کرتے رہے کہ اس مخالفت کا آخری نتیجہ بہرحال مایوس کن ہی ہوگا۔ [4]

یہ موقف تھا اپنے زمانے کے شیخ الصحابہ کا جو کہ بلا اختلاف فقیہ الامہ ہوا کرتے تھے، وہ اس فتنہ کو ہلاکت خیزیوں کو پہچانتے تھے اور جانتے تھے کہ اس مخالفت کے نتائج بڑے ہی خطرناک اور دھماکہ خیز ہیں، اور جس اصلاح ومصلحت کی خاطر ابن زبیر نے یہ تحریک چلائی ہے اس سے پیدا ہونے والے نقصانات و مفاسد اس سے بڑھ کر ہیں، اور وہی ہوا جو کچھ آپ سوچ رہے تھے، جیسا کہ سابقہ بحث میں آپ نے اس کی

[1] مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۸۰) (۱۰۷۰۸) بسند صحیح۔ ابن سعد ط (۵/ ۴۷۲) بسند صحیح۔

[2] صحیح البخاری مع الفتح (۸/ ۳۲) (۴۵۱۳) التفسیر۔ مسند احمد (۸/ ۵۷) (۵۶۹۰) احمد شاکر لکھتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔ المعجم الاوسط/ طبرانی (۱/ ۲۶۵)

[3] اس کی تخریج معرکہ حرہ کی بحث میں گذر چکی ہے۔

[4] صحیح مسلم مع النووی (۱۶/ ۹۸)، ابن سعد ط (۵/ ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۲۰) صحیح سندوں سے دلائل النبوۃ، ابونعیم (۶/ ۱۸۵) مستدرك حاكم (۳/ ۵۵۳)، مجمع الزوائد / هیثمی (۷/ ۲۵۶) آپ نے لکھا ہے کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

تفصیل پڑھ لی ہے۔

۲۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا موقف:

ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے مخالفت کے تعلق سے تنہا ابن عمر کا ہی یہ موقف نہ تھا بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں ان سے بھی سخت واقع ہوئے تھے، ان سے کہیں یہ بات منقول نہیں ہے کہ آپ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے اس معاملہ میں راضی تھے، یا ان کے ساتھ ہمدردی کرنے والے تھے، بلکہ یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد آپ نے ان سے بیعت نہیں کیا اور برملا یہ کہا کہ جب وہ بنوامیہ کی خلافت کے ماتحت تھے تو ابن زبیر کی حکومت کے مقابل زیادہ بھلائی میں تھے۔ [1] حتی کہ آپ ابن زبیر کی شخصیت سے بھی خوش نہ تھے اور معاویہ بن ابی سفیان کو ان سے بہتر وافضل ٹھہراتے تھے۔ [2] بلکہ بہت سارے معاملات میں ابن زبیر کے خلاف ہی رہتے تھے۔ [3] اور خانہ کعبہ میں قتال کی جو صورت پیش آئی ایک حد تک ابن زبیر کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتے تھے۔ [4]

۳۔ ابو برزہ اسلمی [5] اور جندب بن عبداللہ البجلی [6] رضی اللہ عنہما کا موقف:

جلیل القدر صحابی رسول ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ابن زبیر حقیقت میں دنیاوی قیادت کے لیے لڑ رہے تھے۔ [7] اسی طرح جندب بن عبداللہ البجلی بھی یہی رائے رکھتے تھے کہ ابن زبیر صرف حکومت وسلطنت کے لیے لڑ رہے ہیں۔ [8] اس وقت مسلمانوں میں منتشر ان فتنوں کے تعلق سے یہ رائے قائم کر کے ان دونوں کا یہ مقصد تھا کہ ہر وہ شخص جو ابن زبیر کی تحریک میں شامل ہو رہا ہے، یا ان کی اور حصین بن نمیر دونوں میں سے کسی کی تحریک میں شامل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے اسے ایسے اقدام سے باز رکھا جائے۔

---

[1] صحیح البخاری مع الفتح (۸/ ۱۷۷)

[2] مصنف عبدالرزاق (۱۱/ ۴۵۳)، (۲۰۹۸۵) بسند صحیح۔ الآحاد و المثانی، ابن ابی عاصم (۱/ ۳۷۸) بسند صحیح۔ طبری (۵/ ۳۳۷) بسند حسن۔ المعجم الکبیر، طبرانی (۵/ ۳۳۷) سیر اعلام النبلاء (۳/ ۱۵۳) غالباً معرکہ جمل میں زبیر بن عوام اور ان کے بیٹے عبداللہ کا جو کردار تھا اس تعلق سے آپ کی رائے تھی کیوں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ کے مویدین میں سے تھے۔

[3] مسند احمد (۴/ ۲۳، ۵/ ۶۲۶، ۶/ ۳۴۴)

[4] صحیح البخاری مع الفتح (۸/ ۱۷۷ (۴۶۶۵)

[5] آپ کا نام نضلہ بن عبید صحابی رسول ہیں، اپنی کنیت سے مشہور ہیں، فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور رسول کے ساتھ سات غزوات میں شریک رہے، پھر بصرہ چلے گئے اور خراسان میں غزوہ کیا، آپ کی وفات ۶۵ھ میں ہوئی۔ التقریب (۵۶۳)

[6] آپ جندب بن عبداللہ بن سفیان البجلی ہیں، کم عمر صحابی رسول ہیں اولاً کوفہ پھر بصرہ میں قیام پذیر رہے، انھیں جندب الخیر کہا جاتا تھا، ابن زبیر کی امارت تک زندہ رہے۔ الاصابۃ (۵۰۹)

[7] صحیح البخاری مع الفتح (۱۳/ ۷۴) (۷۱۱۲)، مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/ ۱۴)، سنن بیہقی (۸/ ۱۹۳)

[8] مسند احمد (۴/ ۶۳، ۵/ ۳۶۷، ۳۷۳، ۳۷۵) الفتح الربانی (۲۳/ ۱۸۴) بسند صحیح۔

دراصل ان اَجلہ صحابہ اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں کا ابن زبیر کی مخالفت کے تعلق سے جو یہ نظریہ تھا وہ اس اساس پر قائم تھا کہ ابن زبیر کا یہ اقدام انتہائی پرفتن اور خطرناک ہے، کیوں کہ یہ لوگ اسلامی وحدت و صف بندی کو باقی رکھنے کے لیے کوشاں تھے، اور معرکہ جمل وصفین کے پُرفتن عہد کو ماضی قریب ہی میں دیکھا تھا، اور ابھی ان فتنوں اور قتل وخونریزیوں سے وہ اطمینان بخش سانس بھی نہیں لے پائے تھے کہ انھیں اس نئے فتنے کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا کہ جس کی قباحت اور المنا کی سابقہ فتنوں سے کچھ کم نہ تھی۔

اس میں ادنی شک نہیں کہ یہ اور ان جیسے دیگر اصحاب رسول کو حرم میں ابن زبیر کی پناہ گزینی اور پھر وہاں جنگ وقتال نے سخت صدمہ پہنچایا تھا، حرم معظم زمانہ جاہلیت میں کفار ومشرکین کی نگاہوں میں انتہائی مقدس حیثیت کا حامل تھا اور وہ اس کی حرمت وتعظیم کا پورا پورا خیال رکھتے تھے، پھر اسلام آیا تاکہ بیت اللہ الحرام کی عظمت وتقدس کو دوبالا کردے، نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر حرم مکہ اور مکہ کی تعظیمی حیثیت کو مزید تاکید عطا فرمائی، ہر دور میں مسلمان اس کی تعظیم کرتے رہے اور اپنے دلوں میں اسے بہت اونچا اور افضل مقام دیتے رہے، چناں چہ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: اگر میں اس (مسجد حرام) میں خطاب کے قاتل کو پاؤں تو اسے ہاتھ نہیں لگاؤں گا جب تک کہ وہ اس سے نکل نہ آئے۔ [1] ذرا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھیں کہ جب بلوائیوں نے آپ کا محاصرہ کرلیا تو آپ نے حرم کا رخ نہیں کیا کہ مبادا اللہ کے حرم میں الحاد نہ پیدا ہو جائے۔ [2] جب کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حرم کے بارے میں فرماتے ہیں: اگر میں اس میں عمر کے قاتل کو پاجاؤں تو میں اسے وہاں سے نہیں دوڑاؤں گا۔ [3]

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: اگر کوئی شخص کھلی عداوت کی وجہ سے حرم میں الحاد کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب چکھائے گا۔ [4] اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿و من یرد فیه بالحاد بظلم نذقه من عذاب الیم﴾ (الحج:۲۵) کی تفسیر میں فرمایا کہ حرم میں الحاد سے مراد ایک ادنی خادم یا اس سے بڑھ کر کسی پر ظلم کرنا۔ [5] یہاں یہ بتاتے چلیں کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تحریک کے لیے مکہ سے نکل کر کوفہ کا جو رخ کیا تھا اس کی ایک وجہ ان کا یہ خوف واندیشہ بھی تھا کہ کہیں مکہ میں جنگ و

[1] مصنف ابن ابی شیبة (۵/ ۱۵۳) [2] مسند احمد (۱/ ٦۷)

[3] مصنف ابن ابی شیبة (۵/ ۱۵۳)

[4] مسند احمد (٦/ ٦۵-٦٦) (٤۰۷۱) شیخ احمد شاکر فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔ ابن کثیر نے تفسیر (۵/۴۰۷) میں فرمایا ہے کہ یہ روایت بخاری کی شرط پر ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۷/ ۷۰) میں فرمایا ہے: رواہ احمد و ابو یعلی و البزار ، و رجال احمد رجال الصحیح۔

[5] مصنف ابن ابی شیبة (۵/ ۱۵۱)

جدال نہ پیش آجائے اور پھر اس کی حرمت کو حلال کرنا پڑے۔ [1]

لیکن جب ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ کو اپنی پناہ گاہ بنالیا اور وہاں سے یزید بن معاویہ کی مخالفت کا اعلان کیا تو بہت سارے صحابہ کو یقین آ گیا کہ اب عنقریب ہی مکہ یزید اور ابن زبیر کے درمیان جنگ کی آماج گاہ بن کر رہے گا، اسی لیے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ابن زبیر کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا: اے ابن زبیر! حرم میں الحاد کرنے سے اپنے کو بچاؤ، میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے فرماتے ہوئے سنا:

((یحلها ویحل به رجل من قریش لو وزنت ذنوبه بذنوب الثقلين لوزنتها .))

''اسے حلال کرلیا جائے گا اور قریش کا ایک آدمی اسے حلال کرے گا، اگر اس کے گناہوں کو ثقلین (جنات وانسان) کے گناہوں سے وزن کیا جائے تو ان کے برابر ہو جائے گا۔''

یہ سن کر ابن زبیر نے کہا: اے ابن عمرو! دیکھو کہیں تمھیں وہ آدمی نہ ہو، کیوں کہ تم نے کتابوں کو پڑھا ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہو، ابن عمرو بن عاص نے فرمایا: میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میرا یہ چہرہ اب مجاہد کی حیثیت سے شام کی طرف متوجہ ہو رہا ہے۔ [2] چوں کہ عثمان رضی اللہ عنہ اس حدیث کو جانتے تھے، اس لیے جب مدینہ میں آپ کا محاصرہ ہوا تو مکہ جانے سے آپ نے صاف انکار کر دیا۔ [3]

اس بحث و گفتگو کے دوران ایک چبھتا ہوا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حرمت مکہ کا یہ مقام تھا اور جو شخص اس کی حرمت و تقدس کو پامال کر دے اس کے بارے میں ایسی سخت وعید نبوی تھی تو پھر ابن زبیر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی رسول نے اپنی تحریک کے دوران مکہ میں اقامت کے لیے کیوں اس طرح بضد رہے اور مسلسل وہاں

[1] شہادت حسین کے باب میں صحیح سندوں سے اس کی تفصیلات گذر چکی ہیں۔

[2] مسند احمد (۱۲/ ۹) (۷۰۴۳) بسند صحیح، مصنف ابن ابی شیبه (۱۱/ ۱۳۹، ۵۱/ ۲۸٤) معمولی اختلاف کے ساتھ، مجمع الزوائد، هیثمی (۳/ ۲۸٤، ۲۸۵) اور کہا کہ رواہ احمد و رجاله رجال الصحیح-ابن عساکر سوانح ابن زبیر (۳٦۳) بسند احمد۔

[3] مسند احمد (۱/ ۳٦۹) (٤۸۰) احمد شاکر لکھتے ہیں: اس کی سند محل نظر ہے، اس لیے کہ محمد بن عبدالملک کی مغیرہ بن شعبہ سے ملاقات نہیں ہے، اس طرح یہ روایت مرسل ٹھہرتی ہے۔ مجمع الزوائد (۷/ ۲۳۰) ہیثمی نے کہا کہ اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال سند ثقہ ہیں، البتہ محمد بن عبدالملک کا مغیرہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ اس حدیث کی دوسری بھی سندیں ہیں۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ ابن کثیر نے اس حدیث پر یہ تعلیق کیوں لگائی کہ یہ غلط ہوسکتا ہے، یہ تو عبداللہ بن عمرو بن عاص کا کلام ہے، انھیں معرکہ یرموک کے موقع پر جو دو تھیلے ملے تھے اور اس میں اہل کتاب کی جو باتیں لکھی تھی یہ اسی کا حصہ ہیں، والله اعلم (البداية والنهاية ۸/ ۳٤۵) ایسا لگتا ہے کہ ابن کثیر کو اس حدیث میں اور جس میں عبداللہ کا نام ذکر ہے دونوں پر خلط مبحث ہو گیا ہے۔

ٹھہرے رہے یہاں تک کہ جنگ کی نوبت آ گئی؟

اس سوال کا جواب پانے کے لیے ہم ابن زبیر کی نقل وحرکت اور اپنی پوری مخالفانہ تحریک کے دوران ایک مدت تک خانہ کعبہ کے بغل میں ٹھہرے رہنے کی ترجیح سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ وہ حق کو اس کے مقام ومنصب تک پہنچانا چاہتے تھے، اسی لیے وہ صراحت سے یہ اعلان کرتے تھے کہ ہم مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں شورائیت کو واپسی لانا چاہتے ہیں، اور یہ کہ اموی خانوادہ کے لوگ دوسروں کو نظر انداز کرکے تنہا زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لینے سے باز آ جائیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب انھوں نے اپنا لقب ''عائذ باللہ'' رکھا تو یہ ہدف سامنے رہا کہ اس سے لوگوں کی ہمدردیاں ہماری طرف زیادہ ہوں گی، اور حرم نیز اس کے پناہ گزیں کی حفاظت کے لیے ان کے جذبات انتہائی حساس اور بیدار ہوں گے، جب کہ ساتھ ہی امویوں کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ مکہ میں مجھ سے جنگ چھیڑ کر جان جوکھم میں نہیں ڈالیں گے، کیوں کہ اس کا راست فائدہ مجھے ملے گا، اسی لیے مصعب زبیری کا بیان ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ خانہ کعبہ میں عبداللہ بن زبیر کی پناہ گزینی کا اصل محرک ان کے والد کی یہ گفتگو تھی کہ جب وہ مکہ سے بصرہ جانے لگے تو کعبہ کو الوداع کہتے ہوئے اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور اپنے بیٹے عبداللہ سے متوجہ ہو کر کہا: جان لو! اللہ کی قسم میں نے اس جیسی (کوئی جگہ) نہیں دیکھی جس کی طرف لوگ قلبی رغبت اور شوق دیدار رکھتے ہیں، یا (اس کی حرمت کی پامالی سے) ڈرتے اور تھراتے ہوں۔ [1]

واضح رہے کہ حجاز ویمن کے دیگر علاقوں میں ایسی جگہیں موجود تھیں جو حرب وضرب کے لیے انتہائی موزوں تھیں، اور مکہ کے مکانی طبیعت ومزاج سے کافی عمدہ واعلیٰ تھیں، لیکن ابن زبیر نے وہاں جنگ نہیں چھیڑی، کیوں کہ اگر وہ یزید یا ان کے بعد کے حکمرانوں سے یمن میں جنگ چھیڑتے تو بہت ممکن تھا کہ حالات بدل جاتے، اور بہت مشکل تھا کہ ان کا مد مقابل لشکر اپنے مقصد برآری میں کامیابی سے ہم کنار ہوتا۔ [2]

غالبًا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی جنگ اور ان کی مخالفانہ تحریک کے بارے میں میں نے جن جلیل القدر صحابہ کرام کی رائیں لکھیں ہیں ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگ ابن زبیر کا ساتھ دینے سے روکیں اور انھیں سمجھائیں، کہ کسی بھی جنگ کی صورت میں جو نقصانات سامنے آئیں گے وہ متوقع مصلحت فائدہ سے کہیں زیادہ ہیں، اس

[1] ابن عساکر، سوانح ابن زبیر (٤٦٦) بسند زبیر بن بکار، العقد الثمین (٥/ ١٥٧) بسند زبیر بن بکار۔

[2] متعدد مستشرقین محققین نے مکہ میں ابن زبیر کے قیام کو ان کی ہزیمت کا ایک اہم سبب ٹھہرایا ہے، مثلاً الدولة العربية ص (١٦٤) پر فلهاوزون نے اور عمر ابوالنضر نے عبدالملک بن مروان ص (۱۱۸) پر، نیز دیکھیں: التيارات السياسية/ ابراهيم بيضون ص (٢٩٩)، تاريخ العرب سهيل زكار ص (١٦٣) عبدالله بن زبير۔ الناظور ص (١٨٠) عبدالله بن زبير، القبلان ص (١٠٩) ابن الزبير و الامويون/ عبدالعزيز الخراشي ص (١٩٣) یہ M.A. کا رسالہ ہے۔

کی دلیل یہ ہے کہ بعض وہ صحابہ جنھوں نے ابن زبیر پر تنقید کی تھی انھوں نے دوسری جگہوں پر ان کی تعریف بھی کی ہے۔ چناں چہ یہی ابن عباس ایک مقام پر کہتے ہیں: یہ خلافت ان (ابن زبیر) کے مقابلے میں اور کہاں جانی چاہیے؟؟؟ ❶

جب کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ابن زبیر پر اس وقت کلمہ ترحم ادا کیا جب حجاج بن یوسف نے انھیں قتل کر دیا، آپ ان کے بارے میں کہتے تھے:

''یقیناً تو بڑا روزے دار، تہجد گزار اور صلہ رحمی کرنے والا تھا۔'' ❷

نیز ایک جگہ فرماتے ہیں:

''اللہ تم پر رحمتوں کی بارش کرے، تو نے اپنے وجود سے ایسی امت کو شرف سعادت بخشی جس کے تم ایک بدنام فرد ٹھہرے۔'' ❸

پس باوجودیکہ آپ کی وجہ سے یہ جدال و قتال پیش آئی، لیکن اس میں خود آپ اور آپ کے برادران و دیگر رفقاء کو جس قتل کا سامنا کرنا پڑا، وہ اگر اللہ نے چاہا تو ان سے صادر ہونے والے گناہوں کا یقیناً کفارہ ثابت ہوگا، اسی لیے جب ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا تو ان کو مخاطب کرتے ہوئے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اوہ! اللہ کی قسم، میں اس کی ذات سے امید رکھتا ہوں کہ جو کچھ تم سے گناہ صادر ہوگئے اس پر وہ تمھیں عذاب نہیں دے گا۔'' ❹ پھر فرمایا: ''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مـن یـعـمل سوا یجز به فی الدنیا .)) ❺ جو برا عمل کرتا رہا وہ دنیا میں اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ بایں ہمہ

---

❶ صحیح البخاری مع الفتح (۸/ ۱۷۷) (٤٦٦٤)

❷ صحیح مسلم مع النووی (۱٦/ ۹۹) (۲۵٤۵) دلائل النبوۃ/ بیهقی (٦/ ٤۸۵)، مستدرك حاكم (۳/ ۵۵۲، ۵۳۳)، مجمع الزوائد/ هیثمی (۷/ ۲۵٦)، ہیثمی کہتے ہیں اسے طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

❸ صحیح مسلم مع النووی (۱٦/ ۹۹)، ابن سعد ط (۵/ ۵۱٤) محقق کتاب کہتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔ دلائل النبوۃ/ بیهقی (٦/ ٤۸۵)

❹ مستدرك حاكم (۳/ ۵۵۲) باسناد ضعیف، تاریخ اسلام/ ذهبی (٦۱-۸۰) ص (٤٤۷)

❺ مسند احمد (۱/ ۱۸۱، ۱۸۳)، الكامل فی الضعفاء/ ابن عدی (۲/ ۱٤۲)، مسند ابویعلی (۱/ ٤۳) حلیة الاولیاء (۱/ ۳۳٤) مستدرك حاكم (۳/ ۷٤، ۷۵) حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور امام ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔ جب کہ احمد شاکر نے تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے: ان دونوں سے یہ تعجب خیز بات ہے جب کہ اس کی سند کا انقطاع بالکل واضح ہے۔ دیکھئے: مسند کا حاشیہ (۱/ ۲۸۲) البتہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ انھوں نے کہا: جب آیت کریمہ ''من یعمل سوء یجز به'' کا نزول ہوا تو مسلمانوں کو اس سے زبردست جھٹکا لگا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قاربوا و سددوا ففی كل ما یصاب به المسلم كفارة حتى النكبة ینكبها او الشوكة یشاكها'' اپنی استطاعت بھر عمل کرنے کی کوشش میں لگے ⇦⇦⇦

مذکورہ علماء صحابہ کے علاوہ کچھ ایسے پاکیزہ نفوس صحابہ بھی تھے جو عبداللہ بن زبیر کا ساتھ دے رہے تھے، ان میں مسور بن مخرمہ، عبداللہ بن صفوان، اور مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ قابل ذکر ہیں، یہ لوگ بھی اپنے دور کے فضلاء میں شمار ہوتے تھے، لہٰذا معاذ اللہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان برگزیدہ ہستیوں نے دنیا طلبی کی خاطر یہ جنگ لڑی، تحریک کا ساتھ دیا، اور قتل کر دیئے گئے۔ درحقیقت ان سب اصحاب رسول ﷺ نے جب انھیں یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ خلافت، ملوکیت اور موروثی اقتدار میں تبدیل نہ ہو جائے، معاً یزید کے بارے میں غلط اور بے بنیاد افواہیں زبان زد اور عام ہوگئیں جس کی وجہ سے دمشق میں اموی خلیفہ کی تصویر بدنما ہوگئی تو انھوں نے تلوار کی دھار پر بگڑتے ہوئے حالات کو درست کرنا چاہا، اس لیے معاملہ یہاں تک طول پکڑ گیا۔ ورنہ فتنوں کے بارے میں وارد شدہ بعض حدیثوں کے بارے میں بعض صحابہ کا جو تصور تھا دراصل وہی ابن زبیر کی تائید کا سبب بنی تھیں۔ چناں چہ یہی عبداللہ بن صفوان ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس لشکر کے بارے میں دریافت کرتے ہیں جو زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور یہ ابن زبیر کے وقت کی بات ہے، تو آپ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((یعوذ عائذ بالبیت ، فیبعث الیه بعث ، فاذا کانوا ببیداء من الارض خسف بهم .)) [1]

''ایک پناہ لینے والا خانہ کعبہ کا پناہ لے گا، پھر اس کی طرف لشکر بھیجا جائے گا، جب وہ بیداء (زمین کے بالائی مقام) پر ہوں گے، تو انھیں دھنسا دیا جائے گا۔''

ایک روایت میں ہے کہ یہ بیداء مدینہ ہے۔

اور دوسری روایت میں ہے:

((سیعوذ بهذ البیت -یعنی الکعبة- قوم لیست لهم منعة و لا عدد و لا عدة)) [2]

⇐⇐⇐ رہو، مسلمانوں کو جو تکلیف بھی لاحق ہوتی ہے وہ اس کے گناہوں کے لیے کفارہ ہوتی ہے، حتی کہ معمولی کانٹا جو اسے چبھتا ہے یا معمولی تکلیف جو اسے پہنچتی ہے۔ (مسلم مع النووی ۸/ ۱۶)، مسند احمد (۲/ ۲٤۸) مسند حمیدی (۱۱٤۸) عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بھی اس پر شاہد ہے، ترمذی (۲۹۹٤)، حسن غریب، دیکھئے: سلسلة الاحادیث الضعیفه، البانی (۳/ ٦۸٦، ٦۹۷) حدیث نمبر (۱٤۹٥)

[1] صحیح مسلم (٤/ ۲۲۰۹)

[2] صحیح مسلم (٤/ ۲۲۱۰) المستخرج علی صحیح مسلم/ ابونعیم ق (۱٥۱ أ) مخطوطه، ہمدرد یونیورسٹی ہند، ابن زبیر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں بہت ساری ضعیف اور موضوع روایتیں وارد ہیں، مثلاً خلیفہ کی موت کے وقت اختلاف ہو جائے گا، اس وقت مدینہ سے مکہ بھاگا ہوا ایک شخص نمودار ہوگا، مکہ والے آئیں گے اور اسے وہاں سے بھگا دیں گے، ⇐⇐⇐

’’اس گھر یعنی خانہ کعبہ کی ایک ایسی قوم پناہ لے گی جس کے پاس نہ دفاع ہوگا، نہ لشکر کی تعداد ہوگی اور نہ ہی جنگی ساز وسامان۔‘‘

اور معرکہ حرہ کے بعد جب اہل شام مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو عبداللہ بن صفوان نے کہا:

((اما والله ما هو بهذ الجيش .))

اس جگہ یہ جاننا ضروری ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی تحریک خالصۃً لوجہ اللہ چلائی تھی، ایسا نہیں تھا جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابن زبیر کی تحریک مختلف عناصر کے چند غوغائیوں کے علاوہ کچھ نہ تھی جن کا مقصد شخصی مفادات اور قبائلی جنگ تک محدود تھا، اور ابن زبیر کی شخصیت میں یہ دونوں چیزیں یکجا ہوگئی تھیں۔ ❶ پس یہ ایک خام خیالی ہے جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی اس مخالفت کا مقصد صرف یہ تھا کہ امت مسلمہ اپنے اجتماعی معاملات میں شورائیت کو زندگی دے، کیوں کہ ایسی صورت میں کوئی افضل ترین شخص امت مسلمہ کی باگ ڈور سنبھال سکتا ہے۔ آپ صرف اس بات سے خائف تھے کہ کہیں خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو کر نہ رہ جائے، دریں صورت منکر کو روکنے کے لیے قوت اور سیف و سنان کے استعمال ہی میں انھیں خیر اور تقرب الی اللہ کا راز پنہاں نظر آیا کہ یہی چیز خلافت کو ملوکیت اور موروثی ملکیت سے روکنے میں حد فاصل بن سکتی ہے، اسی وجہ سے آپ نے اپنے لیے بیعت کی دعوت اس وقت تک نہیں دیا جب تک کہ یزید بن معاویہ کی وفات نہ ہوگئی۔ ❷ اس مقام پر ایک حدیث کی طرف تنبیہ واشارہ بھی

⇐⇐ حالاں کہ وہ اسے ناپسند کرے گا، پھر وہ رکن اور مقام کے درمیان وہ اس سے بیعت کریں گے، پھر ان کی طرف شام سے ایک لشکر بھیجا جائے گا تو انھیں بیداء میں دھنسا دیا جائے گا، جب لوگ اسے دیکھیں گے تو شام کے ابدال اس کے پاس آئیں گے، عراق کے عصائب آئیں گے پھر اس پر بیعت کرلیں گے، پھر قریش کا ایک آدمی نکلے گا اس کے ماموں لوگ قبیلہ کلب کے ہوں گے، وہ مکہ والوں کی طرف ایک لشکر روانہ کرے گا، مکہ والے اس پر غالب آجائیں گے۔ رسوائی ہوگی اس شخص کی جو کلب کے غنیمت کو لینے میں حاضر نہ رہا، مال تقسیم کیا جائے گا، لوگوں میں میں ان کے نبی کی سنت کا رواج ہوگا۔ اسلام اپنے ؟؟ کے ساتھ زمین میں نافذ ہوگا، وہ سات یا نو سال نافذ رہے گا، مسند احمد (٦/ ٣١٦) مسند ابوداؤد (٤٢٨٦) تاريخ المدينة/ ابن ابی شيبة (١/ ٣٠٩) سلسلة الاحاديث الضعيفه/ البانی (٤/ ٤٣٥) (١٩٦٥) ضعيف۔

❶ الوثائق السياسية للجزيرة العربية، محمدماهر حماده ص (١٨)

❷ طبقات ابن سعد (٥/ ١٤٧) بسند واقدی، التاريخ الكبير / البخاری (٢/ ١٣٢) باسناد حسن، انساب الاشراف (٤/ ٥٧) باسناد صحيح۔ ابن عساكر، سوانح ابن زبير (٤٦٤، ٤٩١) تاريخ الاسلام (٦١-٨٠) ص (٤٤١) البتہ یعقوب نے جو یہ بات لکھی ہے کہ ابن زبیر نے ابن عباس سے بیعت کا جب مطالبہ کیا تو ابن عباس نے انکار کردیا، تب یزید نے ان کے پاس اپنا آدمی بھیجا جس کے ذریعہ ان کی تعریف کیا اور ان کی موقف کو سراہا، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس وقت اس آدمی کو اطمینان بخش جواب دیا۔ یہ روایت صحیح نہیں ہے، اس کی سند میں یعقوب، عبدالوہاب بن ضحاک العرضی ہے جو متروک ہے، ہیثمی نے یہ روایت مجمع الزوائد (۷/۲۵۰،۲۵۲) میں ذکر کی ہے اور لکھا ہے اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اس میں راویوں کی ایک جماعت ہے جنھیں میں نہیں پہچانتا۔

ضروری ہے جسے احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اس طرح لکھا ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ بلوائیوں کے نرغے میں آ گئے تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: میرے پاس کئی منفرد خوبیاں ہیں جنھیں میں نے آپ کے لیے تیار کیا ہے، پس اگر آپ مکہ جانا پسند کریں تو بہتر ہوگا، جو آپ کا ساتھ دینا چاہے گا، وہاں آپ کے پاس آئے گا؟ آپ نے فرمایا: نہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((یلحد کبش من قریش ، اسمه عبدالله ، علیه اوزار الناس .))

''قریش کا ایک مینڈھا (حرم میں) الحاد کرے گا، اس کا نام عبداللہ ہے، اس پر لوگوں کے گناہوں کا بوجھ ہوگا۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس حدیث کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

''یہ حدیث حد درجہ منکر ہے، اس کی اسناد میں ضعف ہے، اس روایت کا ایک راوی یعقوب ہے جو یعقوب القمی ہے، جس میں تشیع کی خو بو ہے۔ اس جیسے راویوں کا تفرد قابل قبول نہیں ہے۔ اور اگر بفرض محال اسے صحیح مان لیا جائے تو عبداللہ سے عبداللہ بن زبیر مراد نہیں ہوں گے کیوں کہ وہ ستودہ صفات کے حامل تھے، اور امارت کے میدان میں انھوں نے اللہ کے رضا کے لیے قدم رکھا تھا، پھر معاویہ بن یزید کے بعد وہ یقینی طور پر امام تھے۔'' [1]

بہرحال مذکورہ تمام ترقیل وقال کے بعد ہم شرعی نقطۂ نظر سے جس نتیجہ پر پہنچتے ہیں وہ یہ کہ جماعت کو لازم پکڑنے کا حکم دینے اور امام المسلمین کی اطاعت سے ہاتھ کھینچنے کی ممانعت والی قرآنی تعلیمات و نبوی ارشادات پر عمل کرنا ہمارے لیے لازم اور ضروری ہے، اور جس معاملے کی طرف ابن زبیر اور اہل حرہ نے قدم اٹھایا اس سے یہی بہتر تھا کہ خلیفۃ المسلمین کی بیعت واطاعت سے منہ نہ موڑتے۔ آپ خود دیکھیں کہ اس اقدام کی وجہ سے کتنی خونریزیاں ہوئیں، بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہوگئیں، کتنے اموال و جائداد لوٹ لئے گئے اور ان کا ضیاع ہوا، اور نہ معلوم کیا کیا نقصانات اور مفاسد ہوئے، جنھیں نہ کوئی قلم لکھ سکتا ہے اور نہ کتاب اپنے دامن میں سمیٹ سکتی ہے، مناسب تو یہ تھا کہ یہ عظیم الشان ارادے اور قیمتی صلاحیتیں دشمنان اسلام سے جنگ کرنے میں لگائی جاتیں، اور امت کے جو مظلوم و مقہور کفر کی چکی میں پس رہے ہیں اور جاہلیت کے مراسم و عادات کی زنجیروں سے آزادی دلائی جاتی۔

چوں کہ دونوں فریق قتال کرتے ہوئے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہی حق پر ہیں اس لیے اسلاف امت نے

---

[1] البدایة والنهایة/ ابن کثیر (۸/ ۳٤٥)

ابن زبیر کی اس مخالفت کو ''فتنہ'' سے تعبیر کیا ہے۔ [1] کیوں کہ مسلمانوں کی آپسی جنگ میں نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ خیر، بلکہ ہر کوئی اپنی تاویل وتوجیہ کی بنیاد پر قتال کر رہا ہوتا ہے۔ اس کے باوجود ہم وہی کہیں گے جو امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اے کاش کہ جب انھوں - ابن زبیر - نے - دوسرے کا - غلبہ دیکھا تھا تو قتال سے باز آجاتے، بلکہ اے کاش! انھوں نے خانہ کعبہ کی پناہ نہ لی ہوتی............ ہم ایسے گونگے بہرے فتنہ سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ [2]

اے کاش کہ انھوں نے ابن عمر وغیرہ دیگر ایسے صحابہ وتابعین کا راستہ اختیار کیا ہوتا جو مسلمانوں کے درمیان رونما ہونے والے فتنوں سے الگ رہے، کیا ہی عمدہ قول ہے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا کہ اس فتنہ میں ہماری مثال اس قوم کی طرح تھی جو کسی معلوم اور عمدہ راستے پر چل رہی تھی کہ اتنے میں بادل کے سائے اور تاریکی نے اس پر پردہ ڈال دیا گھبرا کر کسی نے کسی کا دایاں ہاتھ پکڑا، اور کسی نے بایاں ہاتھ، پھر ہم راستہ سے بھٹک گئے، اور وہیں ٹھہر گئے جنھیں ہمیں یہ مشکل پیش آئی یہاں تک کہ بادل چھٹ گئے، اور ہم نے اپنا پہلا راستہ دیکھ لیا، اسے پہچان لیا، اور اسی پر چلنے لگے۔ یہ قریش کے نوجوان تھے جو اس اقتدار وحکومت اور دنیا پر لڑ رہے تھے، اللہ کی قسم! میں خود اس بات سے خائف ہوں مجھے بھی وہ صورت حال نہ پیش آجائے جس میں بعض بعض کو میرے جوتوں سے قتل کرے۔ [3]

۵...... یزید بن معاویہ اور تہمتیں

یزید کی شخصیت کے بارے میں تحقیقی گفتگو کرتے ہوئے ہمیں ایک اہم موضوع پر بحث کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جس پر متقدمین مورخین نے اور خاص طور سے ان میں سے محدثین نے مفصل بحث وتحقیق سے کام لیا ہے اس موضوع کا تعلق یزید کے ایمان اور کفر سے ہے، چناں چہ متقدمین مورخین اور علماء محققین یزید کی طرف منسوب بعض اقوال کی بنیاد پر ایسی متعدد روایتیں اور اقوال نقل کئے ہیں جن سے یزید کی تکفیر ثابت ہوتی ہے، امام مناوی نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ((اول جیش من امتی یغزون مدینہ قیصر مغفور لھم)) یعنی میری امت کا وہ پہلا لشکر جو قیصر کی بستی (قسطنطنیہ) کا غزوہ کرے گا وہ مغفرت یافتہ ہے، کی

[1] موطا مالك (١/ ٣٦٠) (٩٩) صحيح البخارى مع الفتح (٧/ ٥٢١) (٤١٨٣) (٨/ ٣٢) التاريخ الصغير/ البخارى (١/ ٩٣) صحيح مسلم (٢/ ٩٠٣) الآحاد والمثانى / ابن ابى عاصم (١/ ٤١١) تهذيب التهذيب (٦/ ٢٣)

[2] سير اعلام النبلاء (٣/ ٣٧٧، ٣٧٨)

[3] طبقات ابن سعد (٤/ ١٧١) حلية الاولياء (١/ ٣٠١)

تشریح میں لکھا ہے کہ یزید کے اس لشکر کا ایک فرد ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اللہ کی طرف سے مغفرت یافتہ ہوگیا، کیوں کہ مغفرت کے لیے شرط ہے کہ انسان مغفرت والوں میں سے ہو، اور یزید ایسا نہیں ہے، بلکہ خصوصی دلیل کی بنا پر وہ اہل مغفرت سے خارج ہے۔ آگے لکھتے ہیں: محققین کی ایک جماعت نے یزید کی لعنت کو حلال اور جائز ٹھہرایا ہے، حتی کہ امام تفتازانی کہتے ہیں: حقانیت اور صداقت تو یہ ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اور اہل بیت کی اہانت پر یزید کی پوری رضا مندی تھی۔ علمی نقطۂ نظر سے یہ بات معنوی طور سے درجہ تواتر تک پہنچتی ہے۔ اگر چہ اس کی تفصیلات الگ الگ آحاد کی شکل میں پائی جاتی ہیں، پس اس کی شخصیت ہی نہیں بلکہ اس کے ایمان کے بارے میں ہمیں قطعاً توقف نہیں ہے، اس پر اور اس کے اعوان و انصار پر اللہ کی لعنت ہو۔ ❶

ابن العراقی یزید کے ایمان کے بارے میں عدم توقف کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ خلافت سے قبل اور بعد کے اس کے چال چلن کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں اس پر مومن نہ ہونے کا حکم لگاتے ہوئے توقف نہیں کرنا چاہئے۔ جب کہ یہ کیا ہرا سی ہیں جو یزید کی لعنت اور اس کے ایمان میں تشکیک کو جائز ٹھہراتے ہیں۔ ❷

مورخ مسعودی نے یزید پر بعض مطاعن اور اس کی بعض خامیوں کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کے علاوہ بہت کچھ ہیں جن کے بارے میں مغفرت سے مایوسی ومحرومی کی وعید ہے، جیسے کہ یہ وعید ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اپنی توحید سے غافل رہے، اور اپنے رسولوں کی مخالفت کیا۔ ❸

بات صرف انھیں چند اقوال تک محدود نہیں ہے بلکہ یزید کی لعنت اور اس سے تبرا کے جواز پر مستقل کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، اس سلسلے میں قاضی ابویعلی نے ایک کتاب لکھی ہے اور یہ نشان دہی کیا ہے کہ کون کون سے لوگ لعنت کے مستحق ہیں، ان میں یزید بن معاویہ کا بھی ذکر ہے۔ ❹ اور مقبلی نے تو ان پر ''ارتداد'' کا حکم لگایا ہے۔ ❺ حتی کہ جس نے ان کے بعض کاموں کو درست ٹھہرایا اور ان کے بارے میں مثبت رائے

---

❶ فیض القدیر / مناوی (۳/ ۸٤) شذرات الذهب/ ابن عماد الحنبلی (۱/ ۲۷۷) الصواعق المحرقه ص (۲۳۰)
❷ وفیات الاعیان/ ابن خلکان (۲/ ۲۸۷، ۲۸۹)
❸ مروج الذهب/ المسعودی (۳/ ۸۱) ❹ فضائل العقدین/ السخاوی ق (۲۷)
❺ العلم الشامخ/ المقبلی (۲۳۸، ۲۳۹) مقبلی کے بارے میں جانکاری کے لیے مناسب سمجھتا ہوں کہ معلّمی کا قول نقل کردوں۔ مقبلی کی پرورش معتزلی عقائد کے ماحول میں ہوئی جہاں فقہ ہادویہ اور مختلف شیعیت کا رواج تھا، کچھ لوگوں کے بارے میں غلط اور کچھ کے بارے میں حقائق کو چھپاتا تھا، اس نے اپنی اس دینی بندش سے چھٹکارا پانے کی کوشش کیا اور فقہ ہادویہ سے ایک حد تک نجات بھی پا گیا لیکن تشیع سے ہٹ کر اعتدال کی راہ اپنالی، جب کہ عقیدہ اعتزال سے قطعاً چھٹکارا نہیں پایا اور اہل سنت کی مطلقاً تکفیر کرتا رہا...... (الانوار الکاشفه ۲۷۰، ۲۷۱)

قائم کرنے کی جرات کیا، انھیں معلوم نہیں ٹھہرایا ایسے لوگوں کو سخت مخالفت، قطع تعلقی اور عداوت کا سامنا کرنا پڑا، جیسے ابن الجوزی نے عبدالمغیث بن زہیر ❶ کے ساتھ کیا، عبدالمغیث نے بعض موضوعات کو چھیڑتے ہوئے فضائل یزید پر ایک کتاب تصنیف کیا، جس کی تردید میں ابن الجوزی نے "الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید" نامی کتاب تالیف کیا۔ ❷ اور پھر دونوں ہی کے ایک دوسرے سے بیزاری کی حالت میں وفات ہوئی۔

شیخ الاسلام بن تیمیہ لکھتے ہیں کہ ''یزید کے بارے میں ایک فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ کافر تھا باطن منافق تھا۔'' ❸

جب کہ امام ذہبی رحمہ اللہ اسے ان الفاظ سے متہم کرتے ہیں: ''ناصبی العقیدہ تھا، سخت دل، بے رحم اور متشدد تھا، مُسکِر استعمال کرتا تھا اور منکرات کا ارتکاب کرتا تھا۔ ❹

شاید یہی تہمتیں ابن کثیر جیسے مورخ کے لیے اس بات کا سبب بنیں کہ انھوں نے مدح و ذم کے دونوں پہلوؤں کو یزید کے حق میں یکجا کردیا، وہ کہتے ہیں: یزید میں قابل ستائش عادتیں تھیں، جیسے کہ وہ جود و کرم، بردباری، فصاحت و بلاغت، شعر گوئی، شجاعت و بے باکی اور حکومتی مسائل میں بہترین رائے کا مالک تھا، خوبصورت تھا، عمدہ رکھ رکھاؤ کا عادی تھا، لیکن یہ خامی بھی تھی کہ وہ نفس پرستی کی طرف مائل ہو جاتا تھا، اور بعض اوقات نماز کو چھوڑ دیتا، جب کہ کبھی کبھار پڑھتا تو بے وقت پڑھتا۔ ❺

چناں چہ تہمتوں کے اس انبار کے نتیجہ میں یوسف العش یزید کے بارے میں یہ صورت پیش کرتے ہیں: یزید کی خامیوں اور غلطیوں کا راز اس کی تربیت اور مزاج میں پوشیدہ ہے اس نے شاہانہ گھرانے میں پرورش پائی، اور ایک خوش حال اولاد کی زندگی گزاری جب کہ طبعیت و مزاج کی حالت یہ ہے کہ وہ فطری طور پر آزادانہ زندگی پسند کرتا تھا اور حیوانوں سے کھیلنا اسے مرغوب تھا، بلکہ ہر قدرتی خوبصورت چیز اسے بہت اچھی لگتی تھی، اسی آزاد خیالی اور حسن پرستی کی وجہ سے اسے شکار اور کھیل سے کافی دل چسپی تھی، وہ اپنے ہم عمر دیگر نوجوانوں کے ساتھ رہ کر ان عادتوں کا مزید شوقین وشیدائی ہو گیا تھا۔

جب کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اس سے بے پرواہ تھے، اور ولایت وحکومت اور خلافت کے معاملات میں مشغول

---

❶ ان کی سوانح کے لیے دیکھیں: سیر اعلام النبلاء (۲۱/ ۱۵۹، ۱۶۱)، العبر (۳/ ۸۵) ان کے بارے میں امام ذہبی فرماتے ہیں: آپ امام محدث اور زاہد تھے، صالح بقیۃ السلف تھے۔ احمد بن حنبل کے مشابہ تھے۔

❷ اب تک یہ کتاب مخطوطہ کی شکل میں ہے، اس کا ایک نسخہ برلن کے دار الکتاب میں ہے اور ہالینڈ کے لیون میں واقع دار الکتب میں ہے۔

❸ منهاج السنة / ابن تيمية (٤/ ٥٩٤) ❹ سير اعلام النبلاء (٤/ ٣٨)

❺ البداية والنهاية/ ابن كثير (٨/ ١٣٣)

رہتے تھے، نیز اگرچہ وقتاً فوقتاً یزید کی طرف دھیان دیتے رہتے اور اسے فتوحات کے لیے محاذ جنگ پر بھیجتے، اور اپنی مجلس میں اس کی حاضری لازم کر دیتے لیکن نہ اس کی خاطر خواہ توجہ پاتے اور نہ ہی آپ کی حسب منشا وہ مجالس میں شریک ہوتا اور نہ ہی عمل کی بجا آوری میں ہمیشگی کرتا، درحقیقت یزید کی اساسی عادت اور فطری طبیعت یہ تھی کہ وہ انتہائی جذباتی آدمی تھا جو اس کی غزل گوئی اور شعر پسندی میں واضح ہے پس اگر جذبات بے لگام ہوں اور ان کے ساتھ آزاد خیالی اور لہو لعب کا شغف بھی جمع ہو جائے تو طبیعت بے قابو ہو جاتی ہے، اور اس کی سرکشی و آوارگی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی طبیعت کا نتیجہ تھا کہ اگر یزید کے سامنے کوئی حادثہ پیش آتا تو اپنے جذباتی عینک ہی سے اسے دیکھتا، اور مخالفت کی صورت میں ان جذبات میں تیزی آجاتی اور انتقام کی آگ لگ جاتی، پھر وہ حکمت و دانائی کے جواہر کو گنوا دیتا اور درست رائے کو پس پشت ڈال دیتا۔ [1]

آگے لکھتے ہیں:

''وہ جذبات سے مغلوب تھا، جن کی وجہ سے لغزشوں اور غلطیوں کے دلدل میں چلا گیا، غلط اور نامناسب رایوں کو ترجیح دیا کیوں کہ ان جذبات کا تزکیہ و تہذیب نہیں ہوئی تھی، وہ اپنی آزاد خیالی اور لاپرواہ طبیعت پر آگے بڑھتا رہا، اگر اسے کسی مہذب، خوش اسلوب اور اتقان پسند طبیعت کا سامنا ہوا ہوتا تو یزید کی کوئی دوسری ہی شخصیت ہوتی، لیکن شاید معاویہ کی تاریخی غلطیوں میں سے ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کی ان اصولوں پر تربیت نہیں کی جن پر ہونا ضروری تھا۔'' [2]

تہمتوں کے اس مقام پر ایک بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یزید کے ایمان کے بارے میں شکوک و شبہات سے کام لینے سے صرف یزید کی شخصیت متاثر نہیں ہوتی بلکہ اس قباحت کی آتشیں لَو ان کے والد محترم جلیل القدر صحابی رسول معاویہ رضی اللہ عنہ اور پھر ان کے دادا ابوسفیان اور دادی ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہم تک پہنچتی ہے۔ [3]

دراصل یزید کے ایمان کے بارے میں ان شکوک و شبہات کی دو اسباب ہیں:

پہلا سبب: ...... مذہبی اور اعتقادی اختلاف

دوسرا سبب: ...... سیاسی اختلاف

---

[1] تاریخ الدولة الاموية/ يوسف العش ص (۱۷۹) اس سے ملتی جلتی باتیں دیکھئے: شخصيات اسلامية/ عقاد (۳/ ۳۲۹)

[2] تاريخ الدولة الاموية/ يوسف العش ص (۱۸۲)، فجر الاسلام، احمد امين (۸۱)

[3] القيد الشريد/ ابن طولون ق (٤)، العقد الثمين/ الفاسی (٥/ ٣٥)

عموماً متقدمین مورخین میں سے جس نے بھی یزید کے بارے میں یہ تہمتیں لکھی ہیں شاید آپ ان میں کسی کو ایسا نہ پائیں جو ان دونوں نظریات سے باہر ہو، چناں چہ قاضی عبدالجبار معتزلی معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتا ہے: اگر ان کی برائیاں، خامیاں اور رسوائیاں لاتعداد نہ ہوتیں تو ان کی کچھ خوبیوں اور کارناموں کو اپنی اس کتاب میں ضرور جگہ دیتا۔ ❶

دوسری جگہ لکھتا ہے: معاویہ کے بارے میں جو میں نے ذکر کیا ہے وہ صحیح ہیں، میں نے ان کی حالت کو واضح کر دیا ہے............ وہ دین سے انتہائی کنارہ کش، اور غلبہ وتسلط نیز بادشاہت کا جویا تھا۔ ❷

واضح رہے کہ بیشتر معتزلہ معاویہ اور عمرو بن عاص پر تبرّا کے قائل ہیں۔ ❸ اور جاحظ نے تو ابوسفیان پر زندیقیت تک کا حکم لگایا ہے۔ ❹ جب کہ مقریزی نے بنوامیہ کی تصویر ہی اسلام دشمنی کی شکل میں پیش کیا ہے اور ان کی کردارکشی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھوں نے جاہلیت کی دشمنی اسلام میں نبھائی۔ ❺

ان پروپیگنڈوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ماضی اور حال میں مسلمان فضلاء وعلماء تک ان تہمتوں سے متاثر ہو گئے، سید قطب رحمہ اللہ کو دیکھئے وہ کہتے ہیں: پھر عثمان رضی اللہ عنہ اپنے رب کی رحمت کے آغوش میں چلے گئے، اموی حکومت کو وراثت میں چھوڑا، جو دنیا میں اللہ کے فضل سے قائم تھی اور خاص طور سے ملک شام میں وہ مستحکم تھی، اور یہ اموی اقتدار وقوت کے ان اصولوں کی تاثیر تھی جو اسلام کے لیے بے رحم تھی۔ ❻

---

❶ المغني في ابواب التوحيد والعدل، القسم الثاني، قاضي عبدالجبار ص (٩٤) الاستيعاب، ابن عبدالبر (٣/ ١٤٢٢) مجموع الفتاوى، ابن تيميه (١٣/ ٩٧، ٩٨)

❷ المغني في ابواب التوحيد والعدل، القسم الثاني، قاضي عبدالجبار ص (٩٤) الاستيعاب، ابن عبدالبر (٣/ ١٤٢٢) مجموع الفتاوى، ابن تيميه (١٣/ ٩٧، ٩٨)

❸ المنية والامل/ احمد بن يحيىٰ المرتضىٰ ص (٦) معتزلہ اور شیعہ کے درمیان قدیم اور قوی تعلقات رہے ہیں، چناں چہ معتزلہ کا ایک اہم سرغنہ ابواسحاق نظام لکھتا ہے............ ابو ہریرہ سب سے جھوٹا آدمی ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ کے موقع پر اس کے دین میں شک کیا، فاطمہ بنت رسول کو مارا، صلاۃ تراویح کی بدعت نکالی، علی بن ابی طالب کو احمق اور بے وقوف کہا............ اور ابن مسعود کو بھی برا بھلا کہا: الوصايا/ المحاسبي ص (٣٠)

❹ مقریزی کی کتاب النزاع والتخاصم کے ساتھ ہی بنوامیہ کے بارے میں جاحظ کی یہ منسلک ہے۔ نیز مقریزی کی مذکورہ کتاب کا ص (٣٠) دیکھئے: المنمق / ابن حبيب (٣٨٨) الفرج بعد الشدة، تنوخي (١/ ٨٣) پر عبود شالجي کی تعليق۔

❺ النزاع والتخاصم/ مقريزي (٩١/ ١٠٢) نهج البلاغه/ ابن ابي حديد (١/ ١١٣)

❻ العدالة الاجتماعية/ سيد قطب (١٦١) جب کہ عصامی نے ذکر کیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے بعد جو بھی حکمراں ہوئے وہ ہمارے نزدیک بہت بڑے ظالم اور غیروں کے نزدیک کافر ہیں۔ سمط النجوم العوالي (٢/ ٢٧٩) نصب الرايه (١/ ٣٢) پر کوثری کا مقدمہ، نیز معاویہ رضی اللہ عنہ پر عقاد کی دست درازی کے لیے عقاد کا موسوعه (٣/ ٦٢٢، ٦٢٤) دیکھیں: نیز مالک بن نبی کی تہمت معاویہ کے تئیں یہ ہے کہ انھوں نے اسلام کی پہلی اینٹ کو چور چور کر دیا۔ وصية العالم الاسلامي ص (٢٥)

غماری نے معاویہ کو اس بات سے متہم کیا وہ قبیح ترین جرات کا آدمی تھا، نیز یہ تہمت لگائی کہ ان کی نگاہ میں رسول اللہ ﷺ کی بات کا کوئی وزن نہیں تھا۔ ❶

افسوس صد افسوس کہ مسلمان علماء و فضلاء کی ان تہمتوں کا مستشرقین اور ان کے ہم خیالوں نے خوب استغلال کیا، چناں چہ مستشرق گولڈزیہر نے اموی دور حکومت کی دو تصویر کشی کی ہے۔

پہلی یہ کہ وہ اسلامی تعلیمات سے مطلقاً جاہل اور لا بلد حکومت تھی، دوسری یہ کہ اسے اسلام کے بکھرے ہوئے شیرازے کو اکٹھا کرنے اور اس کے افکار و خیالات کو نافذ کرنے کی صلاحیت نہ تھی۔ ❷

ایک دوسرا مستشرق فلہاوزون کہتا ہے:

> ''امویوں کے بارے میں یہ بات کوئی بھی نہ بھولے کہ وہ اپنے شروع ایام میں نبی اکرم ﷺ کے خطرناک دشمن تھے، اسلام کے ابتدائی دور میں وہ بربنائے مجبوری اسلام لائے، اس کے بعد انھوں نے اچھی طرح جان لیا کہ اپنی قوت اور سیادت کا پھل کس طرح تورا جا سکتا ہے یعنی پہلے عثمان رضی اللہ عنہ کی کمزوری کا استغلال کیا، اور اس کے بعد ان کی شہادت سے استغلال کرنے میں پوری مہارت دکھائی، امویوں کی اصل تو ایسی تھی کہ وہ امت محمدیہ کی قیادت کے اہل ہی نہیں تھے، ایک ہی ہاتھ میں دینی و دنیوی اقتدار اور نظام حکومت کا تاثر دے کر امویوں کا اپنی اغلبیت کا اظہار ایک مسخرے پن سے زیادہ کچھ نہیں تھا، وہ تو شروع سے غاصب تھے، اور ویسے ہی رہ گئے، وہ بشمول اہل شام اپنی خاص قوت کا سہارا لیتے تھے۔'' ❸

دوزی لکھتا ہے:

> ''امویوں کی کامیابی درحقیقت اس جماعت کی کامیابی تھی جو اپنے دل میں اسلام دشمنی چھپائے ہوئے ہو۔'' ❹

عبدالمنعم ماجد لکھتے ہیں:

> ''یہ بات یقینی ہے کہ معاویہ عثمان کی طرح تھے، فتوحات کی نئی آغاز کر کے عربوں کی توجہ اپنی طرف سے ہٹانا چاہتے تھے۔'' ❺

---

❶ القول المسموع/ الغماری ص (١٤، ١٥) بحواله فصل الخطاب ابواسحاق الحوینی ص (٤٨)

❷ دراسات فی الحدیث النبوی/ اعظمی (١/ ٦١) تاریخ العرب العام / سیدیو (١٦٥)

❸ تاریخ الدولة العربیة (٥٩)

❹ Litarary the story of Petsia بحواله مصطفی هدارة، دیکھئے: اتجاهات فی الشعر العربی ص (٣٠)

❺ التاریخ السیاسی للدولة العربیة/ عبدالمنعم ماجد (٢/ ٣٠، ٣١)

حسین عطوان کہتے ہیں:

''اموی خلفاء نے پہلی صدی ہجری کی سیر و مغازی کو روایت کرنا ناپسند کیا، اور باشندگان شام کو ان کی معرفت اور پڑھنے پڑھانے سے روک دیا، اور انھیں اس روشن تاریخ سے دور رکھنے کی پوری کوشش کیا۔'' ❶

جورجی زیدان لکھتے ہیں:

''معاویہ کے لوگوں کے دلوں سے دین کی حرمت و تقدس نکل گئی تھی، انھوں نے نبوت کے رعب و دبدبہ کو بھلا دیا تھا، خوشحالی اور عیش و عشرت کے مزے چکھے اور سیادت و قیادت کے عادی ہوگئے، اسی لیے ان کی نفسانی خواہشات اور حریصانہ نگاہیں بھی وسیع ہوگئیں۔'' ❷

بہرحال یزید، یا ان کے باپ، یا دادا، یا پورے بنو امیہ کو جس نے ان تہمتوں سے نوازا، اس میں ایک اہم ملاحظہ اور قابل گرفت بات یہ ہے کہ کسی نے بھی ان تہمتوں کے ثبوت میں کوئی دلیل نہیں دی کہ جس سے ان کے خیالات کی تائید ہو سکے، پس ظاہر ہے کہ تنقید، اعتراض اور تہمتوں کا یہ اسلوب کسی شخصیات کی تحقیق میں علمی روح، تعمیری و مثبت تنقید، اور انصاف سے بہت دور ہے، اسی طرح ہر چند کہ یہ افترا پردازیاں عام ہوگئیں، اور یزید کے ایمان کی کمزوری کے بارے میں بعض روایتوں کے حوالے سے جو بہت ساری تہمتیں عائد ہوئیں لیکن ایک محقق کی تحقیقی نگاہ علمی نقطہ نظر سیاس نتیجہ پر پہنچی کہ یزید کے بعض اعمال واقوال میں غیروں کی کذب بیانی، زیادتی اور کردار کشی کا دخل رہا ہے، جس کی وجہ سے یہ ساری باتیں لکھی گئیں اور ان کا پروپیگنڈہ کیا گیا۔ چناں چہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی عبقری نگاہیں اس حقیقت تک پہنچ گئیں اور جب یہ کہا گیا کہ یزید نے ابن زبعری کا شعر پڑھ کر اہل حرہ کو مراد لیا ہے تو آپ نے فرمایا: یہ بات اگر یزید نے کہی ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو، اور دیگر لعنت کرنے والوں کی لعنت ہو، اور اگر اس نے نہیں کہا ہے تو جس نے اس پر یہ افترا پردازی کی ہے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ ❸

ہم بتاتے چلیں کہ یزید کے خلاف جذبات کو بھڑکانے والی اور موضوع روایتوں کا منبع و مصدر تنہا شیعہ ہی نہیں ہیں، جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے، بلکہ اس معاملے میں خوارج، ❹ زبیریوں، علویوں،

---

❶ الروایة التاریخیة فی بلاد الشام فی العصر الاموی / حسین عطوان (٦٧)

❷ تاریخ التمدن الاسلامی/ جرجی زیدان (٢/ ٣٣٤)

❸ البدایة والنهایة/ ابن کثیر (٨/ ٢٢٧)

❹ عمر بن عبدالعزیز/ ابن عبدالحکیم ص (١٢٠)

زندیقوں اور عباسیوں وغیرہ نے بھرپور حصہ لیا ہے، پھر ایسی روایتوں کے انتشار اور ان کے زبان زد عام ہونے میں یہ بات اہم محرک رہی کہ معاشرہ نے بلاتحقیق وتصدیق انھیں قبول کرلیا اور ثابت شدہ حقائق کا درجہ دیا۔ اور ایسے علماء اور راویان واقعہ بھی اس سے متاثر ہوگئے، جو لوگوں کی نگاہوں میں ثقہ اور معتبر تھے، مثلاً مسعودی نے روایت کیا ہے کہ معاویہ نے شام والوں کو بروز جمعہ نماز پڑھائی جب کہ وہ صفین کے راستے میں تھے۔ ❶ یزید تو اپنی جگہ پر، خود معاویہ رضی اللہ عنہ حاسدوں کے حقد وحسد اور کینہ سے نہ بچ سکے، چناں چہ یعقوبی نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے جسمانی اوصاف کو اس طرح ذکر کیا ہے۔ معاویہ ترش رو، ابھری ہوئی آنکھوں والے، لمبی گھنی داڑھی، کشادہ سینہ والے تھے، ان کے ران وسیرین کے گوشت ابھرے ہوئے تھے، ران اور پنڈلیاں چھوٹی تھیں۔ ❷ لیکن جب علماء ومورخین اسلام کی کتابوں میں مذکورہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے جسمانی اوصاف کا اس سے موازنہ کرتے ہیں تو دونوں میں واضح فرق نظر آتا ہے، چناں چہ تمام تر علمی مصادر اس بات پر متفق ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں میں سب سے خوبصورت، جسمانی وضع قطع میں مکمل اور توانا وتندرست تھے، لہٰذا ایسا لگتا ہے کہ شاید بنوامیہ کی عموماً اور سفیانیوں ❸ کی خصوصاً کردار کشی کا سبب وہ تقلیدی اور سنی سنائی عداوت ہے جو شامیوں اور عراقیوں کے درمیان پیدا ہوئی، اور پروان چڑھی یعنی جو شخص عراقی ماحول میں پیدا ہوا، اور وہیں اس کی نشو ونما ہوئی اس نے صرف حب علی اور بغض معاویہ کا سبق سیکھا اور ایسا ہونا طبعی بات تھی، پس اس کے لیے ضروری تھا کہ اپنے گردو پیش کے ماحول سے متاثر ہو، حالاں کہ صحیح بات اس کے برعکس ہوا کرتی ہے۔ اور حافظ ذہبی نے ناانصافی اور جانبداری کے اعتبار سے اس جیسی خطرناکی سے خبردار کیا ہے چناں چہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> ''پس اللہ کی قسم جس شخص کی نشو ونما ایسی ریاست میں ہوئی ہو جس میں ایک طرف محبت وعقیدت میں مبالغہ اور دوسری طرف بغض ونفرت میں انتہا ہو اس کی کیا حالت ہوگی، اور اس سے انصاف اور اعتدال کہاں صادر ہوسکتا ہے۔'' ❹

علاوہ ازیں یہ بھی جان لیں کہ تاریخ کے بیشتر راویان حقیقت میں اموی حکومت کے مخالفین ہی رہے ہیں، محمد بن سائب الکلبی متوفی ۱۴۶ھ کو دیکھئے وہ حجاج سے برسر پیکار ہونے میں ابن الاشعث کے پہلو بہ پہلو

---

❶ مروج الذھب/ مسعودی (۳/ ٤١) بنوامیہ کے بارے میں عصامی کی افترا پردازیوں کو دیکھیں۔ (۳/۹۴-۱۰۱) پر، نیز کچھ حصہ انساب الاشراف میں (۱/۳۱) پر۔

❷ تاریخ الیعقوبی (۲/ ۲۳۸) ❸ اس سے مراد ابوسفیان کی نسب سے پیدا ہونے والے لوگ ہیں۔

❹ سیر اعلام النبلاء/ ذھبی (۳/ ۱۲۸)

رہا۔[1] جب کہ اس کالڑکا ہشام بن محمد الکلبی خلیفہ المہدی کی قربت حاصل کرنے میں اس وقت کامیاب رہا جب اس نے امویوں کے عیوب اور خامیوں کو خوب اچھالا، اور مہدی نے امویوں کی تردید میں اس کا سہارا ایسے وقت میں لیا جب انھوں نے اندلس میں عباسیوں کی ہجو میں ایک کتاب بھیجی تھی۔[2]

حافظ ابن کثیر نے ۲۸۴ھ کے حوادث میں لکھا ہے کہ خلیفہ معتضد نے مساجد کے منبروں سے معاویہ بن ابوسفیان پر لعنت بھیجنے کا پختہ ارادہ کرلیا، اور خطباء حضرات کو معاویہ کی لعنت پر مشتمل خطبوں کے نسخے بھیجے، اس نے اس میں معاویہ، یزید بن معاویہ، اور بنوامیہ کی ایک جماعت پر لعنت کیا تھا، اور معاویہ کی مذمت میں باطل حدیثوں کو تحریر کیا تھا، ان خطبوں کو بغداد میں پڑھا گیا، اور عوام الناس کو معاویہ پر ترحم یعنی انھیں رحمۃ اللہ علیہ یا رضی اللہ عنہ کہنے سے روک دیا گیا۔[3]

یہی نہیں بلکہ اگر ہم ابومعمر الہذ لی کی روایت کو سامنے رکھیں تو معاویہ اور ان کے بیٹے یزید کی کردارکشی کے اسباب کے بارے میں اس سے بھی واضح تصور اخذ کر سکتے ہیں چناں چہ ان کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ کے ایک آدمی سے کہا: ذرا مجھے بتاؤ کہ کوفہ کی سب سے بہتر جگہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: یہاں کی جامع مسجد۔ میں نے کہا: ہمارے نزدیک -بغداد میں- سب سے بری جگہ دارالبطیخ (تربوزہ گھر) ہے، پس اگر تمھارے یہاں سب سے بہتر جگہ میں ایک آدمی یہ کہہ دے کہ عثمان پر اللہ کی رحمت ہو تو وہ قتل کر دیا جائے گا، اور اگر ہمارے یہاں کی سب سے بری جگہ میں کوئی یہ کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ معاویہ پر رحم نہ کرے تو وہ قتل کر دیا جائے گا۔ اس طرح ہمارے یہاں کی سب سے بری جگہ تمھارے یہاں کی سب سے بہتر جگہ سے کہیں زیادہ اچھی ہے۔[4]

سعید بن منصور فرماتے ہیں کہ ''میں نے ابن المبارک کو فرماتے ہوئے سنا: وہ کہہ رہے تھے جسے شہادت مطلوب ہو وہ کوفہ کے دارالبطیخ (تربوزہ گھر) میں داخل ہو جائے اور عثمان بن عفان پر اللہ کی رحمت کی دعا کرے۔''[5]

مختصراً یوں کہیے کہ بنوامیہ کے خلاف اس گھناؤنی سازش اور زبردست حملے نے اس کی تاریخ کی ایسی منظرکشی کیا کہ جیسے یہیں سے عہد راشدی اور عہدی اموی میں یکا یک راست طور سے جدائی پیدا ہوگئی، یہاں تک کہ بہت سارے لوگ یہ گمان کرنے لگے کہ حکومتی سطح پر اسلامی روح کا وجود صرف عہد نبوی اور

---

[1] تاريخ الادب العربی/ بروكلمان (٣/ ٣٠-٣١)

[2] تاريخ الادب العربی/ بروكلمان (٣/ ٣١)

[3] البداية والنهاية / ابن كثير (١١/ ٨١)

[4] تاريخ بغداد/ خطيب (١/ ٤٧)، معاویہ رضی اللہ عنہ کے نقائص وعیوب میں بہت ساری جھوٹی روایتیں وضع کی گئیں، اس کی چند مثالیں دیکھنے کے لیے ابن حبان کی المجروحین (۱/۵۷) پڑھیں۔

[5] تاريخ بغداد/ خطيب (١/ ٤٧)

عہد راشدی میں تھا...... ہاں ایسا ہوسکتا ہے کہ بنوامیہ کی تاریخ کو مسخ کرنے کا مقصد صرف خلفاء بنوامیہ کی ذاتی کردارکشی مقصود رہی ہو، لیکن یہ بات بھی ان کی ذات تک محدود نہیں رہ سکتی بلکہ بنیادی طور پر ان کی اسلامی حکومت ہی اس کا نشانہ بنے گی۔ ❶

ہمیں نہیں بھولنا چاہئے کہ اموی حکومت کے اول دن سے اس کے دشمن رہے جو شروع ہی سے اس کے خلاف سازشیں رچتے رہے، اسے بدنام کرنے کی ہر شکل اختیار کیا، اور اس کے زوال کے لیے ہر موقع کو غنیمت سمجھا۔ ❷

پس ان تمام لوگوں نے بلاتفریق تمام امویوں کے بارے میں گفتگو کیا، ممکن ہے کسی نے بہ قصد وارادہ یہ باتیں لکھی ہوں اور کسی نے بلاقصد وارادہ انھیں تحریر کیا ہو، پھر بلاتحقیق وتحلیل اور بغیر فکر وتجزیہ کے بنوامیہ کے بارے میں پروپیگنڈوں کو عام کیا ہو، پھر یہی پروپیگنڈے اقوال وروایات کی شکل میں بدل گئے ہوں، جنھیں مقبول شکل میں بیان کیا گیا ہو، نیز اسی پر بس نہ کیا گیا ہو بلکہ احوال وحوادث کی خبروں کو ایسے تانے بانے تیار کئے گئے ہوں جن سے بنوامیہ کے بارے میں گھناؤنا تصور پیدا ہو جائے۔ ❸ اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے، راویوں کے اختلافات اور مورخین ومحررین کی کذب بیانیوں کا ایک بڑا ذخیرہ تاریخ کے صفحات میں موجود ہے۔ کتنی ہی ایسی واضح حقائق ہیں جنھیں ان اخباریوں اور مورخین نے ذرات کی طرح ہواؤں میں اڑا دینے کی کوشش کی ہے اور کتنی ہی ایسی پاکیزہ وصاف ستھری سیرتیں ہیں جن کی شکلیں ایسی بگاڑ دی ہیں کہ وہ ہجو کی مستحق ہونے لگیں اور کتنی ہی ایسی گندی سیرتیں ہیں جن پر انھوں نے اپنی تحریروں سے خوشنما چادر چڑھا دیا اور وہ تعریف وعقیدت کی مستحق ہوگئیں۔ ❹

بہرحال باوجودیکہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لڑکے یزید پر تاریخ کے حوالے سے معاندین وحاسدین کے یہ زبردست حملے ہوئے لیکن سچے اور محققین علماء اسلام خاموش نہ رہے، اور انھوں نے ان دونوں کے حالات و کردار کی صحیح تصویر پیش کردی، اور دلائل سے ثابت کردیا کہ اپنی زندگی کے کسی لمحے میں ان دونوں نے کفر نہیں

---

❶ الامویون والتاریخ، مجلة العلوم الاجتماعية میں احمد شاکر کا یہ ایک مضمون ہے جو جامعۃ الامام محمد بن سعود کے چھٹے شمارہ میں ص (۴۳) پر شائع ہوا ہے۔

❷ فلہاوزون کی تاریخ الدولۃ العربیۃ کا وہ مقدمہ پڑھیں جسے محمد عبدالہادی ابوریدہ نے لکھا ہے۔ نیز "معاویہ فی الاساطیر" کے عنوان سے سعید افغانی کا مقالہ پڑھیں جو المؤتمر الدولی لتاریخ بلاد الشام کے بحوث کے ضمن میں درج ہے۔

❸ الامویون و التاریخ/ محمود شاکر، جامعة الامام محمد بن سعود کے كلية العلوم الاسلامية کے مجلّہ نمبر ۶ صہ ۴۴ پر ایک مضمون ہے۔

❹ رسائل الاصلاح محمد الخضر الحسین (۱/ ۱۵)

کیا، بلکہ احکامات میں اجتہاد سے کام لیا، اللہ کے راستے میں کافروں سے جہاد کیا، اوران کے دورحکومت میں اسلام کا کلمہ اپنی آب وتاب کے ساتھ جلوہ فگن تھا، اور روئے زمین پر مسلمان پوری عزت اور شان وشوکت کے ساتھ زندہ تھا۔'' معاویہ، یزید، خلفاء بنوامیہ اور بنوعباس کا اسلام اوران کی نماز، روزہ، اور کفار سے جہاد تواتر سے ثابت ہے۔'' ❶ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مورخین کا کہنا ہے کہ ان کے ذریعہ اللہ نے فتوحات میں وسعت دی، آپ نے روم والوں سے غزوہ کیا، مال غنیمت اور مال فیٔ کو تقسیم کیا، شرعی حدود کو نافذ کرتے رہے، اللہ تعالیٰ حسن عمل کرنے والوں کو اجر ضائع نہیں کرتا۔ ❷ اس علمی حقیقت کا سب کو اعتراف ہے کہ صرف منقولات اور تحریروں سے یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ کون سی بات سچ ہے اور کون جھوٹ، بلکہ اس کے لیے صحیح دلائل کا وجود ضروری ہے، ورنہ بلا دلیل تاریخی تحریروں کا دعویٰ تمام دعوؤں کی طرح صرف ایک دعوی ہے اور بس۔ ❸

پس یزید بن معاویہ اس صحیح حدیث کے ضمن میں آتے ہیں، جس میں غزوہ قسطنطنیہ کے شرکاء کو مغفرت کی بشارت دی گئی ہے۔ ❹ اس غزوہ میں آپ امیر القوم تھے، اسی طرح ''خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم'' ❺ یعنی سب سے بہتر لوگ میرے دور کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہیں۔ آپ اس حدیث کے معنی میں بھی داخل ہیں کیوں کہ یزید بن معاویہ اس نبوی دور کے آخری ایام کے خلیفہ تھے۔ ❻ مزید برآں ایک مسلمان کے بارے میں اسلامی عقیدے کی اساس تو یہ ہے کہ اس کی عدالت مسلم ہو، کسی مسلمان پر گواہوں یا دلائل کے وجود کے بغیر طعن وتشنیع جائز نہیں، پس یزید بھی ایک مسلمان تھے، جن پر یہی اصول نافذ ہوتے ہیں، نیز ہمیں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ ایک شخص میں اچھائیاں اور برائیاں دونوں ہوتی ہیں، وہ قابل مدح ہوتا ہے اور قابل مذمت بھی، ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور عقاب کا بھی، بعض اعتبار سے وہ محبوب ہوتا ہے، اور بعض اعتبار سے ناپسندیدہ، خوارج، معتزلہ اوران کے ہم

---

❶ منهاج السنة (۲/ ٦۲)

❷ سير السلف/ ابوالقاسم اسماعيل بن محمد بن فضل۔

❸ منهاج السنة/ ابن تيميه (٤/ ٤٥)

❹ اس کی تخریج سابقہ صفحات میں گذر چکی ہے۔

❺ مسند احمد (۱/ ۳۷۸، ٤۱۷، ٤۳۸) صحيح البخارى مع الفتح (۱/ ۲٤۸)، صحيح مسلم (۱۹٦۲) سنن ابن ماجه (۲/ ٦۳، ٦٤) تاريخ بغداد (۱۲/ ٥۳) فوائد الخنائى، تخريج عبدالعزيز بحشبى ق (۳٦أ) كنزل العمال (۱۱/ ٥۳٥) سلسلة الاحاديث الصحيحة (۲/ ۳۲۰)

❻ القيد الشديد/ ابن طولون ق (۱۷) المقتنىٰ بسر الكنىٰ/ دهبى (۲/ ٥۸)

عقیدہ لوگوں کے برخلاف اہل سنت و جماعت کا یہی مذہب وعقیدہ ہے۔ لہٰذا جب یہ بات واضح ہوگئی تو یزید کے بارے میں بھی وہی رائے قائم کی جائے گی جو اس جیسے دیگر خلفاء وشاہان کے بارے میں اللہ کی اطاعت وعبادت مثلاً نماز، حج، جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، اور حدود کے نفاذ کے تعلق سے قائم کی جاتی ہے، یعنی اللہ اور اس کے رسول کی جو بھی اطاعت ان سے ہوئی ہے، اس پر وہ عند اللہ ماجور ہوں گے۔ عبداللہ بن عمر جیسے دیگر نیکوکار صالحین ایسا ہی کرتے تھے اور یہی عقیدہ رکھتے تھے اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام یزید اور دیگر خلفاء اسلام کے ساتھ جنگ میں شریک رہا کرتے تھے۔ [1]

ہاں اگر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی معصوم تھا تو علماء اسلام میں سے کسی کا یہ عقیدہ کبھی نہیں رہا، نیز ائمۃ المسلمین میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ وہ اپنے تمام تر معاملات میں بہرصورت عادل اور تمام حالات میں اللہ کا مطیع وفرمانبردار رہے۔ [2]

بنوامیہ کے دور میں اسلامی حکومت مستحکم اور مضبوط تھی، خلیفہ کا جو نام ہوتا تھا اسی نام سے پکارا جاتا تھا، وہ عضد الدولہ، یا عز الدولۃ یا فلان الدین اور فلان الدین کے نام سے نہیں پکارے جاتے تھے۔ وہی خلیفہ اپنی رعایا کو مسجد میں پنج وقتہ نماز پڑھاتا تھا، جنگی لشکر کے جھنڈے باندھتا تھا، امراء کی تقرری کرتا تھا، اپنے گھر میں قیام کرتا تھا، وہ قلعوں میں نہیں رہتے تھے، اور نہ ہی رعایا سے چھپ کر بیٹھتے تھے۔ [3]

▣ یزید بن معاویہ پر لعنت کی بحث وتحقیق:

یہ تو معلوم ہی ہے کہ اہل مدینہ کے جن لوگوں نے یزید بن معاویہ کے خلاف خروج کیا تھا انھوں نے یزید کی خلافت پر بیعت کی ہوئی تھی، جب کہ نبی کریم ﷺ نے امام کے ہاتھ میں بیعت کا ہاتھ دینے کے بعد امام کی مخالفت کرنے اور اس سے جنگ کرنے، اور بیعت توڑنے سے منع فرمایا تھا۔ [4]

لیکن جیسا کہ سابقہ صفحات میں میں نے ذکر کیا ہے کہ یزید کے خلاف ان کا خروج تاویل کی بناء پر تھا، اور یزید ان سے اس لیے قتال کر رہے تھے کہ وہ اپنے کو امام المسلمین سمجھتے تھے، پس ان کا فریضہ تھا کہ جو شخص بھی مسلمانوں کی اجتماعیت واتحاد میں تفریق پیدا کرے اس سے جنگ کرنا اور اسے قتل کرنا واجب ہے جیسا

---

[1] منهاج السنة (٤/ ٥٤٣-٥٤٤) معمولی تصرف کے ساتھ۔

[2] منهاج السنة (٤/ ٥٢٥)

[3] منهاج السنة (٨/ ٢٣٨)

[4] مسند احمد (١٠/ ٤)، (٦٥٠٣)، (١١/ ٦٢)، (٦٨١٥)، (١٢/ ٩٨) (٧١٢٩) باسناد صحيح۔ سنن نسائی (٧/ ١٥٣، ١٥٤) اس معنی سے ملتی جلتی روایت دیکھیں: صحيح البخاری مع الفتح (١٣/ ٢١٤) صحيح مسلم مع النووی (١٢/ ٢٣٣)

کہ صحیح حدیث میں وارد ہے۔ ❶

علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے والا کوئی شخص ان کی اطاعت و بیعت سے ہاتھ کھینچ لے تو ہم اس سے قتال کریں گے، اور اگر عمر رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے والوں میں سے کسی نے بیعت توڑی تو ہم اس سے قتال کریں گے۔ ❷

یزید نے اہل مدینہ کے ساتھ پرامن مصالحت کا سب سے مختصر راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن اسے اللہ کی توفیق و تائید نہیں حاصل رہی، بلاشبہ یزید نے اہل مدینہ کے وفد کی عزت و تکریم کی تھی، لیکن انھوں نے اسے شراب نوشی وغیرہ دیگر محرمات کے ارتکاب کی تہمت کا جو صلہ دیا اس کا یزید بن معاویہ پر کافی برا اثر پڑا، اسی لیے اس نے اہل مدینہ کو سخت سزا کا مستحق ٹھہرایا، اور یہ سختی و قساوت مدینہ کی طرف روانہ ہونے والی شامی فوج کی قیادت مسلم بن عقبہ المرّی کو سونپنے کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

یزید اور اس کے قائد مسلم بن عقبہ کے لیے بس اتنی کارروائی کافی تھی کہ وہ اہل مدینہ کو شکست دیتے ہوئے انھیں اطاعت خلیفہ کا پابند کر دیتے، اگر وہ اتنے پر اکتفا کر لیتے تو جو لعنت و ملامت انھیں بعد میں سنی پڑی نہ سنتے، اور ان کا یہ عمل شرعی تقاضوں کے مطابق اور اس کے دائرہ جواز میں ہوتا کیوں کہ اس کارروائی کے ذریعہ وہ اسلامی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچانا چاہتے تھے، لیکن یزید اور ان کے قائد مسلم بن عقبہ نے مدنیوں پر حملہ اور ان پر قساوت کا مظاہرہ کر کے اس شرعی مقصد کی حدیں توڑ دیں، انھیں سخت سے سخت سزا دیا، اور یہ نہیں سوچا کہ اگر انھوں نے بیعت سے ہاتھ کھینچ کر ایک غلطی کا ارتکاب کیا تھا تو ان پر اس قتال کا مسلط ہونا بذات خود ان کی غلطی کا کفارہ تھا، لیکن مدینہ میں لوٹ مار اور قتل و غارت گری اور تین روز میں❸ وہاں کی اقتصادی و معاشی حالت کو بربادی، پھر اس کے نتیجے میں وہاں کے باشندوں کو لاحق ہونے والی خوف و دہشت یہ سب ایسے مظالم اور تعدی تھے کہ جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے اور کسی مسلمان کے حق میں یہ جائز نہیں، پھر بھلا مدینہ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باشندوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اصحاب رسول نیز ابنائے صحابہ کے پڑوسیوں کے لیے یہ عمل کیوں کر روا ہو سکتا تھا۔

چناں چہ اسی وجہ سے بعض علماء نے یزید کی اہل مدینہ کے ساتھ اس فوجی کارروائی سے استدلال کرتے

❶ صحیح مسلم مع النووی (۱۲/ ۲۳۳) مسند طیالسی (۱۲۲٤) مسند احمد (۱۰/ ٤) (٦٥۰۳) السنة ابن ابی عاصم (۲/ ٥٥٦) (۱۱۰۸) عقد الزبرجد علی مسند احمد السیوطی (۱/ ۲٦٤)

❷ المطالب العالیه/ ابن حجر (٤/ ۲۹٦) (٤٤٥۸) محقق لکھتے ہیں کہ بوصیری نے کہا: اسے اسحاق نے اور نسائی نے بسند صحیح روایت کی۔

❸ صحیح مسلم (۲/ ۱۰۰۲)

ہوئے ان پر لعنت کو جائز ٹھہرایا ہے، اور سائب بن خلاد کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((من أخاف اهل المدينة ظلما اخافه الله و عليه لعنة الله و الملائكة و الناس اجمعين لا يقبل الله منه صرفا و لا عدلا .)) ❶

''جس نے اپنے ظلم کے ذریعہ اہل مدینہ کو خوف و دہشت میں مبتلا کیا، اللہ اسے خوف و دہشت میں مبتلا کرے گا، اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ اس سے نہ فریضہ قبول کرے گا نہ نفل۔''

نیز جابر بن عبداللہ کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ وہ مدینہ میں اپنے دو بیٹوں کے سہارے چل رہے تھے، اتفاق سے انھیں کچھ تکلیف پہنچ گئی، تو کہنے لگے: برباد ہو وہ شخص جس نے رسول اللہ ﷺ کو خوف میں مبتلا کیا، ان کے دونوں یا ایک بیٹے نے کہا: ابا جان جب اللہ کے رسول ﷺ اس دنیا سے فوت ہو چکے ہیں تو آپ ﷺ کو کوئی خوف میں کیسے مبتلا کر سکتا ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((من اخاف اهل المدينة فقد اخاف ما بين جنبى .)) ❷

''جس نے اہل مدینہ کو خوف و دہشت دیا اس نے مجھے تکلیف دیا۔''

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

((من اخاف اهل المدينة اخافه الله .)) ❸

---

❶ مصنف عبدالرزاق (۹/ ۲۶۵) (۱۷۱۵۸)، مسند احمد (٤/ ٥٥، ٥٦) الفاظ مسند ہی کے ہیں۔ الفتح الربانی/ ساعاتی (۲۳/ ۲٦۲) السنن الكبرى/ نسائی (۲/ ٤٨٣) مجمع الزوائد / هیثمی (۳/ ۳۰٦) ہیثمی نے کہا: اسے طبرانی نے اوسط اور کبیر میں روایت کیا ہے اس کے رجال صحیح کے ہیں۔ تحفة الاشراف/ مزی (۳/ ۲٥٥)

❷ مسند احمد (۳/ ۳٥٤، ۳۹۳) الفتح الربانی/ الساعاتی (۲۳/ ۳٦۳) ہیثمی نے مجمع الزوائد (۳/ ۳٦) میں فرمایا کہ اسے احمد نے روایت کیا ہے، اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ الآحاد و المثانی/ ابن ابی عاصم (۱/ ۷۰، ٤/ ۷۰) کشف الاستار عن زوائد بزار (۳/ ۳۰۷)، ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰/ ۳۷) پر لکھتے ہیں اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور بزار کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

❸ مسند احمد (٤/ ٥٥، ٥٦) غريب الحديث، الحربی (۲/ ۸۳٤)، التاريخ/ البخاری (۱/ ٥۳، ٤/ ٤۰٤)، فضائل المدينة/ الجندی (۳) (۳۱ نمبر)، الكنى/ دولابی (۱/ ۱۳۲) الاحسان بترتيب صحيح ابن حبان/ بلبان (٦/ ١٥) (۳۷۳۰) الحلية/ ابونعيم (۱/ ۳۷۲)، ذيل تاريخ بغداد (۱٥/ ۹) البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر صحیح ہونے کا حکم لگایا ہے۔ تفصیلی روایت سلسلة الاحاديث الصحيحة (٥/ ۳۸۲، ۳۸٥) میں دیکھیں۔

''جس نے اہل مدینہ کو ڈرایا دھمکایا اللہ اسے ڈرائے دھمکائے گا۔''

لعنت کا لغوی معنی اللہ کی رحمت اور جنت سے بھگا دیا جانا، ❶ اس کی خطرناکی بہت عظیم ہے، اسی لیے علماء اسلام نے ایسے کافر کی لعنت کو جائز نہیں ٹھہرایا ہے جو کفر پر نہ مرا ہو۔ ❷ پھر بھلا کسی مسلمان کو ملعون کیوں کر ٹھہرایا جاسکتا ہے، پس کسی نامزد گنہگار مسلمان پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے، امام ابن العربی نے لکھا ہے کہ کسی نامزد گناہگار مسلمان پر لعنت کی ممانعت ایک متفق علیہ مسئلہ ہے۔ ❸

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لعنت کا مطلب اللہ کی رحمت سے دوری ہے۔ اس لیے جس کی زندگی کے احوال نہ معلوم ہوں اور اس کی موت کس حالت میں ہوئی اس کا قطعی علم نہ ہو اسے اللہ کی رحمت سے دوری کے لیے دعا کرنا جائز نہیں ہے۔'' ❹

بنا بریں اگر بعض اسلاف نے یزید کے حق میں لعنت کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس سے اللہ کی رحمت سے دوری کا معنی مراد نہیں ہے بلکہ سزا کا استحقاق مقصود ہے، اسی لیے فاسق کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ اس پر نماز جنازہ پڑھنا ہمارے لیے جائز ہے معاً یہ بھی درست ہے کہ اس پر لعن طعن کریں، کیوں کہ وہ ثواب اور عقاب دونوں کا مستحق ہے۔ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی کہ وہ ثواب کا مستحق رہا ہے اور اسے لعن طعن کیا جائے گا کہ وہ سزا کا مستحق رہا ہے۔ پس لعنت بھیجنے میں اس کے لیے رحمت الٰہی سے دوری ہے اور اس پر نماز جنازہ سبب رحمت ہے، لہٰذا ایک اعتبار سے وہ رحمت کا مستحق ہے اور دوسرے اعتبار سے وہ اس سے محروم رہے گا۔ ❺

یہ ساری باتیں صحابہ کرام، تابعین عظام، تمام اہل سنت جماعت اور جو کرامیہ، مرجئہ اور شیعہ اور بہت سارے امامیہ کے عقیدہ میں شامل ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ فاسق ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہے گا، جب کہ خوارج، معتزلہ، اور بعض جو فاسق کے لیے خلود فی النار ہمیشہ جہنم میں رہنے کا حکم لگاتے ہیں ان کے نزدیک ایک ہی شخص کے بارے میں ثواب اور عقاب یکجا نہیں ہوسکتا۔ ❻

---

❶ غریب الحدیث/ ابن الاثیر (٤/ ٢٥٥)، الالمام/ نویری (٣/ ٣٦٤) رحلة الصدیق الی بیت العتیق/ صدیق حسن خان (١٦٢-١٦٣)

❷ احیاء علوم الدین/ غزالی (٣/ ١٣٣) ❸ احکام القرآن/ قرطبی (١/ ٥٠)

❹ الاذکار، النووی (٣١٤، ٣١٥) الرد الوافر/ ابن ناصر الدین ص (٣٤)

❺ منهاج السنة/ ابن تیمیة (٤/ ٥٧٠) معمولی تصرف کے ساتھ۔

❻ منهاج السنة/ ابن تیمیة (٤/ ٥٧٠)

سنت نبوی ﷺ میں ایسی بے شمار روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاعت نبوی کے بعد ایک قوم جہنم سے نکالی جائے گی اور وہ شخص بھی جہنم سے نکال لیا جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہوگا۔

اس اصول کی رو سے جو شخص بھی یزید جیسے لوگوں پر لعنت کو جائز ٹھہراتا ہو اس کے لیے دو چیزوں کا ثبوت مہیا کرنا ضروری ہے، پہلی چیز تو یہ وہ ان ظالموں اور فاسقوں میں سے تھا جن پر لعنت کرنا شرعاً درست ہوتا ہے، اور یہ کہ جب اس کی موت ہوئی تو وہ فسق و فجور اور ظلم و تعدی پر مصر تھا۔ دوسری چیز یہ ہے کہ ان میں سے کسی نامزد شخص پر لعنت کرنا شرعاً جائز ہے۔ ❶ اور جن لوگوں نے یزید پر لعنت کے لیے اس کے ظلم سے استدلال کیا تو وہ اس اعتبار سے تھا کہ اللہ کے قول ﴿الا لعنة الله علی الظالمين﴾ میں وہ شامل ہے یعنی دیگر وعید والی آیتوں کی طرح یہ آیت کریمہ بھی عام ہے، گویا وہ اللہ کے اس فرمان کے قائم مقام ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْماً إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِيْ بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْراًo﴾ (النساء: ۱۰)

''جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کرتے ہوئے کھاتے ہیں، بلاشبہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ کا انگارا کھاتےہیں، اور عنقریب وہ دہکتی ہوئی آگ میں ڈالے جائیں گے۔''

پس اس آیت کریمہ کا تقاضا ہے کہ ظلماً یتیم کا مال کھانا موجب عذاب اور لعنت ہے لیکن اس سے راجح معارض کی بنا پر کبھی کبھار یہ حکم ختم ہوجاتا ہے مثلاً وہ شخص توبہ کر لے، یا ایسی نیکیاں کر لے جو اس گناہ کو دھل دیں، یا مصائب کا شکار ہو جائے جو اس کے لیے کفارہ بن جائیں یا کوئی شفاعت اس کے کام آجائے جس کی ایک قسم ارحم الراحمین کی رحمت ہے۔ ❷

چناں چہ کوئی شخص یہ کیسے جانتا ہے کہ یزید وغیرہ دیگر ظالموں نے اپنے ان مظالم سے توبہ نہیں کیا؟ یا اس کی زندگی میں ایسی نیکیوں سے محروم ہے جو اس کے ظلم کو دھل دیں؟ یا وہ کسی ایسی مصیبت میں گرفتار نہیں ہوئے جو ان کے لیے کفارہ بن سکیں؟ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے ہرگز ہرگز معاف نہیں کرسکتا، جب کہ اس کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ﴾ (النساء: ۴۸)

''اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں معاف کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جو بھی

---

❶ منهاج السنة/ ابن تيمية (٤/ ٥٧١) معمولی تصرف کے ساتھ۔

❷ مهاج السنة/ ابن تيمية (٤/ ٥٧٠ ، ٥٧١) رفع الملام/ ابن تيمية ص:١

گناہ ہیں جن کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔''

پس ثابت ہوا کہ کسی موصوف عادت وعمل پر لعنت اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ جس فرد میں پایا جاتا ہو سب پر اس کا اطلاق ہی ہو، مگر یہ کہ اس پر وہ وصف صادق آنے کی تمام شرطیں موجود ہوں، اور کوئی رکاوٹ موجود نہ ہو، اور یہاں ایسی بات نہیں ہے۔ ❶

کتاب وسنت میں تہدید وعید کے متعدد نصوص وارد ہیں، اور ان کے بموجب علی العموم والاطلاق حکم لگانا واجب ہے، کسی فرد واحد کو اس میں نامزد یا خاص نہیں کیا جائے گا کہ کہا جائے یہ ملعون ہے، یا مغضوب علیہ ہے یا جہنم کا مستحق ہے، خاص طور سے اگر اس شخص میں فضائل وحسنات بھی موجود ہوں، پس انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی چھوٹے اور بڑے گناہوں کا امکان ہے معاً یہ بھی ممکن ہے کہ وہ شخص صدیق، شہید، یا صالح ہو، کیوں کہ جیسا کہ یہ بات گذر چکی ہے کہ گناہ کی وجہ سے جو سزا یا لعنت گناہ گار پر واجب ہوتی ہے وہ اس کے توبہ و استغفار یا نیکیوں کی کثرت، یا آزمائشوں کے نزول، یا شفاعت یا خالص اللہ کی رحمت ومشیئت کی وجہ سے پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ ❷

چناں چہ یزید پر لعنت کے جواز اور عدم جواز کی بحث کرتے ہوئے ہمارے لیے ضروری ہے کہ اپنی گفتگو کا محور ومرکز ان مقدمات اور اساسیات کو بنائیں جو اسلام میں ثابت ہیں، لہٰذا جس کا اسلام ثابت ہوگا اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہوگا۔ ❸

یزید پر لعنت کی ممانعت کی بحث میں غزالی نے اسی نکتہ پر اعتماد کیا ہے، اور اپنی دلیل یہی بنائی ہے کہ یزید نے مسلمان کی زندگی گزاری اور مسلمان رہ کر مرا، یہ کہیں ثابت نہیں ہے کہ وہ کفر اور ارتداد پر مرا ہو، بلکہ انھوں نے یہاں تک کہا کہ جو شخص کسی مسلمان کو نامزد کرتے ہوئے اس پر لعنت بھیجے تو ایسا شخص فاسق اور اللہ کا نافرمان مانا جائے گا۔ پھر خلاصہ کے طور پر لکھتے ہیں: یزید کو رحمہ اللہ کہنا جائز ہے، بلکہ مستحب ہے، اور وہ ہماری اس دعا میں شامل ہیں:

((اللهم اغفر للمومنين والمومنات............))

''اے اللہ مومن مردوں وعورتوں کو بخش دے۔''

اس لیے کہ وہ مومن تھے۔ والله اعلم بالصواب۔ ❹

---

❶ رفع الملام/ ابن تيمية ص (٤٤) ❷ رفع الملام/ ابن تيمية (٤٥)

❸ وفيات الاعيان/ ابن خلكان (٣/ ٣٨٩) القيد الشريد ق (١٣ب)

❹ وفيات الاعيان/ ابن خلكان (٣/ ٣٨٩)

ابن حجر ہیثمی نے غزالی کے قول کی تشریح میں لکھا ہے کہ یہی بات ہمارے ائمہ وعلماء اسلام کے ان قواعد کے مطابق ہے جن میں انھوں نے یہ صراحت کی ہے کہ کسی خاص فرد واحد کو اس وقت تک لعنت کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ قطعیت سے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس کی موت کفر پر ہوئی ہے، جیسے کہ ابوجہل اور ابولہب تھے۔ اور اس لیے بھی کہ لعنت بمعنی اللہ کی رحمت سے دوری یعنی اس سے مکمل مایوسی ہے اور یہ اسی شخص کے لیے مناسب ہے جس کی کفر پر موت یقینی ہو۔ [1]

امام ابن الصلاح سے جب یزید پر لعنت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: یزید کو گالیاں دینا اور اسے لعنت بھیجنا مومن کی شان نہیں ہے۔ [2]

جب کہ ابوبکر احمد بن حسین الشافعی جو ابن الحداد سے مشہور ہیں اپنے عقیدہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ہم معاویہ پر ترحُّم کے قائل ہیں اور یزید کے دل کے ارادوں کو اللہ کے حوالے کرتے ہیں۔'' [3]

اسی طرح جب حافظ عبدالغنی المقدسی سے یزید بن معاویہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے یہ جواب دیا: ان کی خلافت صحیح ہے، بعض علماء کے بقول ساٹھ عدد اصحاب رسول نے ان پر بیعت کی تھی، ان میں سے ایک ابن عمر بھی تھے، اور جہاں تک ان سے محبت کرنے کا تعلق ہے تو جو شخص بھی ان سے محبت کرے اس پر نکیر نہیں کیا جانا چاہیے، اور جو محبت نہ کرے اسے محبت کے لیے مجبور نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ وہ ان صحابہ کرام میں سے نہیں تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت پائی، کہ کہا جائے ان سے محبت کرنا لازم ہے، انھیں - یزید کو - کوئی ایسی خصوصیت بھی حاصل نہیں رہی ہے کہ کہا جائے وہ عبدالملک اور ان کے بیٹوں جیسے تابعین خلفاء سے ممتاز ہیں، ان - یزید - کی شخصیت سے چھیڑ چھاڑ کرنے اور انھیں سب وشتم کرنے سے اس لیے روکا جاتا ہے کہ مبادا اس راستہ سے ان کے والد محترم (معاویہ رضی اللہ عنہ) کو نشانہ بنا لیا جائے، اور اس لیے بھی کہ فتنہ کا دروازہ نہ کھلنے پائے۔ [4] سمہودی کا قول ہے کہ یزید پر لعنت کرنے سے توقف کرنے کا سبب یہ ہے کہ اس کے بارے میں ایسی کوئی چیز ثابت نہیں ہے جو اس کی تکفیر کا متقاضی ہو۔ [5]

اپنے زمانے کے شیخ اور علماء احناف کے معتبر محقق کمال بن ہمام کا بھی یہی قول ہے۔ نیز انھوں نے اتنا

---

[1] الصواعق المحرقة/ ابن حجر هيثمي (٣٣٣)، الزواجر/ هيثمي (٢/ ٦)

[2] القيد الشريد/ ابن طولون ق(١٣أ) الرسائل المنيرية (٤/ ٣٨) کے ضمن میں فتاوی ابن صلاح، لیکن نص میں تحریف ہے۔ الصواعق المحرقة (٤٣٤، ٤٣٥)

[3] اجتماع الجيوش الاسلامية/ ابن القيم (٦٦)

[4] ذيل طبقات الحنابلة/ ابن رجب (٢/ ٣٤) القيد الشريد/ ابن طولون ق (١٧ب) ٢

[5] جواهر العقدين السمهودي ق (٢٨)

اضافہ کیا ہے کہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ہم اس معاملہ میں توقف سے کام لیں، اور معاملہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حوالے کر دیں۔ [1]

سمہودی نے اس قول پر نوٹ لکھا ہے کہ یہی وہ حق بات ہے جس کا میں عقیدہ رکھتا ہوں، جس نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، یا انھیں قتل کرنے کا حکم دیا، یا اس کی اجازت دی، یا اس سے راضی رہا اس پر یزید کا نام لئے بغیر لعنت کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح بلا کسی نامزدگی کے عام شراب نوشوں پر لعنت درست ہے۔ [2]

بتاتے چلوں کہ جن لوگوں نے یزید بن معاویہ پر لعنت کو جائز ٹھہرایا ہے انھوں نے ابویعلی الفراء کی اس روایت پر اعتماد کیا ہے جو آپ نے اپنی کتاب "المعتمد فی الاصول" میں اپنی سند سے صالح بن احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے اپنے باپ سے کہا: کچھ نامناسب اور غیر معقول لوگوں کے بارے میں مشہور ہے کہ انھیں یزید نے امارت وحکمرانی دی تھی؟ اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا: میرے عزیز! کیا یزید نے کسی مومن کو بھی کبھی امارت سونپی؟؟ میں نے کہا: پھر آپ اس پر لعنت کیوں نہیں بھیجتے؟ انھوں نے کہا: جب تم مجھے کسی چیز پر لعنت بھیجتے ہوئے دیکھو تو خیال کر لو کہ بھلا اس پر لعنت کیوں نہ بھیجی جائے گی جس پر اللہ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہو، اللہ کا ارشاد ہے:

﴿أُوْلَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَى أَبْصَارَهُمْ﴾ (محمد: ۲۳)

"یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے، پس اللہ نے انھیں بہرا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔" [3]

چناں چہ جن لوگوں نے یزید بن معاویہ پر لعنت کو جائز ٹھہرایا ہے انھوں نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے اور بعض نے اسی روایت کے پیش نظر تو یہاں تک کہہ دیا کہ امام احمد رحمہ اللہ یزید بن معاویہ کی تکفیر کو جائز ٹھہراتے تھے۔ [4] لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ امام احمد کی طرف منسوب یہ روایت منقطع ہے، ان سے ثابت نہیں ہے، علاوہ ازیں یہ نکتہ بھی زیر غور رہے کہ یہ آیت کریمہ فرد معین پر لعنت کے جواز پر دلالت نہیں کرتی۔ [5] اور اگر ہم امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مروی ثابت شدہ ان صحیح روایتوں کو دیکھیں جن میں ان کی لعنت بھیجنے سے

---

[1] جواهر العقدين/ السمهودی ق (۲۸)، القيد الشريد/ ابن طولون ق (۱۷ب)

[2] جواهر العقدين/ السمهودی ق (۲۸)

[3] الرد على المتعصب العنيد/ ابن الجوزی ق (٤) جواهر العقدين/ السمهودی ق (۲۷) الآداب الشرعية/ ابن مفلح (۱/ ۲۷۰) الصواعق المحرقه، ابن حجر الهيثمی (۳۳۲)

[4] نور الدين القاری نے شرح الشفاء (۵/ ۲۲۵) میں یہی کیا ہے۔

[5] منهاج السنة / ابن تيمية (٤/ ۵۷۳)

ممانعت ہے تو اس روایت کا ضعف مزید کھل کر سامنے آجائے گا۔ بلکہ صالح ہی کی روایت سے امام احمد سے ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا: جب تمھارے باپ سے کہا گیا کہ یزید پر لعنت کیوں نہیں بھیجتے؟ تو کیا کبھی تم نے انھیں لعنت بھیجتے دیکھا۔ ❶ اور جب عصمہ بن ابوعصمہ ابوطالب عسکری نے امام احمد سے یزید کی لعنت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: اس سلسلہ میں کچھ نہ بولو، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

((لعن المومن كقتله .)) ❷

''کسی مومن پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے جیسا ہے۔''

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((خير امتى قرنى ثم الذين يلونهم .)) ❸

''میری امت کے سب سے بہتر لوگ میرے دور کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہیں۔''

یزید اُسی دور کے ایک فرد ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے بارے میں زبان بند رکھنا زیادہ بہتر ہے۔ ❹

امام خلال فرماتے ہیں: ''فرد معین پر عدم لعنت کا امام احمد کا جو موقف ہے وہی حق ہے کیوں کہ اس سلسلے میں بہت ساری حدیثیں وارد ہیں جو لعنت تھوپنے کی ممانعت کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔'' ❺

نیز امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی وفات سے قبل ان کا جو عقیدہ منقول ہے اس میں لکھا ہے:

''یزید بن معاویہ کے بارے میں اپنی زبان روکے ہوئے تھے اور اسے اللہ کے حوالے کر دیا، اور پہلی صدی ہجری تمام اسلاف میں سے کسی کے بارے میں مطلقا کوئی حکم لگانے میں حرج محسوس کرتے تھے۔'' ❻

جیسا کہ تقی الدین مقدسی نے لکھا ہے کہ امام احمد سے منصوص قول جسے خلال نے ثابت ٹھہرایا ہے وہ یہ کہ مطلق اور عمومی لعنت جائز ہے نہ کہ کسی فرد معین پر جیسا کہ وعد و وعید کے نصوص کو ذکر کرتے ہوئے میں نے کہا ہے اور جس طرح ہم جنت وجہنم کے وجود پر یقین رکھتے ہیں اسی طرح ہمارا یقین ہے کہ مومنین جنت میں

❶ منهاج السنة/ ابن تيمية (٢/ ٥٧٣)، الآداب الشرعى/ ابن مفلح (١/ ٢٧١)

❷ صحيح البخارى مع الفتح (١/ ٦٦٤)، مسند احمد (٤/ ٨٣، ٨٤)

❸ صحيح البخارى حديث نمبر (٣٦٥٠) مسلم، حديث نمبر (٤٦٠٣) بلفظ خيركم قرنى۔

❹ السنة/ الخلّال (٥٢١) طبقات الحنابلة، ابويعلى (١/ ٢٤٦) المنهج الاحمد العلمى (١/ ١٧٨) المقصد الارشد/ ابن مثلح (٢/ ٢٨٤)

❺ السنة/ الخلال (٥٢٢)

❻ طبقات الحنابلة/ ابويعلى (٢/ ٢٧٣)

اور کفار جہنم میں رہیں گے، اور جس کے لیے کتاب وسنت نے جنت یا جہنم کو واجب ٹھہرایا اس کی صداقت کی ہم گواہی دیتے ہیں۔ البتہ کسی فرد معین کے لیے اس وقت تک اسے جائز نہیں ٹھہراتے جب تک اس کے بارے میں خاص نص نہ وارد ہو یا ایک قول کے مطابق اس کی لعنت زبان زد عام ہو، لہٰذا یہ معلوم ہونا چاہیے کہ لعنت کے بارے میں تمام تر نصوص شرعیہ مطلق وارد ہیں، جیسے کہ رشوت خور اور رشوت دینے والے پر لعنت، سود خور، سود کھلانے والے، اور اس کے گواہوں ومحررین پر لعنت۔ ❶

چوں کہ بعض علماء حنابلہ نے صالح کی اس مذکورہ منقطع روایت پر اعتماد کر لیا جسے ابویعلی نے نقل کیا تھا اس لیے ان میں یزید پر لعنت کے جواز کے تعلق سے اختلاف پیدا ہو گیا۔ ❷ حتی کہ خود ابویعلی نے اس روایت پر اعتماد کرتے ہوئے اس موضوع پر ایک کتاب ہی لکھ دیا کہ کن کن لوگوں پر لعنت درست ہے، پھر ان میں یزید کو بھی ذکر کیا۔ ❸ اور انھیں کی راہ پر چلتے ہوئے ابن الجوزی نے ایک کتاب تالیف کیا جس کا نام "الرد علـى المتعصب العنيد المانع من لعن يزيد" رکھا اور اس میں یزید بن معاویہ کی لعنت کو درست ٹھہرایا۔ ❹ امام سیوطی نے بھی انھیں کی راہ اختیار کی ہے۔ ❺ جب کہ ابن حجر نے امام احمد رحمہ اللہ کے جواز لعنت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: اس میں ایسی صفات پائی جاتی تھیں جو سلب ایمان کی متقاضی تھیں، اس لیے کہ محض اللہ کے لیے محبت اور محض اللہ کے لیے نفرت ایمان کا حصہ ہے۔ ❻ اور ابوالمعانی نے مبالغہ آرائی سے کام

❶ الآداب الشرعية/ ابن مفلح (١/ ٢٧٢ ، ٢٧٣)

❷ الطبقات / ابويعلى (٢/ ٢٧٣)

❸ الـرد عـلـى المتعصب العنيد، ابن الجوزى ق (٤) الصواعق المحرقة ابن حجر الهيثمى ص (٣٣٢)، جواهر العقدين، السمهودى ق (٢٧)

❹ ابن الجوزی نے یہ کتاب عبدالمغیث بن زہیر الحربی کے رد میں تالیف کی تھی، کیوں کہ انھوں نے ایک کتاب لکھی تھی جس میں یزید بن معاویہ کی تعریف کرتے ہوئے ان پر لعنت بھیجنے کو ناجائز ٹھہرایا تھا، پھر دونوں ہی ایک دوسرے سے قطع تعلق رہے یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے۔ (ذیل طبقات الحنابلۃ ۱/۳۵۶) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ المغیث کے بارے میں لکھتے ہیں: یزید کے فضائل کے بارے میں ان کی ایک تصنیف ہے جس میں انھوں نے عجائب وغرائب کو نقل کیا ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ ۱۲/۳۵۰) مجھے عبدالمغیث کی اس کتاب کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے شاید اب یہ مفقود ہے، البتہ ابن الجوزی کی کتاب برلین اور بغداد میں خطی نسخے میں آج بھی موجود ہے، بلکہ آمنہ محمد نصیر کی کتاب ابن الجوزی وآراءہ الکلامیۃ والاخلاقیۃ ص (۵۷۵) کے حوالے سے ہالینڈ میں لیڈن میں بھی یہ موجود ہے۔ دیکھئے: تعليق على منهاج السنة (٤/ ٥٧٥) د۔ رشاد سالم رحمه الله۔

❺ تاريخ الخلفاء / السيوطى (٢٠٧) سیوطی رحمہ اللہ نے سلطان طغرل بک سلجوقی کو بھی نہیں بخشا کہ جب انھوں نے خلیفہ کی بیٹی سے شادی کر لیا تو ان کے بارے میں فرمایا: "لا عفا اللہ عنہ" حالاں کہ اللہ کے فضل کے بعد روافض کی سرکوبی اور خلافت عباسیہ میں اہل سنت کی ہیئت لوٹانے میں ان کا بڑا کارنامہ اور فضل رہا ہے۔ (تاريخ الخلفاء ٩٨)

❻ فتاوى ابن حجر فى العقيدة ص (٩٨-١٠١)

لیتے ہوئے یزید بن معاویہ کی لعنت کے جواز پر اتفاق نقل کیا ہے۔ [1]

میرے خیال میں یزید بن معاویہ کی دوران خلافت ان کی پوری سیرت کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے ذمہ دار نہیں ٹھہرتے، اور آپ کے بیٹوں کے بارے میں ان کا موقف احترام اور ان کے مقام و مرتبہ کے پاس و لحاظ سے بھرپور تھا، پھر یہ کہ اہل مدینہ کے انتہائی توقیر و اعزاز اور ان پر قیمتی نوازشات کے باوجود انھوں نے یزید کی شخصیت کو عیوب سے متہم کرنے میں تورع سے کام نہیں لیا، پھر بھی اپنے قائد لشکر مسلم بن عقبہ کو انھوں نے یہ تلقین کی تھی کہ تین دن تک انھیں نظر انداز کرتے رہیں، اور ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں، بلکہ اطاعت کی دعوت دیں، لیکن جب مسلمانوں کی متحدہ جماعت میں انھیں داخل کرنے کی ساری کوششیں ناکام رہیں تو مجبوراً انھوں نے اہل مدینہ سے قتال کیا، ہاں وہاں تین دنوں تک لوٹ مار کرنے کی یزید نے جو اجازت دی تھی وہ یقیناً اس کی ایسی غلطیوں میں سے ہے جس پر اسے معذور نہیں کہا جاسکتا ہے، لیکن وہ کفر تو نہیں ہوسکتا، لہٰذا برحق بات تو یہ ہے کہ مدینہ والوں نے یزید پر زبان درازی کیا جس کی پاداش میں ان کے ساتھ سختی کا رویہ اپنایا پھر وہ لوگ بھی اس کے ساتھ سختی سے پیش آئے اور اسے مشکلات میں ڈال دیا یہاں تک کہ اپنی دائرہ اطاعت ہی سے خارج کر دیا۔ [2]

پس معلوم یہ ہوا کہ لعنت کو یزید بن معاویہ کے ساتھ خاص کر دینا درست نہیں ہے کیوں کہ اس کا اسلام ثابت ہے، اور حالت اسلام میں اس کی وفات ہوئی، کسی بھی صحیح سند سے یہ بات کہیں منقول نہیں کہ اس نے کفر کا کلمہ کہا، یا زندگی کے آخری ایام میں مرتد ہوگیا، اس لیے کسی مسلمان کے لیے روا نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو کافر کہے اگرچہ اس نے غلطیاں اور لغزشیں کی ہوں، تاوقتیکہ اس پر حجت نہ قائم کردی جائے، اور اس کے سامنے دلائل واضح ہو جائیں اور جس کا اسلام یقین سے ثابت ہو، شک کی بنیاد پر وہ زائل نہیں ہوتا، اتمام حجت و ازالہ شبہات کے بعد ہی اس پر دوسرا حکم لگ سکتا ہے۔ [3]

علاوہ ازیں وہ اس دائرہ مغفرت میں داخل ہے جو قسطنطنیہ کا غزوہ کرنے والوں کے ساتھ خاص ہے، کیوں کہ یزید اس کے امیر تھے۔ [4] مزید برآں وہ قرن اول کے ان افراد میں شامل ہے جن کے بارے میں خیر و بہتری کی نبوی شہادت دی گئی ہے۔ یہ بات اس لیے خصوصی توجہ کی حامل ہے کہ اس کے بارے میں وہ

---

[1] "صب العذاب علی من سبَّ الاصحاب / ابو المعالی محمد شکری ق (۳۷ب) شیخ حماد کے مکتبہ میں یہ نسخہ مصور ہے، جو بغداد کے مکتبہ الآثار العامه میں)۸۵۸۷) کے تحت درج ہے۔

[2] خطط الشام / محمد کرد علی (۱/ ۱۱۳)

[3] الفتاوی/ ابن تیمیة (۱۲/ ٤٠٦)

[4] پہلی فصل میں شخصیت یزید پر گفتگو کے بحث میں اس کی تخریج گذر چکی ہے۔

کفر کہیں ثابت نہیں ہے جو ان فضائل سے یزید کو خارج کر دے۔ [1] پس یزید اس قرن اول کے آخری ایام کے خلیفہ تھے، جسے اللہ کے رسول ﷺ نے ''خیر'' سے متصف کیا ہے۔ [2]

اسی طرح وہ ان بارہ خلفاء میں سے ایک تھے جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لایزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشر خلیفة ، کلھم من قریش .)) [3]

''بارہ خلفاء تک اسلام مستحکم و غالب رہے گا، وہ سب کے سب قریش کے ہوں گے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: ''اس حدیث میں ان -قریش- کی خلافت و حکومت کی صفت خاصہ کا ذکر کیا گیا ہے یعنی ان کے دور میں اسلام غالب اور مستحکم ہوگا، اور دوسری روایت میں ہے کہ وہ ایسے ہوں گے جن پر پوری رعایا متفق و متحد رہے گی، جیسا کہ ابوداؤد میں وارد ہے چناں چہ انھوں نے بسند اسماعیل بن ابی خالد عن ابیہ عن جابر بن سمرہ وہ روایت ان الفاظ میں لکھا ہے: ((لا یزال ھذا الدین قائما حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفة کلھم تجتمع علیه الامة .)) [4] ''یہ دین مسلسل مستحکم و قائم رہے گا یہاں تک کہ تم پر بارہ خلیفہ ہوں گے، ان سب پر پوری امت متحد ہوگی۔''

طبرانی نے دوسری سند سے اسود بن سعید عن جابر بن سمرہ اس لفظ میں نقل کیا ہے کہ ''لا تضرھم عداوۃ من عاداھم'' [5] جو ان سے عداوت کرے گا اس کی عداوت انھیں نقصان نہ پہنچائے گی۔

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ ''کشف المشکل'' میں فرماتے ہیں: گویا آپ ﷺ نے اس حدیث کے ذریعہ بنوامیہ کی مدت حکومت کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور گویا ایسا ہی ہوا کہ ان کی حکومت بارہ خلفاء کی شکل میں مسلسل قائم رہی، پہلے خلیفہ یزید بن معاویہ اور آخری مروان الحمار رہے، اسی طرح عثمان، معاویہ، اور ابن زبیر کو چھوڑ کر ان کی تعداد تیرہ تک پہنچ جاتی ہے ان لوگوں کا شمار اس لیے نہیں ہے کہ وہ صحابہ رسول میں سے تھے، چناں چہ اس سلسلہ خلافت سے اگر مروان بن حکم کو بھی خارج کر دیا جائے کیوں کہ ان کی صحبت میں اختلاف ہے یا جب لوگ عبداللہ بن زبیر پر متحد ہو گئے تو وہ اس سے پلٹ جانے والے تھے تو بارہ خلفاء کی یہ تعداد درست اور ثابت

[1] ابن عساکر ، ترجمة یزید بن معاویه (۱۸/ ق ۳۹۷) ، القید الشرید/ ابن طولون (ق ٤)

[2] دیکھئے صفحہ ۶۷۲

[3] صحیح البخاری مع الفتح (۱۳/ ۲۲٤) ، صحیح مسلم مع النووی (۱۲/ ۲۰۲) ، مسند احمد (٥/ ۲۹٤) (۳۷۸۱) ، سنن ابی دائود (۲/ ۲۰۷) ، ترمذی (٤/ ٥۰۱)

[4] سنن ابی دائود (٤/ ٤۷۱ ، ٤۷۲) (٤۲۷۹)

[5] المعجم الکبیر (۲/ ۱۹٦) اس میں ''لایضرھم من خذلھم'' اور ''لا یضره مخالف و لا مفارق'' کے الفاظ ہیں (۱۷۹٤ ، ۱۷۹٦) الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ، ابن بلبان (۸/ ۲۳۰) اس روایت میں ''یتصرون علی من نأواھم'' کا لفظ ہے۔

ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اس وقت کے حالات وقرائن بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کیوں کہ خلافت کی باگ ڈور بنوامیہ کے ہاتھوں سے نکلنے کے بعد عالم اسلام بڑے بڑے فتنوں اور مہیب ترین جنگوں سے دوچار ہوا، یہاں تک کہ بنوعباس کی حکومت کو استحکام اور مضبوطی مل گئی، اور ماقبل کے حالات میں واضح تبدیلی ہوئی، اس کی تائید ابوداوٗد میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت مرفوع روایت سے ہوتی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

((تدور رحی الاسلام لخمس و ثلاثین او ست و ثلاثین او سبع و ثلاثین، فان هلكوا فسبيل من هلك، و ان بقوا يقم لهم دينهم سبعين عاما .)) [1]

''اسلام کی چکی پینتیس یا چھتیس یا سینتیس سالوں تک چلے گی، پس اگر وہ سب ہلاک ہو گئے؟ اور اگر زندہ رہے تو ان کی حکومت ستر سال تک رہے گی۔''

طبرانی اور خطابی نے اتنا زیادہ کیا ہے کہ ''سوی ما مضی؟ قال: نعم'' ان سے پوچھا گیا، کیا یہ ان ایام کے علاوہ ہے جو گزر چکے؟ فرمایا: ہاں۔ خطابی فرماتے ہیں: اسلام کی چکی چلنا، جنگ سے کنایہ ہے اور اسے دانہ پیسنے والی چکی سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس میں جانوں کا اتلاف ہوتا ہے، اور حدیث میں ''دین'' کے لفظ سے ملوکیت اور حکومت مراد ہے۔ [2]

اس طرح معاویہ رضی اللہ عنہ پر لوگوں کے اتفاق کے وقت سے لے کر بنوامیہ کے آخری حاکم کی بادشاہت ختم ہونے تک کی مدت ستر سال ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ اس تشریح وتاویل کو طبرانی کی اس روایت سے تائید بھی حاصل ہوتی ہے جسے عبداللہ بن عمرو بن عاص نے مرفوعاً روایت کیا ہے:

((اذا ملك اثنا عشر من بنی كعب بن لؤی كان النقف و النقاف الى يوم القيامة .)) [3]

''جب بنوکعب بن لوی کے بارہ بادشاہ گذر جائیں تو پھر قیامت تک لیے قتل و غارت گری کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ ''نقف'' سر کی کھوپڑی توڑنے کو کہتے ہیں، جب کہ نقاف بھی اسی معنی میں فعال کے وزن پر ہے۔''

---

[1] مسند احمد (٥/ ٢٦٣) (٣٧٠٧) احمد شاکر فرماتے ہیں، اس کی سند صحیح ہے۔ سنن ابوداؤد (٤/ ٤٥٣، ٤٥٤) (٤٢٥٤)، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان / بلبان (٨/ ٢٣١)، مستدرك حاكم (٤/ ٥٢١) مسند طیالسی، انھوں نے اسے صحیح الاسناد ٹھہرایا ہے حالاں کہ اس کی تخریج نہیں کیا۔ ذہبی نے بھی اس کی موافقت کی ہے۔

[2] معالم السنن برحاشیه سنن ابوداؤد (٤/ ٤٥٣)

[3] فتح الباری / ابن حجر (١٣/ ٢٢٦) مجھے طبرانی کی الکبیر، الاوسط، اور الصغیر میں یہ روایت نہیں ملی، ممکن ہے اس حصے میں جو ابھی طبع نہیں ہوئی ہے۔

بنو کعب بن لؤی سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ سب قریش کے ہوں گے، اس لیے کہ لؤی سے مراد لؤی بن غالب بن فہر ہے جو قریش کی پناہ گاہ اور اس کی اصل ہے۔ ❶

قاضی عیاض لکھتے ہیں: ''شاید بارہ حکمرانوں سے مراد یہ ہے کہ وہ اس زمانے میں ہوں گے جب اسلام کو قوت واستحکام حاصل ہوگا اور خلافت اپنے ابتدائی ایام سے گذر رہی ہوگی، لوگ اپنے خلیفہ پر متحد ہوا کریں گے، چناں چہ یہ قوت ان لوگوں کے دور میں پائی گئی جن پر لوگ متحد ومتفق رہے، یہاں تک کہ بنوامیہ کا معاملہ خود ہی الجھ گیا، اور ولید بن یزید کے زمانے میں ان میں فتنوں نے جنم لے لیا، پھر ان کی حکومت ختم ہوگئی، اور عباسی خلفاء کا دور آیا، جنھوں نے ان کی رہی سہی قوت کا بھی صفایا کر دیا۔'' ❷

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے قاضی عیاض کے اس قول کو راجح ٹھہرایا ہے کیوں کہ بعض سندوں سے ثابت صحیح حدیث ''کلهم يجتمع عليه الناس'' سے اسے تائید ملتی ہے، اس اجمال کی وضاحت یہ ہے کہ لوگوں کے اتحاد واجماع سے مراد یہ ہے کہ وہ بیعت خلیفہ کے لیے جھک جائیں گے اور جو چیز دیکھنے میں آئی وہ یہ کہ لوگ سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ، پھر عمر، پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم کی بیعت کے لیے متحد رہے، یہاں تک کہ صفین میں دونوں حکمین کا معاملہ سامنے آیا، اس وقت پہلی مرتبہ معاویہ کے لیے خلیفہ کا نام آیا، پھر حسن رضی اللہ عنہ سے مصالحت کے بعد لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متحد رہے، پھر ان کے لڑکے یزید پر بھی سب نے بیعت کیا، حسین رضی اللہ عنہ کے حق میں کوئی معاملہ منظم نہ ہوسکا کہ اس سے پہلے آپ شہید کر دیئے گئے، پھر جب یزید کی وفات ہوگئی تو امت کو ایک اور اختلاف کا سامنا ہوا، یہاں تک کہ وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اولاً عبدالملک بن مروان پر، اور پھر ان کے بعد یکے بعد دیگرے ان کے چاروں بیٹوں یعنی ولید، پھر سلیمان، پھر یزید پھر ہشام پر متحد ومتفق ہوئی، البتہ سلیمان اور ولید کے درمیان عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا بھی تابناک دور آیا، یہ ساتوں حکمران خلفاء راشدین کے بعد ہوئے، اور پھر آخر میں بارہویں حاکم ولید بن یزید بن عبدالملک ہوئے، جن پر ان کے چچا ہشام بن عبدالملک کی وفات کے بعد امت مسلمہ کا اتفاق ہوا، یہ تقریباً چار سالوں تک حاکم رہے، پھر ان کے خلاف شر پسند اٹھے اور قتل کر دیا۔ یہیں سے نت نئے اور شکست خورد فتنوں نے سر اٹھا لئے، حالات بدل گئے، اور اس کے بعد پوری امت کسی خلیفہ پر متحد نہ ہوسکی، اور تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ ان بارہ خلفاء کے دور حکومت کے غالب ایام انتہائی منظم اور پرامن رہے، کچھ ایام میں بعض اختلافات ضرور رہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا تاہم امن، انتظام اور استحکام واستقامت کے بالمقابل وہ شاذ ونادر ہیں۔ واللہ اعلم ❸

---

❶ فتح الباری / ابن حجر (١٣/ ٢٢٦)

❷ شرح النووی علی صحیح مسلم (١٢/ ٢٠٢، ٢٠٣) فتح الباری (١٣/ ٢٢٧) ❸ فتح الباری (١٣/ ٢٢٧، ٢٢٨)

جب کہ ابن حبان نے ان بارہ خلفاء کو چاروں خلفاء راشدین اور خلافت حسن، پھر آخر میں عمر بن عبدالعزیز تک خلفاء بنوامیہ کو محصور کیا ہے۔ ❶ ابن ابی العز الحنفی نے بھی انھیں کی راہ اپنائی ہے اور ان بارہ خلفاء کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں اس کے بعد حکومت پستی اور عدم استحکام کا شکار ہوگئی۔ ❷

لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ابن حبان اور ابن ابوالعز الحنفی کی یہ تقسیم مدلول حدیث سے میل نہیں کھاتی، اس لیے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بعد حلات میں تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ اسلام کا غلبہ اور اس کی عزت برابر باقی رہی، حتی کہ ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں اسلامی سلطنت عظمت وقوت کی اوج ثریا کو چھو رہی تھی، اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابن الجوزی، قاضی عیاض، ابن حجر، نووی اور ابن القیم ❸ وغیرہ نے جو تقسیم و تجزیہ کیا ہے وہ حدیث کے مدلول سے قریب تر ہے۔

بہر حال اس بحث کے اختتام پر ایک پہلو اور بھی انتہائی قابل غور ہے وہ یہ کہ یزید کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہمعصری میسر ہوئی تھی، اور یہ سارے حوادث ان کے زمانے میں درپیش آئے تھے، کسی بھی تاریخی مصدر میں ہمیں یہ بات نہیں ملتی کہ ان میں سے کسی صحابی یا تابعی نے یزید پر لعنت بھیجی تھی، جب کہ بعد میں آنے والوں کی بہ نسبت وہ لوگ اس کے احوال و عادات کو زیادہ جاننے والے تھے، لہٰذا ایک مسلمان کے لیے مناسب ترین بات یہ ہے کہ اپنے تمامتر معاملات میں صداقت و پاکیزگی کا متلاشی ہو، اور جس بات سے صحابہ و تابعین نے اپنی زبان محفوظ رکھی خود کو اس سے پاک رکھے، صحیح بات کے لازمی دلائل ہوتے ہیں تو معاملہ کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں، اور جھوٹ کے بھی لازمی دلائل ہوتے ہیں، معاملہ کے جھوٹ ہونے پر دلالت کرتے ہیں، اس لیے کہ کسی مخبر کی تصدیق یا تکذیب بلا دلیل کے ہرگز نہیں کی جائے گی، اور جس چیز کا صدق و کذب، اور ثبوت ونفی معلوم نہ ہو اس پر حکم لگانے سے رک جانا واجب اور ضروری ہے۔ ❹ "لیس المومن بالطعان و لا اللعان۔" ❺ مومن لعن وطعن کا خوگر نہیں ہوتا، اور پھر ہم یہ نہ بھولیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ وہ حالت نزع میں نہ پہنچ جائے۔ ❻

---

❶ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان/ ابن بلبان (۸/ ۲۲۸، ۲۲۹)

❷ شرح العقیدۃ الطحاویۃ/ ابن ابوالعز الحنفی ص (۴۸۹)

❸ عون المعبود شرح سنن ابوداؤد کے حاشیہ پر ابن القیم کی شرح و تعلیقات دیکھیں (۱/ ۳۶۴)

❹ الجواب الصحیح/ ابن تیمیۃ (۴/ ۳۰۰)

❺ مسند احمد (۱/ ۴۱۶) الادب المفرد/ البخاری ص (۱۱۷) (۳۱۳) "ولد الفاحش الا البذی" السنۃ/ ابن ابی عاصم (۲/ ۴۸۷) (۱۰۱۴) مستدرک حاکم (۱/ ۱۲۱) السنۃ/ ابن ابی عاصم کے حاشیہ میں البانی نے اس پر صحت کا حکم لگایا ہے۔

❻ مسند احمد (۹/ ۱۶۱) (۶۴۰۸) باسناد صحیح۔

اس مقام پر ہمیں یہ جان لینا بھی انتہائی ضروری ہے کہ یزید پر لعنت کا دور اس وقت سے شروع ہوا جب عباسی حکومت کا قیام ہوا، اور بنوامیہ کی تذلیل و تنقیص کے لیے کشادہ میدان مل گیا، اس وقت یزید پر لعنت بھیجنے کا معاملہ عام ہوگیا، اس کے متعدد دلائل میں سے ایک دلیل ابن الجوزی کا یہ بیان ہے جو انھوں نے امام حسن بن صباح کی سیرت و سوانح میں لکھا ہے کہ انھوں نے کہا: مجھے خلیفہ مامون کے سامنے پیش کیا گیا اور تہمت یہ لگائی گئی کہ میں علی بن ابی طالب پر سب وشتم کرتا ہوں، چناں چہ جب میں اس کے سامنے کھڑا ہوا تو مامون نے مجھ سے پوچھا: تمھیں حسن ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں، اے امیر المومنین، انھوں نے پوچھا: تم علی بن ابی طالب پر سب وشتم کرتے ہو؟ میں نے کہا: اے امیر المومنین! صلی اللہ علی مولای وسیدی علی۔ اللہ تعالیٰ میرے بزرگ اور سردار پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ میں یزید بن معاویہ کو گالیاں نہیں دیتا کیوں کہ وہ آپ کے برادرعم ہیں، پھر بھلا اپنے بزرگ اور محترم کو گالیاں کیوں کر دے سکتا ہوں؟ مامون نے کہا: انھیں جانے دو۔ [1]

افسوس کہ یزید کو سب وشتم اور ان پر لعن وطعن کرنے کا معاملہ صرف عباسی حکمرانوں کے دور اقتدار میں اور اسلامی ریاستوں تک محدود نہیں رہا بلکہ علوی خاندان کی برتری اور عصمت ونزاہت کا ایسا پروپیگنڈہ ہوا جس سے بلاد چیں میں وہاں کے کفار بھی یزید بن معاویہ کو گالیاں دینے لگے۔ [2]

خلاصہ یہ کہ لعنت کا حکم عیاں ہو جانے کے باوجود اہل سنت کی ایک جماعت یزید پر لعنت کو صرف اس لیے جائز ٹھہراتی ہے کہ انھوں نے ایسے ظلم کا ارتکاب کیا تھا جو موجب لعنت ہے، جب کہ دوسری جماعت ان سے محبت کو جائز اور مستحب سمجھتی ہے اس لیے وہ مسلمان تھے، اور عہد صحابہ میں منصب خلافت پر سرفراز رہے، صحابہ نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کیا، ان کا عقیدہ ہے کہ یزید پر جو تہمتیں منقول ہیں وہ ثابت نہیں ہیں، بلکہ وہ خوبیوں اور نیکیوں کے مالک تھے، یا کم از کم یہ تو ماننا ہی ہوگا کہ وہ اپنے فیصلہ میں مجتہد تھے، پس صحیح اور راجح بات ائمہ سلف کا یہ موقف ہے کہ یزید کو کسی خاص محبت یا خاص لعنت کا سزاوار نہیں ٹھہرایا جاسکتا، تاہم اگر وہ فاسق یا ظالم تھے تو اللہ جب چاہے فاسق اور ظالم کو معاف کرسکتا ہے خاص کر جب وہ فاسق یا ظالم بڑی نیکیوں کا بھی حامل ہو۔ [3]



[1] المنتظم/ ابن الجوزی (۲/ ۵۳۷)، تذکرة الحفاظ / ذهبی (۲/ ٤٧٦)

[2] رحلة ابن بطوطه (۲/ ۷۲۵)

[3] الوصیة الکبری/ ابن تیمیة ص (٤٥) سعودی عرب کے اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة و الافتاء نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔ دیکھئے: لجنة کے فتاوی۔ العقیدة (۳/ ۲۸۵)

خاتمہ

دوران مطالعہ آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یزید بن معاویہ کی سیرت و کردار پر مشتمل یہ تحقیقی گفتگو، ان کی بیعت کا تذکرہ اور مخالفین کے بارے میں ان کا موقف، یہ ساری باتیں اس تاریخی دور کی مکمل منظر کشی کرنا چاہتی ہیں جس میں سیاست کی گتھیاں الجھی ہوئی اور پریشان کن تھیں، پس یزید بن معاویہ کی شخصیت کافی محل نزاع رہی ہے، بلکہ یوں کہو کہ وہ اور ان کی خلافت مختلف اعتراضات، شبہات اور نقطہائے نظر سے گھری ہوئی ہے، اس لیے بعض لوگوں نے ان کی طرف سے اگر دفاع کی کمر کسی تو بعض دیگروں نے مختلف تہمتوں سے متہم کرتے ہوئے ان کی شخصیت کو مسخ کیا، اور جس دور میں انھوں نے مسلمانوں کی خلافت کی باگ ڈور سنبھالی اس کی تصویر کو بگاڑ کر رکھ دیا۔

میں نے ایک طویل مدت یعنی تقریباً چار سالوں تک اس موضوع کی تہ تک پہنچنے کے لیے علمی نوشتوں کی خاک چھانی تو قابل اعتناء اور ٹھوس علمی تحقیقی وتنقید کے سامنے یزید پر لگی ہوئی گھناؤنی تہمتیں تنکوں کے مانند اڑتی ہوئی نظر آئیں کیوں کہ میری تحقیق وجستجو کا معیار صرف وہ صحیح سندیں تھیں جو ہم تک اس مدت حکمرانی کے بارے میں پہنچی ہیں، پھر بحث وتحقیق کے بعد میں جن اہم نتائج تک پہنچا اس کی تفصیل یہ ہے:

بیعت یزید بن معاویہ:

- بیعت یزید کے تعلق سے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں واردشدہ تمام تر روایات کی تحقیق سے واضح ہو گیا کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو موروثی بادشاہت کی بقاء وتسلسل کی رائے دینے کا اصل محرک مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نہیں تھے، کہ انھوں نے معاویہ کو یزید کی بیعت کے لیے اکسایا ہو، بلکہ اس باب میں وہ روایتیں موجود ہیں جو مغیرہ کو ان تہمتوں سے پاک کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ کوفہ کی ولایت دوبارہ سنبھالنے کے لیے انھوں نے ایسی کوئی سازش کبھی نہیں رچی تھی۔ نیز یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ کوفہ میں یزید کی بیعت ولی عہدی کے لیے رائے عامہ ہموار کرنے کی شرط پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مغیرہ رضی اللہ عنہ کی یہ تمنا پوری کر دی تھی، چناں چہ یہ روایت جس کی کوئی قابل اعتماد سند بھی نہیں اس صحیح ترین روایت کے سامنے پاش پاش ہو کر زمین بوس ہو جاتی ہے، جس میں قطعیت کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ مغیرہ بن شعبہ حقیقت میں معزول کر دیئے گئے تھے، اور ان کی جگہ زیاد بن ابوسفیان نے کوفہ کی امارت سنبھال لی

تھی، اسی طرح وہ تمام تر ہفوات جو تحقیق کے نام پر یزید بن معاویہ کی بیعت کو بدنام کرتی ہیں اور اس میں جلیل القدر صحابی رسول مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو بلا وجہ گھسیٹتی ہیں اس قدر مشکوک اور بے دم ہو جاتی ہیں جنھیں ایسی تعدیل و توثیق کی ضرورت ہے جو اس کتاب میں پیش کردہ تحقیق کے مطابق انھیں صحیح نتیجہ سے متفق کرسکیں۔

- اہم ترین نتائج میں سے یہ بھی ہے کہ اس تحقیق سے ہمیں سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، اور حسن بن علی رضی اللہ عنہم کی صحیح تاریخ وفات معلوم ہوگئی، جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گی کہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت ان نفوس قدسیہ اجلہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہوئی۔
- نیز اس بحث و تحقیق کے ذریعہ ہم ان افترا پردازیوں کا پردہ چاک کرنے میں کامیاب رہے جن میں عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی موت کو یزید بن معاویہ کی بیعت ولی عہدی سے جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہوا جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو زہر خورانی کی تہمت لگانے والی روایتوں کو تنقید و تجزیہ کے علمی معیار پر جانچا، وہیں سے ان تہمتوں کا راز فاش ہوگیا اور واضح ہوگیا کہ یہ ساری ہفوات کینہ پروری اور گروہی تعصب کا نتیجہ ہیں۔
- اس تحقیق نے یہ بھی ثابت کردیا کہ حسن بن علی اور معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہم کے درمیان مصالحت کے اساسی دفعات میں یہ بات کہیں نہیں شامل تھی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حسن بن علی رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ ہوں گے۔
- جس کیفیت و انداز میں اہل حجاز نے یزید بن معاویہ کی بیعت کی تھی وہ بالکل واضح تھی، اس میں کوئی قباحت نہیں محسوس کی گئی، اور جس روایت میں یہ مذکور ہے کہ یزید کے لیے اہل حجاز سے تلواروں کے سائے میں بیعت لی گئی وہ انتہائی ضعیف اور غیر معتبر روایت ہے، صحیح ترین روایات سے معارض ہونے کے قابل ہی نہیں۔
- ایک قابل غور بات یہ ہے کہ یزید بن معاویہ کے مخالفین اور ان کی مخالفت کو بعض روایتیں جس شکل میں پیش کر رہی ہیں وہ اتنی بگڑی ہوئی نہ تھی بلکہ اس میں مبالغہ آرائی کے ذریعہ یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ پوری امت مسلمہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے یزید کو خلافت سونپنے سے راضی نہ تھی، جب کہ اس کے برخلاف بلاد شام و عراق حتی کہ خود اموی خاندان کے تمام ہی ارباب فکر و بصیرت کا تقریباً اس رضامندی پر اجماع ہو چکا تھا کہ یزید کو معاویہ رضی اللہ عنہ کا ولی عہد بنانا مناسب ہے۔

حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی مخالفت:

بعض روایتیں اور خاص کر شیعیت زدہ روایتیں یزید سے حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت اور پھر آپ کے عراق چلے جانے کو یزید کے ہاتھوں حسین بن علی پر ظلم وتعدی کا طبعی نتیجہ ٹھہراتی ہیں، لیکن اس کتاب کی تحقیقی گفتگو نے ان خام خیالیوں کے پھس پھسے پن کو واضح کر دیا، چناں چہ حسین رضی اللہ عنہ مدینہ سے مکہ اس وقت گئے جب شام سے معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبریں آ گئیں، اور پھر مکہ میں چار مہینہ اس حالت میں ٹھہرے کہ یزید کے لیے بیعت خلافت سے منکر رہے، یہ وہی مدت تھی جس میں کوفہ والوں کے برابر خطوط آ رہے تھے اور آپ کو کوفہ آنے کے لیے ابھار رہے تھے، آپ جب تک مکہ میں رہے وہاں یا مدینہ میں نہ یزید نے اور نہ ہی مکہ و مدینہ کے امراء میں سے کسی نے آپ کو کوئی گزند پہنچائی۔ بالآخر آپ کوفہ سے آنے والے عہد و پیمان اور وہاں وعدہ وفائی کی یقین دہانی، پھر یہ کہ حالات کی مکمل سازگاری کی خبروں کے نتیجہ میں وہاں سے نکل گئے، اور جب آپ کوفہ جانے لگے تو صحابہ کرام یا آپ کے اقرباء میں سے کسی نے بھی آپ کی تائید نہیں کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کے خیر خواہاں وہاں کے حالات کی خطرناکی سے واقف تھے، بلکہ بعض نے تو آپ کو آخری الوداع کہہ کر رخصت کیا۔

- اس مفصل بحث کے نتیجہ میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ شہادت حسین ؓ کی کوئی ذمہ داری یزید بن معاویہ کے سر نہیں جاتی۔
- تحقیق نے ثابت کر دیا کہ جب یزید کو شہادت حسین کی خبر ملی تو وہ کافی رنجیدہ ہوئے اور رونے لگے، اور جب دمشق میں آل حسین کا قافلہ یعنی آپ کی بیوی بچے پہنچے تو یزید نے ان کی تکریم واحترام میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، تاکہ ان سے مصیبت کا غم ہلکا ہو جائے، اور صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ پورے اکرام اور احترام کے ساتھ انھیں مدینہ بھیج دیا اور علی بن حسین سے گزارش کی کہ اگر کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو ضرور لکھنا۔
- تحقیق سے اس کذب وافتراء کی حقیقت بھی عیاں ہوگئی کہ آل حسین کو دمشق تک قیدیوں کی شکل میں لے جایا گیا، اور شام والوں کے سامنے ان بیویوں اور بیٹیوں کو پیش کیا گیا، یہاں تک کہ بعض شامی باشندوں نے حسین رضی اللہ عنہ کی بعض بیٹیوں کو اپنے عقد میں رکھنے کی خواہش ظاہر کیا وغیرہ وغیرہ۔
- نیز ہمیں یہ معلوم ہوا کہ حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو یزید نے پورے احترام سے والی مدینہ کے پاس بھیجا، اور اسے ان کی ماں فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر کے بغل میں دفن کر دیا گیا۔
- پس یہ تحقیق بتاتی ہے کہ بہت سارے ملکوں اور شہروں میں جو بہت سارے مزارات ان دعوؤں پر قائم

ہیں کہ یہاں حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک مدفون ہے اس کے صحت کی کوئی اساس نہیں ہے، اوران جگہوں پر شرک اور گمراہیوں کے جو مظاہر ہیں وہ اسلام اوراس کی روح کے یکسر منافی ہیں۔

اہل مدینہ کی مخالفت اور معرکہ حرہ:

- اس موضوع پر تحقیق کرتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی مخالفت اور مدینہ والوں کی تحریک کے درمیان بڑا مضبوط تعلق تھا، بلکہ دونوں مخالفتوں کا باہمی اتحاد اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ایک دور کا ایک فرد اپنی چشم دید گواہی ان الفاظ میں دیتا ہے: مدینہ والے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مل کر یزید کی مخالفت میں نکلے۔[1] اور ایسا لگتا ہے کہ یزید پر شراب نوشی کی تہمت، اور پھر دونوں بستیوں (مکہ و مدینہ) کے باشندوں میں اس تہمت کا زبان زد عام ہونا، مزید برآں اس تہمت کو نمایاں کرتے ہوئے یہ تاثر دینا کہ یزید کے خلاف ہمارے خروج کی یہی اصل وجہ ہے، یہ سب باتیں پس پردہ خلافت یزید سے انکار اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے لیے واضح حمایت کے لیے رواج دی گئی تھیں۔
- شاید یہ انکار اموی گھرانے کے دیگر افراد کو چھوڑ کر صرف یزید کی ذات تک محدود نہ تھی بلکہ اس سے آگے بڑھ کر پورا گھرانہ اس میں شامل تھا،جس کی سب سے بڑی دلیل باشندگان مدینہ کے اموی خاندانوں کو بزور قوت اور ہتھیاروں کے سائے میں مدینہ سے نکال باہر کرنا ہے۔
- اسی طرح یزید کی شراب نوشی کے تعلق سے تمام تر روایات کو پڑھنے اور انھیں تنقید و تجزیہ کے علمی معیار پر پرکھنے سے کوئی ایک بھی ایسی صریح اور واضح روایت نہیں ملتی جس کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جائے کہ یزید شراب نوشی کا عادی تھا۔
- بیعت یزید سے ہاتھ کھینچنے کے بارے میں بعض اکابرین مدینہ مثلاً ابن عمر رضی اللہ عنہما، محمد بن الحنفیہ ، اور علی بن حسین کے موقف کا بغور جائزہ اس بات کا ثوبت فراہم کرتا ہے کہ وہاں بیعت توڑنے کے شرعی اسباب متوفر نہ تھے اور جس انداز میں مدینہ والوں نے بیعت توڑنے کے مسئلہ کو لے کر ابن عمر رضی اللہ عنہما اور محمد بن الحنفیہ سے بحث و مباحثہ کرنے سے انکار کر دیا وہ اس بات کی دلیل ہے کہ مدنیوں کے دل میں اس خروج کے پیچھے کیا محرکات تھیں؟ یعنی وہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ خصوصاً خلافت یزید اور عموماً اموی گھرانے کی قیادت کے خلاف تھے۔
- اسی طرح یہ تحقیق ان روایات کو تنکوں کے مانند اڑا دیتی ہے جو یہ تاثر دیتی ہیں کہ معرکہ حرہ میں بھاری تعداد میں مدنی خواتین کا اغوا کیا گیا تھا، دراصل ان روایتوں کی غلط بیانی کی قلعی اس وقت کھلی جب میں

[1] یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام نافع کا قول ہے۔ اسی کتاب کے معرکہ حرہ کی بحث میں اسے مفصل طور پر دیکھئے۔

نے انھیں تنقید و تجزیہ کی کسوٹی پر رکھا، اور اپنی طاقت بھر انھیں ہر جانبدار سے پاک رکھتے ہوئے خالص علمی معیار پر جانچا اور پرکھا۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی مخالفت اور حرم مکی کا محاصرہ:

چوں کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور یزید بن معاویہ کے درمیان عسکری ٹکراؤ کی صورت حال یزید بن معاویہ کی زندگی کے آخری ایام میں پیش آئی اس لیے جب اس مدت کا موازنہ حسین رضی اللہ عنہ یا اہل مدینہ کی تحریکی مدت سے کیا جاتا ہے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یزید اور ابن زبیر کی عسکری پیش قدمی کی مدت انتہائی مختصر رہی ہے جس سے کوئی تفصیلی نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا تاہم چند اہم باتیں ضرور سامنے آتی ہیں مثلاً:

- یزید بن معاویہ نے ہر اعتبار سے یہ کوشش کیا، اور متمنی رہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جنگ نہ چھیڑیں، جسے ان ایلچیوں اور وفود کے پیغام کو دیکھ کر محسوس کیا جاسکتا جنھیں یزید نے اپنے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے درمیان واسطہ اور ثالثی کے طور پر استعمال کیا تھا۔
- حرم مکی کے اندر ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے محاصرہ، اور شامیوں کی طرف سے اس پر منجنیق سے پتھر برسانے کا مقصد مسجد حرام کی توہین نہیں تھی، جب کہ اس سے کہیں زیادہ اہانت ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے خلیفہ مخالف ساتھیوں کے ذریعہ ہوئی، جنھوں نے حرم کو اپنی پناہ گاہ بنایا۔

اسی طرح کعبہ میں آتش زدگی کی جو بھی وجہ رہی ہو، شامیوں کی وجہ سے لگی ہو یا ابن زبیر کے حامیوں یا خود ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی وجہ سے، بہر حال اس سے کعبہ کو نذر آتش کرنا ہرگز مقصود نہ تھا، کیوں کہ دونوں فریقوں کی نگاہ میں اس کی تقدس وعظمت یکساں تھی۔

چلتے چلتے مسك الختام کے طور پر یزید بن معاویہ اور ان کے معارضین کے بارے میں کچھ تنبیہات اور خصوصی توجیہات ضروری ہیں: چناں چہ میں کہتا ہوں کہ یزید کی پوری مدت خلافت میں معاملات میں استقرار نہیں رہا کہ ہم اس دور اقتدار کا جائزہ لے کر یہ حکم لگا سکیں کہ آیا یزید امت مسلمہ کی خلافت اور ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کے لائق تھا یا نہیں۔

- کیوں کہ منصب خلافت کو سنبھالنے کے اول دن سے یزید کو مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، اور مخالفین بھی ایسے رہے جو اپنے زمانے کے افاضل وشرفاء میں سرفہرست تھے مثلاً حسین بن علی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین، پس یزید جس قدر بھی حق بجانب رہے ہوں لیکن عوام الناس کی اکثریت کے ذہنوں میں انھیں کی غلطی کا شعور غالب رہے گا کیوں کہ دونوں کے مقام ومرتبہ میں فضل وشرف کا بڑا فرق ہے۔
- اس ودر میں جو سیاسی حالات جس ماحول سے گزر رہے تھے اسی نے یزید کے خلاف اٹھنے والی بہت

ساری تہمتوں کو ہوا دیا۔

- یزید کی سوانح سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صلح پسند طبیعت کے آدمی تھے، اور اس بات کے لیے کوشاں تھے کہ اپنے مخالفین کے ساتھ عسکری اقدام کی ضرورت پیش نہ آئے، لیکن جب قوت کے استعمال کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ رہتا تو وہی راستہ اختیار کرتے جس میں عموماً بہت ساری سختیاں پوشیدہ ہوتیں۔

دریں صورت حال یزید کے سامنے صرف تین راستے تھے:

۱۔ مخالفت کو دیکھتے ہوئے خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔

۲۔ ملک کی بعض اہم ریاستوں کی خود مختاری کی تحریک کو قبول کرتے ہوئے انھیں خاموشی سے قبول کر لیں۔

۳۔ مخالفین کا صفایا کریں اور حکومت کے دبدبہ اور امت کے اتحاد کی حفاظت کریں۔

- مخالفت نے تلواروں کا سہارا لے کر یزید کو ایسی دفاعی حالت میں لا کھڑا کیا جسے اپنی جان اور حکومت دونوں کا خطرہ تھا۔
- پھر بعد کے ادوار میں تقریباً تمام ہی خلفاء کو یہ شعور واحساس یوں لازم رہا کہ وہ یا تو اپنے اس دشمن کا صفایا کر دے جو مخالفت میں کھڑا ہے اور یا وہ دشمن خود اس خلیفہ کا تختہ پلٹ کر دے۔

درحقیقت مخالفت کی روش و رجحان نے شروع اسلامی تاریخ ہی سے برسر اقتدار حکومت کے ساتھ باہمی مفاہمت اور رواداری کی روح کا خاتمہ کر دیا تھا، اور اپنی بالادستی کے لیے وہ تلواروں کا سہارا لیتی تھی پھر چوں کہ حکومت کے پاس وافر مقدار میں وسائل موجود ہوتے تھے اس لیے حکومت کی بقا و استحکام کے پیش نظر عموماً ردعمل کے طور پر حکومت بھی تلواروں کا سہارا لیتی تھی۔

- حکومت کی بالادستی اور مخالفین کی سخت گرفت کی وجہ سے بعد کے آنے والے بیشتر مسلمان خلفاء وحکمرانوں میں اسلامی تاریخ کے ہر دور میں جبر واستبداد کا رجحان بڑھا، اور حکومتی قرار دادیں منظور کرتے وقت جن بالغ نظر و بابصیرت شخصیات سے استفادہ ممکن تھا انھیں دور رکھا جانے لگا، اس طرح مخالفین حاکم وقت کی اصلاح میں کوئی خیر کی توقع نہیں رکھتے تھے، جب کہ حاکم بھی ان مخالفین کی پرواہ نہیں کرتے کیوں کہ انھیں برتری ملی ہی رہتی تھی، یہی وجہ رہی جس نے بعض اسلامی ممالک کے نظام حکومت میں خلل پیدا کر دیا، اور دنیا و آخرت کی سعادت سے ہمکنار کرنے والے شرعی اصول وضوابط کے مطابق شورائیت، باہمی خیر خواہی اور امت کی مصلحت ومفاد کی رغبت مفقود ہوگئی۔ واللہ اعلم

وصلی اللّٰہ وسلم و بارك علی رسولنا محمد و علی آله وصحبه اجمعین۔

یادداشت

....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....
....